قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى

تفسیر ضیاء القرآن

۱

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

فاتحہ تا انعام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

ضیاء القرآن

السید

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر)

سجادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين

ضیاء القرآن

السید

جلد اوّل

فاتحہ ــــ تا ــــ انعام

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر)

سجادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور کراچی پاکستان

جملہ حقوق بحق ضیاء القرآن پبلی کیشنز محفوظ ہیں
ضیاء القرآن جلد اول کے حقوق کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں

نام کتاب	ضیاء القرآن (جلد اول)
مفسر	حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	2015ء
مطبع	ضیاء القرآن پرنٹنگ پریس، لاہور
تعداد	تین ہزار
کمپیوٹر کوڈ	QT1

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-32212011-32630411 فیکس: 021-32210212

e-mail:-info@zia-ul-quran.com

Visit our website: www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	طبعِ جدید	۵
۲	مقدّمہ	۷
۳	الفاتحہ	۲۰
۴	البقرہ	۲۷
۵	آلِ عمران	۲۰۳
۶	النّساء	۳۱۱
۷	المائدہ	۴۳۱
۸	الانعام	۵۲۹
۹	تحقیقاتِ لغویہ	۶۲۳
۱۰	التحقیقات النحویہ	۶۲۸
۱۱	فہرست مطالب	۶۲۹

فہرست نقشہ جات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	نقشہ مقاماتِ حج	۱۳۶
۲	حضرت ابراہیمؑ کی "اُر" سے کنعان تک ہجرت اور دیگر اسفار	۱۸۰
۳	نقشہ جنگِ اُحد	۲۸۶
۴	بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت اور صحرا نوردی	۴۶۰

عرض ناشر

حضور ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ العزیز بانی ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے تفسیر ضیاء القرآن کی اشاعت کا جب خود ارادہ فرمایا تو دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے فاضل علامہ عبدالرسول ارشد کو یہ ذمہ داری سونپی، اور کتابت کے لیے اپنے وقت کے بہترین کاتبوں کا انتخاب فرمایا۔ آپ کے منتخب کردہ افراد نے ضیاء القرآن کو ظاہری محاسن سے آراستہ کرنے کے لیے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ضیاء القرآن کا ہر قاری اس پر شاہد ہے۔

چالیس سال سے انہیں کاپیوں سے اس کی طباعت کا سلسلہ جاری رہا جس وجہ سے کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور طباعت جدید کی ضرورت پیش آ رہی تھی۔ مزید برآں ''ضیاء القرآن'' جب سے اشاعت پزیر ہوئی تو یہ اہل ذوق کی توجہات کا مرکز بن گئی۔ قارئین وقتاً فوقتاً اپنے جذبات سے ہمیں آگاہ کرتے رہے جن میں علمی دنیا کی مقتدر شخصیات، علوم دینیہ کے ماہرین، جدید علوم سے وابستہ افراد، علم وادب کے شناور اور اللہ تعالیٰ کے دین سے محبت کرنے والے عام مسلمان بھی تھے۔ ان کے یہ جذبات محبت ادارہ کے جملہ اراکین کے لیے سوغات کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہیں افراد میں سے بعض احباب نے اپنے گراں قدر مکاتیب میں ''ضیاء القرآن'' کے مصادر ومراجع کی توضیح کی طرف متوجہ کیا اور بعض نے عربی عبارات اور خصوصاً وہ دعائیں جو حضور ضیاء الامت نے سورتوں کی تفسیر کے اختتام پر رقم کی ہیں پر اعراب لگانے کا مطالبہ کیا کیونکہ وہ دعائیں اُس بارگاہِ بندہ پرور کے آداب کو جامع ہیں اور اہل ذوق پر وجدانی کیفیت طاری کرنے والی ہیں۔

مصادر کی تخریج کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے دار العلوم محمدیہ غوثیہ کے فضلاء پانچ سال تک مصروفِ کار رہے، ادارہ ضیاء المصنّفین کے فضلاء نے عربی عبارات پر اعراب لگانے اور مشکل الفاظ کے معانی کی فرہنگ شامل کرنے کی سعادت حاصل کی اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے دو ساتھیوں مولانا غلام علی اور مولانا محمد زاہد سیفی نے تقریباً تین سال تک تفسیر کے حرف حرف کو بڑی دقت نظر سے دیکھا اور اس مرقع حسن وزیبائی کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل بنایا۔

ہم نے تفسیر کو کمپوز کرتے وقت اس بات کا حتی الامکان خیال رکھا ہے کہ قرآن حکیم کے متن وترجمہ اور تفسیر کے صفحات پہلی ترتیب پر ہی موجود رہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا ہے کہ وہ ہمیں اس عظیم ہستی کی علمی کاوشوں کو احسن انداز میں اپنے محترم قارئین کی خدمت میں بطور ارمغان محبت پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے رکھے اور اس کاوش کو ہمارے لیے توشۂ آخرت بنائے۔

آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین

محمد حفیظ البرکات شاہ

خادم ضیاء القرآن پبلی کیشنز

طبعِ جدید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہِ الذی بتوفیقه تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علی حبیبه الذی بجاهه تقبل الطاعات وتمحیٰ السیئات وعلی اله معادن السعادات واصحابه منابع البرکات ومن احبه واتبعه باحسان الی یوم الدین۔

۱۳۸۴ ہجری سنہ ۱۹۶۵ء میں ضیاء القرآن کی پہلی جلد کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا سنہ ۱۹۷۰ء میں دُوسری جلد طبع ہُوئی۔ اِن دونوں جلدوں کی کتابت اَور طباعت اِتنی غیر معیاری تھی کہ ان کا مطالعہ قارئین کے ذوقِ لطیف پر ایک ناخوشگوار بوجھ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بازار میں دستیاب بھی نہیں ہوتی تھی جس سے شائقین کو گوناگوں دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ ساری باتیں میرے لیے بڑی تکلیف کا باعث تھیں لیکن اِس سے رُستگاری کی کوئی صُورت نظر نہ آرہی تھی۔

آخر کار اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا کہ متوکلاً علی اللہ تعالیٰ اس کی طباعت واشاعت کی ذمہ داری خود سنبھالی جائے۔ چُنانچہ مخلص احباب کے مشورہ اَور تعاون سے شبِ معراج سنہ ۱۳۹۴ھ میں ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ اُسی کی زیرِ نگرانی ضیاء القرآن طبع ہو کر اَب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

- تمام تفسیر کی کتابت ازسرِ نو کرائی گئی ہے اَور ملک کے بہترین خوشنویسوں کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔
- ضیاء القرآن کو تین جلدوں میں شائع کرنے کے بجائے پانچ جلدوں میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ کیونکہ مواد زیادہ تھا اِسے تین جلدوں میں سمونا مشکل تھا۔
- تفسیر کو حاشیہ پر لکھنے کا اسلوب ترک کر کے موجُودہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔
- مطبُوعہ جلدوں میں بھی متعدد مقامات پر اضافے کیے گئے ہیں۔ جن سے آیات کا مطلب سمجھنے میں آسانی ہوگی۔
- مُناسب مقامات پر مضامینِ قرآن کی توضیح کے لیے نقشوں کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔
- ہر جلد کی فہرستِ مطالب ازسرِ نو اِس طرح مرتّب کی گئی ہے کہ قارئین کے لیے اِس سے اِستفادہ آسان ہو جائے۔
- پانچویں جلد کے آخر میں مِفتاح القرآن نامی ایک رسالہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس سے قارئین کو مطلُوبہ آیت کی تلاش میں مدد ملے گی۔
- پہلی طباعت بلاکس پر تھی۔ اَب فوٹو آفسٹ کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔
- قرآنِ کریم کے نوُر کو ہر مُسلم گھر میں پہنچانے کی غرض سے ضیاء القرآن دو قسموں میں آپ کے سامنے ہے۔ اعلیٰ قسم اَور

ارزاں قسم۔ تاکہ ہر شخص اپنے ذوق اور مقدرت کے مطابق اِسے حاصل کر سکے۔

دارُالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کے فاضل نوجوان عزیزم مولٰنا محمد سعید اسعد نے دس گیارہ سال بڑی محنت اور دلی لگن سے شب و روز میرے ساتھ کام کیا۔ اپنے آرام و آسائش کی کبھی پرواہ نہ کی۔ ان کی ذہانت، خوش ذوقی اور خلوص کا مجھے اعتراف ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اِس مخلصانہ رفاقت اور مسلسل محنت کو شرفِ قبول بخشے اور انھیں اپنے دینِ حنیف کی خدماتِ جلیلہ سرانجام دینے کی توفیقات ارزانی فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ان کے علاوہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کے فاضل عزیزم مولٰنا عبدالرسول ارشد ایم۔ اے (گولڈ میڈلسٹ) کا میں ممنون ہوں جنھوں نے میری گزارش پر سرکاری ملازمت سے استعفاء دے کر ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا کام سنبھالا۔ انہی کی اَن تھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ضیاء القرآن کو اس دیدہ زیب صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

حضرت مولٰنا محمد معراج الاسلام صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ اور جناب عابد نظامی مدیر معاون ماہنامہ "ضیائے حرم" میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ ان کے مفید مشوروں سے میں نے اِستفادہ کیا۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے اراکین کے بھرپور تعاون کے بغیر اِس عظیم منصوبہ کو عملی جامہ پہنانا مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے جذبۂ خدمتِ اسلام کو ہمیشہ سلامت رکھے اور انھیں مزید توفیقات سے بہرہ ور فرمائے۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ وعلیٰ والدی وَان اعمل صالحاً ترضاہ واصلح لی فی ذریتی اِنّی تبت الیك وانی من المسلمین

یارب صل وسلّم دائما ابدا
علی حبیبك خیر الخلق کلھم

دوشنبہ
۲۱۔ محرّم الحرام سنہ ۱۳۹۸ھ
۲۔ جنوری سنہ ۱۹۷۸ء

خاکِ راہِ صاحبدِلاں
محمّد کرم شاہ
سجّادہ نشین بھیرہ ضلع سرگودھا

ضِیَاءُ الْقُرْآن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ وَاَزْکَی الصَّلَوَاتِ وَاَطْیَبُ التَّسْلِیْمَاتِ وَاَسْنَی التَّحِیَّاتِ عَلٰی حَبِیْبِهِ الْمُعَظَّمِ وَ نَبِیِّهِ الْمُکَرَّمِ سَیِّدِ وُلْدِ آدَمَ مَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ قَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ وَ عَلٰی آلِهِ الطَّیِّبِیْنَ وَاَصْحَابِهِ الْمُکَرَّمِیْنَ اَللّٰهُمَّ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ۔ اٰمِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ

رحمٰن ورحیم پروردگار نے اپنے بندوں کی رہنمائی اوران کی حقیقی فلاح وکامرانی کے لیے جوصحیفہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب منیر پرنازل فرمایا۔اسے ہم قرآن مجید کے نام سے جانتے ہیں۔کہنے کوتو یہ ایک کتاب ہےاور کتابیں اَن گنت ہیں۔بڑی ضخیم، بڑی ادق، بڑی دل آویز۔لیکن اس کتاب کی شان ہی نرالی ہے۔یہ صحیفہ بیک وقت کتاب بھی ہے اور علم و معرفت کا آفتاب جہاں تاب بھی۔جس میں زندگی کی حرارت اور ہدایت کا نوردونوں یکجا ہیں۔اس کا حسن و جمال قلب ونگاہ کو یکساں متاثر کرتا ہے۔اس کی تجلیات سے دنیا وعقبیٰ دونوں جگمگا رہے ہیں۔اس کا فیض ہر پیاسے کواُس کی پیاس کے مطابق سیراب کرتا ہے۔اِس کا پیغام اگرعقل وخردکولذت جستجو بخشتا ہےتو قلب وروح کوبھی شوق فراواں سے مالا مال کرتا ہے۔اس کی تعلیم نے انسان کوخودشناس بھی بنایااورخداشناس بھی۔

یہ کتاب مقدس ہرلحاظ سے سراپااعجاز ہے۔اس کا ہر پہلواتنادلربا ہے کہ اپنے پڑھنے والے کومسحورکردیتا ہے۔اسی لیے جب سے اس کا نزول ہوااس نے اپنی فطری جاذبیت سے نوع انسان کے ہرطبقہ سے سنجیدہ اورذہین افرادکواپنی طرف متوجہ کیا۔اور اس میں قطعاً مبالغہ نہیں کہ قرآن حکیم کے متعلق جتنا کچھ لکھا گیا ہے اتنا کسی کتاب یا کسی موضوع پرنہیں لکھا گیا۔لکھنے والوں میں اپنے بھی تھےاور بیگانے بھی۔محقق بھی تھےاورمتعصب بھی۔ادیب بھی تھےاورفلسفی بھی۔عربی بھی تھےاورعجمی بھی۔شمع علم کے پروانے بھی تھےاور میخانہ عرفان کے متوالے بھی۔سب ہی نےتواس کی خدمت کی بلکہ سب ہی سے اس نے اپنی خدمت لی اور ہرایک نے اس چاکری کواپنے لیے باعث عزت وسعادت سمجھا۔

اس بحربے پیدا کنار میں غوّاصی کرنے والوں نے غوّاصی کا حق ادا کیا۔ہرایک نے اپنی ہمت کے مطابق انمول موتیوں سے اپنی جھولیاں بھریں۔لیکن اس کے معارف کے خزینے بھرے کے بھرے ہی رہے۔اس کے اسرارورموز کے گنجینوں میں کمی نہ ہوئی جنہوں نے اس گلستان معنی میں گل چینی کرتے کرتے عمریں گزاردیں۔انہوں نے بھی یہ تونہیں کہا کہ ہم نے سب

پھول چن لیے ہیں۔ بلکہ سب نے بے تامل یہ اعتراف کیا

دامان نگاہ تنگ و گلِ حُسن تو بسیار　　گل چینِ تو از تنگیٔ داماں گِلہ دارد

اوران کا یہ اِعترافِ عجز از راہِ تواضع و اِنکسار نہ تھا بلکہ حقیقت کا اظہار تھا اور وہ مجبور تھے کہ اس روشن حقیقت کا اظہار کریں۔

جس میدان میں ابن جریر رضی اللہ عنہ اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث اور مؤرّخ، زمخشری اور ابو حیان اندلسی جیسے ادیب اور نکتہ سنج، رازی اور بیضاوی جیسے متکلم اور فلسفی، ابوبکر جصّاص اور ابوعبداللہ القرطبی جیسے فقیہ اور متفنن (علیہم الرحمۃ) قرآن کی عظمت وجلال کے سامنے دم بخود اور سر بگریباں کھڑے ہوں۔ میرے جیسے ہیچمدان، ہیچمیر زکا ادھر رخ کرنا یقیناً محل تعجب وحیرت ہے۔

خدا شاہد ہے کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ مجھے یہ کام کرنا ہے یا میں یہ کام کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں یا اپنے فہم و ادراک کے ناخن سے کسی پیچیدہ گرہ کو کھول سکتا ہوں۔ یا میرے قلم میں اتنا زور ہے کہ میری نگارشات قرآن فہمی کے راستہ سے ساری رکاوٹیں دور کرسکتی ہیں۔ ان تمام کوتاہیوں کا پورا احساس ہوتے ہوئے یہ کچھ ہوگیا۔ اس کی توجیہہ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ میں یہ کہوں کہ اللہ رب العزت نے چاہا اور یہ ہوگیا۔ اسی مسبّب الاسباب نے اسباب فراہم کیے۔ اسی کی توفیق نے دستگیری فرمائی اسی کی عنایاتِ پیہم کے سہارے قدم اٹھتے رہے۔ اسی کی تائید مسلسل سے میں یہاں تک پہنچا اور اسی کی بارگاہ بیکس پناہ میں دامن طلب پھیلائے۔ بصد عجز و نیاز فریاد کناں ہوں کہ اے ذروں کو رشک آفتاب بنانے والے! اے قطروں کو سمندر کی وسعتیں بخشنے والے! اے گداؤں کو ہفت اقلیم کی سلطانی کا تاج پہنانے والے! اے دلوں کے ظلمت کدوں میں اپنی معرفت کا چراغ روشن کرنے والے! اس ذرّہ ناچیز کو، اس قطرۂ حقیر کو، اس بے نوا فقیر کو، اس سیاہ رو اور سیاہ دل کو اپنے محبوب مکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اپنی عنایات خسروانہ سے، اپنے الطاف شاہانہ سے، اپنی نوازشات کریمانہ سے ہمیشہ ہمیشہ سرفراز فرمائے رکھنا۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۱۵ (الاحقاف:۱۵)

فاران کی وادیوں سے قرآن کا چشمہ فیض کیا پھوٹا کہ اس سے علوم وفنون کے دریا بہہ نکلے جنہوں نے جزیرۂ عرب کے پیاسے ریگزاروں کو سیراب کیا اور انہیں حکمت ودانش کی جلوہ گاہ بنادیا۔ اس ایک کتابِ مجید نے جہاں پہلے علوم کو حیات نو بخشی وہاں اس نے بے شمار جدید علوم کی تشکیل کا سامان فراہم کردیا۔ علوم تفسیر، لغت وفقہ اللغۃ، فقہ واصول فقہ، معانی و بلاغۃ و بدیع، صرف ونحو، قرأت وتجوید، وعظ وخطابت، قصص واخبار، امثال وحکایات ان کے علاوہ اور کئی علوم ہیں جنہوں نے قرآن کریم کے سایہ عاطفت میں جنم لیا اور اسی کے آغوش تربیت میں پروان چڑھے۔ اس طرح قرآن حکیم کے فیض سے دنیا کی سب سے زیادہ جاہل قوم علم وحکمت کے عظیم خزانوں کی مالک بلکہ خالق بن گئی۔

ہر عہد میں ملت اِسلامیہ کے ذہین وفطین افراد نے جو روشن دماغ بھی تھے اور روشن ضمیر بھی، اپنی ذاتی استطاعت، ذاتی صلاحیت واستعداد اور اپنے مخصوص ماحول کی ضروریات اور تقاضوں کے پیش نظر قرآن مجید کے ان خادم علوم میں سے کسی ایک کو اپنے لیے منتخب کیا اور خدمت گزاری کا حق ادا کردیا۔ اور اپنے اپنے موضوع پر ایسی زندۂ جاوید تالیفات وتصنیفات کا

گراں بہا ذخیرہ چھوڑا جن کی روشنی سے دنیا بھر کے کتب خانے اور دانش گاہیں آج بھی چمک رہی ہیں۔لیکن اس ناچیز کے نزدیک قرآن کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ کتاب ہدایت ہے۔اس کے نازل فرمانے والے نے بارہا اس کا تعارف اس قسم کے کلمات سے کرایا ہے:

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ (آل عمران:۱۳۸)

آج ہمیں قرآن مجید کے اسی پہلو پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینی چاہیے لیکن شومئ تقدیر ملاحظہ ہو آج قرآن کا یہی پہلو متروک اور مہجور ہے۔

قرآنِ حکیم کا مقصد اوّلین اِنسان کی اصلاح ہے۔تربیت پیہم سے اس کے نفس امّارہ کو نفس مطمئنہ بنانا ہے۔ہوا و ہوس کے غبار سے آئینہ دل کو صاف کر کے اسے انوار ربانی کی جلوہ گاہ بنانا ہے۔انانیت وغرور، تمرد وسرکشی کی بیخ کنی کر کے انسان کو اپنے مالک حقیقی کی اطاعت واِنقیاد کا خُوگر کرنا ہے۔یہی کام سب سے اہم بھی ہے اور سب سے مشکل اور کٹھن بھی۔قرآن مجید نے اسی اہم ترین اور مشکل ترین کام کو سرانجام دیا اور اس حسن وخُوبی سے کہ دنیا کا نقشہ بدل گیا۔

یہ صرف باتیں ہی باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقت ہے زندۂ جاوید حقیقت اور نا قابل انکار حقیقت کہ قرآن کی ہدایت سے بگڑا ہوا انسان سدھرا اور سدھر کر ساری کائنات کے لیے آیۂ رحمت بن گیا۔غور فرمایئے حکمت الٰہی نے نزول قرآن کے لیے جس سرزمین کو منتخب کیا۔وہ عرب کا خطہ تھا۔وہاں بسنے والے لوگ شکل وصورت میں تو انسان تھے لیکن انسانیت سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔کُفر وشرک، فِسق وفجور، ظلم وستم، وحشت وبربریت، جہالت اور اُجڈ پن اس پر فقر وافلاس مستزاد، غرضیکہ کون سا عیب تھا یا کون سی گمراہی تھی جو ان میں بدرجہ اتم موجود نہ تھی۔اور دنیا نے دیکھا کہ قرآن حکیم کی تاثیر اور صاحبِ قرآن کی برکت سے وہ کیا سے کیا بن گئے۔اگر قرآن عرب کے اجڈ بدوؤں کو آدم وبنی آدم کے لیے باعث عزّ وشرف بنا سکتا ہے۔اگر ان جاہلوں کو جو ابجد خواں بھی نہ تھے بزمِ علم ودانش کا صدر نشین بنا سکتا ہے۔اگر حرم کعبہ میں 360 بتوں کی پوجا کرنے والی قوم کے دِل میں معرفت الٰہی کی شمع فروزاں کر سکتا ہے تو ہمارے صنم کدہ تصوّرات کے لات وہبل کو کیوں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتا۔ہمارے ظلمت خانہ حیات کو اس کی کرنیں کیوں منور نہیں کر سکتیں۔بخدا ہو سکتا ہے۔سب کچھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ ہم قرآن کی ہدایت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں اور ہمارا کاروانِ حیات اس شاہراہ ہدایت پر گامزن ہو جائے جو قرآن نے ہمارے لیے تجویز کی ہے۔

اے درماندۂ راہ قوم! قرآن تمہیں عظمت وعزت کی بلندیوں کی طرف آج بھی لے جا سکتا ہے بشرطیکہ تم اس کی قیادت قبول کر لو۔

اے اپنی قسمتِ برگشتہ پر آہ وفغاں کرنے والے نوجوانو! دنیا کی امامت تمہاری متاع گم گشتہ ہے۔تمہیں یہ واپس مل سکتی ہے اگر تم میں اس کی واپسی کی تڑپ ہو.....قرآن تمہیں واپس دلا سکتا ہے اگر تم اس کا حکم ماننے کے لیے تیار ہو۔

زندگی کی یہ ساری چہل پہل تقسیم کار کے باعث ہے۔ایک ہی ملت کے مختلف افراد مختلف کام سرانجام دیتے ہیں۔کسی کے ہاتھ میں حکمرانی کی باگ ڈور ہے۔کوئی مجالس مشاورت کا رُکن رکین ہے۔کوئی تجارت وصنعت کو چار چاند لگا رہا ہے۔کوئی شکم زمین سے رزق کے سربمہر خزانے نکال کر ان کے ڈھیر لگا رہا ہے۔کوئی وعظ ونصیحت کے منبر پر جلوہ نما ہے۔کوئی تعلیم وتدریس کی مسند کو رونق بخشے ہے اور کوئی سجّادہ فقر ودرویشی پر تشریف فرما ہے۔قوم کو مجموعی طور پر اصلاح یافتہ اسی وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کے

تمام عناصر حق کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں اور اپنے اپنے دائرہ عمل میں قرآن مجید کی ہدایت پر کاربند ہوں اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں پوری دیانت داری سے مصروفِ کار ہوں۔ ان عناصر کا باہمی تعلق اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اگر ایک عنصر بھی جادۂ حق سے برگشتہ ہو جائے تو دوسرے عناصر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اس لیے قرآن حکیم نے ہر ایک کو اپنی خصوصی توجہ کا مستحق سمجھا ہے اور ہر گروہ میں راہ پانے والی خرابیوں کی نشاندہی کی ہے اور انہیں اس کے عبرتناک انجام سے آگاہ کیا ہے۔

ہم اکثر بگڑی ہوئی قوموں کے حالات اور ان کے حسرت ناک انجام کے متعلق قرآن میں پڑھتے ہیں اور ایک لمحہ توقف کیے بغیر آگے نکل جاتے ہیں۔ ہم یہ زحمت بہت کم گوارا کرتے ہیں کہ اپنے اعمال کا موازنہ ان برباد شدہ قوموں کے اعمال سے کریں اور یہ سوچیں کہ کہیں ہم بھی انہیں نافرمانیوں کا شکار تو نہیں اور اگر خدانخواستہ ہیں تو اپنے انجام کی ہولناکیوں سے غافل کیوں ہیں؟ کیا مکافاتِ عمل کا قانون، قدرت کا اٹل قانون نہیں؟ کیا ہم نے یہ نہیں پڑھا کہ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔(1)

میں نے ہر ایسے موقع پر کوشش کی ہے کہ مطالعہ کرنے والے کے وجدان کو جھنجھوڑوں اور اُسے اپنا محاسبہ کرنے کی رغبت دلاؤں تاکہ وہ اپنی جنس عمل کو اِسلام اور قرآن کے مقرر کیے ہوئے ترازو میں تولے اور اسی کی کسوٹی پر پرکھے تاکہ اسے اپنے متعلق کوئی غلط فہمی یا اِشتباہ نہ رہے۔ اور اگر اس کا قدم جادۂ حق سے پھسل گیا ہے تو وہ سنبھلنے کی بروقت کوشش کرے۔

قرآنِ حکیم نے اپنے ماننے والوں کو ایک واضح اور مکمل ضابطہ حیات (شریعت) بھی عطا کیا ہے اور یہ ضابطہ اتنا ہی وسیع ہے جتنی زندگی اپنے بُوقلموں تنوع کے ساتھ وسیع ہے بلکہ بلا مبالغہ اس سے بھی وسیع تر۔ انسان کیا ہے؟ اس کا تعلق اپنے خالق کے ساتھ اور اس کی مخلوق کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے؟ اگر وہ حاکم ہے تو اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ اگر وہ رعایا ہے تو اس کے فرائض کی نوعیت کیا ہے؟ اگر وہ دولت مند ہے تو اس کا طرزِ عمل کیسا ہو اور اگر وہ فقیر و محتاج ہو تو کس طرح باوقار زندگی بسر کر سکتا ہے؟ قرآن نے جو شریعت کاملہ ہمیں دی ہے اس میں ان سوالات کا مکمل جواب موجود ہے۔ اسی لیے عبادات، سیاسیات، معاشیات، نظامِ اخلاق وغیرہ تمام امور کو شریعت نے اپنے دامن میں سمیٹا ہوا ہے۔

قرآن حکیم میں جہاں بھی یہ مباحث آئے ہیں میں نے کوشش کی ہے کہ ان کو اس واضح اسلوب میں پیش کیا جائے جسے عصر حاضر کا انسان سمجھ بھی سکے اور قبول بھی کر سکے۔

یہ ایک بڑی دلخراش اور روح فرسا حقیقت ہے کہ مُرورِ زمانہ سے اس امت میں بھی اِفتراق و اِنتشار کا دروازہ کھل گیا جسے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا(2) کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ امت بھی بعض خودغرض اور بدخواہ لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے متنازع گروہوں میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور جذبات میں آئے دن کشیدگی اور تلخی بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اس پراگندہ شیرازہ کو یکجا کرنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ انہیں قرآنِ حکیم کی طرف بلایا جائے اور اس کی تعلیمات کو نہایت شائستہ اور دلنشین پیرایہ میں پیش کیا جائے۔ پھر ان کی عقل سلیم کو اس میں غور و فکر کی دعوت دی جائے۔ ہمارا اتنا ہی فرض ہے اور ہمیں یہ فرض بڑی دِل سوزی سے ادا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد معاملہ خدائے برتر کے سپرد کر دیں۔ وہ حیّ و قیوم چاہے تو انہیں ان شبہات اور غلط فہمیوں کی دلدل سے نکال کر راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

1۔ سورۃ الفتح:23 2۔ سورۂ آل عمران:103

اس باہمی اور داخلی انتشار کا سب سے المناک پہلو اہل السنۃ والجماعت کا آپس میں اختلاف ہے۔ جس نے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت، قرآن کریم، قیامت اور دیگر ضروریاتِ دین میں کلی موافقت ہے۔ لیکن بسا اوقات طرزِ تحریر میں بے احتیاطی اور انداز تقریر میں بے اعتدالی کے باعث غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور باہمی سوءِ ظن ان غلط فہمیوں کو ایک بھیانک شکل دے دیتا ہے۔ اگر تقریر و تحریر میں احتیاط و اعتدال کا مسلک اختیار کیا جائے اور اس بدظنی کا قلع قمع کر دیا جائے تو اکثر و بیشتر مسائل میں اختلاف ختم ہو جائے۔ اور اگر چند امور میں اختلاف باقی رہ بھی جائے تو اس کی نوعیت ایسی نہیں ہوگی کہ دونوں فریق عصر حاضر کے سارے تقاضوں سے چشم پوشی کیے آستینیں چڑھائے، لٹھ لیے ایک دوسرے کی تکفیر میں عمریں برباد کرتے رہیں۔

ملت اسلامیہ کا جسم پہلے ہی اغیار کے چرکوں سے چھلنی ہو چکا ہے۔ ہمارا کام تو ان خونچکاں زخموں پر مرہم رکھنا ہے۔ ان رستے ہوئے ناسوروں کو مندمل کرنا ہے۔ اس کی ضائع شدہ توانائیوں کو واپس لانا ہے۔ یہ کہاں کی دانش مندی اور عقیدت مندی ہے کہ ان زخموں پر نمک پاشی کرتے رہیں۔ ان ناسوروں کو اور اذیت ناک اور تکلیف دہ بناتے رہیں۔

میں نے پورے خلوص سے کوشش کی ہے کہ ایسے مقامات پر افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اپنے مسلک کی صحیح ترجمانی کر دوں جو قرآن کریم کی آیات بینات، احادیث صحیحہ یا امت کے علماء حق کے ارشادات سے ماخوذ ہے تاکہ نادان دوستوں کی غلط آمیزیوں یا اہل غرض کی بہتان تراشیوں کے باعث حقیقت پر جو پردے پڑ گئے ہیں وہ اٹھ جائیں اور حقیقت آشکارا ہو جائے۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس طرح بہت سے الزامات کا خود بخود ازالہ ہو جائے گا۔ اور ان لوگوں کے دلوں سے یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی جو غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ واقعی ملت کا ایک حصہ شرک سے آلودہ ہے یا ان کے اعمال اور مشرکین کے اعمال میں مماثلت پائی جاتی ہے العیاذ باللہ۔ خداوند کریم ہمارے حالِ زار پر رحم فرماوے اور دلوں کو حسد اور نفرت کے جذبات سے پاک کر کے ان میں محبت و الفت پیدا فرماوے۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

فرقانِ حمید عربی زبان میں نازل ہوا۔ عربی کا اپنا ادب ہے۔ فصاحت و بلاغت کا اپنا معیار ہے۔ اس کے اپنے مجازات، استعارات اور امثال ہیں۔ مفردات کے اِشتقاق اور جملوں کی ترتیب کے الگ قواعد ہیں۔ اس کا دامن، الفاظ کی کثرت سے معمور ہے اور قواعدِ اشتقاق نے تو اس میں اتنی وسعت پیدا کر دی ہے کہ دنیا کی کوئی ترقی یافتہ زبان بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اس کتابِ مقدّس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم عربی زبان سے ربط پیدا کریں۔ اس کے قواعد و ضوابط سے اچھی طرح واقفیت بہم پہنچائیں۔ اس کے ادب اور اسلوبِ انشاء کی خصوصیات کو سمجھیں تاکہ کلمات کے آبگینوں میں حقیقت کی جو شراب طہور چھلک رہی ہے اس سے لطف اندوز ہو سکیں۔

جہاں کہیں کوئی نحوی یا صرفی الجھن معلوم ہوئی یا لغوی پیچیدگی نظر آئی میں نے کوشش کی ہے کہ ائمہ فن کے مستند اقوال سے اس کا حل پیش کروں تاکہ دل میں کوئی خلش باقی نہ رہے۔

ہر سورت سے پہلے میں نے اس کا تعارف لکھا ہے جس میں سورت کا زمانہ نزول، اس کا ماحول، اس کے اہم اغراض و مطالب، اس کے مضامین کا خلاصہ۔ اور اگر اس میں کسی سیاسی یا تاریخی واقعہ کا ذکر ہے تو اس کا پس منظر بیان کیا ہے۔ تاکہ

قارئین جب پہلے اس تعارف کو پڑھ لیں تو سورت کا مطالعہ کرتے وقت وہ ان امورِ خصوصی پر زیادہ توجہ مبذول کر سکیں گے۔

قرآن کریم کے اردو تراجم جو میری نظر سے گزرے ہیں وہ عموماً دو طرح کے ہیں۔ ایک قسم تحت اللفظ تراجم کی ہے لیکن ان میں وہ زور بیان مفقود ہے جو قرآن کریم کا طرۂ امتیاز بلکہ اس کی روح رواں ہے۔ دوسری قسم بامحاورہ تراجم کی ہے۔ ان میں دقت یہ ہے کہ لفظ کہیں ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ دو سطر پہلے یا دو سطر بعد درج ہوتا ہے اور مطالعہ کرنے والا یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ میں جو نیچے لکھا ہوا ترجمہ پڑھ رہا ہوں اس کا تعلق کس کلمہ یا جملہ سے ہے۔

میں نے سعی کی ہے کہ ان دونوں طرزوں کو اس طرح یکجا کر دوں کہ کلام کا تسلسل اور روانی بھی برقرار رہے۔ زور بیان میں بھی (حتی الامکان) فرق نہ آنے پائے اور ہر کلمہ کا ترجمہ اس کے نیچے بھی مرقوم ہو۔ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ تو قارئین کرام ہی کریں گے۔ بہرحال اگر مجھے اس میں کامیابی ہوئی ہے (پوری نہ سہی ادھوری سہی) تو یہ میرے مولائے کریم کا اپنے اس ناچیز بندے پر ایک مزید احسان عظیم ہے جس کی شکرگزاری سے یہ ہیچمداں کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

اب مجھے قرآن حکیم کی جمع و تدوین اور اس کی موجودہ ترتیب کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے تاکہ ان امور کے متعلق اگر کسی کو کوئی غلط فہمی ہو تو اس کا ازالہ ہو جائے۔

جمع قرآن مجید

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فاضل اور فن تحریر میں ماہر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کو قرآن کریم کی کتابت کے لیے متعین فرمایا ہوا تھا۔ جنہیں ''کاتبان وحی'' کہا جاتا تھا۔ جب بھی کوئی آیت یا مجموعہ آیات یا سورت نازل ہوتی تو ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق کاتبان وحی اسے ضبط تحریر میں لے آتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر آیت کے متعلق یہ تصریح فرماتے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھی جائے (1)۔ اس طرح جُوں جُوں قرآن نازل ہوتا رہا رسول مکرم کی نگرانی میں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کے مطابق تحریر کیا جاتا رہا لیکن یہ تحریریں کتابی شکل میں مدون نہیں تھیں بلکہ کاغذوں، ہڈی کے ٹکڑوں، کھجور کے چھلکوں، پتھر کی سلوں وغیرہ اشیاء پر لکھی جاتی رہیں۔

حفاظت قرآن کا سب سے اہم ذریعہ حفظ قرآن مجید تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو اسے یاد کرنے کا شوق دلاتے۔ قیامت کے روز حفاظ قرآن کو مقامات رفیعہ اور مدارج سنیّہ پر فائز ہونے کی بشارتیں دیتے۔ نماز میں بھی اس کی تلاوت کو فرض کر دیا گیا۔ اس لیے ہر مسلمان کے لیے قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کرنا ضروری ہو گیا۔ اور کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے تھے جنہیں تمام کا تمام قرآن حکیم یاد تھا۔

رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفیق اعلیٰ سے جا ملنے کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اٹھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کو کچلنے کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لشکر روانہ کیے تو مسیلمہ کذاب سے یمامہ کے مقام پر مسلمانوں کی جو خونریز جنگ ہوئی اس میں اگرچہ مسیلمہ اور اس کی جھوٹی نبوت کا تو خاتمہ ہو گیا لیکن ختم رسالت کے فداکاروں کا بھی بے انداز جانی

1۔ الجامع الصحیح سنن ترمذی از ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی، پیدائش 209ھ وفات 13 رجب 279ھ، ابواب التفسیر، تفسیر سورۂ توبہ، ج 2، ص 134، مطبوعہ وزارت تعلیم اسلام آباد

نقصان ہوا۔جس میں سات سو کے قریب صرف حفاظ قرآن نے جام شہادت نوش کیا۔(القرطبی)(1)

اس سانحہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بہت پریشان کر دیا۔ بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر انہوں نے عرض کی کہ اے صدیق! رضی اللہ عنہ باطل سے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے وہ ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔اگر حفاظ قرآن کی قتل کی یہی رفتار رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ہم اللہ تعالیٰ کی اس کتاب سے محروم نہ ہو جائیں۔اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے کتابی شکل میں یکجا جمع کر دیا جائے۔حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اے عمر! رضی اللہ عنہ میں وہ کام کرنے کے لیے تیار نہیں جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں کیا۔ لیکن حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے پیہم اصرار کے باعث آپ کو بھی اس کام کی اہمیت کا احساس ہو گیا۔آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور انہیں قرآن کریم کو یکجا جمع کرنے کی ہدایت فرمائی۔حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جانے کا حکم دیتے تو مجھ پر اِتنا شاق نہ گزرتا جتنی اِس حکم کی تعمیل شاق گزری(2)۔

پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا کام کرنے سے انکار کیا جو عہدِ رسالت میں نہیں کیا گیا تھا لیکن خلیفہ اول کی فہمائش سے انہیں بھی انشراحِ صدر حاصل ہو گیا۔اور اس کام کی اہمیت کا انہیں بھی اِحساس ہو گیا۔بڑی جانفشانی، محنت، تجسّس اور جستجو سے قرآن حکیم کا پہلا نسخہ مدوّن کیا گیا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہ نسخہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔آپ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔اور ان کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رکھ دیا گیا اور ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جاتا۔(3)

یہ امر مخفی نہیں کہ قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب تھے جن کی مادری زبان عربی تھی۔اگرچہ سب قبائل کی مشترک زبان عربی ہی تھی لیکن ان کے لہجوں میں، تلفظ الفاظ میں اور بعض اعراب میں بیّن تفاوت تھا۔یہ صورت حالات ہر زبان میں ہوتی ہے۔جس علاقہ میں اردو بولی جاتی ہے وہاں کے ہر ضلع بلکہ ہر تحصیل کے لوگوں کے لب ولہجہ میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔ابتداء میں مختلف قبائل کی سہولت کے پیش نظر انہیں ان کے مخصوص انداز کے مطابق قرأتِ قرآن کی اجازت دے دی گئی تھی۔کیونکہ سب اہل زبان تھے اس لیے ایسے تفاوت سے کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تھی۔لیکن جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا اور دوسرے ممالک بھی قلمرو اِسلامی کا حصہ بن گئے اور وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کیا اور قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو ہر ایک نے قرآن کے فقط اسی لہجہ اور تلفظ کو صحیح یقین کیا جو اسے اس کے استاد نے سکھایا تھا۔اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگردان اختلافات کے باعث ایک دوسرے کی تغلیط کرنے لگ گئے اور فتنہ وفساد کی آگ آہستہ آہستہ سلگنے لگی۔اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش آیا جس نے آپ رضی اللہ عنہ کو حیران وسراسیمہ کر دیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جنگ ارمینیہ میں شریک تھے۔عراق اور شام کے نومسلم بھی اس جنگ میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ہر ایک نے اپنے معلّم کی سکھائی ہوئی قرأت کے مطابق قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔جس سے باہمی نزاع پیدا ہو گیا۔ہر ایک نے دوسرے کی تغلیط کی اور اسے محرف قرآن کہا۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انہیں سخت فِکر دامن گیر ہوئی چنانچہ آپ مدینہ منورہ واپس آئے اور اپنے گھر جانے سے پہلے امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے

1۔الجامع لاحکام القرآن از امام محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح ابوعبداللہ قرطبی، وفات 671ھ، مقدمہ، ج1، جز1، ص50، مطبوعہ مطبعۃ دار الکتب مصریہ

2۔الجامع الصحیح از ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، پیدائش 194ھ وفات 250ھ، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ج2، ص745، مکتبہ وزارت تعلیم، اسلام آباد

3۔ایضاً، ج2، ص746

اور عرض کی۔ اَدْرِكْ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَبْلَ اَنْ تَهْلِكَ: اِس اُمّت کی چارہ سازی کیجئے اس سے پیشتر کہ یہ ہلاک ہوجائے اور پھر سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا اِنِّی اَخْشٰی عَلَیْهِمْ اَنْ یَّخْتَلِفُوْا فِیْ کِتَابِهِمْ کَمَا اخْتَلَفَ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی (1)۔ یعنی مجھے ان کے بارے میں سخت اندیشہ ہے کہ کہیں یہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف نہ کرنے لگیں۔

قرآنِ کریم کا نزول لغت قریش کے مطابق ہوا تھا۔ محض آسانی اور سہولت کے پیش نظر دوسرے قبائل کو اپنے اپنے لب ولہجہ سے اس کی تلاوت کی اجازت دی گئی تھی۔ لیکن اب یہ رخصت ایک عظیم فتنہ کا باعث بن رہی تھی۔ ان حالات میں اس کو برقرار رکھنا سراسر نقصان دِہ اور مضر تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشورہ سے حضرت عثمان نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ قرآن کریم کا ایک نسخہ صرف لغت قریش کے مطابق لکھیں۔ چنانچہ وہ تیار کر چکے تو اس کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف دیار و امصار میں بھیجی گئیں اور لوگوں کو اس کی پابندی کا سختی سے حکم دیا گیا اور دوسرے تمام نسخوں کو ممنوع قرار دے دیا گیا (2)۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سعی و کوشش سے ایک مہلک ترین فتنہ کا سدباب ہوگیا۔ امت اسلامیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس احسان کا شکریہ ادا نہیں کرسکتی۔ اسی وجہ سے ہی آپ کو جامع آیات القرآن کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لب ولہجہ کے تفاوت اور قرأتوں کے اختلاف کی نوعیت بیان کر دی جائے تاکہ اس کے متعلق کوئی وسوسہ دِل میں نہ رہ جائے۔ چند مثالیں ذکر کر دینے سے ان امور کی حقیقت واضح ہوجائے گی۔ اور پتہ چل جائے گا کہ یہ اختلاف معمولی قسم کا تھا۔ مثلاً قریش حَتّٰی (جب تک) کہتے اور بنی ہذیل اور بنی ثقیف اس کا تلفظ اَتّٰی کیا کرتے۔ بنی اسد مضارع میں حروف ''اتین'' کو مکسور پڑھا کرتے جیسے تِعْلَمُوْنَ۔ اور قریش کی لغت میں حروف ''اتین'' مفتوح ہیں تَعْلَمُوْنَ۔ مصر میں اب بھی عام لوگ اپنی گفتگو میں حروف ''اتین'' کو کسرہ دیا کرتے ہیں۔ قریش کی لغت میں مَاءٍ غَیْرِ آسِنٍ ہے۔ لیکن بنی تمیم اسے مَاءٍ غَیْرِ یَاسِنٍ پڑھتے۔ (3)

اِن امثلہ سے معلوم ہوگیا کہ یہ اختلاف کس نوعیت کا تھا۔ لیکن قرآن کا تقدس اور اس کی عظمت اتنے سے اختلاف کی بھی متحمل نہیں اس لیے اس کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ وہی قرآن جو عرش عظیم کے رب نے اپنے محبوب رَسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا تھا اور جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے خالص قریشی لغت کے مطابق جس میں اس کا نزول ہوا تھا ایک صحیفہ میں مدوّن فرمایا، وہی قرآن جوں کا توں بغیر کسی تحریف کے، بغیر کسی معمولی تغیر کے، بغیر کسی ادنیٰ ردوبدل کے اب تک محفوظ ہمارے پاس موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ اور اس کا اعتراف دوست دشمن سب کو ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا صفحہ 480 جلد 13 میں بھی یہ تصریح موجود ہے۔

This Recension of uthman thus became the only standard text for the whole Muslim world up to the present day

---

1۔ صحیح بخاری، کتاب ابواب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ج2، ص746، وزارت تعلیم، اسلام آباد۔ تفسیر قرطبی، مقدمہ، جز1، ص51۔52

2۔ صحیح بخاری، کتاب ابواب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ج2، ص746، مکتبہ وزارت تعلیم، اسلام آباد

3۔ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز از قاضی ابومحمد عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی وفات 546ھ، زیر آیت 15، سورۂ محمد، ج5، ص114، مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان

ترتیبِ قُرآن

یہ تو واضح ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں اور سورتوں کی آیات کی موجودہ ترتیب وہ نہیں جس ترتیب سے اُن کا نزول ہوا تھا۔ پھر اس موجودہ ترتیب کا ماخذ کیا ہے؟ اور کس نے یہ ترتیب دی ہے؟ اکثر عیسائی مستشرقین نے اس پر بڑی لے دے کی ہے اور یہ ثابت کرنے کے لیے بڑے جتن کیے ہیں کہ موجودہ ترتیب زمانہ نبوت میں نہیں دی گئی بلکہ اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو یوں مرتب کیا ہے۔ آیئے حقائق کی روشنی میں ان کے اس مفروضہ کا جائزہ لیں۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق قرآن کی سورتوں اور سورتوں کی آیتوں کو مرتب فرمایا۔ اور یہ موجودہ ترتیب وہی ترتیب ہے۔ اس کے لیے متعدد دلائل ہیں۔ جن میں سے چند ایک اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے ہدیہ ناظرین ہیں۔

(ا) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ (۷۵:۱۷،۱۸) یعنی ''قرآن کو جمع کرنا اور اسے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ اور جب ہم پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں''۔ اب آپ سوچیں کہ کیا ترتیب کے بغیر جمع قرآن کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ کیا کسی مخصوص ترتیب کے بغیر اس کی تلاوت ممکن ہے؟ جب جمع کرنے اور پڑھنے کے لیے اس کا مرتب ہونا ضروری ہے تو معلوم ہوا کہ جس ذات پاک کے ذمہ اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہے اسی نے اس کو مرتب فرمایا ہے۔

(ب) تاریخی لحاظ سے آپ سوچیے عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم یاد تھا۔ بعض کو کچھ سورتیں اور بعض کو سارا قرآن۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں اور اس کے باہر اس کی تلاوت کیا کرتے۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی نماز تہجد میں، دوسری نمازوں میں، عام خطبات میں کثرت سے قرآن کریم کی قرأت فرماتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت وترتیب اور صحابہ کی قراءت وترتیب میں قطعاً سرمُو فرق نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہ وہ امور ہیں جن سے کوئی بھی انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسے حکم الٰہی سے مرتب نہیں فرما دیا تھا تو صحابہ کیسے اس کو حفظ کر سکتے تھے۔ کیسے اس کی تلاوت ان کے لیے ممکن تھی۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقررہ ترتیب نہیں تھی تو ہر ایک کی قرأت دوسرے سے مختلف ہونی چاہیے تھی حالانکہ ایسا نہیں تھا تو ثابت ہوا کہ قرآن کریم عہد رسالت میں مکمل طور پر مرتب فرما دیا گیا تھا اور تمام صحابہ اسی کی پیروی اور پابندی کیا کرتے تھے۔ اس لیے عیسائی متعصبین کا یہ شور وغوغا قطعاً کوئی وزن نہیں رکھتا۔ وللہ الحجۃ البالغۃ۔

قرآن مجید کی تلاوت کے آداب

قرآنِ حکیم کتاب ہدایت ہے۔ اس کی تلاوت کا مقصد دل بہلانا اور وقت گزارنا نہیں بلکہ اس کا مقصد اولین تعمیر انسانیت اور تشکیل سیرت ہے اور یہ مقصد تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب پڑھنے والے کو اس کتاب عزیز سے دلی لگاؤ اور طبعی رَبط پیدا ہو جائے۔ اس لگاؤ اور ربط کو پیدا کرنے کے لیے حکماءِ اسلام نے چند آداب اور شرائط بتائے ہیں جن کی پابندی کرنے سے قرآن کریم سے فیض یاب ہونے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ میں انہیں قارئین کرام کے فائدہ کے لیے العارف الکامل حجۃ الاسلام الامام

محمد بن محمد بن محمد بن احمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب احیاء علوم الدین سے استفادہ کرتے ہوئے مختصراً قلم بند کرتا ہوں۔

۱۔ قاری کے لیے ضروری ہے کہ باوضو ہو۔ قبلہ رو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر بڑے ادب و سکون کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرے۔

۲۔ مقدار قرات: بعض لوگ دن رات میں ایک مرتبہ، بعض دو مرتبہ اور بعض تین مرتبہ بھی قرآن ختم کرتے ہیں۔ اور بعض ایک ماہ میں ایک مرتبہ اور بعض ہفتہ میں ایک بار۔ کیونکہ قرأت قرآن کا مدعا اس کو صحیح طور پر سمجھنا اور اس سے ہدایت حاصل کرنا ہے۔ اور ایک دن میں اسے ختم کرنے سے یہ مدعا پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کو مکروہ کہا گیا ہے اَلْخَتْمُ فِیْ یَوْمٍ وَّلَیْلَةٍ قَدْ کَرِهَهٗ جَمَاعَةٌ (احیاء)(1) حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ہے مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِیْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ لَّمْ یَفْقَهْهُ(2) یعنی جس نے تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم کیا اس نے اسے سمجھا ہی نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی تھا کہ وہ ہفتہ میں قرآن ختم کیا کریں(3)۔ چنانچہ حضرات عثمان، زید بن ثابت، ابن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا۔

۳۔ ترتیل۔ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ پڑھنا۔ کیونکہ اسی صورت میں ہی انسان آیات پر غور و فکر کر سکتا ہے۔

۴۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ اِقْرَءُوْا الْقُرْآنَ وَ ابْکُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکُوْا(4): قرآن کریم پڑھو اور روؤ اور اگر رونا نہ آئے تو بہ تکلف رونے کی کوشش کرو۔ گریہ وزاری سے ہی رحمت الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ جو آیت پڑھے اس کا حق ادا کرے۔ یعنی آیت تسبیح و تکبیر پڑھے تو خود بھی سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہے۔ اگر دعا و استغفار کی آیت تلاوت کرے تو اپنے لیے بھی دعا مانگے اور مغفرت طلب کرے۔ اگر کسی آیت میں انعامات الٰہیہ کا ذکر ہے تو ان کے لیے دست سوال دراز کرے۔ اگر کہیں عذاب و مصیبت کا تذکرہ آئے تو اپنے لیے پناہ مانگے۔ اگر آیت سجدہ پڑھے یا سنے تو سجدہ کرے۔ غرضیکہ جس مضمون کی آیت پڑھے اسی قسم کے تاثر کا اظہار کرے۔

۶۔ تلاوت شروع کرتے وقت یہ پڑھے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ۔ اور جب تلاوت ختم کرنے لگے تو یہ کہے صَدَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ بَلَّغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِهٖ وَ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْحَیَّ الْقَیُّوْمَ۔

۷۔ پڑھتے وقت آواز کو اتنا بلند کرے کہ کم از کم خود سن سکے۔ اس سے زیادہ بلند آواز سے قرأت اگر کسی دوسرے شخص کے لیے تکلیف دہ نہ ہو تو محبوب ہے ورنہ مکروہ۔

۸۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ زَیِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِكُمْ(5): یعنی خوش آوازی سے قرآن کو مزین و آراستہ

1۔ احیاء علوم الدین از امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی وفات 505ھ، ج 1، ص 276، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

2۔ مسند امام احمد بن حنبل، پیدائش 164ھ، وفات 241ھ، ج 2، ص 164 (دار صادر)

3۔ الجامع الصحیح از مسلم بن حجاج قشیری، پیدائش، 206ھ، وفات 261ھ، ج 1، ص 366، کتاب الصیام باب النہی عن صوم الدہر (قدیمی کتب خانہ کراچی)

4۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال از علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی، پیدائش 888ھ، وفات 975ھ، ج 1، ص 609، رقم الحدیث: 2794، مطبوعہ مکتبہ التراث اسلامی حلب

5۔ سنن ابن ماجہ از ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی، پیدائش 209ھ، وفات 273ھ، ص 96، کتاب فضائل القرآن، باب فی حسن الصوت بالقرآن (مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)، سنن نسائی، امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی نسائی، پیدائش 215ھ، وصال 303ھ، ج 1، صفحہ 157، کتاب فضائل القرآن، باب تزیین القرآن بالصوت (وزارت تعلیم)

کرو۔ دوسری حدیث میں ہے۔ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ(1)۔ ''یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو قرآن کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ اس لیے تکلف و تصنع کے بغیر جتنا ممکن ہو خوش الحانی سے پڑھے تاکہ خود بھی اور سننے والے بھی اس کی قرأت سے لطف اندوز ہوں۔

ان کے علاوہ چند باطنی آداب و شرائط ہیں جن کا التزام باعث ہزار برکت و سعادت ہے۔

ا۔ پڑھنے والے کا دل و دماغ اس کتاب مقدس کی عظمت اور اس کے نازل فرمانے والے کی عظمت سے لبریز ہو۔ اسے یہ احساس ہو کہ یہ کتاب کوئی معمولی کتاب نہیں ہے۔ اس کو کسی انسان نے تصنیف نہیں کیا بلکہ یہ خالق جن و بشر، مالک بحر و بر، رب السموات والارض احکم الحاکمین کا کلامِ معجز نظام ہے جو اس نے ازراہ غایت بندہ پروری اپنے بندوں کی ہدایت پذیری کے لیے اپنے محبوب و برگزیدہ بندے خاتم الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب منیر پر نازل فرمایا ہے۔

ب۔ دل کو تمام وسوسوں اور اندیشوں سے پاک کر کے بڑی یکسوئی اور حضورِ قلب سے اس کی تلاوت میں مشغول ہو۔

ج۔ فکر و تدبر کی جملہ صلاحیتوں کو اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بروئے کار لائے تاکہ رحمت الٰہی اس کے شوق و طلب کی بے قراریوں پر رحم فرماتے ہوئے اس کے لیے فیوض قرآنی کے دروازے کھول دے۔

د۔ نفس اور نفس کی پیدا کردہ خواہشیں اور مصلحتیں، غلطی اور جہالت سے جگہ پکڑے ہوئے نظریات اور اعتقادات، ماحول کی مجبوریاں اور گناہوں کی نحوستیں بسا اوقات قرآن فہمی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ قرآن کے حیات بخش چشمہ تک پہنچنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایک رکاوٹ کو پیوند خاک کرے اور مردانہ وار آگے بڑھتا چلا جائے۔ قرآن کے سحاب کرم سے عرفان کے جو قطرے اس کی کشت ایمان پر ٹپکنے لگیں۔ ان کی راہ میں کسی چیز کو حائل نہ ہونے دے۔

ہ۔ قرآن فہمی کے لیے صرف اپنے فہم و ذکاء اور علم و دانش پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید پر اعتماد کرے اور قدم قدم پر اس کی رہنمائی اور دستگیری کے لیے بصد عجز و نیاز التجا کرتا رہے وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾ (المومن) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہی (اس صحیفۂ رشد و ہدایت سے) نصیحت قبول کرتا ہے تَبْصِرَۃً وَّذِکْرٰی لِکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴿۸﴾ (ق) اپنے رب کی طرف مائل ہونے والے ہر بندے کے لیے یہ کتاب بصیرت افروز اور نصیحت ہے۔

رموزِ اوقاف قرآنِ حکیم

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے جانتے ہیں کہ آیات کے آخر میں یا وسط میں مختلف علامات و اشارات بنے ہوتے ہیں۔ کہیں چھوٹا سا گول دائرہ بنا ہوتا ہے تو کہیں م یا ص یا ز وغیرہ حروف لکھے ہوتے ہیں۔ یہ علامات و اشارات حقیقت میں رموز اوقاف (Punctuation) ہیں۔ آیت کے مطلب کو صحیح سمجھنے کا انحصار کافی حد تک ان رموز کی حقیقت کو سمجھنے پر ہے۔ ان کی اس اہمیت کے پیش نظر ان کا تفصیلی بیان درج ذیل ہے۔

O۔ یہ چھوٹا سا گول دائرہ وقف تام کی علامت ہے یعنی آیت ختم ہو گئی ہے۔ آپ کو یہاں ٹھہرنا چاہیے۔ یہ حقیت میں گول ۃ تھی۔

1۔ کنز العمال، ج 1، ص 605 تا 609، رقم الحدیث 2769، 2797، مکتبۃ التراث الاسلامی حلب

لیکن اب گول دائرہ کی شکل میں لکھی جاتی ہے۔

م۔ یہ وقف لازم کی علامت ہے یعنی یہاں ٹھہرنا ضروری ہے۔ ورنہ کلام کے مفہوم کے خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

ط۔ یہ وقف مطلق کی علامت ہے۔ یہاں آپ کو ٹھہرنا چاہیے۔ لیکن سلسلہ کلام ابھی جاری ہے۔ کہنے والے کا مطلب ابھی پورا نہیں ہوا۔

ج۔ وقف جائز کی نشانی ہے۔ یہاں ٹھہریں تو بہتر نہ ٹھہریں تو حرج نہیں۔

ز۔ وقف مجوز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہریں تو درست ہے لیکن نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص۔ وقف مرخص کی نشانی ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا چاہیے لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت ہے۔

صلے۔ یہ الوصل اولیٰ کا مخفف ہے۔ یعنی ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق۔ قِیْلَ عَلَیْہِ الْوَقْفُ کا اختصار ہے۔ یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

صل۔ قَدْ یُوْصَلُ کا مخفف ہے۔ یہاں ٹھہرنا اور نہ ٹھہرنا دونوں جائز ہیں لیکن ٹھہرنا بہتر ہے۔

قف۔ اس کا معنی ہے ٹھہر جاؤ اور یہ علامت وہاں لکھی جاتی ہے جہاں یہ احتمال ہوتا ہے کہ پڑھنے والا اسے ملا کر پڑھے گا۔

س یا سکتہ۔ یہاں ٹھہرنا چاہیے لیکن سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفہ۔ لمبے سکتے کی علامت ہے لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹنا چاہیے۔

لا۔ لا کے معنی نہیں کے ہیں۔ یہ علامت کبھی آیت کے اختتام پر لکھی جاتی ہے اور کہیں آیت کے اندر۔ آیت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ آیت کے اختتام پر (لا) ہو تو بعض کے نزدیک ٹھہرنا چاہیے اور بعض کے نزدیک نہیں۔ دونوں صورتوں میں آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ك۔ کذلك کا مخفف ہے یعنی جو علامت پہلے ہے وہی یہاں سمجھی جائے۔

آخر میں مَیں اپنے ان احباب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے اس اہم اور عظیم کام کی تکمیل میں میری اعانت کی۔ اور مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمایا۔ اس سلسلہ میں عزیز مولوی محمد رفیق صاحب متعلم دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ اپنے آرام و آسائش کو قربان کر کے مجھے آرام پہنچایا ہے۔ سفر و حضر میں میرے رفیق رہے ہیں۔ مولا کریم اس مخلصانہ خدمت پر انہیں اجر جزیل عطا فرماوے۔ آمین

متوکلاً علی اللہ العلی العظیم یہ نحیف و ناتواں راہرو جس منزل کی طرف یکم رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ بروز دوشنبہ (29 فروری 1960ء) جادہ پیما ہوا تھا۔ آج بفضلہٖ تعالیٰ اس کٹھن اور طویل راہگزر کا ایک حصہ طے ہوا چاہتا ہے۔ رات کا ایک بج چکا ہے۔ ابھی ابھی 1964ء ختم ہوا ہے۔ اور ابھی ابھی مطلع حیات پر 1965ء کا ظہور ہوا ہے۔ وقت کی برق رفتاری انسان اور اس کی زندگی کی بے ثباتی کو عیاں کر رہی ہے۔ لیکن وہ لمحے جو اس کی یاد اور اس کے ذکر میں گزرتے ہیں۔ اور وہ راتیں جو اس کی مقدس کتاب کی خدمت میں کٹتی ہیں اور جو ساعتیں اس کے محبوب مکرم حبیب معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا گستری کی نذر ہوتی ہیں وہ فنا نہیں ہوتیں، وہ باقی ہیں، وہ ابدی اور سرمدی ہیں، وہی حاصل حیات ہیں، وہی مقصد زیست ہیں ؎

اوقات ہماں بود کہ با یار بسر شد　　باقی ہمہ بے حاصلی و بے خردی بود

اے میرے کریم! اِس بندۂ حقیر کے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ تو اسے اپنی اس کتاب منیر کی خدمت کی سعادت بخشے گا۔ یہ ناکارۂ خلائق اِس قابل کب تھا؟ اس بے علم اور نادان میں یہ اہلیت کہاں تھی؟ اے میرے بندہ نواز! اسے محض تیرا کرم نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔

اے میرے رحیم! آج میرا قلب حزیں جذبات مسرت سے سرشار ہے۔ یہ اس لیے کہ تیری شان رحمت نے اسے اپنے الطاف بے پایاں سے نوازا ہے۔ کسی استحقاق کے بغیر یہ نوازشات خسروانہ! انہیں محض تیرا کرم نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ میرے رحمٰن! مجھ بے نوا اور بے کس کے پاس نہ تو دامن تھا اور نہ حوصلہ طلب۔ تیری ہی شان رحمانیت نے مجھے دامن بھی بخشا اور حوصلۂ طلب بھی۔ اس بے نوا اور اس بے کس پر یہ عنایت! اسے محض تیرا کرم نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ اے میرے رحمٰن! میرے رحیم! میرے کریم! اس ناکارۂ خلائق کی ایک اور التجا ہے پہلے کی طرح بغیر کسی استحقاق کے، بغیر کسی وجہ کے، محض اپنے کرم سے اسے بھی شرف پذیرائی بخش۔ وہ یہ کہ ''بھلا نہ دیا جاؤں''

تیری محبت سے میری شمع حیات روشن رہے۔ تیری بندگی کا نشان میری جبین پر ہمیشہ تابندہ رہے

تیرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق سے میرا حریم دل منور رہے۔ تیرے رسول مکرم کی غلامی کا طوق زیب گلو رہے۔

ہوائے خلعت شاہی ندارم　　بگردن حلقہ طوقِ غلامی

آخر میں تیری عنایاتِ بے پایاں پر، تیری نوازشاتِ بیکراں پر، تیرے لطف عمیم پر تیرے ہی بتائے ہوئے کلمات طیبات سے تیری بارگاہ بے کس پناہ میں ہدیہ تشکر و امتنان پیش کرتا ہوں اسے قبول فرمالے۔ رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیِّیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ الْمُصْطَفٰی وَنَبِیِّكَ الْمُجْتَبٰی وَرَسُوْلِكَ الْمُرْتَضٰی سَیِّدِیْ وَمَوْلَایَ وَشَفِیْعِیْ وَحَبِیْبِیْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ بُدُوْرِ الدُّجٰی وَصَحْبِهٖ نُجُوْمِ الْهُدٰی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

خاکِ راہِ صاحبدلاں

ابوالحسنات **محمد کرم شاہ**

مِن علماء الازہر الشریف

خادم آستانہ عالیہ امیر السالکین حضرت قبلہ پیر امیر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہاشمی، اسدی، چشتی، نظامی، سیالوی نور اللہ مرقدہ

بھیرہ، ضلع سرگودھا (مغربی پاکستان)

شب جمعہ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۸۴ھ

یکم جنوری 1965ء

سورۂ فاتحہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ وہ مختصر لیکن حقائق اور معانی سے لبریز، دِل نشین و دل آویز، جلیل القدر سورت ہے جس سے اس مقدس آسمانی کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ جس نے تاریخ انسانی کا رخ موڑ دیا۔ جس نے فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیا۔ جس نے قلب و روح کو نئی زندگی بخش دی۔ اس پاک سورت کی گوناں گوں برکات کو کیوں کر قلمبند کیا جا سکتا ہے۔ وہ متعدد نام جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورت کو یاد فرمایا، حقیقت شناس نگاہوں کو ان فیوض و برکات سے آشنا کر دیں گے جو اس میں بڑی خوبصورتی سے سمو دیئے گئے ہیں۔ ان ناموں سے چند یہ ہیں:

الفَاتِحۃ: رحمت و حکمت کے خزانے کھولنے والی۔(1)

فاتحۃ الکتاب: قرآن حکیم کے سربستہ رازوں کی کلید۔(2)

اُمّ القُرآن: حقائق قرآنی کا ماخذ و منبع۔(3)

السّبع المثانی: بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں۔(4)

الشّفآء: جسمانی اور روحانی بیماریوں کا تریاق۔(5)

یہ سورۂ پاک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (6)۔ اس کا ایک رکوع ہے۔ سات آیتیں ہیں۔ اس کے الفاظ کی تعداد پچیس ہے اور حروف کی تعداد 123 ہے۔

1۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی از شہاب الدین سید محمود آلوسی، وفات 1270ھ، ج 1، ص 34، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

2۔ روح البیان از الشیخ اسماعیل حقی البروسوی، وفات 1137ھ، ج 1، ص 31، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

3۔ انوار التنزیل واسرار التاویل، قاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن ابی عمر بن محمد البیضاوی، وفات 791ھ، تعارف سورۃ الفاتحہ

4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ روح المعانی، ج 1، ص 33

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سُورۂ فاتحہ مکّی اللہ کے نام سے ۱؎ شروع کرتا ہوں ۲؎ جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۳؎ ایک رکوع سات آیتیں

۱؎ اسلامی آداب معاشرت میں بِسْمِ اللّٰہِ الخ کو اہم مقام حاصل ہے۔ ہمیں ہمارے ہادی و مرشد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سبق دیا ہے کہ ہر کام بِسْمِ اللّٰہِ الخ سے شروع کرو۔ بلکہ یہاں تک فرمایا اَغْلِقْ بَابَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ وَاَطْفِئْ مِصْبَاحَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ وَخَمِّرْ اِنَاءَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ وَاَوْكِ سِقَاءَكَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ (تفسیر القرطبی)(1) ”دروازہ بند کرو تو اللہ کا نام لیا کرو۔ دیا بجھاؤ تو اللہ کا نام لیا کرو۔ اپنے برتن ڈھانپو تو اللہ کا نام لیا کرو۔ اپنی مشک کا منہ باندھو تو اللہ کا نام لیا کرو“۔ مقصد یہ ہے کہ ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا، کرتے وقت انسان اپنے کارسازِ حقیقی کا نام لینے کا خوگر ہو جائے تاکہ اس کی برکت سے مشکلیں آسان ہوں۔ اس کی تائید و نصرت پر اس کا توکّل پختہ ہو جائے۔ نیز جب اسے ہر کام شروع کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی عادت ہو جائے گی تو وہ ہر ایسا کام کرنے سے رک جائے گا جس میں اُس کے رب تعالیٰ کی ناراضگی ہو۔ امام قرطبی نے صحیح سند سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے شکایت کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب سے مشرف باسلام ہوا ہوں جسم میں درد رہتا ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جہاں درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین بار بِسْمِ اللّٰہِ الخ پڑھو اور سات بار یہ جملہ کہو اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔(2)

۲؎ ”اللہ“ معبود حقیقی کا علمِ ذاتی ہے۔ ذات باری کے علاوہ کسی کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔(3)

۳؎ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ ان کا ماخذ رحمت ہے(4)۔ اور رحمت الٰہی سے مراد اس کا وہ اِنعام و اکرام ہے جس سے وہ اپنی مخلوق کو سرفراز فرماتا رہتا ہے۔ وجود، زندگی، علم، حکمت، قوت، عزت اور عمل صالح کی توفیق، سب اس کی رحمت کے مظاہر ہیں۔ یہ اس کی بے پایاں رحمت ہی تو ہے جس نے کسی استحقاق کے بغیر انسان کی جسمانی اور روحانی بالیدگی کے سب سامان فراہم فرما دیئے۔ یہ اس کی بے حد و بے حساب رحمت ہی تو ہے کہ ہماری لگاتار ناشکریوں اور نافرمانیوں کے باوجود وہ اپنے لطف و کرم کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جس صفت کا سب سے پہلے ذکر کرتا ہے وہ صفت قہاریت و جباریت نہیں بلکہ صفت رحمانیت و رحیمیت ہے۔ یہ اس لیے کہ بندہ کا جو تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اُس کا دارومدار خوف و ہراس اور رُعب و دبدبہ پر نہ ہو۔ بلکہ رحمت و محبت پر ہو۔ کیونکہ یہی وہ اکسیر ہے جس سے انسان کی خفتہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں اور پنہاں توانائیاں آشکار۔ اور یہی معراجِ انسانیت ہے کہ انسان اپنے آپ کو عیاں دیکھ لے۔ بعض حق ناشناس کہتے ہیں کہ اسلام کا خدا خونی ہے اور اپنے ماننے والوں کو خونخواری سکھاتا ہے۔ کاش وہ اسلام کی مقدس کتاب کے پہلے صفحہ کی پہلی آیت ہی پڑھ لیتے تو انہیں پتہ چل جاتا کہ اسلام کا خدا خونخوار نہیں، اَلرَّحْمٰن ہے۔ اس کی رحمت کا وسیع دامن کائنات کے ذرّہ ذرّہ کو اپنے آغوشِ لطف و کرم میں لیے ہے۔ اسلام کا خدا سفاک نہیں بلکہ اَلرَّحِیْمُ ہے، اس کی رحمت کا بادل ہر وقت برستا ہی رہتا ہے۔

جیسے پہلے عرض کیا کہ یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔ ان کا معنی صرف رحمت کرنے والا نہیں بلکہ بہت اور ہر وقت رحمت

1۔ الجامع لاحکام القرآن از قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 1، ص 98، مطبوعہ دار الکتب المصریہ۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس و جنودہ، ج 1، ص 463

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 1، ص 98

3۔ انوار التنزیل واسرار التاویل از بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 3، مطبوعہ دار الجیل و دار فراس بیروت

4۔ تفسیر القرآن العظیم از الامام المحدث اسماعیل بن کثیر، پیدائش 701ھ، وفات 774ھ، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 20، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیۃ، قاہرہ مصر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ

سب تعریفیں ۴ اللہ کے لیے جو مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے ۵ سارے جہانوں کا ۶ بہت ہی مہربان

کرنے والا ہے۔ لیکن الرَّحْمٰنِ میں الرَّحِیْم سے بھی زیادہ مبالغہ ہے یعنی بہت ہی رحم فرمانے والا۔ اتنی رحمت فرمانے والا جس سے زیادہ کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مَعْنَاهُ الْمُنْعِمُ الْحَقِيْقِيُّ الْبَالِغُ فِي الرَّحْمَةِ غَايَتَهَا وَ ذٰلِكَ لَا يَصْدُقُ عَلٰى غَيْرِهٖ (بیضاوی)(1) اسی لیے الرحمٰن کا اطلاق بجز ذات الٰہی کے کسی پر نہیں ہوتا۔ **مسئلہ:** بِسْمِ اللّٰهِ الخ کلام الٰہی ہے۔ دو سورتوں کو الگ کرنے کے لیے اس کا نزول ہوا۔ یہ نہ سورۂ فاتحہ کی آیت ہے نہ کسی اور سورت کی۔ ہاں سورۃ النمل کی ایک آیت کا جزو ہے(2)۔ اس لیے احناف و مالکیہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی طرح نماز میں اسے بلند آواز سے پڑھنا منع ہے۔

۴ ہر خوبی و کمال جس کا ظہور اختیار اور ارادہ سے ہو۔ اس کی ستائش و ثنا کو عربی میں حمد کہتے ہیں۔ تو اس لفظ حمد نے اس حقیقت کو بے حجاب کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کا صفاتِ کمال سے متصف ہونا اِضطراری اور غیر اِختیاری نہیں بلکہ اس کی اپنی مرضی اور ارادہ کی جلوہ نمائی ہے۔ کمال کہیں بھی ہو جمال کسی روپ میں ہو اسی کی کرشمہ سازی ہے۔ اسی کی بااختیار تدبیر کا اعجاز ہے تو ستائش و تعریف کسی کی بھی کی جائے حقیقت میں اُسی ذاتِ بے ہمتا کی ہے جس کی قدرت و اختیار سے اس عالَم رنگ و بُو کی ساری رنگینیاں اور رعنائیاں رو پذیر ہیں۔ اس لیے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

سورۂ فاتحہ کا آغاز اَلْحَمْدُ سے کیا۔ اس سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ سالک جب راہِ طلب میں قدم رکھے تو پہلے اپنے رب کی حمد کرے جس نے اِس راہ پر گامزن ہونے کی اُسے توفیق بخشی، جس نے منزلِ مقصود کی لگن اس کے دل میں پیدا کی کیونکہ

میری طلب بھی انہیں کے کرم کا صدقہ ہے قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں(3)

نیز اس سورت میں دعا بھی ہے اور دعا کے آداب سے یہ بھی ہے کہ مولائے کریم جس کے سامنے وہ دامن طلب پھیلا رہا ہے اُس کی بخشش بے انداز اور اس کی عنایتِ جہاں پرور کا اعتراف کرے۔

۵ رب مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے تربیت۔ اور تربیت عربی میں کہتے ہیں تَبْلِيْغُ الشَّيْءِ اِلٰى كَمَالِهٖ بِحَسْبِ اسْتِعْدَادِهِ الْاَزَلِيِّ شَيْئًا فَشَيْئًا (روح المعانی)(4) کسی چیز کو اس کی ازلی استعداد و فطری صلاحیت کے مطابق آہستہ آہستہ مرتبۂ کمال تک پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں سے منعم علیہ کے اِعتبار سے اعلیٰ ترین نعمت تربیت ہے۔ اس لیے حمد کے فوراً بعد اس کا ذکر فرما کر حامد کو یاد دلایا کہ جس کی تو حمد کر رہا ہے وہی ہر حمد کے لائق ہے۔ کیونکہ اُسی نے تجھے ضعف و ناتوانی، جہالت و بے بسی کی حالت سے نکال کر اس منزل تک پہنچایا۔

۶ عالمین عالَم کی جمع ہے۔ اور یہ ماخوذ ہے علم بمعنی علامت و نشانی سے۔ کیونکہ ہر چیز اپنے پیدا کرنے والے کا پتہ دیتی ہے(5)۔ نیز اس میں اس لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا خدا کسی خاص قوم، نسل اور وطن کا خدا نہیں تاکہ اس کی نوازشات کسی خاص قوم و نسل کے ساتھ ہی مخصوص ہوں۔ بلکہ اس کی ربوبیت کا رِشتہ کائنات کی ہر شے کے ساتھ یکساں ہے۔ اور اِسی لیے اس کے لطف

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص3 2۔ الدر المختار شرح تنویر الابصار از شیخ علاء الدین محمد بن علی الحصکفی، ولادت 1025ھ، وفات 1088ھ، ج2، ص193، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت
3۔ صاحب تفسیر کی طرف منسوب ہے 4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج1، ص77، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز1، ص39-138

الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ

ہمیشہ رحم فرمانے والا ۷ مالک ہے ۷ روزِ ۸ جزا کا ۸ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں ۹ اور

واحسان کے سب مساوی طور پر حق دار ہیں۔ بشرطیکہ وہ اس کے احکام کی بجا آوری سے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر دیں۔

۷ مالک کہتے ہیں اَلْمُتَصَرِّفُ فِي الْاَعْيَانِ الْمَمْلُوْكَةِ كَيْفَ شَاءَ (بیضاوی)(1) وہ ہستی جو اپنی مِلک میں جو چاہے کر سکے۔ اس لفظ سے ان عقائد باطلہ کی تردید ہو گئی جن میں ہندوستان کے مشرک اور کئی دوسری قومیں مبتلا تھیں یعنی خدا ہر مجرم کو سزا دینے پر مجبور ہے اُسے معاف کرنے کا ہرگز اِختیار نہیں۔ قرآن نے فرمایا وہ مالک ومختار ہے اور ہر چیز جن واِنس سب اس کی ملکیت ہیں۔ جیسے چاہے ان سے سلوک فرمائے۔ اگر مجرم کو سزا دینا چاہے تو اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اگر بخشنا چاہے تو اسے کوئی ٹوک نہیں سکتا۔

۸ دین کا معنی ہے حساب اور جزا۔ لبید کہتا ہے حَصَادُكَ يَوْمًا مَّا زَرَعْتَ وَاِنَّمَا يُدَانُ الْفَتٰى يَوْمًا كَمَا هُوَ دَائِنُ (2) ثواب و عذاب کی تعبیر لفظ ''دین'' سے کی تا کہ پتہ چلے کہ یہ ثواب وعذاب بلاوجہ نہیں بلکہ اُن کے اپنے اعمال کا طبعی ثمر ہے جس سے مفر نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ انسان گناہوں کی لذت میں کھو کر اُن بُرے نتائج سے بے خبر نہ ہو جائے جو رُونما ہو کر رہیں گے۔ اپنی عمر ناپائیدار اور اس کی فنا پذیر راحتوں اور عزتوں پر مغرور ہو کر اس دن کو نہ بھول بیٹھے جب کہ اِنصاف کے ترازو میں اس کا ہر چھوٹا بڑا نیک و بد عمل تولا جائے گا۔ اِس میں شک نہیں کہ وہ رب ہے۔ اُس میں کلام نہیں کہ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ لیکن اس کی یہ صفت کمال بھی ہر وقت پیشِ نظر رہے کہ وہ عادل ہے۔ حق تو یہ ہے کہ عدل کے بغیر اس کی صفاتِ ربوبیت ورحمت کا کامل ظہور ہو ہی نہیں سکتا۔ کان کھول کر سن لو وہ دن آنے والا ہے جب سطوت وجبروت کے سب موہوم پیکر مِٹ جائیں گے۔ اکڑی ہوئی سب گردنیں جھک جائیں گی۔ ظاہر وباطن میں اسی کی فرمانروائی ہوگی جو حقیقی فرماں روا ہے۔

کتنی افسوسناک حقیقت ہے کہ وہ اُمّت جس کے دین کے بُنیادی عقائد میں روزِ جزا پر ایمان لانا ہے۔ میدانِ عمل میں اس کی غالب اکثریت میں اِس اِیمان کا کوئی اثر محسوس نہیں کیا جاتا۔ وہ روزِ حساب اور مکافاتِ عمل کے قانون سے یوں غافل ہیں گویا کسی نے انہیں یہ بات بتائی ہی نہیں۔

۹ عبادت کیا ہے؟ آپ کو لغت وتفسیر کی ساری کتابوں میں اس کا یہ معنی ملے گا۔ اَقْصٰى غَايَةِ الْخُضُوْعِ وَالتَّذَلُّلِ (3) یعنی حد درجہ کی عاجزی اور اِنکسار۔ مفسرین اس کی مثال سجدہ سے دیتے ہیں۔ حالانکہ صرف سجدہ ہی عبادت نہیں بلکہ حالت نماز میں تمام حرکات وسکنات عبادت ہیں۔ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، رکوع اور رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہونا، سجدہ اور اس کے بعد حالت التحیات میں دوزانُو بیٹھنا، سلام کے لیے دائیں بائیں منہ پھیرنا۔ یہ سب عبادت ہیں۔ اگر عبادت صرف تذلل واِنکسار کے آخری مرتبہ کا نام ہے اور یہ آخری مرتبہ سجدہ ہی ہے تو کیا یہ باقی چیزیں عبادت نہیں۔ اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر یہ ساری چیزیں مطلقاً عبادت ہیں تو اگر کوئی شاگرد اپنے استاد کے سامنے اور بیٹا اپنے باپ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھتا ہے یا ان کی آمد پر کھڑا ہو جاتا ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ اُس نے اپنے استاد یا باپ کی عبادت کی اور ان کو اپنا معبود بنا لیا۔ حاشا وکلا۔ پھر وہ

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص4 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز1، ص44-143 3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص4

اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۵﴾

تجھی سے مدد چاہتے ہیں ۱۰ چلا ہم کو ۱۱ سیدھے راستہ پر

کون سی چیز ہے جو ان حرکات وسکنات کو اگر یہ نماز میں ہوں تو عبادت بنا دیتی ہے اور یوں کھڑے ہونے کو (ہاتھ باندھے یا کھولے ہوئے) اور اس طرح بیٹھنے کو اور دائیں بائیں منہ پھیرنے کو تذلل وانکسار کے آخری مرتبہ پر پہنچا دیتی ہے۔ اور اگر یہی امور نماز سے خارج ہوں تو نہ ان میں غایۃً خضوع ہے اور نہ یہ عبادت متصور ہوتے ہیں۔ تو اس کا ممیّز ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ جس ذات کے لیے اور جس کے سامنے آپ یہ افعال کر رہے ہیں اس کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے۔ اگر آپ اُس کو اللہ اور معبود یقین کرتے ہیں تو یہ سب اعمال عبادت ہیں اور سب میں غایۃً تذلل وخضوع پایا جاتا ہے لیکن اگر آپ اُس کو عبد اور بندہ سمجھتے ہیں نہ خدا، نہ خدا کا بیٹا نہ اس کی بیوی، نہ اس کا اوتار تو یہ اعمال عبادت نہیں کہلائیں گے۔ ہاں آپ ان کو احترام، اجلال اور تعظیم کہہ سکتے ہیں۔ البتہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا اجمل الصلاۃ واطیب السلام میں غیر خدا کے لیے سجدۂ تعظیمی بھی ممنوع ہے(1)۔ یہ سمجھ لینے کے بعد اب یہ بات خود بخود واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے بغیر کوئی دوسری چیز ایسی نہیں جس کی عبادت شرعاً یا عقلاً درست ہو۔ سب سے بالاتر اور قوی تر وہ، سب کا خالق اور سب کو اپنی تربیت سے مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا وہ، لطف و کرم کا پیہم مینہ برسانے والا وہ، بندہ ہزار خطائیں کرے لاکھوں جرم کرے اپنی رحمت سے معاف فرمانے والا وہ، اور قیامت کے دن ہر نیک و بد کی قسمت کا فیصلہ فرمانے والا وہ، تو اُسے چھوڑ کر انسان کسی غیر کی عبادت کرے تو آخر کیوں؟ بلکہ اس کے بغیر اور ہے ہی کون جو معبود اور اللہ ہو اور اس کی پرستش کی جائے؟ اِسی لیے قرآن نے ہمیں صرف یہی تعلیم نہیں دی کہ نَعْبُدُكَ کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں کیونکہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے ساتھ اوروں کی بھی۔ بلکہ یہ سبق سکھایا کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ۔ صرف تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور کسی کی نہیں کرتے۔ مفسرین کرام نے اِیَّاكَ کو مقدم کرنے میں حصر وتخصیص کے علاوہ دیگر لطائف کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں یہاں تین چیزیں ہیں۔ عابد، عبادت اور معبود۔ عارف کو چاہیے کہ اس مقام پر اپنے آپ کو بھی بھول جائے۔ عبادت کو بھی مقصود نہ بنائے بلکہ اس کی نگاہ ہو تو صرف اپنے معبودِ حقیقی پر تاکہ اس کے انوارِ جمال وجلال کے مشاہدہ میں استغراق کی نعمت سے سرفراز کیا جائے(2)۔ اس لیے فرمایا اِیَّاكَ نَعْبُدُ۔ عابد واحد ہے لیکن صیغہ جمع کا استعمال کر رہا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اپنی ناقص عبادت کو مقربین بارگاہِ صمدیت کی اخلاص ونیاز میں ڈوبی ہوئی عبادت کے ساتھ پیش کرے تاکہ اُن کی برکت سے اس کی عبادت کو بھی شرف پذیرائی نصیب ہو۔(3)

۱۰ یعنی جیسے ہم عبادت صرف تیری ہی کرتے ہیں اسی طرح مدد بھی صرف تجھی سے طلب کرتے ہیں تو ہی کارسازِ حقیقی ہے، تو ہی مالکِ حقیقی ہے۔ ہر کام میں، ہر حاجت میں تیرے سامنے ہی دست سوال دراز کرتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس عالم اَسباب میں اسباب سے قطع نظر کر لی جائے۔ بیمار ہوئے تو علاج سے کنارہ کش، تلاشِ رزق کے وقت وسائل معاش سے دست بردار، حصولِ علم کے لیے صحبت استاد سے بیزار۔ اس طریقۂ کار سے اسلام اور توحید کو کوئی سروکار نہیں۔ کیونکہ وہ جو شافی، رزّاق اور حکیم ہے اُسی نے اِن نتائج کو اِن اسباب سے وابستہ کر دیا ہے۔ اُسی نے اِن اسباب میں تاثیر رکھی ہے۔ اب ان اسباب کی طرف

1۔ خزائن العرفان از مولانا نعیم الدین مراد آبادی، ص 1094، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 4 3۔ ایضاً

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ

راستہ اُن کا جن پر تُو نے اِنعام فرمایا ۱۱ نہ اُن کا جن پر غضب

رجوع اِستعانت بالغیر نہیں ہوگی۔ اسی طرح ان جملہ اسباب میں سب سے قوی تر اور اثر آفریں سبب دعا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا اَلدُّعَاءُ یَرُدُّ الْقَضَاءَ (1) کہ دعا تو تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے۔ اور اس میں بھی کلام نہیں کہ محبوبانِ خدا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اُن کی عاجزانہ اور نیاز مندانہ التجاؤں کو ضرور شرفِ قبول بخشے گا۔ چنانچہ حدیث قُدسی جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَاِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ (2)۔ اگر میرا مقبول بندہ مجھ سے مانگے گا تو میں ضرور اس کا سوال پورا کروں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو میں ضرور اسے پناہ دوں گا۔ تو اب اگر کوئی شخص اِن محبوبانِ الٰہی کی جناب میں خصوصاً حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کے حضور میں کسی نعمت کے حصول یا کسی مشکل کی کشود کے لیے التماسِ دعا کرتا ہے تو یہ بھی استعانت بالغیر اور شرک نہیں بلکہ عین اسلام اور عین توحید ہے۔ ہاں اگر کسی ولی، شہید یا نبی کے متعلق کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ مستقل بالذات ہے۔ اور خدا نہ چاہے تب بھی یہ کر سکتا ہے تو یہ شرک ہے اور ایسا کرنے والا مشرک ہے۔ اس حقیقت کو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت بسط کے ساتھ اپنی تفسیر میں رقم فرمایا ہے۔ اور اس کا ماحصل مولانا محمود الحسن صاحب نے اپنے حاشیۂ قرآن میں ان جامع الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اُس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے''۔ (3)

اور اس طرح کی استعانت تو پاکانِ امت کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کرتے ہیں ؎

وَاَنْتَ مُجِیْرِیْ مِنْ هُجُوْمِ مُلِمَّةٍ ۔۔۔ اِذَا اَنْشَبَتْ فِی الْقَلْبِ شَرَّ الْمَخَالِبِ (4)

ترجمہ: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور مجھے پناہ دینے والے ہیں جب مصیبتیں ٹوٹ پڑیں اور دل میں اپنے بے رحم پنجے گاڑ دیں۔

بانی دارالعلوم دیوبند عرض کرتے ہیں ؎

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا ۔۔۔ نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامیٔ کار (5)

۱۱ لغت میں ہدایت کا معنی ہے لطف وعنایت سے کسی کو منزلِ مقصود تک پہنچا دینا۔ اَلْهِدَایَةُ دَلَالَةٌ بِلُطْفٍ (6)۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کے بیان کے بعد، اس کے مسلسل انعامات کے اعتراف کے بعد، اپنی عبودیت اور ناتوانی کا اعلان کرنے کے

1۔ جامع الترمذی، ابواب القدر، ج2، ص36، مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور، پاکستان۔ الترغیب والترہیب، ج3، ص596۔ کنز العمال، ج2، ص62، رقم الحدیث:3118، جامع ترمذی میں الفاظ یوں ہیں: لَایَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ

2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ج2، ص963، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

3۔ حاشیۃ القرآن الحکیم، ص2، حاشیہ:5، مطبوعہ دارالتصنیف لمیٹڈ صدر کراچی، پاکستان

4۔ قصیدہ اطیب النغم، ص162، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

5۔ قصائد قاسمیہ، ص8، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، ضلع سہارنپور

6۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص9، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔ مفردات الفاظ القرآن از علامہ راغب اصفہانی، وفات 425ھ، ص835، مطبوعہ الدار الشامیۃ بیروت

ع ۱

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ

ہوا اَور نہ گمراہوں کا ۱۳ے

بعد انسان اب اپنے رحمٰن ورحیم رب کے حضور میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلا کر گویا عرض کرتا ہے۔ میں کمزور ہوں۔ نفس کی فریب کاریاں اور شیطان کی وسوسہ اندازیاں بہت شدید ہیں۔ خود تو میری دستگیری فرما اپنے لطف وکرم سے مجھے سیدھے راستہ پر ثابت قدمی سے چلتے رہنے کی توفیق بخش اور اپنی رضا کی منزل تک پہنچا۔ قُرب ووصالِ الٰہی کے اس مقام پر پہنچ کر مومن تنہا اپنی ذات کے لیے ہدایت طلب نہیں کرتا بلکہ ساری اُمّت محمدیہ کے لیے ہدایت کا طلب گار ہوتا ہے۔ کہتا ہے اِهْدِنَا ہم سب کو ہدایت دے۔ کیونکہ اگر ہدایت اِسلام چند افراد تک محدود رہے گی تو اس کی عالمگیر برکات وفیوض کا اِظہار کیونکر ہوگا۔ شرق وغرب میں انسان جن گمراہیوں میں ٹھوکریں کھا رہا ہے اُن سے کیونکر چھٹکارا پا سکے گا اور كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (1) کی تعبیر کیسے ہوگی۔ ہدایت کے بے شمار مدارج ہیں۔ ایک سے ایک بلند۔ ایک سے ایک اعلیٰ۔ مومن جب یہ دعا مانگتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُسے اُس کے موجودہ مقامِ قرب وہدایت سے اَرفع اور اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا جاوے۔ یا شیطان کی وسوسہ اندازی اور نفس کی کمزوری کے باعث قدم کے پھسل جانے کا جو ہر لحظہ خطرہ ہے اُس سے اُسے محفوظ رکھا جائے۔ اور اسے اس راہ پر ثبات نصیب ہو۔ اور وہ دم واپسیں تک شیطان کے ہر دامِ فریب کو تار تار کرتا ہوا راہِ ہدایت پر بڑھتا چلا جائے۔ وَهٰذَا الدُّعَاءُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ كَوْنِهِمْ عَلَى الْهِدَايَةِ لِطَلَبِ التَّثَبُّتِ اَوْ طَلَبِ مَزِيْدِ الْهِدَايَةِ فَاِنَّ الْاَلْطَافَ وَالْهِدَايَاتِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا تَتَنَاهٰى (مظہری) (2)

۱۲ے ان الفاظ سے راہِ حق کی ایسی نشاندہی فرمادی تاکہ تعصب اور ضد سے بلند ہوکر جو اس کا متلاشی ہو وہ اسے پہچان سکے۔ فرمایا جن لوگوں پر میں نے انعام واکرام فرمایا ہے جس راستہ پر وہ چل رہے ہیں وہی سیدھا راستہ ہے۔ اور اُن لوگوں کے متعلق بھی تصریح فرمادی مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (3) کہ میرا انعام نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیک بندوں پر ہے۔ اب خود سوچ لو کہ کس راہ پر ان نفوس قدسیہ کے نقوشِ پا ہیں۔ حضرت صدیق وفاروق وعثمان وحیدر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اہل بیت عظام کس جماعت کے پیشوا ہیں۔ اور اولیاء کرام کا سلسلہ اُس وقت سے لے کر آج تک کس جماعت سے ظاہر ہو رہا ہے۔

۱۳ے جمہور علماء کے نزدیک مغضوب سے مراد یہودی ہیں اور ضالین سے مراد عیسائی۔ اور ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ (4)

مسئلہ: جب انسان سورۂ فاتحہ پڑھے تو سنت یہ ہے کہ آمین کہے۔ اس کا معنی ہے اِسْتَجِبْ یعنی آخر میں پھر التماس کرے کہ اے مولائے کریم! جو دعا میں نے کی ہے اسے قبول فرما۔ (5)

1۔ سورۂ آل عمران: 110 2۔ تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، وفات 1225ھ زیر آیت ہذا، ج 1، ص 9 3۔ سورۃ النساء: 69
4۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ الفاتحہ، ج 2، صفحہ 120، مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور، پاکستان 5۔ ماخوذ از تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 31

تعارف سُورۃ البقرۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہ سورت نازل ہوئی (1)۔ یہاں اسلامی دعوت کے جو مخاطب تھے وہ مکہ کے باشندوں سے مذہبی، ذہنی اور عمرانی اعتبار سے مختلف تھے۔ خود دعوتِ اسلامی جس مرحلہ میں داخل ہو رہی تھی اس کی ضروریات اور تقاضے بھی بالکل نئے تھے۔ اس لیے ہمیں اس سورت میں جو چالیس رکوع اور دو سو چھیاسی آیتوں پر مشتمل ہے، جس کے الفاظ چھ ہزار اکتیس اور حروف کی تعداد بیس ہزار ہے۔ مکی سورتوں کے اعتبار سے بیّن اور صاف فرق معلوم ہوتا ہے۔

اہل مکہ مُشرک و بت پرست تھے۔ وحی، نبوت، قیامت وغیرہ کا کوئی تصوّر اُن کے ذہن میں نہ تھا۔ قتل و غارت اور لوٹ مار میں وہ فخر اور لذت محسوس کرتے تھے۔ اس لیے مکہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں انہیں عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کی اصلاح پیشِ نظر تھی۔ یثرب کے اصلی باشندے گو انصار تھے لیکن قوت و اقتدار یہود کے ہاتھ میں تھا۔ اور انصار مذہبی اور ذہنی طور پر یہود سے بہت متاثر تھے۔ یہود کیونکہ اہل کتاب تھے اس لیے وحی، رسالت، قیامت، جنت، دوزخ وغیرہ پر ان کا ایمان تھا۔ لیکن بدقسمتی سے وہ اپنی قومی برتری کے نشہ میں اس حد تک مست تھے کہ وہ یہ تصور ہی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے علاوہ نبوت کسی اور کو بھی عطا کی جا سکتی ہے۔ عملی اِعتبار سے اُن کی پستی کی یہ حالت تھی کہ وہ معمولی سے دنیاوی فائدہ کے لیے تورات کی واضح آیتوں کا انکار بلکہ ان میں تحریف کرنے میں ذرا جھجک محسوس نہ کرتے۔ تجارت کی منڈیوں پر ان کا قبضہ تھا۔ یثرب کی زرخیز زمینیں اور شاداب باغات ان کی ملکیت میں آ چکے تھے۔ علم و دانش میں انصار کو ان سے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ آئینی طور پر نہ سہی لیکن عملی طور پر حکومت یہود کی تھی۔

یہ حالات تھے جب رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا اور یہود و انصار کو اسلام کی دعوت دی۔ یہود تو تلملا گئے۔ انہیں اپنی عظمت و جلال کے محلات مسمار ہوتے دکھائی دینے لگے۔ کہاں ان کی خود بینی اور خود پرستی اور کہاں ایک نئے دین کے قبول اور ایک نئے رسول کی اطاعت کی دعوت۔ یہود کیسے اس دین کو قبول کر لیتے۔ اُن کے سامنے تو رکاوٹوں کے کئی پہاڑ تھے۔ ایک سے ایک بلند اور ایک سے ایک کٹھن۔ اب قرآن کا کام یہ تھا کہ ان رکاوٹوں کو دور کرے اور ان فلک بوس چوٹیوں کو پیوند خاک۔ اسی لیے مدینہ طیبہ میں جو پہلی سورت نازل ہوئی اس کے کئی رکوع یہود کی اصلاح کے لیے وقف ہیں۔

دوسری نئی صورتِ حال جس سے مدینہ میں اسلام کو واسطہ پڑا وہ یہ تھی کہ انصار کی اکثریت کے اسلام قبول کر لینے کے بعد

1۔ روح المعانی، ج 1، ص 98

اور مکہ سے مسلمانوں کی ہجرت کے بعد اسلام متفرق اور منتشر افراد کا مذہب نہیں رہا تھا بلکہ ایک جماعت اور ایک قوم کا دین بن گیا تھا اور قوم بھی ایسی جس میں ترقی اور برتری کی بے پناہ صلاحیتیں بیدار ہو رہی تھیں۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ایسے مضبوط خطوط پر ان کی تنظیم کر دی جائے کہ کثرت وحدت میں کھو جائے۔ اور کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جس میں بدنظمی اپنے قدم جما سکے۔ اسے اب ضرورت تھی ایسے قانون کی جو ان کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرے۔ ایسے اقتصادی نظام کی جو عدل و انصاف پر مبنی ہوتے ہوئے معاشی خوشحالی کا ضامن ہو۔ سیرت و اخلاق کے ایسے قالب کی جس میں ملت کا ہر فرد اپنے کردار کو ڈھالے تاکہ اس کی خوبیاں اور نیکیاں اجتماعی رنگ اختیار کر لیں۔ اُسے ضرورت تھی ایک ایسے آئین کی جس پر ان کی عالم گیر سیاست کی بنیاد رکھی جائے۔ ان اہم ضروریات کے پیش نظر اس سورت میں قانون، اخلاق، آئین اور سیاست کے بیشتر قواعد و ضوابط بیان فرما دیئے گئے ہیں۔

ایک اور چیز بھی غور طلب ہے۔ مکی زندگی میں تو مسلمان کفار کے ظلم و ستم سہتے اور چپ ہو جاتے۔ مدینہ طیبہ میں جب مسلمان اکٹھے ہو گئے تو کفار نے اپنی اجتماعی طاقت سے اسلام کو مٹانے کا عزم کر لیا۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو کفر سے ٹکّر لینے کی اجازت دے دی اور انہیں یہ بتایا کہ اپنی بے کسی اور بے بسی اور مخالف کی قوت و سطوت سے مت گھبراؤ۔ فتح یاب تو وہی ہوتا ہے جس کے شامل حال میری تائید اور نصرت ہوتی ہے۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ یقیناً تمہیں غالب و منصور رہو۔

ملّت اِسلامیہ کے لیے قبلہ کا تعین بھی فرما دیا تاکہ اُن کی توجہات کا ظاہری مرکز بھی ایک ہی ہو جائے اور اُن کی عبادتیں انتشار کا شکار ہو کر اپنا جماعتی حُسن نہ کھو دیں۔

اگر اِن اُمور کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے آپ سورۂ بقرہ کا مطالعہ کریں گے تو شاید زیادہ مفید ثابت ہو۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَسِتٌّ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً اَرْبَعُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ بقرہ مدنی ۲۸۶ آیتیں ۴۰ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى

الف لام میم [1] یہ ذِی شان کتاب [2] ذرا شک نہیں اِس میں [3] یہ ہدایت ہے

[1] الف، لام، میم، مفسرین کرام نے ان حروف کی تشریح کرتے ہوئے متعدد اقوال تحریر فرمائے ہیں۔ میرے نزدیک احسن قول یہ ہے کہ الٓمّٓ اور دیگر حروف مقطعات سِرٌّ بَيْنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (1)۔ یہ وہ راز ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ہیں۔ صاحب روح المعانی کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔ فَلَا يَعْرِفُهٗ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَّا الْاَوْلِيَاءُ الْوَرَثَةُ فَهُمْ يَعْرِفُوْنَهٗ مِنْ تِلْكَ الْحَضْرَةِ وَ قَدْ تَنْطِقُ لَهُمُ الْحُرُوْفُ عَمَّا فِيْهَا كَمَا كَانَتْ تَنْطِقُ لِمَنْ سَبَّحَ فِيْ كَفِّهِ الْحَصٰى (2): یعنی ان حروف کا صحیح مفہوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے ہیں اور اولیاء کاملین۔ ان کو یہ علم بارگاہ رسالت سے عطا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ حروف خود اپنے اسرار کو اولیاء کرام سے بیان کر دیتے ہیں جیسے یہ حروف اس ذات پاک سے گویا ہوتے تھے جس کی ہتھیلی میں کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تھی۔

[2] اس سے مراد قرآن کریم ہے (3)۔ ذٰلِكَ اگرچہ عام طور پر اُس مُشَارٌ اِلَيْه کے لیے استعمال ہوتا ہے جو دور ہو۔ لیکن ایسے مُشَارٌ اِلَيْه کے لیے بھی یہ استعمال ہوتا ہے جو حسًّا تو نزدیک ہو لیکن اپنی شان اور رتبہ کے اعتبار سے بہت بلند اور دسترس سے دور ہو۔ اس لیے ترجمہ میں قُربِ حِسی اور بعدِ رُتبی دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے ''یہ ذی شان کتاب''۔

[3] یہ نہیں فرمایا کہ لَا يُرْتَابُ فِيْهِ کہ اس میں شک نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اس پر شک وشبہ کی گرد اڑانے والوں کی نہ تب کمی تھی نہ اب ہے۔ بلکہ فرمایا لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ۔ یعنی اس کے واضح دلائل، اس کی روشن تعلیمات، اس کے بیان کردہ تاریخی واقعات اور اس کی پیشین گوئیاں حق وصداقت کے وہ بلند مینار ہیں جہاں شک وشبہ کا غبار نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی شبہ کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی کج فہمی اور کور ذوقی ہے۔ اگر یرقان کے بیمار کو ہر چیز زرد دکھائی دے تو یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے۔ ہر چیز تو زرد نہیں۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 7۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 14

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 100

3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 39

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ

پرہیزگاروں کے لیے ۴ وُہ جو اِیمان لائے ہیں غیب پر ۵ اَور

۴ اگرچہ قرآن کریم ھُدًی لِّلنَّاسِ یعنی سارے انسانوں کے لیے پیغامِ ہدایت ہے۔لیکن اس کی ہدایت سے فائدہ کیونکہ پرہیزگار ہی اٹھاتے ہیں۔اس لیے یہاں اس لحاظ سے تخصیص کردی۔اور ایسا استعمال ہر زبان میں عام ہے۔تقویٰ کا لغت میں تو یہ معنی ہے جَعْلُ النَّفْسِ فِیْ وِقَایَۃٍ مِّمَّا یُخَافُ(1)۔یعنی نفس کو ہر ایسی چیز سے محفوظ کرنا جس سے ضرر کا اندیشہ ہو۔عُرفِ شرع میں تقویٰ کہتے ہیں ہر گناہ سے اپنے آپ کو بچانا۔اس کے درجے مختلف ہیں۔ہر شخص نے اپنے درجہ کے مطابق اس کی تعبیر فرمائی ہے۔میرے نزدیک سب سے مؤثّر اور آسان تعبیر یہ ہے۔اَلتَّقْوٰی اَنْ لَّا یَرَاکَ اللّٰہُ حَیْثُ نَھَاکَ وَلَا یَفْقُدُکَ حَیْثُ اَمَرَکَ(2)۔ یعنی تیرا رب تجھے وہاں نہ دیکھے جہاں جانے سے اس نے تجھے روکا ہے اور اس مقام سے تجھے غیر حاضر نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا اس نے تجھے حکم دیا ہے۔

۵ یہاں سے اَلْمُفْلِحُوْنَ تک اُن متقین کی علامات بیان کی گئی ہیں جو قرآن کی ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔اُن کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ایمان کا معنی ہے محکم یقین۔اور غیب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو ظاہری حواس کی رسائی سے بلند اور عقل کی سمجھ سے بالاتر ہو(3)۔مثلاً وحی،فرشتے،قیامت،جنت،دوزخ اور خود ذات الٰہی۔یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو نہ آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہیں اور نہ عقل سے سمجھی جاسکتی ہیں۔ان کے جاننے کا فقط ایک ذریعہ ہے۔اور وہ نبی کی ذاتِ گرامی ہے۔اس کی زبانِ حق ترجمان سے جو کچھ نکلے اس پر انسان محکم یقین رکھے۔اس لیے ایمان بالغیب کو تقویٰ کی اولین شرط قرار دیا گیا ہے۔ان چیزوں کے علاوہ شریعت اسلامیہ کے وہ احکام جن کی حکمتوں کے سمجھنے سے انسانی عقل (ابتداء میں) قاصر رہتی ہے یا وہ ارشادات جو اس کے ذاتی مفاد یا اس کے گروہی اور محدود وطنی منافع کے خلاف ہوتے ہیں تو ایسے حکموں کو تسلیم کرنا بھی ایمان بالغیب میں داخل ہے۔یعنی نبی کی بتائی ہوئی ہر چیز کو سچا جانے اور نبی کے ارشادات کے مفید اور نفع مند ہونے پر اسے اس درجہ یقین ہو کہ اِن تمام رکاوٹوں کے باوجود وہ ان کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ ہو۔اعتماد اور اطاعت کا یہ مقام جب تک کسی کو میسر نہیں ہوتا وہ قرآن کی ہدایت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔بلکہ بے یقینی اور تذبذب کی یہ کیفیت اس کے تمام اعمال کو بے نتیجہ کردیتی ہے۔ ؎

سُن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے بتر ہے بے یقینی (4)

1۔مفردات راغب،ص 881 2۔روح المعانی،زیر آیت ہذا،ج 1،ص 108 3۔روح المعانی،ج 1،ص 114،مفردات راغب،ص 17-616
4۔کلیاتِ اقبال (اردو)،بال جبریل،ص 504،مطبوعہ فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ،اردو بازار کراچی

يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾

صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز ۶ اور اس سے جو ہم نے انھیں روزی دی خرچ کرتے ہیں ۷

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

اور وہ جو ایمان لائے ہیں ۸ اُس پر (اے حبیبؐ) جو اُتارا گیا ہے آپؐ پر اور جو

تو معلوم ہوا کہ متقی کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی تمام چیزوں پر محکم یقین رکھتا ہو۔

۶ یہ متقین کی دوسری علامت ہے۔ قرآن میں یہ حکم کہیں نہیں کہ نماز پڑھا کرو بلکہ جب بھی فرمایا تو یہی کہ نماز قائم کرو۔ اور اِقَامَةُ الشَّیْءِ تَوْفِيَةُ حَقِّهٖ (راغب)(1) نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو تمام حقوقِ ظاہری اور باطنی کے ساتھ ادا کرو۔ نماز کے ظاہری حقوق تو یہ ہیں کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق تمام ارکان بجالائے جائیں۔ اور باطنی حقوق یہ ہیں کہ تو خضوع و خشوع میں ڈوبا ہوا ہو اور احسان کی کیفیت طاری ہو یعنی تو محسوس کر رہا ہو کہ كَاَنَّكَ تَرَاهُ گویا تو اپنے معبود کو دیکھ رہا ہے۔ ورنہ کم از کم اتنا تو ضرور ہو کہ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ(2) کہ تیرا رب تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس ذوق وشوق سے ادا کی ہوئی نماز ہی وہ نماز ہے جسے دین کا ستون اور مومن کی معراج فرمایا گیا ہے۔ ورنہ ع

میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب (3)

۷ اَلرِّزْقُ فِی اللُّغَةِ النَّصِيْبُ وَالْعَطَاءُ وَيُطْلَقُ عَلَى الْحِسِّيِّ وَالْمَعْنَوِيِّ (المنار)(4) لغت میں رِزق کہتے ہیں حصّہ اور بخشش کو خواہ حِسّی ہو یا معنوی۔ مال، اولاد، علم و معرفت اس لحاظ سے سب رزق ہیں۔ اور یہاں بھی رزق کا یہی لغوی معنی مراد ہے۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے مال و جاہ ہو، علم و عرفان ہو کسی کا اپنا نہیں بلکہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس میں ہے کہ وہ اس میں بخل نہ کرے۔ بلکہ جو ان نعمتوں سے محروم ہیں ان میں تقسیم کرتا رہے۔ دولت مند اپنی دولت سے، عالم اپنے علم سے اور عارف اپنے رُوحانی فیوضات سے مستحقین کو مالا مال کرے۔ یہ فیض عام متقین کی تیسری علامت ہے۔

۸ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ لوگ جو انسانی رشد و ہدایت کے لیے آسمانی وحی کے قائل ہی نہیں بلکہ اپنی عقل کو ہی اپنی رہنمائی کے لیے کافی سمجھتے ہیں یا وحی کے قائل تو ہیں لیکن بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ وہ قرآنی ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہ چوتھی علامت ہے۔ نیز اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت کی بین دلیل ہے۔ کیونکہ وحی جس پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یا تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے۔ اگر نبوت کا سلسلہ جاری ہوتا تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی وحی نازل ہوتی اور اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا۔ اس صورت میں آیت یوں ہوتی وَمَا اُنْزِلَ مِنْ

1۔ مفردات راغب، ص 692 2۔ مشکوٰۃ المصابیح از امام شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی، وفات 742ھ، کتاب الایمان، ص 11، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

3۔ کلیات اقبال، بال جبرئیل، نظم: ذوق وشوق، ص 540

4۔ تفسیر القرآن الحکیم المشہور بالتفسیر المنار از سید امام محمد رشید رضا، پیدائش 1865ء، وفات 1935ء، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 129، مطبوعہ دار المنار، مصر

أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝٤

اُتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر بھی وُہ یقین رکھتے ہیں ۹ے

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥ إِنَّ الَّذِينَ

وُہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب (کی توفیق) سے اور وُہی دونوں جہان میں کامیاب ہیں ۱۰ے بے شک جنھوں نے

كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦ خَتَمَ

کُفر اختیار کرلیا ہے یکساں ہے، ان کے لیے چاہے آپ اُنھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ۱۱ے وُہ اِیمان نہیں لائیں گے مُہر لگادی

قَبْلِكَ وَمَا يُنْزَلُ مِنْ بَعْدِكَ۔

۹ے اس آخرت کی زندگی کو صرف تسلیم کرلینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اِیقان ضروری ہے۔ اِیقان کہتے ہیں اِتْقَانُ الْعِلْمِ بِنَفْيِ الشَّكِّ وَالشُّبْهَةِ عَنْهُ (1) یعنی علم کی وہ پختگی جس میں شک وشُبہ کا گزر نہ ہو۔ اور جب کسی چیز یا حقیقت کا علم اتنا پختہ ہوجاتا ہے تو وہ عقل، دل اور ارادہ کو مسخر کرلیتا ہے۔ انسان اس کے خلاف نہ کچھ سوچ سکتا ہے اور نہ کچھ کرسکتا ہے جب روز جزا کے ساتھ کسی کا علم ویقین اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو عمل کی شاہراہ پر ہر قدم اٹھانے سے پہلے وہ ان نتائج کا اندازہ لگالیا کرتا ہے جو اس پر مرتب ہونے والے ہیں۔ ہمیں اپنے قول وعمل میں جو افسوسناک تضاد دکھائی دے رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں قیامت پر وہ ایقان نہیں جو اپنی قوت سے ہمارے عمل کو ہمارے قول سے ہم آہنگ کردے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں روز جزا پر یقین بخشے تاکہ قول وعمل کی یہ کشمکش ختم ہو جس نے ہمیں ذِلّت کی پستیوں میں دھکیل دیا ہے اور ہمارا تماشہ دیکھنے والوں کو ورطہ حیرت میں ڈال رکھا ہے۔

۱۰ے اِن اَوصاف سے جو متصف ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہی فلاح پانے والے ہیں۔ فلاح کسی اُدھوری اور جزوی کامیابی کو نہیں کہتے بلکہ فلاح اس مکمل کامیابی کو کہا جاتا ہے جس کے دامن میں دنیا وآخرت کی ساری سعادتیں اور برکتیں سمٹ آئی ہوں۔ فَلَيْسَ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ كُلِّهٖ اَجْمَعَ مِنْ لَّفْظَةِ الْفَلَاحِ لِخَيْرَيِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ كَمَا قَالَهٗ اَئِمَّةُ اللِّسَانِ (تاج العروس) (2) ائمہ لغت نے تصریح کی ہے کہ عربی زبان میں فلاح کے لفظ سے زیادہ اور کوئی جامع لفظ نہیں جو دنیا وآخرت دونوں کی خیرات وبرکات پر دلالت کرتا ہو۔ اب آپ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کے مژدہ پر پھر غور کریں۔

۱۱ے دعوتِ حق قبول کرنے والے خوش نصیبوں کے ذکر کے بعد اب اُن بدنصیبوں کا حال بیان ہوتا ہے جنھوں نے حق کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس موقع پر بعض لوگ بلاوجہ جبر وقدر کی بحث چھیڑ دیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ان بے چاروں کا کیا

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 9 2۔ تاج العروس من جواہر القاموس از سید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی، وفات 1205ھ، ج 2، ص 199، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، مصر

اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ

اللہ تعالیٰ نے ان کے دِلوں پر اَوران کے کانوں پر ۱۲ اَوران کی آنکھوں پر پردہ ہے اَوران کے لِیے

قصور۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو وہ ایمان کیونکر لاسکتے ہیں۔ اور جب خود خدا نے ان کو ایمان لانے سے باز رکھا تو انہیں سزا کیوں دی جائے اور ملامت کیوں کی جائے۔ کاش اتنی بڑی جرأت سے پہلے وہ جبر کی حقیقت پر ہی غور کرلیتے۔ جبر کیا ہے؟ انسان کی بے بسی کی وہ حالت جس میں وہ کسی ایک بات کے کرنے پر مجبور ہو اور اسے چھوڑ کر کوئی دوسری چیز اختیار کرنے پر قادر نہ ہو۔ اگر حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف نہ لاتے۔ واضح دلائل اور روشن معجزات سے حق کو نکھار کر نہ رکھ دیتے اور قرآن کی دِل ہِلا دینے والی آیتیں سنا سنا کر ہدایت اور گمراہی کی راہوں کو الگ الگ نہ فرمادیتے اور کوئی انسان ورثہ میں ملے ہوئے کفر وشرک میں سرگرداں رہتا تو جبر کی کوئی بات بھی تھی۔ لیکن اب جب کہ کتابِ الٰہی کی روشنی نے حق اور باطل کو بالکل ممتاز کردیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبلیغ کا حق ادا کردیا۔ اپنے معجزات اور اپنے دلائل سے غلط فہمی کا شائبہ تک باقی نہ چھوڑا۔ اس کے بعد بھی جو باطل کو چھوڑ کر ہدایت کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور گمراہ ہی رہا تو وہ باطل سے چمٹے رہنے پر مجبور نہ تھا بلکہ سب کچھ سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر اس نے حق کو قبول نہیں کیا اور باطل سے منہ نہیں موڑا۔ ایسے لوگوں کو مزید سمجھانا واقعی بے سود ہے۔ کیونکہ سمجھایا تو اسے جائے جو سمجھتا نہ ہو۔ اور جو سمجھ چکا ہو اور پھر کفر پر بضد ہو وہ لاعلاج مریض ہے۔ وہ شفایاب نہیں ہو سکتا(1)۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس مخصوص گروہ کی نفسیاتی حالت کا تجزیہ کیا ہے جو محض تعصب اور ہٹ دھرمی کے باعث دانستہ کفر کی راہ پر دوڑے چلے جارہے تھے۔ یہاں جبر وقہر کا احتمال ہی نہیں تاکہ اس بحث میں الجھا جائے۔

۱۲ یہاں بھی بعض لوگوں کو یہ کہتے سُنا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مُہر لگادی اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو غریب کیونکر ایمان لاتے۔ اُن کی خدمت میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ انسان کے اعمال پر کوئی نتیجہ اور اثر مرتّب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر انسان جسمانی صحت کے اصولوں کو لگاتار توڑتا رہے تو اس کا بلانوش معدہ جو ہر چیز ہضم کرلیا کرتا تھا۔ کیا غذا ہضم کرنے سے معذور نہیں ہوجاتا؟ کیا اس کا جگر خون پیدا کرنا چھوڑ نہیں دیتا؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو روحانی صحت کے بھی چند اصول ہیں جن کی پابندی سے روحانی قوتیں نشوونما پاتی ہیں۔ اور جن کی پیہم خلاف ورزیوں سے وہ قوتیں ناکارہ ہوکر رہ جاتی ہیں۔ دل سے حق وباطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت سلب ہوجاتی ہے۔ آنکھیں دیکھتی تو ہیں لیکن عبرت حاصل نہیں کرتیں۔ کان سنتے تو ہیں لیکن نصیحت قبول نہیں کرتے۔ بس اسی کیفیت کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ ان کفار کی پیہم نافرمانیوں سے، حق سمجھ لینے کے باوجود اس سے مسلسل انکار کرنے کی وجہ سے ان کے دل ودماغ اور دیدہ وگوش کی ساری قوتیں ناکارہ ہوکر رہ گئی ہیں۔ تو ان کی یہ محرومیاں نتیجہ ہیں ان مسلسل نافرمانیوں کا۔ اور طبعی اثر ہے ان کی ہٹ دھرمی اور تعصب کا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پہلے ہی انہیں ہوش وفہم سے محروم کردیا گیا تھا تاکہ وہ حق کو سمجھ ہی نہ سکیں۔ اس حقیقت کو قرآن کریم نے متعدد موقعوں پر اس قدر واضح فرمایا ہے کہ غلط فہمی کی گنجائش تک باقی نہیں چھوڑی۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا

1۔ تفسیر الفخر الرازی المعروف بالتفسیر الکبیر للامام محمد الرازی فخر الدین بن العلامہ ضیاء الدین عمر، پیدائش 544ھ، وفات 604ھ، ج1، جز2، ص53-52، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

ع ۱ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ

بڑا عذاب ہے۔ اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ۱۳ے ہم ایمان لائے اللہ پر اور روزِ

وقف لازم الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا

قیامت پر حالانکہ وُہ مومن نہیں ۱۴ے فریب دیا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو ۱۵ے اور

يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ

(حقیقت میں) نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو اور (اِس حقیقت کو) نہیں سمجھتے۔ ان کے دِلوں میں بیماری ہے

بِكُفْرِهِمْ (1)۔یعنی ان کے کفر وانکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔یعنی پہلے سے اُن کے دل مہر شدہ نہ تھے بلکہ اُن کے کفر وانکار اور اِس پر اُن کے شدید اصرار کی پاداش میں انہیں اس نعمت سے محروم کر دیا گیا۔ایک اور جگہ ارشاد ہے بَلْ ۫ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (2) یعنی جو کرتوت وہ کیا کرتے تھے۔ان کا میل ان کے دلوں پر جم گیا ہے۔اور ان کے دلوں کا روشن آئینہ اس قدر مکدر ہو گیا ہے کہ آفتابِ ہدایت کی روشن کرنیں اُس میں چمک پیدا نہیں کر سکتیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں حسنِ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

۱۳ے یہاں سے منافقوں کا ذکر شروع ہوتا ہے۔مُنافق اُس کو کہتے ہیں جو زبان سے اِسلام کا اِقرار کرے لیکن دِل سے منکر ہو۔ اسلام کی روز افزوں ترقی دیکھ کر دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے کئی موقع شناس اپنے آپ کو مسلمان بتانے لگے تھے۔نیز وہ بدباطن حاسد جو کھلے طور پر اسلام کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے وہ مسلمانوں میں شامل ہو کر سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کا جال بچھا کر مسلمانوں کو پریشان کرنا چاہتے۔ہجرت سے پہلے منافقین کا نشان نہیں ملتا۔کیونکہ اس وقت مسلمان ہونا ہر قسم کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بننا تھا۔اس لیے کسے کیا پڑی تھی کہ ایسے دین کے لیے مصیبتوں کو دعوت دے جس پر اس کا ایمان ہی نہیں۔وہاں تو صرف وہ لوگ ہی اسلام قبول کرتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کے لیے جان، مال، اولاد غرضیکہ سب کچھ قربان کرنا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

۱۴ے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان وہی ہے جو زبان کے اقرار کے ساتھ دل سے تصدیق بھی کرے۔اور جو دل سے تصدیق نہ کرے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔خواہ ایمان واسلام کے دعویٰ میں وہ کتنا ہی چرب زبان ہو۔

۱۵ے وہ یہ فریب اللہ تعالیٰ سے نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ فریب کرتے ہیں وہ خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ فریب کرتے ہیں۔اور اس دھوکہ بازی کا وبال اُن پر ہی پڑے گا (3)۔وہ اسلام اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔کیونکہ یہ وہ نور ہے جس کو ہمیشہ تاباں

1۔سورۃ النساء:155 2۔سورۃ المطففین:14 3۔تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص12

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

پھر بڑھا دی ۱۶ اللہ نے ان کی بیماری اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے بوجہ اِس کے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور جب کہا جائے اُنھیں کہ مت فساد پھیلاؤ زمین میں ۱۷ تو کہتے ہیں ہم ہی تو سنوارنے والے ہیں

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

ہوشیار! وُہی فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں اور جب کہا جائے اُنھیں

اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ

اِیمان لاؤ جیسے اِیمان لائے (اَور) لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح اِیمان لائے بیوقوف، خبردار! بے شک

درخشاں رکھنے کا ذمہ دار خود اللہ تعالیٰ ہے۔

۱۶ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف منافقین کے دل میں عداوت کے جو جذبات پرورش پا رہے تھے اور حسد اور غصہ کی جو چنگاریاں چٹخ رہی تھیں۔ ان کو قرآن نے مرض سے تعبیر فرمایا ہے۔ جب وہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی روز افزوں عزت اور ترقی کو دیکھتے تو حسد و عناد کے شعلے بھڑک اٹھتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تنبیہ فرماتا ہے کہ اگر انہوں نے اس مرض کو یونہی بڑھنے دیا اور اس کا علاج نہ کیا تو جس طرح جسمانی بیماریاں جسمانی موت کا باعث بنتی ہیں۔ اسی طرح ان کا یہ مرض ان کے قلب و روح کا گلا گھونٹ کر رکھ دے گا۔

۱۷ اس آیت میں ان کے دلوں کے بیمار ہونے کی دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ وہ دن رات فتنہ و فساد پھیلانے میں اور حق کی شمع بجھانے میں مصروف ہیں اور اگر ان کی فتنہ پردازیوں کی طرف توجہ دلا کر انہیں باز رہنے کو کہا جاتا ہے تو الٹا گھورتے ہیں اور کہتے ہیں آپ ہمیں فسادی کہتے ہیں۔ ہم ہی تو امن و اصلاح کے لیے ہر وقت کوشش کر رہے ہیں۔ اب جو شخص فساد پھیلانے اور حق کا چراغ گل کرنے کو اصلاح کہنے پر مصر ہو اس کے قلب و نظر کو اگر بیمار نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ اب آپ اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالیے۔ جتنے نئے فرقے، نئے مذہب جنم لے رہے ہیں اُن کے بانی بھی دین کی اصلاح اور قوم کی فلاح کا دعویٰ ہی کرتے ہیں لیکن ان کی فتنہ پردازیاں آئے دن جو گل کھلا رہی ہیں ان کے باعث تو قوم کا ذہنی اتحاد بھی پاش پاش ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نادان دوستوں یا دانا دشمنوں کے مکر و فریب سے امت کو بچائے اور ہمیں توفیق بخشے کہ ہم ان کو پہچان سکیں۔ آمین

هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ

وُہی احمق ہیں مگر وُہ جانتے نہیں ۱۸ے اَور جب مِلتے ہیں اِیمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

اَور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف (ان کا) مذاق اُڑا رہے تھے ۱۹ے

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ

اللہ سزا دے رہا ہے اُنھیں اِس مذاق کی ۲۰ے اَور ڈِھیل دیتا ہے اُنھیں تاکہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ (یہ) وُہ

۱۸ے وہ لوگ جن کے نزدیک نفع ونقصان اور سود وزیاں جانچنے کی کسوٹی صرف دنیا کا عیش وآرام اور عزت وجاہ ہے ان کے نزدیک وہ ہستیاں عقل ودانش سے محروم ہیں جو اپنے دین وایمان کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں ان سے زیادہ دانا اور کون ہے جنہوں نے فانی دے کر باقی کو لے لیا۔ جنہوں نے جان دے کر اپنے مالک کی رضا حاصل کر لی۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (1) اور ان سے بڑھ کر احمق کون ہے جنہوں نے چند روزہ زندگی کی راحتوں کے عوض اپنے آپ کو ابدی راحتوں بلکہ اپنے رب کریم کی خوشنودی سے محروم کر دیا۔ اس لیے قرآن نے فرمایا اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ۔

۱۹ے منافقین کا رویّہ یہ تھا کہ مسلمانوں سے ملتے تو انہیں کہتے کہ ہم ایمان لا چکے ہیں۔ اور کفار کے سرغنوں کے پاس تنہائی میں جا کر انہیں یقین دلاتے کہ ہم اپنے مذہب پر قائم ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ ہماری بات چیت اور اٹھنا بیٹھنا اس وجہ سے ہرگز نہیں کہ ہم ان کا دین قبول کر چکے ہیں بلکہ ہم تو اس طرح ان کو بے وقوف بناتے ہیں اور ان کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

۲۰ے علامہ قرطبی نے لفظ استہزاء کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اَصْلُ الْاِسْتِهْزَاءِ الْاِنْتِقَامُ۔ استہزاء کا معنی انتقام لینا ہے۔ سند کے طور پر یہ شعر بھی لکھا ہے۔

قَدِ اسْتَهْزَأُوْا مِنْهُمْ بِاَلْفَيْ مُدَجَّجٍ سُرَاتُهُمْ وَسْطَ الضَّحَاضِحِ جُثَّمُ (2)

اس تحقیق کے مطابق اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کی شرارتوں کا انتقام لیتا ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف استہزاء کی نسبت میں کوئی قباحت نہیں۔ نیز اہل عرب میں یہ عام محاورہ ہے کہ جب کوئی کام کسی فعل کی سزا دینے کے لیے کیا جائے تو اس کی تعبیر بھی اسی لفظ سے کر دیتے ہیں جس لفظ سے اس فعل کی تعبیر کی گئی ہو جس پر سزا یا عتاب کیا جا رہا ہے۔ مثلاً وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (3) یعنی بُرے فعل کی جزا بھی اسی طرح بُری ہوا کرتی ہے۔ حالانکہ سزا جو عدل وانصاف کا عین تقاضا ہوتا ہے بری نہیں ہوتی۔ يَانَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ (4) انہوں نے خدا کو بھلا دیا اور خدا نے اُن کو بھلا دیا۔ حالانکہ خدا کی ذات بھول سے پاک ہے۔ لیکن ان کے بھلانے پر جو سزا دی گئی اس کو بھلانے سے تعبیر کیا گیا۔ اسی طرح استہزاء پر منافقین کو جو

1۔ سورۃ التوبہ: 72 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 1، صفحہ 207 3۔ سورۃ الشوریٰ: 40 4۔ سورۃ الحشر: 19

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا

لوگ ہیں جنھوں نے خرید لی ۲۱ گمراہی ہدایت کے بدلے مگر نفع بخش نہ ہوئی اُن کی یہ تجارت ۲۲ اور وہ

مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ

صحیح راہ نہ جانتے تھے ۲۳ ان کی مثال اس شخص ۲۴ کی سی ہے جس نے آگ روشن کی ۲۵ پھر جب جگمگا اُٹھا

مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

اُس کا آس پاس تو لے گیا اللہ اُن کا نُور اور چھوڑ دیا اُنھیں گھُپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے

سزا دی گئی اس کو بھی استہزاء سے بیان کر دیا۔ کیونکہ یہ استعمال محاورۂ عرب کے عین مطابق تھا۔ اس لیے کفار جو قرآن پر اعتراض کرنے کے لیے کسی ادنیٰ سے بہانے کے متلاشی رہتے تھے اس استعمال پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔

۲۱ اشتراء کا معنی ہے خریدنا، قیمت ادا کر کے کوئی چیز لینا(1)۔ یہاں اشتراء کا یہ معنی تب درست ہوسکتا تھا جب کہ منافقوں کے پاس دولت ایمان ہوتی اور اسے دے کر وہ کفر خریدتے۔ وہاں تو پہلے بھی کفر ہی کفر تھا۔ اس لیے علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہاں اشْتَرَوْا بمعنی اِسْتَحَبُّوْا ہے یعنی انہوں نے کفر کو پسند کر لیا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فرماتے ہیں لغت عرب میں شراء کا لفظ ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل لینے کے معنی میں عام مستعمل ہے۔ وَالْمَعْنٰى اسْتَبْدَلُوْا وَاخْتَارُوْا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ..... وَاِنَّمَا اَخْرَجَهٗ بِلَفْظِ الشِّرَاءِ تَوَسُّعًا..... وَالْعَرَبُ تَسْتَعْمِلُ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ مَنِ اسْتَبْدَلَ شَيْئًا بِشَيْءٍ (القرطبی)(2)

۲۲ انہوں نے منافقت کا نقاب تو اس لیے ڈالا تھا کہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو کر دنیاوی فوائد حاصل کریں گے۔ مال غنیمت سے انہیں حصہ ملے گا اور ان کی چودھراہٹ قائم رہے گی لیکن اُن کی کوئی امید بر نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا پردہ چاک کر دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر محفل ایک ایک کا نام لے کر اسے مسجد سے نکال دیا۔

۲۳ نفع کمانا تو کجا ان احمقوں نے تو اپنا سرمایہ (فطرت سلیمہ) ہی تباہ کر دیا۔ وَهُمْ ضَيَّعُوْا رَاْسَ الْمَالِ وَهِيَ الْفِطْرَةُ وَمَا حَصَلُوا الْفَضْلَ بِاِدْرَاكِ الْحَقِّ وَنَيْلِ الْكَمَالِ (مظہری)(3)

۲۴ مَثَلٌ، مِثْلٌ اور مَثِيْلٌ تینوں کا معنیٰ نظیر ہے۔ لیکن اس کا عام استعمال ضرب المثل (اردو) کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور بطور استعارہ ایسی حالت کے بیان کو بھی مثل کہتے ہیں جس میں ندرت اور اوپراپن ہو(4)۔ یہاں یہ لفظ اسی مفہوم میں مذکور ہوا ہے۔ یعنی اِن منافقوں کی عجیب وغریب حالت ایسی ہے جیسے ان لوگوں کی جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔

۲۵ منافقوں کے دو گروہ تھے ایک وہ جو دل سے کفر پر جمے ہوئے تھے اور صرف زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے۔ دوسرا وہ جو ایمان تو قبول کرتے لیکن مصائب ومشکلات سے گھبرا کر پھر اسلام سے دست بردار ہو جاتے۔ پہلے گروہ کی مثال اس آیت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز1، ص210 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص29 4۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص14

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ

یہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں ۲۶ سو وہ نہیں پھریں گے یا پھر جیسے زور کا مینہ برس رہا ہو بادل سے

فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ

جس میں اندھیرے ہوں اور گرج اور چمک ہو ٹھونستے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں

مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَ اللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾

کڑک کے باعث موت کے ڈر سے ۲۷ اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو

یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا

قریب ہے کہ بجلی اُچک لے جائے ان کی بینائی جب چمکتی ہے ان کے لیے تو چلنے لگتے ہیں

میں بیان کی گئی ہے اور دوسرے گروہ کی اَوْ كَصَیِّبٍ الخ میں۔

۲۶ اِس مثال میں جن لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے ان کی وضاحت حضرت صدرالافاضل مرادآبادی قدس سرہ نے خوب کی ہے۔ فرماتے ہیں ''جنہوں نے اِظہار ایمان کیا اور دل میں کفر رکھ کر اقرار کی روشنی کو ضائع کر دیا۔ اور وہ بھی جو مومن ہونے کے بعد مرتد ہو گئے اور وہ بھی جنہیں فطرت سلیمہ عطا ہوئی اور دلائل کی روشنی نے حق واضح کر دیا مگر انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا اور گمراہی اختیار کی۔ اور جب حق سننے، ماننے، کہنے اور راہِ حق دیکھنے سے محروم ہوئے تو کان، زبان، آنکھ سب بے کار ہیں''۔ (خزائن العرفان)(1)

۲۷ اس آیت میں کئی چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ بارش، اندھیرے، بادل کی کڑک اور بجلی کی روشنی اور ایسے سمے میں سفر کرنے والا شخص۔ یہ سب مشبہ بہا ہیں۔ جب تک ان کے مشبہات (یعنی یہ کن چیزوں کی تشبیہیں ہیں) کا تعین نہ کر لیا جائے اس مثال کا حسن نکھر کر سامنے نہیں آتا۔ بارش سے مراد اسلام، اندھیروں اور بادل کی کڑک سے مراد وہ مصائب اور مشکلات ہیں جنہوں نے چاروں طرف سے اسلام کو گھیر لیا تھا۔ اور بجلی کی روشنی سے مراد وہ فتوحات وغیرہ ہیں جو ان ناسازگار حالات میں اسلام کو حاصل ہوتی رہیں۔ جس طرح بارش مُردہ زمینوں کو نئی زندگی بخش دیتی ہے اِسی طرح اِسلام مُردہ دلوں کو نئی زندگی مرحمت فرماتا ہے۔ جیسے بارش برستے وقت گھنگھور گھٹائیں چھا جاتی ہیں اور تاریکی پھیل جاتی ہے۔ بادل کی خوفناک کڑک سے دل دہلنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اسلام کا مینہ برستے وقت کھلی عداوتوں اور پوشیدہ سازشوں کا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ فضا یکسر مکدر ہو گئی۔ مصیبتوں کے بادل گرجنے لگے۔ جو سچے دل سے ایمان لا چکے تھے نہ اندھیروں سے انہیں وحشت تھی نہ بادل کی کڑک سے وہ

1۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 7، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

فِيْهِ قف۱ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ

اس (کی روشنی) میں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے ان پر تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے

بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۳ ۲

ان کے سننے کی قوّت اور ان کی بینائی بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۲۸ے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ

اے لوگو! ۲۹ے عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمہیں ۳۰ے اور جو تم سے

ہراساں تھے۔ مصائب کے ہجوم میں بھی وہ چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ لیکن وہ لوگ جو مذبذب تھے ان کی حالت عجیب ڈانواں ڈول تھی وہ اسلام کے حیات بخش چھینٹوں سے سیراب بھی ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مصائب کی تاریک گھٹائیں دیکھ کر مشکلات کی کڑک سن کر ان کے دل ڈوب ڈوب جایا کرتے تھے اور اسلام کا دامن چھوڑنے میں ہی انہیں اپنی سلامتی نظر آتی تھی۔ پھر اگر اسلام کو کوئی کامیابی نصیب ہوتی تو وہ اسلام کی طرف لپکنے کی تیاری کرتے۔ ایسے میں اگر مصائب کا کوئی تند و تیز جھونکا آجاتا تو وہ بددل ہو کر رہ جاتے۔ (1)

۲۸ے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہندی، مصری اور یونانی دیوتاؤں کی طرح اس کے اختیارات محدود نہیں ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا تابع فرمان ہے۔ بلندیاں اور پستیاں سب اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں۔

۲۹ے ان آیات میں اسلام کے بنیادی مقاصد یعنی توحید، صداقت قرآن اور حقّانیت نبوت وغیرہ پر ایمان لانے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اسلام کیونکہ کسی خاص قوم، ملک اور وقت کا دین نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کا تا قیام قیامت دین ہے اس لیے عام خطاب سے دعوت دی جا رہی ہے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اے تمام انسانو!۔

۳۰ے توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال قائم کیا جا رہا ہے۔ نعمت ایجاد اور بقا کا ذکر فرما کر ثابت کیا کہ وہ وحدہ لا شریک ہے۔ یعنی تم اپنے رب کی عبادت کرو۔ کیونکہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا۔ اگر وہ کرم نہ فرماتا تو تم فنا کی دنیا سے وجود کی دنیا میں کیسے آسکتے۔ پھر اس نے مزید کرم یہ فرمایا کہ تمہیں پیدا کر کے تمہارے آرام و آسائش اور حیات و بقا کے سارے سامان خود فراہم کر دیئے۔ اگر وہ تمہیں صرف پیدا کر کے چھوڑ دیتا اور اپنے لطف و عنایت سے تمہارے رزق اور آسائش کا انتظام نہ فرماتا تو تم پیدا ہوتے ہی ہلاک ہو جاتے۔ اب جب کہ تمہارا وجود بھی اُسی کے کرم کا صدقہ ہے اور تمہاری زندگی اور بقا بھی اسی کی نظر رحمت کی محتاج ہے اور کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ جب ایجاد و ربوبیت میں وہ وحدہ لاشریک ہے تو

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص16

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا

پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ وُہ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ

اَور آسمان کو عمارت اَور اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اِس سے کچھ

الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

پھل تمہارے کھانے کے لیے پس نہ ٹھیراؤ اللہ کے لیے مدِّ مقابل ۳۱؎ اَور تم جانتے ہو

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ

اَور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ ایک سُورت اِس

الوہیت میں کون اس کا شریک ہوسکتا ہے۔ جب لَا خَالِقَ اِلَّا اللّٰہُ اور لَا رَبَّ اِلَّا اللّٰہُ کو تسلیم کرنے میں انکار کی گنجائش نہیں تو لامحالہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور جب اس پر ایمان محکم ہوگیا تو لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ پر بھی یقین راسخ ہوجائے گا۔ تو ثابت ہوا کہ عبادت کے لائق صرف وہی ذات پاک ہے جو ہر لحاظ سے وحدہ لاشریک ہے۔ توحید کے نازک اور پیچیدہ مسئلہ پر قرآن کا استدلال آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔ کتنا فطری، کتنا سادہ ہے اور اس کے باوجود کتنا موثر اور یقین پرور ہے۔ ایک ان پڑھ عامی، ایک عالم، ایک محقق اور اسرار کائنات کے سمندر کا ماہر غوّاص سب یکساں طور پر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس سے مستفید ہوسکتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں فلسفہ وحکمت کے صحائف میں توحید کے دلائل پڑھیے۔ فنی موشگافیوں، پیچیدہ اصطلاحات، مقدمات کی ترتیب کا پریشان کن چکر آپ کو مرعوب تو کردے گا لیکن یقین کی دولت سے آپ کا دامن خالی ہی رہے گا۔ یہی قرآن کا اعجاز ہے جس نے چودہ صدیوں سے دانشوران عالم کو حیرت واستعجاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔

۳۱؎ اس کا مفرد نِدٌّ ہے۔ جس کا معنی۔ اَلْمِثْلُ الْمُنَاوِیْ یعنی وہ شخص جو کسی جیسا بھی ہو اور مخالف بھی ہو۔ مشرکین کے بتوں کو انداد کیوں کہا گیا؟ اس کی وجہ علامہ بیضاوی تحریر فرماتے ہیں۔ لِاَنَّھُمْ لَمَّا تَرَکُوْا عِبَادَتَہٗ اِلٰی عِبَادَتِھَا وَ سَمَّوْھَا اٰلِھَۃً۔ (1) کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دی تھی اور صرف ان بتوں کی عبادت ہی کرتے تھے اور ان کو الٰہ (خدا) بھی کہتے تھے۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 17

مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

جیسی ۳۲؎ اور بُلا لو اپنے حمائتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچّے ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا

پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکوگے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اِنسان اور پتھّر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے اور خوشخبری ۳۳؎ دیجئے اُنھیں جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اور کیے نیک عمل (کہ) یقیناً ان کے لیے باغات ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا

جب کھلایا جائے گا انھیں ان باغوں سے کوئی پھل (تو صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وُہی ہے جو ہمیں پہلے

۳۲؎ یہ دلیل ہے قرآنِ کریم کے کلام الٰہی ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کی۔ یہ چیلنج صرف عرب کے شعراء اور بلغاء کے لیے نہیں بلکہ عرب وعجم کے سب منکرین کو دیا جارہا ہے۔ اسلام کے دشمنوں کے لیے یہ کتنا آسان طریقہ تھا کہ تین آیات کی ایک سورت بنا کر قرآن کے اس چیلنج کا جواب دے دیتے۔ اور اس طرح قرآن، نبوت اور اسلام کی صداقت اور عظمت کو یک دم ختم کر کے بیک کرشمہ سہ کار کا منظر دکھا دیتے۔ لیکن چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اور شرق وغرب کے بدخواہ اپنی بے چین خواہشوں، لگاتار کوششوں اور جاں گسل کاوشوں کے باوجود اس چیلنج کا جواب آج تک نہیں دے سکے۔ اور نہ قیامت تک دے سکیں گے جیسے قرآن نے پیشین گوئی کر دی ہے تو اب کسی انصاف پسند ذی ہوش کے لیے یہ ماننے میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور جس عبد مقرّب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول ہے۔ اس ایک آیت میں قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رسول ہونے کی ایسی دلیل پیش فرما دی جس کے سامنے بڑے بڑے سرکش مخالفوں کی گردنیں جھک گئیں۔

۳۳؎ حق واضح ہو جانے کے بعد حق کا انکار کرنے والوں کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے اس کے ذکر کے بعد ان لوگوں کو جو ایمان اور نیک اعمال سے متصف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سرمدی نعمتوں کے مژدہ سے خورسند کیا جارہا ہے۔

مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ

کھلایا گیا تھا ۳۴ اور دیا گیا انھیں پھل (صورت میں) ملتا جلتا اور ان کے لیے جنّت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی ۳۵

وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا

اور وُہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۳۶ بے شک اللہ حیا نہیں فرماتا ۳۷ اس سے کہ ذِکر کرے کوئی

مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ

مثال مچھر کی ہو یا اس سے بھی حقیر چیز کی تو جو ایمان لائے وُہ خوب جانتے ہیں کہ یہ

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ

مثال حق ہے ان کے ربّ کی طرف سے (اُتری ہے) اور جنھوں نے کفر کیا سو وُہ کہتے ہیں کیا قصد کیا اللہ نے

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ

وقف لازم

اس مثال کے ذِکر سے گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتیروں کو اور نہیں گمراہ کرتا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عمل صالح وہ ہے جس میں چار چیزیں ہوں۔ علم، نیت، صبر اور اخلاص (مظہری) (1) نیز اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جنت کی ابدی نعمتوں کا حقیقی مستحق وہ ہے جو ایمان اور عمل صالح دونوں سے متصف ہو (2)۔

۳۴ یعنی جنّت کے میووں کی شکل تو ایسی ہوگی جس سے وہ پہلے سے آشنا ہیں لیکن اُن کا ذائقہ اور خوشبو بالکل نرالی ہوگی (3)۔

۳۵ یعنی بالکل پاک وصاف، نہ جسمانی آلائشوں کا وہاں گزر ہوگا اور نہ اخلاقی عیوب سے اُن کی سیرت کا دامن داغدار ہوگا (4)۔

۳۶ اُن انعامات کی بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ عارضی نہیں ہوں گے۔ بلکہ اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ ان سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

۳۷ علّامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لَا يَسْتَحْيِ اَیْ لَا يَخْشٰى وَقِيْلَ لَا يَتْرُكُ وَقِيْلَ لَا يَمْتَنِعُ (5)۔ مقصد یہ ہوا کہ کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اگر مکھی، مکڑی، مچھر یا اس سے بھی حقیر ترین چیز سے مثال دینا ضروری ہو تو اللہ تعالیٰ کسی کے اعتراض کے ڈر سے ایسی مثال کو ترک نہیں فرماتا۔ سلیم الطبع لوگ تو مثال کے مفید ہونے کی وجہ سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ لیکن جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے وہ اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ عجیب خدا کا کلام ہے جس میں مکڑی اور مچھروں کا ذکر ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 38 2۔ ایضاً، ص 39 3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 63
4۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 20 (ماخوذ) 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 1، ص 242 (ماخوذ)

بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اس سے مگر نافرمانوں کو ۳۸ وہ جو توڑتے رہتے ہیں عہدِ خداوندی کو اسے پختہ

مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

باندھنے کے بعد اور کاٹتے رہتے ہیں اسے حکم فرمایا اللہ نے جس کے جوڑنے کا اور فساد مچاتے رہتے

فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

ہیں زمین میں وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں کیونکر تم انکار کرتے ہو اللہ کا ۳۹

كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

حالانکہ تم مُردہ تھے اُس نے تمھیں زندہ کیا پھر تمھیں مارے گا پھر تمھیں زندہ کرے گا پھر اُسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے ۴۰

۳۸؎ اَلضَّلَالُ اَصْلُهُ الْهَلَاكُ (قرطبی) (1) ضلال کا اصلی معنی ہلاک ہونا ہے اور فِسْقٌ عرف شرع میں کہتے ہیں: اَلْخُرُوْجُ مِنْ طَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ (القرطبی) (2) اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری سے نکل جانا۔ ان کی نافرمانی کی نوعیت اگلی آیت میں تفصیلاً بیان فرمادی۔ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر کے توڑ دینا، وہ رشتے اور تعلقات انفرادی اور اجتماعی جن کو محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم فرمایا ہے ان کو قطع کرتے رہنا۔ اپنے جاہ ومنصب کے لیے ظلم وستم اور فتنہ وفساد برپا کرتے رہنا۔ یہ ان کے کرتوت تھے۔ اور جن کے یہ کرتوت ہوں ان کو ہلاکت وتباہی سے کیونکر بچایا جاسکتا ہے۔ عارف رومی فرماتے ہیں:

نقض میثاق وشکست توبہا موجب لعنت شود در انتہاء (3)

۳۹؎ ازراہ حیرت وتعجب کفار سے پوچھا جارہا ہے کہ اتنی آفاقی اور انفسی، ظاہری اور باطنی دلیلوں کے باوجود وہ کفر کی جرأت کیسے کررہے ہیں۔

۴۰؎ یہاں دو چیزیں قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے اِنعامات کا بیان مقصود ہے تو پھر موت کا ذکر کیوں کیا۔ اس کا جواب تو یہ ہے کہ کیونکہ یہ موت انسان کو فانی زندگی سے نکال کر ابدی اور دائمی زندگی کی طرف لے جاتی ہے۔ تو یہ موت ہزار نعمتوں سے بڑی نعمت ہے (4)۔ دوسری قابل غور چیز یہ ہے کہ یہاں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے۔ اگر قبر کی زندگی مانی جائے تو تین زندگیاں اور تین موتیں لازم آئیں گی اور یہ آیت کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ سے قبر کی زندگی مراد ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہے ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ پھر تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یہاں ثُمَّ کا لفظ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 1، ص 245
2۔ ایضاً، ج 1، ص 246
3۔ مثنوی معنوی از مولانا جلال الدین رومیؒ متولد 1207ء، متوفی 1273ء، ج 5، ص 265، مطبوعہ مؤسسۃ انتشاراتِ اسلامی لاہور
4۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 22

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی

وُہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب ۴۱ پھر توجہ فرمائی اُوپر

ع ۳ السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾ ع وَاِذْ

کی طرف تو ٹھیک ٹھیک بنا دیا اُنھیں سات آسمان ۴۲ اور وُہ سب کچھ خُوب جانتا ہے اور یاد کرو ۴۳

استعمال ہوا ہے۔ جو تعقیب اور تاخیر کے لیے آتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اس زندہ ہونے کے بعد ہوگا لیکن اس کے بعد فوراً نہیں بلکہ دیر کے بعد۔ اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب کہ قبر کی زندگی کو تسلیم کیا جائے۔ اگر کہا جائے کہ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ سے مراد حشر کی زندگی ہے تو پھر ثُمَّ کے استعمال کا محل معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب قبروں سے اہل قبور اٹھائے جائیں گے تو فوراً بارگاہ الٰہی میں پہنچیں گے۔ کسی کو ٹال مٹول یا تاخیر کی اجازت نہیں ہوگی۔ (1)

یہ سب بحث اس وقت ہے جب کہ یہاں زندگی اور موت کے عدد کا حصر مقصود ہو حالانکہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ اور دیگر محققین نے تصریح کی ہے کہ حصر مقصود نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ میں چار پانچ دفعہ تک موت وحیات کا تکرار ثابت ہے (2)۔ بہرحال اس آیت سے کسی طرح حیات قبر کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔ تمام اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ قبر کی زندگی حق ہے۔ اور متعدد احادیث صحیحہ جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں حیات قبر کو ثابت کرتی ہیں۔

۴۱ آئندہ رکوع میں انسان کی پیدائش اور اس کو خلیفۃ اللہ کا منصب عطا کیے جانے کا ذکر آرہا ہے۔ اس لیے اس سے پہلے اس کے شرف اور اس کی عظمت کا بیان فرمایا کہ زمین اور اس کے شکم میں پنہاں بے پایاں اور بیش قیمت خزینے، لہلہاتے ہوئے کھیت اور رسیلے اور رنگیلے پھلوں سے لدے ہوئے سرسبز باغات، اونچے پہاڑ اور گہرے دریا، رنگ برنگ پرندے اور گوناں گوں چوپائے یہ سب کچھ اسی کی خدمت گزاری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اسے چاہیے کہ ہر چیز کو اپنے تصرف میں لائے۔ اس سے فائدہ اٹھائے اور اپنی خدمت لے۔ لیکن جادۂ حق سے بھٹکے ہوئے انسان کی پستی کا کیا کہنا کہ اس نے مخدوم ہوتے ہوئے اپنے چاکروں کو اپنا مطلوب بنایا بلکہ بعض نے تو انہیں خدائی کے تخت پر بٹھایا اور ان کو اپنا مخدوم اور مطاع بنا کر ان کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی بے انصافی کا تصور کیا جاسکتا ہے آیت کے اس حصہ نے انسان کو اپنے بلند مقام سے آگاہ کیا اور اس خود فراموش کو جھنجھوڑا تا کہ وہ اپنے چہرہ سے ذلت ورسوائی کی گرد صاف کرلے۔

۴۲ اسْتَوٰی کا صلہ جب اِلیٰ ہو تو اس کا معنی قصد کرنا، متوجہ ہونا ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ زمین کی تخلیق کے بعد ارادۂ خداوندی آسمان کی آفرینش کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اسے ایسے درست فرمایا کہ اس میں کوئی کمی اور کجی باقی نہ رہنے دی (3)۔ ان آیات سے علم تخلیق کائنات (Cosmogeny) کی تفصیلات اور جزئیات کا بیان مقصود نہیں۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ انسان کائنات سماوی وارضی میں غور کرے اور اس کو نیست سے ہست کرنے والے کی قدرت کا

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 167 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 1، ص 50-249 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 45

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا

جب فرمایا تمہارے رب نے ۴۴ فرشتوں ۴۵ سے میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب ۴۶ کہنے لگے

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اس میں اور خونریزیاں کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں

اعتراف کرے اور رب قدیر نے اس کی بقا اور آسائش کے لیے جتنے مکمل انتظامات کیے ہیں ان سے جائز فائدہ اٹھائے اور اس کی ان عنایاتِ بے پایاں کا شکریہ ادا کرے۔

۴۳ اس رکوع میں ایک اور عظیم الشان احسان کا ذکر ہے۔ یہ ہے حضرت انسان کی پیدائش کا تذکرہ۔ خالق کائنات نے جس اہتمام سے اس پیکر خاکی کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے اس اہتمام سے کسی دوسری مخلوق کا ذکر نہیں فرمایا۔

۴۴ اس مقام پر رب مضاف ہے ك ضمیر کی طرف جس کا مرجع ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس اِضافت میں جو لطف ہے اس کا صحیح ادراک صرف اہل محبت وعرفان کا خاصہ ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں

كَانَ ..... رَمْزًا اِلٰی اَنَّ الْمُقْبَلَ عَلَیْهِ بِالْخِطَابِ لَهُ الْحَظُّ الْاَعْظَمُ فَهُوَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَلَی الْحَقِیْقَةِ الْخَلِیْفَةُ الْاَعْظَمُ وَلَوْلَاهُ مَا خُلِقَ آدَمُ وَلَا وَلَا (روح المعانی) (1) یعنی حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدس ہی حقیقت میں خلیفہ اعظم ہے۔ اور اگر یہ ذات گرامی نہ ہوتی تو آدم ہی پیدا نہ ہوتے بلکہ کچھ بھی نہ ہوتا۔

۴۵ اس کا واحد مَلَكٌ ہے۔ اس کا ماخذ اشتقاق اَلْاُلُوْكَةُ ہے۔ جس کا معنی ہے ''پیغام رسانی'' کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے مقبول بندوں تک پہنچانے کے لیے مامور ہیں۔ اس لیے انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا (2)۔ ملائکہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں اتنے مختلف اقوال ہیں کہ اُن کا احاطہ یہاں آسان نہیں۔ علماء اسلام کے نزدیک اُن کی حقیقت یہ ہے۔ اِنَّهَا اَجْسَامٌ لَّطِیْفَةٌ قَادِرَةٌ عَلَی التَّشَكُّلِ بِاَشْكَالٍ مُّخْتَلِفَةٍ (3)۔ یہ وہ لطیف اور نورانی جسم ہیں جو مختلف شکلیں بدل سکتے ہیں۔ لَا یَرَاهُمْ عَلٰی مَا هُمْ عَلَیْهِ اِلَّا اَرْبَابُ النُّفُوْسِ الْقُدْسِیَّةِ (4)۔ اور ان کو ان کی اصل شکل میں صرف اولیاء کاملین ہی دیکھ سکتے ہیں۔ اور ہونا بھی یونہی چاہیے۔ کیونکہ مختلف اشیاء کا شعور وادراک ایک ہی قوت سے نہیں ہوتا۔ بلکہ مختلف قوتیں مختلف چیزوں کا شعور وادراک کرتی ہیں۔ رنگت کا ادراک آنکھ سے اور حرارت کا چھونے سے ہوتا ہے۔ نابینا اگر سرخ وسفید کو نہ سمجھ سکے تو وہ معذور ضرور ہے لیکن اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ سرخ وسفید کا انکار ہی کر دے۔ اسی طرح ملائکہ جن کا تعلق عالم روح سے ہے اگر ظاہری حواس انہیں نہ پا سکیں تو وہ معذور ہیں۔ اور وہ آنکھ جو عالم روح کے اسرار ولطائف کو دیکھ سکتی ہے۔ وہ تو اس وقت روشن ہوتی ہے جب ریاضت اور مجاہدات سے تزکیہ نفس ہو اور دل کا آئینہ چمکنے لگے۔ جو لوگ ساری عمر لذات وخواہشات کے درپے رہتے ہیں۔ جنہوں نے تزکیہ نفس کی اہمیت کا

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، صفحہ 218 (خلاصہ) 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 23۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 1 صفحہ 262۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 218
3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 23 4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، صفحہ 219

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ

تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے فرمایا بے شک میں وُہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے

کبھی احساس نہیں کیا۔ وہ اگر اس نورانی اور لطیف مخلوق کو نہ دیکھ سکیں تو معذور ہیں۔ لیکن انہیں کسی طرح یہ زیبا نہیں کہ وہ اِن نفوس قدسیہ کے مشاہدات کا انکار کریں جن کی چشم دل بیدار بھی ہے اور بینا بھی۔ اس لیے جن لوگوں نے فرشتوں کے وجود کا انکار کیا ہے۔ اور مختلف دوراز کار اور رکیک تاویلیں کی ہیں ان کا انکار بھی علمی نہیں اور ان کی یہ تاویلیں بھی کسی ستائش کی مستحق نہیں۔

۴۶ یہاں فرشتوں سے نہ مشورہ لیا جارہا ہے اور نہ اذن طلب کیا جارہا ہے بلکہ ربُّ العزت اپنے ارادۂ عالیہ سے انہیں آگاہ فرما رہا ہے۔ یہاں دو چیزیں غور طلب ہیں۔ (۱) خلیفہ کسے کہتے ہیں؟ (۲) انسان کو منصب خلافت کیوں تفویض کیا گیا؟ خلیفہ وہ ہے جو کسی کے ملک میں اس کے نائب کی حیثیت سے اس کے احکام کے مطابق عمل کرائے (1)۔ اس منصب کے لیے انسان کے انتخاب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے علاوہ جتنی مخلوق ہے اس کی استعداد، علم اور اس کا دائرہ عمل محدود ہے۔ اور جس کی محدودیت کا یہ عالم ہو وہ اس ذات پاک کا خلیفہ نہیں بن سکتا جس کا علم، ارادہ، احکام اور تصرف غیر محدود ہے۔ لیکن انسان جو ابتداء میں ضعیف بھی ہے اور جہول بھی اس میں وہ پایاں ناپذیر استعداد رکھ دی گئی ہے۔ اور عقل وفہم کی وہ قوتیں ودیعت فرمادی گئی ہیں جن کے تصرفات کی حد نہیں۔ اس لیے جملہ مخلوقات سے صرف یہی ایک مخلوق ہے جو منصب خلافت کی اہلیت رکھتی ہے۔ علماء ربانیین نے اس مشت خاک میں پنہاں توانائیوں سے جیسے پردہ اٹھایا ہے اس کی گرد راہ کو بھی نفسیات انسانی کے ماہرین نہیں پہنچ سکے۔ عارف کامل اسمٰعیل حقی کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔ اِنَّ فِی الْاِنْسَانِ صُوْرَۃً مِّنْ عَالَمِ الشَّھَادَۃِ الْمَحْسُوْسَۃِ وَرُوْحًا مِّنْ عَالَمِ الْغَیْبِ الْمَلَکُوْتِیِّ غَیْرِ الْمَحْسُوْسِ وَسِرًّا مُّسْتَعِدًّا لِّقَبُوْلِ فَیْضِ الْاَنْوَارِ الْاِلٰھِیَّۃِ فَبِالتَّرْبِیَۃِ یَتَرَقّٰی مِنْ عَالَمِ الشَّھَادَۃِ اِلٰی عَالَمِ الْغَیْبِ وَھُوَ الْمَلَکُوْتُ وَ بِسِرِّہَا الْمُتَابَعَۃِ وَ خُصُوْصِیَّتِھَا یَتَرَقّٰی مِنْ عَالَمِ الْمَلَکُوْتِ اِلٰی عَالَمِ الْجَبَرُوْتِ وَالْعَظَمُوْتِ وَھُوَ غَیْبُ الْغَیْبِ وَ یُشَاھِدُ بِنُوْرِ اللّٰہِ الْمُسْتَفَادِ مِنْ سِرِّ الْمُتَابَعَۃِ اَنْوَارَ الْجَمَالِ وَالْجَلَالِ الخ (2) یعنی انسان مختلف عناصر سے مرکب ہے۔ اس کی صورت کا تعلق عالم محسوس سے ہے اور اس کی روح کا تعلق عالم غیب ملکوتی سے ہے۔ صورت وروح کے علاوہ اس میں ایک پوشیدہ قوت ہے جو انوار ربانی کے فیض کو قبول کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔ اچھی تربیت سے وہ عالم محسوس سے ترقی کر کے عالم غیب تک رسائی حاصل کرتا ہے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی پیروی سے اس پر عالمِ جبروت وعظموت کی راہیں کھلتی ہیں۔ وہ الٰہی نور جو اس اطاعت وپیروی کی برکت سے اسے حاصل ہوتا ہے اس سے وہ جمال و جلال کے انوار وتجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ اَحْسَنِ الْخَالِقِیْنَ۔ انسان کو جو صرف خاک کا پتلا سمجھتے ہیں کاش اس کی حقیقت پر غور کریں تاکہ ان میں اپنے بلند مقام پر پہنچنے کی تڑپ پیدا ہو۔ یہ وہ ذرہ ہے جس کے سامنے آسمان کی رفعتیں سرنگوں ہیں اور یہ وہ قطرہ ہے جس میں سمندروں کی گہرائیاں ہیں۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 23 (ماخوذ)
2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 97، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ، مصر

اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ

سکھا دیئے آدم کو تمام اشیاء کے نام ۴۷ پھر پیش کیا انہیں فرشتوں کے سامنے اور فرمایا بتاؤ تو مجھے

بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ

نام ان چیزوں کے اگر تم (اپنے اس خیال میں) سچے ہو عرض کرنے لگے ہر عیب سے پاک تو ہی ہے کچھ علم نہیں ہمیں

اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ

مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم! بتا دو انہیں ان

بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ

چیزوں کے نام پھر جب آدم نے بتا دیئے فرشتوں کو ان کے نام تو اللہ نے فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تم سے کہ میں

اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ

خوب جانتا ہوں سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم

تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ

چھپاتے تھے اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو ۴۸ تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے

۴۷ حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم نے اس آیت کی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے۔ عَلَّمَهٗ اَسْمَاءَ جَمِيْعِ الْاَشْيَاءِ كُلِّهَا جَلِيْلِهَا وَحَقِيْرِهَا (القرطبی)(1) یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو چھوٹی بڑی تمام اشیاء کے سب نام سکھا دیئے اور خلافت کے منصب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ انہیں ان تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا جاتا۔ جب آدم علیہ السلام کے علم کی یہ کیفیت ہے تو سید بنی آدم خلیفۃ اللہ فی العالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم و معارف کا کیا کہنا۔

۴۸ جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی وسعت علم اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو پروردگار عالم نے انہیں حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو(2)۔ سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلل اور خضوع(3) اور شریعت میں اس کا معنی ہے وَضْعُ الْجَبْهَةِ عَلَى الْاَرْضِ(4)۔ پیشانی کا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز1، ص282
2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص25
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز1، ص291
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص55

اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ

اس نے اِنکار کیا اَور تکبّر کیا اَور (داخِل) ہو گیا وُہ کفّار (کے ٹولہ) میں اَور ہم نے فرمایا اَے آدم ! رہو تم

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

اَور تمھاری بیوی اِس جنّت میں اَور دونوں کھاؤ اس سے جتنا چاہو جہاں سے چاہو اَور مت نزدیک جانا اِس

زمین پر رکھنا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں سجدہ کا لغوی معنی مراد ہے کہ فرشتوں کو ادب واحترام کرنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک شرعی معنی مراد ہے۔ یعنی فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیشانی رکھ دیں۔ اب اس سجدہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس کے سامنے میں پیشانی جھکا رہا ہوں وہ خدا ہے تو یہ عبادت ہے اور یہ خاص ہے اسی وحدہ لاشریک کے ساتھ جو خالق و مالک ہے ساری کائنات کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کبھی بھی کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں۔ بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد اولین تھا ہی یہی کہ وہ انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور دوسروں کی عبادت سے منع کریں۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کے لیے انبیاء تشریف لائے اس فعل کا ارتکاب خود کریں یا کسی کو اجازت دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جا رہا ہے اس کی عزت واحترام کے لیے ہو عبادت کے لیے نہ ہو تو اس کو سجدہ تحیہ کہتے ہیں۔ یہ پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ اب تعظیمی سجدہ بھی ہماری شریعت میں حرام ہے۔ یہ عزت وسرفرازی جو آدم علیہ السلام کو نصیب ہوئی اس کا سبب علم تکوینی یعنی اشیاء اور ان کی خاصیات اور ان کے اثرات کا علم ہے۔ وہ امت جس کی آسمانی کتاب میں آدم کی برتری اور افضلیت کا راز یہ بتایا گیا ہو کہ وہ کائنات کے اسرارِ سربستہ سے آگاہ کیا گیا تھا وہ امت اگر علم سے محروم ہو، سائنس اور حکمت سے ناآشنا ہو تو یہ اس کی اپنی بدبختی ہے۔ اس کے دین نے تو اس کے سمند شوق کو مہمیز لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ دنیا میں جتنے مذہبی صحائف موجود ہیں کسی میں اتنی وضاحت اور اتنے اہتمام سے مقام آدم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ اب ہم اپنی شورہ بختی کے علاوہ کس کو ملامت کریں کہ ہماری غالب اکثریت تو ابجد خواں بھی نہیں۔ اور جو علم سے آشنا ہیں وہ علم کو تن پروری کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ دن کب طلوع ہوگا جب مومن اپنے مقام کو پہچانے گا۔ پھر کب اس آسودۂ خوابِ راحت کو رومی کا سوز اور رازی کا پیچ وتاب نصیب ہوگا۔ ہمارے مطالعہ کی میز پر تو تہ در تہ گرد جمی ہوئی ہے اور ہمارے عشرت کدوں میں نور ونکہت کا سیلاب امڈا چلا آ رہا ہے۔ ہماری رصد گاہیں اب ان تھک تیز نگاہوں سے محروم ہیں جو ستاروں کی معمولی سی جنبش کا تعاقب کیا کرتی تھیں۔ ہماری تجربہ گاہیں اب ایسے علماء کو ترس گئی ہیں جو دنیا کی لذات سے کنارہ کش ہو کر نشتر تحقیق سے کائنات کی ہر چیز کا دل چیرا کرتے اور ان میں پوشیدہ اثرات اور قوتوں کا کھوج لگایا کرتے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر قابل حیرت بلکہ لائق نفرت وہ آواز ہے جو بعض حلقوں سے توحید کے نام پر اٹھائی جا رہی ہے کہ نبی کو تشریعی علم دیا جاتا ہے تکوینی علم سے اسے کیا سروکار۔ اور

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا

درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والوں سے پھر پھسلا دیا اُنھیں شیطان نے ۴۹ اس درخت کے باعث اور نکلوا دیا

مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي

ان دونوں کو وہاں سے جہاں وہ تھے اور ہم نے فرمایا اُتر جاؤ تم ایک دُوسرے کے دُشمن رہو گے اور (اَب) تمھارا

اس طرح اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی بیکراں وسعتوں کو تنگ سے تنگ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا سارا زور صرف کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرماوے ہمارے حالِ زار پر اور بخشے ہماری کوتاہ اندیشیوں کو اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

۴۹ اس مقام پر بے ساختہ یہ خیال پریشان کرنے لگتا ہے کہ کیا انبیاء سے بھی گناہ سرزد ہوتا ہے؟ اس لیے اجمال کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سلسلہ کے متعلق کچھ عرض کرنا نہایت ضروری ہے۔ علامہ قرطبیؒ نے بڑی عمدگی سے اس مشکل کو حل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اِنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ مِنَ الصَّغَائِرِ كُلِّهَا كَعِصْمَتِهِمْ مِّنَ الْكَبَائِرِ اَجْمَعِهَا (1)۔ یعنی مالکی، حنفی اور شافعی مسلک کے جمہور فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء جس طرح کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی پاک ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ان کی مطلق اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر ان سے گناہ کا ارتکاب ہو سکے تو ان کے گناہوں کی اطاعت بھی لازم آئے گی، جس سے ہدایت کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں جا بجا انبیاء کی طرف ایسی چیزیں منسوب ہیں جو گناہ ہیں اور پھر ان امور پر انبیاء کی شدید ندامت اور استغفار بھی منقول ہے۔ ایسے میں مطلق عصمت کا قول کیونکر ممکن ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لیے ایک چیز کو ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ کوئی فعل گناہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ کسی حکم کی نافرمانی کا عزم اور قصد پایا جائے۔ اور اگر عزم اور قصد مفقود ہے بلکہ بے ارادہ بھول چوک سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو بظاہر کسی حکم کے خلاف ہے تو اسے گناہ نہیں کہتے اور ایسے امور کا صدور عصمت انبیاء کے منافی نہیں۔ اب آپ اسی ایک واقعہ پر غور کریں۔ قرآن حکیم کی تعبیر میں اس مسئلہ کی نزاکت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہاں فرمایا ہے فَاَزَلَّهُمَا۔ اب آپ زلۃ کی لغوی تحقیق پر غور کیجئے۔ اَلزَّلَّةُ فِي الْاَصْلِ اِسْتِرْسَالُ الرِّجْلِ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ (2): بلا ارادہ پاؤں کا پھسل جانا۔ دوسرے مقام پر قرآن نے بالکل اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان فرما دیا: فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (3) یعنی آدم سے یہ حرکت بھول سے ہوئی اس کا عزم و ارادہ ہرگز نہ تھا۔ جب تک عزم و ارادہ مفقود ہو اس فعل کو گناہ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن

بُود آدم دیدۂ نور قدیم موئے در دیدہ بود کوہ عظیم (رومی) (4)

یعنی آدم علیہ السلام تو نور قدیم کی آنکھ تھے۔ اور آنکھ میں اگر ایک بال بھی گر جائے تو آنکھ کی نزاکت اس کو برداشت نہیں کر سکتی بلکہ وہ ہلکا سا بال یہاں پہاڑ سے بھی بوجھل محسوس ہونے لگتا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 1، ص 308 2۔ مفردات راغب، ص 381 3۔ سورۂ طٰہٰ: 115 4۔ مثنوی معنوی، ج 2، ص 16

الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ

زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اُٹھانا ہے وقتِ مقرر تک ۵۰ پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے ۵۱

فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ

تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی ۵۲ بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہم نے حکم دیا اُترجاؤ اس جنّت سے سب کے سب ۵۳

۵۰ اس آیت میں یہ لطیف اشارہ بھی ہے کہ اس دنیا میں تمہارا قیام ہمیشہ نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ تمہاری عارضی قیام گاہ ہے۔ ان فرصت کے لمحوں میں تمہیں اپنی ابدی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

۵۱ آدم علیہ السلام بھولے سے یہ خطا کر تو بیٹھے لیکن پھر فرط ندامت سے روئے اور اتنا روئے کہ آنسوؤں کے دریا بہا دیئے۔ ان کے دردانگیز نالوں سے پتھروں کے دل پھٹ جاتے تھے۔ دن رات آہ وفغاں سے کام تھا۔ ہر وقت بارگاہ الٰہی میں اس کی رحمت کے لیے ملتجی رہتے۔ سالہا سال اسی طرح بیت گئے لیکن مغفرت کی خوشخبری نہ ملی۔ آخر ایک روز ایسے کلمات زبان سے نکلے کہ رحمت خداوندی کو ترس آ گیا اور چشم عنایت مائل بکرم ہوگئی۔ وہ کون سے کلمات تھے۔ اس کے متعلق میں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کی تفسیر فتح العزیز کی عبارت نقل کرتا ہوں تا کہ ہر خوش نصیب کی طمانیت قلب کا باعث ہو۔ اور طبرانی نے معجم صغیر میں اور حاکم اور ابونعیم اور بیہقی نے حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے یہ گناہ سرزد ہوا اور ان پر عتاب الٰہی نازل ہوا تو توبہ قبول ہونے میں حیران تھے کہ اتنے میں ان کو یاد آیا کہ مجھ کو جس وقت خدائے تعالیٰ نے پیدا کیا تھا اور روح خاص میرے اندر پھونکی تھی اس وقت میں نے اپنے سر کو عرش کی طرف اٹھایا تھا اس جگہ لکھا دیکھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قدر کسی شخص کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر اس شخص کے نہیں کہ نام اس کا اپنے نام کے برابر لکھا ہے۔ تدبیر یہ ہے کہ بحق اسی شخص کے سوال مغفرت کا کروں۔ پس دعا میں کہا۔ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ غَفَرْتَ لِيْ (اے مولا! میں تجھ سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ سے التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے)۔ حق تعالیٰ نے ان کی بخشش کی اور وحی بھیجی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہاں سے جانا تو نے۔ انہوں نے تمام ماجرا عرض کیا۔ حکم پہنچا کہ ”اے آدم! علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب پیغمبروں سے پچھلا پیغمبر ہے اولاد تیری میں سے اور اگر وہ نہ ہوتا تجھ کو نہ پیدا کرتا۔“ (صفحہ 116، جلد 1، تفسیر عزیزی ترجمہ اردو، مطبوعہ علیمی پریس دہلی 1932ء)(1)

۵۲ توبہ کا لغوی معنی رجوع کرنا ہے اور جب کہا جائے تَابَ الْعَبْدُ (کہ بندے نے توبہ کی) تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ رَجَعَ اِلٰى طَاعَةِ رَبِّهٖ (2)۔ سرکشی چھوڑ کر وہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بن گیا اور اگر تاب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو پھر معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نادم اور شرمسار بندے کی طرف نظر رحمت فرمائی اور اس کا قصور معاف فرما دیا (3)۔

1۔ تفسیر فتح العزیز المعروف تفسیر عزیزی از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متولد 1746ء، متوفی 1823ء، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 162، مطبوعہ طعشہ پرنٹرز لاہور، المستدرک علی الصحیحین از امام حافظ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری، متولد 321ھ، متوفی 405ھ، کتاب تواریخ المتقدمین، ج 2، ص 672، رقم الحدیث: 4228، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، وقال حاکم: ھذا حدیث صحیح الاسناد

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 1، ص 324 (ماخوذ)

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 237

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے (پیغام) ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو) وہ دوزخی

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ ع ۴۰

ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اے اولادِ یعقوب ۵۴ یاد کرو میرا وہ احسان جو

۵۳ نیچے اترنے کا حکم دو بار ہوا۔ پہلے لغزش کے صادر ہونے کے بعد، پھر قبول توبہ کے بعد۔ پہلے حکم سے ناراضگی کا اظہار مقصود تھا۔ اور دوسری بار منصب خلافت سنبھالنے کے لیے۔ دونوں حکموں کی غرض وغایت الگ الگ ہے اس لیے یہاں تکرار نہیں۔

۵۴ تیسرے رکوع میں تمام اولاد آدم کو دعوت اسلام دی گئی اور توحید ورسالت کے دلائل پیش کیے گئے۔ چوتھے رکوع میں انسان کی پیدائش، اسے زیور علم سے آراستہ کرنے اور منصب خلافت پر فائز کرنے کا ذکر فرمایا گیا۔ اور اب یہاں سے مسلسل کئی رکوعوں تک بنی اسرائیل کی اِصلاح وہدایت کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہود کو خصوصی خطاب کرنے میں یہ مصلحت تھی کہ تمام اقوام عالم خصوصاً جزیرۂ عرب کے باشندوں میں یہود کو ایک اہم مقام حاصل تھا۔ چار ہزار سال تک سلسلۂ نبوت ان میں جاری رہا۔ ہزاروں نبی ان میں پیدا ہوئے۔ جن کے باعث علم وحکمت میں کوئی قوم ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتی تھی۔ ان کے گردونواح میں بسنے والے قبائل ان کی علمی برتری سے بہت مرعوب تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے لیے یہ شرط لگا رکھی تھی کہ اگر یہود نے (جو اہل علم وکتاب ہیں) اسلام قبول کیا تو وہ بھی قبول کرلیں گے۔ اس لیے قرآن حکیم نے یہود کو خاص طور پر اسلام کی طرف بلایا تاکہ ان کے اسلام لانے سے دوسرے لوگوں کے لیے اسلام قبول کرنے کی راہ ہموار ہوجائے۔ اور اگر وہ اسلام کو قبول نہ کریں تو ان کی ہٹ دھرمی کا پردہ چاک ہوجائے اور دنیا کو پتہ چل جائے کہ یہ صرف دنیاوی اقتدار اور دولت وثروت کے باعث اسلام کی مخالفت کررہے ہیں۔ اس تفصیل کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ملت اسلامیہ کو درسِ عبرت دیا جائے کہ بنی اسرائیل کی داستانِ عُروج وزوال تمہارے سامنے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے رہو گے تو عزت وحکومت تمہاری خانہ زاد لونڈی ہوگی۔ اور اگر سرکشی اختیار کی تو تمہاری بدعملیاں کسی بخت نصر کا لباس پہن کر نمودار ہوں گی اور تمہیں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیں گے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ وَاِيَّاىَ

کیا میں نے تم پر ۵۵ اور پورا کرو تم میرے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو میں پورا کروں گا تمہارے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو ۵۶

فَارۡهَبُوۡنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ

اور صرف مجھی سے ڈرا کرو ۵۷ اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو نازل کی ہے میں نے یہ سچا ثابت کرنے والی ہے اس کو جو تمہارے پاس ہے ۵۸

كَافِرٍ بِهٖ ۪ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ۫ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلۡبِسُوا

اور نہ بن جاؤ تم سب سے پہلے انکار کرنے والے اس کے اور نہ خریدو تم میری آیتوں کے عوض تھوڑی سی قیمت ۵۹ اور صرف مجھی سے ڈرا کرو اور مت ملایا کرو

الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوا الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ

حق کو باطل کے ساتھ ۶۰ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم (اسے) جانتے ہو اور صحیح ادا کرو نماز

۵۵ حضرت سیّدنا ابراہیم (2160 تا 1985 ق م) کے فرزند حضرت اسحاق جو حضرت سارہ عراقیہ کے بطن سے تھے۔ ان کے فرزند حضرت یعقوب علیہم السلام کا لقب اسرائیل ہے۔ اس کا معنی ہے عبداللہ، اللہ کا بندہ۔ (1)

۵۶ اس عہد کی تفصیل اسی پارہ کے دسویں رکوع میں (اور دوسرے مقامات پر) مذکور ہے۔ تورات کے الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ ''تو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند تیرا خدا ہے اور تو اس کی راہوں پر چلے گا اور اس کے آئین اور فرمان اور احکام کو مانے گا اور اس کی بات سنے گا''۔ (استثناء 26 : 17) (2)

۵۷ علماء بنی اسرائیل کے اسلام قبول کرنے کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ وہ اس بات سے خوف زدہ تھے کہ اگر انہوں نے اپنے پرانے دین کو چھوڑ دیا اور اس نئے دین کو اختیار کر لیا تو اُن کے عقیدت مندوں کا یہ ہجوم منتشر ہو جائے گا اور مالی منفعت جو اب انہیں اپنے ماننے والوں سے حاصل ہو رہی ہے بند ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ ایسی باتوں سے ہراساں مت ہو۔ ڈرنا ہے تو اپنے اللہ سے ڈرو جس کے قبضۂ قدرت میں رزق کے خزانے ہیں اور جسے چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

۵۸ قرآن حکیم تو تمہاری کتاب کی تائید اور تصدیق کرتا ہے۔ تمہارے دین کی حقانیت کا علم بردار ہے۔ تمہارے انبیاء کی شان بلند کرتا ہے تو پھر تم اس سے کیوں بدکتے ہو۔

۵۹ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑے داموں فروخت نہ کرو اور اگر منہ مانگے دام ملیں تو بیچ دو۔ بلکہ مقصد یہ ہے کسی قیمت پر حق کو مت بیچو کیونکہ ساری دنیا کے خزانے بھی اس کے مقابلے میں حقیر ترین معاوضہ ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 1، ص 331 2۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، استثناء باب: 26، آیت 17، ص 191، مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ

اَور دیا کرو زکوٰۃ اَور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ کیا تم حکم کرتے ہو (دُوسرے) لوگوں کو نیکی کا اَور

تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا

بُھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب ۶۱ کیا تم (اِتنا بھی) نہیں سمجھتے اَور مدد لو

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ لا الَّذِيْنَ

صبر اَور نماز سے ۶۲ اَور بے شک نماز ضرُور بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں) جو

۶۰ تورات کے صفحات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات وصفات اور علامات کے ذکر سے مزین تھے۔ علماء بنی اسرائیل ان کو چھپانے کی کوشش میں لگے رہتے۔ تاکہ لوگ ان پر مطلع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لے آئیں۔ اور اگر کسی کی نظر سے ایسی کوئی آیت گزر جاتی تو وہ اس کی ایسی تاویلیں گھڑ کر اسے بتاتے کہ وہ بے چارہ طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس مذموم حرکت سے منع فرماتے ہیں۔ لَبَسَ کے دو معنے ہیں ڈھانپ لینا اور خلط ملط کر دینا(1) اس سے ہر طرح کی تحریف لفظی ہو یا معنوی سے باز آنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ حکم صرف بنی اسرائیل کے علماء کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ملت اسلامیہ سے نسبت رکھنے والے علماء کو بھی شامل ہے۔

۶۱ علماء یہود لوگوں کو تو یہ حکم دیتے کہ تورات اللہ کی کتاب ہے اور اُس کے ہر فرمان کی تعمیل کرو۔ لیکن اپنا یہ حال تھا کہ ذرا سے ذاتی فائدے کے لیے تورات کے صریح احکام کو پس پشت ڈال دیتے۔ تورات کی بیان کردہ علامات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھ لینے کے بعد بھی ایمان نہ لاتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی دورخی پالیسی سے منع فرماتے ہیں۔ یہ زجر وتوبیخ ہر اس شخص کے لیے ہے جو دوسروں کو نیکی کا حکم دے اور خود اس کے خلاف عمل پیرا ہو۔ خواہ وہ یہودی کہلائے یا مسلمان۔ قرآن حکیم نے جا بجا قول وعمل کے اختلاف سے روکا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: معراج کی رات میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے ان کے متعلق دریافت کیا تو جبرائیل نے بتایا: هٰؤُلَاءِ الْخُطَبَاءُ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا (وَفِيْ رِوَايَةٍ مِّنْ اُمَّتِكَ) يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ(2) (ترجمہ) یہ دنیا کے خطیب ہیں۔ (ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے خطیب ہیں) جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیا کرتے اور اپنے نفسوں کو بھلائے رکھتے حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت بھی کرتے۔ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ کی تعبیر کتنی اثر آفرین ہے یعنی تم ایسا کر کے اپنی بہتری نہیں کر رہے بلکہ تم تو وہ زیاں کار اور سود فراموش ہو جن کی نظروں سے اپنی بہتری اوجھل ہو چکی ہے۔

1۔ مفردات راغب، ص735

2۔ ایضاً، مسند امام احمد بن حنبل، ج3، ص120، مطبوعہ دار صادر بیروت، (مسند امام احمد میں الخطباء سے قبل قالوا اور یأمرون سے قبل کانوا کا اضافہ ہے)

ع ۵

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

یقین کرتے ہیں کہ وُہ مُلاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے اَور وُہ اُسی کی طرف لَوٹنے والے ہیں ۶۳ے اَے اَولادِ یعقوبؑ !

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

یاد کرو میرا وُہ اِحسان جو میں نے تم پر کیا اَور (یہ کہ) میں نے فضیلت دی تھی تمھیں سارے جہان والوں پر ۶۴ے

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا

اَور ڈرو اُس دِن سے جب نہ بدلہ دے سکے گا کوئی شخص کِسی کا کچھ بھی اَور نہ قبُول کی جائے گی اس کے لیے

۶۲ے کیونکہ بنی اِسرائیل صدیوں سے ان اخلاقی بیماریوں میں مبتلا تھے اور ایک حد تک ان کے عادی ہو گئے تھے۔ یک لخت ان کا اِن عادتوں سے دست بردار ہو جانا بہت مشکل تھا۔ اس لیے اب انہیں ان پستیوں سے نکل آنے کا راستہ بتایا جا رہا ہے یعنی تم صبر اور نماز سے ان خامیوں کا علاج کر سکتے ہو۔

''صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں۔ اور اس سے مراد ارادے کی وہ مضبوطی، عزم کی وہ پختگی اور خواہشاتِ نفس کا وہ انضباط ہے جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلہ میں اپنے قلب و ضمیر کے پسند کیے ہوئے راستہ پر لگاتار بڑھتا چلا جائے''۔ (تفہیم القرآن)(1) اگر انسان اپنے اندر یہ قوت پیدا کر لے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نماز کے ذریعہ اپنا رشتہ عبدیت اپنے ربِّ حقیقی سے محکم کر لے تو پھر کوئی مشکل اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ عادت مبارک تھی کہ جب کوئی مشکل کام آ پڑتا تو فوراً نماز پڑھنے لگتے۔ نیز رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو حاجت ہو اللہ تعالیٰ سے یا کسی انسان سے تو اسے چاہیے کہ بڑی احتیاط سے وضو کرے۔ پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے۔ اس کے بعد درود شریف کثرت سے پڑھے اور اس کے بعد ان الفاظ سے دعا مانگے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (رواہ الترمذی)(2)

۶۳ے علماء لغت کے نزدیک ظن ان الفاظ سے ہے جو مختلف اور متضاد معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ ظن کا معنی شک بھی ہے اور یقین بھی (3)۔ اور اس آیت میں ظن بمعنی یقین مستعمل ہوا ہے۔

۶۴ے دنیا کی ساری قومیں، خاندان اور ان کے افراد اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونے میں اور آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے میں سب برابر ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برتری اور بزرگی کا دارومدار وہ عمدہ صفات اور خوبیاں ہیں جن سے کوئی قوم یا فرد متصف ہوتا

1۔ تفہیم القرآن از ابوالاعلیٰ مودودی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 73، مکتبہ تعمیر انسانیت موچی دروازہ، لاہور

2۔ جامع ترمذی، ابواب الوتر، باب ماجاء فی صلوٰۃ الحاجۃ، ج 1، ص 63، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 65 (ماخوذ)

شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ

سفارش ۶۵ اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی معاوضہ اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے اور یاد کرو جب

نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ

نجات بخشی ہم نے تمھیں فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمھیں سخت عذاب (یعنی) ذبح کرتے تھے ۶۶

ہے۔صرف کسی خاندان کا فرد ہونا یا کسی نسل سے ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہدایت، علم وحکمت اور حکومت یہ تین ایسی چیزیں تھیں جو مجموعی طور پر اُس وقت بنی اسرائیل کے علاوہ کسی قوم میں نہیں پائی جاتی تھیں اس لیے ان کی بزرگی اور فضیلت مسلّم تھی۔لیکن جب ضد اور تعصب کی وجہ سے انہوں نے پیغامِ ہدایت کو ٹھکرا دیا اور اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے علم وحکمت کے آسمانی صحیفوں میں تحریف اور بگاڑ شروع کر دیا اور انبیاء کرام کی توہین اور بے ادبی کو اپنا پیشہ بنالیا اور بعض کو قتل بھی کر دیا تو اِن کرتوتوں کے باعث ان پر ذلّت ومسکنت کی لعنت مسلّط کر دی گئی۔ گویا انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی فضیلت کا گلا گھونٹ دیا اور اپنی بزرگی کا جنازہ نکال دیا۔اب چونکہ ان فضائل واوصاف کی وارث اُمّت مسلمہ تھی اس لیے فضیلت وکرامت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا گیا اور اسے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ کا مژدہ سنا دیا گیا۔اس لیے امت مسلمہ پر بنی اسرائیل کی فضیلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۶۵ دنیا میں ''مجرم'' کی رہائی کے جتنے طریقے ہیں سب کی نفی کر دی کہ قیامت کے دن ان طریقوں میں سے کوئی طریقہ کام نہیں آئے گا۔ معتزلہ نے اس آیت سے گنہگار مومن کے لیے شفاعت کا بھی انکار کیا ہے، جو غلط ہے۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: وَقَدْ اَجْمَعَ الْمُفَسِّرُوْنَ عَلٰى اَنَّ الْمُرَادَ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ النَّفْسُ الْكَافِرَةُ لَا كُلُّ نَفْسٍ (1)۔تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ نفس سے مراد کافر ہے نہ ہر نفس۔ علامہ بیضاوی معتزلہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ آیت کفار کے لیے مخصوص ہے کیونکہ گنہگار مومن کے لیے شفاعت پر کئی آیات اور احادیث (جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں) دلالت کرتی ہیں۔ نیز آیت کا نزول یہود کے اس غلط عقیدہ کے بطلان کے لیے ہوا۔وہ سمجھتے تھے ان کے اعمال اور عقائد کیسے ہی ہوں ان کی نجات یقینی ہے۔(2)

۶۶ بچوں کے قتل کی وجہ کیا تھی؟ قرآن نے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔البتہ عام مفسرین کا خیال یہ ہے کہ نجومیوں نے فرعون کو بتا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کا تختہ الٹ دے گا(3)۔احتیاطی تدابیر کے طور پر اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو قتل کر دیا جائے اور لڑکیاں زندہ رہنے دی جائیں تا کہ بڑی ہو کر ان کی لونڈیاں بنیں۔ اس وقت کی توہم پرست مصری ذہنیت سے یہ کچھ بعید بھی نہ تھا۔لیکن شیخ محمد عبدہ نے ایک اور وجہ بیان کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی نسل اس تیزی اور کثرت سے بڑھنے لگی تھی کہ فرعون کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ اگر ان کی پیدائش کی رفتار یہی رہی تو بنی اسرائیل کی اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو جائے گی اور اپنی غالب اکثریت کی بناء پر یہ کوئی انقلاب برپا کر دیں گے۔اس

1۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز1، ص379 2۔تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص10 (ماخوذ) 3۔تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج1، ص313

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے رب کی

عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ

طرف سے ۶۷ اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھر ہم نے بچا لیا تم کو اور ڈبو دیا فرعونیوں کو

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ

اور تم (کنارے پر کھڑے) دیکھ رہے تھے ۶۸ اور یاد کرو جب ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰؑ سے چالیس رات کا پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ

بنا لیا تم نے بچھڑے کو (معبود) ان کے بعد اور تم سخت ظالم تھے پھر بھی درگزر فرمایا ہم نے تم سے

خدشہ کے پیش نظر اس نے بنی اسرائیل کی نسل کشی کا یہ ظالمانہ حکم دیا۔(1)

۶۷ مصیبت اور نعمت دونوں میں آزمائش ہے۔ پہلی میں صبر و ثبات کی، دوسری میں شکر و سپاس کی (2)۔ ذٰلِكُمْ کا مشار الیہ یہ دونوں چیزیں ہیں، قتل اولاد کی مصیبت اور اس سے نجات کی نعمت۔

۶۸ سالہا سال تک مظالم برداشت کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر راتوں رات مصر سے روانہ ہوئے۔ صبح ہوئی تو فرعون اپنے لشکرِ جرار سمیت موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکلا۔ بنی اسرائیل کا قافلہ جب سمندر (بحر قلزم) کے کنارہ پر پہنچ رہا تھا تو پیچھے سے فرعون کے لشکر کی گرد و غبار اڑتی نظر آئی تو گھبرا گئے۔ سمجھے کہ اب نجات کے سارے راستے یکسر بند ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا سے سمندر پر ضرب لگائی۔ سمندر کا پانی سمٹ گیا۔ درمیان میں سے راستہ نمودار ہو گیا۔ جس پر چل کر بنی اسرائیل بخیر و عافیت دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ فرعون نے بھی اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ جب سب سمندری راستے میں اتر چکے تو پہاڑوں کی طرح تھمی ہوئی موجوں میں جنبش ہوئی۔ اور چشمِ زدن میں فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو کر رہ گیا۔ یہ سب منظر بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔(3)

سمندر نے کیونکر راستہ چھوڑ دیا؟ کیا چیز تھی جس نے سمندر کے پانی سے روانی چھین لی اور اس کی محو رقص و خرام لہروں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں؟ اور جب کلیم کنارے پر پہنچ گئے تو پھر سمندر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا؟ جب ہماری عقل ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتی تو ہم یا تو سرے سے ایسے واقعات کا انکار کر دیتے ہیں اور اگر انکار نہیں کر سکتے تو ایسی بھونڈی

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 13-312 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 10

3۔ تفسیر خازن لباب التاویل فی معانی التنزیل از محی السنۃ علاء الدین علی بن محمد ابراہیم البغدادی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 52-51 (ماخوذ) مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر

مِّنۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ

اس (ظلمِ عظیم) کے بعد شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ ۶۹ اور جب عطا فرمائی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب

وَالۡفُرۡقَانَ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ

اور حق و باطل میں تمیز کی قوّت نے تاکہ تم سیدھی راہ پر چلنے لگو اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السّلام) نے اپنی قوم سے

اِنَّكُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ بِاتِّخَاذِكُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰى بَارِئِكُمۡ

اَے میری قوم! بے شک تم نے ظلم ڈھایا اپنے آپ پر بچھڑے کو (خدا) بنا کر پس چاہیے کہ توبہ کرو اپنے خالق کے حضور

فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ عِنۡدَ بَارِئِكُمۡ ؕ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ ؕ

سو قتل کرو اپنوں کو (جنھوں نے شرک کیا) یہ بہتر ہے تمھارے لیے تمھارے خالق کے نزدیک اَے پھر حق تعالیٰ نے تمھاری توبہ

تاویلیں کرتے ہیں جن سے واقعہ کا سارا حسن بھی خاک میں مل جاتا ہے اور دل بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنے علم کی انتہاء کو علم و حکمت کی آخری سرحد یقین کر بیٹھتا ہے اور اپنی تجربہ گاہ میں علت و معلول، سبب اور مسبّب کی جو زنجیر وہ تیار کرتا ہے اس کے علاوہ وہ سبب و علت کے کسی دوسرے سلسلہ کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز آمادہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ انسان کا علم بھی محدود ہے اور اس کے تجربے بھی نامکمل ہیں۔ نیوٹن نے بہت کھلے الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ''میری مثال اس بچے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے کھیل رہا ہو مجھے اپنے ساتھیوں کی نسبت کوئی زیادہ خوبصورت سنگریزہ یا گھونگا مل جاتا ہے لیکن ابھی حقیقت بحرِ زخار کی طرح میرے سامنے ہے جس کا کوئی علم ہمیں نہیں ہوا''۔ (Heroes of civilization) جب علم انسانی کی نارسائیوں کا یہ عالم ہے تو ایسے واقعات جن کی ہم کوئی توجیہ نہیں کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے اُن کو بیان فرمایا ہے تو ہمارے لیے سلامتی اور حقیقت شناسی کا راستہ یہ ہے کہ ہم ان کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیں۔

۶۹ جب بنی اسرائیل غلامی کی لعنت سے نجات حاصل کر کے آزادی کی نعمت سے سرفراز کیے گئے تو حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ اُنہیں ایک کتاب عطا کی جائے جس پر عمل پیرا ہو کر وہ بے راہروی سے بچتے رہیں۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو طور پر چالیس روز تک چلہ کشی کا حکم دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کا غیر حاضر ہونا تھا کہ سامری کا داؤ چل گیا اور اس کے بہکانے سے بنی اسرائیل اپنے وحدہ لاشریک پروردگار کو چھوڑ کر ایک بچھڑے کی پوجا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اِتنے اِحسانات کے بعد تم شرکِ جلی کے مرتکب ہوئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا اور تمہیں نیست و نابود کر دیا جاتا۔ لیکن ہم نے پھر بھی اپنا درِ رحمت کھلا رکھا اور تمہاری توبہ کو شرفِ قبول بخشا۔

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ

قبول کرلی بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے

حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر ۷۲ پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا

پھر ہم نے جلا اٹھایا تمہیں تمہارے مرجانے کے بعد کہ کہیں تم شکر گزار بنو اور ہم نے سایہ کر دیا

عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ

تم پر بادل کا ۷۳ اور اتارا تم پر منّ و سلویٰ ۷۴ کھاؤ پاکیزہ

۷۰ کتاب سے مراد تورات اور فرقان سے مراد وہ معجزات ہیں (1) جن کے ذریعہ حق کا بول بالا ہوا اور باطل سرنگوں اور شرمسار ہوا۔

۷۱ موسیٰ علیہ السلام کے طور سے واپس آنے پر بچھڑے کے پجاریوں کو اپنی حماقت کا احساس ہوا تو لگے توبہ کرنے، اللہ تعالیٰ نے توبہ کی قبولیت کی شرط یہ فرمائی کہ جنہوں نے شرک نہیں کیا وہ بچھڑے کے پجاریوں کو قتل کریں۔ اور ہر شخص اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو تہ تیغ کرے۔ کئی لوگوں نے حکم قتل کی کئی ایک تاویلیں کی ہیں اور لکھا ہے کہ اس قتل سے مراد ریاضات اور مجاہدات ہیں جو نفس کشی کا باعث بنتے ہیں۔ شاید اس احساس نے کہ یہ سزا بہت سنگین ہے انہیں اس آیت کی تاویل کرنے پر مجبور کیا۔ حالانکہ اگر جرم کی نوعیت پر غور کرتے تو یہ خدشہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ یہ جرم صرف مذہبی قسم کا نہ تھا بلکہ اس کی نوعیت سیاسی بغاوت کی تھی۔ کیونکہ مصر سے ہجرت کے بعد فلسطین میں ان کی نوخیز حکومت جس بنیاد پر استوار کی جارہی تھی وہ عقیدہ توحید تھا اور توحید کا انکار حقیقت میں اس ریاست کا انکار تھا جو کھلی بغاوت اور صریح غدر تھا۔ جس طرح آج کوئی حکومت خواہ وہ اپنے نظریات اور طریقہ کار میں بڑی آزاد منش ہو یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ اس کی رعایا کا کوئی فرد اس کی بنیاد کو اکھیڑ پھینکے اور جو فرد ایسا کرے اس کو باغی قرار دیا جاتا ہے اور اسے تختہ دار پر کھینچ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس جرم کی نوعیت تھی۔ اور وہ مجرم اسی سزا کے مستحق تھے جو انہیں دی گئی۔

۷۲ ان کی ہٹ دھرمی اور ان سے عفو و درگزر کا ایک واقعہ ذکر فرمایا۔

۷۳ بنی اسرائیل کا اصلی وطن شام تھا۔ یوسف علیہ السلام کے عہد میں یہ مصر چلے گئے تو عمالقہ نے شام پر قبضہ کرلیا۔ جب دوبارہ اپنے وطن لوٹے تو انہیں حکم ملا کہ عمالقہ سے جہاد کر کے اپنا وطن آزاد کرائیں اور اس میں آزادی اور عزت کی زندگی بسر کریں۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 258-259

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

چیزوں سے جو ہم نے تمھیں دے رکھی ہیں اور اُنھوں نے ہم پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ وُہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرتے

يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ

رہتے تھے ۷۵ اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا داخل ہو جاؤ اِس بستی میں ۷۶ پھر کھاؤ اس میں جہاں سے

لیکن انہوں نے جہاد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں چالیس سال تک تیہ کے ریگستان کی خاک چھانتے پھرے۔ اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نوازشات ان پر سایہ افگن رہیں۔ اس آیت میں ان انعامات کا ذِکر ہے۔ دھوپ سے بچانے کے لیے بادلوں کا سائبان تان دیا۔ پانی کے چشمے بہا دیئے اور من وسلویٰ ان کی خوراک کے لیے مہیا کر دیا۔ اس طرح ان کی زیست اور راحت کے جملہ سامان اس چٹیل میدان اور بے آب وگیاہ ریگستان میں فراہم کر دیئے۔ اور انہیں پھر موقع دیا کہ وہ دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جائیں۔

۷۴ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اکثر مفسرین کے نزدیک من سے مراد ترنجبین ہے اور ترنجبین ایک قسم کی قدرتی شکر ہے جو اونٹ کٹارے (یا اس قسم کی دوسری بوٹیوں) کے کانٹوں پر شبنم کی طرح گر کر جم جاتی ہے اور سلویٰ بٹیر کو کہتے ہیں (1) جو وادیٔ سینا کا خاص پرندہ ہے۔ کیونکہ یہ رزقِ لذیذ ان کو محنت ومشقت کے بغیر میسر آ جاتا تھا اس لیے اسے من (احسان) فرمایا گیا۔ اور بٹیر کے شکار میں ان کے مغموم اور افسردہ دلوں کی شگفتگی اور تازگی کا سامان بھی تھا اس لیے اسے سلویٰ کے نام سے تعبیر کیا گیا۔

۷۵ ایک اہم حقیقت کا بیان ہے یعنی احکام الٰہی کی نافرمانی کرنے والے اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے بلکہ اپنی دنیا وآخرت ہی برباد کرتے ہیں۔

۷۶ اس میں اختلاف ہے کہ وہ بستی کون سی تھی اور کس زمانے میں بنی اسرائیل نے اسے فتح کیا۔ بائبل کی تصریح یہ ہے۔ ''اس شہر کو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے اخیر زمانہ میں فتح کیا اور وہاں بڑی بدکاریاں کیں۔ جن کے نتیجہ میں خدا نے ان پر وبا بھیجی اور 24 ہزار آدمی ہلاک کر دیئے''۔ (گنتی باب 25 آیت 1-8)(2) ایک چیز قرآن کا مطالعہ کرتے وقت ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے وہ یہ کہ قرآن جن واقعات کا ذکر کرتا ہے اس سے مقصود صرف عبرت وموعظت ہوتی ہے اس سے اس واقعہ کی تاریخی حیثیت کا بیان مطلوب نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن ان واقعات کے صرف ان پہلوؤں کو بیان کرتا ہے جن میں درس عبرت ہو۔ عموماً غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ قرآن حکیم کی اس خصوصیت کو ملحوظ نہیں رکھتے وہ قصص قرآنی میں تاریخی کتب کی طرح تفصیلات کا تسلسل اور زماں ومکاں کا تعین نہیں پاتے تو وہ طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 1، ص 406
2۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، گنتی، باب: 25، آیت: 1 تا 8

شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ

چاہو اور جتنا چاہو اور داخل ہونا دروازہ سے سر جھکائے ہوئے ۷۷ اور کہتے جانا بخش دے (ہمیں) ہم بخش

خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا

دیں گے تمہاری خطائیں اور ہم زیادہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو پس بدل ڈالا ان ظالموں نے اور بات سے

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ

جو کہا گیا تھا انہیں تو ہم نے اتارا ان ستم پیشہ لوگوں پر عذاب آسمان

السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ ع ۶ ۱۳ ۶

سے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ۷۸ اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ

تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ

عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ

چشمے ۷۹ پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ۔ کھاؤ اور پیو اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے

وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ

اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰؑ!

۷۷ انہیں ہدایت فرمائی جارہی ہے کہ جب فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہونے لگیں تو دوسرے فاتحین کی طرح سرکش و مغرور ہو کر داخل نہ ہوں بلکہ دل میں عجز و تواضع اور زبان پر (حِطَّةٌ) طلب مغفرت کی دعائیں ہوں۔ یہاں سجدہ کا لغوی معنی یعنی تذلل اور انکسار مراد ہے(1)۔

۷۸ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کسی قوم پر بلا وجہ نہیں آتا بلکہ ان کی اپنی بداعمالیوں کا طبعی نتیجہ ہوتا ہے۔

۷۹ جب تیہ کے ریگستان میں بنی اسرائیل پیاس سے تڑپنے لگے تو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں پانی کے لیے عرض کی۔ حکم ہوا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 1، ص 410

نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ

ہم صبر نہیں کر سکتے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو آپ دُعا کیجیے ہمارے لیے اپنے پروردگار سے کہ نکالے ہمارے لیے

الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ

وُہ جن کو زمین اُگاتی ہے (مثلاً) ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا

مُوسیٰؑ نے کہا کیا تم لینا چاہتے ہو وُہ چیز جو ادنیٰ ہے اُس کے بدلہ میں جو عمدہ ہے (اچھا) جا رہو

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ

کسی شہر میں تمھیں مِل جائے گا جو تم نے مانگا اور مسلّط کر دی گئی اُن پر ذلّت اور غُربت ۸۰

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ

اور مستحق ہو گئے غضبِ الٰہی کے یہ (سب کچھ) اِس وجہ سے تھا کہ وُہ اِنکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا

فلاں پتھر پر اپنا عصا مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یونہی کیا اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ اور پانی کی قلت دور ہو گئی وہ چٹان اب تک جزیرہ نمائے سینا میں موجود ہے۔ پادری دین اسٹینلے (Dean stanley) نے انیسویں صدی کے وسط میں بائبل کے مقامات مقدسہ کی جغرافیائی تحقیق کے لیے خود فلسطین کی سیاحت کی اور اپنے مشاہدات وتحقیقات کو (Sinai palestine) کے نام سے شائع کیا۔ اس میں اس چٹان کا ذکر کر کے لکھتے ہیں ”یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور ”رآس سفسفه“ کے قریب لیجا کی وسیع وادی میں واقع ہے“۔ سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے یہ اشارہ انہیں شگافوں کی طرف ہے۔ صفحہ 37-38 (تفسیر ماجدی)(1)

۸۰ یہاں یہ شبہ دل میں کھٹکتا ہے کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر فقر وتنگدستی مسلط کر دی۔ حالانکہ اُن کا شمار دنیا کی امیر ترین اقوام میں ہوتا ہے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے جیوش انسائیکلو پیڈیا کے مندرجہ ذیل فقرات ملاحظہ فرمائیے: ”گو یہود کا تموّل ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں۔ وہاں کی آبادی میں انہیں کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے“۔ (جلد 10، صفحہ 151)(2)

1۔ تفسیر ماجدی از عبدالماجد دریا آبادی، زیر آیت ہذا، ص 25، حاشیہ 204، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ قرآن منزل لاہور

2۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 26، حاشیہ: 211

اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا

اَور قتل کرتے تھے انبیاء کو ناحق ۸۱؎ یہ (سب کچھ) اِس وجہ سے تھا کہ وُہ نافرمان تھے اَور

ع ۷ يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَ

حد سے بڑھ جایا کرتے تھے یقین کرو ۸۲؎ اِسلام کے پیروکار ہوں یا یہُودی ، عیسائی ہوں یا

الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ

صابی ۸۳؎ جو کوئی بھی اِیمان لائے اللہ پر اَور دن قیامت پر اَور نیک عمل کرے تو ان کے لیے

عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے چند افراد بہت زائد دولت مند ہیں۔
(جلد 1، صفحہ 61)، (تفسیر ماجدی)(1)

۸۱؎ یہاں پھر اس امر کی وضاحت کردی کہ بنی اسرائیل پر ذلت وافلاس کا جو عذاب مسلط کیا گیا تھا وہ بلاوجہ نہ تھا بلکہ ان کی اپنی نافرمانیوں اور کرتوتوں کی سزا تھی۔

اس قسم کے جرائم سے بنی اسرائیل کی تاریخ بھری پڑی ہے مثلاً ''تب خدا کی روح ..... زکریا پر نازل ہوئی سو وہ لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا ..... چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑا ہے اس نے بھی تم کو چھوڑ دیا۔ تب انہوں نے اس کے خلاف سازش کی اور بادشاہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اسے سنگسار کر دیا (2، تواریخ 24:20,21)(2)

اس طرح مرقس کے باب 6 کی آیت 17 تا 29 میں حضرت یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کے متعلق مذکور ہے کہ جب آپ نے ہیرودیس بادشاہ کو اس پر ٹوکا کہ اس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کو اپنے پاس کیوں رکھا ہوا ہے تو بادشاہ نے پہلے انہیں قید کر دیا۔ بعد میں اپنی داشتہ کی فرمائش پر آپ کا سر کاٹا اور ایک تھال میں رکھ کر اس کی خدمت میں پیش کیا(3)۔

۸۲؎ اس آیت میں اس امر کی وضاحت فرمائی جارہی ہے کہ نجات کا دارومدار نسب اور قومیت پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل پر ہے۔ یہود اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ان کا عقیدہ کتنا بگڑا ہوا کیوں نہ ہو اور ان کے اعمال کتنے خراب کیوں نہ ہوں جنت ان کی ہے اور ان کے علاوہ جتنی قومیں ہیں وہ کتنی پاکباز کیوں نہ ہوں سب دوزخ کا ایندھن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلط فہمی کو نہایت صاف الفاظ سے دور کر دیا۔ اور لطف یہ ہے کہ مخاطب مسلمانوں، یہودیوں، نصرانیوں اور صابیوں سب کو بنایا اور مسلمانوں کا ذکر پہلے کر کے انہیں تنبیہ فرمادی کہ مبادا تم بھی کہیں اپنی قومیت پر نازاں ہو کر ایمان وعمل سے غفلت برتنے لگو۔ نجات وفلاح ایمان وعمل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکے گی۔

۸۳؎ جو شخص ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اسے صابی کہتے ہیں اور اصطلاح میں ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے۔ جو شام و

1۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 26، حاشیہ: 211
3۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) 2، تواریخ، باب 24، آیات: 21-20، ص 246
4۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ) مرقس، باب: 6، آیت: 17 تا 29، ص 40-39

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

ان کا اجر ہے ان کے رب کے ہاں اور نہیں کوئی اندیشہ ان کے لیے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ

اور یاد کرو جب ہم نے لیا تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تم پر طور کو (اور حکم دیا) پکڑ لو جو ہم نے تم کو دیا

بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ

مضبوطی سے اور یاد رکھنا وہ (احکام) جو اس میں درج ہیں شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ پھر منہ موڑ لیا تم نے پختہ وعدہ

بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ

کرنے کے بعد تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور ہو جاتے نقصان

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ

اٹھانے والوں میں اور تم خوب جانتے ہو ۸۴ انھیں جنھوں نے نافرمانی کی تھی تم میں سے سبت ۸۵ کے قانون کی

عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ توحید اور رسالت کے قائل تھے۔ حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم انہیں اہل کتاب سے شمار کرتے تھے اور ان کے ذبیحہ کو حلال فرماتے تھے۔(1)

۸۴ یہاں سے ایک ایسے واقعہ کی یاد دہانی کرائی جارہی ہے جو بنی اسرائیل کی تاریخ کا مشہور و معروف واقعہ ہے۔ لفظ عَلِمْتُمْ پر قد اور قد پر لام، تاکید بالائے تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی بلاشک وشبہ یقیناً تم اس واقعہ کو جانتے ہو۔

۸۵ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے سنیچر کا دن عبادت کے لیے مخصوص فرما دیا تھا۔ اس روز ان کے لیے کھیتی باڑی، کاروبار، شکار وغیرہ تک ممنوع تھا(2) اور یہ حکم اتنا سخت تھا کہ اس کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے قتل کی سزا مقرر تھی۔ بنی اسرائیل نے رفتہ رفتہ اس حکم کو بے اثر بنانے کے لیے حیلہ وفریب سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔ دریا کے کنارے گڑھے کھود رکھے تھے۔ اور چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ انہیں دریا سے ملا رکھا تھا۔ سنیچر کو (جب کہ مچھلیاں شکاری کی آمد سے نڈر ہو کر سطح آب پر کثرت سے نمودار ہوتیں) ان نالیوں کے دہانے کھول دیتے اور مچھلیاں کثیر تعداد میں پانی کے ساتھ ان گڑھوں میں چلی جاتیں پھر ان کے دہانے بند کر دیتے اور اتوار کے روز آ کر مچھلیاں پکڑ لیتے (3)۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت نہیں کرتی کہ اس کے احکامِ شریعت کو حیلوں

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 77 (ماخوذ) 2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 106 (ماخوذ) 3۔ ایضاً

فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ

تو ہم نے حکم دیا اُنھیں کہ بن جاؤ بندر پھٹکارے ہوئے ۸۶ پس ہم نے بنا دیا اِس سزا کو عبرت ان کے لیے

يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

جو اس زمانہ میں موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے اور (اسے) نصیحت بنا دیا پرہیزگاروں کے لیے اور یاد کرو جب کہا موسےٰ (علیہ السلام) نے

لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا

اپنی قوم سے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمھیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے ۸۷ وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق

اور بہانوں سے معطّل و بے اثر کر دیا جائے۔ اس لیے ان پر وہ عذاب مسلّط کیا جس نے ان کو رسوائی و خواری کے ساتھ نیست و نابود کر دیا۔ اگر مُوسوی شریعت میں اس قسم کے حیلے برداشت نہیں کیے جاتے تھے تو آپ خود فیصلہ کریں کہ خاتم النّبیین کی شریعت جس کے بعد اور کوئی آسمانی قانون انسانی اصلاح کے لیے آنے والا نہیں ہے، کیا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور غیرت کسی قسم کی تحریف اور حیلہ سازی کو گوارا کر سکتی ہے؟ نہیں بخدا ہرگز نہیں! وہ لوگ جن کو حکومت اور قانون سازی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ ان آیات کو بار بار پڑھیں۔ اس واقعہ کا ذکر پروردگار نے صرف ہماری عبرت پذیری کے لیے کیا ہے۔ داستان سرائی قرآن کا مقصود نہیں۔

۸۶ مجاہد کا قول یہ ہے کہ یہ مسخ معنوی تھا یعنی ان کی صورتیں تو انسانوں کی ہی رہیں لیکن ان کا ذہن اور فکر مسخ ہو گیا(1) اور بندروں کی سی قبیح اور مذموم عادتیں ان میں پیدا ہو گئیں۔ انسانی شکل ہو اور کرتوت بندروں کی طرح ذلیل! پناہ بخدا! کتنا ہولناک ہے یہ عذاب! لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ان کی شکلیں بھی بندروں کی سی ہو گئی تھیں۔ اور وہ چند روز کے بعد ہلاک کر دیئے گئے تھے(2)۔ اور یہ کوئی امر محال نہیں۔ جو بد بخت اس کے تشریعی قانون کو مسلسل توڑتے رہے ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے تکوینی قانون میں ان کو سزا دینے کے لیے تھوڑی سی تبدیلی کر دے تو اس میں کیا استحالہ ہے؟ نیز جو تخلیق آدم کے بارے میں ڈارون کے نظریۂ اِرتقاء پر ایمان لا چکے ہیں ان کے لیے تو سرے سے اس میں اچنبے کی کوئی بات ہی نہیں۔ یہ بھی تو سلسلہ اِرتقاء کی ایک کڑی ہے۔ اِرتقاء مستقیم نہ سہی ارتقاء معکوس سہی۔ بہر حال ہے تو ارتقاء ہی۔

۸۷ بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا دولت مند تھا۔ اس کا ایک لڑکا تھا۔ اس بوڑھے کے بھتیجوں نے اس کے لڑکے کو قتل کر دیا تا کہ اس کی وراثت بھی انہیں ملے اور اس کی لاش کو اٹھا کر دور شہر کے دروازہ پر پھینک آئے۔ صبح ہوئی تو خود ہی مدعی بن بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت کا ایک روشن نشان دکھانے کے لیے انہیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس ذبح شدہ گائے کا ایک ٹکڑا مقتول پر مارو(3)۔ دیکھو وہ میری قدرت سے کیسے زندہ ہوتا ہے اور کس طرح حقیقت حال سے پردہ اٹھتا ہے۔ خاص گائے کے ذبح کرنے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل مدتوں مصر میں رہے جہاں گائے کی پرستش

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 106 (ماخوذ) 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 283 3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 14 (ماخوذ)

هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ

اُڑاتے ہیں ۸۸ے آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں ۸۹ے بولے دعا کیجیے

لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا

ہمارے لیے اپنے رب سے کہ وہ بتائے ہمیں کہ کیسی ہے وہ گائے ۹۰ے موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ

فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾

بوڑھی ہو اور نہ بالکل بچی (بلکہ) درمیانی عمر کی ہو تو بجا لاؤ جو تمہیں حکم دیا جا رہا ہے

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا

کہنے لگے دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیسا رنگ ہو اس کا موسیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی

بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا

گائے جس کی رنگت خوب گہری زرد ہو جو فرحت بخشے دیکھنے والوں کو کہنے لگے پوچھو ہمارے لیے

رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ

اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لیے کہ گائے کیسی ہو بے شک گائے مشتبہ ہو گئی ہے ہم پر اور ہم اگر

ہوتی تھی۔ ان کے ڈھلمل یقین مزاج سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ بھی گائے کو مقدس سمجھنے لگ گئے ہوں (1)۔ اس لیے گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تا کہ یہ خیال بھی ان کے دلوں سے مٹا دیا جائے۔

مسئلہ: وراثت کا لالچ قتل کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ اسلام نے یہ حکم دے کر کہ قاتل، مقتول کے ورثہ سے محروم ہو جاتا ہے (2)۔ قتل کے ایک بڑے محرک کو ختم کر دیا۔

۸۸ے وہ آئے تھے قاتل کا پتہ لگانے اور حکم ملا گائے ذبح کرنے کا۔ کیونکہ دونوں چیزوں میں کوئی مناسبت نہ تھی اس لیے یہ سوال کر دیا۔

۸۹ے حکم خداوندی بتاتے وقت مذاق کرنا جاہلوں کا شیوہ ہے اور نبی کا مقام تو بہت بلند ہے۔ اس سے ایسے وقت میں مذاق کا تصور کیونکر ہو سکتا ہے۔

۹۰ے کیونکہ ان کا مفاد تو اس میں تھا کہ قاتل کا سراغ نہ ملے اس لیے طرح طرح کی حجت بازیاں کرنے اور بال کی کھال اتارنے لگے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 1، ص 445 2۔ ایضاً، جز 1، ص 55-454

شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ

اللہ نے چاہا تو ضرور اس کو تلاش کرلیں گے موسیٰؑ بولے اللہ فرماتا ہے وُہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو

تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوْا

کہ ہل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب بے داغ (عاجز ہوکر) کہنے لگے

الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذْ ع ۸

اَب آپ لائے صحیح پتہ پھر اُنھوں نے ذبح کیا اُسے اور وُہ ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے ۹۱ اور یاد کرو

قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ

جب قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم

تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْىِ اللّٰهُ

چھپا رہے تھے تو ہم نے فرمایا کہ مارو اس مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے (دیکھا) یُوں زندہ کرتا ہے اللہ تعالےٰ

الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ

مُردوں کو اور دِکھاتا ہے تمھیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ پھر سخت ہوگئے تمھارے دِل

۹۱ مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیکوکار آدمی تھا۔ اس کا ایک معصوم بچہ تھا اور اس کے پاس ایک بچھیا تھی۔ جب مرنے لگا تو اس نے دعا کی اے بارِالٰہ! اس ننھے بچے کے لیے میں یہ بچھیا تیرے پاس امانت رکھتا ہوں۔ اور اس بچے کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ پھر اس بچھیا کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نیک بندے کی عرض کو قبول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں وہ پلتی رہی۔ اور جب یہ بچہ جوان ہوگیا تو اس جنگل میں گیا جہاں وہ گائے چرا کرتی تھی۔ اپنے مالک کی آواز سنتے ہی وہ گائے اس کے پاس آگئی۔ جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مخصوص حلیہ والی گائے کی تلاش شروع کی تو ان تمام صفات سے متصف صرف وہی گائے ملی جو اس نیک بندے کے لڑکے کے پاس تھی۔ بنی اسرائیل نے اسے منہ مانگی قیمت ادا کی اور گائے خرید لی (1)۔ اس قصہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے حوالے ہو اسے کوئی چیز گزند نہیں پہنچا

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص16

مِّنۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالۡحِجَارَةِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ

یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی وُہ تو پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ۹۲ے (کیونکہ) کئی

الۡحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنۡهُ الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخۡرُجُ

پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بہ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے

مِنۡهُ الۡمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا

پانی نکلنے لگتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں خوفِ الٰہی سے اور اللہ

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَكُمۡ

بے خبر نہیں ہے ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو (اے مسلمانو!) کیا تم یہ اُمید رکھتے ہو کہ (یہ یہودی) ایمان لائیں گے

وَقَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ

تمہارے کہنے سے حالانکہ ایک گروہ ان میں ایسا تھا جو سُنتا تھا کلامِ الٰہی کو پھر بدل دیتے تھے اسے

مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

خوب سمجھ لینے کے بعد جان بُوجھ کر ۹۳ے اور جب مِلتے ہیں ایمان والوں سے

سکتی اور جس چیز کا تعلق بندگان خدا سے ہوتا ہے، اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ان کی ہم مثل چیزوں سے نہیں لگایا جا سکتا۔

۹۲ے انسان جب سنورتا ہے تو فرشتوں کا قبلہ بن جاتا ہے اور جب بگڑتا ہے تو بے سمجھی اور سنگ دلی میں پتھروں کو بھی مات کر دیتا ہے۔ کیونکہ پتھر تو خدا کے خوف سے لرزتے بھی ہیں اور اپنے حال کے مطابق اُس کی حمد و ثنا بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ مُورکھ اپنے رب سے غافل، نافرمانی کے میدان میں ہوا و ہوس کے گھوڑے سرپٹ دوڑاتا چلا جاتا ہے۔

۹۳ے مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ ان کا انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ان کی صفات کے ذکر اور کمالات کے بیان سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ وہ جان بوجھ کر انکار کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ایمان لانے کی امید رکھنا بے کار ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حق پوشی اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کو چھپانا اور آپ کے کمالات کا انکار کرنا یہود کا شیوہ تھا۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ

تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں ۹۴ اور جب تنہا ملتے ہیں ایک دُوسرے سے تو کہتے ہیں (ارے) کیا بیان کرتے ہو ان سے

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا

جو کھولا ہے اللہ نے تم پر یُوں تو وُہ دلیل قائم کریں گے تم پر اِن باتوں سے تمہارے رب کے سامنے کیا تم

تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا

اِتنا بھی نہیں سمجھتے کیا وُہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وُہ چھپاتے ہیں اَور جو وُہ

يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ

ظاہر کرتے ہیں اَور ان میں کچھ اَن پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو بجز جھوٹی اُمیدوں کے

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ

اَور وُہ تو محض وہم و گمان ہی کرتے رہتے ہیں ۹۵ پس ہلاکت ہو ان کے لیے جو لکھتے ہیں کتاب

النصف

اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کو زیب نہیں دیتا کہ اپنے محبوب اور کریم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات بیان کرنے سے اُن کی زبان میں لکنت ہو اور فضائل سننے سے دل میں گھٹن ہو۔ رفعت شانِ مصطفیٰ حبیب خدا علیہ وعلیٰ آلہ اطیب التحیۃ واحسن الثناء کسی کے گھٹانے سے نہ گھٹے گی۔

۹۴ یہاں سے یہودی منافقوں کے احوال کا بیان ہے۔ یعنی جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو بطور خوشامد یہ ظاہر کر بیٹھتے ہیں کہ ہم تو سچے دل سے اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے ہیں کیونکہ نبی برحق کی جو نشانیاں ہماری کتاب میں مذکور ہیں وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی ایسی باتوں پر دوسرے یہودی ان کو ملامت کرتے کہ تم مسلمانوں کو ایسی باتیں بتا کر اپنا راز افشاء کر رہے ہو۔ تمہارے انہیں اقوال سے وہ تمہارے مذہب کی تردید کریں گے۔ اور تورات کی وہ آیات جن کا تم ان سے ذکر کرتے ہو انہیں آیات سے وہ تم پر حجت قائم کر دیں گے۔ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ کی تفسیر جس کو علامہ زمخشری اور علامہ بیضاوی نے پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ عِنْدَ رَبِّكُمْ کا معنی ہے مَافِیْ كِتَابِ رَبِّكُمْ یعنی تمہارے رب کی کتاب کی آیتوں سے تم پر دلیل قائم کریں گے اور عِنْدَ اللّٰهِ کا معنی عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ عِنْدَ اللّٰهِ اس کا یہ حکم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس مسئلہ کا یہ حکم ہے۔ (1)

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 16 (ماخوذ)۔ الکشاف عن حقائق التنزیل للامام العلامۃ ابی القاسم محمود بن عمر الزمخشری، ج 1، ص 57-156، مطبوعہ مکتب الاعلام الاسلامی

بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ

خود اپنے ہاتھوں سے ۹۶ پھر کہتے ہیں یہ نوشتہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ حاصل کرلیں اس کے عوض

ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَوَیْلٌ لَّهُمْ

تھوڑے سے دام سو ہلاکت ہو ان کے لیے بوجہ اس کے جو لکھا اُن کے ہاتھوں نے اور ہلاکت ہو ان کے لیے

مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ

بوجہ اس مال کے جو وُہ (یُوں) کماتے ہیں اور اُنھوں نے کہا ہرگز نہ چھُوئے گی ہمیں (دوزخ کی) آگ بجز گنتی کے چند دِن ۹۷

۹۵ پہلے ان کے عالموں کا ذکر ہوا۔ اب اُن کے اَن پڑھ عوام کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ اَمَانِیُّ کا مفرد ہے اُمْنِیَّۃٌ جس کا اصل مَنٰی ہے۔ اس کا معنی ہے فرض کرنا (1) یا وہ انعام جس کا انسان اپنے آپ کو حق دار اور اہل ثابت نہ کرتے ہوئے خواہش رکھتا ہو۔ اس خواہش کو عربی میں اُمْنِیَّۃٌ کہتے ہیں۔ یعنی بنی اسرئیل کے عوام کا کل سرمایہ نجات کے متعلق ان کے من گھڑت خیالات اور جھوٹی آرزوئیں ہیں۔ قومیں اپنے زوال وانحطاط کے دور میں انہیں بے بنیاد خیالات سے اپنی نجات کی آس لگائے رہتی ہیں اور عمل صالح سے آنکھیں بند کرلیتی ہیں۔ کاش ہم بھی اپنی حالت پر غور کریں اور احکام شرعی سے کھلی بغاوت کے باوجود اپنی نجات کے جو سنہرے سپنے ہم دیکھ رہے ہیں ان سے چونکیں۔ اگر ہم اپنے اسلاف کی طرح احکام الٰہی کی اطاعت کرتے تو ان کی مادی اور روحانی برکات سے خود بھی مالا مال ہوتے اور دوسری گم کردہ راہ قوموں کے لیے بھی مشعل راہ ثابت ہوتے۔ ہم وارثانِ اسلام اور مدعیانِ شریعت کی محرومیوں اور حالِ زار کو دیکھ کر دوسری قومیں اسلام کو دور ہی سے سات سلام کردیتی ہیں۔

۹۶ یہودی علماء کی مزید کارستانیاں ملاحظہ ہوں۔ بتایا جارہا ہے کہ وہ کتاب جس کے وہ امین بنائے گئے تھے۔ جس کی حفاظت اور اُس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے صرف اسی پر بس نہیں کی کہ خود عمل ترک کردیا ہو بلکہ انہوں نے آیات الٰہی کو سرے سے ہی بدل ڈالا اور اپنی طرف سے طرح طرح کے اضافے کردیئے۔ اور اس طرح ان ظالموں نے آئندہ نسلوں میں سے بھی کسی سلیم الطبع کے لیے یہ گنجائش نہ چھوڑی کہ وہ آیات الٰہی میں خود غور وفکر کرکے حقیقت تک رسائی حاصل کرسکے۔ یہود ونصاریٰ اب تک تو تحریف کے قائل نہ تھے لیکن اب ان کے محققین نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اُن کی کتب تحریف وتغیر سے محفوظ نہیں ہیں۔

۹۷ بنی اسرائیل کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کے لاڈلے اور محبوب ہیں۔ دوزخ کی آگ ہمیں جلا نہیں سکتی۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے۔ آتش دوزخ گنہگارانِ قوم یہود کو چھوئے گی بھی نہیں۔ اس لیے کہ وہ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے اور خدا کے پاس واپس آجائیں گے۔ (جلد 5 صفحہ 583) (ماجدی) (2) بعض یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ انہیں صرف چالیس روز

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 301 (ماخوذ) 2۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 32، حاشیہ: 274

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ

آپ فرمائیے کیا لے رکھا ہے تم نے اللہ سے کوئی وعدہ تب تو خلاف ورزی نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً

کی یا (یونہی) بہتان باندھتے ہو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں ہاں (ہمارا قانون یہ ہے) جس نے جان کر برائی کی

وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

اور گھیر لیا اُس کو اُس کی خطاء نے تو وُہی دوزخی ہیں وُہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور جو ایمان لائے اور اچھّے کام کیے وُہی

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ ع ۹ ۱۱

جنتی ہیں ۹۸ وُہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یاد کرو جب لیا تھا ہم نے پختہ وعدہ

عذاب ہوگا۔ یہ وہ مدت ہے جس میں بنواسرائیل نے بچھڑے کی پوجا کی تھی (1)۔ خدا کے متعلق ان کا تصور بڑا نرالا تھا۔ ایک طرف تو اُس کے جبر وقہر کا یہ عالم کہ جو گناہ ان کے آباؤ اجداد سے سرزد ہوا اس کی سزا صرف ان مجرموں تک محدود نہیں رکھتا بلکہ ان کی نسل سے قیامت تک جو اولاد ہوگی وہ اس ناکردہ گناہ کی سزا بھگتے گی۔ اور دوسری طرف اُس کے عفو ودرگزر کی یہ کیفیت کہ کسی سنگین سے سنگین گناہ کے بارے میں اس کے اصلی مجرم سے بھی باز پرس نہیں۔ افراط وتفریط کا یہ ہوش ربا چکر ہوش وخرد کے لیے ناقابل حل معمہ ہے۔

۹۸ قرآنِ حکیم یہاں نجات وبخشش کا اصل الاصول بیان فرما رہا ہے۔ نجات کا دارومدار کسی قوم ونسب سے وابستگی پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ اسلام سے پہلے انسانیت کی تقسیم رنگ اور نسل اور وطن کی بنیادوں پر ہوتی تھی۔ ہر سفید رنگ والا خواہ اس کا نامہ عمل کتنا سیاہ ہو ہر کالی رنگت والے سے برتر ہے خواہ اس کی سیرت مہر وماہ سے تابندہ تر ہو۔ ہر برہمن خواہ وہ کتنا جاہل اور کندۂ ناتراش ہی کیوں نہ ہو افضل ہے ہر فاضل اور کامل سے جسے کسی برہمن ماں نے جنم نہیں دیا۔ جرمنی کی حدود میں پیدا ہونے والا خواہ وہ کتنا خونخوار اور زیاں کار کیوں نہ ہو اپنی نجابت میں لاجواب ہے۔ یہ شرف اسلام کو حاصل ہے جس نے ان

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 88

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰہَ ۟ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا

بنی اِسرائیل سے (اِس بات کا) کہ نہ عبادت کرنا بجز اللہ کے[۹۹] اَور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا

وَّ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ قُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا

نیز رشتہ داروں یتیموں اَور مسکینوں سے بھی (مہربانی کرنا) اَور کہنا لوگوں سے اچھی باتیں

وَّ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡکُمۡ

اَور صحیح ادا کرنا نماز اَور دیتے رہنا زکوٰۃ پھر مُنہ موڑ لیا تم نے مگر چند آدمی تم سے (ثابت قدم رہے)

وَ اَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۸۳﴾ وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ لَا تَسۡفِکُوۡنَ دِمَآءَکُمۡ

اَور تم رُوگردانی کرنے والے ہو اَور یاد کرو جب لیا ہم نے تم سے پختہ وعدہ کہ تم اپنوں کا خون نہیں بہاؤ گے

وَ لَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَنۡتُمۡ

اَور نہیں نکالو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے (اِس وعدہ پر ثابت رہنے کا) اِقرار بھی کیا اَور

تَشۡہَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنۡتُمۡ ہٰۤؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَ تُخۡرِجُوۡنَ

تم خود اس کے گواہ ہو پھر تم وُہی ہو نا (جنھوں نے یہ وعدے کیے) کہ اب قتل کر رہے ہو اپنوں کو اَور نکال باہر کرتے ہو

فاسد بنیادوں کو اکھیڑ پھینکا اور انسانیت کی تقسیم مومن اور کافر، صالح اور فاسق، نیک اور بد کی اساس پر کی۔ اور اس طرح بلاوجہ اترانے والوں سے فخر و مباہات کے سب جھوٹے اسباب چھین لیے اور نیکی اور تقویٰ کے میدان میں سبقت لے جانے والوں کے راستہ میں حائل ہونے والی سب چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر دیا فَلِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔

[۹۹] انبیاء بنی اسرائیل نے اپنی قوم سے جن عقائد پر اِیمان لانے، معاملات اور عبادات کے جن احکام پر کاربند ہونے اور اَخلاق کے جن اصولوں کو اپنانے کا پختہ وعدہ لیا تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی کی یاددہانی کرائی اور ساتھ ہی ہر بار اُن کی وعدہ شکنی کا بیان فرمادیا شاید وہ ایسی غلطیوں سے آئندہ پرہیز کریں اور احکامِ الٰہی کی تعمیل کرنے لگیں۔

فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ

اپنے گروہ کو ان کے وطن سے (نیز) مدد دیتے ہو ان کے خلاف (دُشمنوں کو) گناہ اور ظلم سے

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ

اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی بن کر (تو بڑے پاکباز بن کر) اُن کا فدیہ ادا کرتے ہو حالانکہ حرام کیا گیا تھا تم پر ان کا گھروں سے نکالنا

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ

تو کیا تم اِیمان لاتے ہو کتاب کے کچھ حِصّہ پر اور اِنکار کرتے ہو کچھ حِصّہ کا[1] (تم خود ہی کہو) کیا سزا ہے

مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ

ایسے نابکار کی تم میں سے سوائے اس کے کہ رُسوائی ہے دُنیا کی زِندگی میں اور قیامت

الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

کے دِن تو انھیں پھینک دیا جائے گا سخت ترین عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ

یہ ہیں وُہ لوگ جنھوں نے مول لے لی ہے دُنیا کی زندگی آخرت کے عوض تو نہ ہلکا کیا جائے گا

[1] یثرب کے رہنے والوں میں مُشرِک بھی تھے اور یہودی بھی۔ یثرب کی مُشرِک آبادی دو قبیلوں اوس اور خزرج میں بٹی ہوئی تھی جو آپس میں لڑتے رہتے اور یہودی آبادی بھی دو قبیلوں بنو قریظہ اور بنو نضیر پر مشتمل تھی۔ جب اوس و خزرج برسرِ پیکار ہوتے تو بنی قریظہ اوس کے حلیف بن جاتے اور بنی نضیر خزرج کے اور اس طرح یہ یہودی آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹتے۔ اور جب جنگ ختم ہو جاتی اور مغلوب فریق کے اسیرانِ جنگ کو فِدیہ ادا کر کے آزاد کرانے کا مرحلہ درپیش ہوتا تو اُس وقت یہ یہود تورات کی صفحہ گردانی کرتے اور اس کی آیات سے فدیہ دینے اور فدیہ لینے کے جواز پر استدلال کرتے (1)۔ قرآنِ حکیم انہیں کہتا ہے کہ تورات تو تمہیں قتل و غارت کرنے سے اور کسی کو جلا وطن کرنے سے بھی روکتی ہے۔ وہ حکم تو تمہیں یاد نہ رہا اور جب روپیہ کے لین دین کا سوال پیدا ہوا تو تمہیں تورات پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ بھلا یہ بھی کوئی ایمان ہے کہ کتاب کے بعض

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیرِ آیت ہذا، ج 1، ص 120-21

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ع ۱۱

اُن سے عذاب اَور نہ ہی اُن کی مدد کی جائے گی اَور بے شک ہم نے عطا فرمائی مُوسیٰؑ کو کتاب

وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۪ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

اَور ہم نے پے در پے اُن کے پیچھے پیغمبر بھیجے اَور دیں ہم نے عیسیٰؑ بن مریمؑ کو روشن نشانیاں ۱۰۱؎

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى

اَور ہم نے تقویّت دی اُنہیں جبریلؑ سے ۱۰۲؎ تو کیا جب کبھی لے آیا تمہارے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم جسے تمہارے نفس

اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۪ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَ

پسند نہ کرتے تو تم اکڑ گئے بعض کو تم نے جھٹلایا اَور بعض کو قتل کرنے لگے اَور

قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

یہودی بولے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہیں ۱۰۳؎ نہیں بلکہ پھٹکار دیا ہے انہیں اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے وُہ بہت ہی کم ایمان رکھتے

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ

ہیں اَور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وُہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو اُن کے پاس تھی اَور

حصے جو اپنی طبیعت کے موافق ہوئے ان پر تو عمل کر لیا اور کتاب کا وہ حصہ جس پر عمل کرنا نفس پر گراں معلوم ہوا یا جس پر عمل کرنے سے مادی نقصان کا اندیشہ ہوا اُسے چھوڑ دیا۔ ہم قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لیے بھی اس میں درسِ عبرت ہے۔

۱۰۱؎ روشن معجزات جیسے مادرزاد اندھے کو بینا کر دینا، کوڑھے کو شفا بخشنا، مُردوں کو زندہ کرنا اور غیب کی خبریں دینا وغیرہ (1)۔

۱۰۲؎ اِس سے مُراد جبرائیل امین علیہ السلام ہیں۔ بعض مفسرین نے اِس سے اللہ تعالیٰ کا وہ اِسم اعظم مُراد لیا ہے جس کی برکت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے (2)۔

۱۰۳؎ یہودی بڑے فخر سے کہتے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اس لیے ہمارے عقائد محفوظ ہیں۔ کسی کا سحر بیان، کسی کی قوتِ استدلال، کسی کے معجزات ہمیں اپنے عقائد سے متزلزل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یوں نہیں بلکہ حقیقت

1۔ تفسیر مظہری، زیرِ آیت ہذا، ج 1، ص 92۔ تفسیر ابن کثیر، زیرِ آیت ہذا، ج 1، ص 122

2۔ روح المعانی، زیرِ آیت ہذا، ج 1، ص 317۔ تفسیر ابن کثیر، زیرِ آیت ہذا، ج 1، ص 123

كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

وُہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) ۱۰۴؎ تو جب تشریف فرما ہوا ان

مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ

کے پاس وُہ نبی جسے وُہ جانتے تھے تو اِنکار کر دیا اُس کے ماننے سے سو پھٹکار ہو اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر۔ بہت بُری چیز ہے

اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ

جس کے بدلے سودا چکایا انھوں نے اپنی جانوں کا وُہ یہ کہ کفر کرتے ہیں اس (کتاب) کے ساتھ جو اللہ نے نازل کی حسد ۱۰۵؎ کے مارے کہ

فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ

نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل (وحی) جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے سو وُہ حق دار ہو گئے مسلسل ناراضگی کے

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ

اور کافروں کے لیے ذلیل و رُسوا کرنے والا عذاب ہے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے اِیمان لے آؤ اس پر جسے اللہ نے اتارا ہے

یہ ہے کہ تمہاری مسلسل نافرمانیوں کے باعث تمہیں رحمت الٰہی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اب تم اس قابل ہی نہیں رہے کہ نُورِ ایمان سے تمہارے دلوں کے ظلمت کدے روشن ہوں۔

۱۰۴؎ یہود کی ہٹ دھرمی اور دانستہ کفر کی ایک اور مثال بیان فرمائی جا رہی ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پیشتر یہود کا شعار تھا کہ جب کبھی کفار و مشرکین سے ان کی جنگ ہوتی اور ان کی فتح کے ظاہری امکانات ختم ہو چکتے تو اُس وقت تورات کو سامنے رکھتے اور وہ مقام کھول کر جہاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صفات و کمالات کا ذکر ہوتا وہاں ہاتھ رکھتے اور ان الفاظ سے دعا کرتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ بِحَقِّ نَبِيِّكَ الَّذِيْ وَعَدْتَّنَا اَنْ تَبْعَثَهٗ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ اَنْ تَنْصُرَنَا الْيَوْمَ عَلٰى عَدُوِّنَا فَيُنْصَرُوْنَ (روح المعانی، القرطبی وغیرہ)(1)

اے اللہ ہم تجھے تیرے اُس نبی کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے آج ہمیں اپنے دشمنوں پر فتح دے تو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اللہ تعالیٰ انہیں فتح دیتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ آج تک تم جس کا نام لے کر جیتتے رہے اور جس کی برکت سے فتح یاب ہوتے رہے جب میرا وہ رسول اور محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمہارا نجات دہندہ تشریف فرما ہوا تو اُس پر اِیمان لانے سے اِنکار کر دیا۔ تف ہے ایسے تعصب پر! حیف ہے ایسی حب جاہ و مال پر!

۱۰۵؎ یعنی ان کی سرکشی اور انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں تھا۔ صرف یہ حسد انہیں جلا رہا تھا کہ یہ نبی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے کیوں

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 320

اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ

تو کہتے ہیں ہم تو (صرف) اس پر ایمان لائے ہیں جو نازل کی گئی ہم پر اور کفر کرتے ہیں اس کے علاوہ (دوسری کتابوں) کے ساتھ

الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ

حالانکہ وہ بھی حق ہے تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے آپ فرمائیے پھر تم کیوں قتل کرتے رہے اللہ کے پیغمبروں کو

قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ

اس سے پہلے اگر تم (اپنی کتاب پر ہی) ایمان رکھتے تھے ۱۰۶ اور بے شک آئے تمہارے پاس موسیٰؑ روشن دلیلیں لے کر پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا

تم نے بنا لیا بچھڑے کو (اپنا معبود) اس کے بعد اور تم (تو عادی) جفاکار ہو ۱۰۷ اور یاد کرو جب ہم نے لیا

مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ

تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تمہارے سروں پر کوہ طور (اور تمہیں حکم دیا) کہ پکڑ لو جو ہم نے تمہیں دیا مضبوطی سے اور (خوب غور سے) سنو

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ

اُنھوں نے (زبان سے) کہا ہم نے سُن لیا اور (دل میں کہا) نہیں مانا سیراب ہو چکے تھے ان کے دل بچھڑے (کے عشق) سے یہ ان کے پیہم انکار کی

بھیجا گیا۔ بنی اسرائیل میں سے کیوں نہیں چنا گیا(1)۔ لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کی اپنی مرضی ہے جس پر چاہے اپنا فضل وکرم فرمادے۔

۱۰۶ جب انہیں قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اس وحی پر ہی ایمان لائیں گے جو ہمارے انبیاء پر اُتری۔ اس کے علاوہ کسی دوسری وحی پر ایمان لانے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا تو اپنے انبیاء پر نازل شدہ وحی پر بھی ایمان نہیں ورنہ وہ اپنے انبیاء کو قتل کرنے کی جرأت کر سکتے؟ اُن کا ایسا کرنا اُن کے عدمِ ایمان کی واضح دلیل ہے۔

۱۰۷ ان کی نافرمانیوں کی طویل فہرست سے چند واقعات کی طرف اجمالاً اشارہ کر کے ان کے اس دعویٰ کے بطلان کو واضح کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے انبیاء پر صدق دِل سے ایمان لا چکے تھے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج1، ص322

قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ

نحوست تھی فرمایئے بہت بُرا ہے جس کا حکم کرتا ہے تمھیں (یہ) تمھارا (عجیب و غریب) ایمان اگر تم ایمان دار ہو ۱۰۸ آپ فرمایئے اگر

كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ

تمھارے لیے ہی دارِ آخرت (کی راحتیں) اللہ کے ہاں مخصوص ہیں تمام لوگوں کو چھوڑ کر

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ

تو بھلا آرزو تو کرو موت کی اگر تم سچ کہتے ہو ۱۰۹ اور وُہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنّا نہ کریں گے اپنی کارستانیوں

اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ

کے خوف سے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو اور آپ یقیناً پائیں گے انھیں سب لوگوں سے زیادہ ہوس

عَلٰي حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ

رکھنے والے زندگی کی حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی (زیادہ جینے پر حریص ہیں) چاہتا ہے ہر ایک ان میں سے کہ زندہ رہنے دیا جائے ہزار

سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ

سال اور نہیں بچا سکتا اس کو عذاب سے (اتنی مدّت) جیتے رہنا اور اللہ ہر وقت دیکھ رہا

معانقہ م

۱۰۸ اگر ایسے قبیح جرائم اور ہر حکم الٰہی سے کھلی بغاوت کے باوجود تمہیں ایمان کا دعویٰ ہے تو عجیب ہے تمہارا یہ ایمان جو تمہیں برائی پر اُکساتا ہے اور نیکیوں سے باز رکھتا ہے۔ یہ ہے قرآنِ کریم کا دل ہِلا دینے والا اندازِ بیان! دعوتِ حق کا حق ادا کر دیا۔ لیکن جن کے دل مُردہ ہو چکے تھے وہ اِس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

۱۰۹ جس چیز نے انہیں اِنکارِ حق پر محکم کر دیا تھا وُہ اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کی نجات یقینی ہے اور جنّت کو صرف انہیں کی خاطر دلہن کی طرح سجایا جا رہا ہے۔ قرآن حکیم ان کے اس حجاب کو بھی تار تار کرتا ہے۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو ذرا اپنے مرنے کی دعا تو کرو تا کہ اس دارالمحن سے نکل کر جنت کی ابدی نعمتوں سے شاد کام ہو۔ اللہ تعالیٰ پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ وہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کریں گے اور واقعی وہ ایسا نہ کر سکے۔ ان کے لیے کتنا آسان تھا کہ مرنے کی آرزو کر کے قرآن کے اس اعلان کو جھٹلا دیتے لیکن وہ دل کی گہرائیوں میں خوب جانتے تھے کہ یہ کھیل نہیں۔ اگر انہوں نے تمنا کی تو ان کی زندگی کا چراغ اسی لمحہ بجھا دیا جائے

بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى ع ۱۱

ہے جو کچھ وُہ کرتے ہیں آپ فرمائیے جو دُشمن ہو جبریلؑ کا (اسے معلوم ہونا چاہیئے) کہ اس نے اُتارا قرآن

قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى

آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ۱۱۰ (یہ) تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اُتریں ۱۱۱ اور سراپا ہدایت اور خوشخبری

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ

ہے ایمان والوں کے لیے جو کوئی دُشمن ہو اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُس کے رسُولوں اور جبریلؑ

وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ

و میکائیلؑ کا تو اللہ بھی دشمن ہے (ان) کافروں کا اور یقیناً ہم نے اُتارے ہیں آپ پر روشن

بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا

نشان اور کوئی بھی اِنکار نہیں کرسکتا ان کا بجز نافرمانوں کے کیا (یُوں نہیں) کہ جب کبھی اُنھوں نے وعدہ کیا

نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ

تو پھر توڑ پھینکا اُسے انھیں میں سے ایک گروہ نے بلکہ ان کی اکثریّت تو (سرے سے) ایمان ہی نہیں لائی اور جب آیا ان کے پاس

گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ اگر یہود اُس وقت مرنے کی تمنّا کرتے تو ایک بھی زندہ نہ بچتا۔ (1)

۱۱۰ یہود کے ایک عالم عبداللہ بن صوریا نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا فرشتہ وحی لے کر آپ کے پاس آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جبرئیل امین علیہ السلام۔ ابن صوریا کہنے لگا کہ وہ تو ہمارا پرانا دشمن ہے ہمیشہ غضب وعذاب ہی لے کر ہم پر اُترتا رہا (2)۔ ہم اس کی لائی ہوئی وحی پر ایمان لانے سے معذور ہیں۔ اس آیت میں اس کا ردّ فرمایا جارہا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کرتا۔ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل پر مقرر ہے۔ اگر جبرئیل علیہ السلام سے تمہیں دشمنی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہارا دشمن ہے۔

۱۱۱ اِن الفاظ سے تنبیہ فرمادی کہ یہ عجیب لوگ ہیں، جو وحی لے کر اب جبرئیل علیہ السلام اتر رہا ہے اس سے تو تورات اور جملہ انبیاء بنی اسرائیل کی تصدیق ہورہی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دوڑ کر اس پر ایمان لاتے لیکن یہ اُلٹی کھوپڑی والے اپنے دوست اور

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 128 (ماخوذ) 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 103

رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ

رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ

جماعت نے اہلِ کتاب سے ۱۱۲ اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے جیسے وُہ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

کچھ جانتے ہی نہیں اور پیروی کرنے لگے اس کی جو پڑھا کرتے تھے شیطان ۱۱۳ سلیمانؑ کے عہدِ حکومت میں ۱۱۴

دشمن کو بھی نہیں پہچانتے۔

۱۱۲ جب سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَوصاف وکمالات جو تورات اور زبور میں موجود تھے انہوں نے اپنی آنکھوں سے ذات پاک مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں مشاہدہ کر لیے تو بجائے اس کے کہ ایمان لاتے ان ظالموں نے اپنی مقدّس کتابوں کی ان تصریحات کو ہی پس پُشت ڈال دیا۔ اور ان کو بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ جس قوم کی ہٹ دھرمی کا یہ حال ہو اس سے بھلا ہدایت کی کوئی توقع کی جا سکتی ہے؟

۱۱۳ اس طویل آیت میں یہود کی تاریخ کا ایک تاریک صفحہ پیش کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قومیں اپنے عروج کے زمانہ میں ہمت، محنت اور جانفشانی سے اپنے لیے بلند مقام پیدا کرتی ہیں۔ اور انحطاط کے دور میں بھی اپنے اسلاف کے حاصل کردہ بلند مقامات سے چمٹے رہنے کی آرزو تو ان کے دلوں میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے لیکن ان کی پست ہمتیں اور شکستہ حوصلے کسی ایثار و قربانی کے لیے انہیں آمادہ نہیں کر سکتے۔ اس وقت وہ جادو اور منتر کا سہارا لینے لگتی ہیں تاکہ اپنے بزرگوں کی عظمت کا تاج بھی ان کے زیب سر رہے اور انہیں کرنا بھی کچھ نہ پڑے۔ یہود کا بھی دورِ اِنحطاط شروع ہوا تو سچی عزت اور عظمت کی بلندیوں تک لے جانے والا سیدھا راستہ جس کی نشان دہی تورات نے کی اس پر چلنا تو ان کے لیے دشوار ہو گیا اور اپنے جھوٹے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے انہوں نے جادو وغیرہ کا سہارا لینا شروع کر دیا۔ اس آیت میں ان کی اسی بے راہروی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ تَتْلُوا اگر تِلَاوَۃٌ سے مشتق ہے تو اس کا معنی پڑھنا ہے۔ اگر تُلُوٌّ سے ماخوذ ہے تو اس کا معنی پیروی کرنا ہے۔ اس کا ایک معنی بہتان باندھنا بھی ہے (1)۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ یہود پیروی کرنے لگے اس چیز (سحر) کی جس کا شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام پر بہتان باندھا کرتے تھے۔

۱۱۴ عَلٰی بمعنی فِیْ ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں (2) اور عَلٰی اور فِیْ ایک دوسرے کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

1۔ مفرداتِ راغب، ص 68-167 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 1، جز 2، ص 42 (ماخوذ)۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 105 (ماخوذ)

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ

حالانکہ سلیمانؑ نے کوئی کفر نہیں کیا ۱۱۵ بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا سکھایا کرتے تھے ۱۱۶ لوگوں کو

۱۱۵ بہتر ہے کہ آیت کی مزید تشریح سے پہلے سحر کی حقیقت بیان کر دی جائے۔ صاحبِ تاج العروس لکھتے ہیں: وَاَصْلُ السِّحْرِ صَرْفُ الشَّیْءِ عَنْ حَقِیْقَتِهٖ اِلٰی غَیْرِهٖ فَکَاَنَّ السَّاحِرَ لَمَّا اَرَی الْبَاطِلَ فِیْ صُوْرَةِ الْحَقِّ وَخُیِّلَ الشَّیْءُ عَلٰی غَیْرِ حَقِیْقَتِهٖ فَقَدْ سَحَرَ الشَّیْءَ عَنْ وَّجْهِهٖ اَیْ صَرَفَهٗ (تاج)(1)

سحر کا اصلی معنی ہے کسی چیز کی حقیقت کو بدل دینا گویا جب ساحر جھوٹ کو سچ کر کے دکھاتا ہے یا چیز اپنی حقیقت کے خلاف نظر آنے لگتی ہے تو گویا اس نے اس شے کی حقیقت کو بدل دیا۔ یہ تو ہے سحر کی لغوی تحقیق۔ اب اس کے اصطلاحی معنی پر غور فرمایئے۔ ایسے الفاظ اور اعمال کے جاننے اور کرنے کو سحر کہا جاتا ہے جن سے انسان کو شیاطین کا تقرب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس کے فرمانبردار بن جاتے ہیں۔ اور ان اعمال والفاظ کے اثر سے کانوں اور آنکھوں پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس سے آواز ہوتی کچھ ہے اور سنائی کچھ دیتی ہے۔ اور چیزیں اپنی حقیقت کے خلاف دکھائی دینے لگتی ہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ چیزیں اپنی حقیقت کے خلاف صرف دکھائی ہی نہیں دیتیں بلکہ ان کی حقیقت بھی بدل جاتی ہے۔ واللہ اعلم

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ساحر کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ وَالْمَشْهُوْرُ عَنْهُ اَنَّ السَّاحِرَ یُقْتَلُ مُطْلَقًا ..... وَلَا یُقْبَلُ قَوْلُهٗ اَتُوْبُ عَنْهُ (روح المعانی)(2)

۱۱۶ یہود و نصاریٰ ایک طرف تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی رسالت کو تسلیم کرتے اور بحر و بر پر ان کی فرمانروائی کا ذکر بڑے فخر سے کرتے اور دوسری طرف یہ بھی کہتے کہ آخری عمر میں سلیمان علیہ السلام نے توحید کو چھوڑ دیا اور اپنی مشرک بیویوں کے باطل خداؤں کی پرستش کرنے لگا۔ چنانچہ بائیبل میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ''اور سلیمان علیہ السلام بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے ..... محبت کرنے لگا ..... سلیمان علیہ السلام ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا ..... اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا کیونکہ جب سلیمان علیہ السلام بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا ..... اور سلیمان علیہ السلام نے خداوند کے آگے بدی کی ..... اور خداوند سلیمان علیہ السلام سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا'' (باب 11 آیات 1 تا 9 سلاطین)(3) نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ سلیمان علیہ السلام پر انہوں نے شرک صریح کا یہ الزام لگایا اور دنیا آپ کو یونہی سمجھتی رہی۔ یہاں تک کہ اللہ کا حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سارے انبیاء و رسل کی عزت و ناموس کا نگہبان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لایا اور اپنے رب کا یہ فرمان دنیا کو سنایا وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ۔ یعنی سلیمان علیہ السلام تو جلیل القدر پیغمبر تھا اسے کفر و شرک سے کیا واسطہ! پنبہ در گوش یہود و نصاریٰ نے از راہ تعصب اُس وقت بھی حقیقت کو تسلیم نہ کیا لیکن ساڑھے تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد انہیں آخر کار وہی تسلیم کرنا پڑا جو خدائے

1۔ تاج العروس، ج3، ص258، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، مصر
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج1، ص339
3۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ) 1۔ سلاطین، باب: 11۔ آیت: 1 تا 9، ص: 340

السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ

جادُو نیز وُہ بھی جو اُتارا گیا دو فرشتوں پر (شہر) بابل میں (جن کے نام) ہارُوت اَور مارُوت تھے ۱۱۷ھ

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ

اَور (کچھ) نہ سِکھاتے تھے وُہ دونوں کسی کو جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نِری آزمائش ہیں (ان پر عمل کرکے) کُفر مت کرنا

برحق نے اپنے نبی برحق کی زبانِ حقیقت ترجمان سے کہلوایا تھا۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد 2، صفحہ 952 پر محققین کے قلم کو یہاں لکھنا پڑا۔ ''سلیمان علیہ السلام خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے''۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مسیحی دنیا کے فضلاء نے انسائیکلو پیڈیا ببلیکا میں انجیل کی ان آیات کے متعلق صراحۃً لکھ دیا کہ یہ غلط ہیں اور بعد میں لوگوں نے ملائی ہیں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام تہمت شرک سے مبرا تھے۔ کالم (4689)(1) اللہ تعالیٰ نے قرآن اور حامل قرآن کی اس صفت کا بار بار اعلان فرمایا ہے کہ وہ پہلے انبیاء ورسل اور آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے کے لیے آیا ہے اور ان تہمتوں اور بہتانوں سے ان کی براءت کرنے کے لیے آیا ہے جو صرف غیروں نے ہی نہیں بلکہ ان کے اپنے ماننے والوں نے ان پر چسپاں کر رکھی تھیں۔ سُبْحَانَ مَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

۱۱۷ھ اس آیت میں دو احتمال ہیں۔ پہلا یہ کہ ''مَا'' نافیہ ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہود کا یہ کہنا کہ جادو بھی آسمان سے فرشتوں پر نازل ہوا اور فرشتوں نے ہی ہمیں یہ سکھایا، اس لیے یہ بھی صحائف آسمانی کی طرح آسمانی چیز ہے اور مقدس ہے۔ یہود کا یہ کہنا سراسر باطل ہے وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ فرشتوں پر ہرگز کوئی جادو نازل نہیں کیا گیا۔ ہاروت اور ماروت بدل بعض ہوگا شیاطین سے۔ یعنی شیاطین جن کے دو سرکردوں کے نام ہاروت اور ماروت ہیں وہ جادو سکھایا کرتے تھے (2)۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے: هٰذَا اَوْلٰى مَا حُمِلَتْ عَلَيْهِ الْاٰيَةُ مِنَ التَّاْوِيْلِ وَ اَصَحُّ مَا قِيْلَ فِيْهَا وَلَا يُلْتَفَتُ اِلٰى سِوَاهُ (3)۔ یعنی آیت کی یہی تاویل کرنا چاہیے۔ یہی سب سے زیادہ صحیح قول ہے۔ اور اس کے علاوہ کسی قول کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے۔ واقعی اس تاویل سے کئی شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ مَآ اُنْزِلَ میں مَا موصولہ ہے اور اس کا عطف اتَّبَعُوْا کے تحت ہے۔ یعنی یہودی فلسطین میں مروّج جادو پر بھی عمل پیرا تھے اور جب بخت نصر بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے بعد بنی اسرائیل کو جنگی قیدی بنا کر بابل میں لے گیا تو بجائے اس کے کہ اس کفر والحاد کی دنیا میں وہ توحید کی تبلیغ کرتے اُلٹا وہاں کے لوگوں سے بھی انہوں نے جادو سیکھا اور اس پر عمل پیرا بھی ہوئے۔ اب یہاں یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ ہاروت وماروت جو معصوم فرشتے تھے انہیں کیونکر جادو کی تعلیم دینے کے لیے بابل میں اتارا گیا۔ تو اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس وقت ساری دنیا میں خصوصاً بابل کی مملکت میں جادو کا بہت رواج تھا۔ جادو کے زور سے لوگ طرح طرح کے کرشمے دکھاتے، جس سے سادہ لوح دنگ رہ جاتے۔ ان کے نزدیک جادو اور معجزہ میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا۔ بلکہ وہ جادو کو علم کی ایک مفید ترین شاخ تصور کرنے لگے تھے اور جادوگروں کو مقدس

1۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 40، حاشیہ 354 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 107 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 1، جز 2، ص 50

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ

(اِس کے باوجُود) لوگ سیکھتے رہے ان دونوں سے وُہ منتر ۱۱۸ جس سے جُدائی ڈالتے تھے خاوند اَور اس کی بیوی میں اَور وُہ

بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ

ضرر نہیں پہنچا سکتے اپنے جادُو منتر سے کسی کو بغیر اللہ کے اِرادہ کے ۱۱۹ اَور وُہ سیکھتے ہیں وُہ چیز جو ضرر رساں ہے اُن کے لیے

ماننے لگے تھے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے نازل کیے جو لوگوں کو جادو کی اصلیت سے آگاہ کریں تا کہ وہ آسانی سے جادو کی فریب کاری اور معجزہ کی حقیقت میں تمیز کر سکیں اور اگر انہوں نے جادو سیکھ کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا تو یہ ان کی اپنی غلطی تھی۔فرشتے تو انہیں صاف طور پر بتا دیتے کہ ہمیں تو فقط تمہارے آزمانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔اگر تم نے جادو پر عمل شروع کر دیا تو خوب سن لو کہ ایمان رُخصت ہو جائے گا اور کافر ہو جاؤ گے۔(1)

بعض مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ يُعَلِّمٰنِ کا مقصد یہ نہیں کہ وہ با قاعدہ سحر کے اصول وقواعد کا درس دیا کرتے اور اس کی جزئیات انہیں ازبر کرایا کرتے بلکہ یہاں يُعَلِّمٰنِ بمعنی يُعْلِمَانِ ہے جس کا مصدر اعلام ہے (قرطبی)(2) اس کا مفہوم ہے جتانا، آگاہ کرنا۔یعنی وہ جادو کے مفاسد اور مضرات سے انہیں آگاہ کرتے تا کہ وہ اس سے پرہیز کر سکیں۔

۱۱۸ سحر و جادو کا جو منتر ان میں بہت مقبولیت حاصل کر چکا تھا وہ تھا جس سے میاں بیوی میں ناچاقی پیدا ہو، تا کہ یہ اس پر ڈورے ڈال کر اپنے عشق کے جال میں پھانس لیں۔اس طرح وہ حرام کاری کا بازار گرم رکھتے۔قرآن کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ ان کے کردار کے چہرہ پر جس بدنما داغ کی نشاندہی چودہ صدیاں پہلے قرآن نے کی اس کو آج وہ خود اپنی تحقیق کے آئینہ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔جیوش انسائیکلو پیڈیا کی یہ عبارت پڑھیے۔سحر کی سب سے زیادہ عام متداول صورت اس نقش کی تھی جو عشق ومحبت کے لیے دیا جاتا تھا۔خاص کر وہ نقش جو ناجائز آشنائیوں کے لیے لکھا جاتا تھا۔

(جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد 8، صفحہ 255)(تفسیر ماجدی)(3)

۱۱۹ آیت کے اس حصہ میں بتایا جا رہا ہے کہ سحر اور اس پر مرتّب ہونے والے آثار کا باہمی تعلق ایسا ہی ہے جیسے سبب ومسبّب کا۔اور سبب جب ہی اپنا اثر دکھاتا ہے جب اذن الٰہی ہو۔اور اگر اذن نہ ہو تو سبب معطّل ہو جاتا ہے۔معلوم ہوا کہ سحر ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر بھی غالب ہو۔اور اگر وہ نہ چاہے تب بھی جادو کا اثر ہو کر رہے۔ہر قسم کا اختیار رکھنے والی تو وہ ذات ہے جس کے اِذن واِجازت پر ہر چیز کے وجود وعدم کا دارومدار ہے۔سحر پر بھی اگر آثار مرتب ہوتے ہیں تو خود بخود نہیں بلکہ اِذنِ الٰہی ملنے کے بعد۔اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سحر حرام ہے تو پھر اس پر آثار مرتّب ہونے کا اللہ تعالیٰ اِذن ہی کیوں دیتا ہے؟ اس کے لیے ایک چیز ہمیشہ مدنظر رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیت اور اس کے حکم ورضا میں بڑا فرق

1۔تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 109 (ماخوذ)
2۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 1، جز 2، ص 54 (ماخوذ)
3۔تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 42، حاشیہ 364

وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

اور نہیں نفع پہنچا سکتی انھیں اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس نے اس کا سودا کیا اس کے لیے آخرت میں (رحمتِ الٰہی سے)

خَلَاقٍ ؕ قف وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

کوئی حصّہ نہیں اور بہت بُری ہے وہ چیز بیچا ہے انھوں نے جس کے عوض اپنی جانوں (کی فلاح) کو کاش! وہ کچھ جانتے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو (اس کا) ثواب اللہ کے ہاں بہت اچھا ہوتا کاش! وہ کچھ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا ۱۲ ع ۱۲

جانتے اے ایمان والو! (میرے حبیبؐ سے کلام کرتے وقت) مت کہا کرو "راعِنا" ۱۲۰ھ بلکہ کہو "انظرنا"

ہے۔ وہ کسی بری چیز کا حکم نہیں دیتا اور نہ اس کے کرنے سے خوش ہوتا ہے۔ ہاں تکوینی مصلحتوں کے باعث ان اشیاء سے اس کی مشیت متعلق ہوتی رہتی ہے۔ اس نے یہ حکم نہیں دیا کہ کسی سوئے ہوئے بے گناہ کا سر قلم کر دو۔ لیکن اس کے اذن کے بغیر نہ سر کٹتا ہے نہ موت آتی ہے۔ اسی طرح مقرّبین بارگاہِ الٰہی کو اذیت دینا اور انہیں قتل کرنا اسی کی مشیت سے وقوع پذیر ہوتا ہے لیکن اس نے نہ اس کا حکم دیا ہے نہ وہ ایسے جرائم سے خوش ہوتا ہے اس اذن و مشیت میں وہ مصلحتیں اور اَسرار ہوتے ہیں جن کو بیان کرنے سے زبانِ قلم عاجز ہوتی ہے۔ اس سرنہاں کے رخ سے ذرا سا پردہ حضرت خضر علیہ السلام نے سرکایا تھا تو حضرت کلیم علیہ السلام تاب نہ لا سکے۔ ما و شما کس شمار میں ہیں۔

باقی رہی وہ روایت کہ زہرہ نامی بدکارہ نے ان دونوں فرشتوں ہاروت و ماروت کو اپنے دامِ عشق میں گرفتار کر لیا اور اس کے کہنے پر دونوں نے شراب پی اور بدکاری کی اور اب وہ بابل کے کسی کنوئیں میں اوندھے لٹکے ہوئے ہیں۔ یہ روایت علماء محققین کے نزدیک مردود اور غیر مقبول ہے (رازی) (1) اور صاحب روح البیان بصد حسرت لکھتے ہیں کہ کاش! ایسی بیہودہ روایات سے اہل اسلام کی تصنیفات پاک ہوتیں۔ (2)

۱۲۰ھ رَاعِنَا، ذو معنی لفظ ہے۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہماری رعایت فرمایئے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جب حاضر ہوتے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی ارشاد گرامی کو اچھی طرح سمجھ نہ سکتے تو عرض کرتے: رَاعِنَا، اے حبیب الٰہ! ہم پوری طرح سمجھ نہیں سکے۔ ہماری رعایت فرماتے ہوئے دوبارہ سمجھا دیجئے۔ لیکن یہود کی عبرانی زبان میں یہی لفظ ایسے معنی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص238 (ماخوذ) 2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج1، ص191 (ماخوذ)

وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اَور (ان کی بات پہلے ہی) غور سے سُنا کرو ۱۲۱ اَور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے، نہیں پسند کرتے وُہ لوگ جو کافر ہیں

اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ

اہلِ کتاب سے اَور نہ مشرک کہ اُتاری جائے تم پر کچھ بھلائی تمہارے

رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

رب کی طرف سے ۱۲۲ اَور اللہ خاص فرمالیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اَور اللہ تعالیٰ بہت بڑا فضل

الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ

(فرمانے) والا ہے جو آیت ہم منسوخ کردیتے ہیں یا فراموش کرادیتے ہیں تو لاتے ہیں (دُوسری) بہتر اس سے یا

میں مستعمل ہوتا جس میں گستاخی اور بے ادبی پائی جاتی (1)۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی عزت و تعظیم کا یہاں تک پاس ہے کہ ایسے لفظ کا استعمال بھی ممنوع فرمادیا جس میں گستاخی کا شائبہ تک بھی ہو۔ چنانچہ علماء کرام نے تصریح کی ہے فِيْهَا دَلِيْلٌ عَلٰى تَجَنُّبِ الْاَلْفَاظِ الْمُحْتَمِلَةِ الَّتِيْ فِيْهَا التَّعْرِيْضُ لِلتَّنْقِيْصِ وَالْغَضِّ (قرطبی) (2) یعنی اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر ایسے لفظ کا استعمال بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ممنوع ہے جس میں تنقیص اور بے ادبی کا احتمال تک ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ نے تو ایسے شخص کو حدّ قذف لگانے کا حکم دیا ہے۔ (3)

۱۲۱ رَاعِنَا کی جگہ اُنْظُرْنَا (یعنی ہماری طرف نگاہِ لطف فرمایئے) کہا کرو۔ کیونکہ یہ لفظ ہر طرح کے احتمالاتِ فاسدہ سے پاک ہے۔ وَاسْمَعُوْا کا حکم دے کر یہ تنبیہ فرمادی کہ جب میرا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں کچھ سنا رہا ہو تو ہمہ تن گوش ہو کر سنو۔ تاکہ اُنْظُرْنَا کہنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ کیونکہ یہ بھی تو شانِ نبوت کے مناسب نہیں کہ ایک ایک بات تم بار بار پوچھتے رہو۔ یہ کمالِ ادب اور انتہائے تعظیم ہے جس کی تعلیم عرش و فرش کے مالک نے غلامانِ مصطفیٰ علیہ السلام کو دی۔ اب جو لوگ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صرف بڑے بھائی کی سی حیثیت دیتے ہیں یا اپنے جیسا بشر ثابت کرنے میں اپنی ساری قابلیتیں صرف کردیتے ہیں وہ اپنے انجام پر خود ہی غور کرلیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا (4)

۱۲۲ یہود کو یہ رنج تھا کہ نبوت جو ان کی وراثت تھی بنی اسمٰعیل کو کیوں ملی اور مشرکین کو یہ صدمہ تھا کہ نبی کا انتخاب مکہ و طائف کے رئیسوں میں سے کیوں نہیں کیا گیا۔ عبدالمطلب کے یتیم پوتے کا انتخاب ان کی ظاہر بین نگاہوں میں ہرگز موزوں نہ تھا۔ اللہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 1، جز 2، ص 57 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

4۔ کلیات اقبال فارسی، ارمغان حجاز، ص 21، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ

(کم از کم) اس جیسی ۱۲۳ کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالٰی سب کچھ کر سکتا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ

اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور تمہارا اللہ کے سوا

مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ

کوئی یار و مددگار نہیں کیا تم (یہ) چاہتے ہو کہ پوچھو اپنے رسولؐ سے

كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ

(ایسے سوال) جیسے پوچھے گئے موسیٰؑ سے اس سے پہلے ۱۲۴ اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے

تعالٰی فرماتے ہیں کہ یہ میرا اپنا فضل وکرم ہے جس کو چاہوں سرفراز کروں۔ تمہارے مشورہ کی یہاں ضرورت ہے، نہ گنجائش۔

۱۲۳ یہود سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کے لیے طرح طرح کے شبہات پیش کرتے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ قرآن آج ایک حکم دیتا ہے کل اسے بدل دیا جاتا ہے اور ایک دوسرے حکم پر عمل کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ ایسا کرنا اللہ تعالٰی کے شایان شان نہیں۔ اس لیے قرآن خدا کی کتاب ہی نہیں۔ اس شبہ کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ نسخ اصول فقہ کی خاص اصطلاح ہے جس کا معنی ہے ''بَیَانٌ مَّحْضٌ لِانْتِهَاءِ الْحُكْمِ الْاَوَّلِ'' (1) یعنی اللہ تعالٰی نے جو حکم پہلے نازل فرمایا تھا وہ ہمیشہ کے لیے نہیں تھا بلکہ ایک خاص وقت کے لیے تھا۔ جب اس کا وقت ختم ہو گیا تو دوسرا حکم نافذ کر کے پہلے حکم کی مقررہ میعاد کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں بلکہ یہ عین حکمت ہے کیونکہ عرب جیسی آوارہ منش قوم کو قانون و آئین کا پابند کرنے کے لیے جن تدریجی اقدامات کی ضرورت تھی وہ پوشیدہ نہیں اس لیے اگر چند ابتدائی احکام جو محض وقتی مصلحت کے لیے نافذ کیے گئے تھے بعد میں منسوخ کر دیئے گئے۔ اور ان کی جگہ دوسرے احکام جو اَب اُن کی تربیت یافتہ ذہنیت کے مطابق ہیں نافذ کر دیئے گئے تو یہ بالکل درست ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اسی بات کی طرف واضح اشارہ ہے۔ آخر میں سب معترضین کا منہ بند کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا کہ میں قادر مطلق ہوں جو چاہوں کروں۔ تمہیں اعتراض کا کیا حق ہے؟ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی تالیف سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نسخ کی بحث)

۱۲۴ یہود مسلمانوں کو طرح طرح کے سوالات کرنے پر اکساتے۔ اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔ کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہودیوں کی طرح قیل وقال نہ کیا کرو۔ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ جن امور کے کرنے کا حکم دیا جائے

1۔ کتاب التحقیق بحوالہ سنت خیر الانام، ص 222، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ

وُہ (قسمت کا مارا) تو بھٹک گیا سیدھے راستہ سے دِل سے چاہتے ہیں بہت سے اہلِ کتاب کہ کسی طرح پھر بنا دیں تمھیں

مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ

اِیمان لانے کے بعد کافر ۱۲۵ (ان کی یہ آرزُو) بوجہ اس حسد کے ہے جو اُن کے دِلوں میں ہے

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ

(یہ سب کچھ) اس کے بعد جبکہ خُوب واضح ہو چکا ہے اُن پر حق پس (اے غلامانِ مصطفٰے) مُعاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو

بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ

یہاں تک کہ بھیج دے اللہ (اُن کے بارے میں) اپنا حکم۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور صحیح ادا کرو نماز اور

اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ

دیا کرو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے لیے نیکیوں سے ضرور پاؤ گے اس کا ثمر اللہ کے

اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ

ہاں ۱۲۶ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو خُوب دیکھ رہا ہے اور اُنھوں نے کہا نہیں داخل ہوگا جنّت میں (کوئی بھی)

ان کو کرو۔ جن سے منع کیا جائے ان سے باز رہو۔ اور جن امور کے متعلق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا ہے انہیں مت چھیڑو۔ اسی میں تمہاری سلامتی ہے۔

۱۲۵ یہود ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث خود بھی دولت اِیمان سے محروم رہے۔ اب حسد کے مارے چاہتے ہیں کہ کوئی اور بھی دولت ایمان سے مالا مال نہ ہو۔ ہر وقت مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ تم ان کی فتنہ انگیزیوں اور شرارتوں سے درگزر کرتے رہو۔ بات بات پر ان سے الجھنے کی ضرورت نہیں جب مناسب ہوگا ان کا قلع قمع کرنے کا تمہیں حکم دے دیا جائے گا۔

۱۲۶ چھوٹی یا بڑی جو نیکی کرو گے وہ بُھلا نہیں دی جائے گی بلکہ اس کا پورا پورا ثواب تمہیں عطا کیا جائے گا۔

اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

بغیر ان کے جو یہودی ہیں یا عیسائی یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں آپ (انھیں) فرمایئے لاؤ اپنی کوئی دلیل

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾ بَلٰى ۧ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ

اگر تم سچے ہو ہاں جس نے بھی جھکا دیا اپنے آپ کو اللہ کے لیے اور وہ

مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

مخلص بھی ہو تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اپنے رب کے پاس ۱۲۷ نہ کوئی خوف ہے انھیں اور نہ ہی وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۖ وَّ ع ١٣ ٩ ١٣

غمگین ہوں گے اور کہتے ہیں یہودی کہ نہیں ہیں عیسائی سیدھی راہ پر اور

قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ

کہتے ہیں عیسائی نہیں ہیں یہودی سیدھی راہ پر ۱۲۸ حالانکہ وہ سب پڑھتے ہیں

الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ

(آسمانی) کتاب اسی طرح کہی ان لوگوں نے جو کچھ نہیں جانتے ان کی سی بات ۱۲۹ تو (اب)

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَ

اللہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ جھگڑتے رہتے تھے اور

۱۲۷ یہ سب دعوے باطل ہیں۔ نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ایمان اور عمل صالح۔ جس نے اپنی ذات، اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے جھکا دیا وہی بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہوگا۔ رومی وزنگی، عربی وعجمی کی کوئی قید نہیں۔

۱۲۸ نجران کے عیسائی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو ان کی آمد کی خبر سن کر علماء یہود بھی وہاں پہنچ گئے۔ فریقین میں گفتگو شروع ہوگئی۔ اثناء کلام میں یہود نے کہہ دیا کہ نصاریٰ کا مذہب بالکل باطل ہے اور نصاریٰ نے بھی جواباً کہہ دیا کہ یہود کا حق وصداقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی غلطی کا اظہار فرماتے ہیں کہ جب تورات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور ان کی

مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے ۱۲۹ کہ ذِکر کیا جائے ان میں اس کے نام (پاک) کا

وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ

اور کوشاں ہو ان کی ویرانی میں اُنھیں مناسب نہیں تھا کہ داخل ہوتے مسجدوں میں

اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

مگر ڈرتے ڈرتے ان کے لیے دُنیا میں (بھی بڑی) ذلّت ہے ۱۳۱ اور ان کے لیے آخرت میں (بھی) بڑا

عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ

عذاب ہے اور مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی ۱۳۲ سو جدھر بھی تم رُخ کرو وہیں ذاتِ

رسالت کا ذکر موجود ہے تو تورات پر ایمان کا دعویٰ کرنے والے یہود کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کریں اور انجیل میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی اَن گنت شہادتیں موجود ہیں تو اب نصاریٰ کس منہ سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ غرضیکہ راستی کا دامن دونوں کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ دونوں اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔

۱۲۹ بتوں کے پجاری، آگ اور ستاروں کے پرستار بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ وہ بھی اپنے سوا سب کو گم کردہ راہ یقین کرتے ہیں۔

۱۳۰ یعنی صرف زبانی دعوؤں کو رہنے دو۔ اپنے عمل کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھو حقیقت نمایاں ہو جائے گی۔ روم کے عیسائیوں نے اپنے بادشاہ طیطس (Titus) کے ساتھ یہودیوں سے انتقام لینے کے لیے فلسطین پر لشکر کشی کی۔ اور بیت المقدس کو ویران و برباد کر دیا۔ اور اس کی پُرشکوہ عمارت کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیا(2)۔ بھلا جس کا عمل یہ ہو کیا اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حق کا علَم بردار کہے۔ کفّار مکّہ نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے مدتوں روکے رکھا۔ کیا ان مشرکین کو زیب دیتا ہے کہ ہدایت پر ہونے کا دعویٰ کریں۔ مقصد یہ ہوا کہ وہ دعویٰ جس کے ثبوت کے لیے عمل صالح کی گواہی نہ ہو وہ توجہ کے قابل نہیں۔ یہ حکم عام ہے۔ جو ایسا کرے وہ سب سے زیادہ ظالم ہے۔ کسی زمانہ یا کسی قوم کے ساتھ اس کی تخصیص کی ضرورت نہیں۔

۱۳۱ دنیا میں ان کی ذلّت و رسوائی تو چند سالوں میں ظاہر ہو گئی۔ کفّار مکّہ کا اِقتدار ختم ہو گیا۔ یہود جلاوطن کر دیئے گئے اور عیسائی مملکتوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اور آخرت کا عذاب بھی عنقریب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

۱۳۲ منتشر افراد تب قوم بنتے ہیں جب ان میں یک جہتی ہو۔ اور یک جہتی تب پیدا ہوتی ہے جب ان کا کوئی مخصوص مرکز ہو۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 363

اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ

خداوندی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ فراخ رحمت و الا خوب جاننے والا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ نے (اپنا) ایک بیٹا پاک ہے وہ (اس تہمت سے) ۱۳۳؎

بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ

بلکہ اُسی کی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب اُسی کے فرمانبردار ہیں موجد ہے ۱۳۴؎

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

آسمانوں اور زمین کا اور جب ارادہ فرماتا ہے کسی کام کا تو صرف اتنا حکم دیتا ہے اُسے کہ ہو جا تو وہ

فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ

ہو جاتا ہے اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کہ کیوں نہیں کلام کرتا ہمارے ساتھ (خود) اللہ یا کیوں نہیں آتی

اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر اُمّت کے لیے ایک خاص قبلہ مقرر فرما دیا۔ رفتہ رفتہ قوموں میں یہ خیال جڑ پکڑتا گیا کہ یہ سمت کسی اپنی ذاتی خصوصیت اور خوبی کے باعث قبلہ بنائی گئی۔ اس آیت میں ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہے کہ جہتیں اور سمتیں سب اللہ کی ہیں مشرق ہو یا مغرب۔ جنوب ہو یا شمال سب اس کی پیدا کی ہوئی اور اسی کے زیر نگیں ہیں۔ اگر کوئی جہت قبلہ بنائی جاتی ہے تو کسی ذاتی خصوصیت کی بناء پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبلہ بنائی جاتی ہے۔ پورب پچھّم سے تمہیں کیا سروکار! تم اس کے حکم کے بندے ہو۔ نیز اگر مشرک قومیں سورج کی پرستش کرتی تھیں اور مشرق اس کے طلوع کی سمت ہے اس لیے خصوصی طور پر اس کے تقدس کی قائل تھیں اور بعض فرقے مغرب کو مقدس مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جہت پرستی کے اس صنم کو بھی پاش پاش کر دیا اور فرمایا یہ جہت از خود کچھ بھی نہیں۔ ان کی حقیقت بس اتنی کچھ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا اور اسی کا حکم ان میں جاری ساری ہے۔

۱۳۳؎ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو، عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں یقین کرتے (1) (نعوذ باللہ) اس آیت میں اِن عقائد فاسدہ کی تردید ہے۔ زمین کی وسعتوں اور آسمان کی پہنائیوں میں جو چیز ہے نوری ہو یا ناری، خاکی ہو یا افلاکی، بے جان ہو یا جاندار، حقیر ہو یا عزیز، سب پر اس کی مملوک ہونے کی مہر لگی ہے۔ اور ہر چیز بلا استثناء اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہے۔

۱۳۴؎ نیست سے ہست کرنے، عدم محض سے موجود کرنے کو عربی میں ابداع کہتے ہیں (2)۔ یعنی نہ پہلے اس کا کوئی مادہ ہو نہ نمونہ اور نہ بنانے کے آلات موجود ہوں۔ اس ایک لفظ سے رد ہو گیا ان لوگوں کا (مثلاً آریہ سماجی وغیرہ) جو کہتے ہیں کہ روح بھی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 67-366 (ماخوذ) 2۔ مفرداتِ راغب، ص: 11-110

اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ

ہمارے پاس کوئی نشانی۔ اسی طرح کہی تھی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے (گزرے) تھے ان کی سی (بے سروپا) بات ۱۳۵ ملتے جلتے ہیں

قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ

ان سب کے دل۔ بے شک ہم نے صاف صاف بیان کر دی ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لیے جو یقین رکھتے ہیں ۱۳۶ بے شک ہم نے بھیجا ہے ۱۳۷

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ

آپ کو (اے حبیبؐ) حق کے ساتھ (رحمت کی) خوشخبری دینے والا (عذاب سے) ڈرانے والا اور آپ سے باز پرس نہیں ہوگی ان دوزخیوں کے متعلق اور ہرگز خوش

تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ

نہیں ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی ۱۳۸ یہاں تک کہ آپ پیروی کرنے لگیں ان کے دین کی آپ (انہیں)

اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ

کہہ دیجئے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور اگر (بفرضِ محال) آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس علم کے بعد بھی

ہمیشہ سے موجود ہے اور مادہ بھی۔ اللہ تعالیٰ نے زیادہ سے زیادہ صرف یہ کیا کہ ایک ماہر کاریگر کی طرح مادے کے مختلف اجزاء کو ایک خاص تناسب سے باہم ملا دیا اور رنگا رنگ چیزیں نمودار ہو گئیں۔ قرآن اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف صانع ہی نہیں بلکہ بدیع ہے۔ اُس نے آسمان اور زمین کو محض اپنے ارادہ سے بغیر کسی سابق مادہ کے پیدا فرمایا۔

۱۳۵ یہاں سے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلجوئی مقصود ہے کہ اگر یہ کافر روشن معجزات اور واضح دلائل کے باوجود آپ پر ایمان نہیں لاتے تو یہ کوئی نئی بات نہیں جس سے آپ دلگیر ہوں بلکہ یہ تو ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔

۱۳۶ اس آیت کے پہلے حصہ میں ان نادانوں کے دو مطالبوں کا ذکر ہے۔ ایک یہ کہ خدا خود ان سے کلام کرے یا انہیں کوئی ایسی نشانی دکھائے جس کے بعد شک کی گنجائش نہ رہے۔ پہلی بات تو توجہ کے لائق ہی نہیں اس لیے اس کا جواب تک نہ دیا۔ دوسری بات کے متعلق فرمایا کہ تم تو صرف ایک نشانی کا مطالبہ کر رہے ہو اور ہم نے تمہیں بے شمار فیصلہ کن نشانات دکھائے ہیں اور پھر بھی تم باطل پر اڑے ہوئے ہو۔ ان کھلی نشانیوں کے بعد تمہیں اور کس نشان کا انتظار ہے جسے دیکھنے کے بعد تم ایمان لاؤ گے۔

۱۳۷ ساتھ ہی فرمایا کہ اسلام کی حقّانیت کی سب سے بڑی دلیل خود آپ کی ذات ہے۔ جو آپ کی ہمہ صفت موصوف اور باکمال ہستی کو دیکھ کر ہدایت قبول نہیں کرتے انہیں کوئی اور معجزہ یا دلیل کیونکر راہِ ہدایت دکھا سکتی ہے۔

الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾

جو آپ کے پاس آچکا ہے (تو پھر) نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا کوئی یار اور نہ کوئی مددگار ۱۳۹

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ

جن کو ہم نے کتاب دی وُہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وُہی ایمان لاتے ہیں اس کے

بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ع ۱۴ ۹ ۱۴

ساتھ اَور جو کوئی اِنکار کرتا ہے اس کا تو وُہی نقصان اُٹھانے والے ہیں اَے بنی اِسرائیل!

اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى

یاد کرو میری وُہ نِعمت جو مَیں نے تم پر فرمائی اَور (خصُوصاً یہ کہ) مَیں نے تم کو فضیلت دی (اس زمانہ کے)

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ

سب لوگوں پر ۱۴۰ اَور ڈرو اس ۱۴۱ دِن سے کہ نہ پکڑا جائے گا کوئی آدمی کسی کے عوض اَور نہ قبُول کیا جائے گا

مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰۤى

اس سے مالی تاوان اَور نہ نفع دے گی اسے کوئی سفارش اَور نہ ہی ان کی اِمداد کی جائے گی اَور یاد کرو جب ۱۴۲ آزمایا

۱۳۸ یہ جو معجزات اور آیات دکھانے کی طرح طرح کی فرمائشیں کر رہے ہیں اس سے اُن کا مقصد قبولِ ایمان نہیں۔ یہ تو صرف حجّت بازیاں ہیں۔ وہ تو صرف اِس کو پسند کرتے ہیں کہ آپ اپنا دین چھوڑ کر ان کے باطل کو قبول کرلیں جو ناممکن ہے۔

۱۳۹ یہ خطاب امت محمدیہ کو ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس حق و ہدایت لائے تو تم ہرگز کفّار کی خواہشات کا اِتباع نہ کرنا۔ اگر ایسا کیا تو تمہیں کوئی عذاب الٰہی سے بچانے والا نہیں۔ (خزائن العرفان)(1)

۱۴۰ بنی اسرائیل کی فضیلت کی وجہ پر مفصّل بحث گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ 54 حاشیہ 64

۱۴۱ اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ 55، حاشیہ 65

۱۴۲ یہ آزمائش اس لیے نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حقیقت کا علم نہ تھا۔ وہ تو علیم و خبیر ہے۔ بلکہ اپنے مقبول

1۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 34

اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

ابراہیم کو ۱۴۳ اُس کے رب نے چند باتوں سے تو اُنھیں پورے طور پر بجالایا ۱۴۴ اللہ نے فرمایا بے شک میں بنانے والا ہوں تمھیں تمام انسانوں

قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ

کا پیشوا ۱۴۵ عرض کی میری اولاد سے بھی؟ ۱۴۶ فرمایا نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں تک اور یاد کرو

بندے کے جذبہ صدق واخلاص سے لوگوں کو آگاہ کرنا مطلوب تھا۔ شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ بے خبر لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگیں کہ ان پر جو فضل وکرم ہو رہا ہے یونہی ہو رہا ہے اِس کی کوئی خاص وجہ نہیں۔ بلکہ انہیں علم ہو جائے کہ وہ اس لطف عمیم کے ہر طرح مستحق ہیں۔ نیز اس لیے بھی کہ ہر بُوالہوس اِن مقاماتِ رفیعہ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھے بلکہ اسے معلوم ہو کہ آزمائش وابتلاء کا آتشیں سمندر موجزن ہے اور ان بلندیوں کی طرف جانے والا راستہ اس میں سے ہو کر گزرتا ہے۔

۱۴۳ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ وعلی نبینا افضل الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا اس لیے قرآن حکیم نے پہلی دفعہ ہی کسی تمہید وتعارف کے بغیر ان کا ذکر فرمایا۔ تورات میں آپ کا نام ابرام اور ابراہم دونوں طرح آیا ہے۔ جدید ترین اثری تحقیقات کے مطابق آپ کا سال پیدائش 2160 ق م ہے۔ تورات میں عمر شریف 175 سال درج ہے۔ آپ کا آبائی وطن بابل ہے جسے آج کل عراق کہتے ہیں۔ جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام تورات میں ''اُوْر'' (UR) ہے۔ مدتوں یہ شہر نقشہ سے غائب رہا۔ اب از سر نو نمودار ہو گیا ہے۔ کھدائی کے کام کی داغ بیل 1894ء میں ہی پڑ گئی تھی۔ 1922ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک مشترکہ تحقیقاتی مہم عراق کو روانہ ہوئی اور کھدائی کا کام پورے سات سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا۔ موجودہ محرّف بائیبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے اکتا کر بعض محققین نے انیسویں صدی کے آخر میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ابراہیم نامی کوئی تاریخی شخصیت گزری ہی نہیں۔ بلکہ یہ محض ایک نوعی نام تھا۔ یا ہر قبیلہ کے شیخ کا لقب تھا لیکن اب پھر تحقیق کا رخ بدلا اور بیسویں صدی کے آغاز میں ہی پھر (یورپ) کو آپ کی تاریخی شخصیت کا پوری طرح قائل ہونا پڑا۔ (ماخوذ از تفسیر ماجدی)(1)

۱۴۴ وہ امتحانات جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا گیا تھا کیا تھے؟ ذبح اسمٰعیل، آتش نمرود اور عرب کے بے آب وگیاہ ریگستان میں اپنی زوجہ اور اپنے ننھے بچے کو حکم الٰہی کے مطابق چھوڑ آنا اور ان کے علاوہ تمام احکام شریعت پر کاربند ہونا ہے۔ جس میں ناخنوں کے تراشنے، دانتوں کو مسواک سے صاف کرنے سے لے کر حج وزکوٰۃ کے جملہ مناسک داخل ہیں۔(2)

۱۴۵ اِمام کہتے ہیں جس کی پیروی کی جائے یعنی تمام انبیاء اور ان کی امتیں آپ کی پیروی اور اتباع کریں گی۔ یہاں تک کہ سید انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کو بھی حکم ملا۔ اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا(3)

1۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص48، حاشیہ:443
2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج2، جز4، ص43
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص123

جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ

جب ہم نے بنایا اِس گھر (خانہ کعبہ) کو مرکز ۱۴۷ لوگوں کے لیے اَور امن کی جگہ اَور (اُنھیں حکم دیا کہ) بنالو ابراہیمؑ کے کھڑے

اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا

ہونے کی جگہ کو جائے نماز ۱۴۸ اَور ہم نے تاکید کردی ابراہیمؑ اَور اِسمٰعیلؑ کو کہ خوب صاف ستھرا رکھنا میرا گھر ۱۴۹

بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ

طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اَور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے اَور یاد کرو جب عرض

۱۴۶ اپنی اولاد کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعا کرنا ایک طبعی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں کے لیے نہیں۔ ہاں جو نیک اور اطاعت گزار ہوں گے ان میں سے بعض کو شرفِ نبوت سے سرفراز کیا جائے گا۔ لیکن ظالم اور بدکار اس نعمت کے حق دار نہیں۔ اس آیت سے علماء نے انبیاء کرام کی عصمت پر استدلال کیا ہے۔ نیز صدر مملکت میں جن صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان کے متعلق علماء اسلام نے تصریح کی ہے۔ اِنَّ الْاِمَامَ یَکُوْنُ مِنْ اَھْلِ الْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَالْفَضْلِ مَعَ الْقُوَّۃِ عَلَی الْقِیَامِ بِذٰلِكَ وَھُوَ الَّذِیْ اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَّا یُنَازِعُوْا الْاَمْرَ اَھْلَہٗ وَاَمَّا اَھْلُ الْفُسُوْقِ وَالْجَوْرِ وَالظُّلْمِ فَلَیْسُوْا لَہٗ بِاَھْلٍ (قرطبی) (1) ''یعنی امام وہ ہوتا ہے جس کا دامن کبیرہ گناہوں سے داغ دار نہ ہو۔ احسان و فضل کی صفات سے متصف ہو۔ اس کے ساتھ اس میں حکومت کی ذمہ داریوں کو بجالانے کی قوت بھی ہو۔ ان خوبیوں والے خلیفہ (یا صدر مملکت) کے متعلق ہی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سے مت جھگڑو۔ لیکن جو فاسق و فاجر ہوں وہ خلافت و صدارت کے اہل نہیں''۔

۱۴۷ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہزارہا انقلابوں کے باوجود جس طرح پورا ہو رہا ہے۔ دوست دشمن سب اس کا مشاہدہ کرتے چلے آئے ہیں اور تا قیامت مشاہدہ کرتے چلے جائیں گے۔

۱۴۸ وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر کرتے رہے اس کو مقام ابراہیم کہتے ہیں (2)۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی ہر ادا اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز بڑی پیاری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بے جان حقیر پتھر جسے حضرت خلیل علیہ السلام کے پاؤں سے چھو جانے کا شرف حاصل ہوا وہ قدرت کی نگاہ میں اتنا عزیز اور ذیشان ہے کہ امت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اُسے اپنی جائے نماز بنائیں۔

۱۴۹ اب کعبہ کی آبادی اور رونق افزائی کا اہتمام فرمایا جا رہا ہے۔ حکم ہے اَے ابراہیم، اَے اسماعیل علیہما السلام! ہر آلائش سے ہر آلودگی سے اسے پاک صاف رکھو۔ اس کا فرش غبار سے، اس کی دیواریں بدنما دھبوں سے اور اس کی چھتیں مکڑی کے جالوں سے نہ اٹی رہیں۔ بلکہ اُجلا فرش، شفاف آئینہ دار دیواریں اور پاک و صاف چھتیں ہوں۔ تاکہ عبادت کرنے والوں کو دلجمعی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 1، جز 2، ص 108 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1 ص 379 (ماخوذ)۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 125

اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

کی ابراہیم نے اے میرے ربّ! بنادے اِس شہر کو ۱۵۰؎ امن والا اور روزی دے اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ

(یعنی) جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر۔ اللہ نے فرمایا (ان میں سے) جس نے کفر بھی کیا اسے بھی

قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَ

فائدہ اُٹھانے دوں گا چند روز پھر مجبور کروں گا اسے دوزخ کے عذاب کی طرف اور یہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے اور

اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ

یاد کرو جب اُٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السّلام) بُنیادیں ۱۵۱؎ خانہ کعبہ کی اور اِسمٰعیل (علیہ السّلام) بھی۔ اے ہمارے پروردگار قبول فرما

مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

ہم سے (یہ عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے اے ہمارے ربّ! بنادے ہم کو فرماں بردار اپنا

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ

اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتادے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجّہ

نصیب ہو اور وہ اطمینان سے اپنے رب کی یاد کرتے رہیں۔ جب ظاہری پاکیزگی کا اتنا اہتمام ہو رہا ہے تو کفر و شرک کی غلاظت و عفونت سے اسے پاک رکھنا کتنا اہم ہوگا۔ اسی دلیل سے ہر مسجد کو پاک و صاف رکھنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

۱۵۰؎ حضرت خلیل علیہ السلام نے عرض کی۔ اے رب کریم! اس شہر کو امن کا گہوارہ بنا دے اور اس کے ایماندار شہریوں کو تازہ پھل کھانے کے لیے عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں التجائیں قبول فرمائیں۔ امامت کے سلسلہ میں چونکہ یہ ہدایت کی گئی تھی کہ یہ صرف فرمانبرداروں کا حصہ ہے اس سے سبق لیتے ہوئے حضرت خلیل علیہ السلام نے رزق طیب کا سوال کیا تو صرف اہل ایمان کے لیے۔ لیکن پروردگار عالم نے فرمایا کہ رزق تو مومن اور کافر سب کو دوں گا لیکن کفار چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے کفر و سرکشی کی سزا بھگتنے کے لیے دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے۔

۱۵۱؎ خود کعبہ کی دیواریں چن رہے ہیں۔ بلند اقبال فرزند پتھر اور گارا اٹھا اٹھا کر لا رہا ہے۔ نسیم رحمت کے جھونکوں سے دلوں کے

عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ

فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اے ہمارے ربّ! ۱۵۲؎ بھیج ان میں ایک برگزیدہ

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

رسول انھیں میں سے تاکہ پڑھ کر سُنائے ۱۵۳؎ انھیں تیری آیتیں اور سکھائے انھیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں

غنچے شگفتہ ہو رہے ہیں۔ کیف وسرور کی ایک ناقابل بیان کیفیت طاری ہے۔ اس وقت اللہ کے یہ دونوں مقبول بندے اپنے رب کریم سے مانگ رہے ہیں اور وہ دیئے چلا جا رہا ہے۔ دامن پھیلا ہوا ہے اور دست کرم مصروف جود وعطا ہے۔ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اتنا ہی مانگا کہ لذتِ نیاز اور ملے، لطف عبادت میں اور اضافہ ہو۔ مُسْلِمَيْنِ لَكَ اور اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ کہہ کر گویا سب کچھ ہی تو مانگ لیا۔

۱۵۲؎ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے دعا مانگنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ایک ایسے جلیل القدر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے لیے التجا کی جا رہی ہے جس کا دامنِ رحمت اتنا کشادہ اور خوانِ کرم اتنا وسیع ہو کہ ہر خاص وعام اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس دعا کا مصداق کون ہے۔ قرآن کے الفاظ پر غور کرنے سے حقیقت کھل جاتی ہے۔ وَابْعَثْ فِيْهِمْ اور رَسُوْلًا مِّنْهُمْ پر غور فرمایئے۔ هُمْ کی ضمیر کا مرجع یا اُمَّةً مُّسْلِمَةً ہے یا ذُرِّيَّتِنَآ ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور لفظ نہیں جو کسی تاویل سے بھی هُمْ کا مرجع بنایا جا سکتا ہو۔ ان دونوں لفظوں میں سے کسی ایک کو آپ مرجع بنایئے تو پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ امت مسلمہ میں سے جو ہماری (ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کیونکہ یہی دونوں دعا کرنے والے ہیں تیسرا اور کوئی نہیں) اولاد میں سے ہو۔ رسول مبعوث فرما۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہوگا کہ ہماری اولاد میں سے ایک رسول مبعوث فرما۔ دونوں صورتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس دعا کا وہی مصداق ہے جو ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کی نسل سے ہو۔ اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تو ہیں لیکن اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے نہیں (مثلاً اولادِ اسحاق علیہ السلام) وہ اِس دُعا کا مصداق نہیں بن سکتے۔ اور لطف ایزدی ملاحظہ ہو کہ ان دو حضرات کی نسل سے حضور کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا۔ بلکہ کسی کو جھوٹا دعویٰ نبوت کرنے کی توفیق بھی نہیں ہوئی۔ تاکہ یہ حقیقت ہر شک وشبہ سے بالاتر رہے کہ وہ ذاتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء تھی جس کے لیے خلیل وذبیح دعائیں کرتے رہے۔ رَسُوْلًا مفرد اور نکرہ منون استعمال ہوا۔ جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہوگا بھی ایک اور ہوگا بے مثال صاحب شانِ عظیم۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ اُمَّتِهٖ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی فرمایا کہ اَنَا دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ۔ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ (1)

۱۵۳؎ اس رسول کے تین فرائض گنوائے جا رہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائے۔ دوسرا یہ کہ کتاب وحکمت سکھائے۔ تیسرا یہ کہ اپنے تصرفِ روحانی سے دلوں کے آئینوں کو جلا دے اور روشن کرے تاکہ حقائق ومعارف ان میں جلوہ نما ہو سکیں۔

حکمت سے کیا مراد ہے؟ اس کے سمجھنے سے ایک بہت بڑے فتنے کا اصولی رد ہو جائے گا۔ حکمت کہتے ہیں وَضْعُ الْاَشْيَاءِ

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج2، جز4، ص72-73

وَيُزَكِّيهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ ع ۱۵/۸/۱۵

اور پاک صاف کردے انھیں۔ بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے اور کون روگردانی کرسکتا ہے دینِ ابراہیمؑ سے ۱۵۴

اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ

بجز اُس کے جس نے احمق بنا دیا ہو اپنے آپ کو اور بے شک ہم نے چُن لیا ابراہیمؑ کو دُنیا میں

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ

اور بلاشبہ وُہ قیامت کے دِن نیکوکاروں میں ہوں گے اور یاد کرو جب فرمایا اُس کو اُس کے رب نے ۱۵۵ اے ابراہیمؑ!

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ

گردن جُھکا دو عرض کی میں نے اپنی گردن جُھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے ۱۵۶ اور وصیّت کی اسی دین کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو

مَوَاضِعَهَا(1)۔ ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔ یہاں اَلْحِكْمَةَ کا لفظ جو مذکور ہے اس سے مراد اَحکامِ قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خدا کا منشا ہے۔ اور نبی کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھا دے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھائے تا کہ قرآن پر اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق عمل ہو سکے۔ اور اسی حکمت یعنی بیانِ قرآن کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے۔ دوسری متعدد آیات میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ حکمت قرآن یعنی اس کا بیان نبی کا ذاتی اجتہاد نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی جاتی ہے مثلاً ارشاد ہے: وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ(2) ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے آپ پر (اَے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے''۔ اس سے ثابت ہوا کہ جیسے قرآن کی اطاعت فرض ہے اسی طرح صاحب قرآن کی سنت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو گیا جو سنت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی رائے خیال کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنا ضروری یقین نہیں کرتے (حکمت اور سُنّت پر مفصّل بحث احقر کی تالیف سنت خیر الانام میں ملاحظہ فرمائیں)

۱۵۴ ملّت سے مراد دین اور شریعت ہے(3)۔ کیونکہ ملّت ابراہیمی علیہ السلام دین فطرت ہے اس لیے ہر سلیم الطبع اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ ہاں جن کی طبیعتیں مسخ ہو چکی ہوں اور سمجھ بگڑ چکی ہو وہ اسے قبول نہیں کرتے۔

۱۵۵ اسلام کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے گردن رکھ دینا یعنی اپنی راحت اور تکلیف، اپنے نفع اور نقصان اپنی رائے یا خواہش کو بالکل نظر انداز کر دے۔ اور بغیر کسی حیل و حجت کے اپنے رب کریم کے احکام کی تعمیل پر کمر بستہ ہو جائے۔ یہ ہے اسلام

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج1، ص387 2۔ سورۃ النساء:113 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج1، جز2، ص132

وَيَعْقُوبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ

اور یعقوب نے اے میرے بچّو! بے شک اللہ نے پسند فرمایا ہے تمھارے لیے یہی دین سو تم ہرگز نہ مرنا

اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ

مگر اِس حال میں کہ تم مُسلمان ہو ۱۵۷ بھلا کیا تم (اس وقت) موجُود تھے جب آ پہنچی یعقوبؑ کو

الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ

موت جب کہ پُوچھا اُس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کِس کی عبادت کرو گے میرے (اِنتقال کر جانے کے) بعد انھوں نے عرض کی ہم

اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا

عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ و اِسمٰعیلؑ اور اِسحاقؑ کے خُدا کی جو خُدائے وحدہٗ لاشریک

وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا

ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی انھیں فائدہ دے گا جو

کا حقیقی مفہوم۔

۱۵۶ یہی وعدہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے کیا۔ اور دنیا شاہد ہے کہ اُس مرد پاکباز نے کیسے اس عہد کو نبھایا۔ ان کی زندگی میں مشکل سے مشکل امتحان آئے لیکن اس ذاتِ قُدسی صفات نے جس عزم وثبات اور تسلیم ورضا کا ثبوت دیا۔ اُس نے فرشتوں کو بھی تصویر حیرت بنا دیا۔ جب منجنیق میں رکھ کر نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ میں آپ کو پھینکا جانے لگا تو جبرائیل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی۔ هَلْ لَّكَ حَاجَةٌ؟ کوئی کارِ خدمت؟ کوئی ضرورت؟ فرمایا اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا تجھ سے کوئی حاجت نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے پھر گزارش کی۔ فَاسْاَلْ رَبَّكَ اپنے رب سے تو سوال کرو کہ آپ کو اس آگ کے شعلوں سے بچا لے۔ جواب دیا۔ حَسْبِيْ مِنْ سُؤَالِيْ عِلْمُهٗ بِحَالِيْ۔ یعنی جب وہ جانتا ہے تو مجھے عرض کرنے کی کیا ضرورت۔ (1)

۱۵۷ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو دین اسلام پر ثابت قدم رہنے کی وصیت فرماتے ہوئے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے زیادہ مختصر اور زوردار الفاظ مل نہیں سکتے۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (2) یعنی مرنا تو اسلام پر مرنا۔ کیونکہ موت نے ضرور آنا ہے۔ لیکن اس کے آنے کا وقت ہمیں معلوم نہیں۔ اس لیے ایسی اٹل اور اچانک آجانے والی چیز

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 133 (ماخوذ) 2۔ سورۃ البقرہ: 132

كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَ

(نیک عمل) اُنھوں نے کمایا اَور تمھیں نفع دیں گے جو (نیک اعمال) تم نے کمائے اَور نہ پُوچھے جاؤ گے تم اس سے جو وُہ کیا کرتے تھے اَور (یہودی)

قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ

کہتے ہیں یہُودی بن جاؤ (عیسائی کہتے ہیں) عیسائی بن جاؤ (تب) ہدایت پالوگے آپ فرمائیے میرا دین تو دینِ ابراہیمؑ ہے جو باطل سے منہ

حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ

موڑنے والا حق پسند تھا اَور وُہ نہیں تھا شرک کرنے والوں سے ۱۵۸ کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اَور اُس پر جو

اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

نازل کیا گیا ہماری طرف اَور جو اُتارا گیا ابراہیمؑ و اِسمٰعیلؑ و اِسحاقؑ و یعقوبؑ

وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ

اَور اُن کی اَولاد کی طرف اَور جو عطا کیا گیا موسیٰؑ اَور عیسیٰؑ کو اَور جو عنایت کیا گیا دُوسرے نبیوں کو ان کے

کے لیے انسان کو ہر لمحہ مستعد رہنا ضروری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اسلام کا دامن ہر وقت مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اور ایک آن کے لیے بھی یہ گرفت ڈھیلی نہ پڑے۔ مَبادا وہی آن تمہارے یہاں سے کوچ کرنے کی ہو۔ اگر غفلت کی حالت میں موت کا پیغام آ گیا تو اپنے کریم رب کے حضور میں کیا منہ لے کر حاضر ہو گے۔ زندگی کی یہ بازی جیتنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہر وقت انسان چوکنا رہے۔ اپنا دامن گناہوں سے آلودہ نہ ہونے دے۔ نافرمانی اور سرکشی تو کجا غفلت کی گرد سے بھی اپنے دل کے آئینہ کو مکدر نہ کرے۔

۱۵۸ یہودیوں اور نصرانیوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے پر بڑا ناز تھا۔ ہر محفل اور مجلس میں اس نسبت پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور اپنی صداقت کی یہی دلیل پیش کرتے کہ ہم دین ابراہیمی علیہ السلام کے پیروکار ہیں۔ لیکن بجائے اس کے کہ ان کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوتے انہوں نے الٹا حضرت خلیل علیہ السلام کو یہودی اور عیسائی ثابت کرنا شروع کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے ان کی غلط بیانی کی تردید کرتے ہیں کہ تمہاری اس شرک آلود یہودیت اور نصرانیت سے اس موحّدِ اعظم کا کیا واسطہ۔ ان کا دامنِ عصمت تو ان تمام بدنما دھبوں سے پاک اور منزہ تھا۔

رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

ربّ کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں اور ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں ۱۵۹

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

تو اگر یہ بھی ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو جب تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیریں تو (معلوم ہو گیا کہ)

هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ ط

وہی مخالفت پر کمربستہ ہیں تو کافی ہو جائے گا آپ کو اُن کے مقابلے میں اللہ اور وہ سب کچھ سُننے والا سب کچھ جاننے والا ہے

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۖ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

(ہم پر) اللہ کا رنگ (چڑھا ہے) اور کس کا رنگ خوبصورت ہے اللہ کے رنگ سے ۱۶۰ ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَ

آپ فرمائیے کیا تم جھگڑتے ہو ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک۔ اور ہمیں ہمارے اعمال اور

لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ لا اَمْ تَقُوْلُوْنَ

تمھیں تمہارے اعمال فائدہ پہنچائیں گے ہم تو اُسی کی اخلاص سے عبادت کرتے ہیں کیا تم کہتے ہو

۱۵۹ یہود و نصاریٰ کی تنگ نظری اور تعصب کے ذِکر کے بعد اب مسلمانوں کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ تم اس تنگ نظری کا شکار نہ ہونا بلکہ تمہارا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ اُن تمام کتابوں پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں۔ تمام ان انبیاء کی تصدیق کرو جنہیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اگرچہ اِن کتابوں کے ماننے کا دعویٰ کرنے والے تمہارے قرآن کو نہ مانیں اور ان انبیاء کی امت کہلانے والے تمہارے نبی مکرم پر ایمان نہ لائیں بلکہ طرح طرح کی شرانگیزیوں سے اذیت پہنچائیں تب بھی تمہارا رویہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ تم خدا کے بندے اور اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہو۔

۱۶۰ یہود کی رسم تھی کہ جب کوئی ان کے دین میں داخل ہوتا تو اسے رنگدار پانی سے غسل دیتے۔ پھر عیسائیوں نے بھی اسے اختیار کر لیا۔ اور جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو زرد رنگ کے پانی سے اُسے غسل دیتے (جسے اصطباغ یا بپتسمہ کہا جاتا ہے) اور پھر یہ

إِنَّ إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطَ

کہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ اور ان کے بیٹے

كَانُوْا هُوْدًا أَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ

یہودی تھے یا عیسائی فرمائیے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور کون

أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

زیادہ ظالم ہے اُس سے جو چھپاتا ہے گواہی جو اللہ کی طرف سے اُس کے پاس ہے اور اللہ بے خبر نہیں ہے جو

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

تم کر رہے ہو وُہ ایک اُمّت تھی جو گزر چکی اُسے مِلے گا جو اُس نے کمایا

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۲ ۱۶ ۱۶

اور تمھیں مِلے گا جو تم نے کمایا اور تم سے نہ پُوچھا جائے گا اُس سے جو وُہ کیا کرتے تھے

سمجھتے کہ اب اس پر یہودیت اور عیسائیت کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ رنگ چڑھانا ہے تو اللہ کا رنگ چڑھاؤ جو نہ پانی سے دھلے نہ دھوپ سے اڑے اور نہ وقت گزرنے پر پھیکا پڑے۔ بھلا یہ ناپائیدار رنگ بھی کوئی رنگ ہے جس پر تم اترا رہے ہو۔ اور اللہ کا رنگ یہی توحید خالص کا رنگ ہے (1) جس کو چڑھانے والا سیدِ انس وجاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج1، جز2، ص144 (ماخوذ)

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ

اَب کہیں گے بے وقوف لوگ ۱۶۱ کہ کس چیز نے پھیر دیا اِن (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے جس

كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

پر وُہ اَب تک تھے آپ فرمائیے اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اَور مغرب بھی ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا

سیدھے راستہ کی طرف اَور اسی طرح ۱۶۲ ہم نے بنادیا تمہیں (اَے مُسلمانو!) بہترین اُمّت تاکہ تم

۱۶۱ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو بیت المقدس کی طرف جو اہل کتاب کا قبلہ تھا رخ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ سولہ سترہ ماہ اسی پر عمل رہا(1)۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلی آرزو یہی تھی کہ کعبہ جسے حضرت خلیل علیہ السلام نے تعمیر کیا امت مسلمہ کا قبلہ بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آرزو کو پورا کرنے سے پہلے معترضین کے اعتراضات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ جب وہ اعتراضات کی بوچھاڑ کریں تو مسلمان کسی تذبذب کا شکار نہ ہو جائیں بلکہ تمام قیل وقال سے بے نیاز ہو کر نہایت اطمینان سے اپنے مالک کے فرمان کی تعمیل کریں۔ پہلے بتادیا کہ قبلہ کی تبدیلی پر اعتراض صرف سطحی قسم کے لوگ ہی کریں گے جو اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ خیال کیے بیٹھے ہیں کہ بیت المقدس کی سمت میں کوئی ذاتی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اسے قبلہ بنایا گیا تھا اور وہ خصوصیت کسی اور سمت میں نہیں۔ اس لیے بیت المقدس کے بغیر کوئی اور قبلہ بن ہی نہیں سکتا حالانکہ سمت ہونے میں تمام سمتیں یکساں ہیں۔ آج تک اگر یہ سمت قبلہ بنی رہی تو اس کی صرف یہی ایک وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اسے قبلہ مقرر فرمادیا۔ کسی کو اعتراض کا کیا حق۔ جو لوگ اتنی آسان سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے وہ نادان اور بے سمجھ نہیں تو اور کیا ہیں۔

۱۶۲ یعنی جیسے ہم نے قبلہ کے معاملہ میں تمہیں راہ راست اختیار کرنے کی توفیق بخشی۔ اسی طرح ہر معاملہ میں تمہیں امت وسط بنایا۔ وسط کا لفظ قابل غور ہے۔ اس کا معنی ہے درمیان۔ ہر چیز کا درمیانی حصہ ہی اس کا عمدہ ترین حصہ ہوا کرتا ہے(2)۔ انسان کی زندگی کا درمیانی عرصہ ''عہد شباب'' اس کی زندگی کا بہترین وقت ہے۔ دن کے درمیانی حصہ دوپہر میں روشنی اپنے نقطۂ عروج پر ہوتی ہے۔ اسی طرح اخلاق میں میانہ روی قابل تعریف ہوتی ہے۔ افراط وتفریط دونوں پہلو مذموم۔ بخل اور فضول خرچی کی درمیانی حالت کو سخاوت، بزدلی اور طیش کے درمیانی حال کو شجاعت کہتے ہیں(3)۔ اللہ تعالیٰ نے اُمّت محمدیہ کو اس عظیم المرتبت خطاب سے سرفراز فرمایا۔ ان کے عقائد، ان کی شریعت، ان کے نظام اخلاق، سیاست اور اقتصاد میں افراط وتفریط کا گزر نہیں۔ یہاں اعتدال ہے توازن ہے موزونیت ہے۔ جب مسلمانوں کو اپنے اس عظیم منصب کا پاس تھا اس وقت ان کا ہر قول اور ہر فعل

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج2، ص2 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد1، جز2، ص153 3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص29

شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا

گواہ بنو لوگوں پر ۱۶۳ اور (ہمارا) رسولؐ تم پر گواہ ہو اور نہیں

جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ

مقرر کیا ۱۶۴ ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لیے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے (ہمارے) رسولؐ کی

آئینہ تھا اس اِرشادِ ربانی کا۔ لیکن آج تو ہم یوں بگڑ چکے کہ قرآن میں جس امت کے محاسن بیان کیے گئے ہیں ہم پہچان ہی نہیں سکتے کہ وہ ہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالِ زار پر رحم فرماوے۔ آمین

۱۶۳ امت محمدیہ گواہ ہے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دُنیا میں اس کی گواہی اِسلام کی صداقت پر ہے۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کی وہ زندہ تصویر ہے۔ دنیا میں اِس کا ہر قول ہر فعل اس کی اِنفرادی اور اِجتماعی خوشحالی، اس کی سیرت کی پختگی اور اس کے اَخلاق کی بلندی پر ہر چیز اسلام کی صداقت پر گواہی دے رہی ہے۔ اور قیامت کے روز جب اگلے پیغمبروں کی اُمتیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں گی کہ ہمیں کسی نے تیرا پیغامِ ہدایت نہیں پہنچایا تو اس وقت امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گواہی دے گی کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ تیرے پیغمبروں نے تو تیرا پیغام حرف بحرف پہنچا دیا تھا۔ اور جب اُن پر اعتراض ہوگا کہ تم اس وقت موجود ہی نہ تھے، تم گواہ کیسے بن گئے تو یہ جواب دیں گے کہ اے اللہ! تیرے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ تیرے رسولوں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی اُمّت کی صداقت وعدالت کی گواہی دیں گے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے امتیوں کے حالات سے پورے واقف ہیں (1)۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنی تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرماتے ہیں:

باشد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شما بر شما گواہ زیرا نکہ او مطلع است بنورِ نبوت بر رتبۂ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمانِ او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کُدام است پس او مے شناسد گناہانِ شما را و درجاتِ ایمانِ شما را و اعمالِ نیک و بد شما را و اخلاص ونفاقِ شما را (2)۔

ترجمہ: تمہارا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر گواہی دے گا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے اِیمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور وہ کون سا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رکی ہوئی ہے۔ پس وہ تمہارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں۔ تمہارے ایمان کے درجوں کو، تمہارے نیک اور بد سارے اعمال کو اور تمہارے اخلاص اور نفاق کو بھی خوب پہچانتے ہیں۔

۱۶۴ سولہ سترہ ماہ کے لیے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے اور پھر کعبہ کو حسب سابق قبلہ بنا دینے کی ایک حکمت بیان فرمائی جا رہی ہے کہ وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے چون و چرا اِطاعت کرتے ہیں اُن لوگوں سے ممتاز اور علیحدہ ہو جائیں جو بات بات پر اِعتراض کرنے اور اپنی عقل کی سند حاصل کرنے کے خوگر ہیں۔ لِنَعْلَمَ کا عام معنی تو یہ ہے ''تا کہ ہم جان لیں'' اِس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 30

2۔ فتح العزیز المعروف تفسیر عزیزی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 436، مطبوعہ طعشہ پرنٹرز، لاہور

مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى

(اور) کون مُڑتا ہے اُلٹے پاؤں بے شک یہ (حکم) بہت بھاری ہے مگر اُن پر

الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

(بھاری نہیں) جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کردے تمہارا ایمان ۱۶۵ بے شک اللہ تعالیٰ

بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ

لوگوں پر بہت ہی مہربان (اور) رحم فرمانے والا ہے ہم دیکھ رہے ہیں ۱۶۶ بار بار آپ کا مُنہ کرنا آسمان کی طرف

کیا اللہ تعالیٰ پہلے ان کو نہیں جانتا۔ اس لیے علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے سید الفصحاء وامام البلغاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لِنَعْلَمَ کا معنی لِنَرٰی نقل کیا ہے یعنی جو چیز ہمارے علم ازلی میں قدیم سے ہے اُسے وقوع پذیر ہوتے ہوئے دیکھ لیا جائے۔ وَالْعَرَبُ تَضَعُ الْعِلْمَ مَكَانَ الرُّؤْيَةِ وَالرُّؤْيَةَ مَكَانَ الْعِلْمِ (1) یعنی اہل عرب لفظ علم رؤیت (یعنی دیکھنے) کے معنی میں اور رویت علم کے معنی میں عام اِستعمال کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے اب کوئی اشکال نہ رہا۔

مطیع اور معترض کی پہچان کے سوا تحویل قبلہ میں یہ حکمت بھی ہوسکتی ہے کہ اس سے اس امر کا اعلان مقصود ہے کہ اب سیادت اور نبوت بنی اسرائیل سے منتقل ہوکر اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں آگئی اِسی لیے کعبہ کو قبلہ بنادیا گیا۔

۱۶۵ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ خیال گزرا کہ جو مسلمان بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے اور تحویل قبلہ سے پہلے اِنتقال کر گئے اُن کی نمازیں تو ضائع ہوگئیں۔ ان کی تسکین کے لیے فرمایا کہ اُن کی نمازیں ضائع نہیں ہوئیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نمازیں ادا کرتے رہے ہیں۔ اس لیے ضائع ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (2)

۱۶۶ کعبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد حضرت خلیل علیہ السلام کا قبلہ تھا۔ نیز اہل عرب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ تھا۔ یہ اور ان کے علاوہ کئی دیگر وجوہات بھی تھیں جنہیں نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی۔ جن کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلی تمنا تھی کہ کعبہ کو قبلہ بنایا جائے۔ اور چشم اُمیدِ رحمت کی طرف بار بار اٹھتی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ادا اتنی پیاری اور اس کی خوشنودیٔ خاطر اتنی مطلوب تھی کہ اِسی آیت میں اعلان فرمادیا کہ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو قبلہ تمہیں پسند وہی ہمیں پسند اور تری خوشی کے لیے ہم کعبہ کو قبلہ مقرر فرماتے ہیں۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ (بصیغہ مضارع) فرمایا، قَدْ رَاَيْنَا (ماضی) نہیں فرمایا۔ جیسے ظاہر حال کا تقاضا ہے۔ اس میں اس امر کی طرف اِشارہ ہے کہ تیرے رخِ انور کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ایسی چیز نہیں جسے قصۂ ماضی بنا کر بیان کیا جائے۔ بلکہ چشم قُدرت اس منظرِ روح پرور کا اب بھی یونہی مشاہدہ فرمارہی ہے۔ فرمایا ہم دیکھ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج1، جز2، ص156 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص142

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اُس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف ۱۶۷

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

(اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے مُنہ اس کی طرف اور بے شک وُہ جنہیں کتاب

الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

دی گئی ۱۶۸ ضرُور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے ان کے رب کی طرف سے اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر ان کاموں سے جو وُہ کرتے ہیں

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ

اور اگر آپ لے آئیں اہلِ کتاب کے پاس ہر ایک دلیل (پھر بھی) نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلہ کی اور نہ

اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ

آپ پیروی کرنے والے ہیں اُن کے قبلہ کی اور نہ وُہ ایک دُوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر (بفرضِ محال)

رہے ہیں تیرا بار بار آسمان کی طرف اپنے رخ جہاں افروز کا اٹھانا۔ کیا شانِ محبوبیت ہے (1)۔ سبحان اللہ!

۱۶۷ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھ رہے تھے۔ دو رکعتیں ادا فرما چکے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اُسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس سے منہ موڑ کر کعبہ کی طرف کر لیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے رخ کعبہ کی طرف پھیر لیے۔ مدینہ کی دوسری مسجدوں میں بھی جہاں جہاں جماعت ہو رہی تھی جب یہ حکم پہنچا تو اُسی لمحہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے رُخ پھیر لیے (2) اور دنیا کو تسلیم و رضا کا ایک بے مثال نمونہ دکھایا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محیر العقول ترقی کا راز اپنے نبی اور اپنے قائد کی اسی بے چُون و چرا اطاعت میں مضمر تھا۔

۱۶۸ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہود کے اِعتراضات سے پریشان نہ ہوں۔ ان کی کتاب میں تحویل قبلہ کا ذکر موجود ہے۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ یہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اب محض تعصب اور ہٹ دھرمی کر رہے ہیں۔ اس لیے ان کے سامنے جتنے دلائل پیش کیے جائیں انہیں ہدایت نہ ہوگی۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج2، ص8 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص44-143

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ

آپ پیروی کریں ۱۶۹ ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آچکا آپ کے پاس علم تو یقیناً آپ اس وقت

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

ظالموں میں (شمار) ہوں گے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انہیں جیسے وہ پہچانتے ہیں

وقف لازم

اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

وقف ممنوع

اپنے بیٹوں کو ۱۷۰ اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر

ع ۱۶ ۱۱ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ

یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تو ہرگز نہ بن جانا شک کرنے والوں سے اور ہر قوم کے لیے ۱۷۱ ایک سمت (مقرر) ہے

۱۶۹ اس آیت میں بظاہر خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے لیکن مُراد اُمّت ہے(1)۔ کیونکہ امت سے تو اپنے نفس کی خواہشات کی تابعداری ممکن ہے۔ لیکن نبی کی ذات جو صغائر سے بھی معصوم ہوتی ہے اس سے تو ناممکن ہے کہ ایسا جرم سرزد ہو۔ مضمون کی اہمیت کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کی گئی۔ فَهُوَ مَحْمُوْلٌ عَلٰى اِرَادَةِ اُمَّتِهٖ لِعِصْمَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخُوْطِبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَعْظِيْمًا لِّلْاَمْرِ (قرطبی)(2)

۱۷۰ یعنی اہل کتاب اپنے بیٹوں کی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوب پہچانتے ہیں۔ اُن کی آسمانی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حُلیہ، اوصاف اور معجزات یوں صاف صاف لکھے ہیں کہ شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

۱۷۱ تحویل کعبہ کے بعد یہود اور مُنافقین نے اِعتراضات کی بوچھاڑ شروع کردی اور سادہ لوح مسلمانوں کو طرح طرح کے مکر و فریب سے اسلام سے برگشتہ کرنا اپنا مشغلہ بنالیا۔ قرآن نے ان کے سب شور و شغب کا ایک ہی مسکت جواب دیا۔ کہ اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ مسلمانوں سے پہلے جتنی اُمتیں گزری ہیں سب کے لیے ایک ایک سمت عبادت کرنے کے لیے مقرر کر دی گئی۔ اگر پیغمبر اسلام نے اپنے رب کے حکم کے مطابق کعبہ کو اپنی امت کا قبلہ مقرر فرما دیا تو اس میں کیا انوکھی بات ہے کہ تم یوں سیخ پا ہو گئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کعبہ جسے ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے مقدس ہاتھوں نے تعمیر کیا ملت ابراہیمی کے علمبردار اور نسل اسمٰعیل علیہ السلام کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبلہ بنایا جائے۔

1۔ تفسیر بغوی برحاشیہ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 105، مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 1، جز 2، ص 162

هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

وہ اُسی کی طرف منہ کرتی ہے پس آگے بڑھ جاؤ[۱۷۲] دوسروں سے نیکیوں میں تم کہیں ہو لے آئے گا اللہ تعالیٰ

جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

تم سب کو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جہاں سے بھی آپ (باہر) نکلیں

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ

تو موڑ لیا کریں (نماز کے وقت) اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف اور بے شک یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر جو کچھ تم کرتے ہو اور جہاں سے آپ (باہر) نکلیں تو موڑ لیا کریں

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

اپنا رُخ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی طرف اور (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو تو پھیر لیا کرو اپنے مُنہ

شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

اس کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم پر اعتراض (کی گنجائش)[۱۷۳] بجز اُن لوگوں کے جو ناانصافی کریں ان سے

---

[۱۷۲] یہ معمولی سی بات جسے تم یوں اُچھال رہے ہو موضوعِ سخن بنانے کے لائق نہیں۔ بات تو یہ ہے کہ وہ خیرات یعنی ازلی ابدی نیکیاں جن پر سب ادیان متفق ہیں ان کو عملی جامہ پہنانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا کرو۔ لیکن یہ کام تو مشکل ہے۔ اس میں نفس کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اپنی خواہشات کا خون کرنا پڑتا ہے اور وہ تمہارے بس کا روگ نہیں۔ اِس لیے تم ان حقیقی اُمور سے رُوگردانی کیے ہوئے ہو۔ اور فروعی اور غیر اہم چیزوں کو یوں اہمیت دے رہے ہو گویا دین کا اصل الاصول بس یہی ایک چیز ہے۔

[۱۷۳] بتا دیا کہ سفر ہو یا حضر، دور ہو یا نزدیک حالتِ نماز میں تمہارا رخ کعبہ کی طرف ہی ہونا چاہیے ورنہ اہلِ کتاب اور مُشرکین تم پر اعتراض کریں گے اور وہ اعتراض بجا ہوگا۔ کیونکہ اہلِ کتاب نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبلہ کعبہ ہوگا اور تم کعبہ رخ ہو کر نماز نہیں پڑھو گے تو وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہ وہ نبی نہیں جس کی بشارت ہماری کتابوں

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

سو نہ ڈرو تم اُن سے (بلکہ صرف) مجھ سے ڈرا کرو تاکہ میں پُورا کردوں اپنا اِنعام تم پر ۱۷۴؎ تاکہ تم راہِ راست پر ثابت قدم رہو

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ

جیسا کہ بھیجا ۱۷۵؎ ہم نے تمہارے پاس رسُول تم میں سے پڑھ کر سُناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اَور پاک کرتا ہے تمہیں

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع ۱۵

اَور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اَور حِکمت اَور تعلیم دیتا ہے تمہیں ۱۷۶؎ ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے

میں دی گئی ہے۔ اور مُشرِک کہیں گے کہ دعویٰ تو کرتے ہیں ملت ابراہیمی ہونے کا اور ان کے قبلہ کو قبلہ بھی نہیں سمجھتے۔ اور بعض ناحق شناس جواَب بھی غوغا آرائی کر رہے ہیں وہ اِلتفات کے لائق ہی نہیں۔(1)

۱۷۴؎ کعبہ کا قبلہ متعین کیا جانا خود بہت بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ اس طرح ملّت اِسلامیہ کو ایک مخصوص اور محسوس مرکز عطا فرما دیا گیا جو اُن کی توجہات اور عبادات کا مرجع ہو۔ تاکہ رنگ و زبان، قومیت اور وطن کے سب اِختلافات کے باوجود اسے دیکھنے والے یقین کر لیں کہ یہ ایک قوم ہے، اِس کا مرکزِ توجہات ایک ہے، اس کا مقصدِ حیات ایک ہے نیز تحویل قبلہ میں اِس بات کی طرف بھی صاف اِشارہ ہے کہ اب دنیا کی قیادت بنی اِسرائیل سے منتقل ہو کر اِسمٰعیل علیہ السلام کی اَولاد میں آ گئی ہے۔ یہ سرفرازی اور یہ شرف بذاتِ خود ایک نعمت عظمیٰ ہے۔

۱۷۵؎ تعمیر کعبہ کے وقت جو دعا حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے کی کہ ان میں ان صفات والا رسُول مبعوث فرمایا جائے اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ دعا مقبول ہوئی۔ اور وہ رسُولِ کریم اُن تمام صفات سے متصف ہو کر تشریف فرما ہو گیا۔

۱۷۶؎ امامِ وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں: تَكْرَارُ الْفِعْلِ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ هٰذَا التَّعْلِيْمَ مِنْ جِنْسٍ آخَرَ وَلَعَلَّ الْمُرَادَ بِهِ الْعِلْمُ اللَّدُنِّيُّ الْمَاخُوْذُ مِنْ بُطُوْنِ الْقُرْآنِ وَمِنْ مِّشْكَاةِ صَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ لَا سَبِيْلَ اِلٰى دَرْكِهٖ اِلَّا الِانْعِكَاسُ (2) ترجمہ: یُعَلِّمُ کا فعل دوبارہ ذکر کیا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تعلیم پہلی تعلیم کتاب و حکمت سے الگ نوعیت کی ہے اور شاید اس سے مُراد علم لَدُنّی ہے جو قرآن کے باطن اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مَنوّر و روشن سینہ سے حاصل ہوتا ہے اور اِس کے حصول کا ذریعہ یہ مروجہ تعلیم و تعلّم نہیں بلکہ اِنعکاس ہے یعنی آفتابِ قرآن کی کرنیں اور ماہتابِ نبوت کی شعاعیں دل کے آئینہ پر منعکس ہوتی ہیں (اس عارف ربانی نے اس مسئلہ کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے چاہیے کہ ملاحظہ کیا جائے) اور اولیائے کاملین جو انوارِ نبوت کے صحیح وارث ہوتے ہیں وہ بھی اپنے مریدانِ باصفا پر اسی قسم کے علوم و معارف کا القاء اور فیضان فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مسکینوں پر بھی اپنے محبوبِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل یہ انعام فرما دے۔ آمین ثم آمین!

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 148 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 149

ع ۱۸ ۱۵ ۲

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

سو تم مجھے یاد کیا کرو ۱۷۷ میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو ۱۷۸ اے ایمان والو!

اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

مدد طلب کیا کرو صبر ۱۷۹ اور نماز (کے ذریعہ) سے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۱۸۰

۱۷۷ یہاں بھی عارف باللہ قاضی ثناء اللہ کے الفاظ ہی قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ وَلَمَّا كَانَ طَرِيْقُ تَحْصِيْلِ تِلْكَ الْمَعَارِفِ مُنْحَصِرًا فِي الْاِلْقَاءِ وَالْاِنْعِكَاسِ وَكَانَ كَثْرَةُ الذِّكْرِ وَالْمُرَاقَبَةِ..... يُفِيْدُ لِلْقَلْبِ وَالنَّفْسِ صَلَاحِيَّةَ تِلْكَ الْاِنْعِكَاسِ مِنْ مِّشْكَاةِ صَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَا وَاسِطَةٍ اَوْ بِوَسَائِطَ عَقَّبَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِقَوْلِهٖ فَاذْكُرُوْنِيْ (1)

ترجمہ: جب ان معارف کے حاصل ہونے کا طریقہ صرف القاء اور اِنعکاس ہے اور ذکرِ الٰہی اور مراقبہ سے ہی دل میں یہ استعداد پیدا ہوتی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پُرنُور سینہ سے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیضان والقاء قبول کر سکے۔ اس لیے حکم دیا کہ میرا ذکر کیا کرو۔ کثرتِ ذکر سے ہی تم اِس مقام پر فائز کیے جاؤ گے۔ جہاں انوار و تجلّیات کی بے محابا بارش ہوتی ہے اور دوری کے حجاب یکسر اُلٹ دیئے جاتے ہیں۔

تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی بندہ کی کوئی عزّت اَفزائی ہو سکتی ہے کہ اس کا مالک و خالق اس کو اپنی یاد سے سرفراز فرماوے۔ ایک حدیث قدسی بھی ملاحظہ ہو تا کہ اپنے رب کریم کی بندہ نوازی کا آپ کو اندازہ ہو سکے۔

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ فَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا وَّاِنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ بَاعًا وَّاِنْ اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً (متفق علیہ) (2)

ترجمہ: میرا بندہ جیسے مجھ سے گمان رکھتا ہے ویسا ہی میں اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے میں بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر مجمع عام میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں ایک قدم اُس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

۱۷۸ جو اِنعام میں نے تم پر فرمائے۔ مثلاً رسول بھیجے، ہدایت کی توفیق بخشی، شوق و محبت کا جذبہ عطا فرمایا اس پر شکر ادا کرو۔ نعمتوں کا انکار، رسول کی نافرمانی اور غفلت میں وقت ضائع کر کے ناشکری نہ کرو۔

۱۷۹ دنیا کی اِمامت کا جو شرف تمہیں بخشا گیا ہے اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔ مشکلات سے گھبراؤ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر بھروسہ کر کے قدم بڑھاتے چلو اور نماز سے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 150 2۔ صحیح بخاری، کتاب الرد علی الجہمیۃ وغیرہم التوحید، باب ما یذکر فی الذات النعوت واسامی اللہ، ج 2، ص 1101

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ

اور نہ کہا کرو اُنہیں جو قتل کیے جاتے ہیں اللہ کی راہ میں کہ وُہ مُردہ ہیں بلکہ وُہ زندہ ہیں ۱۸۱

اپنی بندگی کے تعلق کو پختہ بناتے رہو۔ یقیناً کامیابی تمہارے قدم چومے گی (اس کی وضاحت پہلے بھی گزر چکی ہے)(1)

۱۸۰ یہاں معیت سے خصوصی معیت مراد ہے یعنی تائید اور نصرت کی معیت۔ اور صاحبِ تفسیر مظہری لکھتے ہیں قُلْتُ بَلْ مَعِيَّةٌ غَيْرُ مُتَكَيِّفَةٍ يَّتَّضِحُ عَلَى الْعَارِفِيْنَ(2)۔ یعنی اس سنگت سے وہ خاص سنگت مراد ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی۔ صرف عارف ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

۱۸۱ جب میدان بدر میں کئی مسلمان شہید ہوئے تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ فلاں مر گیا وہ اپنی زندگی کی لذتوں سے محروم ہو گیا۔ غیرتِ الٰہی اس کو برداشت نہ کرسکی کہ جن لوگوں نے اس کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی جانیں قربان کیں انہیں مُردہ کہا جائے۔ اِس لیے یہ آیت نازل فرما کر اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو مُردہ کہنے سے سختی سے روک دیا۔ بلکہ بتایا کہ وہ زِندہ ہیں۔ شہداء کی زندگی کس قسم کی ہے؟ اس پر گفتگو کرتے ہوئے صاحبِ رُوح المعانی تصریح کرتے ہیں: فَذَهَبَ كَثِيْرٌ مِّنَ السَّلَفِ اِلٰى اَنَّهَا حَقِيْقِيَّةٌ بِالرُّوْحِ وَالْجَسَدِ وَذَهَبَ الْبَعْضُ اِلٰى اَنَّهَا رُوْحَانِيَّةٌ وَّالْمَشْهُوْرُ تَرْجِيْحُ الْاَوَّلِ(3)۔

ترجمہ: یعنی سلف صالحین کی اکثریت کا یہی مذہب ہے کہ شہداء کی زندگی رُوحانی اور جسمانی دونوں طرح کی زندگی ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ صرف رُوحانی زندگی ہوتی ہے۔ لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ اور صاحبِ تفسیر مظہری بیان فرماتے ہیں یعنی اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِيْ لِاَرْوَاحِهِمْ قُوَّةَ الْاَجْسَادِ فَيَذْهَبُوْنَ مِنَ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَالْجَنَّةِ حَيْثُ يَشَاءُوْنَ وَيَنْصُرُوْنَ اَوْلِيَاءَهُمْ وَيُدَمِّرُوْنَ اَعْدَاءَهُمْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔(4)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو جسموں کی قوت دیتا ہے وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں چاہیں جاتے ہیں اور وہ (شہداء) اپنے دوستوں کی اِمداد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

جب شہداء کی زندگی کا یہ حال ہے تو انبیاء اور صدیقین امت جو شہیدوں سے مرتبہ وشان میں بالاتفاق اعلیٰ اور برتر ہیں اُن کی زندگی میں کیوں کر شبہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی زندگی کی وجہ سے ان کے جسم خاکی بھی صحیح وسلامت رہتے ہیں۔ چنانچہ اِمام مالِک رحمہ اللہ نے روایت فرمایا ہے کہ جنگ اُحد کے چھیالیس سال بعد حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبداللہ بن جبیر کی قبر (دونوں ایک ہی قبر میں مدفون تھے) سیلاب کی وجہ سے جب کُھل گئی تو اُن کے اَجسادِ طاہرہ یوں تروتازہ اور شگفتہ وشاداب پائے گئے جیسے انہیں کل ہی دفن کیا گیا ہو (مؤطا)(5) اس بیسویں صدی کا واقعہ ہے کہ جب دریائے دجلہ حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر شہداء کی قبروں کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تو حکومت عراق نے اُن شہداء کرام کی نعشوں کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مزارِ پُرانوار کے جوار میں منتقل کرنا چاہا تو ان حضرات کی قبریں کھودی گئیں۔ تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کے پاک جسم صحیح و

1۔ضیاء القرآن، ج1، حاشیہ:62
2۔تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص152
3۔روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج2، ص20
4۔تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص152
5۔موطا امام مالک، ص:482

وَلَكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

لیکن تم (اسے) سمجھ نہیں سکتے ۱۸۲ اور ہم ضرور آزمائیں گے تمھیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف

وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ

اور بھوک اور کمی کرنے سے (تمھارے) مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور

بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

خوشخبری سُنا دیجئے ان صبر کرنے والوں کو ۱۸۳ جو کہ جب پہنچتی ہے اُنھیں کوئی مُصیبت تو کہتے ہیں بے شک ہم

لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ؕ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

صِرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی وُہ (خوش نصیب) ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں

سلامت پائے گئے (1)۔ ہزار ہا مخلوق نے اسلام کا یہ معجزہ اور قرآن کی اِس آیت کی صداقت کا اپنی اِن آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔

۱۸۲ یعنی اس زندگی کی ماہیت وحقیقت تم اپنے عقل وحواس سے نہیں سمجھ سکتے۔ اگر تمہاری عقل نہ سمجھ سکے تو تم اِنکار کی جرأت نہ کرنا۔

۱۸۳ جب تک انسان اس دنیا میں ہے رنج وغم اور مصیبت والم سے اُسے کم وبیش دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔ قرآن نے اپنے ماننے والوں کو اِس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونے دیا کہ اسلام کے دامن میں پناہ لینے سے وہ اب ہر طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچ گئے۔ البتہ قرآن نے مسلمانوں کو صبر کی ایک ڈھال دے دی جس سے وہ مصائب وحوادثات کے بے رحم حملوں سے اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ انہیں ایک ایسا عقیدہ دے دیا جو ان کے سکون وقرار کو نازک ترین لمحوں میں بھی سلامت رکھ سکتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جس کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا اس میں مقابلہ کی ہمت ختم ہو جاتی ہے اور مصیبتیں اسے خس وخاشاک کی طرح بہا لے جاتی ہیں۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے مصائب کے سامنے ڈٹا رہے تو یہ کالے بادل خود بخود چھٹ جاتے ہیں۔ نیز جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ میں بھی اور میرا سب کچھ میرا اپنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہے وہ کسی کے مرنے یا کھیتی باڑی اور کاروبار میں نقصان واقع ہونے سے اتنا دلگیر ہی کیوں ہوگا کہ اس کا حوصلہ ہی ٹوٹ جائے بلکہ وہ نئی جدوجہد کے لیے اپنے آپ کو تازہ دم پائے گا۔ اسی لیے قرآن نے رنجدہ واقعات کی طویل فہرست ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ وہ گر بھی بتا دیا جس پر عمل کر کے وہ ان نازک مرحلوں میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

1۔ تائید رحمت کائنات، ص 59-58 بحوالہ صدق لکھنؤ 11 ستمبر 1944ء، مطبوعہ مکتبہ دارالارشاد مدنی روڈ، اٹک شہر

وَرَحْمَةٌ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ

اور رحمت ہے ۱۸۴ اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ثابت قدم ہیں بے شک صفا اور مروہ

مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے تو کچھ حرج نہیں

عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

اسے کہ چکّر لگائے ان دونوں کے درمیان ۱۸۵ اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا

شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ

قدردان خوب جاننے والا ہے بے شک جو لوگ ۱۸۶ چھپاتے ہیں ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں روشن دلیلوں

وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ

اور ہدایت سے اس کے بعد بھی کہ ہم نے کھول کر بیان کر دیا انھیں لوگوں کے واسطے (اپنی) کتاب میں یہی وہ لوگ ہیں

۱۸۴ اللہ تعالیٰ ان باہمت اور عالی حوصلہ لوگوں کو یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرح طرح کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور سیدھی راہ پر ثابت قدمی سے چلنے کی توفیق مرحمت کی جاتی ہے۔

۱۸۵ شَعَآئِر جمع ہے شعِیرۃ کی، اس کا معنی علامت ہے۔ احناف کے نزدیک صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا حج و عمرہ میں واجب ہے اور اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ کے بُت نصب تھے۔ اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو اس جگہ سعی کرنا ناگوار گزرا جہاں پہلے بت رکھے ہوئے تھے(1)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہیں تو حضرت ہاجرہ کی پیروی میں دوڑنا ہے۔ تمہیں مناسب نہیں کہ تم بتوں کی وجہ سے اِسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ مکرمہ کی سُنّت کو ترک کر دو۔ مسلمانوں کے دل میں جو نفرت تھی اس کو اس حکیمانہ انداز سے دُور فرما دیا یعنی کوئی حرج نہیں بے شک صفا و مروہ میں دوڑ لگا لیا کرو۔ اور اِس کا واجب ہونا حدیث پاک سے ثابت ہوا۔(2)

۱۸۶ اِس آیت میں بنی اِسرائیل کے ان عُلماء سُوء کا ذِکر ہے جو اپنے دُنیاوی فائدہ کے لیے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کو چھپاتے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کو اپنی منشا اور خواہش کے مطابق توڑ موڑ دیا کرتے۔ اب بھی کوئی عالم اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص56-155 2۔ صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب وجوب الصفا والمروۃ، ج1، ص222، مطبوعہ وزارت تعلیم، اسلام آباد۔ سنن کبریٰ از امام المحدثین الحافظ الجلیل ابوبکر بن حسین بن علی البیہقی، وفات 854ھ، کتاب الحج، ج5، ص102، مطبوعہ دار الفکر بیروت

يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا

کہ دُور کرتا ہے انھیں اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) اَور لعنت کرتے ہیں انھیں لعنت کرنے والے البتّہ جو لوگ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں

وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ

اَور ظاہر کردیں (جو اَب تک چھپاتے رہے) تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہُوں اَور میں بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہُوں بیشک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اَور مرے اِس حال پر کہ وُہ کافر تھے یہی وُہ لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اللہ کی

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ

اَور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

ان سے عذاب اَور نہ انھیں مُہلت دی جائے گی اَور تمھارا خُدا ایک خُدا ہے ۱۸۷

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۱۹ ع ۱۱ ۳

نہیں کوئی خُدا بجز اس کے بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے بے شک ۱۸۸ آسمانوں اَور زمین کے پیدا کرنے میں

کمالات کے اظہار میں بخل کرے اور اَحکامِ شریعت میں تحریف کرے تو اس کا یہی حکم ہے۔

۱۸۷ یہ آیت قرآنِ حکیم کی عظیم ترین آیتوں میں سے ہے۔ اس کے پہلے ٹکڑے میں توحید کا ثبوت، دوسرے میں شرک کی نفی اور تیسرے میں دونوں کی دلیل ہے۔ یعنی جب اسی کی وسیع رحمت پر تمہارے وجود، تمہاری بقا اور نشوونما اور تمہارے آرام وراحت کا دارومدار ہے تو اس کے علاوہ اور کون ہے جو الٰہ یا معبود بننے کا حق دار ہو۔

۱۸۸ اس آیت میں توحید کے دلائل شرح وبسط سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس اہم ترین اور مشکل ترین مسئلہ کے اِثبات کے لیے قرآن کا طرزِ اِستدلال فلسفیوں کے طرزِ اِستدلال سے بالکل الگ ہے۔ قرآن فکر ونظر کے گھڑے ہوئے دلائل پیش نہیں کرتا جو پیچیدہ اِصطلاحات سے بوجھل ہوں۔ جن کو سمجھنے کے لیے خاص ذہنی اور علمی اِستعداد کی ضرورت ہو۔ اور سمجھ آ بھی جائیں تو ان میں وہ زور نہیں ہوتا کہ وہ انسان کو شک اور گمان کی دلدل سے باہر کھینچ لیں اور یقین کی منزل تک پہنچا دیں۔ اس کے برعکس

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ

اَور رات اَور دن کی گردش میں اَور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں وُہ چیزیں

بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ

اُٹھائے جو نفع پہنچاتی ہیں لوگوں کو اَور جو اُتارا اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص

پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد اَور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور

وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اَور ہواؤں کے بدلتے رہنے میں اَور بادل میں جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اَور زمین کے درمیان (لٹکتا رہتا) ہے

قرآنِ کریم دلائل کو نیہ پیش کرتا ہے جو کائنات کے کھلے صفحات پر جلی قلم سے لکھے ہوئے ہیں جو روشن اور واضح اِتنے ہیں کہ ہر شخص انہیں اپنی قابلیت کے مطابق سمجھ سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ گہرے اور پیچیدہ اِتنے کہ ماہر غوطہ زن بھی ان کی تہ تک پہنچنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ عقلِ گرہ کشا جتنی گرہیں کھولتی جاتی ہے اس سے زیادہ عقدہ ہائے لاینحل اس کو چیلنج کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ ان دلائل میں جو شخص سنجیدگی سے غور کرے گا وہ یقین وتصدیق کی دولت سے مالا مال ہو گا۔ یہی ہے قرآن کے طرزِ اِستدلال کا طرۂ اِمتیاز اور وجہ اِعجاز! اب آپ اس آیت کا بغور مطالعہ فرمائیں۔ آسمان کی نیلی وسیع چھت، اس میں لٹکے ہوئے اَن گنت ستارے، چاند اور سورج، پھر اِن کا مقرّرہ وقت پر طلوع وغروب جن میں ایک سیکنڈ کے برابر بھی کبھی فرق نہیں ہوتا، اُن کی گردش کے متعین راستے جن سے سرمو کبھی اِنحراف نہیں ہوا۔ زمین کا یہ کشادہ صحن، اس میں رواں دواں ندیاں اور دریا، رات دن کی پیہم گردش، ان کا گھٹنا بڑھنا، بیکراں سمندروں کے سینوں پر مُسافروں سے لدی اور سامان سے بھری ہوئی کشتیوں اور جہازوں کا خراماں خراماں آنا جانا، گھنگھور گھٹائیں اور اُن کا مُوسلا دھار برسنا، پھر مردہ زمین کا دیکھتے دیکھتے سرسبز وشاداب ہو جانا، کرّۂ ہوا میں بادلوں کا منڈلاتے پھرنا، کبھی برسنا اور کبھی ترساتے ترساتے آنِ واحد میں ناپید ہو جانا ایسی چیزیں نہیں جسے عالم تو جانتے ہوں اور بے علم نہ جانتے ہوں، جسے دانش مند سمجھ سکتے ہوں اور کم عقل کی سمجھ سے بالاتر ہوں بلکہ کائنات کی کتاب کا ہر ورق ہر کہ ومہ کے لیے یکساں طور پر روشنی کا مینار ہے۔ اور اس کے باوجود لطف یہ ہے کہ اتنا واضح ہونے کے باوجود اِتنا سطحی بھی نہیں کہ اہلِ فکر ودانش کے لیے اِس میں دلچسپی کا کوئی سامان نہ ہو بلکہ انہیں دعوت ہے کہ اپنے نشترِ تحقیق سے ذرّے ذرّے کا دل چیریں اور دیکھیں کہ ان میں اسرار ورموز اور قوت وطاقت کے وہ سمندر موجزن ہیں جن کا

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ

(ان سب میں) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں اور کچھ لوگ وُہ ہیں ۱۸۹؎ جو بناتے ہیں اوروں کو

اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا

اللہ کا مدِّمقابل محبّت کرتے ہیں ان سے جیسے اللہ سے محبّت کرنا چاہیئے اور جو ایمان لائے ہیں وُہ سب سے زیادہ محبّت کرتے

لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ

ہیں اللہ سے ۱۹۰؎ اور کاش! (اب) جان لیتے جنھوں نے ظلم کیا (جو وُہ اس وقت جانیں گے) جب (آنکھوں سے) دیکھ لیں گے عذاب

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ

کہ ساری قوتوں کا مالک اللہ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (خیال کرو) جب بیزار ہو جائیں گے وُہ

انہیں تصور تک نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لمحہ مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کا ذکر فرمانے کے بعد قرآن نے بارہا اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ، اَفَلَا تَتَدَبَّرُوْنَ، کے جملے کہے۔ کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا تم تدبّر نہیں کرتے؟ اور ان چبھتے ہوئے فقروں سے دانش و خرد کو للکارا ہے۔ کاش یہ الفاظ اس اُمّت کے نوجوانوں کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر دیں جن کی آسمانی کتاب نے انہیں واضح طور پر بتا دیا تھا۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (1) اللہ تعالیٰ نے زمین کی ہر چیز صرف تمہارے لیے پیدا کی ہے۔

ان روزمرہ دکھائی دینے والی چیزوں میں اگر آپ غور کریں گے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ تنوع میں یکسانیت، اِختلاف میں توافق، کثرت میں وحدت اور یہ بے مثال نظم و ضبط بغیر کسی علیم، حکیم اور قدرت والے خالق کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ روشن دلیلیں صرف ان کو فائدہ دیتی ہیں جن کی عقل کی آنکھ بینا ہے اور جو اس سے کام لینا پسند کرتے ہیں۔

۱۸۹؎ اس کے بعد ان نادانوں کا ذکر ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے اور ان واضح دلائل پر غور نہیں کرتے اور اپنے رب کو چھوڑ کر اپنے بتوں یا جھوٹے سرداروں کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔

۱۹۰؎ یہ الفاظ غور طلب ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے محبّت کرتے ہیں اور کسی سے محبّت نہیں کرتے بلکہ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبّت کرتے ہیں یعنی عزیز و اقارب، فرزند و زن، مال و جاہ سے ان کو محبّت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے جو اُن کو محبّت ہے وہ سب محبتوں سے بڑھ کر ہے اور اُس کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب یہ محبتیں کچھ کہتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی محبّت کچھ کہتی ہو۔ تو اُس وقت اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے گردن خم کر دی تو وہ سچا ورنہ جھوٹا۔ صوفیاء کرام نے ''انداد'' کی تفسیر یہ فرمائی ہے۔ كُلُّ مَا كَانَ مُشْغِلًا عَنِ اللّٰهِ مَانِعًا عَنِ امْتِثَالِ اَوَامِرِهٖ (2)۔ ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے

1۔ سورۃ البقرہ:29 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص161

اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ

جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے رہے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور ٹوٹ جائیں گے ان کے

الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ

تعلقات اور کہیں گے تابعداری کرنے والے کاش! ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دُنیا میں) تو ہم بھی بیزار ہو جاتے

مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

ان سے جیسے وُہ (آج) بیزار ہو گئے ہیں ہم سے یُونہی دِکھائے گا انھیں اللہ تعالیٰ ان کے (بُرے) اعمال کہ باعثِ پشیمانی

عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا ع ۲۰

ہوں گے ان کے لیے اور وُہ (کسی صُورت میں) نہ نکل پائیں گے آگ (کے عذاب) سے اے اِنسانو! کھاؤ

مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۫ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

اس سے جو زمین میں ہے حلال (اور) پاکیزہ (چیزیں) ۱۹۱ اور شیطان کے قدموں پر قدم نہ رکھو

غافل کر دے اور اس کے احکام کی تعمیل سے روک دے وہ ''انداد'' سے ہے۔ خواہ وہ بُت ہوں، گمراہ رئیس ہوں، مال و دولت ہو، فرزند و زن ہوں یا علم و فن۔ ہر چیز جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہو وہ ''ند'' ہے اور پاش پاش کر دینے کے لائق۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیں جو عشق و عقیدت ہے اور اولیاء کرام سے ہمیں جو محبّت ہے وہ صرف اِس لیے ہی تو ہے کہ وہ محبوبانِ خُدا ہیں اور محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوا کرتا ہے۔ جو اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے محبّت محسوس نہیں کرتا وہ یہ سمجھ لے کہ اُسے اللہ تعالیٰ سے بھی محبت نہیں۔

۱۹۱ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں کھانے اور اِستعمال کی چیزوں میں صفائی کا اہتمام کیا جانے لگا ہے لیکن حلال و حرام کی تمیز اب بھی نہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دونوں باتوں کے اِہتمام کا حکم دیا۔ یعنی ظاہری طور پر بھی غلیظ اور گندی نہ ہوں تا کہ جسمانی صحت پر بُرا اثر نہ پڑے اور باطنی طور پر بھی نجس اور پلید نہ ہوں تا کہ ضمیر انسانی دم نہ توڑ دے۔ ظاہری صفائی کو قرآن نے طیب کے لفظ سے اور حقیقی پاکیزگی کو حلال کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور حلال اُس چیز کو کہتے ہیں کہ نہ تو ذاتی طور پر حرام ہو جیسے حرام جانور، مُردار، شراب وغیرہ اور نہ ایسے طریقوں سے حاصل کی گئی ہو جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے مثلاً چوری، جوا خواہ وہ کلبوں میں ہو۔ رِشوت، سُود وغیرہ وغیرہ۔ اسلامی نظام معاشیات کا یہ ایک بُنیادی اصول ہے۔ کسب معاش کے لیے کھلی

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۶۸﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَ

بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو حکم دیتا ہے تمہیں فقط بُرائی اور بے حیائی کا اور

أَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶۹﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا

یہ کہ بہتان باندھو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں ۱۹۲ اور جب کہا جاتا ہے ۱۹۳ ان سے پیروی

مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ

کرو اس کی جو نازل فرمایا ہے اللہ نے تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اسکی پیروی کرینگے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو۔ اگرچہ

كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ

ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ سکتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔ اور مثال ان کی ۱۹۴

چھٹی نہیں بلکہ تمام وہ راستے بند کر دیئے ہیں جن میں کسی کی کمزوری، مجبوری اور ناداری سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔ آپ خود سوچیں جب سُود، جوا، رِشوت اور بلیک مارکیٹنگ وغیرہ کے چور دروازے بند ہو جائیں تو کیا دولت سکڑ کر صرف چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہو جائے گی! دولت کی ناجائز تقسیم بلکہ لُوٹ کھسوٹ جن معاشی، اخلاقی اور سیاسی خرابیوں کو جنم دیتی ہے وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ کاش ہم اِس الٰہی نظام کو خود سمجھتے۔ سنجیدگی سے اس پر عمل کر کے دِکھاتے تاکہ دُوسری قوموں کو سمجھا سکتے۔

۱۹۲ شیطان تمہیں بدکاری اور بدمعاشی کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تمہارے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈال کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اُکساتا ہے۔ اگر تم اسلام کے بتائے ہوئے اُصولوں پر عمل کرنے کا قصد کرو تو وہ تمہیں معاشی بدحالی اور بین الاقوامی بدنامی کے مَوہوم خطرات سے ڈراتا ہے۔ ایسے بدخواہ کے چکموں میں آ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔

۱۹۳ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی واضح آیات چھوڑ کر اپنے گمراہ باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں ان پر حسرت و افسوس کا اظہار ہے۔ اور اگر آباؤ اجداد سراپا رُشد و ہدایت ہوں تو ان کا اِتباع عین مقصود ہے اور انبیاء کی یہی سنت ہے۔ یُوسف صدیق علیہ السلام نے مصر کے قید خانہ میں یہی فرمایا تھا۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَاءِيْ (1) میں اپنے آباؤ اجداد کے دین کا پیرو ہوں۔

۱۹۴ کفار کی مثال ان جانوروں کی سی ہے جنہیں ہانکا جائے تو وہ ہانکنے والے کی آواز تو سنتے ہیں لیکن سمجھتے کُچھ نہیں۔

1۔ سورۂ یوسف:38

كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ

جنہوں نے کفر (اختیار) کیا۔ ایسی ہے جیسے کوئی چلّا رہا ہو ایسے (جانوروں) کے پیچھے جو نہیں سنتے سوائے خالی پکار اور آواز کے۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا

یہ لوگ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ اے ایمان والو! کھاؤ

مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

پاک چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں اور شکر ادا کیا کرو اللہ تعالیٰ کا اگر تم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہو۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ

اُس نے حرام کیا ہے ۱۹۵ تم پر صرف مُردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور بلند کیا گیا ہو

بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ

جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام ۱۹۶ لیکن جو مجبور ۱۹۷ ہو جائے درآنحالیکہ وہ نہ سرکش ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (بقدرِ ضرورت کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں۔

۱۹۵ اس میں چار چیزوں کا ذکر ہے جو حرام ہیں (۱) مُردار۔ وہ جانور جسے شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ اس کی کسی چیز کا اِستعمال درست نہیں۔ اور ابُوبکر الجصاص نے تصریح کی ہے کہ شکاری کتوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی منع ہے۔ ہاں چمڑا دباغت (رنگنے) کے بعد پاک ہو جاتا ہے(1)۔ (۲) خونِ جاری (۳) خنزیر (۴) مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ۔

۱۹۶ میں نے اس کا ترجمہ کیا ہے ''اور وہ جانور جس پر بلند کیا گیا ہو ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام'' میں نے اس ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ کا اتباع کیا ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ آیت چار بار آئی ہے اور ہر جگہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہی ترجمہ کیا ہے اور مَآ اُهِلَّ کے لفظی ترجمہ میں ''وقت ذبح'' کی قید کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ مثلاً آپ نے اِس آیت کا ترجمہ ''وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا'' (2) کے الفاظ سے کیا ہے۔ (فتح الرحمٰن) اور تمام مفسرین کرام نے اِس آیت کا یہی معنی بیان فرمایا ہے۔ میں امام ابُوبکر جصاص کی عبارت نقل کرنے پر اِکتفا کرتا ہوں ''وَلَا خِلَافَ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الذَّبِیْحَةُ اِذَا اُهِلَّ بِهَا لِغَیْرِ اللّٰهِ عِنْدَ الذَّبْحِ'' (3): یعنی سب مُسلمان اِس بات پر متفق ہیں کہ اِس سے مُراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے (مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہوں تفاسیر قرطبی، مظہری، بیضاوی، روح المعانی، ابن کثیر و کبیر

1۔ احکام القرآن، ابوبکر بن علی الرازی جصاص، وفات 370ھ، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 115، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت

2۔ ترجمہ قرآن مجید از شاہ ولی اللہ مع تفسیر حسینی، ص 43 مطبوعہ بمبئی

3۔ احکام القرآن از جصاص، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 125

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

بے شک اللہ تعم بہت گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنیوالا ہے - بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں ۱۹۶ اللہ کی نازل کی ہوئی

الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ

کتاب اور خرید لیتے ہیں اس کے بدلے حقیر سا معاوضہ - سو وہ نہیں کھا رہے اپنے

بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ

پیٹوں میں سوائے آگ کے اور بات تک نہ کریگا ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ۱۹۹ اور نہ انکے گناہ بخش کر انہیں

وغیرہا) بعض لوگ اِن چیزوں کو بھی حرام کہہ دیتے ہیں جن پر کسی وَلی یا نبی کا نام لے دیا جائے خواہ ذبح کے وقت اللہ کے نام سے ہی ذبح کیا جائے کیونکہ اِس طرح مشرکین کے مشرکانہ عمل سے تشبیہ ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بھی اپنے بتوں کے نام لے دیا کرتے تھے۔ لیکن اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے اس عمل کو مشرکین کے عمل سے ظاہری یا باطنی، صوری یا معنوی کسی قسم کی بھی مشابہت نہیں۔ کفار جب ایسے جانوروں کو ذبح کرتے تھے تو اپنے بتوں کا نام لے کر ان کے گلے پر چھری پھیرتے وہ کہتے باسم اللات والعزیٰ۔ لات اور عزّیٰ کے نام سے ہم ذبح کرتے ہیں۔ اور مسلمان ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا کسی کا نام لینا گوارا ہی نہیں کرتے۔ اِس لیے ظاہری مشابہت نہ ہوئی۔ نیز کافر ان جانوروں کو ذبح کرتے تو اِن بتوں کی عبادت کی نیت سے ان کی جان تلف کرتے، کسی کو ثواب پہنچانا مقصود نہ ہوتا۔ اور مسلمان کسی غیر خدا کی عبادت کی نیت سے یا کسی کی خاطر ان کی جان تلف نہیں کرتے بلکہ ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ اس جانور کو اللہ کے نام سے ذبح کرنے کے بعد یا یہ کھانا پکانے کے بعد فقراء اور عام مُسلمان کھائیں گے۔ اور اس کا جو ثواب ہوگا وہ فلاں صاحب کی رُوح کو پہنچے۔ واضح ہو گیا کہ مسلمان کے عمل اور مُشرِکین کے طریقہ میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ ہاں اگر کوئی ذبح کرتے وقت غیر خُدا کا نام لے یا کسی غیر خُدا کی عبادت کے لیے کسی جانور کی جان تلف کرے تو اس چیز کے حرام ہونے اور ایسا کرنے والے کے مُشرِک و مُرتد ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اگر مقصد صرف اِیصالِ ثواب ہو جیسے ہر کلمہ گو کا مقصد ہوا کرتا ہے تو اس کو طرح طرح کی تاویلات سے حرام کہنا اور مُسلمانوں پر شرک کا فتویٰ دیتے چلے جانا کسی عالم کو زیب نہیں دیتا۔ مفصّل بحث سورۃ النحل کی آیت 115 کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۹۷ یعنی اگر کوئی شخص مجبور ہو جائے اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو اِن حرام چیزوں سے وہ بقدرِ ضرورت استعمال کر سکتا ہے۔

۱۹۸ یہود اَحکامِ الٰہی کو چُھپاتے تھے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محامد و اوصاف جو تورات میں لکھے تھے ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے اور چند ٹکوں کے لالچ میں اپنی خواہش کے مُطابق شریعت میں ردّ و بدل بھی کر لیتے تھے۔ خود بھی چشمۂ ہدایت سے سیراب نہ

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى

پاک کریگا اوران کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے عوض ،

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ

اور عذاب کو نجات کے بدلے (تعجّب ہے) کس چیز نے اِتنا صابر بنا دیا ہے انہیں آگ (کے عذاب) پر۔ یہ سزا اس وجہ سے ہوگی

اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ

کہ اللہ نے تو اُتاری کِتاب حق کے ساتھ اور بیشک جو لوگ اِختلاف ڈال رہے ہیں کِتاب میں

لَفِىْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ ع ۲۱ ۹ ۵

وہ دُور دراز کے جھگڑوں میں پھنسے ہیں نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نماز میں) تم پھیرلو اپنے رُخ ۲۰۰ مشرق کی

ہوتے اور دوسروں کو بھی سیراب نہ ہونے دیتے تھے۔ خود بھی گمراہ رہے اور دوسروں کے لیے بھی ہدایت کے دروازے بند رکھتے۔ یہ جُرم کیونکہ بہت سنگین تھا اِس لیے اِس کی سزا بھی اتنی سخت رکھی گئی۔ فرمایا کہ یہ لذیذ لقمے جو رشوت لے کر تم اپنے حلق سے نیچے اتار رہے ہو یہ آگ کے نہ بجھنے والے انگارے ہیں ان کی سوزش کبھی ختم نہ ہوگی۔

۱۹۹ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ جو رحمٰن و رحیم ہے ایسے لوگوں سے بات تک نہ کرے گا۔ ہر وہ شخص جس نے کبھی اخلاص و محبّت کا نام بھی سُنا ہو یہ سرزنش برداشت نہیں کرسکتا۔ مالکِ حقیقی، محبوبِ حقیقی ہمیشہ مہربانی فرمانے والا ہر وقت بے انداز عنایتیں فرمانے والا اپنی نگاہِ رحمت پھیر لے، اپنے کرم کا رُخ موڑ لے، اپنے خطابِ جاں پرور سے محروم کردے اور پھر دل برداشت کرلے۔ وہ دل نہ ہوا پتھر ہوا بلکہ پتھر سے بھی سخت تر اور فروتر۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ ناراضگی سے بھی بچائے۔ آمین۔

تیسری سزا یہ ہے کہ ان کے چہروں پر کتمانِ حق کی نجاست چسپاں رہنے دی جائے گی۔ آبِ رحمت سے اسے دھویا نہیں جائے گا۔

۲۰۰ ہر دین میں بعض ظاہری اَعمال ہوتے ہیں اور بعض حقیقی مقاصد کیونکہ ان ظاہری اعمال سے انسان دین کے حقیقی مقاصد تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔ اِس لیے اِن ظاہری اعمال کی بجا آوری نہایت ضروری ہوتی ہے۔ جب تک قوم دین کا دامن مضبوطی سے تھامے رہتی ہے۔ وہ ان ظاہری اعمال اور حقیقی مقاصد دونوں کو پیشِ نظر رکھتی ہے اور دونوں کو یکساں اہمیت دیتی ہے لیکن جب دین کا ولولہ سرد پڑ جاتا ہے تو آہستہ آہستہ حقیقی مقاصد آنکھوں سے اوجھل ہونے لگتے ہیں اور قوم صرف ظاہری اعمال کی ادائیگی کو کافی سمجھنے لگتی ہے اور اِن ظاہری اعمال میں حقیقی مقاصد تک پہنچنے کا جذبہ دم توڑ چکا ہوتا ہے۔ اِس لیے وہ اعمال بے جان رسُوم ہو کر رہ جاتے ہیں اور غلط اندیش قوم اِنہیں رسُوم کی بجا آوری کو ہی سب سے بڑی نیکی شمار کرنے لگتی ہے اور حقیقی مقاصد سے یکسر غافل ہو جاتی ہے۔ مثلاً نماز اور روزہ اِسلام کی بُنیادی عبادات میں سے ہیں لیکن حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز کے متعلق اِرشاد

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

طرف اور مغرب کی طرف بلکہ[۲۰۱] نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور روزِ

الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ

قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر اور دے اپنا مال اللہ کی محبّت سے

ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ

رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو

وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ

اور (خرچ کرے) غلام آزاد کرنے میں اور صحیح صحیح ادا کیا کرے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور جو پورا کرنیوالے ہیں اپنے وعدوں کو

فرمایا کہ جو نماز نمازی کو بدکاری سے باز نہ رکھ سکے فَلَمْ تَزِدْهُ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا (اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ)(1) وہ نماز اسے خُدا سے اور زیادہ دُور کر دے گی۔ روزہ سے متعلق اِرشاد ہے مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ(2)۔ روزے دار اگر جُھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے باز نہ آئے تو اللہ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی ضرورت نہیں۔ اس آیت کریمہ میں اسی حقیقت کو کھول کر بیان فرمایا گیا ہے تا کہ اُمّت مُسلمہ پہلی امتوں کی طرح چند ظاہری اعمال پر ہی قانع نہ ہو جائے اور نیکی اور طاعت کو انہی میں منحصر نہ سمجھ بیٹھے۔ صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں کہ لَيْسَ الْبِرَّ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مقررہ سمت کی طرف منہ کرنا نیکی اور طاعت ہے ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی صرف اسی میں منحصر نہیں یہ بھی نیکی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی نیکی اور اطاعت کے کام ہیں جو حقیقی مقاصد ہیں اور تمہاری توجہ کے زیادہ مستحق ہیں۔(3)

۲۰۱ سابقہ غلط فہمی کو دور کرنے کے بعد بڑی وضاحت اور خاص ترتیب سے اسلام کے جملہ حقیقی مقاصد بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ اسلام کی ساری تعلیم ان چار عنوانوں کے نیچے درج کی جا سکتی ہے۔ (۱) عقائد (۲) معاملات (۳) عبادات (۴) اخلاق۔ مَنْ اٰمَنَ سے لے کر وَالنَّبِيّٖنَ تک عقائد اسلامیہ کا ذِکر فرمایا۔ اٰتَى الْمَالَ سے وَفِي الرِّقَابِ تک معاملات کا بیان ہوا۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ سے اِسلامی نظامِ عبادات کے دو اہم ترین رکن نماز و زکوٰۃ بتائے گئے۔ اس کے بعد اِسلام جس ضابطۂ اَخلاق کی پابندی کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے اس کی وضاحت کر دی گئی۔ کاش ایسا مکمل اور لاثانی دستورِ حیات رکھنے والی امت اس پر عمل کرنے کی ضرورت کو بھی محسوس کرے تو وہ اپنے آپ میں اور اپنے گرد و پیش میں ایک واضح اِنقلاب محسوس کرنے لگے:

1۔ معجم کبیر از حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، پیدائش 260ھ، وفات 360ھ، ج 11، ص 54، رقم الحدیث: 11025، مطبوعہ مطبعۃ الزہراء الحدیثۃ بالموصل

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم، ج 1، ص 255، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 173

اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ

جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں اور کمال نیک ہیں ۲۰۲ جو صبر کرتے ہیں مُصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

یہی لوگ ہیں جو راستباز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیزگار ہیں ۔ اے ایمان والو

اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ

فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص ۲۰۳ جو (ناحق) مارے جائیں ۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے

بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ

بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت ، پس جس کو ۲۰۴ معاف کی جائے اسکے بھائی ۲۰۵ (مقتول کے وارث) کیطرف سے

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود (اقبال)(1)

۲۰۲ قاعدہ کے مُطابق والصَّابِرُوْنَ ہونا چاہیے لیکن خلیل امامِ نحو نے کہا کہ یہاں الصّٰبِرِيْنَ منصوب علی المدح ہے (2) اس لیے اس معنی مدح کو جو قرآن کا مدلول ہے ترجمہ میں ظاہر کرنا از حد ضروری ہے اسی لیے میں نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ

۲۰۳ اِسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ اگر طاقتور قبیلے کا کوئی شخص قتل کر دیا جاتا تو وہ صرف قاتل کے قتل پر اکتفانہ کرتے بلکہ قاتل کے قبیلہ کے دس دس بیس بیس آدمی قتل کرنا اپنا حق سمجھتے۔ اگر کسی آزاد کو غلام قتل کر دیتا تو غلام کے بدلے غیر قاتل آزاد کا سر قلم کیا جاتا اور اگر عورت قتل کرتی تو مرد قتل کیا جاتا (3)۔ اسی ظالمانہ اور غیر اسلامی دستُور پر صدیوں عمل ہوتا رہا۔ اور عرب اپنی نسلی نخوت اور قبائلی برتری کی تسکین بے گناہوں کا خون بہا بہا کر کرتے رہے۔ قرآنِ کریم نے اس دستور کو یک قلم منسوخ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ مقتول کا قاتل ہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔ یہ رواج صرف عرب میں ہی نہ تھا بلکہ دوسری قوموں میں بھی تھا بلکہ آج تک یورپ کی حکمران قومیں بھی اِس پر عمل پیرا رہی ہیں۔ جنوبی افریقہ کے حبشی، آسٹریلیا کے اصلی باشندے اور امریکہ کے ریڈ اِنڈین آج بھی اس پر شاہد ہیں۔ یہ فخر اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اس نے جھوٹے امتیازات کے بت مدّت ہوئی پاش پاش کر دیئے اور انسانی مساوات کا صرف قانون ہی پیش نہیں کیا بلکہ عمل کر کے دکھا دیا۔

۲۰۴ قانونِ قصاص میں ایک اور اہم تبدیلی کی جا رہی ہے۔ وہ یہ کہ اگر مقتول کے وارث قاتل سے صلح کرنا چاہیں تو وہ خون بہا لے کر صلح کر سکتے ہیں۔ آج کل کے قانون میں قتل کا جُرم صلح کے قابل نہیں جس سے بہت خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام نے ان خرابیوں کا اِحساس کرتے ہوئے صلح کی اجازت دے دی۔

۲۰۵ مِنْ اَخِيْهِ کا لفظ بڑی شان رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں جب کہ قاتل قتل کا ارتکاب کر چکا ہے۔ محبت، پیار، رحم اور شفقت

1۔ کلیات اقبال فارسی، ص 669، جاوید نامہ، ص 81 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 177 (ماخوذ) 3۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 123

فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ

کچھ چیز تو چاہیے ۲۰۶ کہ طلب کرے (مقتول کا وارث) خون بہا، دستور کے مطابق اور (قاتل کو چاہیے) کہ اسے ادا کرے اچھی طرح۔ یہ رعایت ہے ۲۰۷

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے۔ تو جس نے زیادتی کی ۲۰۸ اس کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ

ہے۔ اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل مندو ۲۰۹ تاکہ تم (قتل کرنے سے)

کے تمام رشتے ٹوٹ چکے ہیں۔ عداوت اور اِنتقام کی آگ بھڑکنے لگی ہے۔ قرآن مقتول کے غضب ناک وارثوں کو یاد دلاتا ہے کہ قاتل مجرم ہے، قصوروار ہے اور تمہارا غصہ بے جا بھی نہیں۔ تاہم تمہارا اِسلامی بھائی تو ہے۔ اگر بخش دو، مُعاف کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ٹوٹے ہوئے دل پھر جُڑ جائیں۔ اور اسلامی مُعاشرے کے دامن میں جو چاک پڑ گیا ہے اسے پھر سے سی دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی پاک کلام کی یہی لطافتیں تھیں جنہوں نے عرب کے سرکشوں کو مطیع بنا دیا تھا۔ (1)

۲۰۶ مقتول کے وارثوں کو نصیحت کی جارہی ہے کہ جس بھائی پر تم نے اتنا احسان کیا اب اس سے خوں بہا اس احسن طریقہ سے طلب کرو کہ اسے تکلیف نہ ہو۔ اور قاتل کو ہدایت فرمائی کہ وہ احسان فراموش نہ بنے بلکہ خوشی خوشی جلدی جلدی خون بہا ادا کر دے۔

۲۰۷ قتل کی سزا قتل ہی تو مقرر نہیں فرمائی بلکہ خوں بہا ادا کرنے کی بھی گنجائش رکھی ہے۔ یہ محض تمہارے رب کا تم پر احسان ہے۔

۲۰۸ تصفیہ کے بعد بھی جو زیادتی کرے گا۔ قاتل ہو یا مقتول کے رشتہ دار اسے دردناک سزا دی جائے گی۔ ہر ایک کو قانون کا احترام اور اس کی پابندی کرنا چاہیے۔ اسی لیے شریعت اسلامیہ نے قصاص لینے، حدود قائم کرنے اور تعزیرات لگانے کا حق افراد کو نہیں دیا بلکہ صرف حکومت وقت کو دیا ہے کیونکہ عدل و اِنصاف قائم رکھنے کی صرف یہی صورت ہے۔ اگر افراد کو یہ حق مل جائے تو وہ افراتفری پیدا ہو کہ الامان!

۲۰۹ اس آیت کریمہ میں قانونِ قصاص کی عِلّت اور حکمت بیان کی جارہی ہے۔ یعنی اگر بے گناہ قتل کرنے والے کو سزا نہیں دی جائے گی تو اس کا حوصلہ بڑھے گا۔ اور مجرمانہ ذہنیت کے دوسرے لوگ بھی نڈر ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیں گے۔ لیکن اگر قاتل کو اس کے جُرم کے بدلے قتل کر دیا گیا تو دوسرے مجرم بھی اپنا بھیانک انجام دیکھ کر باز آجائیں گے۔ اور اس طرح ایک قاتل کے قتل کرنے سے بے شمار معصوم جانیں قتل و غارت سے بچ جائیں گی۔ آج بعض ملکوں میں قتل کی سزا منسوخ کر دی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سزا ظالمانہ اور بہیمانہ ہے۔ مقتول تو قتل ہو چکا، اس کے عوض ایک دوسرے آدمی کو تختہ دار پر لٹکا دینا بے رحمی نہیں تو کیا ہے۔ آپ خوفناک حقائق کو دلکش عبارتوں سے حسین بنا سکتے ہیں۔ لیکن نہ آپ اِن کی حقیقت کو بدل سکتے ہیں اور نہ ان

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج2، ص50

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ

پرہیز کرنے لگو۔ فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آجائے تم میں سے کسی کے موت بشرطیکہ چھوڑے

خَيْرَا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا

کچھ مال۔ کہ وصیت کرے اپنے ماں باپ کے لیے اور قریبی رشتہ داروں کے لیے انصاف کے ساتھ۔ ایسا کرنا

عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ

ضروری ہے پرہیزگاروں پر۔ پھر جو بدل ڈالے اس وصیت کو سن لینے کے بعد تو اس کا گناہ انہیں

عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ

بدلنے والوں پر ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور جسے اندیشہ ہو

کے برے نتائج کو رُو پذیر ہونے سے روک سکتے ہیں۔ جس مُلک کے قانون کی آنکھیں ظالم قاتل کے گلے میں پھانسی کا پھندا دیکھ کر پُرنَم ہو جائیں وہاں مظلوم و بے کس کا خدا ہی حافظ، وہ اپنے آغوش میں ایسے مجرموں کو ناز و نعم سے پال رہا ہے جو اس کے چمنستان کے شگفتہ پھولوں کو مسل کر رکھ دیں گے۔ وہ دین جو دین فطرت ہے، جو ہر قیمت پر عدل و انصاف کا ترازو برابر رکھنے کا مدّعی ہے اس سے ایسی بے جا بلکہ نازیبا ناز برداری کی توقع عبث ہے۔

۲۱۰ اِن آیاتِ کریمہ سے عرب کے ایک اور جاہلانہ رواج میں اصلاح فرمائی۔ اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ مرتے وقت اپنے مال کی وصیت ایسے لوگوں کے نام کر جاتے جن سے ان کا دُور کا واسطہ بھی نہ ہوتا۔ اور اپنے زعمِ باطل میں اسے سخاوت سے تعبیر کرتے۔ اور اگر کوئی وصیت کیے بغیر مر جاتا تو وراثت صرف اولاد اور بیوی میں بٹ جاتی۔ والدین اور دوسرے رشتہ دار بالکل محروم رہتے۔ یہ دونوں صورتیں کیونکہ ظلم صریح تھیں اس لیے قرآن حکیم نے اس کی اصلاح فرما دی۔ لیکن یک لخت سارے سابقہ نظام کو درہم برہم نہیں کیا بلکہ آہستہ آہستہ اصلاح فرمائی تاکہ طبیعتوں میں بے چینی بھی پیدا نہ ہو اور اِصلاح کا مقصد پُورا ہو جائے۔ اس لیے اس سے پہلے کہ وراثت کی تقسیم کا منظم و مکمل قانون نافذ کیا جاتا انہیں ان آیات میں وصیت کا حکم دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کریں اور ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق حصہ دے دیں۔ لیکن اِتنے اہم کام کو عوام کی مرضی اور صرف اِن کے رحم و کرم پر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا اس لیے کچھ مدت کے بعد سورۃ النساء میں وراثت کے احکام بالتفصیل بیان فرما دیئے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احکامِ وصیت اور احکامِ وراثت کی وضاحت فرماتے ہوئے دو قاعدے بیان کیے۔ پہلا قاعدہ تو یہ ہے کہ اِن رِشتہ داروں کے لیے وصیت کی ممانعت کر دی جو وراثت میں حصّہ دار ہیں۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ وصیت کو مالِ متروکہ کے تیسرے حصے تک محدود فرما دیا۔ 1/3 حصہ تک اپنے غیر وارث رشتہ داروں یا دوسرے مستحق

مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ

وصیّت کرنے والے سے کسی طرفداری یا گناہ کا پس وہ صلح کرا دے ان کے درمیان تو کچھ گناہ نہیں اس پر

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ ع ۲۲

بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اے ایمان والو! فرض کیے گئے ہیں تم پر

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ ۙ

روزے ۲۱۱ جیسے فرض کیے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے کہ کہیں تم پرہیزگار بن جاؤ ۲۱۲

لوگوں یا رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کرسکتا ہے۔ اسلام کا یہ وہ حکیمانہ اور متوازن نظام ہے جس پر مسلمانوں کو بجا طور پر نازاں ہونا چاہیے۔ بعض لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عائد کردہ ان پابندیوں کو اپنی کم فہمی سے خلافِ قرآن کہتے ہوئے ماننے سے انکار کرنے لگے ہیں۔ لیکن اگر وہ ذرا تامل کریں تو انہیں معلوم ہوجائے کہ اگر یہ پابندیاں اٹھادی جائیں تو آپ کا نظامِ وراثت بازیچۂ طفلاں بن کر رہ جائے۔

(مزید تحقیق کے لیے احقر کی تالیف سُنّت خیر الانام: صفحہ 257 تا 273 ملاحظہ ہو۔ تمام شکوک وشبہات کا مفصل جواب درج ہے)

۲۱۱ صِيَامٌ جمع ہے۔ اس کا مفرد ہے صَوْمٌ۔ لغت میں صوم کا معنی ہے اَلْاِمْسَاكُ عَمَّا تَنَازَعَ اِلَيْهِ النَّفْسُ۔ (1) اس چیز سے باز رہنا جس کی طرف نفس کشش محسوس کرتا ہو۔ اور شریعت میں صوم کہتے ہیں کہ انسان عبادت کی نیت سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور عمل زوجیت سے رُکا رہے (2)۔ یہ حکم ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوا (3)۔ پہلی اُمتوں پر بھی روزے فرض تھے۔ گو ان کی تعداد اور کیفیت الگ تھی۔

۲۱۲ روزے کا مقصد اعلیٰ اور اس سخت ریاضت کا پھل یہ ہے کہ تم متقی اور پاکباز بن جاؤ۔ روزے کا مقصد صرف یہ نہیں کہ ان تینوں باتوں سے پرہیز کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمام اخلاقِ رزیلہ اور اعمالِ بد سے انسان مکمل طور پر دستکش ہوجائے۔ تم پیاس سے تڑپ رہے ہو، تم بھوک سے بے تاب ہو رہے ہو۔ تمہیں کوئی دیکھ بھی نہیں رہا۔ ٹھنڈے پانی کی صراحی اور لذیذ کھانا پاس رکھا ہے لیکن تم ہاتھ بڑھانا تو کجا آنکھ اٹھا کر اُدھر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے نا کہ تمہارے رب کا یہ حکم ہے! اب جب حلال چیزیں اپنے رب کے حکم سے تم نے ترک کردیں تو وہ چیزیں جن کو تمہارے رب نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام کردیا ہے (چوری، رشوت، بددیانتی وغیرہ) اگر یہ مراقبہ پختہ ہوجائے تو کیا تم اِن کا ارتکاب کرسکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ مہینہ بھر

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 38
2۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 128، تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 188
3۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 129

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ

یہ گنتی کے چند روز ہیں ۔ پھر جو تم میں سے بیمار ہو ۲۱۳ یا سفر میں ہو تو اتنے

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ

روزے اور دنوں میں رکھ لے ۔ اور جو لوگ ۲۱۴ اسے بہت مشکل سے ادا کر سکیں ان کے ذمہ فدیہ ہے

مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ

ایک مسکین کا کھانا ۔ اور جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو وہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے ۔ اور تمہارا روزہ رکھنا ہی بہتر ہے

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ

تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو ۔ ماہِ رمضان المبارک جس میں اُتارا گیا

کی اس مشق کا مقصد یہی ہے کہ تم سال کے باقی گیارہ ماہ بھی اللہ سے ڈرتے ہوئے یونہی گزار دو۔ جو لوگ روزہ تو رکھ لیتے ہیں لیکن جھوٹ، غیبت نظر بازی وغیرہ سے باز نہیں آتے۔ ان کے متعلق حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح الفاظ میں فرما دیا۔ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ (1)۔ یعنی جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا۔ اگر اس نے کھانا پینا ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اِس کی کوئی قدر نہیں۔

۲۱۳ مریض اور مُسافر کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ مریض سے مُراد وہ شخص ہے کہ اگر روزہ رکھے تو اس کی ہلاکت یا اس کے مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو اور سفر سے مراد احناف کے نزدیک 3 روز کا سفر ہے (2) جس کا اندازہ 36 کوس یا 54 میل ہے۔ خواہ آپ اتنی مُسافت آج ایک گھنٹہ میں طے کریں آپ کو افطار کی اجازت ہے۔ بیماری اور سفر سے جتنے روزے آپ نہ رکھ سکیں تو صحت یاب ہونے اور سفر سے واپس آنے پر اُن کی قضا دینا ہوگی۔ مریض اور مُسافر کو افطار کی اجازت ہے لیکن روزہ رکھنا افضل ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں کبھی روزہ رکھا اور کبھی نہیں رکھا۔ لیکن سفر جہاد میں روزے کے افطار کا حکم ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا اِنَّكُمْ يَوْمُ قِتَالٍ فَاَفْطِرُوْا (3) آج جنگ کا دن ہے روزے افطار کرو۔

۲۱۴ اس آیت میں علماء تفسیر کا اِختلاف ہے۔ اکثر کی رائے تو یہ ہے کہ ابتدا میں جب روزے رکھنے کا حکم دیا گیا تو لوگوں کی آسانی کے پیش نظر یہ گنجائش رکھی گئی کہ اگر کوئی روزے نہ رکھے تو وہ فِدیہ ادا کر دے۔ بعد میں جب لوگ روزے کی لذت و برکت سے آشنا ہو گئے تو یہ رعایت واپس لے لی گئی۔ اور عام حکم دے دیا گیا۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ نفاذِ شریعت میں جس تدریج کو ملحوظ رکھا گیا ہے یہ قول اس کے عین مطابق ہے۔ لیکن بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ يُطِيْقُوْنَهٗ کا معنی ہے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم، ج 1، ص 255
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 90-189
3۔ المطالب العالیہ از حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن حجر عسقلانی، متوفی 852ھ، ص 962، مطبوعہ التراث الاسلامی بحوالہ موسوعۃ اطراف الحدیث، ج 2، ص 71، مطبوعہ دار الفکر بیروت

الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ

قرآن ۲۱۵ اس حال میں کہ یہ راہِ حق دکھاتا ہے لوگوں کو اور (اس میں) روشن دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنیکی۔ سو جو

شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى

کوئی پائے ۲۱۶ تم میں سے اس مہینہ کو تو وہ یہ مہینہ روزے رکھے۔ اور جو کوئی ۲۱۷ بیمار ہو ، یا

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ

سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دِنوں میں رکھ لے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے لیے سہولت اور نہیں چاہتا ۲۱۸

کہ جو لوگ بڑی ہی مشکل سے روزہ رکھ سکتے ہوں وہ فدیہ ادا کریں۔ مثلاً بوڑھا، دائم المریض، حاملہ عورت، دودھ پلانے والی۔ ان کے لیے یہ رعایت دی گئی ہے۔ اور یہ رعایت آج بھی بحال ہے(1)۔

۲۱۵ پہلی آیت میں روزہ رکھنے کی حکمت بیان کی گئی تھی۔ کہ تم متقی بن جاؤ۔ اب اس بات کی حکمت بیان کی جارہی ہے کہ ماہِ رمضان اس عبادت کے لیے کیوں مخصوص کیا گیا۔ بتایا کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآنِ کریم کے نزول کا آغاز ہوا۔ وہ قرآن جو کسی خاص قوم یا ملک کے لیے نہیں بلکہ هُدًى لِّلنَّاسِ تمام اولادِ آدم کے لیے ہادی و مُرشِد ہے۔ اور اس کی ہدایت کی روشنی اتنی کھلی ہے کہ حق اور باطل بالکل ممتاز ہوجاتے ہیں۔ جس ماہ میں اتنی بڑی نعمت سے سرفراز کیا گیا ہو وہ ماہ اس قابل ہے کہ اس کا ہر لمحہ ہر لحظہ اپنے محسن حقیقی کی شکرگزاری میں صرف کردیا جائے۔ اور اس نعمت کی شکرگزاری کی بہترین صورت یہی ہے کہ دن میں روزہ رکھا جائے۔ رات کو قرآن پڑھا اور سنا جائے تاکہ اس ماہ میں نفس کی ایسی تربیت ہوجائے کہ وہ اس بارِ امانت کو اچھی طرح اٹھا سکے۔ اس آیت کا آخری حصہ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اغلباً اسی حقیقت کی طرف اشارہ کررہا ہے۔

۲۱۶ علامہ قرطبی لکھتے ہیں فَزَالَتِ الرُّخْصَةُ اِلَّا لِمَنْ عَجَزَ مِنْهُمْ(2)۔ پہلے حکم میں روزہ کی بجائے فدیہ دینے کی جو رعایت دی گئی تھی وہ اس آیت سے ختم ہوگئی۔ شہود سے دیکھنا اور جاننا دونوں مراد ہیں۔ یعنی خواہ وہ خود دیکھے یا صحیح طریقے سے اس کا دیکھا جانا معلوم ہوجائے تو روزہ رکھنا فرض ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اختلاف مطالع ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ اس لیے فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر دور دراز علاقہ میں چاند دیکھا جائے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اِنَّ الْبِلَادَ اِذَا تَبَاعَدَتْ كَتَبَاعُدِ الشَّامِ مِنَ الْحِجَازِ فَالْوَاجِبُ عَلٰى اَهْلِ كُلِّ بَلَدٍ اَنْ تَعْمَلَ عَلٰى رُؤْيَتِهٖ دُوْنَ رُؤْيَةِ غَيْرِهٖ (قرطبی)(3) قمری سال کا مہینہ مقرر فرمایا کیونکہ یہ سال کے مختلف موسموں میں پھرتا رہتا ہے۔ تاکہ مسلمان سردی گرمی سب موسموں میں بھوک پیاس کی شدت برداشت کرنے کے عادی ہوجائیں۔

۲۱۷ کیونکہ فدیہ کی رعایت واپس لے لی گئی تھی اس سے گمان ہوسکتا تھا کہ مریض اور مسافر کے لیے اِفطار کی جو اجازت دی گئی تھی شاید وہ بھی ساقط کردی گئی ہو۔ اِس لیے اس کو واضح کیا کہ نہیں وہ رخصت بحال ہے۔

۲۱۸ یعنی احکام شرعیہ تعزیری احکام نہیں جن سے کسی کو تنگ کرنا اور تکلیف دینا مقصود ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا منشا ان سے تمہاری

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص194 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج1، جز2، ص288 3۔ ایضاً، ص295

بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

تمہارے لیے دشواری اور (چاہتا ہے کہ) تم گنتی پوری کرلیا کرو۔ اور اللہ کی بڑائی بیان کیا کرو اِس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ

دی اور تاکہ تم شکر گزاری کیا کرو۔ اور جب پوچھیں ۲۱۹ آپ سے (اے میرے حبیب) میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ) میں (ان کے) بالکل نزدیک

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ

ہوں۔ قبول کرتا ہوں دُعا ۲۲۰ دُعا کرنیوالے کی جب وہ دُعا مانگتا ہے مجھ سے پس انہیں چاہئے کہ میرے حکم مانیں اور ایمان لائیں مجھ پر

آسانی اور اصلاح کرنا ہے۔ اس ٹکڑے میں گویا احکامِ شرعیہ کی روحِ رواں کا ذکر فرمادیا۔

۲۱۹ کتنی پیاری آیت ہے ہجومِ بلا میں، طوفانِ مصائب میں، گردابِ ہلاکت میں گھرے ہوئے شکستہ دل اور پریشان انسان کے لیے اِن چند لفظوں میں اطمینان وسکون کا کیا رُوح پرور پیغام ہے۔ آپ غور فرمایئے۔ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کے دو لفظوں میں راحت واطمینان کی ایک دنیا سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ کسی فصل بہار کی نسیم سحر میں، کسی ابر نیساں کے حیات بخش قطروں میں وہ اثر کہاں جو اثر ان دو لفظوں میں ہے۔ دکھ درد کا مارا جب یہ سُنتا ہے کہ میرا مالک، میرا خالق مجھ سے الگ تھلگ کہیں دور نہیں کہ اسے میرے حال کا علم نہ ہو۔ رنج والم کی خبر نہ ہو بلکہ وہ قریب ہے، بالکل قریب، نزدیک ہے، رگِ جاں سے بھی زیادہ نزدیک تو اسے کتنا قرار آجاتا ہے۔ تمہاری زبان پر آئی ہوئی بات تو کیا تمہارے دل میں منہ چھپائے ہوئے اسرار جو قوتِ گویائی کو اپنا چہرہ دکھانے سے شرماتے ہیں۔ افکار اور اندیشوں کے وہ نازک ولطیف آبگینے جو ہوائی صوتی لہروں کو بھی برداشت نہیں کرسکتے۔ اِن سب کو وہ جانتا ہے۔ وہ قادِر بھی ہے رحمٰن ورحیم بھی، تم دست دُعا دراز تو کرو۔ تم دامن طلب پھیلا کر تو دیکھو۔ تم دل کے ہاتھوں سے اُس کے درِ رحمت پر دستک تو دو، وہ سنے گا تمہاری فریاد۔ وہ قبول کرے گا تمہاری دُعا۔ وہ بدل دے گا تمہاری بگڑی ہوئی قسمت۔ لیکن جب وہ کرم فرمائے تو سرکش نہ بن جانا۔ اِسی طرح سرنیاز اس کے درِ اقدس پر جھکائے رکھنا۔ اسلام قبول کرنے پر جو ذمہ داریاں تم نے قبول کی تھیں۔ جو عہد تم نے باندھا تھا ان کو نباہتے رہنا۔ رُشد وہدایت پاجاؤ گے کامیاب وکامران ہوجاؤ گے۔

۲۲۰ ممکن ہے یہاں پر کسی کو شک گزرے کہ بسا اوقات دعا کرتے کرتے سالہا سال گزر جاتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتی۔ اِس کی ایک بڑی وجہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ يَمُدُّ يَدَهٗ اِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَّ مَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَّ غُذِّیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ (رواہ مسلم)(1) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ وہ دُور دراز کا سفر کرتا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے۔ بال اس کے پریشان، جسم اس کا گرد آلود۔ اس کا کھانا پینا اور لباس سب حرام کمائی سے ہے۔ اس کے پیٹ میں جو غذا ہے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف، ج1، ص326، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى

تاکہ وہ کہیں ہدایت پاجائیں۔ حلال ۲۲۱ کردیا گیا ہے تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں اپنی

نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ

عورتوں کے پاس جانا۔ وہ ۲۲۲ تمہارے لیے پردہ، زینت وآرام ہیں اور تم ان کے لیے پردہ، زینت وآرام ہو۔ جانتا ہے اللہ تعالیٰ

اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ

کہ تم خیانت کیا کرتے تھے اپنے آپ سے پس اس نے نظرِ کرم فرمائی تم پر اور معاف کردیا تمہیں،

فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

سو اب تم ان سے ملو ملاؤ اور طلب کرو جو (قسمت میں) لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لیے اور کھاؤ اور پیئو

وہ بھی حرام ہے، (تو وہ لاکھ پکارے اور دعائیں کرے) ایسے حرام خور کی دعا کب قبول ہونے کے لائق ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو فرمایا تھا کہ اگر چاہتے ہو کہ تمہاری ہر دعا قبول ہو تو رزقِ حلال کھایا کرو(1)۔ دعا کی قبولیت کی ان شرائط کو ہم نے فراموش کردیا۔ بلکہ ہم نے تو حلال وحرام میں فرق کرنے کی زحمت بھی کبھی گوارا نہیں کی۔ اگر ہماری دعائیں قبول نہ ہوں تو جائے تعجب نہیں بلکہ تعجب وحیرت تو اس کی رحمت بے پایاں پر ہے کہ پھر بھی وہ فریادیں سُن لیتا ہے۔

۲۲۱ ابتدا میں دن کی طرح رات کو بھی عورتوں سے علیحدہ رہنے کا حکم تھا۔ لیکن بعد میں تخفیف کردی گئی اور رات کو مقاربت کی اجازت دے دی گئی۔ اَن گنت سلام اور بے شمار درُود اس ذاتِ پاک پر جو رحمت بن کر آیا تھا۔ رحمت لے کر آیا تھا۔ رَفَثٌ ایک جامع لفظ ہے جو میاں بیوی کے خصوصی تعلقات کے سارے درجوں کو شامل ہے۔ قَالَ الزُّجَاجُ الرَّفَثُ كَلِمَةٌ جَامِعَةٌ لِّكُلِّ مَا يُرِيْدُ الرَّجُلُ مِنِ امْرَأَتِهٖ (قرطبی)(2)

۲۲۲ آیت کا یہ حصّہ خاص توجہ طلب ہے۔ مرد اور عورت کے باہمی تعلقات کو اِنتہائی خوش اسلوبی سے بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی جیسے وہ تمہارے لیے لباس ہیں ویسے ہی تم ان کے لیے لباس ہو۔ اِس لحاظ سے دونوں کے حقوق اور فرائض مساوی ہیں۔ پھر لباس کی تعبیر کتنی معنی خیز ہے۔ مختصر الفاظ میں لباس پردہ ہے، ہر عیب کو چھپاتا ہے۔ زینت ہے، حُسن و جمال کو نکھارتا ہے۔ راحت ہے، سردی وگرمی سے بچاتا ہے۔ کیا ایک اچھی بیوی اپنے خاوند کے لیے اور ایک اچھا خاوند اپنی بیوی کے لیے پردہ، زینت اور راحت نہیں؟ یقیناً ہے جس ملّت کے ہر گھر میں زوجیت کا یہ بلند تصوّر اور اعلیٰ معیار ہو اس کے لیے یہ دنیا جنّت نہیں تو اور کیا ہے۔ اسلام پر یہ اعتراض کرنے والے کہ اس نے عورت کے حقوق کو پامال کردیا ہے۔ اگر آیت کے اسی حصّہ پر

1۔ الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف از حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری، متوفی 656ھ،، ج2، ص547، مطبوعہ مصطفیٰ حلبی، بیروت

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج1، جز2، ص315

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ

یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید ڈورا۔ سیاہ ڈورے سے ۲۲۳ صبح کے

الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ

وقت پھر پورا کرو ۲۲۴ روزہ کو رات تک اور نہ مباشرت کرو ان سے ۲۲۵ جب کہ

عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ كَذٰلِكَ

تم اعتکاف بیٹھے ہو مسجدوں میں یہ اللہ کی حدیں ہیں ان (کو توڑنے) کے ۲۲۶ قریب بھی نہ جانا۔ اسی طرح

نظر ڈالیں تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ ہاں اسلام نے ملّت ابراہیمی کی بیٹیوں کے چہروں سے شرم وحیا کا نقاب نوچنے کا حکم نہیں دیا۔ اس نے عورت کو محفل رقص وسرود کی زینت بننے کی اجازت نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک مستقل دین ہے۔ اس کا اپنا نظام، اپنا قانون اور اپنا ضابطۂ حیات ہے اور اس کے استقلال کی یہی علامت ہے کہ وہ ہر حالت میں اسی ضابطے کا پابند رہے۔ کسی کو پسند آئے یہ بات یا نہ۔ کوئی خوش ہو یا ناخوش۔ اسلام کو ہر دلعزیز بنانے اور اسے تہذیب مغرب سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اِس کے سادہ لوح بہی خواہوں نے اِس کے فطری خدوخال میں جس وقت قطع و بُرید گوارا کر لی اُس دن اِسلام بحیثیت ایک مستقل ضابطۂ حیات کے ہم سے چھن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس روزِ بد سے بچائے۔

۲۲۳ اس سے مراد صبح صادق کا طلوع ہے یعنی وہ روشنی جو دائیں بائیں پھیلتی ہے قَالَ الْجَمْهُوْرُ ذَالِكَ الْفَجْرُ الْمُعْتَرِضُ فِي الْاُفُقِ يُمْنَةً وَّيُسْرَةً (قرطبی)(1) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پُوچھا یا رسول اللہ! کیا خیطِ ابیض اور خیطِ اسود سے سفید اور سیاہ دوتاگے مراد ہیں۔ حضور نے فرمایا: لَا بَلْ هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَ بَيَاضُ النَّهَارِ (2) نہیں بلکہ اِس سے مراد رات کی تاریکی اور دن کی روشنی ہے۔ اور لغتِ عرب میں خَيْطٌ کا لفظ لَوْنٌ کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ وَالْخَيْطُ فِيْ كَلَامِهِمْ عِبَارَةٌ عَنِ اللَّوْنِ (قرطبی)(3)

۲۲۴ پہلے روزے کی اِبتدا کا وقت بتایا اب اِس کے اِختتام کا وقت بتایا جا رہا ہے۔ صبح صادق سے لے کر رات آنے تک روزہ رکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اِس ارشاد سے وضاحت فرما دی۔ اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا وَاَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا (4) جب ادھر (مشرق) سے رات آ جائے اور اُدھر (مغرب) سے دن پیٹھ پھیر دے وہ وقت ہے اِفطار کا۔ بعض لوگ روزہ کے اِفطار میں اتنی جلدی کرنے لگے ہیں کہ سورج ابھی صحیح طور پر غروب نہیں ہوتا کہ وہ افطار کا نقارہ بجا دیتے ہیں۔

۲۲۵ اگر کوئی معتکف ہو تو اسے رات کو بھی اپنی بیوی سے مقاربت جائز نہیں۔

۲۲۶ یعنی اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑ کر آگے نکل جانے کا تو خیال ہی مت کرو۔ تمہاری سلامتی اور بھلائی اسی میں ہے ان

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج1، جز2، ص318
2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ کلوا واشربوا حتیٰ، ج2، ص647۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، ص320
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت، ج1، جز2، ص320
4۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب متی یحل فطر الصائم، ج1، ص262

يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ

بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کرلیں - اور نہ کھاؤ ایک دُوسرے کا مال

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ

آپس میں ۲۲۷ ناجائز طریقہ سے اور نہ ۲۲۸ رسائی حاصل کرو اس مال سے (رشوت دیکر) حاکموں تک تاکہ یوں کھاؤ کچھ حصہ ۲۲۹

کے نزدیک تک مت جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ مشتعل جذبات کی رَو تمہارے قدم حدود کے پاس جمنے ہی نہ دے اور تم بے بس اور بے اختیار ہوکر بہتے چلے جاؤ۔ اِس لیے تمہاری بہتری اِسی میں ہے کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان کے پاس بھی نہ پھٹکو۔

۲۲۷ اسلامی نظام معاشیات کا ایک اور قاعدہ بیان ہورہا ہے یعنی ناجائز طریقہ سے لوگوں کے مال نہ کھاؤ۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں مَنْ اَخَذَ مَالَ غَيْرِهٖ لَا عَلٰى وَجْهِ اَذِنَ الشَّرْعُ فَقَدْ اَكَلَهٗ بِالْبَاطِلِ۔ وہ شخص جس نے ایسے طریقے سے مال حاصل کیا جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی تو اس نے باطل ذریعہ سے کھایا۔ فَيَدْخُلُ فِيْ هٰذَا الْقُمَارُ وَالْخِدَاعُ وَالْغُصُوْبُ وَجَحْدُ الْحُقُوْقِ وَمَالَا تَطِيْبُ بِهٖ نَفْسُ مَالِكِهٖ: ترجمہ۔ اس میں جوا، دھوکہ دہی، زبردستی چھین لینا، کسی کے حقوق کا انکار اور وہ مال جسے اس کے مالک نے خوشی سے نہیں دیا۔ سب اکلِ باطل میں شامل ہیں۔ علامہ قرطبی نے یہ تصریح بھی کی ہے، اگر کوئی شخص رشوت دے کر یا جھوٹی قسم کھا کر یا جھوٹی گواہیاں دلوا کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لے تو قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کرسکتا۔ فَالْحَرَامُ لَا يَصِيْرُ حَلَالًا بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بھی سُن لیجئے۔ اِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيْ لَهٗ عَلٰى نَحْوٍ مِّمَّا اَسْمَعُ فَمَنْ قَطَعْتُ لَهٗ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ شَيْئًا فَلَا يَاْخُذْهُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ (قرطبی)(4) ترجمہ: تم میرے پاس جھگڑے چکانے کے لیے آتے ہو۔ ممکن ہے تم میں سے ایک فریق زیادہ چرب زبان ہو اور میں (بفرضِ محال) اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ اگر میں کسی کو اس کے بھائی کا حق دے دوں تو وہ ہرگز نہ لے، بے شک وہ اس کے حق میں آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔

اگر ہمارا باہمی لین دین قرآن کے اِس حکم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس واضح ارشاد کے مطابق ہوجائے تو کتنی مقدمہ بازیاں ختم ہوجائیں، اِن کی پیروی پر جو بے محابا روپیہ اور بے انداز وقت ضائع ہوتا ہے وہ بچ جائے۔ اِن مقدمہ بازیوں کا ایک بہت بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ قریبی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ باہمی محبت اور اخلاص کی جگہ نفرت اور دشمنی پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر ہم قرآن کے اس حکم کو سچے دل سے مان لیں تو اسلامی معاشرہ ان سب خرابیوں سے پاک ہوجائے گا۔ اور اس کا ماحول اتنا پاکیزہ اور خوشگوار بن جائے گا جس کا ہم اِس وقت تصوّر بھی نہیں کرسکتے۔ کاش! قرآن کو سینے سے لگانے والا مسلمان اس پر عمل کرنے کی اہمیت کا بھی احساس کرے۔

۲۲۸ دوسروں کے مال ناجائز طور پر کھانے کا یہ بھی ایک مرّوج اور مؤثر طریقہ تھا جواب بھی ہے کہ حکام کو رشوت دے کر ان سے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج1، جز2، ص338

ع ۲۳ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ

لوگوں کے مال کا ظلم سے حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے)۔ دریافت کرتے ہیں آپ سے ۲۳۰ نئے چاند کے متعلق

قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا

(کہ یہ کیونکر گھٹتے بڑھتے ہیں) فرمایئے یہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے اور حج کیلئے اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم داخل ہو

اپنے حق میں فیصلہ کرالیا جائے۔ اس ناپاک طریقہ کی ممانعت کو الگ ذکر فرمایا۔ لفظ تُدْلُوْا ماخوذ ہے اِدْلَاءٌ سے۔ اس کا معنی ہے رسی کو کنوئیں میں پانی نکالنے کیلئے لٹکانا۔ اس سے مراد ہے کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا۔ اُسْتُعِيْرَ لِلتَّوَصُّلِ اِلٰى شَيْءٍ (مفردات)(1)

۲۲۹ فریق کا معنی گروہ بھی ہے۔ اور کسی چیز کے حصّہ اور جز کو بھی فریق کہتے ہیں۔ یہاں یہی معنی مُراد ہے۔ فَرِيْقًا اَیْ قِطْعَةً وَّ جُزْأً (قرطبی)(2)

۲۳۰ قدرت کی کرشمہ سازی ملاحظہ ہو۔ ایک طرف مظاہر فطرت کو اتنا حسیں بنا دیا کہ دل بے ساختہ ان کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں۔ دوسری طرف اِن میں اتنا غموض رکھ دیا کہ لاکھ سر پٹخئے اِن کی دلکشی اور حُسن کا راز معلوم نہیں ہوتا۔ اور اس پر ستم ظریفی یہ فرمائی کہ کھوج لگانے کی تڑپ اور سُراغرسانی کی بے تابیاں مضمر کر دیں۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ کیوں؟ اِس لیے کہ اِس کے بغیر نہ تو عروسِ کائنات کے حُسن پر نکھار آ سکتا تھا اور نہ اِن صلاحیتوں کا اِظہار ہو سکتا تھا جو کمال حکمت سے آدمِ خاکی میں سمو دی گئی تھیں۔ ایک وقت ایسا آیا کہ انسان جب اِس غموض سے پردہ نہ اُٹھا سکا تو ہیبت حُسن اور جلالِ دلربائی کے سامنے سر بسجود ہو گیا۔ پھر کیا تھا کائنات پر جمود طاری ہو گیا۔ ہر چیز اَفسردہ، ہر نظارہ پژمُردہ نظر آنے لگا۔ کیونکہ وہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا تھا جو گیسوئے کائنات کی مشاطگی کے لیے پیدا ہوا تھا اور طبع فِتنہ طراز و جلوہ پرور کو پابجولاں کر دیا گیا تھا۔ عقل و نظر کے سب چراغ بجھا دیئے گئے تھے۔ رونق آتی تو کہاں سے، بارونق ہوتی تو کیا چیز؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ جس نے آ کر انسان کی آنکھ سے جہالت کی پٹی کھولی۔ اس کی چندھیائی ہوئی آنکھوں کو تازہ بینائی مرحمت فرمائی اور اسے بتایا کہ یہ مہر و ماہ، ارض و سما، کوہ و دمن، دریا و صحرا تیرے مسجود نہیں، تیرے معبود نہیں، بلکہ تیرے غلام ہیں تو قدمِ شوق اُٹھا تو سہی اِن کی ساری نخوتیں تیری راہ میں پامال ہونے کے لیے بے چین ہیں، تو چشم جہاں بیں کھول کر تو دیکھ اِن کی ساری رعنائیاں اپنے نقاب الٹنے کے لیے بے تاب ہیں۔ اور تو اِن سے ڈر کر، مرعوب ہو کر دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے اور جب بھاگ نہیں سکتا تو غش کھا کر سجدہ کناں ان کے قدموں پر گر پڑتا ہے۔ فاران کی چوٹیوں سے ایک مسیحا نے انسان کی خوابیدہ قوتوں بلکہ انسان کے خوابیدہ بخت کو جھنجھوڑا۔

جہاں اگرچہ دگرگُوں ہے قُم باذنِ اللہ — وُہی زمیں وہی گردُوں ہے قم باذنِ اللہ
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے — تیری رگوں میں وہی خوں ہے قم باذنِ اللہ (3)

1۔ مفردات راغب، ص 317 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 1، جز 2، ص 340 3۔ کلیات اقبال اردو، ضرب کلیم، ص 88-687

الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ

گھروں میں انکے پچھواڑے سے ہاں نیکی تو یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے۔ اور آیا کرو گھروں میں ۲۳۱

جہاں تک انسان کی فکری غلطی کا تعلق تھا اس کی اصلاح کر دی گئی۔ انہیں بتا دیا گیا کہ کائنات کی بڑی سے بڑی کوئی چیز معبود نہیں بلکہ تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے۔ تمہارا اور کائنات کی ہر چیز کا خالق اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اور اِس حقیقت کو اتنا واضح کر دیا کہ شک وشبہ کا شائبہ تک نہ چھوڑا۔ لیکن اس کے بعد وہی کائنات کی دلکشی تھی۔ وہی اس کا غموض تھا اور وہی جذبۂ جستجو کی چبھن تھی۔ جب وہ اس الجھن کو حل نہ کر پاتے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا حل طلب کرتے اس امید پر کہ جس نے ہمیں اتنی بڑی فِکری اُفتاد سے بچایا ہے وہی اس مشکل کو آسان کر دے گا۔ ان کی یہ توقع نہ بے محل تھی اور نہ بیجا۔ لیکن اِس استادِ کامل کی شفقت ان کی یہ خواہش پوری کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ کیونکہ اِس میں ان کا سراسر نقصان تھا۔ آپ شاید پوچھیں یہ کیسے؟ تو سنیے اگر کوئی استاد ریاضی کے سب سوال خود حل کر کے دے دیا کرے اور اپنے طلبہ کو اپنا دماغ استعمال کرنے کا موقع ہی نہ دے تو کیا وہ ریاضی میں مہارت پیدا کر سکیں گے؟ کبھی ان میں خود اِعتمادی کا جوہر چمکے گا؟ اور کمال شفقت کا تقاضا یہی ہے کہ شاگرد اپنی عقل سے اِس گرہ کو کھولے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام ایسے سوالات کا جواب دینے سے اِس لیے دانستہ اعراض فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت اپنی ذہنی اور روحانی توانائیوں کو بروئے کار لا کر اِن چیزوں کو مسخر اور فرمانبردار بنائے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلکیات اور طبیعات وغیرہا کے اسرار سے خود نقاب اٹھا دیتے تو اُمت کی عقلیں بانجھ ہو کر رہ جاتیں۔ اور اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ اور اَفَلَا تَتَدَبَّرُوْنَ کی بانگ شوق افروز پر کیونکر لبیک کہی جا سکتی۔ اِسی قسم کا یہ سوال ہے اور اس کا جواب۔ چاند کا نمودار ہونا، ایک اندازے سے اس کا بڑھنا، پھر گھٹنا اور پھر غائب ہو جانا۔ ایک عجیب بات تھی۔ جس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے رہ رہ کر دل میں شوق پیدا ہوتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اِس کی وجہ دریافت کی تو اللہ تعالیٰ نے اِس سوال کا جواب نہ دیا۔ کیونکہ اس کا جواب ہمیں خود تلاش کرنا تھا۔ بلکہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے فوائد بتا دیئے کہ اِس سے تم اپنی عبادات، لین دین وغیرہ کے وقت مقرر کر سکتے ہو۔ اور یہ کھلی ہوئی جنتری ہے۔ جس سے ہر شخص پڑھا ہوا ہو یا ان پڑھ، شہری ہو یا دیہاتی، وقت معلوم کر سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس سکوت سے جو عین مصلحت اور سراسر شفقت ورحمت کا مظہر ہے۔ بعض کج فہم یہ نتیجہ اخذ کرنے لگے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعوذ باللہ اِن اُمور کا علم نہ تھا۔ اور خاموشی لاعلمی کی وجہ سے تھی۔ لیکن یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا علم بھی نہ ہو جتنا مڈل، یا میٹرک کے ایک طالب علم کو ہوا کرتا ہے کتنی غیر مناسب ہے یہ بات۔

۲۳۱ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ عرب کے لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب احرام باندھ لیا کرتے اور انہیں گھر میں داخل ہونے کی ضرورت پڑتی تو دروازوں سے داخل نہ ہوتے بلکہ پیچھے سے دیوار میں سوراخ کر کے داخل ہوا کرتے اور اس کو بڑی نیکی سمجھتے (1)۔ اس لایعنی حرکت سے ان کو روک دیا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی کام صحیح طریقہ سے کیا جائے تو عرب کہتے اِنَّهٗ اَتَى الْبَيْتَ مِنْ بَابِهٖ (2)۔ یعنی اس نے صحیح طریقہ سے یہ کام کیا۔ اور اگر غلط طریقہ سے کوئی کام کرے تو کہتے اِنَّهٗ لَمْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ لیس البر، ج2، ص648، مطبوعہ وزارت تعلیم، اسلام آباد
2۔ تائید تاج العروس، ج2، ص52، مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ المنشاۃ بجمالیہ مصر

مِنْ اَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

ان کے دروازوں سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اِس اُمید پر کہ کامیاب ہو جاؤ اور لڑو اللہ کی راہ میں ۲۳۲

اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا

يَاْتِ الْبَيْتَ مِنْ بَابِهٖ۔ یہاں بھی سائلین کو بتایا گیا کہ ان چیزوں کے دریافت کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ اُٹھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پُوچھ لیا۔ بلکہ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنی سوچ بچار، مشاہدات اور تجربات سے اِن سوالات کا حل تلاش کیا جائے۔ واللہ اعلم

۲۳۲ اِن آیات میں ان مظلوموں اور ستم رسیدوں کو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت دی جا رہی ہے جن پر بارہ تیرہ برس مسلسل ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے رہے۔ اور تسلیم و رضا کے یہ مجسمے خاموشی سے برداشت کرتے رہے۔ قرآن کے حکم جہاد کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اِن تین چیزوں کو خوب ذہن نشین کر لیا جائے (۱) کس مقصد کے لیے (۲) کس کے ساتھ (۳) اور کن شرائط اور قیود کے ساتھ قرآن نے جہاد کی اجازت دی ہے۔ اِن آیتوں میں تینوں اُمور کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ مقصد جہاد کے متعلق تو فرمایا: فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ حق کی سربلندی کے لیے۔ لوٹ مار، تجارتی و صنعتی رقابت، وطنی یا نسلی عداوت و تعصب یا اِس قسم کے سِفلی مقاصد مومن کی جنگ کے پیشِ نظر نہیں ہوتے۔ صرف اُن لوگوں کے ساتھ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔ جو تم پر یلغار کرنے کے لیے پَر تول رہے ہیں۔ اور اِس شرط کے ساتھ ''لَا تَعْتَدُوْا'' کہ جب جذبات پر قابو نہیں رہتا۔ آتش انتقام بھڑک رہی ہوتی ہے۔ خبردار! اُس وقت بھی کسی پر زیادتی مت کرو۔ کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ عورتوں، معصوم بچوں، اپاہجوں، بوڑھوں، کِسانوں، مزدوروں اور راہبوں پر ہاتھ اٹھانے سے اِسلام نے منع فرمایا ہے (بشرطیکہ یہ لوگ جنگ میں شریک نہ ہوں) حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب اپنے ایک سپہ سالار یزید بن ابی سفیان کو الوداع کہنے کے لیے پا پیادہ ان کے ساتھ گئے تو رخصت کرتے وقت انہیں پھل دار درختوں کے کاٹنے، اُونٹوں اور شِیر دار جانوروں کو بلا ضرورت ہلاک کرنے سے منع فرمایا(1)۔ مستشرقین حضرات جو اِسلام کے نظریۂ جہاد پر طرح طرح کے اِعتراضات کرتے ہیں وہی انصاف سے بتائیں کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی گزری ہے یا آج کی مہذب و متمدّن دنیا میں کوئی قوم ایسی موجود ہے جس کے جنگی قانون میں عدل و انصاف کا یوں لحاظ رکھا گیا ہو۔ آج تو جنگ شروع ہوتی ہے تو پُر امن شہریوں اور آباد بستیوں کو ایٹم بموں سے اُڑا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ عورتوں، معصوم بچوں، بوڑھوں، بیماروں، کسی سے درگزر نہیں کی جاتی۔ ہسپتالوں، درسگاہوں، عِبادت خانوں تک کا احترام بھی پس پُشت ڈال دیا جاتا ہے۔

1۔ مؤطا امام مالک از امام مالک بن انس، متولد 90ھ، متوفی 179ھ، ص 66-465

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ

زیادتی کرنے والوں کو۔ اور قتل کرو انہیں جہاں بھی انہیں پاؤ ۲۳۳ اور نکال دو انہیں

مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ

جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ انگیزی تو ۲۳۴ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور نہ جنگ کرو ان سے

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

مسجدِ حرام کے قریب یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں۔ سو اگر وہ لڑیں تم سے

فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

تو پھر قتل کرو انہیں۔ یہی سزا ہے (ایسے) کافروں کی۔ پھر اگر وہ باز آجائیں (تو جان لو کہ) اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ

بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے۔ اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (وفساد) ۲۳۵ اور ہو جائے

۲۳۳ جب صلح حدیبیہ کے بعد معاہدہ کے مطابق مسلمان زیارت کعبہ کو جانے لگے تو ان کے دل میں رہ رہ کر خیال پیدا ہونے لگا کہ اگر کفار نے غدر کر کے حملہ کر دیا تو ہم حالت احرام میں حدودِ حرم میں ان سے کیونکر جنگ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ آمادۂ جنگ ہوں تو پھر کعبہ کا مالک تمہیں اجازت دیتا ہے کہ تم اپنے دشمن کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ (1)

۲۳۴ فتنہ کیا ہے۔ جب سُنار میل نکالنے کے لیے سونے کو پگھلاتا ہے تو عرب کہتے ہیں۔ فَتَنَ الصَّائِغُ الذَّهَبَ اور کسوٹی کو فتانہ کہا جاتا ہے۔ یہ اس کا لغوی معنی ہے۔ اب اس کا استعمال سخت آزمائش کے لیے کیا جاتا ہے (2)۔ اور سب آزمائشوں سے سخت ترین آزمائش وہ ہے جو دین کے لیے ہو یا دین سے برگشتہ کرنے کے لیے ہو۔ کفّارِ مکہ غریب مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے سخت ترین سزائیں دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قتل بھی بڑا بھیانک جرم ہے لیکن کسی کو اس کے پسندیدہ عقائد سے باز رکھنا جن کی صداقت اور سچائی پر وہ صدقِ دل سے یقین رکھتا ہو قتل سے بھی زیادہ خوفناک جرم ہے۔

۲۳۵ پہلے جنگ کی وجہ بیان فرمائی۔ اب اس کی انتہا کا ذکر ہے۔ یعنی مخالفین جب اطاعت قبول کر لیں اور دین کے معاملہ میں مداخلت اور جبر کرنے کی قوت ٹوٹ جائے اور ہر شخص آزادی سے دین حق کو قبول کر سکے تو اس وقت جنگ بند کر دینے کا حکم ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص215 (ماخوذ) 2۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج2، ص209

الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

دین صرف اللہ کے لیے ۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو کہ) سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر ۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ

حرمت والا مہینہ ۲۳۶ حرمت والے مہینہ کا بدلہ ہے اور ساری حرمتوں میں (فریقین کے رویّہ میں) برابری چاہیے

اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪

تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو ،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ

اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور جان لو یقیناً اللہ (کی نصرت) پرہیز گاروں کے ساتھ ہے ۔ اور خرچ کیا کرو

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ

اللہ کی راہ میں ۲۳۷ اور نہ پھینکو اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں ۲۳۸ اور اچھے کام کیا کرو

۲۳۶ عرب ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہا کرتے تھے لیکن ان کا یہ باہمی مُعاہدہ تھا کہ سال میں چار ماہ محرم، رجب، ذیقعد اور ذی الحجہ میں جنگ بند کردی جاتی تھی۔ لیکن جب مُسلمان ماہ ذیقعد 7ھ میں عُمرہ کے لیے گئے تو کفّار نے جنگ کی تیاری شروع کردی اور اپنے دیرینہ دستُور کو بھی نظر انداز کردیا۔ اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کو فرماتا ہے کہ اگر وہ اِس ماہِ حرام کا پاس نہیں کرتے تو تم بھی نہ کرو۔ اور اگر وہ جنگ کریں تو تم بھی مدافعت کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ۔

۲۳۷ پہلے جانی جہاد کا حکم دیا اب مالی جہاد کا حکم دیا جارہا ہے۔

۲۳۸ حضرت ابو ایُوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اِنَّ الْاِلْقَاءَ بِالْيَدِ اِلَى التَّهْلُكَةِ هُوَ تَرْكُ الْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔(1) اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے راستے میں جہاد چھوڑ دے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ اسلم ابی عمران سے مروی ہے کہ جب ہم نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو رومیوں کا ایک لشکرِ جرار ہمارے مقابلہ میں صف آرا ہوا۔ مُسلمانوں کی فوج بھی ان کے مقابلے میں ڈٹ گئی۔ ایک مُسلمان سپاہی نے تنہا لشکر روم پر حملہ کردیا اور اُن کی صف میں گھس گیا۔ لوگ چلائے سبحان اللہ! اُس نے اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ حضرت ابو ایوب کھڑے ہو گئے اور فرمانے

1۔ تفسیر قرطبی، ج1، جز2، ج2، ص361

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۚ فَإِنْ

بے شک اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے اچھے کام کرنیوالوں سے ۔ اور پورا کرو ۲۳۹ حج اور عمرہ اللہ کی (رضا) کے لیے

أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ

پھر اگر تم گھر جاؤ ۲۴۰ تو قربانی کا جانور جو آسانی سے مل جائے (وہ بھیجدو) اور نہ مُنڈاؤ اپنے سر یہاں تک کہ

حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ

پہنچ جائے قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر ۔ پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اسے

أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ

کچھ تکلیف ہو سر میں (اور وہ سر منڈالے) تو وہ فدیہ دیدے روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے ،

لگے۔ اے لوگو! تم نے اس آیت کا مطلب غلط سمجھا ہے۔ آؤ میں تمہیں اِس کا شانِ نزول بتاؤں۔ جب اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا اور مسلمان مجاہدوں کی تعداد بھی کافی بڑھ گئی تو ہم انصار نے خفیہ مشورہ کیا۔ کہ اب جانبازوں کی کمی بھی نہیں رہی اور اسلام کو عزت و عظمت بھی حاصل ہو گئی ہے اور مسلسل کئی سال تک ہم اپنی کھیتی باڑی اور کاروبار کی طرف کوئی توجہ نہیں دے سکے۔ اب ہمیں اپنی مالی حالت درست کرنے کے لیے ساری کوششیں صرف کرنی چاہئیں۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں یہ تصریح تھی کہ اے انصار اگر تم جہاد کو چھوڑ کر زراعت و تجارت میں کھو کر رہ گئے تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا ہے۔ حضرت ابو ایوب لڑتے رہے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کیا اور قسطنطنیہ میں ہی ان کا مزار پُر انوار ہے (1) جو مالِ مَست اور قالِ مَست مسلمان کو آج بھی اس جدوجہد کی دنیا میں عزت کے مقام کا صحیح راستہ بتا رہا ہے۔

۲۳۹ عرب قدیم زمانہ سے حج کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے نزدیک حج ایک میلہ یا تجارتی منڈی بن کر رہ گیا تھا۔ عبادت کا پہلو تو بالکل ختم ہو گیا تھا یا اِتنا غیر اہم ہو کر رہ گیا تھا کہ اس کا کوئی اثر ہی محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔ لوگ آتے سیر و تفریح کر جاتے۔ شاعر اپنے قصائد اور خطیب اپنے آتشیں خطبے سنا کر لوگوں کے دلوں پر اپنی فصاحت و بلاغت کا سکہ جماتے اور چلے جاتے۔ چند روز تجارت کا بازار بھی خوب گرم رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حج و عمرہ کرو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی رضا جوئی کے لیے۔ یعنی پورے آداب و شرائط کے ساتھ۔ پورے اخلاص و حُسن نیت کے ساتھ۔

۲۴۰ اگر تم احرام باندھ چکے ہو اور راستہ میں بیمار ہو گئے یا دشمن نے راستہ بند کر دیا۔ اور تم حج کے ایام میں وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ تو اب احرام سے نکلنے کی یہ صورت ہے کہ قربانی کا جو جانور تم گھر سے لے آئے ہو وہ کسی کے ہاتھ بھیج دو یا اس کی قیمت روانہ کر دو اور

1۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ البقرہ، ج2، ص22-121

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ

اور جب تم امن میں ہو جاؤ (اور حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو جو فائدہ اٹھانا چاہے عمرہ کا[241] حج کے ساتھ تو جو اسے میسر ہو

مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ

قربانی دے پھر جسے قربانی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے حج کے وقت اور

سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ

سات جب تم گھر لوٹ آؤ یہ پورے دس (روزے) ہوئے - یہ رعایت اس کے لیے

اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

ہے[242] جس کے گھر والے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں - اور ڈرا کرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ

انہیں یہ کہو کہ حرم میں پہنچ کر تمہاری طرف سے جانور ذبح کر دیں۔ جب تم یہ خیال کرو کہ وہ حرم میں پہنچ گئے ہوں گے اور جانور ذبح کر دیا ہوگا تو تم سر منڈا کر یا بال کٹوا کر اِحرام کی پابندیوں سے آزاد ہو سکتے ہو۔ لیکن اگر بیماری کی وجہ سے جلد سر منڈانے کی ضرورت پڑ جائے تو فِدیہ کے طور پر روزے رکھ لو۔ صدقہ دے دو یا جانور ذبح کر دو۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ تین روزے یا چھ مسکینوں کو دو، دو سیر گندم یا چار، چار سیر جو (صدقۂ فطر کے اندازے کے مطابق) دے یا کم سے کم بکری ذبح کر دے اور حجامت بنوا لے۔ (1)

[241] حج کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) اِفراد: یعنی حج کے دنوں میں صرف حج کیا اس میں قربانی واجب نہیں۔ (۲) تمتع: ایک سفر میں ایام حج میں پہلے عُمرہ کا احرام باندھا۔ طواف وسعی کے بعد حلق کر کے اِس اِحرام سے فارغ ہو گیا۔ پھر وقت آیا تو حج کا احرام باندھا کیونکہ ایک ہی وقت میں دو عبادتیں جمع کر لیں اور دُوہرا فائدہ اُٹھا لیا تو اسے متمتع کہتے ہیں۔ (۳) قران: ایک ساتھ ہی حج وعُمرہ کا اِحرام باندھا۔ پہلے عُمرہ کے ارکان ادا کیے لیکن احرام بدستور رہا۔ یہاں تک کہ ایام حج میں حج کے ارکان ادا کر کے حلق کرایا اور احرام سے فارغ ہوا۔ پچھلی دونوں صورتوں میں ایک سفر میں دو عبادتیں جمع کر لیں۔ اِس لیے اِس پر قربانی لازمی قرار دے دی گئی۔ (2)

[242] ایک سفر میں حج وعُمرہ جمع کرنے کی اجازت صرف ان لوگوں کو ہے جو مکّہ کے رہنے والے نہیں بلکہ دُور دراز کی مُسافتیں طے کر کے آتے ہیں۔ مکّہ کے باشندوں اور حدودِ میقات کے اندر رہنے والوں کا ایک ہی حکم ہے۔ مسئلہ: میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں باہر سے قصد حرم کرنے والا جب پہنچے تو اسے حکم ہے کہ بغیر احرام باندھے آگے نہ بڑھے۔ مختلف اطراف کے لیے مختلف مقاماتِ میقات ہیں۔ اہل مدینہ اور اس طرف والوں کے لیے ذوالحلیفہ۔ اہل عراق اور اس طرف والوں کے لیے ذات عرق۔ اہل شام اور ان اطراف کے لیے جحفہ۔ اہل نجد کے لیے قرن۔ اہل یمن اور اس طرف سے آنے والوں کے لیے یلملم (3)۔ پاکستان

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ فمن کان منکم مریضاً، ج2، ص648، وزارت تعلیم اسلام آباد 2۔ ماخوذ از ہدایہ، شامی، قدوری وغیرہ، کتاب الحج

3۔ الہدایۃ از برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب الحج، ج1، ص234، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

مکہ سے عرفات تک حاجیوں کا راستہ

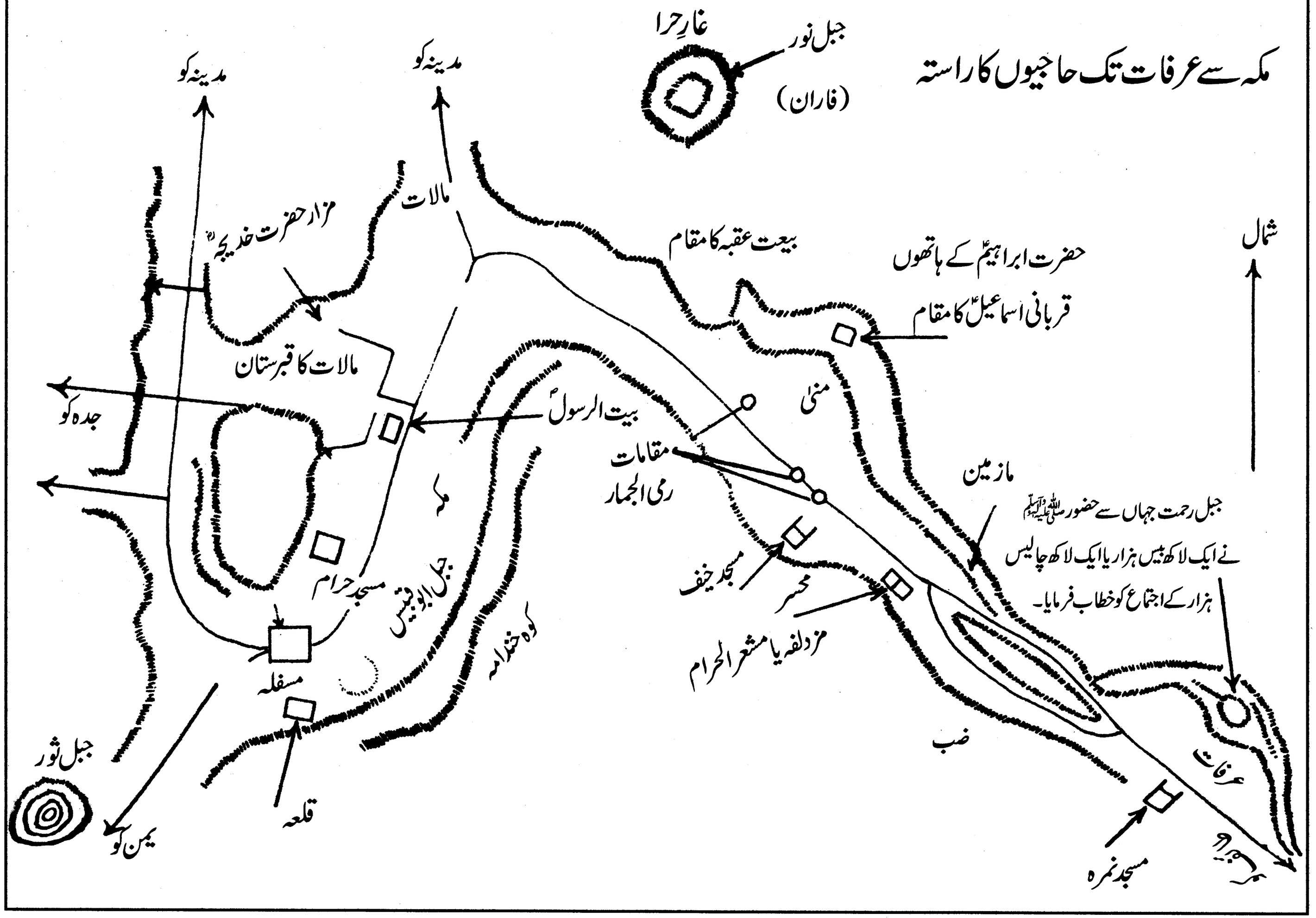

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ ع ۲۴ ۸

سخت سزا دینے والا ہے ۔ حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں ۲۴۳ پس جو نیت کرلے اِن میں

الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا

حج کی تو اسے جائز نہیں بے حیائی کی بات اور نہ نافرمانی اور نہ جھگڑا ۲۴۴ حج کے دِنوں میں اور جو تم نیک کام کرو

مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ

اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے ۲۴۵ اور سفر کا توشہ لے لو ۲۴۶ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیزگاری ہے اور

اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا

ڈرتے رہو مجھ سے اے عقلمندو ! نہیں ہے تم پر ۲۴۷ کوئی حرج (اگر حج کے ساتھ ساتھ) تم تلاش کرو

کے حاجی جو بحری راستے سے جاتے ہیں اِن کا میقات بھی یلملم ہے۔ جب اِن کا جہاز بحیرہ احمر میں داخل ہو اور یلملم کے مقابل سے گزرے تو وہاں ان حاجیوں کو اِحرام باندھنا ہوتا ہے۔

۲۴۳ یعنی شوال، ذیقعد اور ذی الحجہ کے دس دن (1)

۲۴۴ رَفَثٌ کہتے ہیں اَلْجِمَاعُ وَالْاِفْحَاشُ لِلْمَرْاَةِ بِالْكَلَامِ (2)۔ جماع کرنا یا اس کے متعلق باتیں کرنا۔

فُسُوْقٌ: جَمِيْعُ الْمَعَاصِيْ كُلِّهَا (3)۔ تمام گناہ چھوٹے بڑے ظاہر پوشیدہ۔ جِدَالٌ: جھگڑا۔ ان تمام چیزوں سے روک دیا گیا تاکہ حج کا حقیقی مقصد یعنی تربیت نفس ضائع نہ ہو جائے۔

۲۴۵ یعنی جو نیک کام تم کرتے ہو جسے کوئی اور نہیں دیکھتا یا جن مشتعل جذبات کو تم سختی سے روکے ہوئے ہو جس کا اندازہ دوسرے نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ اور اپنے نفس سے تمہاری کش مکش کی نوعیت کو بھی خوب جانتا ہے۔ وہ تمہیں ضرور اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

۲۴۶ عرب کے اکثر لوگ خصوصاً اہل یمن کا دستور تھا کہ جب حج کی نیت سے گھروں سے نکلتے تو سفر خرچ ساتھ نہ لاتے اور اس کو توکل کے خلاف سمجھتے اور رستہ میں لوگوں سے بھیک مانگا کرتے (4)۔ مسلمانوں کو اِس غیر انسانی طریقۂ کار سے روک دیا گیا اور حکم دیا کہ زادِ راہ لے کر چلا کرو۔ کسی کی خدمت نہ کرسکو تو کم از کم دوسروں پر بوجھ تو نہ بنو۔ ساتھ ہی فرما دیا بہترین توشہ تقویٰ ہے جو سفر آخرت میں کام آتا ہے۔

۲۴۷ امام رازی لکھتے ہیں نَزَلَتْ رَدًّا عَلٰى مَنْ يَّقُوْلُ لَا حَجَّ لِلتُّجَّارِ وَالْاُجَرَاءِ وَالْجَمَّالِيْنَ (5)۔ یہ آیت ان لوگوں کے رد میں

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص231
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج1، جز2، ص407
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص234
5۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج3، جز5، ص186

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

اپنے ربّ کا فضل (رزق) پھر جب واپس آؤ عرفات سے ۲۴۸ تو ذِکر کرو اللہ کا

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ

مشعرِ حرام (مزدلفہ) کے پاس اور ذِکر کرو اس کا جس طرح اس نے تمہیں سکھایا اور اگرچہ تم اس سے

قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ

پہلے گمراہوں میں سے تھے پھر تم بھی ۲۴۹ (اے مغروران قریش) وہاں تک (جاکر) واپس آؤ جہاں جاکر دوسرے لوگ

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ

واپس آتے ہیں، اور معافی مانگو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنیوالا ہے، پھر جب تم پورے کر چکو

مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ

حج کے ارکان تو اللہ کو یاد کرو جس طرح ۲۵۰ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکرِ الٰہی کرو اور کچھ

نازل ہوئی جو یہ کہتے تھے کہ تاجروں، مزدوروں اور ساربانوں کا کوئی حج نہیں بلکہ اجازت دی کہ تم بے شک نفع کماؤ لیکن ایسا نہ ہو کہ تم نفع کمانے میں ہی لگے رہو۔ اور یہی تمہارا مقصد اوّلین ہو کر رہ جائے۔ اور حقیقی مدعا یعنی ذکرِ الٰہی بھول جائے۔

۲۴۸ حکم ہوتا ہے جب عرفات میں حاضری کا فرض ادا کر کے وہاں سے چلو تو مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کرو اس کی تسبیح وتہلیل میں وقت صرف کرو۔ حاجی دسویں کی رات یہاں بسر کرتے ہیں۔ مشعرحرام اس مسجد کو کہتے ہیں جو وادیٔ مزدلفہ کے ایک پہاڑ قزح پر ہے۔ جہاں اِمام قیام کرتا ہے۔ اگرچہ سارا مزدلفہ (ماسوا وادیِ محسر) موقف ہے لیکن مشعرحرام اور اس کے قرب میں وقوف زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

۲۴۹ قریش اپنے لیے یہ ہتک سمجھتے تھے کہ دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی عرفات کے میدان میں وقوف کریں اس لیے وہ مزدلفہ ہی میں ٹھہرتے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے نَحْنُ اَهْلُ اللّٰهِ وَوَطَّانُ حَرَمِهٖ (1) (یعنی ہم اہل اللہ ہیں اور اس کے حرم کے باشندے ہیں) اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ مغرورانہ ادا پسند نہ آئی اور انہیں حکم دیا کہ جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں وہاں سے ہی تم لوٹو حج تو ہے ہی سب باطل اِمتیازات مٹانے کے لیے، سب جھوٹے تفاخر ختم کرنے کے لیے۔ اگر آج بھی تم اپنی برتری کے نشے میں مست رہو گے تو مُساواتِ اِنسانی کا صحیح مظاہرہ کب ہوگا اور تم یہ اہم سبق کیونکر یاد کرو گے۔

۲۵۰ اِن کی ایک اور جاہلانہ رسم کا بطلان کیا جارہا ہے۔ وہ جب حج سے فارغ ہوتے تو بیت اللہ کے پاس مجلسیں منعقد کرتے جن میں

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص236

النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ

لوگ ہیں جو کہتے ہیں ۲۵۱ اے ہمارے ربّ دیدے ہمیں دُنیا میں ہی (سب کچھ) نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں

خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى

کوئی حصّہ اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے ربّ! عطا فرما ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی اور

الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا

آخرت میں بھی بھلائی ۲۵۲ اور بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے۔ انہی لوگوں کو بڑا حصّہ ملیگا (دونوں جہانوں میں) بسبب

كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ

انکی (نیک) کمائی کے اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔ اور (خوب) یاد کرلو اللہ تعالیٰ کو ان دنوں میں جو معدودے چند ہیں ۲۵۳

وہ اپنے باپ دادا کی تعریفوں کے پُل باندھا کرتے۔ حکم ہوتا ہے اپنے ربِّ کریم کو یاد کرو جیسے اپنے باپ دادا کو ذوق وشوق سے یاد کیا کرتے۔ اَوْ اِختیار کے لیے نہیں بلکہ ترقی کے لیے ہے اور بل کا ہم معنی ہے۔ یعنی بلکہ ان سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو (1)۔

۲۵۱ مشرکین کو آخرت کی زندگی پر ایمان نہ تھا۔ وہ اسی زندگی کو سب کچھ سمجھتے۔ اس لیے حج کرتے وقت اور دوسرے خاص اوقات میں دُنیا کے متعلق ہی سوال کیا کرتے۔

۲۵۲ ان کے برعکس مومن صرف دُنیاوی منافع اور مقاصد پر اِکتفا نہیں کرتا بلکہ دُنیا وآخرت دونوں کے لیے وسیع دامن پھیلاتا ہے۔ حَسَنَةً سے مُراد کوئی خاص چیز نہیں بلکہ ہر اچھائی مراد ہے فَاِنَّ حَسَنَةً نَكِرَةٌ فِىْ سِيَاقِ الدُّعَاءِ فَهُوَ مُحْتَمِلٌ لِّكُلِّ حَسَنَةٍ (قرطبی) (2) ایک شخص کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملاحظہ فرمایا کہ چوزے کی طرح دُبلا ہو گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا، اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگا کرتا ہے۔ عرض کرنے لگا ہاں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ دعا کیا کرتا ہوں کہ اے مالک جو عذاب تو مجھے قیامت کے دن دینا چاہتا ہے وہ اِس دنیا میں ہی دے دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں خدا کا عذاب برداشت کرنے کی قوت کہاں، تم یہ دعا کیوں نہیں مانگا کرتے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا الخ۔ (3)

۲۵۳ دسویں رات تو گزری مزدلفہ میں۔ صبح سویرے منہ اندھیرے فجر کی نماز ادا کی اور وہاں سے منیٰ میں آکر قیام کیا۔ یہاں آکر ہی سر منڈایا یا بال کٹوائے، قربانی دی، اِحرام کی پابندیوں سے آزاد ہوئے اور کپڑے بدلے۔ ان امور کے علاوہ چند مخصوص مقامات پر پتھر بھی مارنے پڑتے ہیں اور ذی الحجہ کی 10-11-12-13 تاریخ تک وہاں ہی قیام رہتا ہے۔ بارہویں کے دن

1۔ تفسیر مظہری، ج1، ص239
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج1، جز2، ص32-431
3۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج3، ص107 (مطبوعہ دار صادر بیروت)

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِۚ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ

اور جو جلدی کرکے دو دِنوں میں ہی چلا گیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ اور جو کچھ دیر وہاں ٹھیرا رہا تو اس پر بھی کوئی

عَلَیْهِۙ لِمَنِ اتَّقٰىؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ(۲۰۳)

گناہ نہیں (بشرطیکہ) وہ ڈرتا رہا ہو، اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو تمہیں اسی کی بارگاہ میں اکٹھا کیا جائے گا ۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یُشْهِدُ

اور (اے سُننے والے) لوگوں سے ۲۵۴ وہ بھی ہے کہ پسند آتی ہے تجھے اس کی گفتگو دُنیاوی زندگی کے بارے میں اور وہ گواہ بناتا رہتا ہے

اللّٰهَ عَلٰى مَا فِیْ قَلْبِهٖۙ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ(۲۰۴) وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى

اللہ کو اس پر جو اس کے دل میں ہے۔ حالانکہ وہ (حق کا) سخت ترین ۲۵۵ دشمن ہے۔ اور جب وہ حاکم بن جاتا ہے ۲۵۶ تو سر توڑ کوشش

فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَؕ وَ اللّٰهُ لَا

کرتا ہے کہ ملک میں فساد برپا کردے اور تباہ کردے کھیتوں کو اور نسلِ انسانی کو اور اللہ تعالیٰ

پتھر مارنے کے بعد انسان اگر مکّہ واپس آجائے تو بھی درست ہے اور اگر تیرہویں کی رات وہاں قیام کرے اور دن کو رمی جمار کے بعد لوٹے تو بھی جائز ہے۔ لیکن حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک افضل دوسری صورت ہے(1)۔ منیٰ میں جتنے روز قیام کرے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل اور حمد وثنا میں لگا رہے اور اپنے باطن کی اصلاح کی طرف پُوری پُوری توجّہ دے۔

۲۵۴ یہاں سے مُنافقوں کے احوال کا بیان ہے کہ جب سامنے آتے ہیں تو بڑی میٹھی باتیں کرتے ہیں۔ اپنے مُسلمان ہونے کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں۔ اور اس پر اللہ کی قسمیں بھی کھاتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِسلام کے سب سے بڑے جھگڑالو دشمن یہی ہیں۔ جب یہ تمہارے پاس واپس آتے ہیں یا ان کو کچھ اِقتدار ملتا ہے تو ان کی شر پسند طبیعت گل کِھلاتی ہے اور فِتنہ وفساد اور قتل وغارت کا بازار گرم کردیتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے حق میں نازل ہوئی(2)۔ لیکن اس کا حکم عام ہے۔ سب منافقین کی یہی عادت ہے، یہی ان کا طریق کار اور یہی انجام ہے۔

۲۵۵ بہت سخت عداوت رکھنے والے جھگڑالو کو اَلَدّ کہتے ہیں۔ خصام یا تو مصدر ہے بمعنی مخاصمۃ یا خصم کی جمع ہے۔(3)

۲۵۶ تَوَلّٰی کے دو معنی ہیں، والی بننا اور پیٹھ پھیرنا۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اس کی تفسیر فرماتے ہیں اَدْبَرَ وَ انْصَرَفَ عَنْكَ وَ قِیْلَ اِذَا

1۔ ماخوذ از ہدایہ، شامی، قدوری وغیرہ، کتاب الحج 2۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج1، ص161 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص244

يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ

فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور جب کہا جائے اسے کہ (میاں) خدا سے تو ڈرو تو اور اکساتا ہے اسے غرور گناہ پر ۲۵۷

فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ

پس اس کے لیے جہنّم کافی ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے - اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو ۲۵۸ بیچ ڈالتا ہے

نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰۤاَيُّهَا

اپنی جانِ (عزیز) بھی اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کے لیے اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر - اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

ایمان والو ۲۵۹ داخل ہوجاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو شیطان کے

غَلَبَ وَصَارَ وَالِيًا(1)۔ یہاں دونوں معنے مُراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر اسے اِقتدار ملتا ہے تو فتنہ وفساد برپا کرتا ہے اور لُوٹ کھسوٹ شروع کر دیتا ہے یا جب مُسلمانوں کے پاس سے اُٹھ کر چلا آتا ہے تو پھر وہی منافقت ظاہر کرنے لگتا ہے۔

۲۵۷ اخنس اور اس کے سارے ہم مشربوں کا ایک ہی ڈھنگ ہے۔ جب انہیں ان کی فتنہ پردازیوں سے روکنے کے لیے اللہ کا خوف دلایا جاتا ہے تو غصہ سے ان کے نتھنے پھول جاتے ہیں۔ اور اسے وہ اپنے ذاتی وقار اور شخصی عزت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ اس وقت نہ انہیں خدا کا خوف رہتا ہے اور نہ اس کے دردناک عذاب کا، وہ اپنی ساری طاقتیں اپنے جھوٹے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ چلو وہ گئے مر گئے۔ اپنا کیا حال ہے۔ کیا ہم تو حق کے سامنے سر جھکانے کو عار نہیں سمجھتے۔ اور اپنی ناحق بات پر اڑے رہنے میں اپنی عزت تصور نہیں کرتے؟

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ عمل کو دیکھیں میں اگر عرض کروں گا تو شکایت ہوگی

۲۵۸ منافقوں اور منافق مشرب لوگوں کی اخلاقی پستی کا ذکر کرنے کے بعد اب ان بندگانِ خاص کا ذکر ہے جو اپنا تن من دھن اپنے مولا کریم کی رضا جوئی کے لیے قربان کرنے پر آمادہ ومستعد بیٹھے ہیں۔ حضرتِ صہیب رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادہ سے مکہ سے نکلے تھے۔ کفار نے آگھیرا۔ آپ نے انہیں فرمایا، میرا سارا سامان لے لو اور مجھے مدینہ جانے سے نہ روکو۔ کافر اس پر رضامند ہو گئے اور یہ مردِ حق پرست جب اپنی زندگی کا سارا اندوختہ لٹا کر محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو جبرئیل امین یہ آیت لے کر پہنچے۔ کتنے خوش نصیب تھے صہیب رضی اللہ عنہ اور کتنے بلند اقبال ہیں اُن کی راہ پر چلنے والے۔ (2)

۲۵۹ سِلْم اور سَلْم دونوں قرائتیں ہیں۔ دونوں کا معنی سرِ تسلیم خم کرنا۔ غیر مشروط اطاعت اِختیار کر لینا ہے۔ اَلسِّلْمُ بِالْكَسْرِ

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 44 2۔ جامع البیان عن اسرار القرآن از طبری، ج 3، ص 78 مطبوعہ مطبعۃ الکبریٰ الامیریہ (مصر)۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 245

الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا

نقشِ قدم پر بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۲۶۰ اور اگر تم پھسلنے لگو اس کے بعد کہ

جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

آ چکی ہیں تمہارے پاس روشن دلیلیں تو جان لو ۲۶۱ کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے کیا وہ اِس بات کا اِنتظار کر

اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ

رہے ہیں کہ ۲۶۲ آئے انکے پاس اللہ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں (کی صورت) میں اور فرشتے اور (انکا)

وَالْفَتْحِ الْاِسْتِسْلَامُ وَالطَّاعَةُ(1) (بیضاوی ومظہری) یہاں اس سے مراد اسلام ہے۔ یہ آیت ہمیں اسلام کے مزاج سے آگاہ کر رہی ہے کہ یہ دین مستقل ضابطۂ حیات اور مکمّل دستورِ زندگی ہے۔ اس کے اپنے عقائد ہیں۔ اس کا اپنا دیوانی اور فوجداری قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اِس کے اپنے نظریات ہیں۔ اور یہ انسان کی ذہنی روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن اِس کی برکتیں تب ہی رونما ہوسکتی ہیں جب کہ اسے ماننے والے اسے پورے کا پورا اپنالیں اور اس کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہوجائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اسے بتمامہ قبول کرلیں اس کا کوئی گوشہ ترک نہ ہو اور ملّت اسلامیہ کا کوئی فرد اس کو اپنانے سے گریز نہ کرے۔ كَآفَّةً کا لفظ اِن دونوں باتوں کی طرف اِشارہ کر رہا ہے۔ كَآفَّةً حال ہے اس کا ذوالحال اُدْخُلُوْا میں ضمیر مستتر اَنْتُمْ بھی ہوسکتی ہے اور السِّلْمِ بھی(2)۔

۲۶۰ یعنی حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ۔ اِس طرح حق کا حُسن داغدار ہوجائے گا اور اِس کا سرچشمہ مکدّر ہوجائے گا۔ آج ہماری کیا حالت ہے۔ کس طرح اِسلام کے نام پر شہر آباد کیے جاتے ہیں۔ پھر اسی کی شاہراہوں پر اسلام کے نام اور اِس کے نظام کو رُسوا کیا جاتا ہے۔ اِسلام کے نام پر مملکتیں معرضِ وجُود میں لائی جاتی ہیں۔ لیکن اِسلام کے قانون، ضابطۂ اخلاق اور اس کی مقدس قدروں کو سرد خانوں میں مقفّل کردیا جاتا ہے۔ یہ خدا فریبی بھی ہے اور خود فریبی بھی۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے ساتھ مذاق کرنا چھوڑ دیں۔

۲۶۱ یعنی اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے اِنتقام لے گا۔ وہ عزیز ہے، سب پر غالب ہے۔ کوئی اس کے حکم کے سامنے دَم نہیں مار سکتا۔ لیکن اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہو کہ اِس سرکش کو ابھی ڈھیل دینا چاہیے تو اسے فوراً پکڑ نہیں لیا جاتا۔ بلکہ اسے ڈھیل دی جاتی ہے۔ اِسی لیے عزیز کے ساتھ حکیم کا ذکر بھی آیا ہے۔

۲۶۲ اِس آیت میں بظاہر آنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جارہی ہے۔ لیکن آنا جانا جسم کی صفتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم اور اس کی صفتوں سے پاک اور منزّہ ہے۔ اس کے متعلق عُلماءِ سلف کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ایسی تمام آیتیں متشابہات سے ہیں۔ اور ان کا حقیقی مفہوم اللہ اور اس کا رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہتر جانتے ہیں ہمیں اِس کے متعلق سکُوت اِختیار کرنا چاہیے۔ قَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 44 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 248

ع ۱۴ ۲۵ ۹

قُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ

فیصلہ ہی کر دیا جائے اور (آخرکار) اللہ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے معاملات۔ آپ پوچھئے بنی اسرائیل سے ۲۶۳

كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

کہ ہم نے انہیں کتنی روشن دلیلیں عنایت فرمائیں اور جو (قوم) بدل ڈالے اللہ کی نعمت کو اس کے مل جانے

مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا

کے بعد ۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ (اس قوم کو) سخت عذاب دینے والا ہے۔ آراستہ کر دی گئی ہے کافروں کے لیے ۲۶۴

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا

دنیا کی (فانی) زندگی اور مذاق اڑاتے ہیں یہ ایمان والوں کا ، حالانکہ پرہیزگاروں کی شان

كُلٌّ مَا وَصَفَ اللّٰهُ بِهٖ نَفْسَهٗ ..... لَيْسَ لِاَحَدٍ اَنْ يُّفَسِّرَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَبِهٖ قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ (مظہری)(1) لیکن علماء متاخرین کا مسلک یہ ہے کہ اِن آیات کی ایسی تاویل کرنا جو ان کی شایانِ شان ہو درست ہے۔ چنانچہ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ اور دوسرے مفسرین نے یہاں آیت میں مضاف محذوف مانا ہے۔ یعنی اصل عبارت یُوں تھی۔ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ اَمْرُ اللّٰهِ اَوْ بَاْسُهٗ (بیضاوی)(2) اور لغت عرب میں مضاف کا حذف عام مستعمل ہے۔ میں نے ترجمہ میں اِسی قول کو اِختیار کیا ہے۔

۲۶۳ مُسلمانوں کو جو عزّت اور امانت سونپی جا رہی تھی، وہ اِن سے پہلے بھی کئی قوموں کو دی گئی تھی۔ لیکن جب انہوں نے اِس کی قدر نہ کی اور اس کا غلط استعمال شروع کر دیا تو دنیاوی عزّت ان سے چھین لی گئی اور دین حق کی امانت ان سے واپس لے لی گئی اور انہیں ذلیل و رُسوا کر دیا گیا۔

مُسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے بھی اس نعمت کا شُکر ادا نہ کیا اِس کا صحیح استعمال کر کے اپنے لیے اور دُوسروں کے لیے ہدایت کی راہ ہموار اور روشن نہ کر دی تو یاد رکھو تمہارا انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔ اگر مثال دیکھنا چاہو تو تمہیں قدیم کتب خانوں کی ورق گردانی کرنے اور پُرانے کھنڈرات میں سالہا سال سر بگریباں محوِ فکر کھڑا رہنے کی ضرورت نہیں یہ جو تمہارے پڑوس میں قوم بنی اِسرائیل بس رہی ہے اِس سے پُوچھ لو۔ وہ اپنی کج بحثی اور حق پوشی کی پُرانی عادت کے باوجود ان تاریخی واقعات کا اِنکار نہیں کر سکتی۔

۲۶۴ کافِر سے مراد یہاں صرف اللہ و رسُول کا مُنکر نہیں بلکہ انکارِ نعمت اور احسان فراموشی کرنے والا بھی مُراد ہے۔ یعنی جب انہوں نے ہدایت کے اِنعام کی قدر نہ کی تو ان کی نظریں حقیقت سے پھر کر دُنیا کی زیب و زینت میں گم ہو کر رہ گئیں اور وہ اُلٹا اُن لوگوں کا مذاق اڑانے لگے جو حق کی خاطر زندگی کی ساری عشرتوں سے دستبردار ہو کر اِفلاس اور تنگی پر قانع ہو گئے تھے۔ قیامت کے دن جب حقیقت

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص249 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص45

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

بُلند ہوگی اِن سے قیامت کے دِن اور اللہ تعالیٰ روزی تو جسے چاہے ۲۶۵ بے حساب دے دیتا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ

(ابتدا میں) سب لوگ ایک ہی دین پر تھے ۲۶۶ (پھر جب انمیں اختلاف پیدا ہوگیا) تو بھیجے اللہ نے انبیاء خوشخبری سُنانیوالے

وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

اور ڈرانے والے ۲۶۷ اور نازل فرمائی ان کے ساتھ کِتاب برحق تاکہ فیصلہ کر دے لوگوں کے درمیان

سے پردہ اُٹھے گا تو پتہ چلے گا کہ یہ مسکین لوگ جنہیں تم حقیر سمجھتے تھے مالکِ حقیقی کے نزدیک کتنی عزّت وکرامت کے مستحق ہیں۔

۲۶۵ وہ لوگ اپنی وافر دولت، ساز وسامان، جاہ وجلال کو دیکھ کر دل میں یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہم پر ہی اللہ کی نظرِ عنایت ہے ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کو اس نے اپنے فضل وکرم کے لیے چُن لیا ہے۔ انہیں بتایا جارہا ہے کہ دولت کی کثرت، مقبولیت اور قُربِ خداوندی کی دلیل نہیں۔ رزق کی کمی بیشی گمراہی وہدایت کا معیار نہیں۔ اپنے دل کی گہرائیوں میں نظر ڈالو۔ اپنے اعمال کا جائزہ لو، تمہیں حقیقت روزِ روشن کی طرح دِکھائی دینے لگے گی۔

۲۶۶ دین کی تاریخ لکھنے والے اِس کے آغاز، اس کی نشوونما اور اس کے عروج کی داستان قلمبند کرنے والے اِس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے مدّتوں سرگرداں رہے کہ دین کی اِبتدا کیوں کر ہوئی اور ان کی طویل تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ اِنسان اِبتدا میں مُشرِک تھا اور عقیدۂ توحید تک اِس کی رسائی آہستہ آہستہ سینکڑوں صدیاں ٹھوکریں کھانے کے بعد ہوئی۔ قرآن بتاتا ہے کہ یُوں نہیں بلکہ انسانِ اول (آدم علیہ السلام) موحّد تھا۔ شرک سے اس کا کوئی سروکار نہ تھا اور عرصہ دراز تک اس کی اولاد عقیدۂ توحید پر ثابت قدم رہی قرآن نے اِس سوال کا جواب جو صدیوں پہلے دیا تھا اور جس کو تسلیم کرنے کے لیے یورپ کے محقق کل تک تیار نہ تھے آج مجبوراً تسلیم کر رہے ہیں۔ چنانچہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین، انسانیات اور اجتماعیات کے علماء، سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن اور پروفیسر شمڈٹ کا یہی فیصلہ ہے کہ اِنسان کا دین اوّلین دین توحید تھا۔ (تفسیر ماجدی)(1)

۲۶۷ یہاں اُمَّةً وَّاحِدَةً اور فَبَعَثَ اللّٰهُ کے درمیان ایک چھوٹا سا جملہ فَاخْتَلَفُوْا محذوف ہے جس پر فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ کے الفاظ صراحۃً دلالت کر رہے ہیں (2)۔ اب آیت کا مطلب بالکل صاف ہوگیا کہ پہلے مدّتِ دراز تک ایک ہی اُمت بنے رہے بعد میں جب نسل انسانی بڑھی تو لوگ اپنے مزاجوں اور طبیعتوں کے اِختلاف کی وجہ سے آپس میں جھگڑنے لگے اور اولادِ آدم مختلف ٹولیوں اور گروہوں میں بٹ گئی۔ بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر لانے کے لیے، اِختلاف کی آگ کو بجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام مبعوث فرمائے اور ان کو آسمانی کِتابیں عطا فرمائیں۔ انبیاء کرام نے اپنے وعظ ونصیحت سے اِن کو جھگڑا

1۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 83، حاشیہ 929 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 254

النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ

جن باتوں میں وہ جھگڑنے لگے تھے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا اس میں ۲۶۸ بجز اُن لوگوں کے جنہیں کتاب

مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ

دی گئی تھی بعدازاں کہ آگئی تھیں اُن کے پاس روشن دلیلیں (اسکی وجہ) ایک دوسرے سے حسد تھا۔ پس اللہ نے ہدایت بخشی

الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي

اُنھیں جو ایمان لائے تھے ان سچی باتوں پر جن میں وُہ اِختلاف کیا کرتے تھے اپنی توفیق سے ۲۶۹ اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے

مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا

جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ۔ کیا تم خیال کر رہے ہو ۲۷ کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے

بازی اور فرقہ بندی سے نکالنے کی کوششیں کیں تا کہ منتشر اِنسانوں کی یہ ٹکڑیاں پھر ایک قوم بن جائیں۔

۲۶۸ ان الفاظ سے تاریخ انسانی کے ایک بہت بڑے المیے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ اور وہ المیہ یہ ہے کہ وہ کتاب جو اِتحاد پیدا کرنے کے لیے نازل کی گئی تھی، اس کو جاننے اور سمجھنے والوں نے اس کتاب کے ذریعہ ''اِس کو ماننے والی اُمّت'' کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ان کا باہمی اِختلاف اور فرقہ بندی حسنِ نیت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ حسد اور عناد اور سرکشی کا جذبہ تھا جس نے ملّت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔

۲۶۹ یعنی کتاب سے ہدایت اُنہیں لوگوں کو مل سکتی ہے جو سچّے دل سے ایمان لاتے ہیں، اور جو کتاب کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے من گھڑت معنوں کا لباس اللہ کی آیاتِ بینات کو زبردستی پہنا دینے کو اپنے علم و کمال کا کرشمہ سمجھتے ہیں وہ اِس سے ہدایت نہیں پا سکتے۔

۲۷ مُسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم اِس اِختلاف اور فرقہ بندی سے اپنا دامن بچانا۔ جن حالات سے پہلی اُمتوں کو واسطہ پڑا تمہیں بھی ان کا سامنا کرنا ہوگا۔ ایسے فتنہ باز تم میں بھی پیدا ہوں گے جو اپنے ذاتی وقار اور اپنی ناموری کے لیے قرآن کے نام پر ملّت کے اِتحاد کو پارہ پارہ کریں گے تم اِن کے جال میں نہ پھنسنا۔ اگر تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ اِسلام میں داخل ہو جانے کے بعد اب تم پر جنّت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں تو اِس خام خیالی سے باز آ جاؤ۔ خوب کان کھول کر سن لو، ہوش ربا مصیبتیں، کڑی آزمائشیں اور لرزہ خیز امتحانات تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔ اِس وقت اگر تم ثابت قدم رہے اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اللہ کی مدد تمہاری دستگیری کو یقیناً آئے گی۔

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ

جنّت میں حالانکہ نہیں گذرے تم پر وہ حالات جو گذرے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے ہوئے ہیں ، پہنچی انھیں

الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سختی اور مصیبت اور وہ لرز اُٹھے یہاں تک کہ کہہ اُٹھا (اس زمانہ کا) رسُول اور جو ایمان لے آئے

مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ

تھے اسکے ساتھ کب آئیگی اللہ کی مدد؟ سُن لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے ، آپ سے پوچھتے ہیں کہ

مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ

وہ کیا خرچ کریں ۲۷۱ ، آپ فرمایئے جو کچھ خرچ کرو (اپنے) مال سے تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں ، اور

الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا

قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں اور جو نیکی تم کرتے ہو

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ

تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُسے خوب جانتا ہے۔ فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے

۲۷۱ دو باتوں کے متعلق پوچھا گیا تھا۔ کہ کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں۔ دونوں کا جواب دیا گیا۔ فرق صرف اِتنا ہے کہ پہلے سوال کا جواب ضمناً ہے اور دوسرے کا صراحۃً اور تفصیلاً۔ کیا خرچ کریں، کے متعلق تو فرمایا ''مِنْ خَيْرٍ'' یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے تو حلال اور پاک مال خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات حرام اور ناپاک مال کو قبول نہیں فرماتی۔ دوسرے سوال کا جواب اپنی اہمیت کے پیشِ نظر تفصیل طلب تھا اس کی وضاحت کردی۔ حکم دیا جاتا ہے کہ خرچ کرنے کا آغاز اپنے گھر سے کرو اور گھر میں بھی اپنے حقوق کے لحاظ سے سب سے مقدم ماں باپ ہیں۔ ان کی خدمت اور دلداری تمہارا فرضِ اوّلین ہے۔ ان کے بعد دوسرے عزیز و رشتہ دار ہیں، اولاد، بہن بھائی، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ وغیرہ سب کے ساتھ اِحسان و مروت از حد اہم ہے۔ ان کے بعد باری ہے قوم کے یتیم بچوں کی، مسکینوں اور بے وطن مُسافروں کی، امداد و اعانت کا کتنا مناسب اور فطری

لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا

تمہیں ۲۷۲ اور ہوسکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم پسند کرو

ع ۲۶ شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ

کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور (حقیقتِ حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۲۷۳ وہ پوچھتے ہیں آپ سے

عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ

کہ ماہِ حرام میں جنگ کرنے کا حکم کیا ہے ۲۷۴ آپ فرمادیجئے کہ لڑائی کرنا اِس میں بڑا گناہ ہے لیکن روک دینا

طریقہ ہے۔ ایسا نہیں کہ اپنے تو بھوک سے بِلک رہے ہوں اور بیگانوں پر آپ کی سخاوت کا مینہ برس رہا ہو۔

۲۷۲ بعض مستشرقین نے اسلامی جہاد کو عجیب رنگ میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان طبعاً لوٹ مار اور جنگ وجدال کے رسیا تھے۔ ہر وقت تلواریں سونتے پُرامن بستیوں کو برباد کرنے اور لوٹنے کے لیے آدھمکتے تھے۔ وہ زبردستی لوگوں کو اپنے دین میں داخل کیا کرتے تھے۔ کہنے کو انسان جو جی چاہے کہے، لکھنے کو جو دل میں آئے لکھ دے لیکن اِس طرح حقیقت تو بدل نہیں جاتی، واقعات تو مسخ نہیں ہوجاتے۔ تاریخ کے صفحات اور قرآن کی یہ آیت اِن کے سارے افسانوں کی تردید کے لیے کافی ہے۔ کوئی قوم اگر طاقت کے نشہ میں مست ہو۔ اس کے پاس وسائل کی بہتات ہو اور اس کا مقابل کمزور ہو اور دین اور اخلاق کا کوئی ضابطہ بھی اس کو روکنے والا نہ ہو تو مانا جاسکتا ہے کہ ایسی قوم جنگ کا اعلان کردے تاکہ کمزور دشمن کو نیست ونابود کرکے اپنی حکومت کو وسعت دے، اپنے خدمت گاروں کی صفوں میں اضافہ کرے اور ان کی دولت وثروت کو ہڑپ کرلے۔ لیکن تاریخ ہمیں ایسی ایک بھی مثال نہیں بتاسکتی کہ کسی کمزور، تعداد میں کم، سامانِ جنگ سے یکسر محروم قوم نے شوقیہ اپنے سے طاقتور، کثیر التعداد، ہر قسم کے اسلحہ سے لیس قوم کو جنگ کے لیے للکارا ہو۔ اب خود فیصلہ فرمایئے کہ مستشرقین کا یہ خیال کہاں تک درست ہے کہ جنگ مسلمانوں کا مشغلہ تھا۔ کیا مسلمان اِن حالات میں پہل کرنے کی پوزیشن میں تھے؟ ہرگز نہیں۔ آپ قرآنِ حکیم کے اِن الفاظ پر غور فرمایئے وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ کہ تم پر جہاد فرض کیا گیا حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے۔ اگر مسلمان طبعی طور پر جنگجو ہوتے اور اُن کا دِین انہیں لوٹ مار کا سبق دیتا تو کیا وہ جنگ کو ناپسند کرتے بلکہ وہ تو بہانے تلاش کرتے کہ کوئی موقع ہاتھ آئے تاکہ لُوٹ مار، تاخت وتاراج کی حسرت پُوری ہوسکے۔

۲۷۳ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے تمہاری پسند اور ناپسند کو دخل نہیں۔ تمہارا فرض ہے اپنے ربّ کا ہر حکم مانتے چلے جاؤ۔ کیونکہ وہی جانتا ہے کہ تمہارے لیے کون سی چیز مفید ہے اور کون سی نقصان دِہ ہے۔

۲۷۴ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمادی الثانی کی آخری تاریخوں میں عبداللہ بن جحش کو ایک مختصر سے دستے کے ساتھ کفار کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ ان کی مٹھ بھیڑ مشرکین کے ایک قافلہ سے ہوگئی۔ چنانچہ ان کا ایک آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ

اللہ کی راہ سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روک دینا) مسجد حرام سے اور نکال دینا اِسمیں بسنے والوں کو

مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ

اس سے، اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اللہ کے نزدیک اور فتنہ (وفساد) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور ہمیشہ ۲۷۵ھ

يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ

لڑتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تمہیں تمہارے دین سے اگر بن پڑے اور جو

يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مرجائے حالتِ کفر پر تو یہی وہ (بدنصیب) ہیں کہ ضائع

مارا گیا اور تین آدمیوں کو ساز وسامان سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ جس روز یہ واقعہ ہوا مسلمان اس خیال میں تھے کہ رجب کا چاند دکھائی نہیں دیا اور جمادی الثانی کی تیسویں تاریخ ہے اور حقیقت یہ تھی کہ رات کو رجب کا چاند ہو گیا تھا(1)۔ اِس واقعہ سے کفّارِ مکّہ اور یہود ومنافقین مدینہ کو مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک سنہری موقع ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے تو اودھم مچانا شروع کر دیا کہ ذرا دیکھو اِن مسلمانوں کو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود ماہِ حرام (رجب) میں قتل کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ مسلمانوں کی اِس نادانستہ غلطی کو لے کر انہوں نے بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ ان آیات میں اِن کے پروپیگنڈے کا منہ توڑ جواب دیا گیا کہ ٹھیک ہے ماہِ رجب کی بڑی عزّت وحرمت ہے، اور اس میں قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن اپنے کرتوتوں کو بھی تو ملاحظہ کرو۔ وہ راستہ جو بندے کو مولا تک پہنچاتا ہے وہ تم روکے کھڑے ہو۔ مسجد حرام میں کسی حق پرست کو تم داخل ہونے نہیں دیتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ امن وسلامتی کے اِس شہر سے اِس کے اصلی باشندوں کو جلاوطن کرنے سے تم باز نہیں آتے اور اِن سب سے بڑھ کر یہ کہ جو دعوتِ اِسلام قبول کرلیتا ہے اسے طرح طرح کے عذاب دے کر، اس کے دل میں شکوک وشبہات ابھار کر دین حق سے دور کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہو۔ اِن سنگین جرائم کا تو تمہیں خیال تک بھی نہیں، بلکہ اِن کو تم جرم سمجھتے ہی نہیں اور اِس معمولی واقعہ کو جو محض غلطی سے سرزد ہو گیا اسے یُوں اچھال رہے ہو گویا یہ تمہارے جرموں سے قبیح ترین ہے۔

۲۷۵ھ مسلمانوں کو کفّار کی دلی آرزو سے آگاہ کیا جارہا ہے۔ تاکہ ہوشیار رہیں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص259-260

اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

ہوگئے ان کے عمل دُنیا و آخرت میں اور یہی دوزخی ہیں ، وہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

اِس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا ،

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

اللہ کی راہ میں ، (تو) یہی لوگ اُمید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی ، اور اللہ بڑا بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ

بہت رحم فرمانیوالا ہے ۔ وہ پوچھتے ہیں آپ سے ۲۷۶ شراب اور جُوئے کی بابت ، آپ فرمادیجئے اِن دونوں میں بڑا گناہ ہے

۲۷۶ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی بعض سلیم طبیعتیں اِس کو گوارا نہیں کرتی تھیں ۔ چنانچہ حضرتِ فاروقِ اعظم اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما نے عرض کی یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں شراب کے متعلق حکم دیجئے ۔ فَاِنَّهَا مُذْهِبَةٌ لِّلْعَقْلِ وَ مُسْلِبَةٌ لِلْمَالِ (1) ۔ یہ عقل زائل کرنے والی اور مال ضائع کرنے والی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی ۔ اس پر بعض نے شراب ترک کردی اور بعض پیتے رہے ۔ کیونکہ اس میں صراحۃً روکا نہیں گیا تھا ۔ ایک روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بعض احباب کو بلایا اور انہیں شراب پیش کی ۔ جب وہ پی کر مست ہوگئے تو شام کی نماز کا وقت ہوگیا ۔ انہیں میں سے ایک صاحب نے امامت کرائی اور سورۂ کافرون کی تلاوت شروع کی اور بجائے لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲﴾ (الکافرون) (میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو) کی جگہ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (میں بھی ان کی عبادت کرتا ہوں جن کی تم کرتے ہو) پڑھ گئے ۔ تو اس وقت حکم ہوا ۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (النساء:43) کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو (2) ۔ پھر ایک محفل میں جس کا اہتمام عتبان بن مالِک نے کیا تھا ۔ جب جام شراب گردش میں تھا اور حاضرین کو خمار چڑھنا شروع ہوا تو لگے اپنے اپنے قبیلوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے ۔ کسی صاحب نے انصار کی ہجو میں شعر کہہ دیا ۔ ایک انصاری نے اُونٹ کے جبڑے کی ہڈی ان کے سر پر دے ماری اور سر پھوڑ دیا ۔ بارگاہِ رسالت میں شکایت کی گئی ۔ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے اِلتجا کی اے اللہ ! شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما ۔ تو یہ آیت نازل ہوئی ۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ ۔ الی ۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ (المائدہ) (3) یہ شراب کی حرمت کا اصل حکم تھا (اس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی ، ان شاء اللہ تعالیٰ)

1 ۔ تفسیر بغوی علی ہامش تفسیر خازن ، زیر آیت ہذا ، ج 1 ، ص 174 ، مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ ، مصر
2 ۔ جامع ترمذی ، ابواب التفسیر ، باب ومن سورۃ النساء ، ج 2 ، ص 127 مکتبہ ، و ۔ ت
3 ۔ تفسیر مظہری ، زیر آیت ہذا ، ج 1 ، ص 65-264 ۔ تفسیر طبری ، سورۂ مائدہ ، ج 7 ، ص 22 ۔ جامع ترمذی ، ابواب التفسیر ، تفسیر سورۂ مائدہ ، ج 2 ، ص 130 ، مطبوعہ وزارت تعلیم اسلام آباد

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ

اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لیے اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ۲۷۷ ان کے فائدے سے اور پوچھتے ہیں آپ سے

مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

کیا خرچ کریں فرمایئے جو ضرورت سے زیادہ ہو ۲۷۸ اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تم تمہارے لیے اپنے حکموں کو

۲۷۷ یعنی یہ درست ہے کہ شراب سے عارضی سُرور بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور جُوئے سے بغیر محنت ومشقّت کے دولت بھی مل جاتی ہے لیکن اِن کے نقصانات اِتنے زیادہ ہیں کہ ان کے سامنے اِس نفع قلیل کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ (مزید وضاحت کے لیے سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 90-91 ملاحظہ فرمایئے)۔

۲۷۸ جو تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو یا جس کا خرچ کرنا تمہاری طبیعتوں پر بوجھ نہ ہو اَلْعَفْوُ مَا سَهَلَ وَ تَيَسَّرَ وَ فَضُلَ وَلَمْ يَشُقَّ عَلَى الْقَلْبِ اِخْرَاجُهٗ (قرطبی) (1) ایک شخص سونے کا انڈا لیے حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری طرف سے یہ صدقہ قبول فرمایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منہ پھیر لیا۔ وہ بار بار اِصرار کرتا رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعراض فرماتے رہے۔ جب وہ باز نہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ انڈا اس سے لے کر غصّے سے دُور پھینک دیا۔ اور اگر وہ اسے لگ جاتا تو اس کا سر پھوڑ دیتا۔ پھر اس حکیم ومشفق اُستاد اور مُربی نے فرمایا: يَاْتِيْ اَحَدُكُمْ بِمَالِهٖ كُلِّهٖ يَتَصَدَّقُ بِهٖ وَ يَجْلِسُ يَتَكَفَّفُ النَّاسَ اِنَّمَا الصَّدَقَةُ عَنْ ظَهْرِ غِنًى (2) (تم میں سے کوئی آتا ہے اور اپنا سارا مال خیرات کر دیتا ہے اور پھر لوگوں سے بھیک مانگنے لگتا ہے۔ صدقہ تو تب ہے جب اِحتیاج نہ ہو) نیز اِس لفظ میں ان لوگوں کے لیے بھی درسِ عبرت ہے جن کے پاس بے حساب دولت ہے اور ان کے گردونواح اور پڑوس میں کئی غریب، مسکین اور محتاج زندگی کی اہم ضروریات کے لیے بھی ترس رہے ہوتے ہیں وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ زکوٰۃ ادا کر کے اب وہ ہر قسم کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں بلکہ ان کی ضرورت سے زیادہ جو سرمایہ ہے۔ اس سے وہ اپنے اِسلامی بھائیوں کی ضرور مدد کریں۔ بعض کا خیال ہے کہ زکوٰۃ سے پہلے یہ حکم تھا کہ ضرورت سے زیادہ مال صدقہ کر دیا کرو۔ لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ صاحبِ تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ یہ رائے درست نہیں کیونکہ آیت زکوٰۃ جو سورۂ بقرہ کی اِبتداء میں ہے اِس آیت سے پہلے نازل ہوئی اِس لیے وہ اِس آیت کی ناسخ نہیں ہو سکتی قُلْتُ وَ هٰذَا لَيْسَ بِسَدِيْدٍ فَاِنَّ اِنْزَالَ الْحُكْمِ بِالزَّكٰوةِ فِيْ صَدْرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ..... (فَهِيَ) مُقَدَّمَةٌ نُزُوْلًا عَلٰى هٰذِهِ الْاٰيَةِ (مظہری) (3) نیز یہاں نسخ کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ زکوٰۃ فرضی صدقہ ہے اور یہ آیت نفلی صدقات کے بارے میں ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص61

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص273۔ سنن ابی داؤد از حافظ ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق سجستانی، متولد 202ھ، متوفی 275ھ، کتاب الزکاۃ، باب الرجل یخرج من مالہ، ج1، ص236، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص272

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

تاکہ تم غور و فکر کرو ۲۷۹ دُنیا اور آخرت (کے کاموں) میں ۔ اور پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں

الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ

کے بارے میں ۲۸۰ فرمائیے (ان سے الگ تھلگ رہنے سے) انکی بھلائی کرنا بہتر ہے اور اگر (کاروبار میں تم انہیں ساتھ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ

اور اللہ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے ۲۸۱ اور اگر چاہتا اللہ تو مشکل میں ڈال دیتا تمہیں

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ

بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا حکمت والا ہے ۔ اور نہ نکاح کرو ۲۸۲ مشرک عورتوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں

۲۷۹ یعنی دنیا و آخرت دونوں کو بہتر بنانے کے لیے غور و فکر کرو۔ یہ ہے مومن کامل کا طریق کار۔

۲۸۰ بعض لوگ تو یتیموں کے اموال کو خُرد بُرد کرنے کے لیے ان کے ساتھ شراکت کرتے۔ لیکن کئی ایسے بھی تھے جو از راہِ ہمدردی ان کو اپنے کاروبار میں شریک کر لیتے۔ اور دیانتداری سے ان کے حصّہ کا نفع ان کو ادا کرتے اور ان کی سہولت کے پیشِ نظر ان کے کھانے پینے کا اِنتظام اپنے ساتھ کر لیتے۔ جب قرآنِ حکیم نے یتیموں کے اموال میں بد دیانتی کرنے سے سختی سے روکا بلکہ ان کے مال کے نزدیک تک جانے سے منع کر دیا تو اِس سے ان لوگوں کو بھی بڑی پریشانی ہوئی جو یتیموں کی بہتری اور فائدہ کے لیے ان کو اپنے ساتھ شریک کیے ہوئے تھے۔ اِس لیے فرمایا کہ اگر تم یتیموں کا روپیہ کاروبار میں لگاؤ تا کہ اس سے انہیں نفع پہنچے تو یہ اچھی بات ہے۔ منع تو اس امر سے کیا گیا ہے کہ تم ان کے مال ہضم کر جاؤ۔

۲۸۱ وہ ہر ایک کی نیت اور ارادے سے واقف ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔

۲۸۲ اسلام کے اِبتدائی دور میں مُسلمان کفّار سے رشتہ لیا بھی کرتے تھے اور دیا بھی کرتے تھے۔ لیکن اب انہیں اِس بات سے روک دیا گیا اور انہیں بتا دیا گیا کہ مانا کوئی مشرک عورت اپنے مال و دولت، حسن و جمال اور اپنے فضل و کمال میں بڑھی ہوئی ہے لیکن اس کے شرک کے عیب نے اس کے تمام حسن و کمال کو بدنُما بنا کر رکھ دیا ہے اور مومنہ پر ایمان کے نور کا جو ہالہ ہے اس نے اس کی دوسری جملہ خامیوں کی کسر نکال دی ہے اور یہی فرق مومن مرد اور مشرک مرد کا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب میاں اور بیوی کے عقائد بالکل متضاد ہوں گے ایک اللہ وحدہ لاشریک کا بندہ اور دوسرا ہزاروں بتوں کا پرستار ہوگا تو ان کی کب نبھ سکے گی۔ لامحالہ آج نہیں تو کل یہ کشتی کسی چٹان سے ٹکرائے گی اور پاش پاش ہو جائے گی۔ نیز وہ دو قومیں جو ایک دوسرے

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا

اور بے شک مسلمان لونڈی بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے اگرچہ وہ بہت پسند آئے تمہیں۔ اور نہ نکاح کردیا کرو

الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ

(اپنی عورتوں کا) مشرکوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور بے شک مومن غلام بہتر ہے (آزاد) مشرک سے،

وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

اگرچہ وہ پسند آئے تمہیں وہ لوگ تو بلاتے ہیں ۲۸۳ دوزخ کی طرف اور اللہ تعالیٰ بُلاتا ہے

اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

جنّت اور مغفرت کی طرف اپنی توفیق سے اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حکم لوگوں کے لیے تاکہ وہ

ع ۱۱ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ

نصیحت حاصل کریں۔ اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے حیض کے متعلق ۲۸۴ فرمایئے وہ تکلیف دہ ہے

سے برسرِ پیکار ہیں ان کے افراد کو ایک دوسرے پر اعتماد کب ہوگا اور وہ شادی جہاں باہمی اعتماد نہ ہو۔ جذبات اور امنگیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہوں وہ زیادہ دیر پا نہیں ہوسکتی اِس لیے تم جذبات کی رَو میں نہ بہہ جاؤ اور اپنے مستقبل کو برباد نہ کرو۔

اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کا حکم اپنے موقع پر آئے گا۔

۲۸۳ سابقہ حکم کی حکمت بیان کی جارہی ہے۔ یعنی اگر مُشرِک عورت سے شادی رچائی تو وہ اپنی پوری کوشش کرے گی کہ وہ تمہیں اِسلام سے رُوگرداں کردے اور عورت کے دامِ فریب میں تو بڑے بڑے سُورماؤں کو پھڑکتے دیکھا ہے۔ اور اگر تم نے اپنی بیٹی کسی مشرک سے بیاہ دی تو ممکن ہے اس کی ہیبت کا کوئی جھونکا تمہاری بیٹی کے ایمان کی شمع بجھا دے۔ خُود سوچو یہ کتنا ناقابل برداشت خسارہ ہے۔

۲۸۴ یہود ایام حیض میں عورت سے بالکل قطع تعلق کرلیا کرتے تھے۔ ایک ساتھ اُٹھنا، بیٹھنا تو کجا اس کے ساتھ کھانا پینا بھی بند کردیا جاتا۔ بلکہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی ناپاک خیال کیا جاتا تھا اور مشرکین عرب کا رویہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔ لیکن نصاریٰ اِن دِنوں میں کسی قسم کا پرہیز نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم بستری سے بھی باز نہ آتے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں نہ اِفراط ہے نہ تفریط بلکہ اِسلام کی روایتی میانہ روی اور اِعتدال جلوہ فرما

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى

پس الگ رہا کرو عورتوں سے حیض کی حالت میں اور نہ نزدیک جایا کرو ان کے یہاں تک کہ

يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ

وہ پاک ہوجائیں۔ پھر جب وہ پاک ہوجائیں ۲۸۵ تو جاؤ ان کے پاس جیسے حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ

بے شک اللہ دوست رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرا رہنے والوں کو۔ تمہاری بیویاں

حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ

تمہاری کھیتی ہیں ۲۸۶ سو تم آؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو ۲۸۷ اور پہلے پہلے کرلو اپنی بھلائی کے کام ۲۸۸

ہے۔ صحبت سے منع کر دیا کیونکہ مرد عورت دونوں کا فائدہ اسی میں ہے۔ عورت کی طبیعت ان دنوں نڈھال ہوتی ہے اور یہ عمل اس کے لیے بھی ناگوارِ خاطر ہوتا ہے۔ نیز خون جو بہر حال غلیظ اور نجس ہے ایسے حال میں مقاربت کو کوئی سلیم الطبع اِنسان پسند نہیں کرتا بلکہ ایسا کرنے سے بسا اوقات ایسی نفرت پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر اس کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کھانے پینے کو اِسلام نے جائز رکھا کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (1)

۲۸۵ یہاں طہارت میں مبالغہ مطلوب ہے۔ یعنی خون کے بند ہونے کے بعد غسل کرلے یا ایک نماز کا وقت گزر جائے یا خون دس دن گزرنے پر بند ہوا ہو تو پھر مقاربت کی اجازت ہے (2)۔ یہ قید اس لیے بڑھائی گئی ہے تاکہ خون بند ہونے کا پورا یقین ہوجائے۔

۲۸۶ ''یعنی فطرۃً، اللہ نے عورتوں کو مردوں کے لیے سیر گاہیں نہیں بنایا بلکہ اِن دونوں کے درمیان کھیت اور کسان کا سا تعلق ہے''۔ (تفہیم القرآن) (3) ایک نازک ترین حقیقت کو کیسے احسن پیرایہ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جبین حیا پر شکن بھی نہیں پڑتی اور مقصد بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اسلامی اِزدواج کا سارا فلسفہ سمیٹ کر ان دو لفظوں میں رکھ دیا گیا ہے۔ شادی کا مقصد صرف لذت طلبی نہیں بلکہ حصولِ اولاد ہے۔ اِس لیے اپنے لیے بیوی ایسی منتخب کرو جو نیک اور پاک باز ہو۔ کیونکہ اگر ردّی زمین میں تخم ریزی کروگے تو اچھی کھیتی کی توقع عبث ہے۔ نیز جس طرح کِسان کی ظاہری خوشحالی بلکہ بقا کا انحصار اس کے کھیت کی حفاظت ونگہداشت اور خدمت پر ہے اور اس کے لیے دلی وابستگی ضروری ہے۔ اسی طرح تمہارا تعلق اپنی رفیقۂ حیات سے دلی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص81 2۔ ایضاً، ص99-88 3۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج1، ص170

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو کہ تم ملنے والے ہو اس سے اور (اے حبیب) خوشخبری دو مومنوں کو

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَ

اور نہ بناؤ اللہ (کے نام) کو رکاوٹ ۲۸۹ اس کی قسم کھا کر کہ نیکی نہ کرو گے اور پرہیزگاری نہ کرو گے اور

وابستگی کا ہونا چاہیے۔ غرضیکہ آپ جتنا غور کرتے جائیں گے شادی کے مقاصد اور فرائض نکھر نکھر کر سامنے آتے جائیں گے۔

۲۸۷ اَنّٰی بمعنی کَیْفَ ہے (1)۔ یعنی مقاربت کی کوئی ایک ہیئت متعین نہیں بلکہ جیسے تمہیں پسند ہو۔ صرف ایک شرط ملحوظ رہے کہ تخم ریزی وہاں ہو جو جگہ اس کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ آیت کے اِن الفاظ سے دو غلط کاریوں کا رد کر دیا گیا ہے۔ یہود نے مقاربت کے لیے صرف ایک شکل مخصوص کر رکھی تھی۔ فرمایا کسی خاص ہیئت کی پابندی کی ضرورت نہیں بلکہ جیسے تمہیں پسند ہو۔ اور بعض گندے مذاق کے لوگ عورتوں کے ساتھ لواطت کیا کرتے تھے۔ اس سے منع فرمایا کہ وہ تخم ریزی کی جگہ نہیں۔ اِس سے شادی کا مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے اور عورت کے طبعی حقوق بھی پامال ہوتے ہیں۔

۲۸۸ بڑا جامع فقرہ ہے اور بڑے وسیع مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اِن لذتوں میں ہی نہ کھو جاؤ بلکہ اپنی آنے والی زندگی کے لیے نیک اعمال کا توشہ جمع کرتے رہو۔ نیز شادی سے اولاد طلب کرو۔ تاکہ اس کی وجہ سے تمہارا نام باقی رہے اور ان کے اعمالِ صالحہ سے تمہارے مر جانے کے بعد بھی تمہارے اعمال نامہ میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے۔ اگر تم لذت طلبی میں ہی عمر برباد کر کے دنیا سے چل دیئے تو تمہارا نام تک مِٹ جائے گا۔ اور اگر اَولاد ہوئی اور اس کی تم نے صحیح تربیت نہ کی۔ ان کے اخلاق اور سیرت کو اِسلامی سانچے میں نہ ڈھالا۔ وہ جاہل، بدعمل، بدکار بن گئے تو تمہیں یاد تو کیا جائے گا لیکن ایسی بُرائی کے ساتھ کہ اس سے تمہیں اگر یاد نہ کیا جاتا تو ہزار بار بہتر تھا۔ نیز نیک اولاد کی خواہش ہے تو پہلے ایسی نیک بیوی تلاش کرو جو نیک اور سعادت مند بچّوں کی ماں بن سکے۔ یہ سارے مطالب قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ میں بیان فرما دیئے گئے ہیں۔

۲۸۹ عُرْضَةٌ اَیْ حَاجِزٌ (بیضاوی) (2) یعنی رکاوٹ۔ بعض نادان قسم اٹھا لیا کرتے تھے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ نہیں بولیں گے یا اپنے بھائی وغیرہ سے قطع تعلق کر لیں گے اور جھوٹی گواہی ضرور دیں گے اور پھر اپنی قسموں کی وجہ سے اپنے آپ کو نیکی نہ کرنے کا پابند سمجھتے تھے (اور آج کل بھی یہ عام رواج ہے) اِس آیت میں بتایا گیا کہ نیکی نہ کرنے پر اللہ کے نام کی قسمیں مت اٹھاؤ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے اِذَا حَلَفْتَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَاَیْتَ غَیْرَهَا خَیْرًا مِّنْهَا فَاْتِ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ وَّ كَفِّرْ عَنْ یَّمِیْنِكَ (3)۔ یعنی اگر تم کسی کام کی قسم اُٹھا لو اور پھر اس سے دوسرا کام نیک معلوم ہو تو وہ نیک کام کر لو اور قسم کا کفّارہ ادا کر دو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا نامِ پاک نیک کام نہ کرنے کا ذریعہ مت بناؤ۔ قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کِھلانا یا کپڑے دینا یا تین روزے رکھنا (4)۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 280

2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 48

3۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب قولہ تعالیٰ لایؤاخذکم اللہ ج 2، ص 980، مطبوعہ وزارت تعلیم

5۔ القرآن الکریم، سورۂ مائدہ، آیت 89 (مفہوم)

تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ

صلح نہ کراؤ گے لوگوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے نہیں پکڑے گا تمہیں

اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ

اللہ تعالیٰ تمہاری لایعنی قسموں پر ۲۹۰ لیکن پکڑے گا تمہیں ان قسموں پر جن کا ارادہ تمہارے

قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ

دلوں نے کیا ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا حلم والا ہے۔ ان کے لیے جو قسم اٹھاتے ہیں کہ وہ ۲۹۱ اپنی بیویوں کے

تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾

قریب نہ جائینگے مہلت ہے چار ماہ کی پھر اگر رجوع کرلیں (اس مدت میں) تو بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ

اور اگر پکا ارادہ کرلیں طلاق دینے کا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور طلاق دی ہوئی عورتیں

يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ

روکے رکھیں اپنے آپ کو تین حیضوں تک ۲۹۲ اور جائز نہیں ان کے لیے کہ چھپائیں ۲۹۳

۲۹۰ یعنی اگر ارادہ اور قصد کے بغیر قسمیہ الفاظ زبان پر جاری ہونے کی عادت ہوگئی ہے تو ان کا اعتبار نہ ہوگا۔

۲۹۱ بعض لوگ اپنی عورتوں کو ستانے کے لیے قسم اٹھالیا کرتے کہ وہ ان سے ہم بستری نہ کریں گے۔ اِس طرح عورت نکاح میں بھی رہتی اور حقوقِ زوجیت سے بھی محروم ہوجاتی۔ قرآن نے اِس ظلم کا بھی خاتمہ کردیا۔ اور فرمایا کہ اگر چار ماہ کے اندر تم نے اپنی یہ قسم توڑ دی تو عورت تمہارے نکاح میں رہے گی تمہیں صرف کفّارہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر تم نے چار ماہ گزرنے پر بھی اپنی قسم نہ توڑی تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اور عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم عورت کو اپنے نِکاح میں بھی جکڑ بند رکھو اور اس کے حقوقِ زوجیت بھی ادا نہ کرو۔ ہاں اگر اپنی خوشی سے پھر اسی خاوند سے نِکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔ (1)

۲۹۲ اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو بیوی کو یہ اجازت نہیں کہ وہاں سے اُٹھے اور جھٹ دوسرے شخص سے جا کر بیاہ رچا

1۔ ہدایہ اولین، کتاب النکاح، ج2، ص401، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

جو پیدا کیا ہے اللہ نے ان کے رحموں میں اگر وہ ایمان رکھتی ہوں اللہ پر اور روزِ

الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ

آخرت پر اور ان کے خاوند زیادہ حقدار ہیں ان کو لوٹانے کے اِس مُدّت میں اگر وہ ارادہ کریں صلاح کا ۲۹۴

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

اور ان کے بھی حقوق ہیں (مردوں پر) جیسے مردوں کے حقوق ہیں ان پر دستور کے مُطابق البتہ مردوں کو عورتوں پر

ع ۲۸ ۱۲ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ

فضیلت ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ عزّت والا حکمت والا ہے ۔ طلاق دو بار ہے ۲۹۵ پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ

لے، جیسا یہود کے ہاں قاعدہ تھا۔ بلکہ اسے حکم ہے کہ تین حیض گزرنے کی مدّت تک صبر کرے۔ اس کے بعد اسے نِکاح کرنے کی اجازت ہے۔ اِس مدّت انتظار کو شریعت میں عدت کہتے ہیں۔ اِس میں بڑی مصلحتیں ہیں۔ اِس مدّت میں خاوند چاہے تو رجوع بھی کرسکتا ہے (بشرطیکہ اس نے تیسری بار طلاق نہ دے دی ہو) نیز اس عرصہ میں اگر عورت حاملہ ہے تو بھی پتہ چل جائے گا اور یہ چیز خاوند کو رجُوع کرنے پر آمادہ کرسکتی ہے۔ اِس سے بڑھ کر شریعت کو اس پیدا ہونے والے بچے کے حقوق کا پاس ہے۔ کہ اس کی نسبت مشکوک اور مخلوط نہ ہو جائے۔ اِس کے علاوہ طلاق کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ طلاق کوئی معمولی واقعہ نہیں جس کا کوئی اثر نہ ہو۔ یہ تو ایک المناک حادثہ ہے۔ لیکن عدت کی یہ مدّت اس عورت کے لیے ہے جو مدخول بہا ہو اور بڑھاپے کی وجہ سے اس کا حیض بھی بند نہ ہو گیا ہو۔ اور حاملہ بھی نہ ہو۔ اس قسم کی عورتوں کی عدت کا بیان دُوسری آیات میں مذکور ہے۔

۲۹۳ عورت پر ضروری ہے کہ وہ اپنی صحیح اندرُونی کیفیت بتادے کہ آیا وہ حاملہ ہے یا نہیں تا کہ عدت کے فوائد مرتب ہوسکیں۔

۲۹۴ اِن کے خاوند اگر اصلاح کرلیں اور آباد کرنے کی نیت سے دوبارہ انہیں اپنے گھر میں بسالیں تو یہ بہت بہتر ہے بشرطیکہ انہوں نے تیسری بار طلاق نہ دے دی ہو۔

۲۹۵ عرب میں یہ رواج تھا کہ خاوند اپنی بیوی کو اَن گنت بار طلاق دے سکتا تھا۔ چنانچہ مفسر کبیر ابن جریر لکھتے ہیں کہ مرد جتنی بار چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا کوئی پابندی نہ تھی اور ہر بار عدت گزرنے سے پہلے رجوع کرسکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے اپنی بیوی کو دھمکی دی لَا اٰوِيْكِ وَلَا تَحِلِّيْنَ مِنِّيْ۔ کہ نہ تو میں تمہارے نزدیک جاؤں گا اور نہ تو مجھ سے آزاد ہو سکے گی۔ اِس کی بیوی نے اس سے پوچھا یہ کیسے؟ تو وہ بولا کہ میں تمہیں طلاق دیا کروں گا۔ اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کرلیا کروں گا۔ وہ اپنے

اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ اور جائز نہیں تمہارے لیے کہ لو تم ۲۹۶ اس سے جو تم نے دیا ہے انہیں

تاریک مستقبل کا تصوّر کر کے لرز گئی اور شکوہ کناں بارگاہِ رسالت مآب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئی اور اپنی مظلومیت کی داستان عرض کی۔ پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب مکرّم پر یہ آیت نازل فرمائی (1)۔ جس نے عورت کے بیشتر مصائب کا خاتمہ کر دیا۔ خاوند کے حق طلاق کو تین بار تک محدود کر دیا۔ ایک بار طلاق دینے کے بعد اسی طرح دوسری بار طلاق دینے کے بعد وہ اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے اور اگر اس نے تیسری بار بھی طلاق دے دی تو اب اِس کا تعلق اس عورت سے بالکل منقطع ہو گیا۔ اب اسے رجوع کرنے کا کوئی اِختیار نہیں۔

طلاق دینے کا قاعدہ: اگر قطع تعلق کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہے تو مرد اپنی بیوی کو جب وہ حیض سے فارغ ہو صحبت کرنے سے پہلے ایک طلاق دے۔ پھر دوسرے ماہ جب وہ حیض سے پاک ہو تو صحبت سے پہلے دوسری بار طلاق دے۔ ابھی تک وہ رجوع کر سکتا ہے۔ پھر تیسرے ماہ جب عورت حیض سے پاک ہو تو صحبت سے پہلے تیسری طلاق دے (2) اب نکاح کا تعلق ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا ہے۔ مرد کو اِتنی مہلت جو دی گئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اپنے اس فیصلہ پر ایک بار نہیں بار بار غور کرے۔ اور اگر اپنے اس فیصلے کو وہ واپس لینا چاہے تو دو بار تک واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اگر اس نے تیسری بار بھی طلاق دے دی تو گویا اس نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ اِس عورت کو کسی قیمت پر اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا۔ اِس کے بعد اسے یہ حق نہیں کہ پھر رجوع کرتا پھرے اور عورت کو اپنی خواہشات کا کھلونا بنائے رکھے۔

یہ اِسلام کا قانونِ طلاق ہے۔ اب اِس کا موازنہ کریں۔ ایک طرف عرب کے جاہلانہ طریقے سے جس میں مرد جب چاہتا طلاق دیتا رہتا اور دوسری طرف ہندوؤں، یہودیوں اور نصاریٰ کے قانون سے کہ جو ایک بار نکاح کی زنجیر میں جکڑ دیا گیا، اب حالات کیسے ہی ناگفتہ بہ کیوں نہ ہو جائیں چھٹکارا کی کوئی صورت نہیں۔ اِسلام کی شریعت کی میانہ روی اور اِعتدال وہ اِمتیاز ہے جس کا مقابلہ دنیائے قدیم وجدید کا کوئی نظامِ قانون نہیں کر سکتا۔ کاش ہم سمجھتے! کاش اِس کے مطابق عمل کرتے۔

۲۹۶ مرد کیونکہ فطری طور پر عورت سے نسبۃً زیادہ مدبّر، دور اندیش اور جذبات کی رَو میں بہ جانے کی بجائے عقل و ہوش سے زیادہ کام لینے والا ہے۔ نیز ازدواجی زندگی کی ساری ذِمہ داریاں بھی اسی کے کندھوں پر ہیں اس لیے شریعت مطہرہ نے طلاق دینے کا حق مرد کو تفویض کیا ہے۔ اور اس حق کو استعمال کرنے کا حکیمانہ طریقہ بھی تعلیم کر دیا۔ اور اسے اِس آیت میں یہ بھی ہدایت کر دی کہ جو چیزیں اس نے آج تک اپنی اس بیوی کو تحفہ یا ہدیہ کے طور پر دی تھیں وہ واپس نہ لے بلکہ ''تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ'' کے الفاظ تو بتاتے ہیں کہ اس افسوسناک حادثہ پر اس کی مزید خدمت کر دے تا کہ اس کی کچھ نہ کچھ دلجوئی ہو جائے۔

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج2، ص276، مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، ج2، ص307، رقم الحدیث:3106، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

2۔ ہدایہ اولین، ج2، ص354 (ماخوذ)

شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا

کچھ بھی بجز اس کے کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ

حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ

سکیں گے اللہ کی حدوں کو تو کوئی حرج نہیں ان پر ۲۹۷ کہ عورت کچھ فدیہ دیکر جان چھڑالے ۔ یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

حدیں ہیں اللہ کی سو ان سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے سو وہی لوگ

۲۹۷ اگر خاوند عورت کو مارتا پیٹتا ہے اور اسے طلاق بھی نہیں دیتا یا عورت کو اپنے خاوند سے ایسی نفرت ہوگئی ہے کہ اب ان کی صلح کی کوئی توقع نہیں اور خطرہ پیدا ہوگیا کہ اگر یہ نکاح کے بندھن میں بندھے رہے تو یہ طرح طرح کی معصیتوں میں مبتلا ہوجائیں گے تو اب کیا کیا جائے؟ اس مشکل کا حل آیت کے اس حصّہ میں بیان فرمایا گیا ہے جسے فقہاء کی اصطلاح میں خُلع کہا جاتا ہے۔ یعنی اگر مندرجہ بالا صورت پیدا ہوجائے تو عورت حاکم وقت کے پاس خلع کا مُطالبہ کرے۔ اور حاکم پہلے ان کی مصالحت کی کوشش کرے گا اگر کامیابی نہ ہو تو خاوند نے عورت کو مہر میں جو کچھ دیا تھا حاکم اسے لے کر خاوند کو واپس کردے۔ اور ان کے درمیان تفریق کردے یہ خُلع ہے اور اس کا حکم طلاق بائن کا ہے۔

فقہاء احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر زیادتی خاوند کی طرف سے ہے تو اسے خلع کرتے وقت بیوی سے کچھ لینا مناسب نہیں اور اگر زیادتی بیوی کی ہے تو جتنا اس نے بیوی کو دیا تھا اتنا لینا اسے مباح ہے اور اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے اور بعض دیگر علماء نے کہا ہے کہ زیادہ بھی لے سکتا ہے(1)۔ مخلوعہ کی عدت بھی تین حیض ہے۔ اِس حکم کے نزول کی وجہ محدثین کرام نے یہ لکھی ہے جمیلہ بنت عبداللہ نے جو ثابت بن قیس کے نکاح میں تھی، بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی لَا اَنَا وَلَا ثَابِتٌ لَا يَجْمَعُ رَأْسِيْ وَرَأْسَهٗ شَيْءٌ(2) میں اور ثابت ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ میرا سر اور اس کا سر ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتا (اس نفرت کی بجز اس کے کوئی وجہ نہ تھی کہ ان کو ان کی شکل پسند نہ تھی) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم وہ باغ واپس کرنے کے لیے تیار ہو جو ثابت نے تم کو مہر میں دیا تھا۔ جمیلہ نے کہا ہاں وہ بھی اور کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں۔ حضور علیہ والصلوٰۃ والسلام نے وہ باغ حضرتِ ثابت کو واپس کردیا اور ان میں تفریق کردی(3)۔ (خلع کے تفصیلی احکام کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جائے)

1۔ ہدایہ اولین، ج2، ص404-05 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص50

4۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج2، ص280، موطا امام مالک، باب ماجاء فی الخلع، ص518، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى

ظالم ہیں۔ (دو بار طلاق دینے کے بعد) ۲۹۸ پھر اگر وہ طلاق دے اپنی بیوی کو تو وہ حلال نہ ہوگی اس پر اس کے بعد یہاں تک

تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ

کہ نکاح کرے کسی اور خاوند کے ساتھ۔ پس اگر وہ (دُوسرا) طلاق دے اسے تو کوئی حرج نہیں ان دونوں پر کہ رجوع کرلیں بشرطیکہ

اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا

انہیں خیال ہو کہ وہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو اور یہ حدیں ہیں اللہ کی وہ بیان فرماتا ہے انہیں اُن

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں اور جب تم طلاق دیدو عورتوں کو اور وہ پوُری کریں اپنی عِدّت ۲۹۹

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ

پس یا تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دو انہیں بھلائی کے ساتھ اور نہ روکو انہیں

۲۹۸ یہاں سے تیسری طلاق اور اس کے حکم کا بیان ہے۔ یعنی اگر تیسری طلاق بھی اس نے دے دی تو اب جب تک وہ کسی دوسرے خاوند سے بالکل اسی طرح بسنے کی نیت سے نکاح نہ کرے جیسے اس نے پہلے خاوند کے ساتھ کیا تھا اور پھر وہ دوسرا خاوند ہم بستری کرنے کے بعد کچھ مدّت گزرنے پر اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے دے اس وقت تک وہ پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں جا سکتی۔ یہ ہے قرآنِ کریم کا واضح ارشاد جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ آج کل اس کا حل حلالہ کی باعث صد نفرین صورت میں تلاش کر لیا گیا ہے۔ اِس کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم پیشِ نظر رہے۔ لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ(1)۔ ترجمہ: حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی پھٹکار اور جس (بے غیرت) کے لیے حلالہ کیا جا رہا ہے اس پر بھی اللہ کی پھٹکار۔ رکوع کے آخر تک جتنی آیتیں ہیں ان میں مکرر سہ کرر تاکید کی جا رہی ہے کہ کسی عورت کے ساتھ نکاح اسے ستانے اور دُکھ دینے کے لیے نہ کرو بلکہ انہیں آباد کرنے کے لیے کرو۔ اور جو ایسا کرے گا وہ گویا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ کیا کسی مومن کے لیے اِس سے بھی کوئی سنگین سرزنش ہو سکتی ہے۔

۲۹۹ طلاق سے یہاں مُراد طلاقِ رجعی ہے یعنی جب تک تم نے طلاق مغلّظ نہیں دی اُس وقت تک تمہیں اِختیار ہے چاہے تو

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 314۔ جامع ترمذی، ابواب النکاح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء فی المحلل والمحلل لہ، ج 1، ص 133، مکتبہ وزارت تعلیم

ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا

تکلیف دینے کی غرض سے تاکہ زیادتی کرو۔ اور جو کوئی کرے گا اِس طرح تو وہ ظلم کریگا اپنی ہی جان پر اور نہ

تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ

بنالو اللہ کی آیتوں کو مذاق ۳۰۰ اور یاد کرو ۳۰۱ اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور (یاد کرو) جو اس نے نازل

عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

فرمایا تم پر قرآن اور حکمت وہ نصیحت فرماتا ہے تمہیں اس سے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو

اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ ع ۲۹ ۳ ۱۳

کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پوری کرچکیں

اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا

اپنی عدّت تو نہ منع کرو انہیں ۳۰۲ کہ نکاح کرلیں اپنے خاوندوں سے جبکہ رضامند ہوجائیں

رجوع کرلو اور اسے اپنے گھر بسالو اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ اور اگر رجوع کا ارادہ نہیں تو پھر اسے عمدگی اور شائستگی سے علیحدہ کرو۔ جو صورت بھی اِختیار کرو اس میں نیک نیتی ملحوظ ہو۔ عورت کو ضرر دینا اور اسے تنگ کرنا ہرگز مقصود نہیں ہونا چاہیے۔

۳۰۰ گھریلو زندگی کی اہمیت کے پیشِ نظر ان قوانین کو غلط اِستعمال کرنے والوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر تم نے اِن قواعد کی تعمیل میں تاویل سے کام لینا شروع کیا تو یاد رکھو تمہارا یہ جرم نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تم آیاتِ خُداوندی کا مذاق اڑا رہے ہو۔ اور یہ بڑا سنگین جرم ہے۔ اِس کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔

۳۰۱ پہلے جملے میں سرزنش کی گئی تھی۔ اب ملاطفت وشفقت سے اِن قوانین کے اِتباع کی ترغیب دی جارہی ہے۔ کہ دیکھو قرآن ایسی کتابِ ہدایت تمہیں عطا فرمائی گئی ہے۔ تمہیں اس نعمت عظمیٰ کا ہمیشہ پاس رہنا چاہیے۔ تبھی تو تم اس احسانِ عظیم کی شکر گزاری کا حق ادا کرسکتے ہو۔ ترغیب وترہیب کی کیا حسین آمیزش ہے۔

۳۰۲ یعنی مطلقہ عورت جب اپنی عدت پوری کرلے اور اپنے خاوند کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو عورت کے ولی اسے منع نہ کریں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسی عورت اگر اپنے تجویز کردہ خاوند کے ساتھ عدت گزرنے کے بعد نکاح کرنا چاہے تو پہلا خاوند اسے نہ روکے اور یہ کوشش نہ کرے کہ جب میں نے اسے طلاق دے دی ہے تو کوئی دوسرا بھی اس سے

بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ

آپس میں مناسب طریقہ سے یہ فرمانِ الٰہی (اسے) نصیحت کی جاتی ہے اسکے ذریعے اسکو جو تم میں سے یقین رکھتا ہو

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اللہ پر اور قیامت پر یہ بہت پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور بہت صاف اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ

اور تم نہیں جانتے ۔ اور مائیں دُودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو

كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ

سال ۳۰۳ (یہ مدت) اس کے لیے ہے جو پُورا کرنا چاہتا ہے دودھ کی مدت اور جس کا بچّہ ہے اس کے ذمّہ ہے

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

کھانا ان ماؤں کا اور ان کا لباس مناسب طریقہ سے ۔ تکلیف نہیں دی جاتی کسی شخص کو مگر اسکی حیثیت کے مطابق

نکاح نہ کرے۔

۳۰۳ یہاں طلاق کے بعد یہ سوال طبعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیر خوار بچہ ہو تو اِس جُدائی کے بعد اس کی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا۔ اِس لیے ضروری تھا کہ بچہ کی پرورش کی ذمہ داریاں جو ماں باپ پر ہیں انہیں اس موقع پر بیان فرما دیا جائے۔ لہٰذا یہاں اِن مسائل کا بیان ہوا۔

مسئلہ: ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے بچے کو دُودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اُجرت پر دودھ پلوانے کی قدرت و استطاعت نہ ہو یا کوئی دودھ پلانے والی میسّر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہ کرے۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچہ کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے(1)۔

(منقول از حاشیہ صدرالافاضل مُرادآبادی)

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس بچہ کے دودھ پلانے کی اُجرت لے سکتی ہے۔

(حاشیہ صدرالافاضل)(2)

1۔ تفسیر خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 67، حاشیہ: 466 2۔ ایضاً

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى

نہ ضرر پہنچایا جائے کسی ماں کو اسکے لڑکے کے باعث اور نہ کسی باپ کو (ضرر پہنچایا جائے) اسکے لڑکے کے باعث اور وارث

الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ

پر بھی اسی قسم کی ذمہ داری ہے۔ پس اگر دونوں ارادہ کرلیں دودھ چھڑانے کا اپنی مرضی اور

تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا

مشورہ سے تو کوئی گناہ نہیں دونوں پر اور اگر تم چاہو کہ دودھ پلواؤ (دایہ سے) اپنی

اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ

اولاد کو پھر کوئی گناہ نہیں تم پر جبکہ تم ادا کردو جو دینا ٹھہرایا تھا تم نے مناسب طریقے سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ

اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اسے دیکھنے والا ہے ۔ اور جو لوگ

يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ

فوت ہو جائیں ۳۰۴ تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں انتظار کریں ۳۰۵ چار

اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

مہینے اور دس دن اور جب پہنچ جائیں اپنی (اس) مدّت کو تو کوئی گناہ نہیں تم پر اس میں جو

۳۰۴ یہاں ان عورتوں کی عدت کا بیان ہے جن کے خاوند فوت ہو جائیں اور وہ حاملہ نہ ہوں۔ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے یعنی جس وقت وہ بچہ جنے گی اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ اس کی تصریح آگے آئے گی۔

۳۰۵ اس کا صرف یہ مطلب نہیں کہ وہ اس مدّت میں نکاح نہ کرے بلکہ احادیث صحیحہ کے مطابق کئی دوسری چیزوں سے بھی پرہیز لازمی ہے۔ یعنی عدت کے اندر وہ رنگین اور ریشمی لباس نہ پہنے۔ خوشبو نہ لگائے۔ مہندی اور دیگر آرائش سے اجتناب

فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

کریں وہ اپنی ذات کے بارے میں مناسب طریقہ سے ۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب واقف ہے ۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ

اور کوئی گناہ نہیں تم پر اِس بات میں کہ اشارہ سے پیغامِ نکاح دو اِن عورتوں کو

اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ

یا جو چھپائے ہو تم اپنے دلوں میں ۳۰۶ جانتا ہے اللہ تعالیٰ کہ تم ضرور ان کا ذکر کرو گے البتہ

لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ وَلَا تَعْزِمُوْا

نہ وعدہ لینا ان سے خفیہ طور پر بھی مگر یہ کہ کہو (ان سے) شریعت کے مطابق کوئی بات اور نہ پکّی کر لو

عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

نکاح کی گرہ یہاں تک کہ پہنچ جائے عِدّت اپنی اِنتہا کو اور جان لو کہ یقیناً اللہ جانتا ہے

مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

جو تمہارے دلوں میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا حلم والا ہے۔

کرے۔ اپنے مُتوفی خاوند کے ہی گھر ٹھہرے (1)۔ ہاں ضروری کام کی غرض سے دن کو گھر سے نکل سکتی ہے رات کو پھر اسی مکان میں شب باشی کرے۔ نیز نئے نکاح کے لیے بھی بات چیت نہ کرے۔

۳۰۶ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ عدتِ وفات گزارنے والی عورت سے صراحۃً نِکاح کرنے کا تذکرہ نہ کریں۔ غم واندوہ کی اِن گھڑیوں میں جب کہ ایک گھر بے چراغ ہو چکا ہے تمہارا جشن شادی منانے کی طرح ڈالنا کتنا معیوب ہے اور اس مرحوم کے ساتھ کتنی بے انصافی ہے کہ ابھی اس کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تم اس کی بیوی کو شادی کا پیغام بھیجنے لگے ہو۔ ہاں پردہ داری سے اگر تم اپنے ارادہ کا اظہار کر دو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ یہ بات تمہارے دلوں میں ہی رہے اور زبان پر نہ آنے پائے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 329

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ

کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم طلاق دے دو ان عورتوں کو جن کو تم نے چھوا بھی نہیں ۳۰۷ اور نہیں

تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ

مقرر کیا تم نے ان کا مہر اور خرچہ دو انہیں مقدور والے پر اسکی حیثیت کے مطابق

وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

اور تنگدست پر اس کی حیثیت کے مطابق یہ خرچہ مناسب طریقہ پر ہونا چاہئے یہ فرض ہے نیکو کاروں پر ،

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ

اور اگر تم طلاق دو انہیں ۳۰۸ اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ اور مقرر کر چکے تھے

لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا

ان کے لیے مہر تو نصف مہر (ادا کرو) جو تم نے مقرر کیا ہے مگر یہ کہ وہ (اپنا حق) معاف کردیں یا معاف

۳۰۷ یہاں اس عورت کی طلاق کا حکم بیان ہوا ہے جس کے ساتھ نکاح تو ہو گیا لیکن مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہوئی اور مرد نے اس کے ساتھ صحبت اور خلوتِ صحیحہ بھی نہیں کی۔ بتایا کہ ایسی عورت کو طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں۔ لیکن ایسی عورت کو خرچہ کے لیے کچھ دے دو تا کہ اس کی دلجوئی ہو جائے۔ فقہاء نے تین کپڑے کا جوڑا مراد لیا ہے (1)۔ یہ بھی بتا دیا کہ خاوند اس میں تنگ دلی سے بھی کام نہ لے اور فضول خرچی بھی نہ کرے بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق جو دینا چاہے دے۔ حَقًّا سے یہ وضاحت کی کہ دینا ضرور ہے (2)۔

۳۰۸ یہاں اس عورت کا حکم بیان ہو رہا ہے کہ نکاح کے وقت جس کا مہر تو مقرر ہو چکا تھا لیکن صحبت اور خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی گئی۔ فرمایا اِس صورت میں خاوند نصف مہر عورت کو دے۔ ہاں اگر عورت اپنی مرضی سے وہ بھی بخش دے یا خاوند پورا مہر دینے کو تیار ہو جائے اور نصف مہر نہ دینے کی جو رعایت اسے دی گئی تھی اس رعایت کو وہ معاف کر دے تو پھر اور بات ہے (3)۔ اَلَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے مُراد خاوند ہے۔ کیونکہ نکاح کی گرہ کے باندھنے اور کھولنے کا حق اسے ہی دیا گیا ہے (4)۔ اور اَنْ تَعْفُوْٓا سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عفو اور فراخ دلی کے زیادہ مُستحق مَرد ہیں۔

1۔ ہدایہ اولین، کتاب النکاح، ج2، ص325
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج2، ص154
3۔ ہدایہ اولین، کتاب النکاح، ج2، ص324
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص333

الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ

کردے وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے ۔ اور (اے مردو) اگر تم معاف کردو تو یہ بہت قریب ہے تقویٰ سے اور

لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۷﴾

نہ بھلایا کرو[۳۰۹] احسان کو آپس (کے لین دین) میں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے ۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾

پابندی کرو سب نمازوں کی[۳۱۰] اور (خصوصًا) درمیانی نماز کی[۳۱۱] اور کھڑے رہا کرو اللہ کیلئے عاجزی کرتے ہوئے

۳۰۹ اس وقت اِحسان ومروت کی ہدایت کی جارہی ہے جب کہ حالات اِس قدر کشیدہ ہو چکے ہیں کہ طلاق دینے کی نوبت آچکی ہے۔لیکن قرآن اپنے ماننے والوں کو تلقین کرتا ہے کہ اِن بگڑے ہوئے حالات میں بھی حسنِ خلق کا مظاہرہ کرو۔اور اگر دوسرا فریق تمہارے اس حسنِ سلوک اور مہربانی کا اِعتراف اور قدر نہ بھی کرے تو کیا ہوا، تمہارا رب تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔اگر وہ راضی ہو گیا تو پھر تمہیں اور کیا چاہیے۔

۳۱۰ ذکر الٰہی اسلام کی روح ہے۔یہی وہ قوت ہے جس سے انسان بخوشی شریعت کے تمام قوانین پر عمل کرسکتا ہے۔اِس لیے قرآن کا یہ اسلوب ہے کہ جہاں قوانین واحکام کا بیان ہوا وہاں ساتھ ہی ذکر الٰہی کی طرف دلوں کو راغب کردیا تاکہ وہ اِن احکام کی پابندی آسانی سے کرسکیں۔ یہاں بھی خانگی زندگی سے متعلق احکامِ طلاق، خلع، عدت وغیرہ بیان کرکے نماز کو پابندی سے ادا کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ نماز ہی ذکر الٰہی کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ ہے۔ اِس میں جسم وروح، دل ودماغ سب مصروفِ عبادت ومناجات ہوتے ہیں۔ یہاں قرآن کے الفاظ غور طلب ہیں۔ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ فرمایا اِحْفَظُوْهَا نہیں فرمایا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جب مفاعلہ کا صلہ علیٰ آجائے تو اس وقت اس کے معنی بار بار اور علی الدوام کرنے کے ہوتے ہیں (المنار)(1) یہاں بھی مقصد یہی بتانا ہے کہ بار بار ہمیشہ نماز ادا کرتے رہو۔ یہ نہیں کہ ایک بار نماز ادا کرلی اور ہفتہ بھر کیلئے چھٹی مل گئی۔ اِسلام میں نماز کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ قرآن کریم میں اس کا حکم سو دفعہ کے قریب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے دین کا ستون فرمایا ہے(2)۔ اور ہم مسلمان ہو کر نماز کے معاملہ میں جتنی سستی کرتے ہیں اِس کی کوئی حد نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اِرشاد نقل کرتا ہوں۔ ممکن ہے اس سے کوئی خوش نصیب ہدایت پاجائے۔ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّ بُرْهَانًا وَّ نِجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَّهٗ نُوْرٌ وَّلَا بُرْهَانٌ وَّلَا نِجَاةٌ وَ كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ اُبَيِّ بْنِ خَلْفٍ (رواہ احمد والطبرانی)(3)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو نماز پابندی سے ادا کرے گا قیامت کے دن یہ اس کے لیے نور ہوگی۔ اس کے ایمان کی واضح دلیل ہوگی۔ اور اس کی نجات کا باعث ہوگی اور جس نے نماز کی پابندی نہ کی تو اس کے پاس نہ نور ہوگا نہ اپنے ایمان کی کوئی دلیل اور

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج2، ص36-435 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص335 3۔ مسند امام احمد، ج2، ص169، مطبوعہ دار صادر بیروت

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا

پھر اگر تم کو ڈر ہو (دشمن وغیرہ کا) تو پیادہ یا سوار (جیسے بن پڑے) ۳۱۲ پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو یاد کرو اللہ تعالیٰ کو جس طرح

عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ

اُس نے سکھایا ہے تمہیں جو تم نہیں جانتے تھے - اور جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں تم میں سے ۳۱۳ اور

يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ

چھوڑ جاتے ہیں بیویاں (انہیں چاہیئے کہ) وصیّت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے لیے کہ انہیں خرچ دیا جائے ایک سال تک (اور) نہ نکالا جائے (انہیں گھر سے

فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ

پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو کوئی گناہ نہیں تم پر جو کچھ وہ کریں - اپنے معاملہ میں مناسب

نہ بخشش کا کوئی وسیلہ اور اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ اے اللہ ہمیں غفلت کی نیند سے بیدار کر اور اپنی عبادت اور اپنے محبوب کی اطاعت کی توفیق عطا فرما۔ آمین بِجَاہِ حَبِیْبِكَ الْكَرِیْمِ عَلَیْهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ

۳۱۱ درمیانی نماز سے کون سی نماز مراد ہے۔ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں لیکن راجح قول یہ ہے کہ یہ نمازِ عصر ہے۔ حضرتِ علی، ابن مسعود و عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک ہے (1)۔ جنگ خندق میں عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اِن کفار کی قبروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں درمیانی نماز پڑھنے سے مصروف رکھا۔ مَلَأَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ متفق علیہ۔ (2)

۳۱۲ یہ آیت نماز کی انتہائی اہمیت پر دلالت کرتی ہے کہ یہ عبادت اتنی اہم ہے کہ اس وقت بھی معاف نہیں ہوتی جب تمہیں دشمن کے حملہ کا اندیشہ ہو۔ ہاں اتنی آسانی کر دی گئی ہے کہ پیدل چلتے چلتے یا اپنی سواریوں پر بیٹھے بیٹھے جدھر بھی رخ ہو نماز ادا کرتے جاؤ۔

۳۱۳ اِبتدائے اِسلام میں بیوہ کی عدت ایک سال تھی اور ایک سال کامل وہ شوہر کے ہاں رہ کر نان نفقہ پانے کی مستحق ہوتی تھی پھر ایک سال کی عدت تو آیۃ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا سے منسوخ ہوئی جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمائی گئی اور سال کا نفقہ آیت میراث سے منسوخ ہوا۔ (حاشیہ صدر الافاضل) (3)

۳۱۴ یعنی عدت کی مدت ختم ہونے کے بعد اگر وہ اپنے سابقہ خاوند کے گھر میں نہ رہنا چاہیں تو انہیں مجبور نہیں کیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو شریعت کے کسی قانون کے خلاف ہو یا اَخلاق سے گرا ہوا ہو جس سے ان کی ناموس داغدار ہو یا ان

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص335
2۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق، ج2، ص590
3۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص71، حاشیہ 489

مَّعۡرُوۡفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ حَقًّا

طور پر[۳۱۴] ۔ اور اللہ بہت زبردست بڑا دانا ہے۔ اور (اسی طرح) جن کو طلاق دی گئی انکو خرچ دینا چاہیئے مناسب طور پر۔ یہ

عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴۲﴾ ع اَلَمۡ ع ۳۱ ۱۵

واجب ہے پرہیز گاروں پر[۳۱۵] اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم سمجھ جاؤ۔ کیا نہیں

تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ۪ فَقَالَ

دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جو نکلے تھے[۳۱۶] اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے[۳۱۷] تو فرمایا

لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَ

انہیں اللہ تعالیٰ نے کہ مرجاؤ پھر زندہ فرمایا انہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے لوگوں پر

کے فوت شدہ خاوند کی بدنامی اور رُسوائی کا باعث ہو مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ کی قید بڑھا کر انہیں دو باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۳۱۵ شریعت نے مطلقہ عورت کے لیے عدت مقرر کی ہے اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہ حاملہ تو نہیں۔ اس میں سراسر خاوند کے نسب کی حفاظت ملحوظ ہے گویا عورت ابھی اسی کے حقوق کی نگہداشت کے لیے محبوس ہے اس لیے اس کے اخراجات کی ذمہ داری خاوند کو سونپی گئی۔ اور یہی عین اِنصاف ہے۔

۳۱۶ کئی مفسرین نے کوشش کی ہے کہ جس قوم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے اس کا تعین کریں کہ وہ کون سی قوم تھی۔ لیکن علامہ قرطبی نے ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ سب قصے نا قابل اعتماد ہیں۔ آیت کا مقصد مسلمانوں کو کسی گزشتہ قوم کے (جس کی تعیین مقصود نہیں) عمل سے عبرت دلانا ہے جو موت کے ڈر سے بھاگ نکلی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ موت جس سے وہ بھاگے تھے ان پر مسلّط کر دی۔ پھر کچھ عرصہ بعد انہیں نئی زندگی عطا فرمائی۔ اور اس طرح مارنے اور جلانے سے مدعا ان کو یہ سمجھانا تھا کہ موت سے بھاگنے کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ نہ تم اپنی سعی و کوشش سے اپنی موت کو ٹال سکتے ہو اور نہ زندگی بڑھا سکتے ہو۔ اور اس واقعہ کے ذِکر کرنے سے اُمّت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو یہ بتانا مقصود تھا کہ تم ایسا مت کرنا۔ وہ کون تھے؟ کہاں سے بھاگے تھے؟ کیوں بھاگے تھے؟ یہ ایسی تنقیحات ہیں جن میں اُلجھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے قرآن نے ان کا ذِکر نہیں کیا۔

۳۱۷ جمہور کا قول یہ ہے کہ اُلُوۡفٌ جمع ہے اَلۡفٌ کی۔ جس کا معنی ہزار ہے۔ یعنی وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اور بعض ائمہ لغت (ابن زید) سے یہ بھی منقول ہے کہ اُلُوۡفٌ اَلِفٌ یا اَلِفٌ کی جمع ہے(1)۔ اب معنی ہوگا کہ وہ ایسی حالت میں اپنے گھروں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص231

لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا

لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور لڑائی کرو اللہ کی راہ میں ۳۱۸ اور جان لو

اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

کہ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سُننے والا سب کچھ جاننے والا ہے کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن ۳۱۹

سے نکلے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ پیار و محبّت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اِس آیت سے علماء کرام نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ اگر کہیں وبا پھوٹ پڑے تو وہاں کے لوگوں کو بھاگ کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر تندرست بھاگ نکلے تو بیماروں کی تیمار داری کون کرے گا۔ نیز اِس بھگدڑ سے ایسی خرابیاں پیدا ہوں گی جن کا پہلے اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اگر متعدی مرض ہے تو ممکن ہے کہ ان کی وجہ سے بیماری کے جراثیم صحت مند علاقوں میں منتقل ہو جائیں اور وہاں بیماری پھیل جائے اور اس حکم کی سب سے بڑی حکمت جو بحیثیت دین، اسلام کے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح لوگوں کا عقیدہ متزلزل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے اسباب کو وہ محی و مُمیت سمجھنے لگیں گے۔ جس طرح اسلام نے وبا زدہ علاقہ سے بھاگنے سے منع فرمایا اسی طرح اُس میں داخل ہونے سے بھی روکا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: فَمَنْ سَمِعَ بِهٖ بِاَرْضٍ فَلَا يَقْدَمَنَّ عَلَيْهِ وَمَنْ كَانَ بِاَرْضٍ وَّقَعَ بِهَا فَلَا يَخْرُجَنَّ فِرَارًا مِّنْهُ۔ (جو سنے کہ (فلاں) علاقے میں طاعون (پھوٹ پڑا) ہے وہ ہرگز وہاں نہ جائے اور جو (پہلے ہی) ایسے علاقے میں ہو جہاں طاعون پھیلا ہوا ہو تو وہ فرار کے ارادہ سے نہ نکلے) (بخاری) (1)

۳۱۸ یہ سبق خوب ذہن نشین کرانے کے بعد کہ موت و حیات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں کوئی اپنے حیلہ سے موت کو ٹال نہیں سکتا اور نہ زندگی کو بڑھا سکتا ہے۔ اب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لیے جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

۳۱۹ لغت عرب میں قرض کا یہ مفہوم نہیں جو ہم اردو میں اس سے سمجھا کرتے ہیں کہ کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوئی اپنے پاس نہ تھی اس لیے دوسرے سے ادھار لے کر پوری کر لی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ہے ضرورت کے تصور سے بھی پاک ہے بلکہ اَلْقَرْضُ: اِسْمٌ لِكُلِّ مَا يُلْتَمَسُ عَلَيْهِ الْجَزَاءُ (قرطبی) (2) یعنی قرض ہر وہ چیز یا عمل ہے جس پر جزا اور بدلہ طلب کیا جائے۔ اب کسی قسم کا خلجان پیدا ہی نہ ہوگا۔ پہلے کیونکہ جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور جہاد کے لیے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اس حسنِ بیان سے اہل اسلام کو اپنا سرمایہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے شوق دلایا جا رہا ہے یعنی یہ مت سمجھو کہ یہ رقم خرچ ہو گئی تو پھر واپس نہیں ملے گی بلکہ اللہ تعالیٰ اِس کا تمہیں کئی گنا معاوضہ دے گا۔ قرض اگر بمعنی مفعول ہو تو حسن کی صفت سے یہ مراد ہوگا کہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو وہ حلال اور پاک ہو۔ اور اگر قرض اپنے مصدری معنی میں ہی استعمال ہوا ہو تو پھر حسن سے مراد یہ ہوگا کہ قرض دو تو خلوص سے دو۔ خوشی خوشی دو۔ مَنْصُوْبٌ عَلَى الْمَفْعُوْلِيَّةِ اَیْ مُقْرِضًا حَلَالًا طَيِّبًا اَوْ عَلَى الْمَصْدَرِيَّةِ اَیْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحیل، باب ما یکرہ من الاحتیال فی الفرار من الطاعون، ج2، ص1032
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص239

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ

تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لیے کئی گنا اور اللہ تعالیٰ تنگ کرتا ہے (رزق کو) اور فراخ کرتا ہے ۳۲۰ اور اسی

تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ

کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے کیا نہیں دیکھا تم نے اس گروہ کو ۳۲۱ بنی اسرائیل سے (جو) موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا

اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ

جب کہا انھوں نے اپنے نبی سے کہ مقرر کر دو ہمارے لیے ایک امیر ۳۲۲ تاکہ لڑائی کریں ہم اللہ کی راہ میں نبی نے کہا

قَرْضًا مُّقْرُوْنًا بِالْاِخْلَاصِ وَ طِيْبِ النَّفْسِ (مظہری) (1)

۳۲۰ اور یہ بھی خوب ذہن نشین کر لو کہ رزق کی تنگی اور فراخی اللہ قادر کریم کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اس کی راہ میں خرچ کرو گے تو وہ اپنی رحمت کے خزانوں کے منہ کھول دے گا۔ اور اگر بخل کیا تو کوئی بعید نہیں کہ وہ ناراض ہو جائے اور تمہیں محتاج و مفلس بنا دے۔

۳۲۱ مَلَأٌ سے مراد قوم کے رؤسا اور شرفا ہیں (2)۔ ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً تین سو سال بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ہزار گیارہ سو سال پہلے کا ایک واقعہ بیان ہو رہا ہے (3)۔ جس کا مختصر حال یہ ہے کہ عمالقہ فلسطین کے اکثر حصوں پر قابض ہو گئے تھے اور بنی اسرائیل رامہ کے علاقہ میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ اس وقت جو اُن کے نبی اور حکمران تھے ان کا نام سموئیل تھا۔ وہ کافی بوڑھے ہو چکے تھے۔ عمالقہ کی اِیذا رسانیاں اور زیادتیاں دن بدن بڑھ رہی تھیں۔ بنی اِسرائیل چاہتے تھے کہ عمالقہ کی سرکوبی کریں اور اپنا کھویا ہوا اِقتدار اور حکومت واپس لیں۔ اس لیے اُنہوں نے بار بار اپنے نبی حضرت سموئیل سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے ایک ملک (سردار) کا سوال کریں۔ حضرت سموئیل ان کی عادات سے خوب واقِف تھے کہ یہ دعوے تو بڑے لمبے چوڑے کرتے ہیں لیکن عمل کے وقت ان کا سارا جوش سرد پڑ جاتا ہے۔ اِس لیے آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر جہاد فرض کرے اور تم جہاد سے منہ موڑ جاؤ۔ کہنے لگے حضرت جی! کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم جہاد نہ کریں حالانکہ ہمیں گھروں سے نکالا گیا اور اپنے بچوں سے جدا کر دیا گیا۔ ہم تو صرف اِذنِ ربّانی کے منتظر ہیں۔ لیکن جب اُنہیں اِجازت مل گئی تو گنتی کے چند آدمیوں کے سوا سب نے جہاد کرنے سے اِنکار کر دیا (4)۔

۳۲۲ بعض لوگ جب قرآن کی ان آیتوں میں ملک کا لفظ پڑھتے ہیں تو انہیں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید اسلام ملوکیت کا حامی ہے۔ اور سیاسی طور پر شاہی نظام کا علمبردار ہے۔ اس لیے ہمیں ملک کے لفظ کی تحقیق کر لینا ضروری ہے۔ اکثر مفسرین جن میں بیضاوی بھی ہیں نے ''اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا'' کا معنی کیا ہے اَقِمْ لَنَا اَمِيْرًا نَنْهَضُ مَعَهٗ لِلْقِتَالِ يُدَبِّرُ اَمْرَهٗ۔ (5)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص345
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص243
3۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص98، حاشیہ 929
4۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج1، ص14-213
5۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص55

هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ؕ قَالُوا وَمَا

کہیں ایسا نہ ہو کہ فرض کر دیا جائے تم پر جہاد تو تم جہاد نہ کرو وہ کہنے لگے (کوئی وجہ) نہیں

لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

ہمارے لیے کہ ہم جہاد نہ کریں اللہ کی راہ میں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور

أَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ

اپنے فرزندوں سے مگر جب فرض کر دیا گیا ان پر جہاد تو منہ پھیر لیا انھوں نے بجز چند نے ان میں سے اور

اللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظّٰلِمِينَ ﴿۲۴۶﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ

اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو اور کہا انھیں ان کے نبی نے بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے

یعنی ہمیں ایک امیر اور قائد عطا فرما جس کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر ہم جہاد کریں اور جنگ کا سارا انتظام اس کی نگرانی میں ہو۔ تو اس تصریح سے واضح ہو گیا کہ یہاں ملک سے مراد سپہ سالار ہے اور عربی زبان میں لفظ ملک رئیس اور امیر کے معنی میں عام مستعمل ہوتا ہے۔ نیز ایک بات یہاں اور بھی غور طلب ہے کہ ملوکیت یا شاہی نظامِ حکومت کا مفہوم یہ ہے کہ رئیس حکومت مطلق العنان بادشاہ ہوا کرتا ہے۔ قانون سازی، اِنتظامِ مملکت، حکومت کے سارے خزانے اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ سب اس کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ اور وہ کسی کے سامنے اپنے کسی فعل کے لیے جواب دہ نہیں ہوتا۔ یہاں جب حضرت سموئیل نبی موجود ہیں تو قانون وہی ہوگا جو ان کی شریعت کا ہے۔ اِقتدارِ اعلیٰ انہیں کے پاس ہوگا۔ ان کی موجودگی میں کسی ایسے شخص کے تقرر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو مطلق العنان اور مختارِ کُل ہو۔ اس لیے صرف لفظ ملک سے اسلام پر نظامِ ملوکیت کا اِلزام لگانا سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ دوسرا یہ واقعہ تو بنی اسرائیل کا ہے۔ اور جو کچھ انہوں نے کہا، قرآن نے اسے بیان کر دیا۔ اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ قرآن نے ان کے اس مطالبہ کو پسند کیا۔ اور مسلمانوں کو شاہی نظام اختیار کرنے کا حکم دیا۔ بلکہ بائبل کے باب سموئیل اول میں جو آیات ہیں وہ وضاحت کرتی ہیں کہ ان کے اس مطالبہ کو نہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور نہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (1)۔

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، ا۔ سموئیل، باب: 8، آیت، 4 تا 8، مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور

لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ

تمہارے لیے طالوت کو امیر۳۲۳ بولے کیونکر ہو سکتا ہے اسے حکومت کا حق ہم پر حالانکہ ہم زیادہ حقدار ہیں

بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ

حکومت کے اس سے اور نہیں دی گئی اسے فراخی مال و دولت میں نبی نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے

عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ

اسے تمہارے مقابلہ میں اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اپنا ملک

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ

جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے اور کہا انہیں ان کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمہارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی

اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ

جنہیں چھوڑ گئی ہے اولادِ موسیٰ اور اولادِ ہارون اٹھا لائیں گے اس صندوق کو فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لیے

۳۲۳ ان کی خواہش اور اصرار کے باعث اللہ تعالیٰ نے طالوت کو جب اُن کا سردار اور سپہ سالار مقرر فرما دیا تو لگے اعتراض کرنے کہ یہ شخص نہ لاوی بن یعقوب کی اولاد سے ہے جس میں نبوت نسلاً بعد نسل چلی آتی ہے اور نہ یہودا بن یعقوب کی اولاد سے ہے جن میں حکومت و سلطنت پُشت در پُشت چلی آ رہی ہے۔ تو یہ نادار اور قلاش کب سردارِ قوم اور سالارِ لشکر بن سکتا ہے۔ اِمامت کے حق دار تو ہم ہیں۔ جن کے پاس دولت کی فراوانی ہے (1)۔ حضرت سموئیل علیہ السلام نے اُنہیں بتایا کہ حکومت کے لیے تمہارا قائم کردہ معیار درست نہیں بلکہ اس کا صحیح معیار تو علم و شجاعت ہے۔ اور اِن دونوں باتوں میں وہ تم سب سے ممتاز ہے۔ بائیبل میں ہے کہ یہ تیس سالہ نوجوان اپنے حُسن و جمال میں بے نظیر تھا۔ اُس کی قامت کی بلندی کی یہ حالت تھی کہ دوسرے لوگ مشکل سے اس کے کندھوں تک پہنچ سکتے تھے اور یہ بن یامین کی نسل سے تھا (2)۔ حضرت سموئیل نے اُنہیں بتایا کہ طالوت کا اِنتخاب انسانی اِنتخاب نہیں بلکہ

1۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج1، ص215 2۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، ۱۔ سموئیل، باب:9، آیت:2-1

ع ۳۲ ۱۶

اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۴۸﴾ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوۡتُ بِالۡجُنُوۡدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

اگر تم ایمان دار ہو ۳۲۴ پھر جب روانہ ہوا طالوت ۳۲۵ اپنی فوجوں کے ساتھ اس نے کہا کہ بے شک اللہ تعالٰی

مُبۡتَلِيۡكُمۡ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنۡ شَرِبَ مِنۡهُ فَلَيۡسَ مِنِّىۡ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَطۡعَمۡهُ

آزمانے والا ہے تمہیں ایک نہر سے سو جس نے پانی پی لیا اس سے وہ نہیں میرے ساتھیوں سے اور جس نے نہ پیا

فَاِنَّهٗ مِنِّىۡۤ اِلَّا مَنِ اغۡتَرَفَ غُرۡفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوۡا مِنۡهُ اِلَّا قَلِيۡلًا

وہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہے مگر جس نے بھر لیا ایک چلّو اپنے ہاتھ سے پس سب نے پیا اس سے مگر چند آدمیوں نے

رب العزت نے خود اسے تمہاری قیادت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ تمہیں اس کی عطا و بخشش پر معترض نہیں ہونا چاہیے۔

۳۲۴ بنی اسرائیل بھلا کب آسانی سے اپنی ضد سے باز آنے والے تھے فوراً مطالبہ کیا کہ آپ دلیل پیش کیجئے کہ طالوت کا انتخاب واقعی اللہ تعالٰی نے کیا ہے۔ اُس وقت اُن کے نبی نے اُنہیں فرمایا کہ اُس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق جس میں تمہاری تسکین و طمانینت کا سامان ہے اور جس میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے اور جو عمالقہ تم سے چھین کر لے گئے تھے وہ تمہیں فرشتے واپس کر دیں گے۔ اور اگر تم میں ایمان ہے تو اس سے بڑھ کر تمہیں کسی مزید نشانی کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جب فرشتے اُس صندوق کو اٹھائے ہوئے یا اس بیل گاڑی کو ہانکتے ہوئے جس پر تابوت رکھا تھا بنی اسرائیل کے پاس لے آئے تو اب انہیں طالوت کے ملک بننے کے متعلق اطمینان ہو گیا۔ نیز انہیں ڈھارس بندھ گئی کہ اب وہ یقیناً فتح یاب ہوں گے کیونکہ انبیائے کرام کے تبرکات والا صندوق جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور پارچات اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ تھا انہیں واپس مل گیا ہے(1)۔ اِس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالٰی کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناخن، بال مُبارک تبرک کے طور پر پاس رکھا کرتے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے سر پر ایک کپڑے کی ٹوپی تھی جس میں حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بال شریف رکھا ہوا تھا۔ حضرت خالد فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالٰی اس بال کی برکت سے مجھے کامیاب و کامران کرتا ہے(2)۔

۳۲۵ جب طالوت عمالقہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے ہمراہ بنی اسرائیل کا ایک انبوہِ کثیر تھا۔ راستہ میں ایک نہر (ممکن ہے دریائے اردن ہی ہو) پر سے گزر ہوا تو انہیں حکم ملا کہ اب تمہارا امتحان لیا جائے گا اور وہ امتحان یہ ہے کہ اس نہر سے پانی پینے کی اِجازت نہیں۔ جس نے پانی پیا وہ میرا سپاہی نہیں۔ ہاں اگر پیاس کی شدّت ہو تو ایک چلو بھر کر پی لو اس سے زیادہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص348-50

2۔ کتاب الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی از امام حافظ ابو الفضل عیاض بن موسیٰ، متوفی 544ھ،، ج2، ص619، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت

مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا

ان سے (نہیں پیا) پھر جب ۳۲۶ عبور کیا اسے طالوت نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے، اس کے ساتھ۔ کہنے لگے کچھ طاقت

الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا

نہیں ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی (مگر) کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ ضرور ملاقات کرنے والے ہیں

اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ

اللہ سے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے اور اللہ تعالیٰ

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا

صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب سامنے آگئے جالوت ۳۲۷ اور اس کی فوجوں کے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگے اے ہمارے رب!

صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ ؕ فَهَزَمُوْهُمْ

اُتار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو اور فتح دے ہمیں قومِ کفّار پر پس انھوں نے شکست دی جالوت کے لشکر کو

نہیں۔ اب کیا تھا سب ٹوٹ پڑے اور خوب سیر ہو کر پانی پیا سوائے چند مخلصین کے جو اِس امتحان میں کامیاب رہے اور جن کی تعداد صحیح روایت کے مُطابق 313 تھی (1)۔ باقی جتنے لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے انہوں نے لشکر سے کنارہ کشی اِختیار کر لی۔

۳۲۶ اب طالوت اپنے مٹھی بھر جانباز سپاہیوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے۔ لیکن جب اُنہوں نے جالوت کا لشکر جرار دیکھا تو سہم سے گئے اور کہنے لگے کہ جالوت کے اتنے بڑے لشکر کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت ہم میں کہاں۔ لیکن انہیں کے چند مخلص ترین ساتھیوں نے ان کی ہمت بندھائی اور انہیں بتایا کہ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے پہلے بھی بارہا ایسے واقعات ہو گزرے ہیں جب کہ اس کی نصرت اور تائید سے چھوٹی سی جماعت نے بڑی بڑی فوجوں کو شکست فاش دی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ان لوگوں کے ضرور شریک حال ہوتی ہے جو حق و صداقت کے لیے صبر و ثبات سے کام لیتے ہیں۔

۳۲۷ جب وہ جانباز سر ہتھیلیوں پر رکھے میدان میں نکلے تو بارگاہِ رب العزت میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے اور اپنے لیے صبر و اِستقامت کی دعا کی اور پھر دشمن کی شکست کا سوال کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فتح و نصرت حاصل کرنے کے لیے صبر اور ثابت قدمی شرطِ اولیں ہیں۔ جو قوم یا فرد میدانِ جہاد یا میدانِ عمل میں شدائد اور تکالیف کے سامنے صبر و اِستقامت سے کام لیتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ مومن کے پاس سب سے زیادہ مؤثر ہتھیار دعا ہے جس کا اس کے دشمن

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 350-351

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ

اللہ کے اِذن سے ۳۲۸ اَور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو ۳۲۹ اَور عطا فرمائی داؤد کو اللہ نے حکومت اَور دانائی

وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

اَور سِکھا دیا اس کو جو چاہا اَور اگر نہ بچاؤ کرتا اللہ تعالیٰ ۳۳۰ بعض لوگوں کا بعض کے ذریعہ تو

لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

برباد ہو جاتی زمین لیکن اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمانے والا ہے سارے جہانوں پر

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

یہ آیتیں ہیں اللہ کی ہم پڑھتے ہیں انہیں آپ پر (اے حبیب) ٹھیک ٹھیک اَور یقیناً آپ رسُولوں میں سے ہیں

کے پاس کوئی جواب نہیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت طاہرہ بھی یہی تھی۔

۳۲۸ ان مٹھی بھر مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے دشمن کے لشکر جرار کو شکست فاش دے دی۔

۳۲۹ عمالقہ کے سپہ سالار جالوت کو جو بڑا بہادر اور کہنہ مشق جرنیل تھا حضرت داؤد علیہ السلام نے پتھر مار کر ہلاک کر دیا حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام اس وقت بالکل کم سن تھے۔ زرد رُو اور لاغر و بیمار تھے۔(1)

۳۳۰ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب کوئی ظالم ظلم و ستم پر کمر بستہ ہوتا ہے تو اس کی ہلاکت انگیزیوں کی روک تھام کے لیے ایک اور قوم پیدا کر دی جاتی ہے جو اس کے مظالم کا خاتمہ کر دیتی ہے(2)۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنی حکمت اور قدرت سے طاقت کا توازن یوں قائم نہ رکھے تو سرکش افراد اور قومیں آبادیوں کو کھنڈرات میں اور بستیوں کو ویرانوں میں تبدیل کر دیں اور زمین کے کسی گوشہ میں انسان کو امن کا سانس لینا نصیب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر یہ بڑا احسان ہے کہ ہر فرعون کی سرکوبی کے لیے وہ موسیٰ پیدا فرما دیتا ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص352

2۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج2، ص491

الجزء ۳ وقف لازم

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ

یہ سب رسول ، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر ۳۳۱ ان میں سے کسی سے

كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کیے ان میں سے بعض کے درجے اور دیں ہم نے عیسٰی فرزندِ مریم کو

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ

کھلی نشانیاں اور مدد فرمائی ہم نے ان کی پاکیزہ رُوح سے ۳۳۲ اور اگر چاہتا ۳۳۳ اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے) وُہ لوگ

۳۳۱ اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفسِ رسالت میں اور جملہ انبیاء نفسِ نبوت میں برابر ہیں (1)۔ لیکن فضائل و کمالات، مراتب و مقامات، معجزات و کرامات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کسی کو ایک کمال سے متصف فرمایا کسی کو دوسرے شرف سے مشرف فرمایا۔ لیکن ایک ذاتِ پاک مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو مظہر اتم ہے تمام کمالاتِ جلالیہ اور جمالیہ کی جو مراتب و کمالات دیگر انبیاء و رُسل کو ایک ایک کر کے عنایت کیے گئے تھے وہ سب اپنی اعلیٰ ترین اور اکمل ترین صورت میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے گئے اور ان کے علاوہ ایسے بے شمار مراتب اور اَن گنت معجزات بخشے جن میں کوئی نبی کوئی رسول ہمسری تو کیا محض شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری نوعِ انسانی بلکہ ساری کائناتِ زمینی اور آسمانی کے لیے نبی بنایا گیا۔ محدود وقت کے لیے نہیں بلکہ اَبد تک کیلئے۔ قرآن جیسی کتاب ارزانی فرمائی، رحمۃ للعالمین کے خطاب سے نوازا، ختم نبوت و رسالت کا تاج زیب سر فرمایا، کسی کو صفی، کسی کو خلیل، کسی کو کلیم اور کسی کو روح فرمایا لیکن کائنات کے اس آخری سہارے کو صفوت، خلت، کلام وغیرہ کے علاوہ محبوبیت کی خلعت فاخرہ بخشی۔ مفسرین کرام نے تصریح کی ہے کہ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ سے حضور کریم محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی نبی کو دوسرے نبی پر یوں فضیلت نہ دو کہ اس سے دوسرے نبی کی معاذ اللہ تحقیر ہو قَالَ النُّحَاسُ بَعْضَهُمْ هُنَا عَلٰى قَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّالشَّعْبِيِّ وَمُجَاهِدٍ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (قرطبی وغیرہ) (2)

۳۳۲ یہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نام کی تصریح فرما دی (3) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ جلیل القدر رسول اپنوں اور بیگانوں کی اِفراط و تفریط کا نشانہ بن کر رہ گیا تھا۔ نصاریٰ نے انہیں خُدا کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اور یہود انہیں ایک شریف انسان بھی ماننے کیلئے تیار نہ تھے۔ اس لیے ان کا نام لیا اور ابن مریم یعنی مریم کا بیٹا کہہ کر ان کی اُلوہیت کا بطلان کر دیا اور اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ فرما کر یہود کی اِلزام تراشیوں کا رد کر دیا کہ وہ تو صاحب آیاتِ بینات نبی ہے جس کی تائید کیلئے ہم نے روح القدس (جبرئیل امین علیہ السلام) کو مقرر کیا ہے۔ (4)

۳۳۳ اگر انسان اس آیت میں کما حقہ تامل نہ کرے تو وہ آسانی سے اِس غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے کہ انسان مجبورِ محض ہے۔ اس کے اپنے بس میں کچھ نہیں۔ ایک غیر مرئی قوت (اسے تقدیر کہہ لیجئے) کے ہاتھ میں یہ ایک کھلونا ہے۔ اس کا کوئی اچھا یا بُرا فعل اس کی ہر شائستہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص353
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص264
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص355
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص265

مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا

جو ان (رسولوں) کے پیچھے آئے بعد اس کے کہ آگئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکن اُنھوں نے اِختلاف کیا

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ قف

ان میں سے کوئی اِیمان پر (ثابت) رہا اور ان میں سے کوئی کافر ہو گیا اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے)

ع ۳۳ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا

لیکن اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے اَے اِیمان والو! ۳۳۴ خرچ کر لو اس

اور ناشائستہ حرکت اس کے اپنے اِرادہ سے سرزد نہیں ہوتی بلکہ اس سے جبراً کرائی جاتی ہے۔ لیکن اگر آپ ذرا غور و فکر کی زحمت گوارا کریں گے تو آیت کے الفاظ ہی آپ کی اِس غلط فہمی کو دور کر دیں گے۔ اِخْتَلَفُوْا (وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ (ان میں سے بعض نے ایمان قبول کیا) وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ (اور ان میں سے بعض نے کفر اِختیار کیا) یہ تینوں فعل بغیر فاعل کے اِرادہ اور اختیار کے صادر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان سب کا تعلق ظاہری اعضاء سے نہیں جن پر جبر کا قانون چل سکتا ہے بلکہ ان کا تعلق ذہن اور قلب سے ہے۔ اب مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و فکر کی صلاحیت بخشی اور عمل کی قوت عطا فرمائی۔ پھر انبیاء کے ذریعہ اس پر ہدایت کا راستہ روشن اور واضح کر دیا۔ لیکن اسے صرف سیدھے راستہ پر چلنے کے لیے مجبور نہیں فرمایا بلکہ اسے اتنا اِختیار دیا کہ وہ ہدایت کی راہ پر چل نکلے یا گمراہی کی راہ پر۔ بعض لوگوں نے عقل و فکر سے کام لیتے ہوئے اپنی مرضی سے راہِ راست اِختیار کی اور بعض نے نفسانی شہوات اور دنیاوی خواہشات پر اپنی خوشی سے اپنی روحانی ترقی کو قربان کر دیا۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا سے یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کو جو اِختیار دیا گیا ہے اس سے وہ قدرتِ خداوندی سے باہر نہیں نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قدرت اتنی زبردست اور ہمہ گیر ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے جس طرح اس نے انسان کو عمل کرنے کی آزادی دی ہے وہ اس سے یہ آزادی سلب کر کے اسے صرف راہ راست پر چلنے کیلئے مجبور کر سکتا ہے اور اس طرح اِختلاف کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مصلحت عامہ اور حکمت بالغہ کا تقاضا یہی ہے کہ حق و باطل کی یہ آویزش جاری رہے۔ ہر شخص اپنی مرضی سے حق و باطل میں سے جسے چاہے اختیار کرے (1)۔

۳۳۴ سابقہ آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ حق و باطل کی جنگ جاری رہے گی۔ اور اس جنگ میں حق کو مظفر و منصور کرنے کے لیے اہل حق کو جانی قربانیوں کے ساتھ ساتھ مالی قربانیاں بھی دینا ہوں گی۔ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ یہ مال و دولت جو تمہیں تمہارے رب نے عطا فرمایا ہے اور جس طرح چاہو اس کو خرچ کرنے کی تمہیں مہلت دی ہے۔ یاد رکھو! یہ مہلت صرف اس وقت تک کے لیے ہے جب تک تمہاری زندگی کا یہ چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ جس دن یہ بجھ گیا مہلت ختم۔ جس نے اس اختیار اور مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا قیامت کے دن وہ حرماں نصیب کیا کرے گا۔ اس روز نہ تو خرید و فروخت ہو سکے گی اور نہ وہاں کوئی دنیاوی بھائی چارہ کام آئے گا اور نہ کسی کی (بغیر اذنِ الٰہی) سفارش ہو گی۔ اس آیت سے بعض لوگ جلد بازی سے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام کی شفاعت اور ان کی محبت اور غلامی کی برکات کا اِنکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآنِ

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج3، جز6، ص221-22

رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ

(مال) سے جو ہم نے دیا ہے تم کو اس سے پہلے کہ آ جائے وُہ دن جس میں نہ تو خرید و فروخت ہو گی اور نہ (کفّار کے لیے)

لَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

دوستی ہو گی اور نہ (ان کے لیے) شفاعت ہو گی اور جو کافر ہیں وُہی ظالم ہیں اللہ ۳۳۵ (وُہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے ۳۳۶

اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

زندہ ہے ۳۳۷ سب کو زندہ رکھنے والا ہے ۳۳۸ نہ اُس کو اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند ۳۳۹ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے ۳۴۰

کریم میں صراحۃً موجود ہے۔ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝۶۷ (الزخرف) سب دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی یعنی ان مردانِ خُدا کی دوستی اس روز بھی قائم رہے گی اور کام آئے گی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شفیع المذنبین ہونا تو قرآن کی متعدد آیات اور کثیر احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے اور عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹ (الاسراء) میں تو رحمۃ للعالمین کو مقامِ محمود (یعنی شفاعت کبریٰ) پر سرفراز ہونے کی بشارت دی جا رہی ہے۔ اِس لیے قرآنِ کریم کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرنا جس سے دوسری آیتوں کی تغلیط ہوتی ہو کسی اِیمان دار کے شایانِ شان نہیں۔

۳۳۵ اس آیت کو آیۃ الکرسی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی کا واضح اور روشن ترین بیان ہے اس لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اَعْظَمَ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ اٰيَةُ الْكُرْسِيِّ (1)۔ قرآن کی سب سے عظیم الشان آیت، آیۃ الکرسی ہے۔ احادیث میں اس کے بڑے فضائل مذکور ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک فرمان سن لیجئے۔ مَنْ قَرَأَ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ (2)۔ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اس کے فوت ہونے کے بعد جنت میں داخل ہونے سے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اب اس عظیم الشان آیت کی مختصر سی توضیح ملاحظہ ہو۔

۳۳۶ اللہ ذات باری کا علم (نام) ہے اور یہ لفظ ان تمام صفات کا جامع ہے جو متعدد صفاتی ناموں میں الگ الگ پائی جاتی ہیں۔ فرمایا کہ وہ ذاتِ پاک جس کا نام اللہ ہے صرف وہی معبودِ برحق ہے اس کے بغیر اور کوئی نہیں جو عبادت کیے جانے کے لائق ہو۔

۳۳۷ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ موت اور فنا کے نقص سے بہت پاک اور نہایت بلند ہے۔

۳۳۸ اَلْقَيُّوْمُ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے (3) اصل میں قَيْوُوْمٌ تھا۔ صرفی تعلیل سے قَيُّوْمٌ بن گیا۔ اس کا مصدر ''قیام'' ہے۔ اس کا مفہوم بیان کرنے کے لیے مختلف تعبیریں اِختیار کی گئی ہیں۔ لیکن حضرت قتادہ سے جو عبارت منقول ہے وہ زیادہ جامع معلوم ہوتی ہے۔ اَلْقَيُّوْمُ، اَلْقَائِمُ بِتَدْبِيْرِ خَلْقِهٖ مِنْ اِنْشَاءِهِمِ ابْتِدَاءً وَّ اِيْصَالِ اَرْزَاقِهِمْ اِلَيْهِمْ (4)۔ یعنی وہ ہستی جو کائنات کی ہر چیز کی تخلیق، نشوونما اور بقا کی تدبیر فرمانے والی ہے۔

۳۳۹ پہلے اس کی صفاتِ کمال کا بیان تھا اب جملہ نقائص سے اس کی پاکی بیان کی جا رہی ہے کہ اس کی قیومیّت کا تعلق ہر چیز سے ہر

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 405
2۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الذکر بعد الصلوٰۃ، ص 89، مطبوعہ وزارت تعلیم اسلام آباد
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 7
4۔ ایضاً، ج 3، ص 8

وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ

اور جو کچھ زمین میں ہے کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے جانتا ہے ۳۴۱

مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ

جو ان سے پہلے (ہو چکا) ہے اور جو ان کے بعد (ہونے والا) ہے اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے

عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَ

علم سے مگر جتنا وہ چاہے سما رکھا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو ۳۴۲ اور

لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی

نہیں تھکاتی اُسے زمین و آسمان کی حفاظت اور وہی ہے سب سے بلند عظمت والا کوئی زبردستی نہیں ہے

وقت ایک طرح کا ہے۔ یہ اُونگھتا نہیں کہ اس وقت اس کی قیومیت کا تعلق کمزور ہو جائے وہ سوتا نہیں کہ یہ تعلق منقطع ہو جائے۔

۳۴۰ یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز نوری ہو یا خاکی، قیمتی ہو یا حقیر سب کے گلے میں بلا اِستثناء اس کی بندگی کا طوق آویزاں ہے۔ پھر کون ہے جو اس کی ہمسری کا دعویٰ کرے یا کسی کو اس کا ہمسر خیال کرے۔ وہی ایک اللہ ہے باقی سب اس کے بندے، اس کے مملوک اور تابع فرمان ہیں۔

۳۴۱ یہاں ایک قاعدہ بیان فرما دیا کہ ہر شخص کو بارگاہِ ذوالجلال میں لب کشائی اور شفاعت کی طاقت نہ ہوگی۔ صرف وہی شفاعت کرے گا جس کو پروردگارِ عالم نے اِذن فرمایا۔ بتانا یہ ہے کہ اے مشرکین و کفّار! قیامت کے دن تو وہی شفاعت کرے گا جسے اجازت ہوگی۔ اور تمہارے ان بتوں کو تو کوئی اِجازت نہیں۔ پھر ان سے یہ توقع عبث کیوں لگائے بیٹھے ہو۔ اور اِلّا بِاِذْنِہٖ سے یہ واضح فرمایا کہ وہ محبوب و مقبول بندگانِ خُدا ضرور شفاعت کریں گے جن کو ان کے رب نے اِجازت مرحمت فرمائی ہوگی۔ سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اللہ کا محبوب و حبیب محمد مصطفیٰ علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناء ہوں گے جو اس روز مقامِ محمود کے منصب رفیع پر متمکن ہوں گے۔ اے اللہ کریم! ہم گناہ گاروں کو اپنے رسول صاحب مقامِ محمود کی شفاعت نصیب فرما اور اس کی برکات و توجہات سے ہمیں دنیا و آخرت میں سرفراز رکھ۔ (آمین ثم آمین)

۳۴۲ مفسرین کرام نے الکرسی کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں اور اِن اقوال سے علّامہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا یہ قول پسند کیا ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُرْسِیُّهٗ عِلْمُهٗ وَرَجَّحَهُ الطَّبَرِیُّ قَالَ مِنْهُ الْكُرَّاسَةُ الَّتِیْ تَضُمُّ الْعِلْمَ وَقِیْلَ لِلْعُلَمَاءِ الْكَرَاسِیُّ (قرطبی)(1) ترجمہ: حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ کُرْسِیُّہٗ سے مُراد اس کا علم ہے ابن جریر طبری نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی سے کراستہ ماخوذ ہے جس کے معنی اس دفتر کے ہیں جس میں علم منضبط کیا جاتا ہے۔ اور عربی میں علماء کو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص276

الدِّيْنِ ۚ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ

دین میں ۳۴۳ بے شک خوب واضح ہو گئی ہے ہدایت گمراہی سے تو جو انکار کرے شیطان کا ۳۴۴

وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ

اور ایمان لائے اللہ کے ساتھ تو اُس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ جو ٹوٹنے والا

کراسی بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی نے اس کی سند کے طور پر ایک شعر بھی نقل کیا ہے لیکن حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے: یَا اَبَا ذَرٍّ مَا السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ مَعَ الْکُرْسِیِّ اِلَّا کَحَلْقَةٍ مُّلْقَاةٍ فِیْ اَرْضٍ فَلَاةٍ (1)۔ ''کہ کرسی کی وسعت وفراخی کے سامنے سات آسمان یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے ایک وسیع صحرا میں ایک مُندری پڑی ہو''۔ بعض لوگ مخلوقاتِ خداوندی کی وُسعت و عظمت کا تصوّر جب اپنے ذہنوں میں نہیں کر پاتے تو بڑی حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اتنی بڑی چیز کے وجود سے ہی اِنکار کر دیتے ہیں اور اپنی قابلیت ان آیات کی بعید اَز کار تاویلات کرنے میں ضائع کر دیتے ہیں۔

۳۴۳ اِسلام کے دشمنوں نے اِسلام پر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا جو اِلزام لگا رکھا ہے قرآن نے پہلے ہی اس کا رد کر دیا تھا کہ دین کے معاملہ میں جبر و اِکراہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دین کی بُنیاد ہے اِیمان اور اِیمان کا تعلق ہے دل سے اور دل جبر و اکراہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا جانتا ہی نہیں۔ نیز اِسلام بحیثیت دین، انسان کی باطنی اور قلبی اصلاح اور درستی کرنا چاہتا ہے۔ اگر کسی کے گلے میں آپ جبراً پھندا ڈال دیں تو کیا اس کی رُوحانی اِصلاح ہو جائے گی اور کیا اسلام کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ایسے شخص کو مسلمان کرنے میں اسلام کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ یہ تو ہوا اس بہتان کا نظری تجزیہ اب آپ عملی پہلو پر نگاہ ڈالیے۔ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی آج ہندو پاک کے میدانوں میں، مراکش کے صحراؤں میں، ہمالہ کی چوٹیوں اور بحر اوقیانوس کے دور اُفتادہ جزیروں میں، یورپ کے ہنگامہ زا شہروں میں اور ایشیاء کے بیشتر ممالک میں ہر روز پانچ دفعہ اذان کی آواز گونج رہی ہے۔ کیا جس دین کو ظلم و ستم کے خوف سے قبول کیا گیا ہو اس سے لوگوں کی عقیدت کا یہ عالم ہوا کرتا ہے۔ بلکہ یہاں تو اسلام کے متوالوں کو ستایا گیا۔ ان پر ظلم توڑے گئے۔ انہیں تختۂ دار پر سرِ راہ لٹکایا گیا۔ پروپیگنڈے کے طوفان اُمڈ اُمڈ کر آئے لیکن اپنا سر پٹخ پٹخ کر رہ گئے ان اللہ کے بندوں کو جو عقیدت اپنے رب سے تھی، جو عشق اپنے محبوب اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھا، جو شیفتگی اپنے اس دین برحق سے تھی اس میں کمی نہ ہوئی لیکن ایک اور چیز بھی پیشِ نظر رہے۔ اسلام جس طرح یہ گوارا نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مُسلمان بنایا جائے اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر تشدد کر کے انہیں اِسلام سے برگشتہ کرے یا جو خوشی سے اسلام کی برادری میں شریک ہونا چاہتے ہیں ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے۔ اور اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اسلام اُس وقت اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں اور یہی اسلام کا نظریہ جہاد ہے۔ اسلام کے بعض نکتہ چین جہاد کو اِکْرَاهٌ فِی الدِّیْنِ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں وہ سُن لیں کہ اسلام اُن کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کیلئے اپنے ماننے والوں کو دشمنانِ دین و اِیمان کے جور و ستم کا تختۂ مشق بننے کی اِجازت نہیں دے گا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص278، کنز العمال، ج16، ص132، رقم الحدیث: 44158

لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ

نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سُننے والا جاننے والا ہے اللہ مددگار ہے ۳۴۵ ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انھیں

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ

اندھیروں سے نُور کی طرف اور جنھوں نے کُفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں

يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

نکال لے جاتے ہیں اُنھیں نُور سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخی ہیں وُہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ ع ۴ ۲

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں کیا نہ دیکھا آپ نے (اے حبیب!) اسے جس نے جھگڑا کیا ۳۴۶ ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس

اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ وقف لازم

وجہ سے کہ دی تھی اسے اللہ نے بادشاہی جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے (اسے) کہ میرا رب وُہ ہے جو جِلاتا ہے اور مارتا ہے

۳۴۴ طاغوت طغیان سے ہے جس کا معنی سرکشی ہے قَالَ الْجَوْهَرِيُّ وَالطَّاغُوْتُ الْكَاهِنُ وَالشَّيْطَانُ وَكُلُّ رَأْسٍ فِي الضَّلَالِ (قرطبی)(1) یعنی طاغوت کاہنوں کو بھی کہا جاتا ہے جو غیب دانی کے جھوٹے دعوے کر کے لوگوں کو اپنے دامِ فریب میں پھنسایا کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق شیطان پر بھی ہوتا ہے اور وہ شخص بھی طاغوت ہے جو کسی گمراہ مذہب، غلط نظریہ اور مضر عمل کا بانی اور کرتا دھرتا ہو۔ لیکن قرآن کی اس آیت کو آپ پڑھیے۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ (النساء:60)۔ اس سے آپ کو طاغوت کی اور قسم بھی معلوم ہوگی۔ یعنی وہ بھی طاغوت ہے جو احکام الٰہی کے خلاف اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرے۔ طاغوت واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔

۳۴۵ قَالَ الْخَطَّابِيُّ الْوَلِيُّ النَّاصِرُ يَنْصُرُ عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِيْنَ(2)۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے انہیں وہ اپنی توفیق اور امداد سے ہر قسم کی گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں پہنچاتا ہے۔ کیونکہ گمراہیاں طرح طرح کی ہیں اس لیے لفظ جمع ظلمات سے تعبیر کیا اور ہدایت کیونکہ ایک ہی ہے اس لیے وہاں واحد کا لفظ اِستعمال فرمایا(3)۔

۳۴۶ وہ شخص جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ ہوا وہ نمرود تھا۔ جو عراق کا بادشاہ تھا اور جس کی حکومت دور دراز تک پھیلی ہوئی تھی (4)۔ حکومت و اِقتدار کے نشہ میں اُس نے اپنے مالکِ حقیقی کو بُھلا دیا اور خود خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت اِبراہیم علیہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص282 2۔ ایضاً، ص283 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج3، ص14 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص85-284

حضرت ابراہیمؑ کا اُر سے کنعان تک سفر

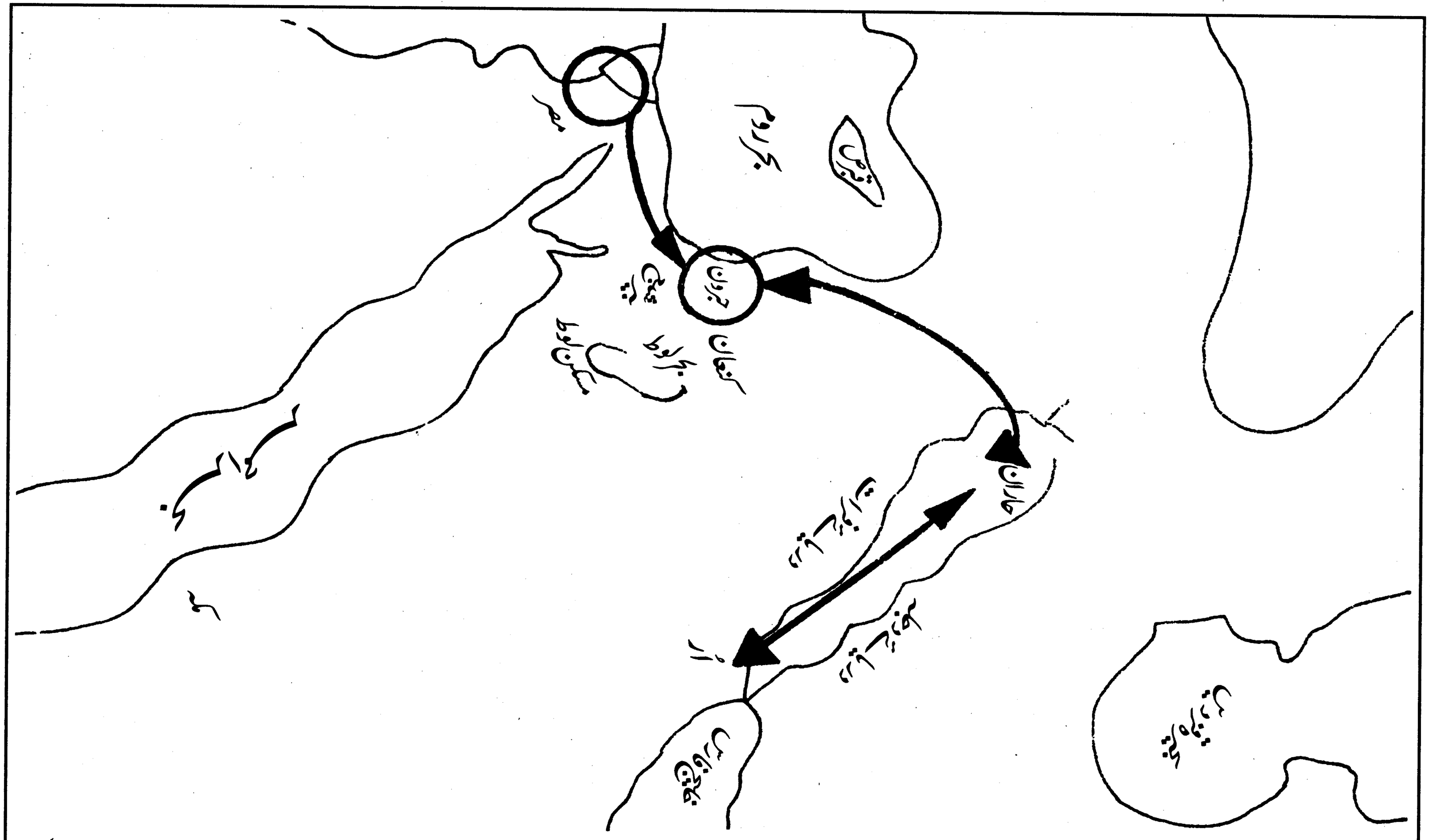

نقشہ متعلقہ آیات ۲۵۸۔ البقرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اُر کے مقام پر ہوئی جو عراق کا ایک قدیم شہر ہے۔ یہیں آتشکدہ نمرود کا واقعہ رونما ہوا۔ اس کے بعد آپ نے اُر سے ہجرت اختیار کی۔ پہلے حاران تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد فلسطین کا رُخ کیا۔ بیت عیل، حبرون اور بیر شبع کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنایا، پھر حضرت لوط کو جو آپ کے بھتیجے تھے، بحر لوط کے مشرق میں متعین کیا۔ وہاں سے آپ نے مصر کا قصد فرمایا جو اس زمانہ میں عراق کے بعد تہذیب وتمدن کا دوسرا عظیم الشان گہوارہ تھا۔ حکم الٰہی کے بعد وہاں سے مکہ تشریف لے گئے اور کعبۃ اللہ کی تعمیر فرمائی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو وہاں اپنا جانشین مقرر کیا، پھر فلسطین واپس آئے۔ حبرون میں اقامت اختیار کی۔ یہیں آپ نے رحلت فرمائی اور دوسرے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام یہاں آپ کے جانشین ہوئے۔

قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ

اس نے کہا میں بھی جِلا سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نکالتا ہے سورج کو

مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ

مشرق سے تو تو نکال لا اسے مغرب سے (یہ سُن کر) ہوش اُڑ گئے اس کافر کے

وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ

اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو یا (کیا نہ دیکھا) اس شخص کو[۳۴۷] جو گزرا ایک بستی پر

وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ

درآں حال کہ وہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں کے بل کہنے لگا کیونکر زندہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک

السلام نے جب شرک و الحاد کے خلاف جہاد شروع کیا اور اُس مٹّی کے ناچیز پتلے کو رب ماننے سے صاف اِنکار کر دیا تو نمرود نے سرِ مجلس آپ سے آپ کے رب کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا میرا رب تو وہ ہے جو ہر چیز کو زِندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے۔ نمرود نے کہا کہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ چُنانچہ اس نے دو آدمی بلائے۔ ان میں سے ایک وہ تھا جس کے قتل کرنے کا حکم صادر ہو چکا تھا اور دوسرا بے گناہ تھا۔ اس نے بے گناہ کو قتل کر دیا اور اس واجب القتل کو رہا کر دیا۔ اور اِس طرح حقیقت ناشناسوں کے سامنے اپنی جُھوٹی خُدائی کی لاج رکھ لی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور بھرپور وار کیا۔ حضرت صدرُ الافاضل مُرادآبادی کے الفاظ یہاں بہت جامع ہیں۔ ''لیکن چُونکہ نمرود کے جواب میں شانِ دعویٰ پیدا ہو گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر مناظرانہ گرفت فرمائی کہ موت و حیات کا پیدا کرنا تو تیرے مقدور میں نہیں اے ربوبیت کے جُھوٹے مدعی تو اِس سے سہل کام ہی کر دِکھا جو ایک متحرک جسم کی حرکت کو بدلنا ہے۔ یہ بھی نہ کر سکے تو پھر ربوبیت کا دعویٰ کس منہ سے کرتا ہے(1)۔

[۳۴۷] وہ کون تھا جس کا قِصّہ اِس آیت میں بیان ہو رہا ہے؟ اس کی تعیین نہ قرآن نے کی ہے نہ حدیث نے۔ اس لیے علما و مفسرین سے متعدد اقوال منقول ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ کافر تھا جسے قیامت پر ایمان نہ تھا۔ بعض نے ارمیا نبی کا اور اکثر نے حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لیا(2)۔ لیکن زیادہ بہتر یہی ہے کہ جس کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معین نہیں فرمایا اسے معین نہ کیا جائے۔ اِسی طرح اس قریہ میں بھی اِختلاف ہے۔ اکثر کا یہ خیال ہے کہ وہ بیت المقدس تھا جسے بخت نصر نے 586 ق م میں تباہ و برباد کیا تھا۔ اس کے اکثر باشندوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا اور بقایا کو قید کر کے اپنے پایۂ تخت بابل میں لے گیا تھا(3)۔ جب اجڑے ہوئے شہر پر اُن کا گزر ہوا تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس برباد اور اُجڑے ہوئے شہر کو اللہ تعالیٰ کیونکر از سرِ نَو آباد فرمائے گا۔

1۔ خزائن العرفان، زیرِ آیت ہذا، ص78 2۔ تفسیر کبیر، زیرِ آیت ہذا، ج4، جز7، ص32 3۔ روح البیان، زیرِ آیت ہذا، ج1، ص412

مَوْتِهَا ۚ فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ

ہونے کے بعد۔ سو مُردہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ نے سَو سال تک پھر زندہ کیا اُسے ۳۴۸ فرمایا کتنی مدّت تُو یہاں ٹھیرا رہا

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ

اُس نے عرض کی میں ٹھیرا ہُوں گا ایک دن یا دن کا کچھ حِصّہ اللہ نے فرمایا نہیں، بلکہ ٹھیرا رہا ہے تو سو سال

فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ

اَب (ذرا) دیکھ اپنے کھانے اَور اپنے پینے (کے سامان) کی طرف یہ باسی نہیں ہوا اَور دیکھ اپنے گدھے کو

وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا

اور یہ سب اِس لیے کہ ہم بنائیں تجھے نشان لوگوں کے لیے اَور دیکھ اِن ہڈیوں کو کہ ہم کیسے جوڑتے ہیں انہیں

ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۙ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ

پھر (کیسے) ہم پہناتے ہیں انہیں گوشت پھر جب حقیقت روشن ہوگئی اس کے لیے (تو) اس نے کہا میں جان گیا ہُوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ

ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اَور یاد کرو جب ۳۴۹ عرض کی اِبراہیمؑ نے اَے میرے پروردگار دکھا مجھے کہ تُو ۳۵۰ کیسے زندہ فرماتا ہے مُردوں کو

۳۴۸ اللہ تعالیٰ نے اپنی قُدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کرانے کے لیے انہیں موت کی نیند سلا دیا اور اس حالت میں پورے سو سال گزر گئے۔ اس کے بعد انہیں زندہ کیا گیا اور اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کتنی مدت اس حالت میں رہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ۔ انہیں بتایا گیا کہ نہیں تم تو پوری ایک صدی یہیں رہے اور دیکھیے میری قُدرت کہ آپ کا کھانا جو عام طور پر چند گھنٹے گزر جانے کے بعد بدبودار ہو جاتا ہے جُوں کا توں ہے اور گدھے کا گوشت پوست گل سڑ گیا ہے اور اس کی ہڈیاں بکھری پڑی ہیں۔ اب دیکھیے یہ بکھرا ہوا ڈھانچہ کیسے جُڑتا ہے اور گوشت پوست کیسے آنِ واحد میں اس پر نمودار ہو جاتا ہے۔ جب اِن تمام اُمور کا انہوں نے بچشمِ خود مشاہدہ کر لیا تو کہنے لگے میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔ علم یہاں بھی رؤیت کے معنی میں ہے۔

۳۴۹ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک اور ثبوت پیش فرماتے ہیں۔

۳۵۰ اِس سوال سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بات میں متردّد تھے۔ ہرگز نہیں کیونکہ یہاں سوال کَیْفَ

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ

فرمایا (اے ابراہیمؑ) کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے۔ عرض کی ایمان تو ہے ۳۵۱ لیکن (یہ سوال اس لیے ہے) تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل ۳۵۲ فرمایا تو پکڑ لے

اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ

چار پرندے ۳۵۳ پھر مانوس کر لے انہیں اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر

مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

اُن کا ایک ایک ٹکڑا پھر بُلا اُنہیں چلے آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب

سے ہو رہا ہے۔ اور کَیْفَ سے سوال اُس چیز کی حالت دریافت کرنے کے لیے کیا جاتا ہے جس کے موجود ہونے کا یقین ہو۔ وَذٰلِكَ اَنَّ الْاِسْتِفْهَامَ بِكَيْفَ اِنَّمَا هُوَ سُؤَالٌ عَنْ حَالَةِ شَيْءٍ مَّوْجُوْدٍ مُّتَقَرِّرِ الْوُجُوْدِ عِنْدَ السَّائِلِ وَالْمَسْئُوْلِ (قرطبی)(1)

۳۵۱ یہاں آپ کی زبان سے کہلوا دیا بَلٰی کہ مجھے پورا ایمان ہے۔ یہ اس لیے تاکہ کسی کو شک کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔

۳۵۲ تو جب اِیمان و یقین پہلے سے حاصل ہے تو پھر اس سوال کا کیا مطلب؟ اس کی وجہ بتائی کہ پہلے مجھے علم الیقین تو ہے لیکن اگر تو مجھے اپنی قدرت کا مشاہدہ کرا دے تو مجھے عین الیقین کا مرتبہ نصیب ہو جائے گا۔ اَیْ سَاَلْتُكَ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ بِحُصُوْلِ الْفَرْقِ بَيْنَ الْمَعْلُوْمِ بُرْهَانًا وَّالْمَعْلُوْمِ عِيَانًا (قرطبی)(2) اس سوال سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اِطمینانِ خاطر کے لیے اس قسم کے سوالات اپنے استاد اور مرشد کامل سے پوچھ لینا جائز ہیں۔

۳۵۳ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کرانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ چار پرندے لیں انہیں ذبح کر کے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کریں اور پھر انہیں آپس میں ملا دیں۔ پھر ان ملی جلی بوٹیوں کے چار حصے کر لیں۔ اور ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑی پر رکھیں۔ پھر ان پرندوں کو اپنی طرف بلائیں اور اپنے رب کی قدرت کاملہ کا مشاہدہ کریں۔ جب حضرت خلیل علیہ السلام نے ایسا کر کے ان کو بُلایا تو انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ وہ متفرق بوٹیاں اکٹھی ہوئیں بکھرے ہوئے پر جمع ہو گئے اور وہ پرندے پھڑ پھڑاتے ہوئے جلدی جلدی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے (3)۔ فَصُرْهُنَّ کے دو معنی ہیں۔ ایک اس کا معنی ہے مائل اور مانوس کرنا اور ترجمہ میں یہی معنی لیا گیا ہے۔ لیکن اس کا دوسرا معنی قَطِّعْهُنَّ ہے یعنی ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرو (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن الانباری وغیرہما سے یہی منقول ہے۔ يُقَالُ صَارَ الشَّيْءَ يَصُوْرُ اَيْ قَطَّعَهٗ (قرطبی)(5) بعض لوگوں نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم چار پرندوں کو اپنے ساتھ مانوس کر لو۔ پھر ایک ایک پرندہ الگ الگ پہاڑیوں پر بٹھا دو اور انہیں اپنی طرف بُلاؤ وہ فوراً تمہاری طرف چلے آئیں گے۔ تو جیسے تم نے ان کو مانوس کیا اور وہ تمہاری آواز پر دوڑے چلے آئے اسی طرح جب کائنات کا رب ان منتشر اجزاء کو قیامت کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص299 2۔ ایضاً، ص300 3۔ ایضاً، ص300-01 4۔ ایضاً، ص301 5۔ ایضاً

ع ۳۵ ۳

حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ

بڑا دانا ہے مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں ۳۵۴ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے

حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ

ایک دانہ ۳۵۵ جو اُگاتا ہے سات بالیں (اور) ہر بال میں سو دانہ ہو

روز بلائے گا تو یہ اجزاء اکٹھے ہو جائیں گے۔ لیکن یہ تاویل کچھ مُناسب حال معلوم نہیں ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ پراگندہ اور منتشر اجزاء اکٹھے کیونکر ہوں گے اور ان میں رُوح کیونکر پھُونکی جائے گی۔ کم از کم جواب ایسا تو ہونا چاہیے جو سوال کے اہم گوشوں کی وضاحت کر دے۔ اس تاویل کے مطابق نہ تو منتشر اجزاء کا اِجتماع ہے اور نہ ہی مُردہ کو از سرِ نو زندہ کرنے کا وقوع ہے۔ پھر اس میں کون سی ایسی چیز ہے جو قلب کے اِطمینان کا باعث ہو؟

۳۵۴ اس آیت کریمہ کے الفاظ تو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کی فضیلت کی مثال بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ضمن میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب بھی دلائی جا رہی ہے۔ یعنی جب یہ یقین ہو کہ یہاں ایک درہم خرچ کرنے سے سات سو درہم ملیں گے تو کون سا عقل مند ایسا ہو گا جو بصد خوشی اپنا سارا سرمایہ اِس سودے میں نہیں لگا دے گا۔ اللہ جو غنی وحمید ہے۔ اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کو وہ داتا یونہی دیا کرتا ہے۔ لیکن اللہ کریم کے خزانوں کو تقسیم فرمانے والا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسے اپنے مالک کے بے پایاں خزانوں کا بھی علم ہے اور اُس کی شانِ کریمی کو بھی جانتا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو عرض کرتا ہے۔ رَبِّ زِدْ اُمَّتِیْ۔ اے میرے پروردگار میری اُمت کو اس سے بھی زیادہ عطا فرما تو جواب ملا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً (البقرہ:245) جو اللہ کو قرض دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کئی کئی گناہ زیادہ دیتا ہے۔ لب مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھر جنبش ہوئی اور عرض کی۔ رَبِّ زِدْ اُمَّتِیْ۔ میرے کریم! میری امت کو اس سے بھی زیادہ عطا فرما تو جواب ملا اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (الزمر:10)۔ صبر کرنے والوں کو بے حد وحساب اجر دیا جائے گا۔ (قرطبی)(1) اَن گنت حمد وثنا اُس مولائے کریم کے لیے اور بے شمار درود وسلام اُس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

۳۵۵ علامہ قرطبی اِس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زراعت کا پیشہ تمام پیشوں سے اعلیٰ ہے(2) اور روزی کمانے کے ذرائع میں سے بہت باعزت ذریعہ ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْتَمِسُوا الرِّزْقَ فِیْ خَبَايَا الْاَرْضِ (اَخْرَجَهُ التِّرْمِذِیُّ)(3)۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کی تہوں سے اپنا رزق تلاش کرو۔ اور زراعت فروضِ کفایہ سے ہے۔ اگر لوگ اس کی طرف سے غفلت برتیں تو امامِ وقت کو چاہیے کہ لوگوں کو جبراً کاشتکاری کی طرف راغب کرے اور باغات اور درخت لگانے کا حکم دے۔ (علامہ قرطبی)(4) نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر پوری

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص303، شعب الایمان از امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی، متولد 384ھ، متوفی 458ھ، رقم الحدیث 4280، ج4، ص36، مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص305

3۔ ایضاً، ص306۔ کنز العمال، ج4، ص21، رقم الحدیث:9303، کشف الخفاء ومزیل الالباس از شیخ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1162ھ، ج1، ص203، مطبوعہ مکتبہ دار التراث، بیروت

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص306

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) بڑھا دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ وسیع بخشش والا جاننے والا ہے جو لوگ

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا

خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر ۳۵۶ جو خرچ کیا اس کے پیچھے

مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دکھ دیتے ہیں انھیں کے لیے ثواب ہے ان کا ان کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے ان پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے اچھی بات کرنا ۳۵۷ اور (غلطی) معاف کر دینا بہتر ہے اس

صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

صدقہ سے جس کے پیچھے دکھ پہنچایا جائے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے بڑے حلم والا ہے اے ایمان والو!

کوشش کی جائے تو جتنا بیج ڈالا جائے، سات سو گنا تک فصل برداشت کیا جا سکتا ہے۔ دوسری قومیں اس میدان میں گوئے سبقت لیے جا رہی ہیں اور ہم اتنا کچھ کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ خلیفہ معتضد نے خواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زیارت کی اور حضرت نے اُسے مسحاۃ پکڑایا اور فرمایا خُذْهَا فَاِنَّهَا مَفَاتِيْحُ خَزَائِنِ الْاَرْضِ (1) اسے پکڑ لو کیونکہ یہی زمین کے خزانوں کی کنجیاں ہیں۔

۳۵۶ یعنی خرچ بھی اللہ کے راستہ میں ہو اور اسی کے لیے ہو تب اجر کی توقع ہے۔ اور اگر خرچ کے بعد احسان جتانا یا ستانا شروع کر دیا تو اللہ کے نزدیک اسے کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ جنگ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار لے کر حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیئے۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ پاک سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں ایسی دعا نکلی جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جتنا ناز کریں بجا ہے اور جتنا شکر کریں کم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ (2) اَللّٰهُمَّ لَا تَنْسَ هٰذَا الْيَوْمَ لِعُثْمَانَ (3)۔ اب عثمان جو کچھ کرتا رہے اس کو نقصان نہیں دے گا۔ اے اللہ! عثمان کے آج کے دن کی قربانی فراموش نہ کرنا۔

۳۵۷ بعض کم ظرف لوگ اگر چند کوڑیاں کسی نیک کام میں خرچ کر بیٹھتے ہیں تو پھر احسان جتلاتے ہیں۔ طرح طرح سے اذیت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص306 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص374۔ جامع ترمذی، ابواب المناقب، ج2، ص211

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص306۔ حلیۃ الاولیاء، از حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی، متوفی 430ھ، ج1، ص59، مناقب عثمان مکتبہ الخانجی، مصر

اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ

مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دُکھ پہنچا کر اُس آدمی کی ۳۵۸ طرح جو خرچ

مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ

کرتا ہے اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور دِن قیامت پر اس کی مثال ایسی ہے،

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ

جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو پھر پڑے اُس پر زور کی بارش اور چھوڑ جائے اُسے چٹیل صاف پتھر

لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

(ریاکار) حاصل نہ کرسکیں گے کچھ بھی اُس سے جو اُنھوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کفر اِختیار

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

کرنے والوں کو اور مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال ۳۵۹ اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے

پہنچاتے ہیں۔ مسلمانوں کو ایسی کمینہ حرکت سے باز رہنے کی تلقین کی جارہی ہے اور انہیں بتایا جارہا ہے کہ ایسے خرچ کرنے سے تو خندہ پیشانی سے بات کرنا اور کسی کی سخت کلامی وغیرہ سے درگزر کرنا بہت بہتر ہے۔ دین کا مقصد تو یہ ہے کہ تمہاری سیرت سنور جائے۔ اگر چند ٹکے دے کر تم میں نخوت پیدا ہوگئی ہے تو اس طرح تو سیرت اور بگڑ گئی۔ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ(1) وَاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ(2)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پاکیزہ بات بھی صدقہ ہے۔ اور اسلام میں یہ بھی بڑی نیکی ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملاقات کرے۔

۳۵۸ یہ مُنافق اور ریاکار کے عمل کی مثال ہے کہ جس طرح پتھر پر مٹی نظر آتی ہے لیکن جب بارش برستی ہے تو اس مٹی کو بہا کر لے جاتی ہے اور پتھر پھر چٹیل کا چٹیل رہ جاتا ہے۔ اِسی طرح مُنافق کے اعمالِ خیر کی حالت ہے کہ بظاہر دیکھنے میں تو بہت کچھ دکھائی دیتے ہیں لیکن قیامت کے روز وہ یوں ناپید ہوجائیں گے جیسے بارش کے بعد پتھر سے مٹی ناپید ہوجاتی ہے۔

۳۵۹ اس آیت میں مومن مخلص کے اعمال کی مثال بیان فرمائی کہ جس طرح بلند خطہ کی بہترین زمین کا باغ ہر حال میں خوب پھلتا ہے خواہ بارش کم ہو۔ ایسے ہی با اخلاص مومن کا صدقہ اور انفاق کم ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب بڑھاتا ہے۔ ربوہ اُس خطۂ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان اسم الصدقۃ یقع، ج1، ص325، وزارت تعلیم

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص309، الترغیب والترہیب، ج3، ص421، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ

کے لیے اور اس لیے تاکہ پختہ ہو جائیں ان کے دل ۳۶۰ ان کی مثال اُس باغ جیسی ہے جو ایک بلند زمین پر ہو برسا ہو اس پر

فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

زور کا مینہ تو لایا ہو وُہ باغ دوگنا پھل اور اگر نہ برسے اس پر بارش تو شبنم ہی کافی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جو تم

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ

کر رہے ہو سب دیکھ رہا ہے کیا پسند کرتا ہے کوئی تم میں سے ۳۶۱ کہ ہو اُس کا ایک باغ

نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ

کھجوروں اور انگوروں کا بہتی ہوں اُس کے نیچے ندیاں (کھجور و انگور کے علاوہ) اس کے لیے اس میں

كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۪ فَاَصَابَهَا

ہر قسم کے اور پھل بھی ہوں اور آلیا ہو اُسے بڑھاپے نے اور اس کی اولاد بھی کمزور ہو (تو کیا وُہ پسند کرتا ہے کہ) پہنچے اس کے باغ کو

زمین کو کہتے ہیں جو نسبۃً دوسری زمین سے بلند ہو اور اس کی مٹی زیادہ زرخیز ہو۔ اَلرَّبْوَۃُ: اَلْمَكَانُ الْمُرْتَفِعُ اِرْتِفَاعًا يَّسِيْرًا مَّعَهٗ فِي الْاَغْلَبِ كَثَافَةُ تُرَابٍ (قرطبی)(1)

۳۶۰ یہ الفاظ بڑے غور طلب ہیں۔ مال خرچ کرنے سے اللہ کے مخلص اور پاک باز بندوں کی ایک غرض تو یہ ہوتی ہے کہ اُن کا ربّ کریم اُن پر راضی ہو جائے۔ اور اس کے علاوہ دوسری غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ دلوں میں اللہ کی راہ میں مال و جان قربان کرنے کی استعداد پختہ اور ملکہ راسخ ہو جائے۔ مال بڑی پیاری چیز ہے۔ اِس کا خرچ کرنا اِبتداء میں بے شک گراں گزرتا ہے لیکن جب اِنسان خرچ کرنا شروع کر دیتا ہے تو دِل آہستہ آہستہ اس کا خوگر اور اس کی لذتوں سے آشنا ہو جاتا ہے اور راہِ خدا میں سب کچھ لٹانے کی استعداد پختہ ہو جاتی ہے۔ پھر مال تو مال رہا وہ اپنی جانِ عزیز تک نثار کرنے کو سب سے بڑی سعادت یقین کرنے لگتا ہے۔

۳۶۱ اخلاصِ نیت کی اہمیت کو ایک مثال ذکر کے یوں واضح کیا گیا ہے کہ کوئی باہوش آدمی اس میں غفلت نہیں برت سکتا۔ ایک آدمی ایک باغ لگاتا ہے۔ اس کی شبانہ روز محنت اور کثیر روپیہ خرچ کرنے کے بعد اس میں گوناگوں پھل دار درخت اُگ آتے ہیں۔ میٹھے اور شفاف پانی کی ندیاں ان درختوں کی قطاروں میں بہہ رہی ہیں۔ بڑھاپے نے اسے آلیا ہے۔ اس کی قوت رفتہ رفتہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص315

اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

بگولہ جس میں آگ ہو پھر وُہ باغ جل بھُن جائے ایسے ہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے (اپنی) آیتیں

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ ع ۳۶ ۶ ۴

تاکہ تم غور وفکر کرو اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عُمدہ چیزوں سے

مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا

جو تم نے کمائی ہیں ۳۶۲ اور اس سے جو نکالا ہے ہم نے تمھارے لیے زمین سے اور نہ ارادہ کرو ۳۶۳

الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا

ردّی چیز کا اپنی کمائی سے کہ (تم اسے) خرچ کرو حالانکہ (اگر تمھیں کوئی ردّی چیز دے تو) تم نہ لو اسے بجز اس کے کہ چشم پوشی کر لو

جواب دے رہی ہے۔ اس کے بچے ابھی چھوٹے ہیں۔ وہ مطمئن ہے کہ اب وہ اپنی زندگی بھر کی محنت کا ثمر کھائے گا۔ اس کے پھل دار باغ کی آمدنی سے اس کی پیری کے دن آرام سے کٹیں گے اور اسے اپنے بال بچے کی روزی کے لیے اب کوئی تردّد نہیں ہو گا۔ تم خود سوچو ایسا بوڑھا آدمی ایسی حالت میں کبھی یہ گوارا کر سکتا ہے کہ کوئی آتشیں بگولہ آئے اور اُس کی عُمر بھر کی کمائی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دے۔ بس بالکل یونہی سمجھ لو اپنی زندگی بھر کے نیک اعمال کو۔ قیامت کے دن جب تم خود کچھ کما نہیں سکتے، اور دوسرا تمہاری کوئی امداد کر نہیں سکتا اُس روز تمہیں اپنی زندگی بھر کے نیک اعمال کی کتنی شدید حاجت ہو گی۔ اگر ریا کاری کے بگولہ سے تم نے ان کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا تو قیامت کے دن تمہاری حسرت، ندامت اور دل سوزی کا کیا عالم ہو گا۔ اگر تم اِس اندوہناک صورتِ حال سے دوچار ہونا نہیں چاہتے تو اپنے اعمال کو ریا اور دکھلاوے سے بچاؤ۔ سبحان اللہ! کیا اثر آفرین اور دل نشین ہے یہ مثال۔

۳۶۲ طیبات سے وہ چیزیں مُراد ہیں جو عمدہ بھی ہوں، حلال بھی ہوں اور حلال طریقہ سے کمائی بھی گئی ہوں (1)۔ کیونکہ اِس طرح خرچ کرنے کے تین مقاصد ہیں۔ غریب کا فائدہ، اپنے نفس کی اِصلاح اور اللہ تعالیٰ کی رضا۔ اور یہ مقاصد تب ہی حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ عمدہ اور پاکیزہ چیز خرچ کی جائے۔ اگر ردّی چیز خرچ کی تو نہ غریب کو کچھ فائدہ پہنچا، نہ بخل کی آلودگی سے نفس کی صفائی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ذات جو اپنے بہتر سے بہتر اِنعامات کی تم پر بارش فرما رہی ہے۔ جب اُس کے نام پر دینے کا وقت آیا تو سب سے ناکارہ چیز تم نے اس کی راہ میں دے دی تو وہ کیونکر تم سے راضی ہو گا۔

۳۶۳ کیونکہ جب ردی چیز تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ردی چیزوں کو کب پسند فرمائے گا۔

1۔ لسان العرب از علامہ جمال الدین ابی الفضل محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی، متوفی 711ھ، ج 1، ص 65-363

فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ

اس میں اور (خوب) جان لو کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے ہر تعریف کے لائق ہے شیطان ۳۶۴ ڈراتا ہے تمہیں

الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ

تنگ دستی سے اور حکم کرتا ہے تم کو بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ وعدہ ۳۶۵ فرماتا ہے تم سے اپنی بخشش کا

وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ

اور فضل (وکرم) کا اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے عطا فرماتا ہے دانائی ۳۶۶ جسے چاہتا ہے

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ

اور جسے عطا کی گئی دانائی تو یقیناً اُسے دے دی گئی بہت بھلائی اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر

۳۶۴ شیطان طرح طرح کے وسوسے ڈال کر راہِ خُدا میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر یہ خرچ کر دیا تو خود کیا کھاؤ گے۔ بچوں کا پیٹ کیسے بھرو گے۔ در در کی بھیک مانگنے کی ذلت اُٹھانی پڑے گی۔ اور بخل کو کفایت شعاری، دور اندیشی وغیرہ کے رنگین عنوانوں سے پیش کرتا ہے۔ یہ چیز غور طلب ہے کہ قرآن نے بخل کو فحشاء (سخت بے حیائی) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے (1) اور یہ ہے بھی حقیقت کہ اِس سے بڑھ کر بے حیائی کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ انسان خود عیش کر رہا ہو اور کسی غریب بھائی کی اِمداد کا اسے کبھی خیال بھی نہ آتا ہو۔

۳۶۵ لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب دلاتا ہے کہ ایسا کرنے سے تمہارے گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے اور غریبوں اور تنگ دستوں کی اِمداد کرنے سے تم پر رزق اور نعمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

۳۶۶ حکمت سے مُراد وہ علم صحیح ہے جو اتنا پختہ اور طاقت ور ہو کہ وہ انسانی اِرادہ کو حکماً عمل خیر کی طرف متوجہ کر دے (2)۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ احسان ہے جسے قرآن نے خیر کثیر فرمایا ہے۔ اور دنیا و مافیہا کو متاعِ قلیل کہا ہے (3)۔ اب اگر کوئی صاحب علم اُمراء واَغنیاء سے اپنے آپ کو کمتر اور کہتر سمجھے تو یہ اس کی اپنی کم نگاہی ہے۔ ورنہ جو نعمت اور دولت اسے عطا فرمائی گئی ہے اس کے سامنے دولت قارون اور جاہِ فریدون کی وقعت ہی کیا ہے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج3، ص40 (ماخوذ)، تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج4، جز7، ص71

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج1، ص387

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص331

أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن

عقل مند اور جو تم خرچ کرتے ہو یا منّت مانتے ہو ۳۶۷

نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ إِن

تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار اگر

تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ

ظاہر کرو (اپنی) خیرات ۳۶۸ تو بہت اچھی بات ہے اور اگر پوشیدہ رکھو صدقوں کو اور دو اُنھیں فقیروں کو

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

تو یہ بہت بہتر ہے تمھارے لیے اور (صدقہ کی برکت سے) مٹادے گا تم سے تمھارے بعض گناہ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو

۳۶۷ یعنی جو کچھ تم خرچ کرو اور جہاں کہیں خرچ کرو اور جیسی نذر مانو اور جس کے لیے مانو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ اور تمہاری نیت کے مُطابق تمہیں ثواب وعذاب دیا جائے گا۔ نذر کی تعریف یہ ہے هُوَ مَا اَوْجَبَهُ الْمُكَلَّفُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ عِبَادَاتٍ لَّوْلَمْ يُوْجِبْهُ لَمْ يَلْزَمْهُ (قرطبی)(1) نذر کسی ایسی عبادت کو اپنے اوپر لازم کر لینے کو کہتے ہیں کہ اگر وہ عبادت یہ خود اپنے اوپر واجب نہ کرے تو وہ عبادت اس پر لازم نہیں ہوتی۔ حضرت صدر الافاضل حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں نذر خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ اللہ کے لیے نذر کرے اور کسی ولی کے آستانہ کے فقراء کو خرچ کرنے کا محل مقرر کرے مثلاً کسی نے یہ کہا کہ یا رب میں نے نذر مانی کہ اگر تو میرا فلاں مقصد پورا کردے یا فلاں بیمار کو شفا دے دے تو میں فلاں ولی کے آستانہ کے فقراء کو کھانا کھلاؤں یا وہاں کے خدام کو روپیہ پیسہ دوں یا ان کی مسجد کے لیے تیل یا بوریا حاضر کروں تو یہ نذر جائز ہے۔ (ردالمحتار)(2)

۳۶۸ مفسرین کی یہی رائے ہے کہ فرضی صدقات ظاہر کر کے دینے افضل ہیں اور نفلی صدقات چھپا کر دینے افضل ہیں۔ قَالَ الْحَسَنُ اِظْهَارُ الزَّكَاةِ اَحْسَنُ وَاِخْفَاءُ التَّطَوُّعِ اَفْضَلُ(3)۔ اور کیا حکمت آموز قول ہے جو حضرت عباس بن عبدالمطلب سے منقول ہے لَا يَتِمُّ الْمَعْرُوْفُ اِلَّا بِثَلَاثِ خِصَالٍ تَعْجِيْلِهٖ وَ تَصْغِيْرِهٖ وَ سَتْرِهٖ فَاِذَا اَعْجَلْتَهٗ هَنَّاْتَهٗ وَاِذَا صَغَّرْتَهٗ عَظَّمْتَهٗ وَاِذَا سَتَرْتَهٗ اَتْمَمْتَهٗ(4)۔ ترجمہ: نیکی تین خصلتوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ نیکی کرنے میں جلدی کرے، اسے حقیر سمجھے اور اسے پوشیدہ رکھے۔ جب تم نے نیکی کرنے میں جلدی کی تو اُسے خوشگوار بنایا جب اسے حقیر سمجھا تو اس کی قدر کو بڑھایا اور جب اسے پوشیدہ رکھا تو اسے مکمل کر دیا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص332 2۔ خزائن العرفان، ص82، حاشیہ 574، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ بحوالہ ردالمحتار، ج3، ص427، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص332 4۔ ایضاً، ج2، جز3، ص334

خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

خبردار ہے نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا ۳۶۹ ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ

اور جو کچھ تم خرچ کرو (اپنے) مال سے تو (اس میں) تمہارا اپنا فائدہ ہے اور تم تو خرچ ہی نہیں کرتے ہو سوائے اللہ کی

وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

رضا طلبی کے اور جتنا کچھ تم خرچ کرو گے (اپنے) مال سے پورا ادا کر دیا جائے گا تمہیں اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا (خیرات)

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

ان فقیروں کے لیے ہے جو ۳۷۰ روکے گئے ہیں اللہ کی راہ میں نہیں فرصت ملتی انہیں (روزی کمانے کے لیے)

۳۶۹ انصار کے کئی رشتہ دار اسلام نہیں لائے تھے اور انصار اُن کی اِمداد کرنا چاہتے لیکن اِس خیال سے نہ کرتے کہ وہ مسلمان نہیں۔ اور خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مسلمان فقراء کو ہی اپنے صدقات دیا کریں۔ اِس آیت کریمہ سے حکم ملا کہ نہیں اُن کے کفر کی وجہ سے ان کو بھوکا مرتے دیکھتے رہنا آپ کی رحمت کے خلاف ہے۔ چنانچہ اس کے بعد مسلمان غیر مسلموں کو بھی صدقات دینے لگے۔ لیکن خیال رہے کہ یہ نفلی صدقات وخیرات کا حکم ہے۔ فرض اور واجب صدقات مثلاً زکوٰۃ اور صدقۂ فطر صرف مسلمان فقراء کو ہی دیئے جاسکتے ہیں (1)۔

۳۷۰ پہلی آیت میں بتایا کہ غیر مسلم فقراء کو بھی اپنے خیرات وصدقات دو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس آیت میں بتایا کہ صدقات کے صحیح مستحق یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں خدمت دین کے لیے وقف کر دی ہیں اور انہیں فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ اپنی مَعاش کا بھی فِکر کریں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں تین چار سو کے قریب ایسے مہاجر تھے جن کے پاس نہ مال تھا، نہ اہل اور نہ سر چھپانے کے لیے جھونپڑا۔ وہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر رہتے اور جس کام کے لیے حکم ملتا اس کی تعمیل کرتے۔ جب کہیں سرایا بھیجنے کی ضرورت ہوتی یہ بے تامل حاضر ہوتے اور جب فارغ ہوتے تو قرآن یاد کرتے اور سنّت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حفظ کرتے۔ ان کی رہائش کے لیے مسجد میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھپر بنوا دیا تھا۔ فقر وتنگدستی کے باوجود عزتِ نفس اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا تو یہ گویا جانتے ہی نہ تھے جیسے گزرتی خاموشی اور صبر سے گزار دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کے ذریعہ مُسلمانوں کی توجّہ ان کی طرف مَبذول کرائی۔ لیکن یہ حکم انہیں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اب بھی جو حضرات اس خدمت میں مشغول رہتے ہیں اور کسب معاش کے لیے وقت نہیں نکال سکتے ان کے متعلق یہی حکم ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص337 وغیرہ

ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ

چلنے پھرنے کی زمین میں خیال کرتا ہے اُنھیں ناواقف (کہ یہ) مالدار (ہیں) بوجہ ان کے سوال نہ کرنے کے

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا

(اے حبیبِ ﷺ!) آپ پہچانتے ہیں انھیں ان کی صُورت سے یہ نہیں مانگا کرتے لوگوں سے لپٹ کر ۳۷۱ اور جو کچھ تم خرچ کرو گے

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ع ۳۷

(اپنے) مال سے پس یقیناً اللہ تعالیٰ اسے خُوب جاننے والا ہے جو لوگ خرچ کیا کرتے ہیں اپنے مال

بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ

رات میں اور دِن میں چھُپ کر اور علانیہ تو ان کے لیے ان کا اجر ہے اپنے رب کے پاس

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا

اور نہ انھیں کچھ خوف ہے اور نہ وُہ غمگین ہوں گے جو لوگ کھایا کرتے ہیں سُود ۳۷۲

۳۷۱ اِسلام نے بھیک مانگنے کی سخت مذمّت کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لَاَنْ يَّغْدُوَ اَحَدُكُمْ فَيَحْتَطِبَ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَتَصَدَّقَ مِنْهُ وَيَسْتَغْنِيَ بِهٖ عَنِ النَّاسِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ رَجُلًا اَعْطَاهُ اَوْ مَنَعَهٗ (1)۔ کہ اگر کوئی شخص ہر صُبح لکڑیاں چن کر پیٹھ پر اٹھالائے اور اس کی قیمت سے جو ملے اس سے صدقہ بھی کرے اور خود بھی کھائے یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگتا پھرے کسی کا دل چاہے تو کچھ دے دے اور چاہے تو اِنکار کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے مَنْ سَاَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْاَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ مِنْهُ اَوْ لِيَسْتَكْثِرْ (2) ترجمہ: جو آدمی لوگوں سے مال جمع کرنے کیلئے بھیک مانگتا ہے وہ انگارے جمع کر رہا ہے۔ تھوڑے انگارے جمع کرے یا زیادہ یہ اس کی اپنی مرضی۔

۳۷۲ پہلے سخی اور کریم الطبع لوگوں کا ذکر فرمایا جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لوگوں کی اِمداد کرتے ہیں اور کسی معاوضہ بلکہ شکریہ کی بھی توقع نہیں رکھتے۔ اَب اُن لوگوں کا ذِکر ہے جو دولت مند ہونے کے باوجود اِتنے تنگ دل بلکہ سنگ دل ہیں کہ اپنے مجبور اور معذور بھائی کی ویسے اِمداد تو کُجا، قرض بھی دیتے ہیں تو سود کا مطالبہ پہلے کرتے ہیں۔ اِن آیات میں ربا (سود) کو حرام کر دیا گیا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس وقت کے اہل عرب کس چیز کو ربا کہا کرتے تھے اور اس کی کیا کیا شکلیں رائج تھیں۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب النہی عن المسئلہ، ج1، ص333 2۔ ایضاً

لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ

وُہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وُہ جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے

الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ

چھُو کر ۳۷۳ یہ حالت اِس لیے ہو گی کہ وُہ کہا کرتے تھے کہ سوداگری بھی سُود کی مانند ہے حالانکہ حلال فرمایا

لُغتِ عرب میں ربا کا معنی زیادتی ہے(1)۔ اِصطلاح میں اُس مقررہ زیادتی کو ربا کہا جاتا تھا جو کسی رقم کی ادائیگی میں دیر کرنے پر ادا کی جاتی تھی(2)۔ اس کی مروّجہ شکلیں یہ تھیں کہ کسی نے کوئی چیز خریدی قیمت اگر وہ نقد ادا نہ کر سکتا تو ایک میعاد مقرر کی جاتی۔ اگر وہ اس میعاد پر بھی قیمت ادا نہ کر سکتا تو میعاد بھی لمبی کر دی جاتی اور قیمت میں بھی اضافہ کر دیا جاتا۔ مثلاً دس روپیہ کی کوئی چیز لی اور ایک ماہ کے بعد قیمت ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ مہینہ گزرنے کے بعد اگر اسے دس روپے میسّر نہ آئے تو وہ ایک ماہ کی مزید مہلت طلب کرتا اور دس کی بجائے بارہ روپیہ ادا کرنے کا اِقرار کرتا۔ ایک شکل یہ بھی تھی کہ کسی سے سو روپیہ مثلاً قرض لیا اور طے یہ پایا کہ مقروض ہر سال سو کے ساتھ دس روپیہ زائد ادا کرے گا۔ ان دونوں شکلوں کو اس وقت ربا کہا جاتا۔ یہاں ایک چیز اور تحقیق طلب ہے کیا اُس وقت کے لوگ صرف نجی ضروریات کے لیے ہی سودی قرض لیا کرتے تھے یا کاروبار کرنے کے لیے بھی سودی قرض کا اُس وقت عام رواج تھا۔ بعض لوگ جنہیں عرب کے حالات اور رسم و رِواج کے تفصیلی مطالعہ کی فرصت نہیں ملی، کہتے ہیں کہ اس وقت صرف ذاتی ضروریات کے لیے ہی قرض لیا جاتا تھا اور کاروبار کے لیے قرض لینے کا اس قدیم غیر متمدّن معاشرہ میں کوئی تصوّر نہ تھا۔ لیکن اگر وہ دنیا کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت جب کہ نہر سویز نہیں کھدی تھی جب کہ بڑے بڑے بحری جہاز معرضِ وجود میں نہیں آئے تھے۔ مشرق و مغرب کی تجارت خشکی کے راستہ سے ہوتی تھی۔ اس وقت تجارتی کاروانوں کی راہ گزر جزیرۂ عرب تھا۔ عرب کے لوگ عموماً اور اہل مکہ خصوصاً تجارت میں خوب حصہ لیتے تھے۔ اور اس امر کا تذکرہ تو خود قرآنِ حکیم میں ہے کہ اہل مکہ کے تجارتی قافلے سردیوں میں یمن و فارس کی طرف اور گرمیوں میں شام و روم کی طرف باقاعدگی سے جاتے تھے اور یہی اُن کا ذریعہ معاش تھا اور تاریخ اس پر اٹل شاہد ہے کہ جو قافلہ شام سے ابوسفیان کی قیادت میں مکّہ واپس جا رہا تھا جس کا مسلمانوں نے مدینہ طیبہ سے نکل کر محاصرہ کرنے کا اِرادہ کیا تھا اس میں تمام اہل مکّہ کا سرمایہ تھا۔ مکہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس نے اس میں اپنا حصہ نہ ڈالا ہو۔ اور حصہ کی دونوں مختلف شکلیں رائج تھیں۔ یا تو سرمایہ دینے والا نفع میں شریک ہوتا تھا یا وہ اپنا مقررہ حصہ ٹھہرا لیا کرتا خواہ قرض لینے والے کو نفع ہو یا نقصان۔ اِن تاریخی حقائق کی موجودگی میں یہ فرض کر لینا کب روا ہے کہ اُس وقت کے اہل عرب کاروبار کے لیے سودی قرض نہیں لیا کرتے تھے۔ قرآن نے ہر ربا کو حرام کیا۔ کہیں آپ کاروباری سود لینے کی اِجازت نہیں دِکھا سکتے۔

۳۷۵ ان کلمات میں سود خوار کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ فرمایا جیسے آسیب زدہ اور پاگل آدمی عجیب و غریب حرکتیں کرتا ہے

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج4، جز7، ص93 2۔ ایضاً

اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَہٗ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ

اللہ تعالیٰ نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو ۳۷۴ پس جس کے پاس آئی نصیحت اپنے رب کی طرف سے

جنہیں دیکھ کر انسان ہنسی ضبط نہیں کر سکتا اسی طرح یہ سود خور بایں حشمت وجاہ، دولت کی محبت میں یوں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور اُن سے ایسی نامعقول باتیں اور ناشائستہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا ہے کہ شاید ان پر کسی چیز نے تسلّط جمار کھا ہے۔ ان کی دنیاوی زندگی بھی یونہی گزرے گی اور قیامت کے روز بھی ان کا یونہی حشر ہوگا۔

۳۷۴ سود کے جواز کے لیے جو دلیل آج پیش کی جاتی ہے بعینہٖ یہی اِستدلال چودہ صدیاں پیشتر غیر متمدّن عرب کے سُود خوار پیش کیا کرتے تھے۔ یعنی جب دوسری اجناس کے لین دین میں نفع حاصل کرنا درست ہے تو روپیہ جو ایک جنس ہی ہے اس کے لین دین میں اگر نفع لیا جائے تو اسے حرام کیوں قرار دیا جائے۔ اِس کا جواب قرآنِ حکیم نے یہ دیا کہ دونوں میں بڑا فرق ہے بیع کو اللہ تعالیٰ نے اس کے فوائد کی وجہ سے حلال کر دیا ہے اور سود کو اس کے نقصانات کی وجہ سے حرام کیا ہے۔ اِس لیے ان دو چیزوں کو یکساں کیسے تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ سود کی حُرمت کے متعلق بہت کچھ لکّھا جا چکا ہے لیکن جو فاضلانہ بحث حجۃ الاسلام الامام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اس کا جواب نہیں۔ بحث کی اہمیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ غزالی کے کلام کا پورا ترجمہ نقل کیا جائے لیکن مقام کی تنگ دامانی اس کی متحمل نہیں۔ اِس لیے نہایت اِختصار سے اس بحث کا ماحصل ہدیہ قارئین ہے۔ اِمام غزالی فرماتے ہیں:

فرض کرو تمہارے پاس زعفران ہے اور ایک دوسرے شخص کے پاس اونٹ ہے۔ تم اونٹ لینا چاہتے ہو لیکن اونٹ والے کو زعفران کی ضرورت نہیں۔ اب تم اونٹ کیونکر حاصل کر سکتے ہو۔ یا تمہارے پاس کپڑے ہیں اور دوسرے شخص کے پاس کھانا ہے۔ تمہیں بھوک لگی ہے تمہیں کھانا چاہیے لیکن کھانے والے کو کپڑوں کی ضرورت نہیں۔ اب تم کھانا کیونکر خریدو گے۔ اس لیے قدرت نے ایک ایسی جنس (سونا چاندی) کی تخلیق فرما دی جس کے ذریعہ ہر شخص اپنی ضرورت کی چیز خرید سکے۔ اگر آپ ذرا سا تامل فرمائیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ سونے چاندی کی تخلیق اس حکیم و دانا رب نے اسی مقصد کے لیے فرمائی ہے۔ اور ان کا اور کوئی فائدہ نہیں۔ ایک تو یہ کمیاب ہیں دوسرا ان میں وہ صلابت اور سختی نہیں جو لوہے اور تانبہ وغیرہ میں ہے تاکہ اُن کی جگہ اِستعمال ہو سکیں۔ اب اگر روپیہ پر سود لینے کی اِجازت دی جائے تو روپیہ پھر صرف تبادلہ اشیاء کا ذریعہ نہیں رہے گا بلکہ اس کی اپنی ذات کاسِبْ اور نفع خیز بن جائے گی اور لوگ دوسرے سامانِ تجارت کی طرح اس کی ذخیرہ اندوزی شروع کر دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بازار میں سے یہ غائب ہوتا چلا جائے گا۔ اور جب روپیہ بازار سے غائب ہونا شروع ہو گیا تو صنعتی ترقی رُک جائے گی تجارتی سرگرمی ختم ہو جائے گی اور دوسری اشیاء کی قیمتوں میں وہ اُتار چڑھاؤ شروع ہوگا جس سے سارا اِقتصادی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ شریعت اِسلامیہ نے اِن مفاسد کے سدِّ باب کے لیے سود کو حرام کر دیا۔ (اختصار کلامِ غزالیؒ)

ارسطو نے بھی اپنی کتاب ''السیاسۃ'' میں یہی لکھا ہے کہ روپیہ کڑک مُرغی ہے جو انڈے نہیں دیتی۔

سود کی حُرمت کی حقیقی وجہ سمجھ لینے کے بعد اب ہمیں یہ بھی سمجھنا ہے کہ تجارت اور سود میں کیا فرق ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا ہے۔ یہ بالکل واضح فرق ہے کہ تجارت میں انسان روپیہ لگاتا ہے۔ پھر محنت کرتا ہے۔ اپنی ساری ذہنی قابلیتیں

فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ

تو وُہ (سُود سے) رُک گیا تو جائز ہے اس کے لیے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو شخص پھر سُود کھانے لگے تو وُہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي

دوزخی ہیں وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۳۷۵﴾ مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ سُود کو اور بڑھاتا ہے

الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

خیرات کو ﴿۳۷۶﴾ اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ہر ناشکرے گنہگار کو بے شک جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ

اور کرتے رہے اچھے عمل اور صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ کو ان کے لیے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے انھیں اور نہ وُہ غمگین ہوں گے

صرف کرتا ہے اور وقت خرچ کرتا ہے۔ اس کے باوجود نفع یقینی نہیں۔ اسے نفع بھی ہوسکتا ہے اور نقصان بھی۔ لیکن سود خور جو صرف اپنا فالتو روپیہ دیتا ہے۔ نہ وقت، نہ محنت، نہ کاوش! وہ یقینی نفع کا خواستگار کیوں ہو۔ اِسلام نے سرمایہ دار کے لیے دو ہی راستے تجویز کیے ہیں یا تو اپنے بھائی کو اپنا زائد از ضرورت روپیہ بطور قرضِ حسنہ دے ورنہ کاروبار میں شریک ہو جائے اور نفع و نقصان میں حصہ دار بنے۔ اس کے لیے تیسرا کوئی راستہ نہیں۔

۳۷۵ اَلْمَحْقُ مَحْوُ الشَّيْءِ وَالذِّهَابُ بِهٖ كَمَحَاقِ الْقَمَرِ(1)۔ کسی چیز کے مٹ جانے اور غائب ہونے کو محق کہتے ہیں۔ چاند کی آخری دو تاریخوں کو محاق کہا جاتا ہے کیونکہ چاند اِن راتوں میں بالکل رُوپوش ہو جاتا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر فرما رکھا ہے کہ سود خور کو برکت نہیں ہوگی اور مال سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ نہ اُس کی سوسائٹی میں کچھ عزّت ہو گی نہ اس کو قلبی سکون نصیب ہوگا۔ یہ اس کی حالت دنیا میں ہوگی اور آخرت میں وہ ثواب و رضائے خداوندی سے محروم ہوگا۔

۳۷۶ سود خور کے برعکس صدقہ و خیرات کرنے والا دنیا میں بھی باعزت زندگی بسر کرے گا اور آخرت میں بھی اجر عظیم کا مُستحق ہوگا۔

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج3، ص84، دار الکتب العلمیہ، بیروت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ

اَے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اَور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سُود سے اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ

تم (سچّے دل سے) ایمان دار ہو اَور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلانِ جنگ سُن لو ۳۷۷ اللہ اَور اُس کے

وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ

رسُول کی طرف سے اَور اگر تم توبہ کر لو تو تمھیں (مل جائیں گے) اصل مال نہ تم ظلم کیا کرو

وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ

اور نہ تم پر ظلم کیا جائے اَور اگر مقروض تنگ دست ہو ۳۷۸ تو مُہلت دو اُسے خوشحال ہونے تک

وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا

اور بخش دینا اسے (قرض) بہت بہتر ہے تمھارے لیے اگر تم جانتے ہو اَور ڈرتے رہو اُس دن سے

تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ

لوٹائے جاؤ گے جس میں اللہ کی طرف پھر پُورا پُورا دے دیا جائے گا ہر نفس کو جو اُس نے کمایا ہے اَور

۳۷۷ سُود کے اخلاقی، معاشرتی اور اِقتصادی ناقابلِ تلافی نقصانات کے باعث اس کی حُرمت کو اِتنے شدید پیرائے میں بیان کیا گیا جس کی مثال نہیں۔ اِرشاد ہے جو ان اَحکام کے بعد بھی سود لینے کی جرأت کرے گا اِس کے خلاف اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اِعلان جنگ ہے۔

۳۷۸ مکارمِ اَخلاق کا ایک اور درس ہے۔ جو قوم ایسے ضابطۂ اَخلاق کی پابند ہو اس کے غریب و امیر افراد میں حسد و عناد کی آگ نہیں بھڑک سکتی۔ اور یہ خونی اِنقلاب رو پذیر نہیں ہو سکتے جن سے آج ساری دنیا لرزہ براندام ہے۔ کاش مسلمان اپنے فرض کو پہچانیں اور ان اخلاقی اصولوں کو اپنانے کی کوشش کریں۔

هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ ع ۳۸ ۶

ان پر زیادتی نہ کی جائے گی اے ایمان والو! جب تم ایک دُوسرے کو قرض دو ۳۷۹

اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪

مدّت مقررہ تک تو لکھ لیا کرو اسے اور چاہیئے کہ لکھے تمہارے درمیان لکھنے والا ۳۸۰ عدل و انصاف سے

وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ

اور نہ انکار کرے لکھنے والا ۳۸۱ لکھنے سے جیسے سکھایا ہے اس کو اللہ نے پس وُہ بھی لکھ دے اور لکھوائے

الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ

وُہ شخص جس کے ذمہ حق (قرضہ) ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے اور نہ کمی کرے اس سے ذرّہ بھر

۳۷۹ قرآنِ کریم کی یہ سب سے لمبی آیت ہے اور اس میں معاملات کے بہت سے احکام شرح و بسط سے بیان فرما دیئے گئے ہیں۔ پہلا حکم تو یہ ہے کہ جب ادھار کا لین دین کرو تو ضرور لکھ لیا کرو کیونکہ بسا اوقات انسان پہلے لکھنے سے شرماتا ہے۔ لیکن بعد میں طرح طرح کی غلط فہمیاں اور رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں اور نوبت لڑائی جھگڑے اور مقدمات تک پہنچتی ہے اور آپس کے تعلقات ہمیشہ کے لیے کشیدہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر معاملہ کی ساری تفصیلات یعنی مقدار، قسم اور ادائیگی کا مقررہ وقت لکھ لیا جائے تو پھر ان مفاسد سے نجات مل جاتی ہے۔ فقہی اِصطلاح میں اگرچہ اسے واجب نہ کہا جائے لیکن اُس کی اہمیت اور افادیت سے کسی کو اِنکار نہیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص تحریر نہیں کرتا اور اس کا حق ضائع ہو جائے تو اسے کوئی اجر نہ ملے گا اور اگر اس نے اپنا حق غصب کرنے والے کے لیے بد دعا کی تو وہ بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے اس واضح اِرشاد کی تعمیل نہیں کی۔ (احکام القرآن)(1)

۳۸۰ یعنی جو شخص تحریر کا فرض انجام دے اسے ایسی تحریر لکھنی چاہیے جو ہر طرح کے ابہام اور مغالطہ سے مبرا ہو(2)۔ ذو معنی الفاظ کے اِستعمال سے اِجتناب کرے۔ اور اُن تمام شرائط کا پورا لحاظ رکھے جو شریعت نے اس عقد کی صحت کے لیے مقرر کی ہیں۔ اس لیے فقہاء نے فرمایا ہے کہ وثیقہ نویس ایسا شخص ہونا چاہیے جسے اِن شرائط و قواعد کا پورا پورا علم ہو، تاکہ فریقین کے مقصد کی صحیح ترجمانی کر سکے۔

۳۸۱ اگر ایک شخص کے سوا کوئی دوسرا آدمی وثیقہ نویسی کا اہل نہ ہو تو اس شخص پر ضروری ہے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے(3)۔ اور فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ وثیقہ نویس کو اُجرت لینے کی شرعاً اجازت ہے۔(4)

1۔ احکام القرآن، از جصاص، ج1، ص481 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص382 3۔ ایضاً، ص384 4۔ ایضاً، ص385

فَاِنْ كَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ

پھر اگر وُہ شخص جس پر قرض ہے بے وقوف ہو یا کمزور ہو یا اس کی طاقت نہ رکھتا ہو

اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا

کہ خود لِکھا سکے تو لِکھائے اس کا ولی (سرپرست) اِنصاف سے اَور بنا لیا کرو ۳۸۲

شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ

دو گواہ اپنے مردوں سے اَور اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد

وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا

اَور دو عورتیں اُن لوگوں میں سے جن کو پسند کرتے ہو تم (اپنے لیے) گواہ تاکہ اگر بھُول جائے ایک عورت

فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰی ؕ وَلَا یَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ

تو یاد کرائے (وُہ) ایک دُوسری کو اَور نہ اِنکار کریں گواہ جب وُہ بُلائے جائیں

وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِیْرًا اَوْ كَبِیْرًا اِلٰۤی اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ

اَور نہ اُکتایا کرو اسے لِکھنے سے خواہ (رقم قرضہ) تھوڑی ہو یا زیادہ اس کی میعاد تک یہ تحریر عدل قائم

اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤی اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ

کرنے کے لِیے بہت مفید ہے اللہ کے نزدیک اَور بہت محفوظ رکھنے والی ہے گواہی کو اَور آسان طریقہ ہے تمھیں شک سے بچانے کا مگر

اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِیْرُوْنَهَا بَیْنَكُمْ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ

یہ کہ سودا دست بدستی ہو جس کا تم لین دین آپس میں کرو (اس صُورت میں) نہیں تم پر

۳۸۲ تحریر کے ساتھ گواہ مقرر کرنے کا بھی حکم دیا تا کہ معاملہ میں کسی وقت بھی گڑبڑ پیدا نہ ہو۔ شہادت کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں ملاحظہ ہوں۔

جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ

کچھ حرج اگر نہ بھی لکھو اسے اور گواہ ضرور بنا لیا کرو جب خرید و فروخت کرو اور ضرر نہ پہنچایا جائے

كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا

لکھنے والے کو اور نہ گواہ کو ۳۸۳ اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ نافرمانی ہوگی تمہاری اور ڈرا کرو

اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ

اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ (آدابِ معاشرت) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور اگر تم

عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ

سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو اور اس کا ۳۸۴ قبضہ دے دیا کرو پھر اگر اعتبار

بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ

کرلے کوئی تم میں سے دوسرے پر پس چاہیئے کہ ادا کردے وہ جس پر اعتبار کیا گیا ہے اپنی امانت کو اور ضروری ہے کہ ڈرتا رہے

رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ

اللہ سے جو اس کا رب ہے، اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص چھپاتا ہے اسے تو یقیناً گنہگار ہے اس کا ضمیر

۳۸۳ لَا يُضَآرَّ کی را اگر مفتوح ہو (یعنی مضارع مجہول) تو اس کا مطلب ہوگا کہ فریقین سے کوئی کاتب کو غلط لکھنے اور گواہ کو جھوٹی گواہی دینے پر مجبور نہ کرے اور ان کا وقت بے کار ضائع نہ کرے۔ اور اگر لَا يُضَآرِّ ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ کاتب غلط لکھ کر اور گواہ جھوٹی گواہی دے کر کسی کو ضرر نہ پہنچائے اور حق تلفی نہ کرے۔ (1)

۳۸۴ اور اگر تم حالت سفر میں ہو۔ وہاں کوئی وثیقہ نویس بھی نہیں اور گواہ بھی موجود نہیں اور تم ادھار پر کوئی لین دین کرنا چاہتے ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ خریدنے والا قیمت کی جگہ اپنی کوئی چیز بیچنے والے کے پاس گروی رکھ دے۔ جب قیمت ادا کرے تو اپنی گروی شدہ چیز واپس لے لے۔ یہاں حالت سفر میں گروی رکھنے کا ذکر ہے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ سفر کے بغیر رہن رکھنا جائز نہیں بلکہ اغلباً یہ صورت کہ نہ وثیقہ نویس ہے اور نہ گواہ، سفر میں ہی پیش آتی ہے۔ اِس لیے سفر کا ذِکر کیا، ورنہ حضر میں بھی رہن

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج4، جز7، ص129

ع ۳۹ ۲

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین

الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ

میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو ۳۸۵ جو کچھ ۳۸۶ تمہارے دِلوں میں ہے یا تم اسے چھپائے رہو حساب لے گا تم سے اس کا

اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

اللہ تعالیٰ پھر بخش دے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے چاہے گا اور اللہ تعالےٰ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ

ہر چیز پر قادر ہے ایمان لایا یہ رسُول (کریم) اس (کتاب) پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے

رکھنا درست ہے۔ لیکن گروی رکھی ہوئی چیز سے کوئی فائدہ اٹھانا شرعاً ممنوع ہے (1)۔

۳۸۵ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام بے چین و بے قرار ہو گئے۔ مغموم و افسردہ ہو کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ اے اللہ کے پیارے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج تک جو احکام (نماز، روزہ، حج، جہاد) نازل ہوئے اُن پر ہم عمل کر سکتے تھے لیکن اِس آیت پر عمل کرنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً گرتے ہوؤں کو سہارا دیا اور پھسلتے ہوؤں کو تھام لیا۔ فرمایا تم یہود و نصاریٰ کی طرح یہ مت کہو۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ہم نے حکم سُن تو لیا لیکن مانا نہیں بلکہ شیوۂ تسلیم و رضا اِختیار کرتے ہوئے بارگاہِ ربُّ العزت میں بے چون و چرا عرض کر دو۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (2)۔ صحابہ کرام نے اپنے آقا و مولا ہادی و مُرشِد کا اِرشادِ گرامی سُن کر فوراً سر تسلیم خم کر دیا اور زبان پر جاری ہو گیا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا الخ جب غُلامانِ مصطفیٰ علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناء نے یہ عرض کی تو اس سبوح وقدوس نے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الخ فرما کر ان کے ایمان کی تصدیق فرما دی۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔

۳۸۶ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے یہاں خوب تحریر فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں: انسان کے دل میں دو طرح کے خیال آتے ہیں۔ ایک بطور وسوسہ، اُن سے دل کا خالی کرنا اِنسان کی مقدرت میں نہیں لیکن وہ ان کو بُرا جانتا ہے اور عمل میں لانے کا اِرادہ نہیں کرتا۔ ان کو حدیث نفس اور وسوسہ کہتے ہیں اس پر مؤاخذہ نہیں۔ بُخاری و مسلم کی حدیث ہے۔ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے دلوں میں جو وسوسے گزرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے تجاوُز فرماتا ہے۔ جب تک کہ وہ انہیں عمل میں نہ لائیں یا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج2، جز3، ص412 2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس والخواطر بالقلب اذا لم تستقر الخ، ج1، ص77

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف

اور (ایمان لائے) مومن یہ سب دل ۳۸۷ سے مانتے ہیں اللہ کو اور اُس کے فرشتوں کو اور اُس کی کتابوں کو اور اُس کے رسُولوں کو

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

(نیز کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اُس کے رسُولوں سے اور اُنھوں نے کہا ہم نے سُنا اور ہم نے اطاعت کی

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا

ہم طالب ہیں تیری بخشش کے اے ہمارے رب! اور تیری طرف ہی ہمیں لوٹنا ہے ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر

وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ

جتنی طاقت ہو اس کی۔ اس کو اجر ملے گا جو (نیک عمل) اس نے کیا اور اس پر وبال ہوگا جو (بُرا عمل) اس نے کمایا اے ہمارے رب پکڑ ہم کو ۳۸۸

اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا

اگر ہم بھُولیں یا خطا کر بیٹھیں اے ہمارے رب! نہ ڈال ہم پر بھاری بوجھ جیسے

حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ

تو نے ڈالا تھا اُن پر جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اے ہمارے پروردگار! نہ ڈال ہم پر وُہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت

ان کے ساتھ کلام نہ کریں۔ یہ وسوسے اِس آیت میں داخل نہیں۔ دوسرے وہ خیالات جن کو انسان اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور ان کو عمل میں لانے کا قصد و اِرادہ کرتا ہے ان پر مؤاخذہ ہوگا اور انہیں کا بیان اس آیت میں ہے (1)۔

۳۸۷ اس آیت میں ایمان کا اجمالی تذکرہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک ماننا، فرشتوں کو نوری اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار مخلوق تسلیم کرنا، تمام آسمانی کتابوں کو صحیح ماننا، تمام رسولوں کی رسالت پر بلا اِستثناء ایمان لانا اور یومِ قیامت پر یقین رکھنا یہ ہے ایمان۔

۳۸۸ یہ پیارے پیارے دلنشین اور اثر آفرین کلمات دُعائیہ جملے ہیں۔ کریم و بندہ پرور اور ذرّہ نواز مولا تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو خود سکھاتا ہے کہ مجھ سے یہ مانگا کرو اور یوں مانگا کرو۔ میرے در رحمت پر دستک دینے کا یہ طریقہ ہے اور جب کریم اور

1۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص88۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تجاوز اللہ عن حدیث النفس والخواطر بالقلب اذا لم تستقر، ج1، ص78۔ صحیح بخاری، کتاب العتق، باب الخطا والنسیان فی العتاقة والطلاق، ج1، ص343

لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا

نہیں اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر تو ہی ہمارا دوست (اور مددگار) ہے تو مدد فرما

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع ۴۰ ۳۸

ہماری ، قوم کفّار پر

بہت کریم، سخی اور نہایت سخی گدائے بے نوا کو کہے کہ آ مجھ سے مانگ تو جب وہ گدائے بے نوا اخلاص و نیاز اور سوز و گداز سے عرض کرے گا تو ضرور وہ عرض قبول ہوگی۔ اس دعا میں جسمانی و رُوحانی، اِنفرادی اور اِجتماعی، دینی و دُنیاوی ہر قسم کی سعادتوں، نعمتوں اور سرفرازیوں کے لیے اِلتجا ہے اسی لیے تو حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اُوْتِيْتُ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ لَمْ يُؤْتَهُنَّ نَبِيٌّ قَبْلِيْ۔(1)

سورۂ بقرہ کی یہ آخری آیتیں مجھے عرشِ عظیم کے نیچے جو (رحمتوں اور برکتوں کا ربّانی) خزانہ ہے اس سے عطا فرمائی گئی ہیں۔ اور یہ وہ اِنعامِ عظیم ہے جو اور کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز3، ص434۔ شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن، ج2، ص460 مکتبہ دار الکتب العلمیہ

تعارف سُورۃ آلِ عمران

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اِس سورۂ پاک کا نام آلِ عمران ہے۔ یہ باتفاقِ علماء مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی(1)۔اس کے بیس رکوع ہیں۔ دوسو آیتیں۔3542 الفاظ اور 15336 حروف ہیں۔

مضامین: (ا) اس سورت میں بڑے واضح انداز میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ انسان کی ہدایت کے لیے اس کے خالق نے جو ضابطہ عطا فرمایا وہ ایک ہی ہے اور اُس کا نام ہے دین اِسلام۔اس دین کے اساسی عقائد اور بُنیادی اصول زمان و مکان کے اِختلاف وتعدد کے باوجود ازلی وابدی ہیں۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دین انسانی عقل وخِرد کی اِختراع کردہ چیز نہیں بلکہ اللہ کا دین ہے جو حق ہے اور حق ایک ہی ہوا کرتا ہے ہر زمانہ میں، ہر حال میں۔ اِسلام کے نام سے بِدکنے والے اہل کتاب کو صاف صاف بتادیا کہ جن انبیاء کرام کے نام پر تم اپنے الگ الگ مذہبوں کی بنیادیں استوار کر رہے ہو اُن سب کا دین تو اسلام تھا۔تمہارے جدّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی دین اسلام کے علمبردار تھے۔

اِس طرح قرآنِ حکیم نے دین ومذہب کے نام پر انسانیت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے محرکات پر ضربِ کاری لگائی اور وحدتِ انسانیت کے لیے ایک ایسی محکم اساس مہیّا کردی کہ جب بھی انسان اپنی ذاتی، وطنی اور قومی خودغرضیوں سے رہائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو وہ اِتحاد ومحبّت کے رشتہ میں منسلک ہوجائے گا۔

کیونکہ تمام انبیاء ایک ہی دین کے داعی اور مبلّغ تھے۔ اِس لیے ہر نبی نے اپنے سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء ورُسل کی تصدیق کی اور اپنی اپنی امتوں کو بعد میں آنے والے انبیاء پر ایمان لانے کی ہدایت کی۔ اِسی سُنّت پر حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عمل فرمایا اور تمام انبیاء ورُسل سابقین کی تصدیق کی۔لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کیونکہ کوئی اور نبی معبوث ہونے والا نہیں تھا اِس لیے کسی نئے نبی پر اِیمان لانے کا حکم نہیں دیا۔ختم نبوت کی یہ بھی بڑی واضح دلیل ہے۔

وہ ختم الرسل مولائے کل جس کی ذاتِ قُدسی صفات کو مشیت الٰہی نے اِنسانیت کے بکھرے ہوئے اور منتشر اَوراق کی شیرازہ بندی کے لیے تجویز فرمایا تھا اس کے متعلق تمام انبیاء کو حکم دیا کہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی نصرت وتائید کا پختہ وعدہ کریں۔تاکہ ان کی امتوں کو مجالِ انکار نہ رہے۔

اِس سُورت میں اِن تمام امور کا ذِکر کرکے یہ بتادیا کہ انسانوں کی ان برسرپیکار جماعتوں کا اِتحاد واِتفاق اگر ہوسکتا ہے تو

1۔روح المعانی، ج3، ص73، داراحیاء التراث العربی، بیروت

صرف اسلام کے جھنڈے کے نیچے اور حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں ہی ہوسکتا ہے۔

(۲) سورۂ بقرہ میں یہود کی اِصلاح کی بھرپور کوشش کی گئی تھی۔ کیونکہ یہود مدینہ کے باشندے تھے۔ اور ہر صُبح وشام مسلمانوں کو ان سے سابقہ پڑتا تھا۔ اِس سورت میں عیسائیوں کے عقائد کی درستی کی طرف خاص توجّہ فرمائی گئی ہے اور اُن کے عقیدہ تثلیث کا ایسا سخت محاسبہ کیا گیا ہے جس کا جواب مسیح کے پرستاروں کے پاس تب تھا نہ اب ہے۔ اِس سورت کا بہت سا حصّہ اس وقت نازل ہوا جب نجران کے عیسائیوں کے علماء ورؤساء کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اپنے عقائد کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ شروع کیا۔

(۳) سورۂ بقرہ میں مسلمانوں کو کفّار سے جہاد کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کے بعد کفر واسلام کی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پہلی جنگ بدر کے میدان میں لڑی گئی۔ جس میں مٹھی بھر مسلمانوں نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود کفّار کو شکست فاش دی۔ لیکن اس شکست نے کفّار کو آتش زیر پا کردیا۔ اِنتقام کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ یہود نے بھی اپنی سازشوں کو تیز تر کر دیا۔ ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ پورے ساز وسامان کے ساتھ مشرکین مکّہ نے مدینہ پر چڑھائی کردی۔ احد کے پہاڑ کے دامن میں مقابلہ ہوا۔ ابتداء میں مسلمانوں نے کفّار کو بھاگنے پر مجبور کردیا۔ لیکن چند نوجوانوں کی جلد بازی نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ جس سے مسلمانوں کو سخت جانی نقصان ہوا۔ اِس سورت میں دُشمنوں (یہود اور منافقین) کی سازشوں کا پردہ چاک کیا گیا اور مسلمانوں کو ان کی اپنی فروگزاشتوں پر تنبیہ فرما کر اُن سے آئندہ بچنے کی تلقین کی گئی۔ اِسی تربیت الٰہی اور تادیب خُداوندی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کا یہ مختصر سا لشکر قیصر وکسریٰ کی فوجوں کو روندتا ہوا لتاڑتا ہوا گزر گیا۔

(۴) اِس سورت میں مسلمانوں کو اپنے مقامِ بلند وفرضِ منصبی سے آگاہ کیا گیا ہے کہ تم خیر الامم ہو اور تمہاری خیرات وبرکات صرف اپنے لیے اور صرف اپنوں کے لیے ہی نہیں بلکہ سب کائنات کے لیے ساری نوعِ انسانی کے لیے ہیں۔ اور یہ منصب جتنا عظیم اور بلند ہے اُتنا ہی کٹھن اور دُشوار ہے۔ اِس لیے تمہیں باہمی اِتفاق ومحبت کی ضرورت ہے۔ تمہیں بہالے جانے کے لیے حسد وعناد کے طوفان اُمڈ اُمڈ کر آئیں گے۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے نہ پکڑے رکھا اور اخوتِ اسلامی کے جذبہ سے سرشار نہ رہے اور آپس میں سر پھٹول شروع کردی تو نہ صرف یہ کہ تم اپنے منصب رفیع کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہوسکو گے بلکہ تمہاری اپنی ناموس اور بقاء خطرہ میں پڑ جائے گی۔

(۵) معاشی ناہمواریاں قوم کی صفوں کو درہم برہم کردیتی ہیں۔ اور ان کی موجودگی میں کوئی پند وموعظت مؤثر ثابت نہیں ہوتی۔ اور ان کی ایک بہت بڑی وجہ سود خوری کا ظالمانہ نظام ہے۔ اِس لیے اس کی حرمت کو یہاں پھر دُہرایا گیا تاکہ ملّت ایسے عوامل سے بچی رہے جو اس کی صفوں میں اِنتشار اور ذِہنوں میں اِضطراب پیدا کرنے کا سبب بن سکتے ہیں۔

(۶) آخر میں ایک اور امر جس کی طرف قارئین کی توجہ مبذُول کرانا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو لوگوں نے خُدا کا بیٹا کہا ثالث ثلاثۃ (تین خداؤں سے ایک) کہا۔ اُن کی والدہ کو خُدا کی جورُو کہا۔ جو سراسر توحید وتنزیہہ باری کے خلاف ہے۔ قرآن جو توحید کا سب سے بڑا مبلغ اور داعی ہے۔ اُس نے ان کے اس باطل عقیدہ کی

تکذیب کی۔ اور اس کے بطلان کو آشکارا کر دیا۔ لیکن کس طرح؟ کیا حضرت مسیح کی تنقیص کر کے، کیا اُن کی شان گھٹا کر، کیا ان کے معجزات کا اِنکار کر کے، یا کیا اِحترام نبوت کو پس پُشت ڈال کر؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے تقدّس کا ذِکر فرمایا۔ ان کی خرقِ عادت پیدائش کو بیان کیا۔ ان کے محیر العقول معجزات کو بڑی شان سے پیش کیا کہ وہ باذنِ الٰہی مُردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا کرتے ہیں۔ لوگوں کے گھروں میں رکھی ہوئی چیزوں کو جانتے ہیں۔ اور جو کچھ وہ کہیں بیٹھ کر کھاتے ہیں انہیں ان کا علم ہے۔ غرضیکہ توحید کے اِثبات کے وقت بھی پیغمبر کے منصب رفیع کو گھٹایا نہیں۔ تو اَب وہ لوگ جو اپنے زعم باطل کے مطابق مُسلمانوں کو مُشرِک تصور کرتے ہوئے انہیں توحید کا درس دیتے وقت حضور فخر موجودات، مصدرِ کمالات، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رفیع میں بے باکیاں کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اَقدس واطہر کے کمالاتِ علمی اور عملی کو گھٹانا اپنے فن خطابت کی معراج خیال کرتے ہیں وہ خود سمجھ لیں کہ کیا وہ قرآن کا اِتباع کر رہے ہیں یا اس کے اسلوب سے سراسر انحراف کر رہے ہیں۔

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّرُكُوْعَاتُهَا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ آلِ عمران مدنی ہے اسکی آیتیں دو سو ۲۰۰ اور رکوع بیس ۲۰ ہیں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

الف لام میم ۱؎ اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے ۲؎ نازل فرمائی اس نے آپ پر یہ کتاب

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾

حق کے ساتھ ۳؎ تصدیق کرنے والی ہے ان (کتابوں) کی جو اس سے پہلے (اُتری) ہیں اور اُتاری اُس نے تورات اور انجیل

۱؎ یہ حُروفِ مقطعات ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ لَا يَعْرِفُهٗ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَّا الْاَوْلِيَاءُ (1) یعنی ان کا صحیح مفہوم حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد صرف اَولیائے اُمّت کو معلوم ہے۔ مزید تفصیل کے لیے سورۂ بقرہ کا حاشیہ نمبر 2 ملاحظہ ہو۔

۲؎ مفسرین نے فرمایا ہے کہ آلِ عمران کی پہلی اسی (80) سے کچھ زیادہ آیتیں اُس وقت نازل ہوئیں جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد اپنے عقائد کے متعلق حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بحث کر رہا تھا (2)۔ اِس لیے موقع کی مناسبت کے لحاظ سے اِس سورۂ پاک کا آغاز بیانِ توحید سے کیا گیا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود (عبادت کے لائق) نہیں۔ اور الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اس کی دلیل ہے۔ یعنی معبود تو وہ ہوسکتا ہے جو (الحی) ہمیشہ سے زندہ ہو اور ہمیشہ تک زندہ رہنے والا ہو جو القیوم ہو۔ یعنی ہر چیز اپنے وجود، بقا اور اپنی نشوونما میں اس کی محتاج ہو۔ اور یہ صفات اللہ ہی کی ذات میں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے صرف وہی معبود ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ اِن مختصر الفاظ سے ان کی تردید کر دی گئی کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں تو ان کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ عیسائیوں کی تردید کے ساتھ تمام مشرک قوموں کے عقیدہ کا بطلان بھی ہو گیا جو کسی مخلوق کو الٰہ بنائے ہوئے ہیں۔

۳؎ حق سے کیا مراد ہے۔ علّامہ قرطبی نے اس کا معنی الحجۃ الغالبۃ لکھا ہے (3)۔ یعنی اس کتاب میں ایسی دلیلیں پیش کی گئی ہیں جن کا کوئی جواب نہیں۔ لیکن حق کا جو مفہوم علّامہ راغب اصفہانی نے بیان کیا ہے وہ بہت جامع اور لطیف ہے۔ لکھتے ہیں۔ اَلْحَقُّ لِلْفِعْلِ وَالْقَوْلِ: اَلْوَاقِعُ بِحَسْبِ مَا يَجِبُ وَقَدْرِ مَا يَجِبُ وَفِي الْوَقْتِ الَّذِيْ يَجِبُ (مفردات) (4) یعنی کوئی قول اور فعل اس وقت حق کہلاتا ہے جب کہ وہ اِس طرح پایا جائے جیسے چاہیے۔ اِس اندازے سے پایا جائے جتنا مناسب اور موزوں ہو۔ اور اُس وقت پایا جائے جب کہ اس کی ضرورت ہو۔ قرآن کو بالحق کی صفت سے متصف کر کے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرما

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 100
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 2 تا 5
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 5
4۔ مفردات راغب، ص 246

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور اُتارا فرقان کو ۴ بے شک وُہ لوگ جنھوں نے

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو

کُفر کیا ۵ اللہ کی آیتوں کے ساتھ ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے

انْتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا

والا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پوشیدہ رہتی اس پر کوئی چیز ۶ زمین میں اور نہ

دیا کہ قرآن آیا اور ایسی آن بان سے آیا جو اس کی شایان شان تھی۔ ایسے دلائل و براہین سے مزین ہو کر آیا جن کو عقل سلیم ماننے پر مجبور تھی۔ اور عین اُس وقت آیا جب ہر طرف گھپ اندھیرا چھا چکا تھا۔ اور انسانیت کا کارواں دشت حیرت وضلالت میں بھٹک رہا تھا۔ اور اُس وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے آیا جب عقل انسانی اپنی طفولیت کی سرحد عبور کر کے فِکر ونظر کی وادی میں قدم رکھ چکی تھی۔ اور انسان کے حواس کو مرعوب کرنے والے معجزات سے کہیں زیادہ عقل وخرد کو مطمئن کرنے والی آیاتِ بینات کی ضرورت تھی۔ سبحان اللہ! کیا اعجاز ہے بِالْحَقِّ کے ایک لفظ میں معانی کا سمندر بند کر کے رکھ دیا ہے۔

۴ لفظ فرقان کا معنی صرف الگ الگ کرنا نہیں جو لفظ ''فرق'' کا مفہوم ہے۔ بلکہ حق اور باطل کو الگ الگ کرنے کو فرقان کہا جاتا ہے۔ یہاں اِس لفظ سے کون سی چیز مُراد ہے؟ علماء سے متعدد اقوال منقول ہیں۔ لیکن اِمام ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ ان کے نزدیک بہترین قول یہ ہے۔ اَلْفَصْلُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ (1) ''یعنی حق وباطل میں تمیز کرنے والی قوت کو فرقان کہا جاتا ہے''۔ اِمام رازی کے نزدیک وہ معجزات ہیں (2)۔ اور بعض متاخرین نے کہا ہے کہ اِس سے مُراد عقل ہے۔ کیونکہ اس سے بھی حق وباطل میں تمیز ہو سکتی ہے۔

پہلی آیت میں توحید کی دلیل تھی۔ اس میں نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِثبات ہے۔ اور رُوئے سخن نجران کے نصاریٰ کی طرف ہے کہ جب تم تورات واِنجیل کو کلامِ الٰہی مانتے ہو اور اپنے اِیمان کی دلیل یہ ٹھہراتے ہو کہ جن پر یہ کتب نازل ہوئیں وہ صاحب معجزات تھے جن کے باعث تم ان کی صداقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہو تو قرآن کو کیوں کلام اللہ یقین نہیں کرتے۔ حالانکہ جس ذاتِ پاک پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ اُس نے تو وہ معجزات دکھائے ہیں جن کی مثال ہی نہیں۔

۵ عقل سلیم کو مطمئن کرنے کے لیے دلائل پیش کیے۔ اب ہٹ دھرموں کو عذابِ الیم اور اِنتقامِ شدید کی دھمکی دی جا رہی ہے۔

۶ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُلوہیت کے بطلان کی ایک اور دلیل پیش کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جس کا علم اِتنا وسیع اور محیط ہے کہ کوئی چیز کسی وقت اس سے مخفی نہیں اور اس کا یہ علم ذاتی ہے۔ کسی کا دیا ہوا نہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کا علم نہ یوں محیط ہے اور نہ اُن کا علم ذاتی۔ بلکہ جتنا ہے وہ اللہ جل مجدہ کا عطا فرمایا ہوا ہے تو وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ (3)

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج3، ص111 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج4، جز7، ص175 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص7

فِي السَّمَآءِ ؕ ۝۵ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ

آسمان میں وُہی ہے جو تمھاری تصویریں بناتا ہے (ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

کوئی معبُود نہیں بغیر اس کے (وُہی) غالب ہے حکمت والا ہے وُہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں ؎ وُہی کتاب کی اصل ہیں اور دُوسری آیتیں متشابہ ہیں

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ

پس وُہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے سو وُہ پیروی کرتے ہیں (صرف) ان آیتوں کی جو متشابہ ہیں قرآن

ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا

سے (ان کا مقصد) فتنہ انگیزی اور (غلط) معنی کی تلاش ہے اور نہیں جانتا ؎۸ اس کے صحیح معنی کو بغیر

؎ محکم کی تعریف امام راغب نے یہ کی ہے۔ فَالْمُحْكَمُ مَالَا يَعْرِضُ فِيْهِ شُبْهَةٌ مِّنْ حَيْثُ اللَّفْظُ وَلَا مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى (مفردات)(1) محکم آیت وہ ہے جس کا مفہوم واضح اور بیّن ہو اس کے لفظ یا معنی کے اِعتبار سے اس پر کسی قسم کا شبہ نہ وارد ہو سکتا ہو اور اَلْمُتَشَابِهُ مَا اُشْكِلَ تَفْسِيْرُهٗ اِمَّا مِنْ حَيْثُ اللَّفْظُ اَوْ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى(2) یعنی جس کا معنی اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل ہو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ قرآن کی بعض آیات بالکل واضح اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ اور یہی ساری کتاب کی اصل اور مرجع ہیں۔ اور بعض آیتیں ایسی ہیں جن کا مفہوم واضح نہیں ہوتا اور ان میں مختلف تاویلات کی گنجائش ہوتی ہے۔ جن کے دل حق سے منحرف ہوتے ہیں وہ دوسرے سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے آیات متشابہات کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جو محکم آیات کے منافی ہوتی ہیں۔ اور اس طرح ان کے دلوں میں قرآن واسلام کے متعلق طرح طرح کے شکوک اور وسوسے پیدا کر کے انہیں اپنے دین سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ متشابہات کی تاویل کرتے وقت محکم آیات کی پیروی کی جاتی اور ان کی روشنی میں ان کا مفہوم بتایا جاتا۔ لیکن کیونکہ نیت فاسد ہوتی ہے اس لیے وہ راہ راست کو چھوڑ کر پیچ در پیچ راہ اختیار کرتے ہیں۔

؎۸ بعض علماء نے وَالرّٰسِخُوْنَ کا عطف اللہ پر کیا ہے۔ اس قول کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کی حقیقی غرض اللہ تعالیٰ اور

1۔ مفردات راغب، ص 251 2۔ ایضاً، ص 443

وقف لازم
وقف منزل

اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ

اللہ تعالٰی کے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے سب ہمارے رب کے

رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ

پاس سے ہے اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقل مند اے ہمارے رب! نہ ٹیڑھے کر ہمارے دل بعد اس کے

اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸

کہ تو نے ہدایت دی ہمیں اور عطا فرما ہمیں اپنے پاس سے رحمت بے شک تو ہی سب کچھ بہت زیادہ دینے والا ہے

علمائے راسخین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔لیکن دوسرے عُلماء نے اِلَّا اللّٰہُ پر وقف کیا ہے اور وَالرّٰسِخُوْنَ الخ کو مستقل جملہ قرار دیا ہے۔ان کے قول کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کا علم صرف اللہ تعالٰی کو ہے۔اور علمائے راسخین نہ جاننے کے باوجود اِن آیات کی حقّانیت اور منزل من اللہ ہونے پر اِیمان رکھتے ہیں۔اب یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ کیا قرآنِ کریم میں ایسی آیات بھی ہیں جن کا مفہوم کسی کو معلوم نہیں۔اگر ایسا ہے تو پھر ان کے نازل کرنے کا کیا فائدہ جب ان کو کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ان سے ہدایت نہیں حاصل کی جاسکتی۔مفسرین نے اِس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ جو عُلماء اِلَّا اللّٰہُ پر وقف کرتے ہیں وہ متشابہات کا عام معنی مُراد نہیں لیتے بلکہ ان کے نزدیک متشابہات سے مُراد وہ اُمور ہیں۔مَا اسْتَاْثَرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِعِلْمِہٖ کَقِیَامِ السَّاعَۃِ وَالْحُرُوْفِ الْمُقَطَّعَۃِ فِیْ اَوَائِلِ السُّوَرِ (1)۔جن کا علم اللہ تعالٰی نے اپنے لیے خاص کیا ہوا ہے جیسے قیامت کا وقت، سورتوں سے پہلے حروفِ مقطعات وغیرہ۔اب یہاں یہ چیز کھٹکتی ہے کہ کیا ان اُمور کا علم اللہ تعالٰی نے کسی کو بھی نہیں بتایا۔تو اِس کا نہایت واضح جواب علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے دیا ہے۔فرماتے ہیں: لَعَلَّ الْقَائِلَ بِکَوْنِ الْمُتَشَابِہِ مِمَّا اسْتَاْثَرَ اللّٰہُ بِعِلْمِہٖ لَا یَمْنَعُ تَعْلِیْمَہٗ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ بِوَاسِطَۃِ الْوَحْیِ مَثَلًا وَّلَا اِلْقَاءَہٗ فِیْ رَوْعِ الْوَلِیِّ الْکَامِلِ مُفَصَّلًا لٰکِنْ لَّا یَصِلُ اِلٰی دَرَجَۃِ الْاِحَاطَۃِ کَعِلْمِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ وَمَنْعُ ھٰذَا وَذَاکَ مِمَّا لَا یَکَادُ یَقُوْلُ بِہٖ مَنْ یَّعْرِفُ رُتْبَۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَرُتْبَۃَ اَوْلِیَاءِ اُمَّتِہِ الْکَامِلِیْنَ وَاِنَّمَا الْمَنْعُ مِنَ الْاِحَاطَۃِ وَمِنْ مَّعْرِفَتِہٖ عَلٰی سَبِیْلِ النَّظَرِ وَالْفِکْرِ الخ (روح المعانی)(2) یعنی جن علماء کے نزدیک متشابہات سے مُراد وہ اُمور ہیں جن کا علم اللہ تعالٰی نے اپنے لیے مختص فرمایا ہے۔وہ علماء بھی اِس بات کا اِنکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالٰی نے ان اُمور کا علم بذریعہ وحی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیا، یا اولیائے کاملین کے قلوب میں اِلقاء فرمایا ہے۔کیونکہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقامِ رفیع اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امّت کے اولیائے کاملین کے مرتبہ کو پہچانتا ہے وہ اِس کا اِنکار نہیں کرسکتا۔نفی علم محیط کی ہے اور اس علم کی جو انسان اپنی عقل وفکر سے حاصل کرتا ہے۔نہ اُس علم کی جو اللہ نے اپنے

1۔تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج1، ص269 2۔روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج3، ص87

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ

اے ہمارے پروردگار! بے شک تُو جمع کرنے والا ہے سب لوگوں کو اُس دن کے لیے نہیں کوئی شبہ جس (کے آنے) میں بے شک اللہ تعالےٰ

الْمِيْعَادَ ۝٩ ع اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ ع ۱ ۹

نہیں پھرتا اپنے وعدے سے بے شک وہ لوگ ۹ جنھوں نے کفر اختیار کیا نہ بچا سکیں گے انھیں اُن کے مال اور

لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝١٠ لا

نہ اُن کی اَولاد اللہ (کے عذاب) سے کچھ بھی اور وُہی (بدبخت) ایندھن ہیں آگ کا

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

(اُن کا طریقہ) مثل طریقہ آلِ فرعون کے اور اُن لوگوں کے تھا جو اُن سے پہلے تھے اُنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝١١ قُلْ

پس پکڑ لیا انھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ۱۰ اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (اے میرے رسول!) فرما دو

نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ الہام عطا فرماتا ہے۔

۹ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مال اور اَولاد کی کثرت انسان میں ایک قسم کا غرور اور خودسری پیدا کر دیتی ہے جو اُسے اس اَمر کی اِجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے اِختیار کردہ باطل عقائد کو ترک کر کے حق وصداقت کی دعوت کو قبول کرے۔ اِس آیت میں ایسے لوگوں کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ مال و دولت اور اہل وعیال انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکتے۔ اور اگلی آیت میں مثال دے کر واضح کیا گیا کہ ذرا فرعون اور فرعونیوں کی جاہ وحشمت پر نگاہ ڈالو۔ جب اللہ کا عذاب آیا تو کوئی چیز انہیں بچا نہ سکی۔ اگر فرعون جیسا زبردست فرماں روا قہر خداوندی کی تاب نہ لا سکا تو تمہاری کیا حقیقت ہے۔

۱۰ اس حقیقت کو قرآن بار بار واضح کرتا ہے کہ کسی قوم پر غضب الٰہی بلاوجہ نازل نہیں ہوتا بلکہ ان کی تباہی اور بربادی ان کے اعمالِ بد کا طبعی نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ جو قوم اپنے اعمال اور کردار سے اپنے آپ کو عزت وعظمت کا مستحق ثابت نہیں کر سکتی اسے اس نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ

اُن لوگوں کو جنھوں نے کُفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنّم کی طرف ۱۱ اور وُہ بہت بُرا

الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ

ٹھکانا ہے بے شک تھا تمھارے لیے (عبرت کا) نشان ۱۲ (ان) دو گروہوں میں جو ملے تھے (میدانِ بدر میں) ایک گروہ

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ

لڑتا تھا اللہ کی راہ میں ۱۳ اور دُوسرا کافر تھا دیکھ رہے تھے (مُسلمان) اُنھیں اپنے سے دوچند (اپنی) آنکھوں سے ۱۴

۱۱ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بدر میں فتح یاب ہونے کے بعد یہود کو دعوتِ اِسلام دی اور انہیں فرمایا کہ اگر تم اسلام نہ لائے تو تمہارا انجام بھی قریش مکّہ کی طرح ہوگا۔ اِس پر یہود غصّہ سے لال پیلے ہو کر کہنے لگے کہ آپ نے چند ناتجربہ کار لوگوں کو شکست دی ہے۔ اگر ہم سے ٹکّر لی تو پتہ چلے گا کہ جنگجو ایسے ہوتے ہیں (1)۔ ان کی اِس گستاخانہ گفتگو کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ وہ یہود کی شکست اور رُسوائی کا اعلان فرما دیں۔

۱۲ یہاں جنگ بدر کا ذِکر ہے۔ جس میں مسلمانوں کی تعداد 313 تھی۔ جن میں صرف چھ زرہ پوش تھے۔ ساز و سامان کا یہ عالم تھا کہ ساری فوج میں دو گھوڑے، ستر اُونٹ اور آٹھ تلواریں تھیں۔ اُن کے مقابلہ میں کفار کا لشکر 950 افراد پر مشتمل تھا جو ہر طرح کے اسلحہ سے پوری طرح مسلّح تھا۔ سواری کے لیے اُن کے پاس سو گھوڑے اور سات سو اُونٹ تھے۔ اور رسد کا یہ حال تھا کہ ہر روز اونٹ ذبح ہو رہے تھے۔ اِتنی کثیر التعداد فوج کا اتنی قلیل اور غیر مسلّح فوج سے شکست کھانا اللہ تعالیٰ کی قُدرت کی کھلی نشانی ہے (2)۔

۱۳ یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ دو گروہوں کا ذِکر کیا جا رہا ہے۔ لیکن جب یہ بتانے کا وقت آیا کہ وہ دو گروہ کون کون تھے تو پہلے گروہ کا تعارف اِن الفاظ سے کرایا۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور دوسرے گروہ کا وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ سے۔ یہ اسلوبِ بیان کیوں اِختیار کیا اور یوں کیوں نہ فرمایا کہ فِئَةٌ مُّسْلِمَةٌ وَّاُخْرٰى كَافِرَةٌ کہ ایک گروہ مسلمان تھا اور دوسرا کافر۔ میرے خیال میں تو غُلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کمال للّٰہیت اور خلوص کا ذِکر مقصود ہے کہ ان کی جنگ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھی۔ اور اس سے اِنفرادی یا اپنی جماعتی یا قومی برتری مقصود نہ تھی۔

۱۴ کون کس کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا؟ اِس میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ لیکن علّامہ ابن جریر نے اِسی قول کو پسند کیا ہے کہ يَرَوْنَ کا فاعل مُسلمان ہیں اور هُمْ ضمیر کا مرجع کفّار ہیں۔ یعنی مُسلمان کفّار کو اپنے سے دوگنا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے (3)۔ لیکن پھر بھی وہ ثابت قدم رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے کفّار کو شکست فاش دی۔ جس میں ان کے ستر سردار مارے گئے۔ جن میں ابوجہل بھی تھا اور ستر قیدی بنائے گئے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیرِ آیت ہذا، جز 4، ص 24 2۔ تفسیر کبیر، زیرِ آیت ہذا، ج 4، جز 7، ص 205 3۔ تفسیر طبری، زیرِ آیت ہذا، ج 3، ص 130

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي

اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے ۱۵ یقیناً اِس واقعہ (بدر) میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ

الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ

والوں کے لیے آراستہ کی گئی لوگوں کے لیے ۱۶ ان خواہشوں کی محبّت یعنی عورتیں اور بیٹے

وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ

اور خزانے جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے

وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ

اور چوپائے اور کھیتی یہ سب کچھ سامان ہے دُنیوی زندگی کا اور اللہ ہے جس کے

حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا

پاس اچھا ٹھکانا ہے (اے میرے رسول!) آپ فرمائیے کیا بتاؤں میں تمھیں اس سے بہتر چیز ان کے لیے جو متقی بنے

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ

ان کے رب کے ہاں باغات ہیں رواں ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے (متقی) ان میں اور (ان کے لیے)

۱۵ یعنی فتح و کامیابی فوج کی تعداد اور ساز و سامان کی کثرت پر موقوف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر موقوف ہے۔

۱۶ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے انسان کے دل میں ان اشیاء کے ساتھ طبعی لگاؤ اور رغبت پیدا فرما دی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شادی کی تلخ ذمہ داریوں کو کون اٹھاتا۔ ناتوان اولاد کے لیے کون لمبی راتیں جاگ کر گزارتا۔ اور ان کی پرورش کے لیے اپنی راحت و آسائش کو ترک کرتا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو نسل انسانی کی بقا کیسے ممکن ہوتی۔ اسی طرح سونے، چاندی، عمدہ گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتی باڑی کے ساتھ میلانِ طبع نہ ہوتا تو دنیا کی ساری رونقیں ختم ہو کر رہ جاتیں۔ لیکن یہ سب کچھ اس لیے نہیں کہ انسان ان کے پیچھے رات دن بھاگتا رہے اور ان کی چاہت میں یوں گُم ہو جائے کہ اپنے مولا تبارک و تعالیٰ کو ہی بھول جائے بلکہ یہ تو چند روزہ زندگی کا سامان ہے۔ ان کو استعمال کرو لیکن اپنے مالک سے غافل نہ ہو جاؤ۔

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ ج

پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور حاصل ہوگی انہیں خوشنودی اللہ کی ۱۷ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! یقیناً ہم ایمان لائے تو معاف فرما دے ہمارے لیے ہمارے گناہ اور بچا لے ہمیں آگ

النَّارِ ﴿۱۶﴾ ج اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَ

کے عذاب سے (یہ مصیبتوں میں) صبر کرنے والے ہیں ۱۸ اور (ہر حالت میں) سچ بولنے والے ہیں اور (عبادت میں) عاجزی کرنے والے ہیں اور (اللہ

الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لا

کی راہ میں) خرچ کرنے والے ہیں اور (اپنے گناہوں کی) معافی مانگنے والے ہیں سحری کے وقت شہادت دی اللہ تعالیٰ نے (اس بات کی کہ) بیشک نہیں کوئی خدا سوائے اس کے ۱۹

۱۷ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی انعام ہے جس کی انسان آرزو بھی کر سکے۔ حقیقت شناس دلوں کیلئے یہی حاصل زیست ہے۔ یہی مدعائے حیات ہے۔ انسانی ارتقاء کا یہی وہ بلند ترین مقام ہے جس سے بلند تر کسی اور چیز کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا (1)۔

۱۸ متقی لوگ جن کے لیے جنت اپنی تمام زیب و زینت اور دل آویزیوں کے ساتھ چشم براہ ہے۔ جن پر رضائے الٰہی سایہ فگن ہے۔ ان کے چند اوصاف کا ذِکر ہو رہا ہے تا کہ تقویٰ کا قرآنی مفہوم واضح ہو جائے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ان پر یہ انعام و اکرام بلا وجہ نہیں۔

۱۹ دُنیا کی سب سے بڑی اور اہم شہادت توحید کی شہادت ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی وحدانیت کا سب سے بڑا گواہ ہے۔ اُس کے علاوہ اس کی معصوم مخلوق فرشتے اور اہل علم اس واضح سچائی کے گواہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اپنی توحید پر شہادت کے متعلق علّامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔ بَيَّنَ وَحْدَانِيَّتَهٗ بِنَصْبِ الدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلَيْهَا وَاِنْزَالِ الْاٰيَاتِ النَّاطِقَةِ بِهَا (2)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کائنات کی کتاب کے ہر صفحہ پر اپنی توحید کے ایسے روشن اور اٹل دلائل ثبت فرما دیئے ہیں جن سے کوئی صاحب عقل سلیم اِنکار نہیں کر سکتا۔ اور اس کے علاوہ اس نے اپنی کتابوں میں توحید کے مسئلہ کو یوں مدلل بیان فرمایا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ قرآنِ کریم ہر مناسب موقع پر علم کی عظمت اور اہل علم کی شان بیان کر کے اپنے ماننے والوں کو علم حاصل کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔ یہاں بھی توحید کے گواہوں میں اہل علم کا شمار کر کے ان کی عزت افزائی فرما دی (3)۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 38 (ماخوذ) 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 69 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 41

وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ

اور (یہی گواہی دی) فرشتوں نے اور اہل علم نے (ان سب نے یہ بھی گواہی دی کہ وہ) قائم فرمانے والا ہے عدل و انصاف کو نہیں کوئی معبود سوائے اس کے (جو) عزت والا

الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ

حکمت والا ہے بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے ۲۱ اور نہیں جھگڑا کیا ۲۲ جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ

دی گئی تھی کتاب مگر بعد اس کے کہ آگیا تھا اُن کے پاس صحیح علم (اور یہ جھگڑا) باہمی حسد کی وجہ سے تھا

۲۰ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ کی ایک ترکیب یہ ہے کہ یہ حال ہے لفظ اللہ ذوالحال۔ اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں هُوَ ضمیر اس کا ذوالحال ہے اور یہ حال معنیً اس کی صفت ہے۔ اس صورت میں یہ مشہود بہ میں داخل ہوگا۔ یعنی ان سب گواہوں نے اس کی وحدانیت کی بھی گواہی دی اور اس کے ساتھ اس کے عدل و انصاف کی بھی شہادت دی۔ (بیضاوی)(1) ترجمہ اسی دوسری ترکیب کے مطابق کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عدل و اِنصاف کسی ایک چیز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کائنات کی تخلیق، فطرت کے قواعد کلیہ، عقائد اور شریعت کے قوانین غرضیکہ ہر وہ چیز جس کو اس سے نسبت ہے وہ اُس کے عدل و اِنصاف کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

۲۱ علامہ ابن کثیر نے اِسلام کے مفہوم کو بڑے آسان اور واضح الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے هُوَ اِتِّبَاعُ الرُّسُلِ فِيْمَا بَعَثَهُمُ اللّٰهُ بِهٖ فِيْ كُلِّ حِيْنٍ حَتّٰى خُتِمُوْا بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ الَّذِيْ سُدَّ جَمِيْعُ الطُّرُقِ اِلَيْهِ اِلَّا مِنْ جِهَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (2) ہر زمانہ کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس کی اطاعت و اِتباع کو اسلام کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو اسلام نام ہو گیا اتباعِ محمدی کا۔ اُس ذاتِ اقدس کو چھوڑ کر کوئی شخص اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو وہ گمراہی کا راستہ ہوگا۔ اِس آیت سے تاریخ ادیان کے طالب علم کے لیے قرآن نے ایک بڑی اُلجھی ہوئی گرہ کھول دی۔ اس نے بتا دیا کہ مختلف انبیاء مختلف زمانوں میں الگ الگ دین لے کر نہیں آئے بلکہ سب نے اپنے اپنے وقت میں ایک ہی دین کی دعوت دی اور ایک ہی دین کی تبلیغ کی۔ کیونکہ وہ سب حق کے پیغامبر تھے۔ حق کی طرف بلانے والے تھے، حق کے ساتھ مبعوث کیے گئے تھے اور حق ایک ہی ہے۔ اس لیے سب ایک ہی دین کے مبلّغ بن کر آئے تھے۔ اب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی دین کے داعی بن کر آئے ہیں۔ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے اس لیے اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہی دین اسلام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کو چھوڑ کر جو شخص بھی کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں ہوگا (3)۔

۲۲ اب یہاں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دین ایک ہی ہے تو دین کے نام پر یہ جو اَن گنت فرقے نمودار ہو گئے ہیں۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا 2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 354 3۔ ایضاً

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ

اور جو اِنکار کرتا ہے اللہ کی آیتوں کا تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے پھر اگر (اب بھی)

حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ

جھگڑا کریں آپ سے تو آپ ۲۳ کہہ دیجئے کہ میں نے جھکا دیا ہے اپنا سر اللہ کے سامنے اور جنھوں نے میری پیروی کی اور کہیئے

لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ

اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور اَن پڑھوں سے کہ کیا تم اِسلام لائے پس اگر وُہ اِسلام لے آئیں جب تو

ع ۲ ۱۱ ۱ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

ہدایت پا گئے ۲۴ اور اگر منہ پھیر لیں تو اتنا ہی آپ کے ذمہ تھا کہ آپ پیغام پہنچا دیں (جو آپ نے پہنچا دیا) اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو

اور ان کے باہمی اِختلاف کی آگ بارہا خرمن امن کو جلا کر خاکستر بنا چکی ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ اِس آیت میں اِسی سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ اِختلاف کسی نیک نیتی یا غلط فہمی پر مبنی نہیں بلکہ اس کی وجہ حسد و عناد ہے۔ (اِس کی تفصیل پہلے سورۂ بقرہ کی آیت 213 میں گزر چکی ہے)

۲۳ اگر حق سمجھ لینے کے بعد حسد کی وجہ سے وہ حق کا اِنکار کریں اور آپ سے جھگڑیں تو ایسے لوگوں سے لفظی بحث میں اُلجھ کر آپ اپنا قیمتی وقت کیوں ضائع کریں۔ بلکہ ان کی پسند اور ناپسند سے بے نیاز ہو کر اپنے اور اپنے غلاموں کے محکم عقیدہ کا کھلے الفاظ میں اعلان کر دیں۔ اس کا ان پر نفسیاتی اثر پڑے گا۔ کیونکہ جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے ہزاروں حیلے اور لاکھوں فریب بے اثر ثابت ہو گئے ہیں اور ان کے باوجود حق کے پرستاروں کے پاؤں نہیں ڈگمگائے۔ بلکہ ان کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے تو ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور اِسلام کی مخالفت میں ان کی گرم جوشی سرد پڑ جائے گی۔

۲۴ یہاں ایک اور اعلان کا حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ ان پر یہ بھی واضح کر دیں کہ ہم تم کو اِسلام کی جو بار بار دعوت دے رہے ہیں اس کی یہ وجہ نہیں کہ ہم تمہاری سنگت سے اپنی تقویت کا قصد کر رہے ہیں۔ اور در پردہ اپنی مصلحت کے لیے کوشاں ہیں بلکہ اسلام کی دعوت قبول کر لینے میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اور اگر ضد پر اڑے رہے اور اس کو قبول نہ کیا تو تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے بلکہ اپنی دنیا و آخرت کا ستیاناس کر دو گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ

بے شک جو لوگ اِنکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اَور قتل کرتے ہیں انبیاء کو ناحق ۲۵ے

وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ

اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں عدل و اِنصاف کا لوگوں میں سے تو خوشخبری دو انھیں

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

دردناک عذاب کی یہ ہیں وُہ (بدنصیب) اکارت گئے جن کے اعمال دُنیا میں

وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا

اَور آخرت میں اَور نہیں ہے ان کے لیے کوئی مددگار کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنھیں دیا گیا

نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

کچھ حصّہ کتاب کا (جب) بُلائے جاتے ہیں کتابِ الٰہی کی طرف تاکہ تصفیہ کر دے ان کے باہمی جھگڑوں کا تو

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ

پیٹھ پھیر لیتا ہے ایک گروہ ان میں سے درآنحالیکہ وُہ رُوگردانی کرنے والے ہوتے ہیں اس (بیباکی) کی وجہ یہ تھی کہ وُہ کہتے تھے کہ بالکل نہ

تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا

چھُوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ مگر چند دِن گِنے ہُوئے اَور فریب میں مبتلا رکھا اُنھیں ان کے دین کے معاملہ میں ان باتوں نے جو وُہ

۲۵ے آیات 20 تا 25 میں یہود کی بدعنوانیوں، سرکشیوں اور حق سے دانستہ اِنکار اور اہل حق پر ظلم و ستم توڑنے، ان کو بے رحمی سے قتل کر دینے کی دیرینہ عادت کا ذِکر کیا جا رہا ہے۔ اور اس پر انہیں قیامت کے دن کی سختیوں کی یاد دلا کر تنبیہ کی جا رہی ہے تاکہ وہ اپنی اِس روش سے باز آ جائیں۔ نیز ان کی اس غلط فہمی کا رد بھی کر دیا جس میں وہ بُری طرح مبتلا تھے کہ وہ خواہ کچھ بھی کرتے رہیں۔ ان کو یا تو عذاب ہوگا ہی نہیں اور اگر ہوا بھی تو گنتی کے چند روز۔ انہیں واضح طور پر بتا دیا کہ یہ تمہاری من گھڑت باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ تم سے تمہاری ہر بدکاری کی سخت باز پرس ہوگی اور تمہیں تمہاری کارستانیوں کی پوری سزا

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۫ وَوُفِّيَتْ

خود گھڑا کرتے تھے سو کیا حال ہوگا (اُن کا) جب ہم جمع کریں گے انھیں اُس روز جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور پُورا پُورا

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ

بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اُس نے کمایا اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا (اے حبیب ﷺ! یُوں) عرض کرو اے اللہ! اے مالک

الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۚ وَ

سب مُلکوں کے! تو بخش دیتا ہے مُلک جسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے مُلک جس سے چاہتا ہے اور

تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ

عزّت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہے ساری بھلائی بے شک تو ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ

قادر ہے تو داخل کرتا ہے رات (کا حصّہ) دن میں اور داخل کرتا ہے تو دن (کا حصّہ) رات میں

دی جائے گی۔ تقریباً یہی مضمون پہلے سورۂ بقرہ (حاشیہ نمبر 81) میں گزر چکا ہے۔

۲۶ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے ساری اُمّت کو ایسے پاکیزہ کلمات کی تعلیم دے رہا ہے جس میں نہایت موثر اور دلکش اسلوب میں اس کی توحید اور اس کی عظیم قدرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ حکومت دینے والا بھی وہی ہے اور چھیننے والا بھی وُہی۔ وُہی جس کو چاہتا ہے دین و دنیا کی عزّتوں سے سرفراز کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے خوار و ذلیل کر دیتا ہے۔ کسی فرد یا قوم کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ حکومت اور عزت کو اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگے۔ اور اِس فریب میں مبتلا رہے کہ اُس کے اعمال کتنے سیاہ کیوں نہ ہوں اس کا کردار کتنا پست اور اُس کی سیرت کتنی داغ دار کیوں نہ ہو نہ اس سے حکومت چھینی جا سکتی ہے اور نہ اُسے عزت سے محروم کیا جا سکتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ سب کچھ اُس مالکِ حقیقی کے دستِ قُدرت میں ہے۔ وہ ربِّ قدیر جس کی شانِ صمدیت و قدوسیت اور جس کی صفت علم و حکمت کے ساتھ رحمت و عدل کی ساری قدریں قائم اور باقی ہیں۔ اُس کی سنت یہ ہے کہ وہ جب کسی فرد یا قوم میں رحمت و عدل کے تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت دیکھتا ہے تو اُسے حکومت و عزت سے سرفراز فرما دیتا ہے اور جو فرد یا قوم اپنے عمل سے اپنے آپ کو اِس نعمت کا نااہل ثابت کر دیتی ہے تو اسے ذِلّت و خواری کے گڑھے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اِس آیت میں بنی اِسرائیل کی لاف زنیوں کا رد بھی کر دیا گیا۔ اور یہ بھی صاف صاف بتا دیا گیا کہ ان کی مسلسل نافرمانیوں کے باعث عزت و کرامت کا

وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ

اَور نکالتا ہے تُو زندہ کو مُردہ سے اَور نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے اَور رزق دیتا ہے

تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ

جسے چاہتا ہے بے حساب ۲۷ے نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ

مومنوں کو چھوڑ کر ۲۸ے اَور جس نے کیا یہ کام پس نہ رہا (اس کا) اللہ سے کوئی

تاج ان سے چھین کر اب عرب کے بادیہ نشینوں کے سر پر رکھ دیا جائے گا۔ جنہوں نے سچے دل سے اِسلام کی تعلیمات کو قبول کر لیا ہے۔

۲۷ے اِس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قُدرتِ کاملہ کے دو اور ثبوت بیان فرمائے گئے ہیں۔ اِن آیات کے ضمن میں علّامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ نمازِ جمعہ میں شریک نہ ہو سکا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وجہ دریافت فرمائی تو میں نے گزارش کی کہ میں نے یوحنا بن باریا یہودی کا کچھ قرض دینا تھا وہ میرے دروازہ پر تاڑ لگائے بیٹھا تھا کہ میں باہر نکلوں اور وہ مجھے اپنی حراست میں لے لے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خِدمت میں حاضر ہونے سے روک دے۔ اس لیے میں باہر نہ نکل سکا۔ اور نمازِ جمعہ کی شرکت سے محروم رہا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا قرض ادا فرما دے۔ میں نے عرض کی۔ ہاں یا رسول اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر روز یہ پڑھا کرو۔ **قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا تُعْطِيْ مِنْهُمَا مَنْ تَشَآءُ وَتَمْنَعُ مِنْهُمَا مَنْ تَشَآءُ اِقْضِ عَنِّيْ دَيْنِيْ** (1)۔ اگر تجھ پر زمین کے برابر سونا قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ ادا فرما دے گا۔ (خرجہ ابونعیم الحافظ)

۲۸ے یہ آیت وہ ستون ہے جس پر اسلامی حکومت کی خارجہ پالیسی کا دارومدار ہے۔ اپنی اس اہمیت کے پیشِ نظر یہ بہت غور و تدبر کی مستحق ہے۔ تاکہ ہم اس اہم حکم کی تعمیل میں اِسے صحیح نہ سمجھنے کے باعث کسی غلطی کا شکار نہ ہو جائیں۔ اِس سلسلہ میں سب سے پہلے لفظ ''اولیاء'' کا مفہوم ذہن نشین کرنا چاہیے۔ ''اولیاء'' جمع ہے ولی کی اور ولی مشتق ہے وِلایۃ یا وَلایۃ سے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ اَلْوِلَایَۃُ النُّصْرَۃُ وَالْوَلَایَۃُ تَوَلِّی الْاَمْرِ وَقِیْلَ الْوِلَایَۃُ وَالْوَلَایَۃُ وَاحِدَۃٌ (2)۔ یعنی وِلایۃ (جب کہ واؤ کے نیچے زیر ہو) کا معنی مدد کرنا ہے۔ اور وَلایۃ (جب کہ واؤ کے اُوپر زبر ہو) کا معنی کسی کام کا ذمہ دار اور انچارج بننا ہے اور بعض علمائے لغت کے نزدیک دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ ذرا اور سنیے۔ علامہ قرطبی نے اِس آیت کی تفسیر اِسی سورت کی آیت نمبر 118 سے کی ہے۔ **لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ** (3)۔ اور اِس آیت کا انہوں نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ **يُفَاوِضُوْنَهُمْ فِي الْآرَاءِ وَيُسْنِدُوْنَ اِلَيْهِمْ اُمُوْرَهُمْ** (4) کہ اپنے اہم اُمور کے

1۔ حلیۃ الاولیاء، ابونعیم، ج5، ص204، تذکرہ عطار بن میسرہ خراسانی، مجلدات 10، دارالکتاب العربی، بیروت 1405ھ۔ تفسیر قرطبی، زیرِ آیت ہذا، جز4، ص52۔ معجم کبیر از طبرانی، ج20، ص60-159 2۔ مفردات راغب، ص885 3۔ آل عمران:118 4۔ تفسیر قرطبی، زیرِ آیت ہذا، جز4، ص178

شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ

تعلّق مگر اِس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ ۲۹ اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے (یعنی غضب سے) اور

متعلق انہیں کفّار سے مشورہ کیا جائے اور اپنے تمام کام انہیں کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ کفار کے ساتھ ایسے دوستانہ مراسم کہ انہیں اپنے سیاہ وسپید کا مالک بنا دیا جائے اور ہر بات میں انہیں کے مشورہ پر اعتماد کیا جائے، اِسے قرآنِ حکیم نے قطعاً ممنوع قرار دے دیا ہے۔ ایسا رویّہ اِختیار کرنا کسی آزاد قوم اور آزاد حکومت کے شایانِ شان نہیں بلکہ حقیقت میں ذہنی غلامی کا یہ دوسرا نام ہے جسے غیرتِ اِسلام برداشت نہیں کر سکتی۔ نیز اگر ایک اسلامی مملکت دوسری اِسلامی مملکت کے خلاف کسی غیر مُسلم حکومت کی اِمداد کرنے لگے تو کیا ملّی وحدت کا جنازہ نہ نکل جائے گا؟ اگر ہم اپنے ایک مُسلمان بھائی کے خلاف کسی کافر کی اعانت کر کے اُسے شکست دے دیتے ہیں تو حقیقت میں ہم اپنے آپ کو کمزور کر رہے ہیں اور اپنے دُشمن کی تقویت کا باعث بن رہے ہیں۔ جو آج تو اپنے اغراض ومقاصد کے پیشِ نظر ہماری خوشامد بھی کر رہا ہے اور طرح طرح کے سبز باغ بھی دِکھا رہا ہے۔ لیکن کل جب اس کی اغراض ہمارے مفاد سے ٹکرائیں گی تو وہ ہمارا قلع قمع کرنے میں دریغ نہیں کرے گا اور اُس وقت اُسے یاد بھی نہ رہے گا کہ ہم اُس کے وہ مخلص دوست ہیں جنہوں نے اس کی خاطر اپنے دینی بھائیوں کا خون بہانے میں ذرا تامل نہ کیا تھا۔ جو لوگ اُندلس کے زوال اور بربادی کی خونچکاں داستان سے واقف ہیں یا جنہوں نے سلطنت مغلیہ کے اِنحطاط کے دور میں بنگال اور جنوبی ہند کے مسلمان نوابوں کی غلط کاریوں کا جائزہ لیا ہے انہیں قدم قدم پر قرآنِ حکیم کے اِس حکم کی اہمیت اور صداقت کے واضح ثبوت ملیں گے۔ تفسیر المنار کی یہ عبارت بہت جامع ہے۔ فَالْمَمْنُوْعُ مِنْهَا مَا یَكُوْنُ فِیْهِ خِذْلَانٌ لِّدِیْنِكَ وَاِیْذَاءٌ لِّاَهْلِهٖ اَوْ اِضَاعَةٌ لِّمَصَالِحِهِمْ (1) یعنی کفار کے ساتھ ایسی دوستی ممنوع ہے جس سے تیرے دین کی رُسوائی ہو، یا تیرے دینی بھائیوں کو اذیت پہنچے یا اُن کے وقار اور مفاد کو نقصان پہنچے۔

لیکن غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ تجارت کرنا یا عام اِنسانی فلاح وبہبود کے کاموں میں اُن کے ساتھ تعاون کرنا، عالمی امن و سلامتی کی بقا کے لیے مل کر کوشش کرنا یا ایک مشترکہ دشمن کے مقابلہ کے لیے ان کے ساتھ فوجی پیکٹ کرنا یا عام میل جول اور معاشرت میں غیر مُسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک اور خندہ پیشانی سے پیش آنا قطعاً ممنوع نہیں (2)۔ اِس کا ثبوت قرآنِ حکیم کی متعدد آیتوں اور اُسوۂ حسنہ سے ملتا ہے۔ جس کا ذِکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

۲۹ یعنی اگر مُسلمان کفّار کے نرغہ میں آجائے اور اُسے اپنے قتل ہو جانے، مال چھن جانے اور ناموس لٹ جانے کا قوی اندیشہ ہو تو اِس بے بسی کے عالم میں اِسلام نے اُسے اِجازت دی ہے کہ وہ ایسی بات کہہ لے جس سے وہ کفّار کے شر سے محفوظ رہے۔ لیکن علمائے اہل سنّت نے تصریح کی ہے کہ فَاَمَّا مَا یَرْجِعُ ضَرَرُهٗ اِلَى الْغَیْرِ كَالْقَتْلِ وَالزِّنَا وَغَصْبِ الْاَمْوَالِ وَالشَّهَادَةِ بِالزُّوْرِ وَقَذْفِ الْمُحْصَنَاتِ وَاِطْلَاعِ الْكُفَّارِ عَلٰى عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِیْنَ فَذٰلِكَ غَیْرُ جَائِزٍ اَلْبَتَّةَ (امام رازی) (3)

یعنی اِس عالم خوف وخطر میں اسے یہ اِجازت ہرگز نہیں کہ وہ ایسا فعل کرے یا ایسی بات کہے جس سے دوسرے مسلمان کو ضرر پہنچے۔ مثلاً اگر کفّار اُسے کسی مسلمان کو قتل کرنے، زنا کرنے، مال غصب کرنے، جھوٹی گواہی دینے، کسی پاک دامن عورت

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج3، ص278 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج4، جز8، ص15

اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

اللہ ہی کی طرف (سب نے) لَوٹ کر جانا ہے فرما دیجئے اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اُسے،

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

جانتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ اَور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اَور جو کچھ زمین میں ہے اَور اللہ تعالیٰ ہر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

چیز پر قادر ہے جس دن موجُود پائے گا ہر نفس جو کی تھی اُس نے نیکی

مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا

اپنے سامنے اَور جو کچھ کی تھی اس نے بُرائی تمنّا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اَور اُس دن کے درمیان (حائل

بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع قُلْ

ہوتی) مدت دراز اَور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنے (عذاب) سے اَور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر (اے محبوب!) آپ فرمائیے (انہیں کہ)

ع ۱۱ ۳ ۱۱ ۳ ۱۱ ۳

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ

اگر تم (واقعی) محبّت کرتے ہو اللہ سے ۳۰ تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ

اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے آپ فرمائیے اطاعت کرو اللہ کی اور (اس کے) رسول کی ۳۱ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو یقیناً

۳۰ جب یہود کو اِسلام کی دعوت دی گئی تو اُنہوں نے یہ کہہ کر اس دعوت کو قبول کرنے سے اِنکار کر دیا کہ ہم تو پہلے ہی محبت الٰہی سے سرشار ہیں اور اس کے لاڈلے فرزند ہیں (1)۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ کسی نئے نبی کی اُمّت میں داخل ہونے کی زحمت گوارا کریں۔ سابقہ آیات میں قرآن نے اُن کے بُرے اعمال اور رذیل عادات کا ذِکر فرمایا۔ ایسی ناپسندیدہ حرکات کے باوجود وہ خُدا کی دوستی کا دم بھرا کرتے۔ ان آیات میں انہیں تنبیہ فرمائی جارہی ہے کہ محبت الٰہی کا دعویٰ بغیر دلیل قابل التفات نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کرو۔ اگر تم نے دل وجان سے اس رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کی تو تمہارا دعویٰ محبت بھی دُرست تسلیم کرلیا جائے گا۔ اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ایک سب سے بڑی نعمت سے بھی سرفراز کیے جاؤ گے یعنی تمہیں محبوبِ اِلٰہی ہونے کا شرف بخشا جائے گا۔ اور تمہارے اعمال نامہ کی سیاہی کو رحمت اور مغفرت کے پانی سے صاف کر دیا جائے گا۔ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی عظمت شان اور جلالت قدر کا کیا کہنا۔ جس کی غلامی یہود ایسی راندۂ درگاہ اور ذلیل قوم کو بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا سکتی ہے۔ اور اُس کے گھناؤنے کرتوتوں کی بخشش کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر اُمّت مُسلمہ اِتباع حبیب خُدا کو اپنا شعار بنالے اور سُنّت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سانچے میں اپنی سیرت کو ڈھال لے تو کیا یہ محبوبیت کی خلعت فاخرہ سے نوازی نہیں جائے گی؟ حیاء کا سر ندامت کے بوجھ سے اُٹھ نہیں سکتا جب ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں اور عمل کی دُنیا میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنّت سے اِنحراف کیے ہوتے ہیں۔ کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے:

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَّاَطَعْتَهٗ ۔۔۔ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعُ (2)

یعنی اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تُو اپنے محبوب کی اطاعت میں سرگرم ہوتا۔ کیونکہ محبّ تو ہمیشہ اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے۔

۳۱ اِس آیت میں بھی دعوتِ اِسلام قبول کرنے والوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرو۔ آج کل بعض لوگ اِس تحریک کو بڑی سرگرمی سے چلا رہے ہیں کہ ہمیں صرف قرآن کا اِتباع کرنا چاہیے۔ سُنّت نبوی کی پیروی کی ضرورت نہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ قرآن کے اَحکام کا اِتباع کرنے کے دعویٰ کے ساتھ وہ اِنکار سُنّت کی کیسے جرأت کرتے ہیں۔ کیا قرآن نے ہی بے شمار مقامات پر نہایت واضح اور زوردار انداز میں یہ حکم نہیں دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس رسولِ برحق کی اطاعت کرو۔ اُس کا حکم مانو اور اُس کے اُسوۂ حسنہ کو اپناؤ۔ تو گویا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری قرآن سے کوئی الگ چیز نہیں۔ بلکہ قرآن ہی کی بے شمار آیات کی تعمیل ہے۔ اگر آپ سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی سے اِنکار کریں گے تو آپ نے

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج4، جز8، ص18 2۔ مکاشفۃ القلوب از امام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی متوفی 505ھ، (منسوب از رابعہ بصری)، ص38، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ

اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو بے شک اللہ تعالیٰ نے چُن لیا ۳۲ے آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ

اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ۙ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ

کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر یہ ایک نسل ہے بعض اِن میں سے بعض کی اولاد ہیں

صرف سُنّت کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ قرآن کی بے شمار آیات کا اِنکار کر دیا۔ اِتباع رسول اور اِطاعت رسول کسے کہتے ہیں؟ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے تا کہ کوئی لفظی ابہام راہِ راست سے منحرف کرنے کا باعث نہ بنے۔ امام ابوالحسن آمدی نے ''اتباع'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اَلْاِتِّبَاعُ فِی الْفِعْلِ هُوَ التَّاَسِّیْ بِعَیْنِهٖ وَالتَّاَسِّیْ اَنْ تَفْعَلَ مِثْلَ فِعْلِهٖ عَلٰی وَجْهِهٖ مِنْ اَجْلِ فِعْلِهٖ(1)۔ کسی کے فعل کے اِتباع کا یہ معنی ہے کہ اُس کے اُس فعل کو اِس طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اِس لیے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔ اور امام آمدی اطاعت کے مفہوم کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں وَمَنْ اَتٰی بِمِثْلِ فِعْلِ الْغَیْرِ عَلٰی قَصْدِ اِعْظَامِهٖ فَهُوَ مُطِیْعٌ لَّهٗ(2) جب کوئی شخص کسی دوسرے کی عزت واحترام کے باعث بعینہ اس کے فعل کی طرح کوئی فعل کرے تو وہ اس کا مطیع کہلاتا ہے۔ اِتباع واطاعت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق جو حکم قرآن نے ہم کو دیا ہے (جس کی اطاعت وہ بھی فرض سمجھتے ہیں) اس کی تعمیل کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افعال کو بالکل اسی طرح ادا کریں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ادا فرمائے اور صرف اِس لیے ادا کریں کہ یہ اَفعال اس ذاتِ اطہر واقدس سے ظہور پذیر ہوئے ہیں جو جمال و کمال کا وہ پیکر ہے جس سے حسین تر اور جمیل تر چیز کا تصوّر تک ممکن نہیں۔ کاش! ہم قرآن کے الفاظ کو اپنی من گھڑت تاویلات کا اکھاڑہ بنانے سے باز رہیں اور اس آیت کے آخر میں اِتباع واطاعت رسول سے رُوگردانی کرنے والوں کو جن الفاظ سے یاد کیا گیا ہے اس پر غور کریں (اِس موضوع پر احقر کی تالیف ''سُنّت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام'' کا مطالعہ شاید مفید ثابت ہو)

۳۲ے قرطبی نے زجاج سے اصطفاء کا یہ مفہوم نقل کیا ہے کہ انہیں نعمت نبوت کے لیے سارے جہان سے چن لیا(3)۔ اس کے بعد قرطبی لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام درجہ اصطفاء سے بہت بلند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو حبیب اور رحمت ہیں۔ دوسرے انبیاء رحمت کے لیے پیدا کیے گئے اور سرورِ عالم کو سراپا رحمت پیدا کیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری سے خلق خدا کو امان مل گئی اِسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں اللہ کی طرف سے رحمت کا تحفہ ہوں۔ فَاَمَّا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ جَازَتْ مَرْتَبَتُهُ الْاِصْطِفَاءَ لِاَنَّهٗ حَبِیْبٌ وَّرَحْمَةٌ فَالرُّسُلُ خُلِقُوْا لِلرَّحْمَةِ وَهُوَ خُلِقَ بِنَفْسِهٖ رَحْمَةً فَلِذَالِكَ صَارَ اَمَانًا لِّلْخَلْقِ لِذٰلِكَ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ (القرطبی)(4)۔ آل عمران میں عمران سے مراد حضرت مریم کے والد محترم عمران بن ماتان ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پدر بزرگوار کا نام بھی عمران تھا(5)

1۔ احکام الاحکام فی اصول الاحکام از ابوالحسن علی بن ابی علی محمد المعروف سیف الدین الآمدی، متوفی 631ھ، ج1، ص88، مطبوعہ مکتبہ ومطبعہ محمد علی صبیح واولادہ بمیدان الازہر، مصر

2۔ ایضاً، ج1، ص91 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص62 4۔ ایضاً، ص63 5۔ ایضاً

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ

اور اللہ سب کچھ سُننے والا سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۳۴﴾ جب عرض کی ۳۳ عمران کی بیوی نے اَے میرے ربّ! میں نذر مانتی

لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾

ہُوں تیرے لیے جو میرے شکم میں ہے (سب کاموں سے) آزاد کر کے سو قبول فرما لے (یہ نذرانہ) مجھ سے بے شک تو ہی (دُعائیں) سُننے والا (نیّتوں کو)

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

جاننے والا ہے پھر جب اس نے جنا اسے (تو حیرت و حسرت سے) بولی اَے رب! میں نے تو جنم دیا ایک لڑکی کو ۳۴ اور اللہ تعالیٰ خُوب جانتا ہے

بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ

جو اُس نے جنا اور نہیں تھا لڑکا (جس کا وُہ سوال کرتی تھی) مانند اس لڑکی کے ۳۵ اور (ماں نے کہا) میں نے نام رکھا ہے اس کا مریم اور

لیکن مفسرین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ یہاں اوّل الذکر مراد ہیں۔

۳۳ یہ کہنے والی عمران کی زوجہ اور حضرتِ مریم کی والدہ ہیں۔ ہمارے مفسرین نے علمائے بنی اِسرائیل کے حوالہ سے اُن کا نام حُنّہ بتایا ہے (1)۔ اس پاکباز خاتون نے جب حمل کی گرانی محسوس کی تو اپنی عبدیت اور نیازمندی کا اِظہار کرنے کے لیے بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگیں کہ اے میرے خالق! میرے شکم میں جو بچہ ہے اس کے متعلق میں نذر مانتی ہوں کہ اس سے میں اپنی خدمت یا گھر کا کام کاج نہیں لُوں گی۔ وہ دنیا کے سارے بندھنوں سے آزاد ہو کر عُمر بھر تیرے گھر (بیت المقدس) کی جارُوب کشی اور خدمت میں لگا رہے گا (2)۔ تُو میری اِس نیازمندانہ نذر کو اپنے فضل و کرم سے شرفِ قبول بخش۔ تُو میرے دل کی پُکار کو سننے والا اور میرے جذباتِ پنہاں کو جاننے والا ہے۔

۳۴ انہیں تو یہ اُمید تھی کہ لڑکا ہوگا۔ اور اِسی اُمید پر انہوں نے اُسے بیت المقدس کی چاکری کے لیے وقف بھی کر دیا تھا۔ اب جب لڑکی پیدا ہوئی تو بصد حسرت و یاس کہنے لگیں۔ اے رب! میں نے تو بچی جنی ہے۔ اب میں اپنی نذر کیسے پوری کروں گی۔ کیونکہ اس وقت لڑکیوں کو بیت المقدس کی خدمت کی اجازت نہ تھی (3)۔

۳۵ یہ ارشادِ باری ہے جو بطور جملہ معترضہ حضرت حنّہ کے کلام کے درمیان میں لایا گیا ہے (4)۔ مقصد یہ ہے کہ اِس بچی کی ولادت مقامِ افسوس نہیں ہے۔ جس لڑکے کی آرزو تم کیا کرتی تھیں وہ اس بچی کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے جو ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہے۔ اس کی ذات سے برکت و رحمت اور ہدایت کی جو کرنیں پھُوٹیں گی وہ تو ایک عالم کو مُنوّر کر دیں گی۔ اِس جملہ کے بعد پھر حضرت حنّہ کا کلام ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیرِ آیت ہذا، جز 4، ص 65 2۔ ایضاً، جز 4، ص 66 3۔ ایضاً، ص 67-66 (ماخوذ) 4۔ تفسیر کبیر، زیرِ آیت ہذا، ج 4، جز 8، ص 29

اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا

میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے ﴿۳۶﴾ پھر قبول فرمایا اسے

رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ؕ

اُس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا اور نگران بنا دیا اس کا زکریا کو

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ

جب بھی جاتے ﴿۳۷﴾ مریم کے پاس زکریا (اس کی) عبادت گاہ میں (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں ﴿۳۸﴾ (ایک بار)

یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ

بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لیے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے

﴿۳۶﴾ حضرتِ حنّہ کی دعا کی قبولیت کا ذِکر ہے۔ حضرت مریم کے مقبول ہونے کی ظاہری علامت یہ مقرر فرما دی کہ ان کی تربیت وقت کے نبی حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد فرما دی۔ اگر کامل مُرشِد اور مربی مل جائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا اِنعام ہے:

اگر کوئی شعیب آئے میسّر　　شبانی سے کلیمی دو قدم ہے (1)

﴿۳۷﴾ محراب کا لغوی معنی ہے ''اَکْرَمُ مَوْضِعٍ فِی الْمَجْلِسِ'' مجلس میں جو سب سے باعزت جگہ ہو اس کو محراب کہتے ہیں۔ عموماً اُس حجرۂ عبادت کو محراب کہا جاتا ہے۔ جو سطح زمین سے کچھ بلند بنایا جاتا ہے اور جس میں جانے کے لیے سیڑھیوں کی ضرورت پڑتی ہے (2)۔ ہیکل سلیمانی کے اردگرد ہیکل کے خادموں اور چلہ کشوں کے لیے جو کمرے بنے ہوئے تھے انہی میں سے ایک میں حضرت مریم مشغولِ عبادت رہا کرتی تھیں اور حضرت زکریا علیہ السلام کیونکہ ان کے سرپرست تھے اِس لیے اکثر ان کی خبر گیری کے لیے ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

﴿۳۸﴾ جب بھی حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے پاس جاتے تو ان کے ہاں طرح طرح کے پھل رکھے پاتے۔ گرمی کے پھل سردی میں اور سردی کے پھل گرمی میں۔ اس سے علمائے اہل سُنّت نے اولیاء کرام کی کرامتوں کا برحق ہونا ثابت کیا ہے۔ کیونکہ حضرت مریم نبی نہ تھیں۔ بے موسم کے پھلوں کا آپ کے پاس پایا جانا آپ کی کرامت تھی۔ صرف معتزلیوں نے کراماتِ اولیاء کا اِنکار کیا ہے (3)۔ اور آج بھی کئی ان کے ہم نوا اہل سُنّت ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود کرامات کا اِنکار کرنا اپنے علم کا کمال سمجھتے ہیں۔

1۔ کلیات اقبال، بال جبریل، ص513　2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص71　3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج4، جز8، ص36-33

مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ

جسے چاہتا ہے بے حساب وہیں دُعا مانگی زکریا نے اپنے رب سے ۳۹ عرض کی اے میرے ربّ!

هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ

عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اَولاد بے شک تُو ہی سُننے والا ہے دُعا کا پھر آواز دی اُن کو

الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ

فرشتوں نے ۴۰ جب کہ وُہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے آپ کو

بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا

یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اَور سردار ہوگا اَور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا اَور نبی ہوگا

مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ

صالحین سے زکریا کہنے لگے اَے رب! کیونکر ہوگا میرے ہاں لڑکا حالانکہ آلیا ہے مجھے

۳۹ حضرت زکریا علیہ السلام کی عُمر کافی ہو چکی تھی لیکن اولاد نہ تھی۔ حضرت مریم کے شب و روز بڑے اخلاص سے محوِ عبادت رہنے کے باعث ان کے دل میں بھی اَولاد کی آرزو بیدار ہوگئی اور عرض کرنے لگے۔ اے رب! اگرچہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے۔ اور اولاد پیدا ہونے کا عام وقت گزر چکا ہے۔ لیکن تُو وہ کریم اور قادر ہے جو اس مقفل حجرے میں مریم کو بے موسم کے پھل عطا فرماتا ہے۔ تیرے کرم سے کیا بعید ہے اگر تُو مجھے بھی نیک بخت اور پاک اولاد عطا فرما دے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک اَولاد کے لیے دعا کرنا انبیائے کرام کی سنّت ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مُبارَک مکان میں مُبارک وقت میں کسی اللہ کے محبوب کے پاس کھڑے ہو کر جو دعا کی جاتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے منظور فرمایا کرتا ہے (1)۔

۴۰ فرشتوں کے ذریعہ سے حضرت زکریا کو ان کی دعا کی مقبولیت کی خوشخبری دے دی گئی۔ بچے کا نام اور اس کی عزت و پاکبازی کی اِطلاع بھی دے دی اور ساتھ ہی یہ بھی اِرشاد فرما دیا گیا کہ وہ نبی ہوگا۔ ''بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ'' سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کی بِن باپ پیدائش ان کے متعلق طرح طرح کے اِلزامات تراشنے کا سبب بننے والی تھی۔ اس لیے ان کی پاک دامنی اور تقدّس کو بیان کرنے کے لیے قُدرت نے پہلے ہی حضرت یحییٰ کو مقرر فرما دیا۔ جن کی بزرگی پاک بازی اور نبوت کا ساری قوم کو اِعتراف تھا۔ اِنجیل میں حضرت یحییٰ کو یوحنا کہا جاتا ہے اور انگریزی میں (JOHN)

1۔ التفسیر الکبیر المسمی بالبحر المحیط از اثیر الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الاندلسی، مولود 654ھ، متوفی 754ھ، ج2، ص444

الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ

بڑھاپے نے اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا بات اسی طرح ہے (جیسی تم نے کہی) لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے عرض کی

رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ

اے میرے رب! مقرر فرمادے میرے لیے کوئی نشانی ۴۱؎ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کرسکو گے لوگوں سے تین دن

اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع ۱۱ ۱۲

مگر اشارہ سے اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت اور پاکی بیان کرو (اس کی) شام اور صبح

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ

اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے تمہیں ۴۲؎ اور خوب پاک کردیا ہے

وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ

تمہیں اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے اے مریم! اخلوص سے عبادت کرتی رہ اپنے رب کی ۴۳؎ اور

۴۱؎ یہ گزارش کسی شک کی وجہ سے نہ تھی بلکہ لِيَتَلَقّٰى تِلْكَ النِّعْمَةَ بِالشُّكْرِ حِيْنَ حُصُوْلِهَا (روح المعانی) (1) اس لیے تھی کہ جس وقت اس نعمت کا حصول ہوا اُسی وقت سر نیاز سجدۂ شکر ادا کرنے لگ جائے۔ اور حمل قرار پانے کی علامت یہ مقرر کی گئی کہ اس وقت ان کی زبان ذِکر الٰہی اور تسبیح وتہلیل میں تو محو رہے گی لیکن لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنے کی اِستعداد اس میں باقی نہ رہے گی۔

۴۲؎ یعنی قدرت کی نگاہِ اِنتخاب نے بچپن میں بھی مریم کو چُن لیا کہ حضرت زکریا کی سرپرستی عطا فرمائی۔ دل میں اپنی یاد کی لگن پیدا کردی۔ غیب سے طرح طرح کے پھل مہیّا ہونے لگے۔ اور فرشتے ان سے گفتگو کرنے لگے۔ اور جب آپ سن شباب کو پہنچیں تو رحمت الٰہی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کی ماں بنانے کے لیے منتخب فرمالیا۔ اس لیے اصطفاء کا ذکر دوبارہ آیا۔ اور نساء العلمین سے مراد ان کے اپنے زمانہ کی عورتیں ہیں (2)۔

۴۳؎ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان انعامات پر اس کا شکریہ بھی ادا کرے۔ سجدہ کا حکم پہلے اور رکوع کا بعد میں ہوا۔ حالانکہ رکوع سجدہ سے پہلے ہوا کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ واؤ عاطفہ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی (3)۔ یعنی اس سے معطوف علیہ کا معطوف پر مقدّم ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج3، ص150 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص82 3۔ ایضاً، جز4، ص85

اسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ

سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں ۴۴

نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ

ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ کی طرف اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب پھینک رہے تھے وُہ (مجاور) اپنی قلمیں (یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ)

یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ

کون ان میں سے سرپرستی کرے مریم کی اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وُہ آپس میں جھگڑ رہے تھے جب کہا

الْمَلٰٓىِٕكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ

فرشتوں نے اے مریم ! اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی ۴۵ اپنے پاس سے اس کا نام ۴۶ مسیح

۴۴ اِس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے نبی غیب کے علوم کو جانتا ہے اور یہی اس کی نبوت کی قوی دلیل ہوتی ہے۔

۴۵ ویسے تو کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُن (یعنی ہو جا) کی جلوہ گری ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے دوسری اشیاء کو سبب اور مسبّب، علت اور معلول کے رشتہ میں پرو دیا ہے۔ اِس لیے ان کے ظہور اور ان کی تخلیق میں عام نگاہیں سبب اور علت کے حجاب میں اٹک کر رہ جاتی ہیں۔ لیکن یہاں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا سبب عادی (باپ) موجود نہیں۔ اِس لیے یہاں وہ حجاب درمیان میں نہیں اور کلمہ کُن کی جلوہ گری اور کرشمہ آفرینی بہت واضح اور نمایاں ہے۔ اِس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ فرمادیا۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

اِنَّهٗ خُلِقَ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَهُوَ قَوْلُهٗ كُنْ مِنْ غَیْرِ وَاسِطَةِ الْاَبِ فَلَمَّا كَانَ تَكْوِیْنُهٗ بِمَحْضِ قَوْلِ اللّٰهِ كُنْ وَ بِمَحْضِ تَكْوِیْنِهٖ وَ تَخْلِیْقِهٖ مِنْ غَیْرِ وَاسِطَةِ الْاَبِ وَالْبَذْرِ لَا جَرَمَ سُمِّیَ كَلِمَةً كَمَا یُسَمَّى الْمَخْلُوْقُ خَلْقًا وَّالْمَقْدُوْرُ قُدْرَةً وَّالْمَرْجُوْرِ جَاءَ وَّ هٰذَا بَابٌ مَّشْهُوْرٌ فِی اللُّغَةِ (1)۔

۴۶ اسم کا لغوی معنی ہے اَلسِّمَةُ وَالْعَلَامَةُ الْمُمَیِّزَةُ (2) یعنی وہ نشان اور علامت جو کسی چیز کو دوسروں سے ممتاز کردے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ممتاز اور نمایاں کرنے کے لیے ان کا لقب مسیح، ان کا نام (علَم) عیسیٰ اور ان کی کنیت ابن مریم ذِکر فرمادیں تاکہ وہ اپنے تمام اوصاف اور خصوصی اِمتیازات کے ساتھ ممتاز ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ جس بیمار پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے وہ بالکل صحت یاب ہو جایا کرتا تھا (3) اور مسیح کا معنی مُبارک بھی ہے (4)۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج4، جز8، ص40 2۔ مختلف کتب سے ماخوذ مفہوم 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص89 4۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج2، ص35

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ لا

عیسیٰ بن مریم ۴۷ ہوگا معزز ہوگا دُنیا اور آخرت میں ۴۸ اور (اللہ کے) مقربین سے ہوگا

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ

اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں بھی اور پکی عمر میں بھی ۴۹ اور نیکوکاروں میں سے ہوگا ۵۰ مریم بولیں اے میرے پروردگار!

ایک قول یہ بھی ہے کہ سُمِّیَ مَسِیْحًا لِاَنَّہٗ کَانَ یَمْسَحُ الْاَرْضَ (1) یعنی آپ کو مسیح کے لقب سے اِس لیے ملقب کیا گیا کہ آپ نے کہیں مستقل رہائش اِختیار نہیں فرمائی تھی۔ اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں آج یہاں کل وہاں سفر پر رہتے۔ یار لوگ اِتنی سی بات کو لے اڑے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سیاح و جہاں گشت تصوّر کر لیا۔ بلکہ قرآن کی تصریحات، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واضح بیانات اور تاریخ کے مسلمہ حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے انہیں اپنے توہم کے گھوڑے پر سوار کیا اور مُلک مُلک کی سَیر اور شہر شہر کی سیاحت کراتے ہوئے انہیں کشمیر میں پہنچا کر دم لیا۔ اور صرف اِسی پر اِکتفا کرتے اُن کے دشمن، انہوں نے تو ناخن تحقیق سے کشمیر کا چپہ چپہ کُرید ڈالا اور آخر کار سری نگر کے ایک محلہ میں اُن کی قبر کا سراغ بھی لگا لیا(2)۔ اور پھر اپنے لیے نبوت کا قصر رفیع تیار کر لیا۔ کہاں کی لکڑی کہاں کا روڑا بھان متی نے کُنبہ جوڑا۔ جس نبوت کی بنیاد ایسے دور از حق اور بعید از عقل توہمات اور مفروضات پر ہو وہ کس قسم کی نبوت ہوگی۔ ذرا غور فرمایئے۔

۴۷ عیسیٰ عبرانی لفظ ایشوع کا معرب ہے اس کا معنی ہے سید اور سردار(3)۔ یہاں اس فرزند کا تعارف کسی غیر سے نہیں کرایا جا رہا تاکہ اس کی ولدیت وغیرہ کا ذِکر کر کے اسے دُوسروں سے ممتاز کرنا مقصود ہو۔ بلکہ ان کی ماں کو ان کا نام بتایا جا رہا ہے۔ اور اس کے لیے اگر اسمہ عیسیٰ کہہ دیا جاتا تو کافی تھا۔ لیکن اَلْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فرما کر اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ باپ نہ ہونے کے باعث ان کی نسبت ان کی والدہ مکرّمہ کی طرف کی جائے گی (4) اور قیامت تک اِسی نام سے یاد کیے جائیں گے۔

۴۸ ممکن تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوتا کہ بچہ جو اِس انوکھی طرح پیدا ہوگا تو لوگ اس پر طرح طرح کے اِلزام لگائیں گے اور اُسے عزت کی نِگاہ سے نہ دیکھیں گے۔ اس کے متعلق پہلے انہیں اِطمینان دلا دیا کہ ایسا نہیں ہو گا۔ بلکہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وہ بڑا با عزت و با اِحترام ہوگا۔

۴۹ یعنی گہوارے میں بھی وہ جو گفتگو کرے گا وہ بے معنی نہیں ہوگی بلکہ اس میں بھی نبوت کا وقار اور رسالت کی سنجیدگی پائی جائے گی (5)۔ اس وقت بھی جو الفاظ ان کی زبان سے نکلیں گے وہ حقائق سے لبریز ہوں گے۔ اس معصومیت کے زمانہ میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کا ایسا زبردست اعلان کرے گا کہ کسی کو اِنکار کی مجال نہ رہے گی (اِس کا ذِکر سورۂ مریم میں تفصیلاً آئے گا) اور یہی وہ معجزانہ پہلو ہے جس کی طرف قرآن اِشارہ کر رہا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر صحت مند بچہ پنگھوڑے میں باتیں کرنے لگتا ہے۔ لیکن انصاف کے ساتھ یہ کتنا ستم ہوگا اگر بچوں کی غوں غاں اور ان کے بے جوڑ اور بے معنی الفاظ کو حضرت

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج4، جز8، ص55 2۔ تحفہ گولڑویہ، ص14 (ماخوذ)، مطبوعہ مطبع ضیاء الاسلام، قادیان ضلع گورداسپور

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج3، ص161 4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج2، ص50 5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج3، ص163

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچّہ؟ ۵۱ حالانکہ ہاتھ تک نہیں لگایا مجھے کسی اِنسان نے فرمایا بات یونہی ہے (جیسے تم کہتی ہو لیکن)

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

اللہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے ۵۲ جب فیصلہ فرماتا ہے کسی کام (کے کرنے) کا تو بس اِتنا ہی کہتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے

عیسیٰ علیہ السلام کے اس کلامِ معجز نظام سے تشبیہ دی جائے۔ امام رازی نے یہاں سے ایک اور لطیف نکتہ نکالا ہے۔ کہ اس سے یہ بتلانا بھی مقصود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بایں ہمہ کمالات و معجزات خدا نہیں۔ ورنہ زندگی کی مختلف منزلوں میں وہ ان تبدیلیوں اور تغیرات سے دوچار نہ ہوتے (1)۔

۵۰ پہلی آیت میں وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فرمایا۔ اِن الفاظ سے ایک طرف اگر یہود کے طعنوں کا ردّ ہے تو دوسری طرف نصاریٰ کے اِس خیالِ باطل کی تردید ہے کہ وہ خُدا تھے یا خُدا کے بیٹے تھے (نعوذ باللہ) بلکہ بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرّب اور نیکوکار بندوں میں سے ایک بندے تھے۔

۵۱ حضرت مریم علیہا السلام کو جب ایسے بچے کی بشارت دی گئی تو آپ کنواری تھیں۔ ششدر ہو کر پوچھنے لگیں۔ میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا جب کہ مجھے آج تک کسی اِنسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بعض نے لکھا ہے کہ اِس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باپ کے بغیر ہوئی۔ کیونکہ یہاں تو صرف پیشین گوئی کی جا رہی ہے کہ تمہارا بچہ ہو گا یعنی شادی کے بعد۔ ان کی خدمتِ اقدس میں بصد ادب صرف اِتنی گزارش ہے کہ اگر مقصد یہی تھا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہ تھی۔ لوگ شادی کیا کرتے ہیں۔ بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ تو مناسب تھا کہ حضرت مریم اِس بشارت پر کلماتِ شکر زبان پر لے آتیں۔ لیکن آپ کا تصویرِ حیرت و استعجاب بن کر اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ الخ کہنے کا کوئی محل نہ تھا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مریم نے صحیح بات نہیں سمجھی تھی اُنہیں یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ شاید ابھی بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ حالانکہ ابھی تو صرف اس کی ولادت کی اِطلاع دی جا رہی تھی پیدا تو اسے شادی کے بعد ہونا تھا۔ اگر اس بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے اِستعجاب کا جو جواب دیا وہ موزونیت سے عاری نظر آتا ہے۔ سیدھا جواب یہ تھا کہ مریم گھبراؤ نہیں۔ جب تم شادی کرو گی بچہ اس کے بعد پیدا ہو گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی بات کو صحیح صحیح بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہے یا الفاظ اور اسلوبِ بیان کا کوئی وزن ہوتا ہے تو پھر یہ تاویل بلکہ تحریف لائق اِلتفات نہیں۔

۵۲ ایک چیز یہاں اور قابلِ غور ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی حیرانی کے موقع پر فرمایا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ اور حضرت مریم کے تعجب کو دور کرنے کے لیے فرمایا۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ۔ جواب میں یہ تفاوت کیوں؟ اِس تفاوت کی وجہ سمجھنے کے لیے فعل اور خلق کا معنوی فرق ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے۔ لَفْظُ الْفِعْلِ يُسْتَعْمَلُ كَثِيْرًا فِيْمَا يَجْرِيْ عَلٰى قَانُوْنِ الْاَسْبَابِ الْمَعْرُوْفَةِ وَ لَفْظُ

1۔ تفسیر کبیر، زیرِ آیت ہذا، ج4، جز8، ص58

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا

اور اللہ تعالیٰ سکھائے گا اُسے کتاب و حکمت اور تورات و انجیل اور (بھیجے گا اُسے) رسُول بنا کر

اِلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْۤ

بنی اِسرائیل کی طرف ۵۳ (وُہ اُنھیں آکر کہے گا کہ) میں آگیا ہُوں تمھارے پاس ایک معجزہ لے کر تمھارے رب کی طرف سے ۵۴

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ

(وُہ معجزہ یہ ہے کہ) میں بنا دیتا ہُوں تمھارے لیے کیچڑ سے پرندے کی سی صُورت پھر پھُونکتا ہُوں اس (بے جان صورت) میں تو وُہ فوراً ہو جاتی ہے

الْخَلْقِ يُسْتَعْمَلُ فِي الْاِبْدَاعِ وَالْاِيْجَادِ (المنار)(1) یعنی ایسے واقعات جو اپنے اسباب کے پائے جانے سے وقوع پذیر ہوتے ہیں انہیں عام طور پر لفظ فعل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جو واقعات ظاہری اسباب کے بغیر رُونما ہوتے ہیں اُن کی تعبیر عام طور پر لفظ خلق سے کی جاتی ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کیونکہ ماں باپ دونوں کی وجہ سے تھی، اور یہی ولادت کا سبب عادی ہے اس لیے وہاں فرمایا اللّٰهُ يَفْعَلُ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت صرف ماں سے ہوئی اور والد جو سبب عادی ہے مفقود تھا اس لیے لفظ خلق سے بیان کیا۔

۵۳ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ کی رسالت سارے عالم انسانیت کے لیے نہیں تھی۔ قرآنِ حکیم کے اِس فرمان کی تصدیق خود انجیل کی متعدد آیتوں سے ہوتی ہے۔ ''ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اِسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے''(2)۔ متی باب 10 آیات 5 تا 8۔ اسی مضمون کی تائید میں دوسرا حوالہ ملاحظہ ہو۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا(3)۔ متی باب 25:15

جب مسیح علیہ السلام نے خود اِعتراف کیا ہے کہ میری نبوت کا دائرہ بنی اسرائیل تک محدود ہے تو پھر عیسائی مبلغین کا بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور کو دعوتِ عیسائیت دینا یسوع مسیح کی ہدایت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

۵۴ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت غیر معروف طریقہ پر ہوئی تھی جس سے معاندین کو اِعتراضات کے کافی مواقع فراہم ہو گئے تھے اور آپ جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے وہ کٹ حجتی میں اپنی مثال آپ تھی اِس لیے انہیں ایسے کھلے معجزات عطا فرمائے گئے جنہیں دیکھ کر کسی عقل مند کے لیے انکار کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ قرآنِ کریم اِن معجزات کو بڑی وضاحت سے بیان

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج3، ص307 2۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، ص:13-12 3۔ ایضاً، ص:19

طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى

پرندہ اللہ کے حکم سے اور میں تندرست کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور (لاعلاج) کوڑھی کو اور میں زندہ کرتا ہوں مُردے کو

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ

اللہ کے حکم سے اور بتلاتا ہوں تمہیں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

بے شک ان معجزوں میں (مری صداقت کی) بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان دار ہو ۵۵ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں

فرما رہا ہے اور ان کو لفظ آیت سے تعبیر کیا ہے۔ اور آیت کہتے ہیں اَلْعَلَامَةُ الظَّاهِرَةُ (1) جو کسی کو پہچاننے کی کھلی نشانی ہو۔ جس کے بعد شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ یہ معجزات پانچ قسموں پر مشتمل ہیں۔ (۱) مٹی سے پرندے کی تصویر بنا کر اس میں پھونک مار کر زندہ کر دیا کرتے۔ (۲) مادرزاد اندھے کو بینا کر دیتے (۳) کوڑھی کو تندرست کر دیتے (۴) اور مُردہ کو از سرِ نو زندہ کر دیا کرتے۔ یہ چار قسمیں عملی معجزات کی تھیں۔ اور پانچویں قسم علمی معجزہ کی تھی یعنی غیب کی خبریں دینا۔ آپ بتایا کرتے تھے کہ تم نے آج یہ یہ چیزیں کھائی ہیں اور یہ یہ چیزیں تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کر آئے ہو۔ کیونکہ یہ تمام اُمور انسانی قدرت سے باہر تھے اس لیے قوی اندیشہ تھا کہ شاید لوگ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کو خُدا ماننے لگیں اس لیے ساتھ ساتھ باذن اللہ کی قید لگا دی کہ یہ سب کچھ اگرچہ مجھ سے ظہور پذیر ہو رہا ہے لیکن اس کا حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اِن افعال کو اپنی طرف منسوب کرنا اِس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اگر ایسے افعال کی نسبت یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے ان کے ظاہری اسباب کی طرف کر دی جائے تو یہ جائز ہے شرک نہیں۔ جیسے حضرت اِمامِ اعظم حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی جناب میں عرض کرتے ہیں ؎

وَشَفَيْتَ ذَا الْعَاهَاتِ مِنْ اَمْرَاضِهِمْ وَمَلَاْتَ كُلَّ الْاَرْضِ مِنْ جَدْوَاكَ

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے بیماروں کو ان کی بیماریوں سے صحت عطا فرما دی ہے اور روئے زمین کو اپنے جود و کرم سے لبریز کر دیا ہے۔

۵۵ ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کرنے والا وہ خدا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ جو چاہے جس وقت چاہے اور جیسے چاہے کر سکتا ہے اِس نے اپنی حکمت کاملہ سے تمام کاموں اور تمام چیزوں کو کسی نہ کسی سبب سے متعلق کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض اسباب وہ ہیں جن کو ہم نے سمجھ لیا ہے اور بعض اسباب ایسے ہیں جن کا سُراغ لگانے سے ہماری عقل قاصر ہے۔ ایسے افعال جن کی ہم کوئی

1۔ مفرداتِ راغب، ص 101

بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتاب تورات کی اور تاکہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۵۰

تھیں تم پر ۵۶ اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو

ظاہری توجیہہ نہیں کر سکتے ہوسکتا ہے کہ ان کے ظہور پذیر ہونے کا سبب کوئی ایسا امر ہو جس تک ہماری عقل کی رسائی ابھی تک نہ ہوئی ہو۔ جب تک ہم تمام اسباب وعلل کا کامل احاطہ نہ کرلیں ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم ایسے واقعات کا صرف اس وجہ سے اِنکار کردیں کہ عقل ان کے واقع ہونے کو جائز نہیں سمجھتی۔ اور اِس سلسلۂ اسباب وعلل کے احاطہ کا دعویٰ تو آج تک کسی سائنسدان نے بھی نہیں کیا۔ اِس لیے محض اِس وجہ سے کسی واقعہ کا اِنکار کر دینا کہ یہ ہماری دانش کی کسوٹی پر پورا نہیں اُترتا اپنے حدود سے تجاوز کرنے کے مترادف ہے۔ نیوٹن کہتا ہے:

''میری مثال اس بچے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے کھیل رہا ہو۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی نسبت کوئی زیادہ خوبصورت سنگریزہ یا گھونگا مل جاتا ہے لیکن ابھی حقیقت بحرِ ذخّار کی طرح میرے سامنے ہے جس کا ہمیں کوئی علم نہیں ہوا''۔

HEROES OF CIVILIZATION BY JOSEPH AND HAYM

جب حقیقت یہ ہے تو قرآن کے بیان کردہ معجزات کو تسلیم کرنے سے اِنکار کرنا یا اس کی ایسی تاویلیں کرنا جن کو عربی زبان اور قرآن کا فصیح وبلیغ اسلوب بیان قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو نہ علم کی خدمت ہے نہ قرآن کی۔ اور اگر ایک لمحہ کے لیے یہ مان بھی لیا جائے کہ سلسلۂ اسباب وعلل کی ساری کڑیاں ہمارے علم کی گرفت میں آچکی ہیں اور ان کا ہم نے کلیۃً احاطہ کرلیا ہے تو پھر بھی معجزات کے اِنکار کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ قادرِ مطلق خُدا جس نے اپنی حکمت کاملہ سے ایک چیز کو ایک علت سے وابستہ کر دیا ہے۔ وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ اِس چیز کی تخلیق وآفرینش کو اس کے علاوہ کسی اور علت سے وابستہ کر دے۔ اور معجزات کے ظہور پذیر ہونے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاندین اور منکرین حق کے سامنے اپنے نبی کی صداقت کی ناقابل انکار دلیل پیش کر دی جائے اور ان پر یہ واضح کر دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اُن کے شامل حال ہے۔ اِسی لیے تو یہ محیر العقول واقعات ان کے اِشاروں پر واقع ہو رہے ہیں۔ اور عام طور پر ہر نبی کو اس کے زمانہ کی ضروریات کے مطابق معجزات عطا فرمائے جاتے ہیں۔

معجزہ پر تفصیلی بحث سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

۵۶ یہاں آپ اپنے منصب رسالت کی ذمہ داریوں کا اِظہار فرما رہے ہیں کہ جو پابندیاں اور قیود تمہارے علماء نے اپنی طرف سے تم پر عائد کر رکھی ہیں ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے میں آیا ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّاۤ

بے شک اللہ مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے مجھے اور مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے تمہیں سو اُس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے ۵۷ پھر جب

اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ

محسوس کیا عیسٰی (علیہ السلام) نے اُن سے کفر (و انکار) (تو) آپ نے کہا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں؟ (یہ سُن کر) کہا

الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور (اے نبیؐ!) آپ گواہ ہو جائیو کہ ہم (حکمِ الٰہی کے سامنے) سر

رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَ

جھکائے ہوئے ہیں۔ اے رب ہمارے! ہم ایمان لائے اس پر جو تُو نے نازل فرمایا اور ہم نے تابعداری کی رسُول کی تو لکھ لے ہمیں (حق پر) گواہی دینے والوں کے ساتھ اور

مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ ع ۱۳ ۱۳ الثلثۃ

یہودیوں نے بھی (مسیح کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (مسیح کو بچانے کے لیے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی ۵۸ اور اللہ سب سے بہتر (اور مؤثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔ یاد کرو جب فرمایا اللہ نے

۵۷ اِتنے حیران کن معجزات دکھانے کے بعد آپ صراحۃً اعلان فرما رہے ہیں کہ بے شک تم نے مجھے مُردوں کو زندہ کرتے، اندھوں کو بینا کرتے اور لاعلاج مریضوں کو تندرُست کرتے دیکھا ہے۔ لیکن یاد رکھو میں خدا نہیں ہوں بلکہ اس کا بندہ ہوں جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ وہی عبادت و پرستش کے لائق ہے۔ اور کوئی صاحبِ کمال اِس قابل نہیں کہ اسے معبود بنایا جائے۔ اِس لیے تم اسی کی عبادت کرو۔ اس لیے رب العالمین کو اللہ وحدہ لاشریک یقین کرنا اور اسی کی عبادت کرنا یہی صراط مستقیم ہے۔ اور جو کوئی بھی اِس شاہراہِ رشد و ہدایت سے سرمُو منحرف ہوا وہ گمراہ ہو گیا۔

۵۸ تقریباً ہر زبان میں بِلا اِستثناء ایسے مشترک الفاظ پائے جاتے ہیں جو متعدد معانی پر دلالت کرتے ہیں اور اہل زبان اِن الفاظ کو بلا تامل ان کے مختلف معنوں میں اِستعمال کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جب وہی لفظ کسی دوسری زبان میں اِستعمال ہونے لگتا ہے تو وہ اپنے اصلی مختلف معنوں میں سے کسی ایک معنی میں مشہور ہو جاتا ہے۔ اب جب ہم اسے اس کی اصلی زبان میں مستعمل ہوتے ہوئے پاتے ہیں تو اس کا وہی ایک معنی جو ہمارے ذہن نشین ہو چکا ہوتا ہے چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ چسپاں نہیں ہوتا تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال لفظ ''مکر'' ہے۔ اِس کا معنی حیلہ سازی بھی ہے اور یہی لفظ عربی میں صرف تدبیر کرنے اور کسی کی پنہاں سازش کو خفیہ طریقہ سے ناکام بنا دینے کے معنی میں بھی اِستعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن اُردو

مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ

اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں ۵۹ اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ۶۰ ان لوگوں (کی تہمتوں) سے جنھوں نے (تیرا) انکار کیا اور

میں ہم اِس لفظ ''مکر'' کو صرف دھوکہ دہی اور فریب کاری کے معنی میں اِستعمال کرتے ہیں۔ اور جب اس فعل کی نسبت ذاتِ باری کی طرف ہوتی ہے تو ہمارا ذہن بِلاوجہ طرح طرح کے شکوک وشبہات کی آماجگاہ بن جاتا ہے حالانکہ جب اس کا فاعل وہ ذاتِ مقدّس ہو جو ہر عیب، ہر نقص اور نازیبا فعل سے پاک ہے تو ہم لفظ ''مکر'' کا معنی صرف تدبیر یا وہ خفیہ طریقہ جس سے دشمنانِ حق کے شیطانی منصوبوں کو خاک میں ملانا مقصود ہوتا ہے کریں گے۔ اب کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔ قَالَ الْمُفَضَّلُ وَدَبَّرُوْا وَدَبَّرَ اللّٰهُ وَالْمَكْرُ لُطْفُ التَّدْبِيْرِ (بحر محیط)(1)

اور اگر ان لغوی تحقیقات کے لیے انسان کے پاس وقت نہ ہو تو کم از کم علم بدیع کے قاعدۂ مشاکلت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے۔ وہ یہ ہے کہ عربی میں کسی بُرے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے اسے اسی لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں اگرچہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرینِ اِنصاف کیوں نہ ہو۔ مثلاً جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا(2) یعنی بُرائی کا بدلہ بُرائی ہے اسی طرح حالانکہ برائی کی سزا بُرائی نہیں ہوتی بلکہ عین اِنصاف ہوا کرتی ہے یا مثلاً فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ(3) یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو۔ حالانکہ زیادتی اور تعدی کی روک تھام کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اَخلاق کے تمام ضابطے اس کے دُرست ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اِسی طرح یہاں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کرنے کی جو مکّارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اُسے مکر سے تعبیر فرما دیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔

۵۹ علم معانی کا یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی لفظ کا ایک حقیقی معنی ہو اور دُوسرا مجازی تو حقیقی معنی کو مجازی معنی پر ترجیح دی جائے گی۔ ہاں اگر کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس کے ہوتے ہوئے حقیقی معنی متعذّر ہو تو اس وقت معنی حقیقی کو ترک کر کے معنی مجازی مراد لیا جائے گا لیکن اگر ایسے قوی قرائن موجود ہوں جو حقیقی معنی مُراد لینے کے لیے ہی مؤید ہوں تو اس حالت میں حقیقی معنی کو ترک کر کے مجازی معنی مراد لینے پر اصرار کرنا تو الٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔ اب آپ لفظ ''توفی'' کے معنی پر غور فرمائیے۔ تاج العروس میں لفظ وفی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں وَتَوَفَّاهُ اَیْ لَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا(4) یعنی پورے کا پورا لے لیا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں رہنے دی۔ امام ابوعبداللہ القرطبی الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں۔ تَوَفَّيْتُ مَالِيْ مِنْ فُلَانٍ اَیْ قَبَضْتُهٗ(5) یعنی میں نے اس سے سارا مال واپس لے لیا یہ تو ہے لفظ توفی کا حقیقی معنی۔ ہاں یہ موت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن یہ اس کا مجازی معنی ہے جیسے صاحبِ تاج العروس نے لکھا ہے۔ وَمِنَ الْمَجَازِ اَدْرَكَتْهُ الْوَفَاةُ اَیِ الْمَوْتُ وَالْمَنِيَّةُ وَتُوُفِّيَ فُلَانٌ اِذَا مَاتَ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِذَا قَبَضَ رُوْحَهٗ(6)۔ اب آپ خود فیصلہ فرمالیں کہ ایک لفظ کا حقیقی معنی ترک کر کے بغیر قرینہ کے اس سے مجازی معنی اخذ کرنے پر اصرار کرنا اس لفظ کے ساتھ کتنی بے جا زیادتی ہے۔ اور یہاں صرف اتنا ہی نہیں کہ مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ ایسے قوی قرائن موجود ہیں جو اس لفظ کے حقیقی معنی لیے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔ آپ پوچھیں گے کہ وہ

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج2، ص472 2۔ سورۃ الشوریٰ:40 3۔ سورۃ البقرہ:194 4۔ تاج العروس، ج10، ص394
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص100 6۔ تاج العروس، جز10، ص394

جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ

بنانے والا ہوں اُن کو جنھوں نے تیری پیروی کی ۶۱ غالب کفر کرنے والوں پر قیامت تک ۶۲

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

پھر میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم نے پس (اس وقت) میں فیصلہ کروں گا تمھارے درمیان (ان امور کا) جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے

کون سے ایسے قرائن ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ ایک تو اِس آیت کا سیاق وسباق اِس امر کا قوی قرینہ ہے۔ یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہو رہی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے۔ مقصد کلام ہے اِثباتِ توحید باری اور بطلان اُلوہیت مسیح۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدا مانتے ہو وہ تو مر چکے ہیں۔ اور جو مر جائے کیا وہ بھی کہیں خُدا بن سکتا ہے۔ لیکن قرآن کا اِس اسلوب کو اِختیار نہ کرنا بلکہ اس انداز کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کی اِس آیت کا مدعیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں۔ دوسرا واضح قرینہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشادِ گرامی ہے۔ قَالَ الْحَسَنُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لِلْيَهُوْدِ اِنَّ عِيْسٰى لَمْ يَمُتْ وَاِنَّهٗ رَاجِعٌ اِلَيْكُمْ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (1)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کو فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں اور قیامت سے پہلے وہ تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔ اِن تصریحات کی موجودگی میں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مُراد نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے جمہور مفسرین اِس حقیقی معنی کو مدّنظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

مُتَوَفِّيْكَ اَىْ مُسْتَوْفِىْ اَجَلِكَ وَ مُؤَخِّرُكَ اِلٰى اَجَلِكَ الْمُسَمّٰى عَاصِمًا اِيَّاكَ عَنْ قَتْلِهِمْ (بیضاوی) (2) ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی مقررہ مدت تک زندہ رکھے گا اور تمہیں قتل سے بچائے گا۔

مُتَوَفِّيْكَ اَىْ مُسْتَوْفِىْ اَجَلِكَ مَعْنَاهُ اِنِّىْ عَاصِمُكَ مِنْ اَنْ يَّقْتُلَكَ الْكُفَّارُ (کشاف) (3) امام ابن جریر لکھتے ہیں۔ وَ اَوْلٰى هٰذِهِ الْاَقْوَالِ بِالصِّحَّةِ عِنْدَنَا قَوْلُ مَنْ قَالَ مَعْنٰى ذٰلِكَ اِنِّىْ قَابِضُكَ مِنَ الْاَرْضِ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ لِتَوَاتُرِ الْاَخْبَارِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ (4)۔ یعنی میرے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے زمین سے قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں کیونکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث متواترہ سے یہی چیز ثابت ہے کہ آپ کو زندہ آسمان پر اُٹھایا گیا۔ (مزید وضاحت کے لیے سورۂ نساء کی آیت 156 کا حاشیہ ملاحظہ ہو)

۶۰ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچایا کرتے اور مزید برآں آپ پر اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہما السلام پر گندے الزامات اور بہتان لگایا کرتے۔ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو فرما رہے ہیں کہ تیرا دامن ان اِلزامات سے صاف کر دیا جائے گا۔ تیری پاکیزگی اور معاندین کی بدباطنی کا ساری دنیا مشاہدہ کرے گی۔

۶۱ جو آپ کی نبوت اور رسالت کے قائل ہوں۔ ۶۲ جو آپ کی نبوت کے منکر ہیں اور اپنے دلوں میں آپ کی عداوت رکھتے ہیں یعنی یہود۔ اور اِس فوقیت اور برتری سے مُراد سیاسی برتری بھی ہے اور دلائل کی برتری بھی۔

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج3، ص202 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص75 3۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج1، ص366 4۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج3، ص212

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا

تو وُہ جنھوں نے کُفر کیا میں عذاب دُوں گا اُنھیں سخت عذاب دُنیا میں

وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اَور آخرت میں اَور نہیں ہوگا ان کے لیے کوئی مددگار اَور وُہ جو اِیمان لائے اَور کیے نیک

الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

کام تو اللہ پُورے پُورے دے گا اُنھیں اُن کے اجر اَور اللہ تعالیٰ نہیں محبّت کرتا ظلم کرنے والوں سے

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى

یہ جو ہم پڑھ کر سُناتے ہیں آپ کو آیتیں ہیں اَور نصیحت حکمت والی بے شک مثال عیسٰی (علیہ السلام) کی

عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السّلام) کی مانند ہے ۶۳ بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وُہ ہو گیا

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ

(اَے سُننے والے!) یہ حقیقت (کہ عیسٰی اِنسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے (بیان کی گئی) ہے پس تُو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے ۶۴ پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اِس بارے میں

۶۳ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کو اس بات کی دلیل بناتے تھے کہ آپ خُدا یا خُدا کے بیٹے ہیں۔ قرآنِ کریم ان کی واضح تردید فرماتا ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کی یہی دلیل ہے تو پھر آدم علیہ السلام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ ان کا تو نہ کوئی باپ تھا اور نہ کوئی ماں۔ اگر ان کو تم انسان مانتے ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں خُدا یا خُدا کا بیٹا بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے سامنے آدم اور عیسیٰ علیہما السلام کی پیدائش یکساں ہے وہ بھی اس کی قدرت کی جلوہ گری ہے اور یہ بھی۔ اس کی مشیت کی کرشمہ نمائی، نہ خدائی کا دم بھرنے کا اسے حق پہنچتا ہے نہ اسے۔ سب اس کے بندہ ہونے پر اور اسے اپنا رب پہچاننے پر شکر کناں ہیں۔ عیسائیوں میں بھی کئی ایسے فرقے گزرے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ یقین کرتے تھے۔ اور اُن کو نہ خُدا مانتے تھے نہ خدا کا بیٹا۔

۶۴ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت یہود کی اِفتراء بازیوں، بہتان تراشیوں اور نصاریٰ کی مبالغہ آرائیوں میں گم ہو کر رہ گئی

مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ

اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس (یقینی) علم تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ۶۵ ہم بُلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی

وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ ۟ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ

اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی ۶۶ اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی ۶۷ پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) اِلتجا کریں پھر بھیجیں

تھی۔ قرآن نے یہ سارے پردے ہٹا دیئے۔ اُن کی اور اُن کی والدہ کی طہارت و پاکیزگی، ان کی عجیب و غریب پیدائش، اُن کے حیران کن معجزات بھی بیان کر دیئے اور اُن کا بندہ ہونا بھی ثابت کر دیا۔ اب اس پر یہ کہہ کر مُہر تصدیق ثبت کر دی کہ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ یہ وہ سچی حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ اس لیے اس میں شک و شُبہ کی کوئی گنجائش نہیں فَلَا تَكُنۡ میں خطاب یا تو قرآن کے ہر پڑھنے سننے والے کو ہے یا خطاب حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور مُراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمّت ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی ذات شک و شُبہ سے بالاتر تھی۔ اَلۡخِطَابُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَالۡمُرَادُ اُمَّتُهٗ لِاَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ لَمۡ يَكُنۡ شَاكًّا فِيۡ اَمۡرِ عِيۡسٰى عَلَيۡهِ السَّلَامُ (القرطبی)(1)

۶۵ بنی نجران کے وفد کے تمام شکوک اور شُبہات کا قرآنِ حکیم نے تحقیقی جواب دے دیا اور ایسے واضح اور روشن دلائل پیش فرمائے جن کے بعد کسی طالب حق کے لیے اِنکار کی گنجائش نہ رہی۔ لیکن جب اُنہوں نے پھر بھی دعوتِ توحید کو قبول نہ کیا اور اپنے عقیدۂ تثلیث پر اَڑے رہے تو ان معاندین پر حجت قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا۔ مباہلہ کہتے ہیں کہ فریقین نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ دعا کریں کہ ان میں سے جو جُھوٹا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ چنانچہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اِمامِ حسین رضی اللہ عنہ کو اُٹھائے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اُنگلی سے پکڑے تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے خاتونِ جنت اور ان کے پیچھے حیدرِ کرار آ رہے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفد نجران کو مباہلہ کی دعوت دی۔ جب اُنہوں نے یہ نُورانی چہرے دیکھے تو ان کے اسقف (لاٹ پادری) نے کہا کہ اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو یاد رکھو تمہارا نام و نشان تک مِٹ جائے گا۔ چنانچہ اُنہوں نے صلاح مشورہ کے لیے مہلت طلب کی اور دوسرے روز مباہلہ کرنے سے اِنکار کر دیا اور جزیہ ادا کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور صلح کر لی۔ یہ واقعہ 10ھ میں ہوا۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور اِسلام کی صداقت اور عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کے بطلان کی ناقابل تردید دلیل ہے۔ اگر حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نبوت کے متعلق ادنیٰ سا بھی شک ہوتا تو بذاتِ خود ان بزرگ اور عزیز ہستیوں کی معیت میں مباہلہ کے لیے میدان میں کیوں تشریف فرما ہوتے۔ اور اگر نصرانیوں کو اپنے عقیدہ کی سچائی کا یقین ہوتا تو وہ کبھی مباہلہ کرنے سے باز نہ آتے (2)۔

۶۶ بعض لوگوں نے یہاں یہ ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ ورنہ دوسری صاحبزادیاں بھی اس روز مباہلہ میں شرکت کرتیں۔ تو ان کی خدمت میں گزارش ہے۔ تاریخ کی تمام معتبر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص103 2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج3، ص212

لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَ

اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر بے شک یہی ہے واقعہ سچا ۶۸ اور

مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بے شک اللہ ہی غالب ہے (اور) حکمت والا ہے پھر اگر وہ منہ پھیریں

فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى ع ۶ ۹ ۱۴

تو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے فساد برپا کرنے والوں کو (میرے نبی!) آپ کہیئے اے اہلِ کتاب آؤ ۶۹ اس

کتابوں (ناسخ التواریخ اور کافی وغیرہ) میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں (1)۔ اور اُس روز خاتونِ جنّت کا اکیلے تشریف لانا اِس لیے تھا کہ باقی صاحبزادیاں اِنتقال فرما چکی تھیں۔ حضرت رقیہ نے 2ھ میں، حضرت زینب نے 8ھ میں اور حضرت ام کلثوم نے 9ھ میں انتقال فرمایا۔ عَلٰی اَبِیْھِنَّ وَعَلَیْھِنَّ اَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ وَاَطْیَبُ التَّسْلِیْمَاتِ۔ اور یہ واقعہ 10ھ کا ہے۔

۶۷ اِس لفظ سے بعض لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت بلافصل پر اِستدلال کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ اَنْفُسَنَا سے مُراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ آپ نفس رسول ہیں۔ گویا آپ رسول جیسے ہیں۔ تو جب آپ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مساوی ہو گئے تو پھر آپ سے زیادہ خلافت کا حق دار اور کون ہو سکتا ہے۔ تو اس کے متعلق اِلتماس ہے کہ حضرت علی کا شمار اَبْنَآءَنَا میں ہے۔ کیونکہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد تھے۔ اور داماد کو بیٹا کہا جاتا ہے۔ اور اگر اَنْفُسَنَا میں ہی شمار کریں تو عینیت اور مساوات کہاں سے ثابت ہوئی۔ کیونکہ یہ لفظ تو ان لوگوں کے لیے بھی اِستعمال ہوتا ہے جو قریبی رشتہ دار یا دینی اور قومی بھائی ہوں جیسے یُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَھُمْ مِّنْ دِیَارِھِمْ (2) (وہ اپنے نفسوں کو یعنی اپنے قومی بھائیوں کو اُن کے وطن سے نکال رہے ہیں) وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ (3) (اپنے وطن سے اپنے نفسوں کو یعنی اپنے قومی بھائیوں کو نہ نکالنا) ثُمَّ اَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ (4) ان سب آیات میں ان کے علاوہ متعدد دیگر آیات میں انفس کا لفظ دینی اور قومی بھائیوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

۶۸ اِن حکایات اور تفصیلات کے بعد اس آیت میں ان سب کا حاصل بیان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خُدا اور معبود نہیں۔ جو کسی مخلوق کو خُدا یا خدا کا بیٹا تسلیم کرتا ہے وہ راہِ راست سے بھٹک گیا ہے۔

۶۹ کلمہ سے مُراد یہاں لفظ مفرد نہیں بلکہ جملہ مفیدہ ہے یعنی اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ الخ اور یہ استعمال عام ہے۔ وَالْکَلِمَۃُ تُطْلَقُ عَلَی الْجُمْلَۃِ الْمُفِیْدَۃِ (ابن کثیر) (5) اس سے معلوم ہوا کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی نئی دعوت، کوئی نرالا دین لے کر نہیں آئے تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُسی توحید کے داعی بن کر تشریف لائے تھے جس کی دعوت ہر نبی نے دی۔ نیز اِس آیت سے یہ بھی

1۔ اصول کافی از ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی الرازی، متوفی 329ھ، ج 1، ص 364، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، تہران

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 189

3۔ سورۃ البقرہ: 84

4۔ سورۃ البقرہ: 85

5۔ تفسیر ابن کثیر، ج 2، ص 718، مطبوعہ دار ابن حزم بیروت

كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ

بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمھارے درمیان (وُہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کے اور نہ شریک ٹھیرائیں اس کے

شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا

ساتھ کسی چیز کو اور نہ بنالے کوئی ہم میں سے کسی کو رب اللہ کے سوائے پھر اگر وُہ رُوگردانی کریں

فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ

(اس سے) تو تم کہہ دو گواہ رہنا (اے اہلِ کتاب) کہ ہم مسلمان ہیں ۷۱ اے اہل کتاب! کیوں جھگڑتے ہو تم

فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

اِبراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں اُتاری گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد ۷۲

واضح ہو گیا کہ انسانیت جو آج مختلف اور مخالف گروہوں میں بٹ کر رہ گئی ہے۔ جس کے باعث گلشن ہستی جہنّم زار بن گیا ہے اس کے اِتحاد کی حقیقی اور محکم بُنیاد عقیدہ توحید ہی ہے جو دنیا کی ساری حقیقتوں سے واضح تر اور روشن ترین حقیقت ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِسی پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لیے اہل کتاب کو دعوت دی۔

۷۰ اِمام ترمذی نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (1) تو میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم ان کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کیا ایسا نہیں تھا کہ وہ جس حلال چیز کو چاہتے حرام کر دیتے اور جس حرام چیز کو چاہتے حلال کر دیتے اور تم ان کے ہر حکم کی پیروی کیا کرتے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں ایسا تو ہم کیا کرتے تھے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا هُوَ ذَاكَ (2) یعنی اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو حلال و حرام کرنے کے کلّی اِختیارات سونپ دینا ہی تو اس کی عبادت کرنا اور اس کو رب بنانا ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ شریعت کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ چیزوں کو حلال کر سکتا ہے تو وہ بھی اِسی توبیخ کا مستحق ہے۔

۷۱ اِس آیت کریمہ میں اہل کتاب کی آنکھوں سے تعصب کا پردہ اُٹھانے کی ایک عجیب اور لطیف اسلوب میں کوشش کی گئی ہے۔ اِنسان جب کسی دوسرے کو حق و صداقت کے میدان میں سبقت لے جاتے ہوئے دیکھتا ہے تو یہ جذبہ قدرتاً اس کے اندر بھی بیدار ہونے لگتا ہے کہ جب اور لوگ تمام رکاوٹوں کو عبور کر کے حق کی طرف بے تابانہ لپک رہے ہیں تو میں کسی سے پیچھے کیوں رہوں۔ مسلمانوں کے اِس اعلان سے یہود و نصاریٰ کے دل میں بھی یہی جذبہ پیدا کرنا مقصود ہے۔

۷۲ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل و کمالات کے سب معترف تھے۔ اور سب اس پر متفق تھے کہ آپ کا دین ہی سچا دین

1۔ سورۂ توبہ: 31 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج2، ص64-63۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورۂ توبہ، ج2، ص136

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حٰجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ

کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھ سکتے سُنتے ہو! تم وُہ لوگ ہو جو جھگڑتے رہے ہو (اب تک) ان باتوں میں جن کا تمھیں کچھ نہ کچھ علم تھا پس (اب)

تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

کیوں جھگڑنے لگے ہو ان باتوں میں نہیں ہے تمھیں جن کا کچھ علم اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا

نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وُہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے

مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ

مُسلمان تھے ۷۳؎ اور نہ ہی وُہ شرک کرنے والوں میں سے تھے بے شک نزدیک تر لوگ ۷۴؎ ابراہیم (علیہ السّلام) سے

ہے اور آپ کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ اِس لیے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے یہودی یہ دعویٰ کیا کرتے کہ حضرت اِبراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائی دعویٰ کیا کرتے کہ آپ عیسائی تھے۔ ان کے اس غلط دعویٰ کا بطلان کیا جا رہا ہے کہ یہودیت اور عیسائیت بعد کی پیداوار ہیں۔ حضرت اِبراہیم علیہ السلام کا زمانہ تو صدیوں پہلے کا ہے جب یہودیت و نصرانیت کا وجود ہی نہ تھا۔ اس لیے ان کو یہودی یا عیسائی کہنا کہاں کی دانش مندی ہے۔

۷۳؎ گمراہی سے منہ موڑ کر حق کی طرف متوجّہ ہونے کو عربی میں الحَنَف کہتے ہیں اور حق سے رُوگردانی کر کے گمراہی کی طرف مائل ہونے کو اَلْجَنَف کہتے ہیں (مفردات)(1) تو حنیف کا معنی ہوا ہر باطل و گمراہی سے منہ موڑ کر ہمہ تن حق و صداقت کی طرف متوجہ ہونے والا۔ قرآن بتاتا ہے کہ حضرت اِبراہیم علیہ السلام تو صرف اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کے قائل تھے اور اُسی ایک کی عبادت میں سرگرم تھے۔ نہ وہ عُزیر کو خُدا کا بیٹا اور نہ مسیح کو اس کا فرزند کہتے تھے۔ نہ صلیب کے پرستار تھے اور نہ مشرکین عرب کی طرح کسی پتھر کی مُورتی کے پجاری تھے۔ اُن کی توحید خالص سے تمہاری اس شرک آلود یہودیت و نصرانیت کو کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

۷۴؎ اہل حق سے تعلق اور تقرب کا اِنحصار اِس پر نہیں کہ آپ ان سے اپنی وابستگی کے طویل و عریض دعوے کریں۔ بلکہ اس کا دار و مدار ان کی سچی پیروی پر ہے۔ جس نے ان کے پیغام کو دل سے قبول کیا اور زندگی بھر اس پر کاربند رہا وہی ان سے قریب ہے۔ وہی ان کا دوست ہے۔ اِس لیے قرآن حکیم نے تصریح کر دی کہ حضرت اِبراہیم علیہ السلام سے تقرب کا شرف یا ان لوگوں کو حاصل ہے جو ان پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کی یا اس نبی امی (فداہ ابی و امی) کو جس نے دین اِبراہیمی کو نئی زندگی اور تازہ قوت بخشی اور یا اس کے جانباز غلاموں کو جو ابراہیمی مشن کو سربلند کرنے کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے آمادہ ہیں۔ تمہیں کیا واسطہ اللہ تعالیٰ کے

1۔ مفرداتِ راغب، ص 260

لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ

وُہ تھے جنھوں نے ان کی پیروی کی نیز یہ نبی (کریم) اَور جو (اس نبی پر) اِیمان لائے اَور اللہ تعالیٰ مددگار ہے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ

مومنوں کا دِل سے چاہتا ہے ایک گروہ ۷۵ اہلِ کتاب سے کہ کسی طرح گمراہ کر دیں تمھیں

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

اَور نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اَور وُہ (اِس حقیقت کو) نہیں سمجھتے اَے اہل کتاب !

لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

کیوں اِنکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا حالانکہ تم خود گواہ ہو ۷۶ اَے اہل کتاب !

لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ

کیوں مِلاتے ہو حق کو باطل کے ساتھ ۷۷ اَور (کیوں) چھپاتے ہو حق کو حالانکہ تم

خلیل سے جو دنیا کی محبت اور اقتدار کی ہوس میں یُوں کھوئے ہوئے ہو کہ حق کو پہچانتے ہوئے حق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔

۷۵ چاہیے تو یہ تھا کہ اہل کتاب حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اِیمان لاتے۔ لیکن ایمان لانا تو کُجا اُن کی ضد اور عناد کی یہ حالت ہے کہ جو راہِ راست پر چل رہے ہیں ان کے متعلق بھی ان کی آرزو یہ ہے کہ وہ بھٹک جائیں۔ اگر وہ اُن کا مذہب قبول نہیں کرتے، تو کم از کم مسلمان تو نہ رہیں۔ اِس لیے مسلمانوں کو اِسلام سے بدظن اور برگشتہ کرنے کے لیے سارے جتن کرتے۔ ان کے سامنے طرح طرح کے شُبہات پیش کرتے۔ گوناگوں اِلزامات تراشتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اِس ناپاک مقصد میں تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ البتہ وہ اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی میں ضرور اضافہ کر رہے ہیں اور بے خبری میں اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینک رہے ہیں وَمَا يُضِلُّوْنَ کا معنی وَمَا يُهْلِكُوْنَ ہے۔(1)

۷۶ اِسلام کی صداقت وحقّانیت کے دلائل اِس قدر واضح اور روشن ہیں گویا وہ اِسلام کی صداقت کا اپنی ان آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ لیکن یوں عیاں دیکھ لینے کے باوجود بھی ان کا اِسلام کو قبول نہ کرنا کتنی عجیب بات ہے۔

۷۷ لبس کا معنی ڈھانپ دینا یا کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خلط ملط کر دینا ہے(2)۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات و علامات جو ان کی آسمانی کتابوں کے صفحہ صفحہ پر ثبت تھے ان کو چھپا دیا کرتے یا اللہ تعالیٰ کے ان احکام میں تحریف کر دیا کرتے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص112 2۔ مفرداتِ راغب، ص35-734

ع ۱۵

تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ

جانتے ہو کہا ایک گروہ نے ۷۸ے اہلِ کتاب سے کہ ایمان لے آؤ اس (کتاب) پر

اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ

جو اُتاری گئی ایمان والو پر صُبح کے وقت اور اِنکار کرو اس کا سرِشام شاید (اس طرح) وُہ

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ صلے وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ

(اسلام سے) برگشتہ ہو جائیں (ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں) ۷۹ے کہ مت مانو کسی کی بات سوائے اُن لوگوں کے جو پیروی کرتے ہیں تمھارے دین کی فرمائیے

تھے۔جن پر عمل کرنا ان کی طبع نازک پر گراں ہوتا۔

۷۸ے دلائل کے میدان میں شکست کھانے کے بعد یہود کے مذہبی رؤسا نے لوگوں کو دین حق سے برگشتہ کرنے کے لیے ایک گہری سازش سے کام لینا چاہا۔اُنہوں نے سوچا کہ اور کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوتی اب یوں کریں کہ اپنے چند خاص چیلے مسلمانوں کے پاس بھیجیں جو وہاں جا کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں۔کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ مُرتد ہو جائیں اور اس کا خوب چرچا کریں کہ اِسلام قبول کرنے کے بعد ہمیں اِسلام اور پیغمبر اِسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔اور ان کے ایسے عیوب اور کوتاہیاں ہم پر آشکارا ہوئی ہیں کہ ہم اس دین کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئے۔جس کو ہم نے کچھ عرصہ پہلے بڑے شوق اور محبّت سے قبول کیا تھا۔اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو دھڑا دھڑ اِسلام میں داخل ہو رہے ہیں ٹھٹک کر رہ جائیں گے۔اور وہ ایک بار پھر یہ سوچنے لگیں گے کہ جس دین کو اس کے ماننے والے ایک ایک کر کے چھوڑ رہے ہیں وہ سچا دین نہیں۔یہود کی یہ سازش بڑی خطرناک تھی۔اور نفسیاتی طور پر اس کا بڑا برا نتیجہ نکلتا۔لیکن دانا و بینا خدا نے اُن کے اس دام ہمرنگ زمین کو پہلے ہی نمایاں کر کے مسلمانوں کو ہوشیار کر دیا اور اِس طرح یہود کی یہ گہری چال ناکام ہو کر رہ گئی۔

۷۹ے مفسرین کرام نے اس آیت کو مشکل ترین آیت شمار کیا ہے۔اور اِس میں جو متعدد جملے ہیں ان کے باہمی تعلق پر بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔لیکن خدا رحم فرماوے امام ابوعبداللہ القرطبی پر جنہوں نے اس آیت کو بالکل آسان بنا دیا ہے۔فرماتے ہیں اس آیت میں قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ جملہ معترضہ ہے اور دوسرے سب جملوں کا تعلق لَا تُؤْمِنُوْٓا سے ہے۔اِس صورت میں اس کا مفہوم یوں ہوگا:

اَلْمَعْنٰى وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ وَلَا تُصَدِّقُوْٓا اَنْ يُّحَآجُّوْكُمْ (تفسیر قرطبی)(1)

یعنی رؤساء یہود اپنے ان چیلوں کو جنہیں انہوں نے اس سازش کیلئے تیار کیا تھا یہ تین باتیں بڑی مہارت سے ذہن نشین کراتے تھے۔پہلی بات تو یہ تھی کہ اپنے دین کے ماننے والوں کے بغیر کسی کی بات مت ماننا۔دوسرا یہ یقین کرنا کہ جن اِنعاماتِ خُداوندی سے تمہیں سرفراز کیا گیا ہے وہ کسی دوسری قوم کو مرحمت نہیں کیے گئے۔تیسرا یہ کہ بالکل مطمئن رہو۔قیامت کے دن بھی تم پر کوئی حجّت قائم کر کے تمہیں

1۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص112

اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ

ہدایت تو وُہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہو (اور یہ بھی نہ ماننا کہ) دیا جا سکتا ہے کسی کو جیسے تمہیں دیا گیا

اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ

یا کوئی حجّت لا سکتا ہے تم پر تمہارے رب کے پاس (اے حبیبؐ!) فرما دیجئے کہ فضل (وکرم) تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ

جسے چاہتا ہے ۸۰ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ

اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے اور اہلِ کتاب سے بعض ایسے (دیانتدار) ہیں کہ اگر تُو

شرمسار نہ کر سکے گا۔ یہ باتیں ان کے ذہن نشین کرنے کے بعد ان کو اس خطرناک سازش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا اہم فریضہ سونپا جاتا۔

علم نفسیات کے ماہران کی وُسعت نظر کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہود کو یہ اندیشہ تھا اور وہ بے جا بھی نہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی اُن کے پاس جا کر انہیں کے بن کر رہ جائیں جیسے اُن کا بارہا کا مشاہدہ تھا۔ اور دوسروں کو اِسلام سے برگشتہ کرتے کرتے کہیں اپنوں سے ہی ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔ اِس اندیشہ کی پیش بندی انہوں نے بڑی سُوجھ بُوجھ سے کی۔ اور ان کے دِل و دِماغ کو ایسے قالب میں ڈھالنے کی ماہرانہ سعی کی جس کے بعد اِس قسم کے خطرات کا اِمکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ پہلے ان کی مذہبی عصبیت کو ہوشیار کیا۔ اور اُنہیں یہ نہ مانوں نہ مانوں کا سبق ازبر کرا دیا۔ اس کے بعد ان کی قومی نخوت اور نسلی برتری کے اِحساس کو ہوا دی گئی کہ خُدا کی ساری مخلوق میں تمہیں اس کے پیارے اور لاڈلے ہو۔ جو اِنعامات تم پر کیے گئے ہیں کسی دوسری قوم پر نہیں کیے گئے۔ اس لیے جب تم تمام اقوامِ عالم سے افضل و اعلیٰ ہو تو تم کیوں کسی دوسری قوم کی دعوت قبول کرو جو تم سے فروتر ہیں۔ اب بھی ایک گوشہ باقی تھا جس طرف سے اُن کی ہٹ دھرمی اور تعصب پر یورش ہو سکتی تھی اور وہ روزِ قیامت کی باز پُرس کا خوف۔ اُس کو یہ کہہ کر محفوظ کر دیا کہ یقین مانو قیامت کے دن بھی تم ہی سُرخرو ہو گے اور کوئی ایسی بات نہیں جس کے باعث تمہیں قیامت کے دن شرمندہ ہونا پڑے۔ اِس طرح اُنہیں ذہنی اور رُوحانی طور پر بھی اِسلام کے خلاف اس گھناؤنے جُرم کے اِرتکاب کے لیے مستعد کر دیا۔ علامہ قرطبی کی اِس تفسیر کے بعد آیت کا مفہوم اِتنا واضح ہے کہ ان پُر پیچ تاویلات کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

۸۰ نبوت کسی کی ذاتی جاگیر نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ حکیم و علیم جس کو اِس بارِ امانت کے اُٹھانے کا اہل دیکھتا ہے اس کو اس سے سرفراز فرماتا ہے۔ اِس سے یہود کے اِس دعوے کی تردید ہے کہ نبوت اولادِ اسحاق علیہ السلام کی میراث ہے بنی اسمٰعیل سے کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ

امانت رکھے اس کے پاس ایک ڈھیر (سونے چاندی کا) تو ادا کر دے اُسے تمہاری طرف اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک اشرفی

لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا

تو واپس نہ کرے گا اسے بھی تیری طرف مگر جب تک تو اس کے سر پر کھڑا رہے اس (بددیانتی) کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں

لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

کہ نہیں ہے ہم پر اَن پڑھوں کے معاملہ میں کوئی گرفت ۸۱؎ اور یہ لوگ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ

حالانکہ وہ جانتے ہیں ہاں کیوں نہیں جس نے پورا کیا اپنا وعدہ اور پرہیزگار بنا تو بے شک اللہ تعالٰے

يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ

محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے بے شک جو لوگ ۸۲؎ خریدتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض

۸۱؎ سَبِیْلٌ کا معنی راستہ ہے۔ اور کبھی کبھی یہ حجت اور دلیل کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ وَیُعَبَّرُبِہٖ عَنِ الْمَحَجَّۃِ (مفردات) (1) یہاں اسی معنی میں اِستعمال ہوا ہے۔ یہودی آپس میں جب لین دین، عہد و پیمان اور خرید و فروخت کرتے تو اُس وقت احکامِ خداوندی پر کم و بیش عمل کرتے۔ لیکن اہل عرب خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ عجیب قسم کا تھا۔ ان سے خرید و فروخت کرتے وقت دھوکہ کرتے۔ وعدہ کر کے پھر جاتے۔ امانتوں میں خیانت سے باز نہ آتے (2)۔ غرضیکہ ان کے ساتھ معاشرت میں اَخلاق اور دین کے کسی ضابطہ کی پابندی نہ کرتے اور اگر انہیں اِس خیانت، عہد شکنی اور بدمعاملگی پر ملامت کی جاتی تو بجائے نادم ہونے کے یہ جواب دیتے کہ ہمیں اپنی کتاب نے عرب کے ان بے علموں کے مال خُرد بُرد کرنے کی اِجازت دی ہے۔ اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ ان کا یہ کہنا تورات اور حضرت کلیم پر بہتانِ عظیم ہے۔ خُداوند کریم تو انہیں لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو ہر کسی سے معاملہ کرتے وقت دیانتداری، ایفائے عہد اور سچ بولنے کے اصولوں پر کاربند رہیں۔ اس سے ہمیں بھی یہ سبق مل گیا کہ ہم جس کسی سے معاملہ کریں خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، نیک ہو یا بد، اپنا ہو یا بیگانہ، اس سے دیانت داری اور راست بازی کا معاملہ کریں۔ کسی کا کفر یا فسق اس کے ساتھ فریب دھوکہ کرنے کے لیے اللہ تعالٰی کے نزدیک کوئی وجہ جواز نہیں۔

۸۲؎ کبیرہ گناہوں کی فہرست بہت طویل ہے لیکن ان میں سے عہد شکنی اور وعدہ خلافی پر جو سزا مقرر کی گئی ہے وہ کسی دوسرے

1۔ مفردات راغب، ص 396 2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 4، جز 8، ص 111

ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

تھوڑی سی قیمت یہ وُہ (بدنصیب) ہیں کہ کچھ حصّہ نہیں ان کے لیے آخرت میں اَور بات تک نہ کرے گا ان سے

اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ

اللہ تعالیٰ اَور دیکھے گا بھی نہیں ان کی طرف قیامت کے روز اَور نہ پاک کرے گا انھیں اَور ان کے لیے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ

دردناک عذاب ہے اَور بے شک ان میں ایک فریق وُہ ہے جو مروڑتے ہیں[۸۳] اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ

گناہ کے لیے تجویز نہیں کی گئی۔ عہد شکنی کے لیے پانچ سزاؤں کا یہاں ذِکر ہے۔ (۱) وہ آخرت کی نعمتوں سے یکسر محروم کر دیا جائے گا (۲) رحمٰن ورحیم خُدا اُس سے بات تک نہ فرمائے گا (۳) اُس کی نظر لطف ورحمت سے بھی وہ محروم رہے گا (۴) گناہ کی آلائشوں سے بھی اُسے پاک نہیں کیا جائے گا اور (۵) اِس کے علاوہ اُسے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

کوئی ہے اَیسا دِل گُردے والا جو اِن سزاؤں میں سے کسی ایک کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے والی قوم اگر اِس پُر ہیبت و پُر جلال آیت کے بعد بھی اپنے وعدہ کی پابند نہیں بنے گی تو کب بنے گی۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اِرشادِ گرامی بھی سُن لیجئے۔

آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ وَّاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ (1)

ترجمہ: منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور اپنے آپ کو مُسلمان خیال کرے۔ جب وہ بات کرے تو جُھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو اِیفاء نہ کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ آیت میں دو وعدوں کا ذِکر ہے۔ ایک وہ وعدہ جو بندہ اپنے رب کے ساتھ اس کی بندگی اور فرمانبرداری کے متعلق کرتا ہے اور دوسرا وہ جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ دونوں کی خلاف ورزی پر یہ وعید ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص گناہ کے اِرتکاب کی قسم اُٹھاتا ہے۔ یعنی اس نے قسم اُٹھائی کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا یا شراب پیئے گا۔ یا ماں باپ کو اذیت پہنچائے گا تو اُس وقت اُس قسم کا توڑنا لازمی ہو جاتا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں ہے۔ کیونکہ اللہ کا نامِ پاک نیکی پر برانگیختہ کرنے کے لیے ہے نہ کہ بُرائی اور گناہ پر اُکسانے کیلئے۔

[۸۳] یَلْوٗنَ کا اصل لَیٌّ ہے جس کا معنی ہے جھکانا، مائل کرنا۔ کہا جاتا ہے لَوٰی بِیَدِہٖ اس نے اپنا ہاتھ جھکایا۔ لَوٰی بِرَاْسِہٖ اس نے اپنا سر جھکایا (2)۔ یعنی اُس کی اصلی اور فطری وضع میں تبدیلی کر دی۔ اس لیے اب اِس کا اِستعمال کسی کلام کے الفاظ یا اعراب میں ایسا ردّوبدل کر دینا جس سے اِس کلام کا اصلی مفہوم بدل جائے یا اس کی ایسی من گھڑت تشریح کرنا جس کا اس کلام سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو، کے معنی میں ہونے لگا ہے لَوٰی لِسَانَهٗ بِكَذَا كِنَايَةٌ عَنِ الْكَذِبِ وَتَخَرُّصِ الْحَدِيْثِ (مفردات) (3) عربی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق، ج1، ص56 2۔ مفردات راغب، ص752 3۔ ایضاً

لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ

تاکہ تم خیال کرنے لگو (ان کی) اس (اُلٹ پھیر) کو بھی اصل کتاب سے حالانکہ وُہ کتاب سے نہیں ہے اَور وُہ کہتے ہیں یہ بھی

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اللہ کی طرف سے (اُترا) ہے حالانکہ وُہ نہیں ہے اللہ کے پاس سے اَور وُہ کہتے ہیں اللہ پر

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ

جھُوٹ جان بُوجھ کر نہیں ہے مُناسب کسی اِنسان کے لیے کہ (جب) عطا فرمادے اسے اللہ تعالیٰ کتاب

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ

اَور حکومت اَور نبوّت ۸۴ تو پھر وُہ کہنے لگے لوگوں سے کہ بن جاؤ میرے بندے اللہ کو

دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ

چھوڑ کر (وُہ تو یہ کہے گا کہ) بن جاؤ اللہ والے اِس لیے کہ تم دُوسروں کو تعلیم دیتے رہتے تھے کتاب کی

محاورہ میں جھوٹ بولنے اور من گھڑت بات بنانے کو ''لَوٰی لِسَانَهٗ بِكَذَا'' کہتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے وَالْمَعْنٰی يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ وَيَعْدِلُوْنَ بِهٖ عَنِ الْقَصْدِ (1)۔ بعض علمائے یہود کا یہ شیوہ تھا کہ تورات کی جن آیات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذِکر پاک ہوتا یا تو ایسے لب ولہجہ سے انہیں پڑھتے کہ مطلب بگڑ جاتا یا الفاظ واعراب میں ردّ وبدل کر دیتے یا ان آیات کا غلط مطلب لوگوں کو بتایا کرتے۔ اس آیت میں ان کی اِس مذموم حرکت کا بیان ہے۔

۸۴ یعنی جسے ان اِنعامات سے سرفراز کیا جاتا ہے وہ کسی کو اپنی پرستش اور عبادت کی دعوت نہیں دے گا بلکہ وہ تو سب کو یہی تلقین کرے گا کہ اللہ والے بن جاؤ۔ رَبّٰنِيّٖنَ جمع ہے رَبّانی کی جو رب کی طرف منسوب ہے اس نسبت کی وجہ سے اسے رَبِّیٌّ ہونا چاہیے۔ لیکن بسا اوقات مبالغہ کے لیے الف نون کا اضافہ کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً جس کی بڑی گھنی ڈاڑھی ہو اسے باضافہ الف نون لِحْیَانِیٌّ اور جس کی گردن بہت فربہ ہو اسے باضافہ الف نون رَقَبَانِیٌّ کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا بالکل اللہ والا۔ مبرد نے اس کا ایک دوسرا ماخذ بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ رَبَّانٌ کی جمع ہے جو ربہ یربہ فھو ربان سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے تربیت نفوس، اِصلاحِ احوال اور تدبیرِ اُمور کرنے والا (2)۔ اب ربانیون کا معنی ہوگا نوعِ انسانی کی صحیح تربیت اور ان

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 121 2۔ ایضاً، ج 4، ص 122 (ماخوذ)

وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

اَور بوجہ اس کے کہ تم خود بھی اسے پڑھتے تھے ۸۵ اَور وُہ (مقبول بندہ) نہیں حکم دے گا تمھیں اِس بات کا کہ بنالو فرشتوں

وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع ۹/۱۶

اَور پیغمبروں کو خُدا (تم خود سوچو) کیا وُہ حکم دے سکتا ہے تمھیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مُسلمان بن چکے ہو

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ

اَور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے پُختہ وعدہ ۸۶ کہ قسم ہے تمھیں اس کی جو دُوں میں تم کو کتاب اَور حکمت سے

کی اصلاح کرنے والے۔ یہاں عیسائیوں کو بتایا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو نبی تھے۔ وہ اپنے آپ کو خدا یا خدا کا فرزند کیونکر کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے تو تمہیں محض اللہ والا بننے کی دعوت دی ہے۔

۸۵ مقصد یہ ہے کہ اَے اہل کتاب تمہیں تو بطریق اولیٰ ربّانی بننا چاہیے۔ کیونکہ تمہارے پاس تو رُشد و ہدایت کا آسمانی صحیفہ موجود ہے۔ جس کے معانی اور مطالب سے تم خوب واقِف ہو۔ تم خود بھی اسے پڑھتے ہو اور دوسروں کو بھی اس کا درس دیتے ہو۔ اور اگر تم نے خود اُس سے ہدایت حاصل نہ کی اور توحید کی خالص نعمت سے محروم رہے تو پھر درس و تدریس کی ہنگامہ آرائیوں سے کیا حاصل؟

۸۶ حضرت سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر اس کی موجودگی میں سرورِ عالم و عالمیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوں تو اُس نبی پر لازم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر اِیمان لا کر آپ کی امّت میں شمولیت کا شرف حاصل کرے اور ہر طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی تائید و نصرت کرے اور تمام انبیاء نے یہی عہد اپنی اپنی اُمتوں سے لیا(1)۔ السید المحقق محمود الآلوسی صاحب رُوح المعانی تحریر فرماتے ہیں۔ وَمِنْ هُنَا ذَهَبَ الْعَارِفُوْنَ اِلٰى اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ هُوَ النَّبِيُّ الْمُطْلَقُ وَالرَّسُوْلُ الْحَقِيْقِيُّ وَالْمُشَرِّعُ الْاِسْتِقْلَالِيُّ وَاِنَّ مَنْ سِوَاهُ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِيْ حُكْمِ التَّبَعِيَّةِ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ(2)۔ یعنی اِسی لیے عارفین نے فرمایا ہے کہ نبی مطلق رسولِ حقیقی اور مستقل شریعت کے لانے والے حضور نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور جملہ دیگر انبیاء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع ہیں۔ (روح المعانی)

شب معراج تمام انبیاء کرام کا بیت المقدس میں مجتمع ہو کر حضور فخر کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِمامت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطابق نماز ادا کرنا اسی بلند مرتبت عہد کی عملی توثیق تھی۔ اور امام الانبیاء والمرسلین کی عظمت شان اور جلالت قدر کا صحیح اندازہ قیامت کے روز ہوگا جب ساری مخلوقِ خُدا خوفِ خدا سے لرزہ براندام ہوگی اور مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء لواء حمد ہاتھ میں لیے مقامِ محمود پر فائز ہوں گے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى حَبِيْبِكَ وَصَفِيِّكَ صَاحِبِ لِوَاءِ الْحَمْدِ وَالْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ وَاحْشُرْنَا فِيْ زُمْرَتِهٖ وَتَحْتَ لِوَائِهٖ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ وَاَدْخِلْنَا مَعَهٗ فِي الْجَنَّةِ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ۔

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج3، ص236 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج3، ص210

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

پھر تشریف لائے تمہارے پاس وُہ رسُول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ

اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اس کے بعد) فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اُٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى

(اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہُوں پھر جو کوئی پھرے اس

بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ

(پختہ عہد) کے بعد تو وُہی لوگ فاسق ہیں کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ

کرتے ہیں[۸۷] حالانکہ اسی کے حضُور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبُوری سے اور اسی کی طرف وُہ

يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ

(سب) لوٹائے جائیں گے آپ فرمائیے ہم ایمان لائے اللہ پر[۸۸] اور اُس پر جو اتارا گیا ہم پر اور جو اُتارا گیا

۸۷ جس مالکِ ارض وسماء کے حکم کے سامنے کائنات کی ہر چیز سرافگندہ ہے۔ خوشی یا ناخوشی سے، شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کے ہر تکوینی فرمان کی تعمیل کر رہی ہے۔ اور جس کی طرف ہر چیز پلٹ کر جانے والی ہے کیا اس قادر و توانا خدا کے دین کے بغیر وہ کسی اور دین، کسی دوسرے ضابطہ حیات کے متلاشی ہیں۔ وہ کتنے غلط کار ہیں اور فریب نفس کے کتنے مہلک مرض میں وہ مبتلا ہیں۔

۸۸ اپنے حبیب مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان پاک سے اس حقیقت عظمیٰ کا پھر اعلان کروایا جا رہا ہے کہ دین الٰہی اِسلام ہی ہے۔ سب انبیاء ورُسل اپنے اپنے زمانہ میں اِسی کی تبلیغ فرماتے رہے اور میں بھی اسی دین کا داعی اور مبلغ بن کر آیا ہوں۔ اِس لیے وہ تمام مقدّس ہستیاں جن کو بارگاہِ الٰہی سے نبوت کا شرف بخشا گیا اور ان پر جو کتابیں نازل ہوئیں میں اور میرے ماننے والے اُن سب کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارا یہ شیوہ نہیں کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں۔ یہ ہے دین محمدی کی وہ وسعت اور گہرائی جو ہر حق کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ جہاں کسی قومی، وطنی اور نسلی عصبیت کی گنجائش نہیں۔ اس دین قیّم کی

عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

اِبراہیم ، اِسمٰعیل ، اِسحٰق ، یعقوب اَور ان کے بیٹوں پر

وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ

اَور جو کچھ دیا گیا مُوسٰی ، عیسٰی اَور (دُوسرے) انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے نہیں فرق کرتے ہم

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ

کِسی کے درمیان ان میں سے اَور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں اَور جو تلاش کرے گا

الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ

اِسلام کے بغیر کوئی (اَور) دین تو وُہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے ۸۹ اَور وُہ قیامت کو زیاں کاروں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

میں سے ہوگا کیسے ہوسکتا ہے کہ ہدایت دے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو جنھوں نے کفر اِختیار کر لیا اِیمان لے آنے کے بعد ۹۰

روح تمام اُن عناصر سے پاک ہے جو اِنسان کو اِنسان سے ملنے نہیں دیتے۔ یہ کسی خاندان یا نسل کے خُدا کا دین نہیں بلکہ رب العٰلمین کا دین ہے۔ اور اس کا داعی صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنے کیلئے بھیجا نہیں گیا بلکہ وہ رحمۃ للعٰلمین ہے جو سارے عالم اِنسانیت کی شیرازہ بندی کیلئے مطلع وجود پر جلوہ نما ہوا۔ اِس لیے صرف یہی دین انسانی اِتحاد کے لیے اساسِ محکم ثابت ہوسکتا ہے۔

۸۹ دین اِسلام جو سب انبیاء کا دین ہے اور جس کو لے کر اب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اِس دین کو قبول نہیں کرتا اور کسی اور دین کی پیروی کرتا ہے تو اس کا وہ دین اللہ تعالیٰ کی جناب میں مردود ہے۔

۹۰ وہ گمراہ جو جہالت کی وجہ سے قبول حق سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے ہدایت پانے کی توقع ہوسکتی ہے کہ جب جہالت کا پردہ اُٹھ جائے گا اور حقیقت کا روشن چہرہ انہیں دِکھائی دے گا تو وہ اسے پہچان کر پروانہ وار اس پر قربان ہونے لگیں گے۔ لیکن جو حق کو پہچانتے ہیں اور اپنی خاص محفلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔ اور پھر دشمنی پر کمر بستہ ہیں۔ ان کے راہ پانے کی توقع عبث ہے۔

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ

اور وُہ (پہلے خود) گواہی دے چکے تھے کہ رسُول سچّا ہے اور آ چکی تھیں ان کے پاس کھُلی نشانیاں اور اللہ تعالےٰ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ

ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو ایسوں کی سزا یہ ہے[۹۱] کہ اُن پر

لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

پھٹکار پڑتی رہے اللہ کی فرشتوں کی اور سب اِنسانوں کی ہمیشہ رہیں اسی پھٹکار میں

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

نہ ہلکا کیا جائے گا اُن سے عذاب اور نہ اُنھیں مُہلت دی جائے گی مگر وُہ لوگ جنھوں نے (سچّے دل سے) توبہ

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ

کرلی اس کے بعد[۹۲] اور اپنی اِصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (انھیں بخش دے گا) یقیناً

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ

وُہ لوگ جنھوں نے کُفر اِختیار کیا اِیمان لانے کے بعد پھر بڑھتے چلے گئے کفر میں ہرگز نہ قبول کی جائے گی

تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَ

ان کی توبہ اور یہی لوگ ہیں جو گمراہ ہیں جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے کفر ہی

[۹۱] یعنی وہ بدنصیب جنھوں نے اپنی فطرتِ سلیمہ کو بگاڑ دیا اور خُداداد صلاحیتوں کو مسخ کر دیا۔

[۹۲] اِسلام نے رحمت الٰہی سے مایوس ہو جانے کی سخت مذمّت کی ہے۔ اور سب گمراہوں کو واضح طور پر بتا دیا ہے کہ جب وہ سچے دل سے اپنے گناہوں پر نادم ہوں تو آئیں اور اس کے در رحمت پر دستک دیں۔ اُن کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور انہیں ایک اور زریں موقع مل جائے گا کہ وہ ایک پاکیزہ زندگی کا از سرِ نو آغاز کر سکیں۔

هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوِ

کی حالت میں ۹۳ تو ہرگز نہ قبول کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا اگرچہ وُہ (اپنی نجات کیلیے)

ع ۱۱ ۱۷ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

عوضانہ دے اِتنا سونا ایسے لوگوں کے لیے عذاب ہے دردناک اَور نہیں ہے ان کا کوئی مددگار

۹۳ البتہ وہ لوگ جو زندگی بھر کُفر وطغیان کے راستہ پر گامزن رہے اور باز آنے اور نادم ہونے کے لیے جو مہلت اُنہیں دی گئی تھی اُس سے اُنہوں نے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ یہاں تک کہ موت کے جھونکے نے اُن کی زِندگی کا چراغ گُل کر دیا۔ ان کی بخشش کی کوئی صورت نہیں۔ اگر وہ بے انداز سونا بھی فدیہ کے طور پر ادا کرنا چاہیں گے تو ردّ کر دیا جائے گا۔ اور کوئی ان کی شفاعت بھی نہ کرے گا۔ کیونکہ شفاعت گنہگار مومن کے لیے ہوا کرتی ہے اور کافر اور مُشرِک شفاعت کا مستحق نہیں ہوا کرتا۔

الجزء ۴

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا

ہرگز نہ پاسکو گے تم ۹۴ کامل نیکی (کا رُتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہِ خدا میں) اُن چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرتے

مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا

ہو ۹۵ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے سب کھانے کی چیزیں ۹۶ حلال تھیں

لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ

بنی اِسرائیل کے لیے مگر وُہ جسے حرام کیا اِسرائیل نے اپنے آپ پر اس

۹۴ علّامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔ لَنْ تَبْلُغُوْا حَقِیْقَةَ الْبِرِّ الَّذِیْ هُوَ كَمَالُ الْخَیْرِ (1)۔ یعنی اپنی محبوب اور عزیز چیزوں کو راہ خدا میں خرچ کیے بغیر تم نیکی کی حقیقت تک جو خیر و احسان کا درجۂ کمال ہے رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ اَلْبِرُّ سے مراد بِرُّ اللّٰہِ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کے مستحق نہیں بن سکتے (2)۔ محبوب اشیاء میں مال و متاع، جسم و جان اور جاہ و منصب سب داخل ہیں۔ ان میں سے جو پیاری چیز ہو اُسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے سے ہی نیکی میں درجۂ کمال حاصل ہو سکتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی اے اللہ کے پیارے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے سب سے زیادہ عزیز اپنا باغ بیرحاء ہے۔ فَضَعْهَا حَیْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں مناسب خیال فرماتے ہیں اسے خرچ فرمایئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی خوشنودی کا اظہار فرمایا اور حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دے دو (3)۔ ایسی متعدد مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔

۹۵ نیکی میں درجۂ کمال تو ملے گا عزیز ترین چیز خرچ کرنے سے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ اس سے کم تر کوئی چیز خرچ کرو گے تو بھی اکارت نہیں جائے گی بلکہ اس کے مناسب تمہیں اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ نیز اس آیت کے پہلے حصّہ میں راہ خُدا میں اچھی اور پسندیدہ چیز دینے کا ذِکر فرمایا۔ پچھلے حصہ میں اِخلاصِ نیت کی طرف توجّہ دلائی۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں کو جاننے والا ہے۔ اگر تم نے ریا اور نمود کے لیے خرچ کیا تو وہ اکارت جائے گا۔

۹۶ یہود نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک اور اِعتراض کرنا شروع کیا کہ آپ دعویٰ تو کرتے ہیں ملّتِ ابراہیمی کا حالانکہ اونٹ کا گوشت اور دودھ جو شریعتِ ابراہیمی میں حرام تھا اسے آپ حلال جانتے ہیں۔ اِس آیت میں ان کے اِس اِعتراض کا جواب ہے کہ تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ چیزیں شریعتِ ابراہیمی میں حرام تھیں۔ نہیں بلکہ انہیں تو حضرت اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام نے بعض طبیبوں کے مشورہ سے اِستعمال کرنا ترک کیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی تکلیف تھی۔ اِس لیے بطور پرہیز اُنہوں نے اُونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا تھا۔ اگر تم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تو تورات لے آؤ۔ اس سے حقیقت حال روشن ہو جائے گی۔ لیکن انہیں ہمت نہ ہوئی کہ کتاب لاتے (4)۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 81 2۔ ایضاً 3۔ صحیح بخاری، کتاب الاشربۃ، باب استعذاب الماء، ج 2، ص 839 4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 90

قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ

سے پہلے کہ نازل کی گئی تورات آپ فرماؤ لاؤ تورات پھر پڑھو اسے اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ

تم سچے ہو پس جو بہتان لگاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اس کے

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوْا وقف لازم

بعد تو وُہی ظالم ہیں آپ کہہ دیجئے سچ فرمایا ہے اللہ نے ۹۷ پس پیروی کرو

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ

تم ملّتِ ابراہیم کی جو ہر باطل سے الگ تھلگ تھے اور (بالکل) نہ تھے وُہ شرک کرنے والوں سے بے شک

اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى

پہلا (عبادت) خانہ ۹۸ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکّہ میں ہے ۹۹ بڑا برکت والا ۱۰۰ ہدایت (کا سرچشمہ) ہے

۹۷ یعنی اللہ کا فرمان سچّا ہے۔ تمہاری تحریف کا سکہ نہیں چل سکتا۔

۹۸ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت کیا کہ زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مسجد حرام۔ میں نے عرض کی اس کے بعد، تو فرمایا مسجد اقصیٰ۔ میں نے پھر پوچھا ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ تھا۔ تو فرمایا چالیس سال (1)۔ اِس سے معلوم ہوا کہ مسجد حرام کے پہلے معمار حضرت آدم علیہ السلام اور مسجد اقصیٰ کے پہلے معمار آپ کے کوئی فرزند تھے۔ طوفانِ نوح کے بعد جب یہ عمارت منہدم ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کی۔ بیت سے مراد مطلق گھر نہیں بلکہ خانۂ عبادت ہے۔

۹۹ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مکہ میں ایک لغت بَکَّۃٌ بھی آئی ہے۔ مجاہد نے کہا کہ مکہ اور بکہ ایک شہر کے ہی دو نام ہیں۔ اِمام مالک نے فرمایا خانہ کعبہ کی جگہ کو بکہ اور سارے شہر کو مکہ کہتے ہیں۔ محمد ابن شہاب سے مروی ہے کہ صرف خانہ کعبہ کو نہیں بلکہ ساری مسجد حرام کو بَکَّۃٌ کہا جاتا ہے اور دوسرے سارے شہر کو مکہ (2)۔

۱۰۰ اس کی برکتوں کا کیا کہنا۔ اس میں ایک نماز پڑھی جائے تو لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے (3)۔ ایک ختم قرآن کیا تو لاکھ ختم

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، ج1، ص199 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص138 3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب ماجاء فی الصلاۃ فی المسجد الجامع

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ

سب ۱۰۱ جہانوں کے لیے اِس میں روشن نشانیاں ۱۰۲ ہیں (ان میں سے ایک) مقامِ ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہوا اس میں ہو جاتا

كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

ہے (ہر خطرہ سے) محفوظ اور اللہ کے لیے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا ۱۰۳ جو طاقت رکھتا ہو وہاں

اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

تک پہنچنے کی اور جو شخص (اِس کے باوجود) انکار کرے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے سارے جہان سے

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ

آپ فرمائیے اے اہلِ کتاب! کیوں اِنکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا ۱۰۴ اور اللہ دیکھ رہا ہے

کا ثواب ملتا ہے۔ نیز اس کا حج اور عمرہ کرنے والوں، اس کے گرد طواف کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جو بارش برستی ہے اس کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔

۱۰۱ کیونکہ یہ اُس نبی کا کعبہ ہے جو رحمۃ للعالمین ہے۔ اس لیے اس کا کعبہ بھی سارے جہان کا قبلہ سارے عالَم بشریت کی عبادت گاہ ہے اور اس سے جو پیغام دنیا کو سنایا گیا اس میں سب کے لیے رُشد و ہدایت کی روشنی ہے۔

۱۰۲ کعبہ کے بیت اللہ ہونے کی روشن نشانیاں ہیں۔ مثلاً آج تک جس ظالم نے اس گھر کی توہین کرنے کا قصد کیا قہرِ الٰہی نے اُسے نیست و نابود کر دیا۔ چند سال پیشتر ابرہہ کا جو ہولناک انجام ہوا تھا وہ عرب کے بچہ بچہ کو معلوم تھا۔ دَورِ جہالت میں جب ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم تھا اور کسی کو کہیں گوشۂ عافیت میسّر نہیں تھا اُس وقت بھی حرم کعبہ کی حدود میں جو داخل ہو جاتا ہر قسم کی بالادستی اور گرفت سے محفوظ ہو جاتا۔ ایک اور نشانی وہ مقدس پتھر تھا جس پر معمارِ حرم ابراہیم علیہ السلام کے نقوشِ پا ثبت تھے۔

۱۰۳ حج کی فرضیت کے متعلق سورۂ بقرہ میں حاشیہ گزر چکا ہے (حاشیہ 239، الخ)۔ استطاعتِ سبیل سے مراد یہ ہے کہ زادِ سفر بھی ہو۔ راہ بھی پُرامن ہو اور صحت سفر کی مشقتیں بھی برداشت کر سکتی ہو۔

۱۰۴ آیات سے مراد وہ عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے اسلام کی حقانیت اور حضور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی (بیضاوی)(1) اِس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات، قرآنِ حکیم، خُلقِ عظیم اور شریعت اسلامیہ کی پاکیزگی اور برتری اور ان کے علاوہ تورات و اِنجیل کی کھلی تصریحات سب داخل ہیں۔ ازراہِ تعجب اہل کتاب سے اِستفسار کیا جا رہا ہے کہ کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ تم اِن روشن دلائل کو جانتے پہچانتے ہوئے اِن کا اِنکار کر دو۔ تم اپنی تحریف اور عیاری سے چند لوگوں کو تو

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 83

عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ

جو کچھ تم کرتے ہو آپ فرمائیے اے اہل کتاب! تم کیوں روکتے ہو ۱۰۵ اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ

کی راہ سے اُسے جو ایمان لا چکا۔ تم چاہتے ہو کہ اس راہِ (راست) کو ٹیڑھا بنا دو حالانکہ تم خود (اس کی راستی کے)

مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا

گواہ ہو ۱۰۶ اور نہیں ہے اللہ بے خبر ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو اے ایمان والو! ۱۰۷ اگر تم کہا مانو گے

فریب دے سکتے ہو۔ لیکن دانا و بینا خدا کو کیا جواب دو گے۔ وہ تو تمہارے ظاہر و باطن کو یکساں دیکھ رہا ہے۔

۱۰۵ اہل کتاب نہ صرف یہ کہ خود اسلام قبول کرنے سے منہ موڑے ہوئے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اِس دین حق سے برگشتہ کرنے کے لیے سارے پاپڑ بیلا کرتے تھے۔ ان کی اِس مذموم اور ذلیل حرکت پر ملامت کرنے کے لیے ان کو دوبارہ خطاب کیا جا رہا ہے۔ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا میں ھا ضمیر کا مرجع سبیل ہے (1)۔ آیت کے ان الفاظ سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ لوگوں کو کیونکر اِسلام سے متنفر کیا کرتے تھے۔ یعنی یا تو وہ اس راہ حق میں طرح طرح کے عیوب نکالتے یا اس کو اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرتے کہ سننے والا یہ گمان کرنے لگتا کہ یہ شاہراہِ ہدایت نہیں بلکہ گمراہی کا راستہ ہے۔

۱۰۶ شہداء کا ایک معنی تو یہ ہے کہ اِسلام کی حقانیت اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے تم خود گواہ ہو (2)۔ لیکن علامہ قرطبی نے شُہداء کا معنی عقلاء بھی کیا ہے (3)۔ یعنی تم تو بڑے دانش مند ہو۔ بھلا کوئی تمہارے جیسا زِیرک و دانا بھی ایسی حرکتیں کر سکتا ہے جن کا انجام دنیا میں ذِلّت اور آخرت میں رُسوائی و شرمساری ہو۔

۱۰۷ یثرب کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں عرصۂ قدیم سے دشمنی چلی آتی تھی۔ بارہا یہ ایک دوسرے سے جنگ کر چکے تھے۔ جن میں وہ ایک دوسرے کو بڑی بے دردی سے قتل کیا کرتے تھے۔ حضور سراپا نور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یثرب کی سرزمین کو اپنے مُبارک قدموں سے نوازا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کی برکت سے ان کی دیرینہ عداوت اور خاندانی دشمنی اخوت و محبّت میں بدل گئی۔ وہ چاک جن کے رفو ہونے کا اِمکان نہ تھا۔ وہ گہرے زخم جن کے مندمل ہونے کی کوئی صورت نہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی اِکسیر نے ان سب کا درماں کر دیا۔ اوس و خزرج کی باہمی مصالحت اور دوستی یہود کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ ایک روز شاس بن قیس یہودی کا گزر ایک ایسی مجلس پر ہوا جس میں اوس و خزرج محبّت و پیار کے جذبات سے سرشار ہو کر مصروفِ گفتگو تھے۔ وہ تو جل بھن کر رہ گیا۔ اس کی انگیخت پر ایک دوسرا یہودی اس مجلس میں گیا اور ایسے اشعار پڑھنے شروع کر دیئے جن میں ان کی پرانی جنگوں کا ذِکر تھا۔ اس کی یہ چال کامیاب ثابت ہوئی اور اوس و خزرج میں تُرش کلامی شروع ہو گئی جس نے

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 83 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 102 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 155

فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

ایک گروہ کا اہلِ کتاب سے (تو نتیجہ یہ ہوگا کہ) لوٹا کر چھوڑیں گے تمہیں تمہارے ایمان قبول کرنے کے بعد

كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ

کافروں میں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کرنے لگو حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور

فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ

تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ (کے دامن) کو تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اُسے سیدھی

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا ع ۱۶

راہ تک اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے حق ہے اُس سے ڈرنے کا ۱۰۸ اور (خبردار)

بڑھتے بڑھتے جنگ کی شکل اختیار کر لی۔ تلواریں سونت لی گئیں۔ نیزے سنبھال لیے گئے اور صفیں دُرست کر لی گئیں۔ اُسی اثنا میں اس کی اطلاع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کی معیت میں اس مقام پر پہنچے اور خود دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا: اَے اوس وخزرج! تمہیں کیا ہو گیا۔ میری موجودگی میں تم عہد جاہلیت کی رسم کو تازہ کر رہے ہو۔ وہ عداوت اور دشمنی جس کے شعلوں کو اِسلام کے ابر رحمت نے بجھا دیا۔ کیا تم پھر اُنہیں بھڑکانا چاہتے ہو۔ یہ شیطان کی وسوسہ اندازی ہے اور تمہارے دُشمن کی سازش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سُن کر اُن کی آنکھیں کُھل گئیں۔ یکدم اُنہوں نے ہتھیار زمین پر پھینک دیئے۔ اور وہ آنکھیں جن سے ایک لمحہ پہلے غصّہ وغضب کے انگارے برس رہے تھے اَب اشکبار تھیں۔ اور وہ دوڑ دوڑ کر ایک دوسرے کو گلے لگا رہے تھے۔ اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (1)۔ اِس آیت میں وہ ابدی حقیقت پیش کی گئی ہے جس پر زمانہ کی ہر کروٹ نے مُہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اُنیسویں صدی پر ہی نگاہ ڈالیے۔ نیم براعظم پاک وہند میں ملّت اِسلامیہ پر کیا گزری۔ یورپ کے عیسائیوں نے مسلمان حکمرانوں کو کس طرح ایک دوسرے کے خلاف اُکسا کر اسلامی مملکت کی اِینٹ سے اِینٹ بجادی۔ شرقِ اوسط کے مسلمان فرمانرواؤں نے کس کی انگیخت پر خلافت عثمانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور کس طرح اپنے وقار کا جنازہ نکالا۔ مسلمانوں نے جب بھی اغیار پر یوں اندھا اِعتماد کیا انہیں ان رُوح فرسا حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اسلام نے کسی کے ساتھ کارِ خیر میں تعاون سے منع نہیں کیا۔ لیکن اس نے دوسروں سے فریب اور دھوکا کھانے سے ضرور روکا ہے۔

۱۰۸ ان کلمات کی تفسیر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بایں الفاظ نقل کی ہے اَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَاَنْ يُّذْكَرَ فَلَا يُنْسٰى وَاَنْ يُّشْكَرَ فَلَا يُكْفَرُ (2)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی اطاعت کی جائے کہ اِس میں نافرمانی کا شائبہ نہ ہو۔ اُس کو ایسا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 155 2۔ ایضاً، جز 4، ص 157

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا

نہ مرنا مگر اِس حال میں کہ تم مُسلمان ہو ۱۰۹ اَور مضبُوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی ۱۱۰ سب مِل کر

وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۚ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً

اَور جُدا جُدا نہ ہونا ۱۱۱ اَور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وُہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دُشمن

یاد کیا جائے کہ غفلت طاری نہ ہو۔ اور اس کا یوں شکر یہ ادا کیا جائے کہ اس میں ناشکری کی آمیزش نہ ہو۔ دوسری آیت نے اِس آیت کو بالکل واضح کر دیا فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کہ تم اپنی طرف سے تقویٰ کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھو (1)۔

۱۰۹ تمہیں موت آئے تو اس حال میں آئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہو۔ اور کیونکہ موت کا مقرّرہ وقت ہمیں معلوم نہیں اِس لیے ہمیں ہر لمحہ اس کے لیے مستعد رہنا چاہیے۔ کسی لمحہ میں بھی نافرمانی کی جرأت نہ کی جائے مبادا ہماری موت کے لیے یہی لمحہ مقرر ہو۔

۱۱۰ حبل کا لغوی معنی ہے اَلسَّبَبُ الَّذِیْ یُوْصَلُ بِهٖ اِلَی الْبُغْیَةِ (القرطبی) یعنی وہ چیز جو مقصد تک پہنچنے کا سبب ہو۔ لیکن اس کا اِستعمال مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ وہ پٹھہ جو گردن کو کندھوں سے ملاتا ہے اسے بھی حبل کہتے ہیں۔ وَالْحَبْلُ الرَّسَنُ وَالْحَبْلُ الْعَهْدُ۔ حبل کا معنی رسی بھی ہے اور عہد بھی (2)۔ حضرات سیدنا علی و ابن مسعود و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم نے رسولِ کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم سے روایت فرمائی ہے۔ حَبْلُ اللّٰهِ الْقُرْاٰنُ۔ اللہ کی رسی سے مراد قرآن ہے (3)۔ اسلاف سے حَبْلُ اللّٰهِ کی تفسیر میں جو متعدد اقوال منقول ہیں۔ ان میں تضاد نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کے مؤید اور موافق ہیں۔

۱۱۱ زندگی کی اس رزم گاہ میں جہاں شکست و ریخت، تعمیر و تخریب اور فنا و بقاء کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر چل رہا ہے کوئی قوم عزت و وقار سے زندہ و سلامت نہیں رہ سکتی جب تک اس کے افراد میں اِتفاق و اِتحاد نہ ہو۔ اور کوئی اِتحاد پائندہ و پائیدار نہیں ہو سکتا جب تک محکم اور حقیقی بنیادوں پر اس کی عمارت نہ تعمیر کی گئی ہو۔ اُمّت مسلمہ جو کہ دولتِ رُشد و ہدایت کی امین اور رحمت خداوندی کی قاسم بنا کر بھیجی گئی ہے۔ جسے ہر باطل سے ٹکرانا ہے اور ٹکرا کر اسے پاش پاش کرنا ہے۔ جسے قلب و نظر کے سارے صنم کدے مسمار کرنے ہیں۔ جسے ہر دل کو بیت اللہ اور ہر نگاہ کو اُس کا شناسا بنانا ہے۔ اس قوم کے لیے ضروری ہے کہ اپنے لیے نہ سہی اپنے بلند اور پاکیزہ مقاصد کے لیے زندہ رہے اور عزت و وقار سے زندہ رہے تا کہ اس کی آواز سنی جائے اور مانی جائے۔ اور یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس کے افراد میں اتحاد و اتفاق ہو۔ اور وہ اتحاد و اتفاق سطحی نہ ہو جسے کوئی تند و تیز لہر بہا کر لے جا سکے بلکہ حقیقی اور پائیدار ہو۔ اِس لیے اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو متحد ہونے کا بھی حکم دیا اور ان کے لیے وہ مستحکم بُنیاد مقرر فرمائی جس سے محکم تر کوئی اور بنیاد نہیں ہو سکتی۔ وہ قرآنِ کریم ہے۔ قرآن کریم پر عمل کرنے کے لیے اِس کا صحیح سمجھنا ضروری ہے۔ اور اس کی صحیح سمجھ اس ذاتِ اقدس و اطہر کے بیان اور تفسیر کے بغیر ناممکن ہے جسے قرآن نازل کرنے والے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 157 2۔ ایضاً، ص 158 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 159۔ سنن سعید از سعید بن منصور الخراسانی، متوفی 227ھ، تفسیر سورۂ آل عمران، ج 3، ص 1083، رقم الحدیث، 519، مطبوعہ دار الصمیعی ریاض، معجم کبیر للطبرانی، ج 9، ص 212، رقم الحدیث: 9032

فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ

پس اُس نے اُلفت پیدا کردی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے اِحسان سے بھائی بھائی ۱۱۲ اور تم (کھڑے) تھے

خدا نے بھیجا ہی قرآن کو صحیح صحیح سمجھانے کے لیے تھا۔ علامہ قرطبی نے فرمایا اور خوب فرمایا: اَمَرَنَا اللّٰهُ تَعَالٰی بِالْاِجْتِمَاعِ عَلَی الْاِعْتِصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اِعْتِقَادًا وَّ عَمَلًا وَّ ذٰلِكَ سَبَبُ اتِّفَاقِ الْكَلِمَةِ وَانْتِظَامِ الشَّتَاتِ الَّذِیْ یَتِمُّ بِهٖ مَصَالِحُ الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ(1)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اعتقاداً اور عملاً کتاب وسنّت کی رسّی مضبوطی سے پکڑ لیں۔ ہمارے اِتحاد کا صرف یہی سبب ہے اور صرف اِسی طرح اِتفاق واِتحاد کی نعمت میسّر آسکتی ہے جس سے ہمارے دین ودنیا کے حالات سنور سکتے ہیں۔

۱۱۲ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری سے قبل عرب کے جزیرہ نما کی کیا حالت تھی۔ وہ آپس میں اُنس ومحبّت اور شفقت و رحمت کرنے والے اِنسانوں کا ملک نہیں تھا بلکہ ایک کوہِ آتش فشاں تھا جس سے ہر لحظہ اور ہر لمحہ بغض وعناد کی آگ برستی رہتی تھی اور دور دور تک آبادیاں جل کر خاکستر ہو جایا کرتی تھیں۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے برسرِ پیکار تھا۔ ہر علاقہ دوسرے علاقہ سے جنگ آزما تھا۔ جذبات اِتنے مشتعل اور بے قابو تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر خون کی ندیاں بہہ جایا کرتی تھیں۔ ایک بار اگر جنگ کی آگ سلگ پڑتی تھی تو صدیوں تک اُس کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ اوس وخزرج میں لڑائی کا سلسلہ ایک سو بیس سال تک جاری رہا۔ کسی کی جان، کسی کا مال محفوظ نہ تھا۔ یہاں تک کہ اِسلام کا بادل آیا اور رحمت خداوندی بن کر برسا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سراپا نور وسُرور کا ظہور ہوا تو عرب کے اُجڑے دیار میں بہار آگئی۔ عداوت کی جگہ محبّت نے، وحشت کی جگہ اُنس نے، اِنتقام کی جگہ عفو نے، خودغرضی کی جگہ اخلاص واِیثار نے اور غرور وتکبّر کی جگہ تواضع واِنکسار نے لے لی۔ یہ وہ اِنقلاب تھا جس نے عرب کی کایا پلٹ دی۔ جس کی برکت سے عرب کے صحرانشینوں نے تاریخ عالم کا رخ موڑ دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اِسی احسانِ عظیم کی یاد تازہ کرا رہا ہے کہ کس طرح اُس نے اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت اور فیض نگاہ سے تمہارے ٹوٹے ہوئے دِل جوڑ دیئے اور تمہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ اور ذِلّت ورُسوائی کی پستیوں سے نکال کر ترقی وعزت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ تم دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے۔ بس آنکھ بند کرنے کی دیر تھی اور تم اس گڑھے میں گر پڑتے۔ لیکن رحمت الٰہی نے تمہاری دستگیری کی اور تمہیں آتش جہنم میں گرنے سے بچا لیا۔ ان اِحسانات کو یاد کرو اور یاد رکھو۔ اور اِسلام کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اپنی صفوں میں اِنتشار کو جگہ نہ دو(2)۔ اس آیت کے اوّلین مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں۔ اور ان کے متعلق ہی خُدائے بصیر وخبیر فرما رہا ہے کہ میں نے ان کے دِل جوڑ دیئے۔ اُنہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ ان کو دوزخ سے نکال لیا۔ اب جو لوگ ان نفوسِ قدسیہ پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ ان کو دائرہ اِسلام سے خارج سمجھتے ہیں وہ خود ہی ذرا انصاف کریں اور بتائیں کہ وہ کون لوگ تھے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شِیر وشکر کیا تھا۔ وہ کون تھے جن کو دوزخ کے کنارے سے ہٹا کر جنّت میں پہنچایا تھا۔ حقیقت میں صحابۂ کرام پر اعتراض کرنا ان پر اِعتراض نہیں بلکہ قرآن پر، اِسلام پر اور پیغمبرِ اِسلام پر براہ راست اِعتراض ہے۔ اور جن کے ذہن فتنہ زا نے اِن شکوک کو جنم دیا تھا اُن کے پیشِ نظر صحابہ کو مطعون کرنا نہیں تھا بلکہ چابک دستی سے اِسلام اور پیغمبر اسلام کی عظمت کو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص164 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص164، تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج4، ص22، تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج2، ص102، (ملخصاً)

عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچا لیا تمھیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے

اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ

اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو ضرور ہونی چاہیئے ۱۱۳؎ تم میں ایک جماعت

داغدار کرنا تھا کہ یہ ہیں تمہارے اس نبی کے اوّلین شاگرد جس کی قصیدہ خوانی سے تم رات دن آسمان سر پر اُٹھائے رکھتے ہو۔ ان اِعتراضات کرنے والوں پر تو ہمیں حیرت نہیں۔ افسوس ہمیں اُن مسلمانوں پر ہے جو دشمن کے اس دامِ فریب میں پھنس جاتے ہیں اور ان مقدّس ہستیوں کے متعلق بے باکی کی جرأت کرتے ہیں جن کے دفترِ حیات کی ہر سطر آفتاب و مہتاب سے تابندہ تر ہے۔

عاشقان او زخُوباں خوب تر خوش تر و زیباتر و محبوب تر (اقبال)(1)

۱۱۳؎ یہ دین قیم جس نے عالم بشریت کی تقدیر بدل دی اس کی تبلیغ و اِشاعت ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اگر اِس ملّت میں ایسے افراد نہ ہوں جو اِس پیغامِ رحمت کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں تو یہ عالم گیر پیغامِ ہدایت چند ملکوں میں محدود ہو کر رہ جائے گا۔ اور یہ اس پیغام سے بھی نا اِنصافی ہوگی اور ان قوموں پر بھی ظلم ہوگا جو گھپ اندھیروں میں بھٹک رہی ہیں۔ جن کی زندگی کی تاریک رات کسی روشن چراغ کے لیے ترس رہی ہے۔ نیز وہ قوم اور ملک جس نے اس دین کو قبول کر لیا ہے اُس کے آئینہ دل پر بھی غفلت کی گرد پڑ سکتی ہے۔ اُن کی گرمیٔ عمل بھی سُستی کا شکار ہو سکتی ہے۔ اِرد گرد کے گمراہ کن تاثرات سے بھی وہ متاثر ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسی ہستیاں نہ ہوں جن کا کام ہی اِسلام کے حکیمانہ انداز سے لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا، ان کی گرمیٔ عمل کو باقی رکھنا اور خارجی اور اجنبی تاثرات و تحریکات سے ان کے دل و دماغ کو محفوظ رکھنا ہو تو بہت سی گمراہیاں خود اس قوم میں راہ پا سکتی ہیں جو اس دین کی علمبردار ہے۔ یہ دونوں کام یعنی ملّت اِسلامیہ کو شاہراہِ اسلام پر ثابت قدم رکھنا اور غیر مسلم اقوام تک یہ پیغامِ رُشد و ہدایت پہنچانا جتنے اہم اور ضروری ہیں اتنے ہی مشکل اور پیچیدہ ہیں اِس لیے ایک ایسی جماعت تیار کرنا ملّت کا اِجتماعی فریضہ ہے۔ جس کا علم و عمل، ظاہر و باطن، سیرت و کردار رسولِ اِسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مظہر کامل ہو۔ ان میں علومِ اِسلامیہ میں مہارتِ تامہ کے ساتھ ساتھ سیرت کی پاکیزگی، کردار کی پختگی اور ظاہر و باطن کی یکسانی پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لیے جس بڑی سے بڑی مالی قربانی، ایمانی فراست، قلبی بصیرت اور رُوحانی تربیت کی ضرورت ہے وہ پوری ہونی چاہیے۔ اگر ملّت اپنے اِس اہم ترین فریضہ کو ادا نہ کرے گی وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی اِس کوتاہی کے لیے جواب دہ ہوگی۔ تاریخ شاہد ہے جب تک ایسے افراد تیار ہوتے رہے گلشن اِسلام میں فصل بہار رہی۔

جب تک مدارس اسلامیہ غزالی، رازی، سعدی اور بیضاوی اور خانقاہیں رومی، ہجویری، اجمیری، زکریا ملتانی، شیخ سرہندی رضی اللہ عنہم و عن مشائخہم و خلفائہم و امثالہم ایسی فخر روزگار ہستیاں تیار کرتی رہیں۔ کفر کے ظلمت کدے اِسلام کے نور سے روشن

1۔ کلیاتِ اقبال فارسی، اسرار خودی، ص 19

يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

جو بُلایا کرے نیکی کی طرف اَور حکم دیا کرے بھلائی کا اَور روکا کرے بدی

الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

سے اَور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں اَور نہ ہو جانا اُن لوگوں کی طرح جو

تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

فرقوں میں بٹ گئے تھے اَور اِختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آچکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں ۱۱۴ اَور ان لوگوں

لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ

کے لیے عذاب ہے بہت بڑا ۱۱۵ اُس دن (جب کہ) روشن ہوں گے کئی چہرے اَور کالے ہوں گے کئی مُنہ ۱۱۶

ہوتے رہے۔ حق کی قوت باطل کے قلعوں کو مسخر کرتی رہی۔ لیکن اب؟ رویم ببیں حالم مپرس۔ میرا چہرہ دیکھ لو۔ اس پر میری حرماں نصیبیوں کی داستان کا ہر حرف کندہ ہے۔ میرا حال پوچھو نہیں۔ یہ اتنا دردانگیز ہے کہ نہ مجھ میں بیان کرنے کی ہمت اور نہ تم میں سننے کی تاب۔ اَے اللہ! ہم پر رحم فرما۔ اَے گنبد خضراء کے مکین چارہ سازی کر!

۱۱۴ مسلمانوں کو گروہ بندی اور اختلاف سے منع کیا جا رہا ہے۔ اب ان کے سامنے گروہ بندی اور اختلاف کی لعنت میں گرفتار قوموں کی خونچکاں داستان اور عبرتناک کہانی بیان کی جا رہی ہے تاکہ مسلمان اسے سنیں اور نصیحت پکڑیں۔ یہود و نصاریٰ نے اپنے دین کے اصولوں کو پس پشت ڈال دیا تھا اور فروعی اور جزوی مسائل کو اُنہوں نے اِتنی اہمیت دے رکھی تھی کہ انہیں کی وجہ سے کفر کے فتوے لگائے جاتے۔ اور ملت کی وحدت کو اِس طرح اِنتہائی بے دردی سے پارہ پارہ کر دیا جاتا۔ آج ہم بھی اسی مقام پر کھڑے ہیں۔ ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب اور ایک کعبہ رکھنے والی قوم نے اپنے آپ کو بے شمار فرقوں میں بانٹ رکھا ہے اور علماء سُوء نے ان کے درمیان نفرت و عداوت کی اِتنی بلند دیواریں کھڑی کر دی ہیں کہ اب ان کے آپس میں مل بیٹھنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ذاتِ پاک مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے فضائل و کمالات پر جب بحث ہونے لگی اور مناظروں کی ضرورت محسوس ہونے لگی تو اب وہ کون سی چیز ہے جو ہمیں اکٹھا رکھ سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بڑا قادر و قوی ہے۔ وہ چاہے تو چشم زدن میں ہماری آنکھوں سے پردے ہٹا دے۔

۱۱۵ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ اس عذاب عظیم کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ اِلحاد و دہریت کے طوفانوں نے ہمارے بُنیادی عقائد کے قلعوں میں شگاف ڈال دیئے ہیں۔ اخلاقی انحطاط اور اباحیت نے ہمارے معاشرہ کا حلیہ بگاڑ دیا

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۫ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

تو وُہ جو سیاہ رُو ہوں گے (انھیں کہا جائے گا) کہ کیا تم نے کفر اختیار کر لیا تھا ایمان لانے کے بعد

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

تو اَب چکھو عذاب (کی اذیتیں) بوجہ اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے اَور وُہ (خوش نصیب) لوگ

ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

روشن ہوں گے جن کے چہرے تو وُہ رحمت الٰہی (کے سائے) میں ہوں گے وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا

یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم پڑھ کر سُناتے ہیں آپ کو ٹھیک ٹھیک اَور نہیں اِرادہ رکھتا اللہ ظلم کرنے کا

ہے۔ اِشتراکیت وشیوعیت کا سیلاب اُمڈا چلا آرہا ہے۔ ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ ان اِسلام دشمن تحریکوں کے مہلک اثرات کا بھی ہمیں بخوبی علم ہے لیکن ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بے حِسی اور بے بسی نے ہماری تعمیری صلاحیتوں کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ بُخارا، سمرقند، تاشقند وغیرہا اِسلامی مراکز کا رُوسی کمیونیزم نے کیا حشر کیا۔ عظیم مساجد، اِسلامی جامعات اور خانقاہیں ویران کر دی گئیں۔ وہاں کی مسجدیں سجدوں کے لیے، فلک بوس مینارے صدائے اذان کے لیے، مدارس قرآن وسنت کے لیے اور خانقاہوں کے در و دیوار ذِکر الٰہی کے لیے ترس رہے ہیں۔ سارے چراغ گل ہو گئے۔ سارے چشمے خشک ہو گئے۔ اِشتراکیت کے گماشتے یہاں بھی اِسی المیہ کو دہرانے کے لیے شب و روز مصروف کار ہیں۔ لیکن ہمیں اپنے گروہی نظریات اور مفادات اِتنے عزیز ہیں کہ ہم اِسلام کے بنیادی عقائد اور اصولی نظریات کا چمن اُجڑتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ یہی عذابِ عظیم ہے۔ کسی قوم کے لیے بے حسی اور بے بسی سے بڑا عذاب کوئی نہیں ہو سکتا۔ کاش ہم نے ذاتِ پاک حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء کو تو ہدفِ تنقید نہ بنایا ہوتا۔ کاش یار لوگوں کی زبانیں بارگاہِ رسالت میں گستاخی سے تو باز رہتیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے اِحساسِ زیاں جاتا رہا(1)

۱۱۶ قیامت کے روز دل کی کیفیت چہروں پر عیاں ہوگی۔ جن کے دل نور سے مُنوّر ہیں قیامت کے دن اُن کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوں گے۔ اور جن کے باطن میں گمراہی کی تاریکی جمی ہوئی ہے اُس روز ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ کامیابی اور نجات فرحت وسُرور کی کیفیت جو چہروں پر نمایاں ہوگی اس کو بیاض وجہ یعنی چہرہ کی سفیدی سے

1۔ کلیاتِ اقبال اردو، بانگ درا، نظم شمع اور شاعر، ص 282

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ

دُنیا والوں پر ۱۱۷ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۱۱۸ اور اللہ کی طرف ہی

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ ع ۱۱ ۱۲

لوٹائے جائیں گے سارے کام ہو تم بہترین اُمّت ۱۱۹ جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لیے تم حکم

اور کفّار و فساق رحمت الٰہی سے محرومی کے باعث جس اندوہ و الم کا شکار ہوں گے اور جس کے اثرات چہروں پر بالکل واضح ہوں گے اسے سواد وجہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہر حال مومن و کافر ہر ایک اپنی اپنی شکل سے پہچانا جائے گا۔ اب حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے متعلق یہ گمان کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض کافروں کو نہیں پہچان سکیں گے کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِن مقبولوں کی محبّت اور رفاقت نصیب فرماوے جن کے چہروں کی درخشانیوں کے سامنے مہر نیمروز شرمندہ ہوگا۔ آمین ثم آمین

۱۱۷ یعنی قیامت کے دن بعض پر انعام و اکرام کی بارش اور بعض پر غضب و ناراضگی کی پھٹکار بلا وجہ نہیں ہوگی بلکہ ہر ایک کے اپنے اعمال کا یہ نتیجہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس سے بلند اور پاک ہے کہ وہ کسی پر زیادتی کرے یا کسی کے اعمال کو ضائع کر دے۔ وہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ہاں لوگ خود جان بوجھ کر اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور اپنے اعمال بد سے اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

۱۱۸ یہ آیت پہلی آیت کے مضمون کی دلیل بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو مالک و خالق ہے زمین و آسمان کی ہر چیز کا۔ اس کو کیا ضرورت ہے کہ کسی پر ظلم کرے اور کسی کی حق تلفی کرے۔ نیز سابقہ تمام آیات کا یہ حاصل اور نتیجہ بھی ہے۔

۱۱۹ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو خیر الامم کے جلیل القدر لقب سے سرفراز کیا جا رہا ہے۔ کہ جتنی بھی امتیں آج تک صفحہ ہستی پر ظاہر ہوئی ہیں ان سب سے تم بہتر ہو۔ کیونکہ تمہاری زندگی کا مقصد بڑا پاکیزہ، بہت بلند ہے۔ تم اِس لیے زندہ ہو اور اس لیے کوشاں ہو کہ حق کا بول بالا ہو، ہدایت کی روشنی پھیلے، گمراہی کی ظلمت کافور ہو، باطل کا طلسم ٹوٹے اور اخلاق حسنہ کو قبولیت حاصل ہو۔ وہ حیوانی رسم و رواج جنہوں نے طاقتور کو ظالم اور چیرہ دست اور کمزور کو مظلوم و فاقہ مست بنا رکھا ہے مٹ جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی صداقت (یعنی توحید) پر تم خود بھی اِیمان لا چکے ہو اور دوسروں کو بھی اس کے قبول کرنے کی دعوت دیتے ہو۔ اگرچہ پہلی امتیں بھی امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اِیمان باللہ سے مشرف تھیں۔ لیکن جو شان تمہارے امر بالمعروف کی ہے۔ جو جلال تمہارے نہی عن المنکر میں ہے اور جو گہرائی، گیرائی اور کمال تمہارے ایمان باللہ میں ہے وہ تم سے پہلے کسی امت کو نصیب نہیں ہوا۔ نیز جس ہمت، خلوص اور سرفروشی سے تم نے اِس بارِ امانت کو اُٹھایا ہے یوں آج تک کوئی نہ اٹھا سکا۔ اس لیے تم اس کے جائز مستحق ہو کہ اقوامِ عالم کی بھری محفل میں تمہارے سر پر افضلیت کا تاج رکھا جائے۔ ان وجوہات کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمّت کے خیر الامم ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہے جو اِس آیت میں ہی مذکور ہے یعنی دوسری قوموں

بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ

دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر ۱۲۰ اور اگر ایمان لاتے

اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ

اہلِ کتاب ۱۲۱ تو یہ بہتر ہوتا ان کے لیے بعض ان میں سے مومن ہیں اور زیادہ ان میں سے

کے فیضانِ ہدایت سے ایک محدود علاقہ، ایک مخصوص قوم، وہ بھی ایک مقررہ وقت تک مستفیض ہوسکتی تھی۔ لیکن تمہارا ابرِ کرم بحر و بر، نشیب و فراز، سیاہ و سپید، نزدیک و دور ہر خطہ پر برسے گا۔ اور ہر خطہ کے پیاسوں کی پیاس بجھائے گا۔ تمہاری برکتیں صرف اپنے لیے اور صرف اپنوں کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے ہیں۔ اور یہ وہ شرف ہے جو کسی کو پہلے حاصل نہیں ہوا۔ یہ وہ جود و سخا ہے جس سے پہلے دنیا متعارف نہیں۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں اِسی امر کی طرف اِشارہ ہے۔

۱۲۰ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ لوگ جو اس اعزاز سے سب سے پہلے مشرف کیے گئے وہ تو خود غاصب تھے۔ جبر و تشدد اُن کا شیوہ تھا معصوموں کے اموال ضبط کرنا اُن کا دستور تھا۔ اور جو غاصب نہیں تھے بلکہ دوسروں کے جبر و تشدد کا شکار تھے وہ جرأت و شجاعت سے محروم تھے۔ وہ یوں سہمے سہمے اور ڈرے ڈرے رہتے تھے کہ اُن کی آنکھوں کے سامنے آیات قرآنی بدل دی گئیں بلکہ اپنی طرف سے آیتیں بنا کر قرآن میں بڑھا دی گئیں۔ احکام شرعی میں من مانی تبدیلیاں کر دی گئیں لیکن یہ حضرات ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ایسی اُمّت جس کا ایک طبقہ غاصب اور جابر ہو اور دوسرا طبقہ ڈرپوک اور بے حِس ہو، کیا وہ اُمّت اِس قابل ہے کہ اُسے ایک شریف قوم بھی کہا جائے؟ چہ جائیکہ اُسے خیر الامم کے منصب پر فائز کیا جائے۔ اِس صورت میں یا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خُدا کو ان کے باطن کا یا ان کے مستقبل کا علم نہ تھا اور ناواقفی اور بے علمی کی وجہ سے ان کو یہ اعزاز بخشا جو اس کے قطعاً اہل نہ تھے۔ اور یا یہ ماننا پڑے گا کہ جانتا تو تھا لیکن ان کی خوشامد کر کے کام نکالنا چاہتا تھا (نعوذ باللہ) اور اگر یہ دونوں اِحتمال غلط ہیں اور یقیناً غلط ہیں تو یہ یقین کرنا پڑے گا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی جاتی ہے وہ جھوٹ ہے اور محض جھوٹ ہے اور اِسلام کے دشمنوں کی اِسلام کے خلاف ایک گہری سازش ہے۔

۱۲۱ یہود و نصاریٰ کو یہ خدشہ تھا کہ اگر انہوں نے اِسلام قبول کرلیا تو ان کی سیادت اور چودھراہٹ ختم ہو جائے گی اور مالی لحاظ سے بھی انہیں سخت نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ اِسی لیے جاننے پہچاننے کے باوجود بھی وہ اِنکار پر مصر تھے۔ اللہ جل مجدہ فرماتے ہیں کہ یہ صرف اُن کی غلط اندیشیاں ہیں۔ اُن کی بہتری اور سعادتِ دارین تو اس میں تھی کہ وہ حق کو قبول کر لیتے۔ دنیا میں بھی عزّت و وقار نصیب ہوتا اور آخرت میں بھی دوہرا اجر پاتے۔ لیکن اس روشن حقیقت کو بجز قلیل تعداد کے کسی نے نہ سمجھا کہ سچی اور دائمی عزت حق کو تسلیم کرنے میں ہی ہے۔

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ

نافرمان ہیں (کچھ) نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا سوائے ستانے کے[۱۲۲] اور اگر لڑیں گے تمہارے ساتھ تو پھیر دیں گے تمہاری طرف اپنی پیٹھیں

الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا

(اور بھاگ جائیں گے) پھر اُن کی امداد نہ کی جائے گی مسلّط کردی گئی ہے اُن پر ذِلّت (اور رسوائی)[۱۲۳] جہاں کہیں یہ پائے گئے

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ

بجز اس کے کہ اللہ کے عہد سے[۱۲۴] یا لوگوں کے عہد سے (کہیں پناہ مل جائے) اور یہ مستحق ہو گئے ہیں غضبِ الٰہی کے

[۱۲۲] یثرب کے یہودی بڑے اثر ونفوذ کے مالک تھے۔ ان کے پاس نہ دولت کی کمی تھی نہ سامانِ جنگ کی۔ ان میں بڑے جنگ آزما بہادر بھی تھے۔ اُنہوں نے یثرب اور اس کے اِردگرد دور دور تک قلعے اور گڑھیاں بھی بنا رکھی تھیں۔ یہاں تک کہ خیبر کی دور دراز آبادی میں بھی ان کے کئی مستحکم قلعے تھے۔ نیز ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو بھی یہ تھی کہ وہ غریب الوطن، بے سروسامان، مٹھی بھر مسلمانوں کو مٹا کر رکھ دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کو واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ یہود بایں ہمہ قوت وسطوت کبھی تم پر غالب نہیں آسکتے۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ کر سکتے ہیں کہ زبان درازی، فتنہ طرازی اور بہتان تراشی سے تمہارے دلوں کو دکھ پہنچا لیا کریں۔ اور اگر انہوں نے دل کڑا کر کے میدان جنگ میں آنے کی کبھی ہمت کی تو پھر شکست کھا کر پاؤں سر پر رکھ کر بھاگیں گے۔ دنیا نے دیکھا کہ اگرچہ ظاہری حالات ناموافق تھے۔ لیکن قرآن نے جو پیشین گوئی فرمائی وہ پوری ہو کر رہی۔

[۱۲۳] اِس پر مفصّل حاشیہ سورۂ بقرہ کی آیت 61 میں گزر چکا ہے۔ یہاں ذلت اور مسکنت کے الفاظ کی ذرا توضیح مقصود ہے۔ بسا اَوقات اِنسان اِس قدر شکستہ خاطر اور افسردہ دل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بالکل بے بس اور فروتر سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اُس کی عزتِ نفس دم توڑ دیتی ہے۔ وہ دولت کی کثرت کے باوجود اپنے کو فقیر اور جاہ ومنصب کے ہوتے ہوئے اپنے کو حقیر سمجھتا ہے۔ اِس حالت کو عربی میں مسکنت کہتے ہیں۔ اِنَّ الْمَسْكَنَةَ حَالَةٌ لِّلشَّخْصِ مَنْشَؤُهَا اسْتِصْغَارُهٗ لِنَفْسِهٖ حَتّٰى لَا يَدَّعِيَ لَهٗ حَقًّا۔ اور اگر کوئی جابر کسی کی دولت چھین لے اور اسے ذلیل ورسوا کر دے تو اسے ذلت کہتے ہیں۔ وَالذِّلَّةُ حَالَةٌ تَعْتَرِي الشَّخْصَ مِنْ سَلْبِ غَيْرِهٖ لِحَقِّهٖ (المنار)(1) یہود کو ان کے گناہوں کی پاداش میں دو قسم کی سزائیں دی گئیں۔ ایک تو یہ کہ ان کو عزتِ نفس سے محروم کر دیا گیا۔ وہ کروڑ پتی ہوتے ہوئے بھی ایک ایک پائی کے لیے جان دے دیتے ہیں۔ اور ایسی رذیل وحقیر حرکتیں خوشی خوشی کرتے ہیں جن کو کوئی باغیرت وباحمیت انسان دیکھنا تک گوارا نہیں کر سکتا۔ اور جہاں بھی رہے بحیثیت قوم ذلیل ومقہور ہو کر رہے۔

[۱۲۴] علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ فِي الْكَلَامِ اخْتِصَارٌ وَالْمَعْنٰى اِلَّا اَنْ يَّعْتَصِمُوْا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ الخ (2) یعنی اُس کلام میں اَنْ

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج4، ص68 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص75-174

اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

اور مسلّط کر دی گئی ہے ان پر محتاجی یہ اس لیے کہ وُہ کفر کیا کرتے تھے ۱۲۵

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ

اللہ کی آیتوں سے اور قتل کیا کرتے تھے انبیاء کو ناحق یہ (بیباکی) اس لیے تھی کہ وُہ نافرمانی کرتے

كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ

تھے اور سرکشی کیا کرتے تھے سب یکساں نہیں ۱۲۶ اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے

يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی رات کے اوقات میں اور وُہ سجدے کرتے ہیں ایمان رکھتے ہیں اللہ پر

یَعْتَصِمُوْا محذوف ہے۔ اب آیت کا معنی واضح ہو گیا۔ کہ ویسے تو ان کے مقدر کی پیشانی پر ذِلّت و مسکنت کی مُہر لگا دی گئی ہے ہاں دو صورتوں میں اُنہیں امن و سکون میسّر ہو سکتا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ کے عہد میں داخل ہو جائیں۔ اس کی ایک تفسیر تو یہ کی گئی ہے کہ اِسلام قبول کر لیں۔ اور دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مملکت اِسلامیہ کے پُرامن شہری بن جائیں۔ پھر ان کے حقوق، ان کی عزت و ناموس، ان کے جان و مال کی پوری حفاظت کی جائے گی اور وہ تمام رعایتیں جو ایک مسلمان کو حاصل ہیں وہ اُن کو بھی حاصل ہوں گی۔ اور حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ سے یہ مُراد لی گئی ہے کہ کوئی دوسری طاقت ان کی پشت پناہی کرے تو اس کے سہارے انہیں طمانیت خاطر نصیب ہو سکتی ہے۔ اہل نظر سے مخفی نہیں کہ قلب اسلام میں اِسرائیلی حکومت کا قیام یہود کا اپنا کارنامہ نہیں بلکہ مغربی سیاست کی ایک سازش ہے جو مسلمانوں سے زیادہ اِسلام کے خلاف کی گئی ہے۔ اسرائیلی حکومت کی بقاء کا اِنحصار یورپ و امریکہ کی امداد پر ہے۔ اگر وہ دست کش ہو جائیں تو یہ ریاست اپنی موت آپ مر جائے۔ یہ ایک غم انگیز اور ہوش رُبا حقیقت ہے کہ اگر شرقِ اوسط کے مسلمان فرماں روا باہمی رقابت کا شکار نہ ہوتے اور مجاہدین اسلام سے غدر نہ کرتے۔ تو یہ ریاست دنیا کے نقشہ پر موجود ہی نہ ہوتی۔ لیکن اب شرق اوسط کے سیاسی مطلع پر ایسے مردانِ کار رُونما ہو چکے ہیں جن سے بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ بتوفیقہ تعالیٰ اس زقوم کے درخت کو ایک روز جڑ سے اُکھیڑ پھینکیں گے۔

۱۲۵ اِس حقیقت کو پھر دہرایا جا رہا ہے کہ یہ پھٹکار اُن پر بلا وجہ نہیں پڑی بلکہ ان کے یہ یہ جُرم تھے جن کی یہ سزا ہے۔

۱۲۶ یعنی سارے اہل کتاب کا یہ حال نہیں۔ بعض ان میں سے بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ لیکن ان کی تعداد بہت قلیل تھی اور نافرمان کثیر تعداد میں تھے۔

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

اور روزِ آخرت پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور

يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا

جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہ لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں اور جو یہ کریں گے

مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

نیک کاموں سے تو ہرگز انکار نہ کیا جائے گا اس کارِ خیر کا۔ اور اللہ جاننے والا ہے پرہیزگاروں کو بے شک جن لوگوں نے

كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

کفر اختیار کیا ہرگز نہ بچا سکیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے

شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا

ذرّہ بھر اور وُہ دوزخی ہیں وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے مثال اس کی جو وُہ

يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ

خرچ کرتے ہیں[۱۲۷] اِس دُنیوی زندگی میں ایسی ہے جیسے ہوا ہو اس میں سخت ٹھنڈک ہو (اور) لگے وُہ

حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ

ایک قوم کے کھیت کو جنھوں نے ظلم کیا ہو اپنے نفسوں پر پھر فنا کر دے اس کھیت کو۔ نہیں ظلم کیا اُن پر اللہ تعالیٰ نے۔

[۱۲۷] اَلصِّرُّ: اَلْبَرْدُ الشَّدِيْدُ (1)۔ جلا دینے والی سخت ٹھنڈ کو صر کہتے ہیں۔ ایمان لائے بغیر ریا و نمود کے لیے پانی کی طرح روپیہ بہانے والوں کے حسرت ناک انجام کی کتنی بہترین اور اثر آفرین مثال ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 177

لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا

لیکن وُہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اَے اِیمان والو! ۱۲۸؎ نہ بناؤ

بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ

اپنا رازدار غیروں کو وُہ کسر نہ اُٹھا رکھیں گے تمھیں خرابی پہنچانے میں وُہ پسند کرتے ہیں جو چیز تمھیں ضرر دے

بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ

ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مُونہوں (یعنی زبانوں) سے اَور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وُہ اس سے بھی بڑا

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ

ہے ہم نے صاف بیان کر دیں تمھارے لیے اپنی آیتیں اگر تم سمجھ دار ہو سُنو! تم تو وُہ (پاک دل) ہو ۱۲۹؎ کہ محبّت کرتے ہو ان سے

۱۲۸؎ اِس آیت کے چند الفاظ وضاحت طلب ہیں۔ کپڑے کا وہ طرف جو اندر کی جانب ہوتا ہے اور جسم سے ملا ہوتا ہے۔ اس کو بِطَانَةُ الثَّوْبِ کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اُس دوست کو بِطَانَةٌ کہتے ہیں جس پر کامل اِعتماد اور بھروسہ ہو اور ہمراز ہو۔ هُوَ الَّذِیْ يُعَرِّفُهُ الرَّجُلُ اَسْرَارَهٗ ثِقَةً بِهٖ (بیضاوی)(1) اَلَا يَاْلُوْنِ الْاَمْرِ قَصَّرَ وَاَبْطَأَ(2) کا معنی ہے کسی امر میں کسر اُٹھا رکھنا، کوتاہی کرنا۔ عملی، جسمانی اور عقلی خرابی اور فساد کو خبال اور خبل کہتے ہیں (قرطبی)(3) اب آیت کے مفہوم پر غور فرمایئے۔ اِسلام سے پہلے یثرب کے یہودیوں کے ساتھ اوس و خزرج کے بڑے گہرے مراسم و تعلقات تھے۔ افراد کی آپس میں دوستیاں تھیں اور قبیلوں کے بھی آپس میں معاہدے تھے۔ ہر کام میں ایک دوسرے سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ کسی سے کوئی بات چھپا کر نہیں رکھا کرتے تھے۔ لیکن اوس و خزرج کے اِسلام قبول کرنے کے بعد ان تعلقات میں یکسر اِنقلاب آ گیا۔ اِس بات کا احتمال تھا کہ مسلمان اپنی صاف دلی کی بنا پر اسلام کے بھید بھی حسب سابق کہیں یہود سے نہ کہہ دیا کریں جس سے مسلمانوں کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا کہ وہ اپنے اور اِسلام کے دشمنوں کو اپنا رازدار بنائیں۔ اِس آیت کا نُزول اگرچہ اس خاص موقع پر ہوا لیکن اِس کا حکم عام ہے۔ وہ غیر مسلم جن کی اِسلام دشمنی ان کے اقوال اور افعال سے واضح ہو چکی ہو اُن پر یوں اِعتماد اور بھروسہ کرنا کہ ہر راز کی بات اُن سے کہہ دی جائے کہاں کی دانشمندی ہے۔ قرآن نے مسلمانوں کو ایسی سادہ لوحی سے منع فرمایا ہے۔ مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کیسے ہونے چاہئیں؟ اِس پر تفصیلی بحث اسی سورت کی آیت نمبر اٹھائیس کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

۱۲۹؎ هَا تنبیہ کے لیے ہے اَنْتُمْ مبتدا اور اُولَآءِ خبر ہے (کشاف)(4) اسلام کو نفرت و عداوت کا دین کہنے والے اگر اس آیت کو

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 87
2۔ المنجد فی اللغۃ از لوئس معلوف، متولد 1283ھ، متوفی 1365ھ، ص 16
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 180
4۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 406

وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا

اَور وُہ (ذرا) محبّت نہیں کرتے تم سے اَور مانتے ہو تم سب کتابوں کو اَور جب وُہ تم سے مِلتے ہیں کہتے ہیں

اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ

ہم اِیمان لائے ہیں اَور جب وُہ تنہا ہوتے ہیں تو چباتے ہیں تم پر اُنگلیاں غصّہ سے (اَے حبیبؐ!) آپ فرمایئے

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ

مرجاؤ اپنے غصّہ (کی آگ میں جل کر) ۱۳۰ یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کا (ان کا حال تو یہ ہے کہ) اگر

تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ

پہنچے تمھیں کوئی بھلائی تو بُری لگتی ہے انھیں اَور اگر پہنچے تمھیں کوئی تکلیف تو (بڑے) خوش ہوتے ہیں اس سے

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا

اَور اگر تم صبر کرو ۱۳۱ اَور اللہ سے ڈرتے رہو تو نہ نقصان پہنچائے گا تمھیں ان کا فریب کچھ بھی بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ

غور سے پڑھیں تو ان پر اپنی غلطی آشکارا ہو جائے۔ مسلمان تو وہ صاف دل قوم ہے جو اپنی دشمن قوموں کے لیے بھی اپنے دل میں محبت و رحمت کے جذبات موجزن پاتی ہے۔ وہ دین جس کے ماننے والے اپنے بدخواہوں کے متعلق بھی ایسے جذبات رکھتے ہوں کیا اس دین کو نفرت و عداوت کا دین کہنا قرین انصاف ہے؟ اِس آیت میں مسلمانوں کے ان پاکیزہ اِنسانی اِحساسات کا اِعتراف کرتے ہوئے اُنہیں دشمنوں کی خطرناک چالوں سے محتاط اور چوکنّا رہنے کی تنبیہ کی جا رہی ہے کہ ان کے متعلق تمہارے دل تو صاف ہیں۔ اور تم ان کی مقدّس کتابوں پر بھی سچے دل سے ایمان رکھتے ہو۔ لیکن ان کی حالت یہ نہیں۔ وہ تمہارے روبرو تو ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن جب وہ تم سے الگ ہوتے ہیں تو مارے حسد کے اُنگلیاں چباتے ہیں۔ تمہاری ترقی اور اِسلام کی روز افزوں کامیابی ان کے لیے سوہانِ رُوح بنی ہوئی ہے۔

۱۳۰ شیخ سعدی نے شاید اِسی آیت کی ترجمانی اپنے اِس شعر میں فرمائی ہے۔

بمیر تا برہی اَے حسود کیں رنجیست کہ از مشقّت او جز بمرگ نتواں رُست (1)

یعنی حاسد کا علاج صرف ایک ہی ہے کہ وہ حسد کی آگ میں جل کر خاکستر ہو جائے۔

۱۳۱ زندگی کی اِس اِمتحان گاہ میں یہ تو نہیں ہو سکتا کہ مخالفت کے طوفان نہ اٹھیں۔ مصائب کے سیاہ بادل گھر کر نہ آئیں۔ یہ تو ایسا

1۔ گلستانِ سعدی از شرف الدین بن مصلح الدین عبداللہ سعدی، متولد 606ھ، متوفی 691ھ، حکایت نمبر 5، ص 31، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان

ع ۱۲ ۱۱ ۳ يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ ع

وُہ کرتے ہیں (اس کا) اِحاطہ کیے ہوئے ہے اَور یاد کرو (اَے محبُوب!) ۱۳۲؎ جب صبح سویرے رُخصت ہوئے آپ اپنے گھروں سے (اَور میدانِ اُحد میں) بٹھا رہے تھے مومنوں کو

ہی ہوتا آیا ہے اور ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ لیکن ایسے حوادثات کے باوجود اگر تم صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے سیدھے راستہ پر ثابت قدمی سے چلتے رہو گے تو دشمن کا مکر وفریب تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ گویا اس رزم گاہِ حیات میں کامیابی کا سہرا اُسی کے سر باندھا جاتا ہے جو صابر اور متقی ہو۔ مشکلات سے ہراساں ہونے والا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

۱۳۲؎ ابوسفیان بدر کے مقتولوں کا بدلہ لینے اور اپنی شکست کا بدنما داغ مٹانے کے لیے تین ہزار مسلّح جنگ آزماؤں کا لشکر جرار لے کر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ اِس دفعہ آتش اِنتقام کو بھڑکانے اور جوشِ حمیت کو تیز تر کرنے کے لیے وہ اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لائے تھے جن کی قیادت ابوسفیان کی بیوی ہندہ کر رہی تھی۔ وہ اشعار گا کر، دف بجا کر اُن کو اِشتعال دلاتی تھی۔ جب وہ اُحد کے میدان میں خیمہ زن ہو گئے تو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مجلس مشاورت طلب فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اور اکابر صحابہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر اُن کا مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی جسے پہلی بار مشورہ کے لیے دعوت دی گئی تھی اُس نے بھی اِس کی تائید کی۔ لیکن نوجوان طبقہ جو شوقِ شہادت سے بے تاب ہو رہا تھا اِس بات پر مصر تھا کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ کثرتِ رائے کے پیشِ نظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہی فیصلہ فرما دیا۔ اور خود زِرہ پہن کر گھر سے باہر تشریف لائے۔ اور ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ 7 شوال بروز سنیچر 3ھ مدینہ طیبہ سے اُحد کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ہی عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ہمراہیوں کے ساتھ الگ ہو گیا۔ اب مسلمانوں کی تعداد کفار کی تعداد سے چوتھائی سے بھی کم ہو گئی۔ پہاڑ کی جانب پشت کر کے صفیں آراستہ کی گئیں۔ پہاڑ کی وہ گھاٹی جہاں سے دشمن کے اچانک حملہ آور ہونے کا خدشہ تھا وہاں عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو پچاس سپاہیوں کے ساتھ متعین فرمایا۔ اور اُنہیں تاکیدی حکم دیا کہ ہمیں خواہ فتح ہو یا شکست تمہیں ہر حالت میں یہاں ٹھہرے رہنا ہو گا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو پرچم مرحمت ہوا۔ لشکر کے ایک بازو پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے پر حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اور اپنی تلوار خوش نصیب ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی۔ پہلے ہلّہ میں ہی کفّار کے قدم اُکھڑ گئے۔ اور انہوں نے مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر پسپا ہونا شروع کر دیا۔ گھاٹی پر متعینہ دستہ نے جب دیکھا کہ اب کفّار کو شکست ہو چکی ہے تو مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے وہ وہاں سے دوڑے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بہت سمجھایا۔ لیکن چند آدمیوں کے سوا کسی نے ان کی بات پر کان نہ دھرے۔ خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکین کے رسالہ کے کماندار تھے۔ جب اس گھاٹی کو خالی دیکھا تو پہاڑ کا چکر کاٹ کر مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا۔ اب کیا تھا لشکر اسلام میں اِنتشار پڑ گیا۔ نظم وضبط قائم نہ رہ سکا۔ عبداللہ بن قمہ اور عتبہ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حملہ کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندانِ مُبارک شہید ہو گئے۔ پیشانی اقدس اور رُوئے انور زخمی ہو گیا۔ اور یہ افواہ بھی اُڑ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شہید ہو گئے۔ جس نے صحابہ کے رہے سہے ہوش بھی اڑا دیئے۔ لیکن جاں نثار غلاموں کا ایک گروہ اُس وقت بھی پروانہ وار نثار ہو رہا تھا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ علمبردار نے حضور

مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ

مورچوں پر جنگ کے لیے اور اللہ سب کچھ سُننے والا جاننے والا ہے جب اِرادہ کیا دو جماعتوں نے ۱۳۳

مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

تم میں سے کہ ہمّت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا اِسلیے اس نے اِس لغزش سے بچالیا اور ۱۳۴ صرف اللہ پر توکّل کرنا چاہیئے

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شہادت پائی۔ ان کے بعد پرچم حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لے لیا۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈھال بنا رکھا تھا۔ ہر تیر اپنی پُشت پر روکتے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تلوار کا ہر وار اپنے بازُو پر روکتے۔ حضرات ابوبکر صدیق، علی مُرتضیٰ، ابوعبیدہ، مالک بن سنان رضی اللہ عنہم وغیرہم نے دشمن کے زبردست ریلے کو پیچھے ہٹایا۔ جب اِدھر اُدھر میدان جنگ میں کفّار سے مصروفِ پیکار مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کی اِطلاع ہوئی تو سب دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِردگرد جمع ہو گئے اور کفار پھر اپنے اُونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے (1)۔ یہ درست ہے کہ اس کو کفّار مکہ کی فتح نہیں کہا جا سکتا لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اور ستر سے زیادہ جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے جن میں حضرت سیدنا حمزہ اسد اللہ و رسولہ بھی تھے جن کو وحشی نے پیچھے سے نیزہ مارا تھا۔ مسلمانوں کو جو یہ زک اُٹھانی پڑی۔ اس کی ایک ہی بڑی وجہ تھی کہ اُنہوں نے اپنے رسول اور قائد کے حکم کی اطاعت میں تساہل کیا۔ اگر وہ دستہ گھاٹی پر جما رہتا تو یہ المناک حالات رُونما نہ ہوتے۔

۱۳۳ جب عین وقت پر عبداللہ بن ابی اپنے تین سو سپاہیوں کے ساتھ الگ ہو گیا تو مسلمانوں کی تعداد میں مزید کمی ہو گئی تو قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور خزرج کے بنی سلمہ کے دل میں بھی میدانِ جنگ سے واپسی کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور اس لغزش کے ارتکاب سے اُنہیں بچا لیا (2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی اور ہم اس کے نزول سے بڑے خوش ہیں۔ کیونکہ ایک طرف ہمارے پھسل جانے کے خیال کا ذِکر ہے تو ساتھ ہی وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا کی نوید جاں پرور بھی ہے (3)۔ سچے مومن سے اگر کسی بشری کمزوری کے باعث کوئی غلطی سرزد ہونے لگتی ہے تو رحمت اِلٰہی اُسے سنبھال لیتی ہے۔ شان کریمی یہ گوارا نہ کر سکی کہ اُس کے محبوب کے سچّے غلام ایسی لغزش کر بیٹھیں۔

۱۳۴ توکل کیا ہے؟ محققین صوفیہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے۔ اِنَّ التَّوَكُّلَ عَلَى اللّٰهِ هُوَ الثِّقَةُ بِاللّٰهِ وَالْاِيْقَانُ بِاَنَّ قَضَاءَهٗ مَاضٍ وَاتِّبَاعُ سُنَّةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّعْيِ فِيْمَا لَا بُدَّ مِنْهُ مِنَ الْاَسْبَابِ (القرطبی) (4) اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور یہ یقین محکم کہ اس کا حکم اٹل ہے۔ اس کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت پر عمل کہ ضروری اسباب کے مہیا کرنے میں بھی پوری جدوجہد کرنے کو توکل کہتے ہیں۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ترکِ اسباب کو توکل کہتا ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنّت پر اِعتراض کرتا ہے (5)۔

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج4، ص107-95 (ملخصاً)
2۔ ایضاً، ج4، ص97
3۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا الآیہ، ج2، ص580
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص189
5۔ ایضاً

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا

مومنوں کو اور بے شک مدد کی تھی تمہاری ۱۳۵ اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں ۱۳۶ حالانکہ تم بالکل کمزور تھے پس ڈرتے

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ

رہا کرو اللہ سے تاکہ تم (اس پر وقت امداد کا) شکر ادا کر سکو (عجب سہانی گھڑی تھی) جب آپ فرما رہے تھے مومنوں سے ۱۳۷ کیا تمہیں یہ کافی نہیں

اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اُتارے گئے ہیں

۱۳۵ لشکر اسلام کی حوصلہ افزائی اور تسکین کے لیے اُحد کے جانکاہ حادثہ کے بعد بدر کی فتح مبین کا ذِکر فرمایا۔ اور اُنہیں یاد دلایا کہ کس طرح تمہاری قلیل اور بے سروسامان سی جمعیت کو دشمن کے مسلح لشکر جرار پر فتح عطا فرمائی۔ اِس لیے اُحد کے نقصانات سے غمگین نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اِمداد تمہارے ساتھ ہے۔ ہاں جو غلطی تم سے ہوئی اور جس کی وجہ سے تمہیں یہ زک اُٹھانی پڑی اس سے اجتناب کرنا۔

۱۳۶ مدینہ طیبہ سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ایک کنواں ہے جس کا نام بدر ہے۔ اِسی مقام پر اِسلام اور کفر کی پہلی ٹکّر ہوئی۔ ہجرت کا دوسرا سال تھا۔ جمعہ کا دن اور رمضانُ المبارک کی سترہ تاریخ تھی۔ مسلمانوں کی تعداد تین سو دس سے کچھ اُوپر تھی۔ اور کفّار کا لشکر ہزار کے قریب تھا۔ جب لشکر آمنے سامنے ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب نے طلب نصرت کے لیے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ پھیلائے اور عرض کی۔ اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْلِيْ مَا وَعَدْتَّنِيْ اَللّٰهُمَّ آتِ مَا وَعَدْتَّنِيْ اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْاَرْضِ۔ (اے اللہ! اپنا وعدہ پورا فرما۔ اگر مسلمانوں کا یہ مختصر گروہ ہلاک ہو گیا تو رُوئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی) محویت کا یہ عالم تھا کہ دوش مُبارک سے چادر گر پڑی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے پیچھے سے اپنے آقا کو گلے لگا لیا اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا(1)۔ اَدب و نیاز میں ڈوبی ہوئی دعا قبول ہوئی۔ اور دنیا نے دیکھا کہ چند سر بکف مجاہدوں نے بدر کے میدان میں کفر کو ایسی شکست دی جس کے بعد وہ سنبھل نہ سکا۔

۱۳۷ اپنی قلّت اور بے سروسامانی کے باوجود مسلمان بڑی بے جگری سے میدانِ بدر میں لڑ رہے تھے۔ اِسی اثنا میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ کُرز بن جابر المحاربی کمک لے کر کفار کی مدد کو آ رہا ہے۔ اِس سے مسلمانوں کو کچھ تشویش ہوئی۔ اس وقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ہوا اگر کُرز اپنی جمعیت لے کر آ رہا ہے۔ تمہاری اِمداد کے لیے بھی تین ہزار فرشتے آسمان سے اُتر رہے ہیں۔ اور اگر تم نے صبر اور تقویٰ اِختیار کیے رکھا تو یہ تعداد بڑھا کر پانچ ہزار کر دی جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے سے صحابہ کے حوصلے اور بلند ہو گئے۔ فرشتوں کی آمد کس غرض کے لیے تھی؟ اکثر عُلماء فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے بالفعل جنگ میں حصّہ لیا۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اُن کی آمد سے مسلمانوں کو رُوحانی تقویت حاصل ہو گئی۔ اُن کے حوصلے بڑھ گئے اور اُنہوں نے جم کر لڑنا شروع کر دیا۔ اِنَّمَا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص193

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ

ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور (اگر) آدھمکیں کفّار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ ع

تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں اور نہیں بنایا فرشتوں ۱۳۸ھ

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا

کے اترنے کو اللہ نے مگر خوش خبری تمہارے لیے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے اور (حقیقت تو یہ ہے) کہ نہیں ہے

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

فتح و نصرت مگر اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب (اور) حکمت والا ہے (یہ مدد اس لیے تھی) تاکہ کاٹ دے ایک حصّہ کافروں

كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ

سے یا ذلیل کردے ان کو پس لوٹ جائیں نامُراد ہو کر نہیں ہے آپ کا اس معاملہ میں کوئی

شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ

دخل ۱۳۹ھ چاہے تو اللہ اُن کی توبہ قبول فرمالے اور چاہے تو عذاب دے اُنھیں پس بے شک وُہ ظالم ہیں اور

حَضَرُوا الدُّعَاءَ بِالتَّثْبِيْتِ وَالْاَوَّلُ اَكْثَرُ (قرطبی) (1) اس کی مفصل بحث سورۂ انفال میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

۱۳۸ھ یعنی ملائکہ کا نزول کامیابی کے دیگر اسباب کی طرح ایک سبب ہے۔ حقیقت میں فتح و کامرانی بخشنے والا رب العٰلمین ہے۔ اِس آیت میں یہ سبق دیا گیا کہ اِعتماد اور توکّل اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ہونا چاہیے۔ وہی فاعل حقیقی ہے۔ ہر چیز اُسی کے دست قدرت میں ہے۔

۱۳۹ھ اُحد کے دن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندانِ مُبارک شہید کیے گئے۔ رُخِ انور زخمی کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا وہ قوم کیونکر نجات پاسکتی ہے جس نے اپنے اس نبی کے سر کو مجروح کیا اور دانت شہید کیے جو اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ وَقِيْلَ اسْتَاْذَنَ فِيْ اَنْ يَّدْعُوَ فِي اسْتِئْصَالِهِمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلِمَ اَنَّ مِنْهُمْ مَّنْ سَيُسْلِمُ وَقَدْ اٰمَنَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ خَالِدُ بْنُ وَلِيْدٍ (قرطبی) (3) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان لوگوں کے حق میں بد دعا کرنے کے لیے اللہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 194 2۔ ایضاً، جز 4، ص 199 3۔ ایضاً

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور

ع ۱۳ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

نہ کھاؤ سُود دوگنا چوگنا کر کے ۱۴۰ اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم

تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہو گیا کہ ان میں سے کئی لوگ مسلمان ہوں گے۔ چنانچہ ایک کثیر تعداد اسلام لائی۔ انہیں میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے یہ کلمات کتنے حقیقت افروز اور ایمان پرور ہیں۔ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَقَدْ دَعَا نُوْحٌ عَلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا وَّلَوْ دَعَوْتَ عَلَیْنَا مِثْلَهَا لَهَلَكْنَا مِنْ عِنْدِ اٰخِرِنَا فَلَقَدْ وُطِئَ ظَهْرُكَ وَاُدْمِیَ وَجْهُكَ وَ كُسِرَتْ رُبَاعِیَّتُكَ فَاَبَیْتَ اَنْ تَقُوْلَ اِلَّا خَیْرًا فَقُلْتَ رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (القرطبی)(1)

ترجمہ ”اے اللہ کے پیارے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں نُوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی۔ کہ اے رب زمین پر کسی کافر کو سلامت نہ رہنے دے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہمارے لیے بددعا کرتے تو ہم سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ لیکن (اے سراپا کرم) آپ کی پُشت پاک پر قدم رکھے گئے، رُخِ پُرنور زخمی کیا گیا، دندان مبارک توڑے گئے۔ بایں ہمہ آپ نے دعائے خیر ہی فرمائی۔ اور یہی عرض کی کہ اے رب! میری قوم بے علمی سے یہ کر رہی ہے تو اس کو معاف فرما دے“۔

اس آیت کریمہ کا یہ مدّعا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا یا بددعا کا اللہ کی جناب میں کوئی وزن نہیں۔ اس میں ذرّہ بھر بھی شک نہیں کہ ہر کہ ومہ حقیر وعزیز سب کچھ بِلا اِستثناء اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قُدرت میں ہے۔ وہ نہ چاہے تو کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اِسی طرح اِس میں بھی ذرّہ بھر شک نہیں کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ اُٹھے تو اُجڑے دیار میں بھی بہار آ جاتی ہے۔ اُنگلی کا اِشارہ ہو تو چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اُس کی نظر کرم ہو تو کُفر و شِرک اور فسق و فجور کی تاریکیاں جگمگانے لگتی ہیں۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی (2) اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ اور خواہ کسی کی جبین پر بل پڑیں وہ پورا کر کے رہتا ہے۔

وُہی ہے طور جہاں پڑ گئی نِگاہ تری وُہی چمن ہے جہاں مسکرا دیا تو نے

۱۴۰ سُود اور سُود کی حُرمت پر مفصّل بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے (3)۔ نزول کے اِعتبار سے یہ آیت سورۂ بقرہ کی آیات سے مقدم ہے۔ یہاں اس سودی نظام کو حرام کیا جا رہا ہے جس کا اُس وقت عام رواج تھا۔ رواج یہ تھا کہ کسی نے ایک مدّتِ مقررہ تک

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج4، ص200 2۔ سورۃ الضحیٰ:5 3۔ آیات نمبر 275 تا 279

تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ

فلاح پاجاؤ ۱۴۱ اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے اور اطاعت کرو اللہ کی

وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اور رسول (کریم) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور دوڑو ۱۴۲ بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِیْنَ

اور (دوڑو) جنّت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے ۱۴۳ جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لیے وہ (پرہیزگار)

قرض لیا۔ جب وہ مُدت ختم ہوئی اور قرض خواہ نے رقم کا مطالبہ کیا تو مقروض کہا کرتا کہ تم میعاد بڑھا دو میں رقم میں اضافہ کر دیتا ہوں۔ یہ سلسلہ مدت تک جاری رہتا یہاں تک کہ اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی۔ جسے سود در سود یا سود مرکب کہا جاتا ہے۔ اِس ظالمانہ نظام کو اسلام نے ختم کر دیا۔ کیونکہ اِس سے اگر ایک طبقہ میں تن آسانی، حرام خوری، حرص و بخل کے جذبات پرورش پاتے ہیں تو قوم کے دوسرے طبقہ میں حسد و عناد اور منافرت کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ وہ اُمّت جسے دنیا میں تبلیغ توحید و ہدایت کا ایک عظیم المرتبت مشن سرانجام دینا ہو اُس میں ایسے عناصر کو کب برداشت کیا جا سکتا ہے جو ملّی وحدت کو پارہ پارہ کر دیں۔ اِس لیے اگلی آیتوں میں یہاں تک فرما دیا کہ اگر تم نے اِس سودی کاروبار کو نہ چھوڑا تو اس عذاب میں مبتلا کیے جاؤ گے جو کفار کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

۱۴۱ بیشتر افراد اور قومیں اپنی فلاح و کامرانی کو دولت کی فراوانی میں مضمر سمجھتی ہیں اور اس کے حصول کے لیے جائز و ناجائز، حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر کوشاں رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ دوسروں کی طرح تم بھی اِس فریب میں مبتلا نہ ہو جانا۔ حقیقی فلاح متقی بننے سے نصیب ہوتی ہے۔

۱۴۲ یعنی ان اعمال کی بجا آوری میں تیزی کرو جو مغفرت کے حصول کے اسباب ہیں۔ ان میں سابقہ گناہوں سے توبہ، آئندہ گناہوں سے اِجتناب کا عزم، ہر قسم کے نیک کاموں کا بجالانا سب داخل ہیں۔

۱۴۳ بعض کا ارشاد ہے کہ جنت کی چوڑائی فی الواقع اتنی ہے جتنا آسمانوں اور زمین کا مجموعی رقبہ ہے۔ اور چوڑائی کی فراخی اور وسعت کا یہ عالم ہے تو اُس کی لمبائی کا کیا کہنا۔ لیکن علمائے لغت و ادب کی رائے ہے کہ لَمْ تَقْصِدِ الْاٰیَةُ تَحْدِیْدَ الْعَرْضِ وَلٰكِنْ اَرَادَ بِذٰلِكَ اَنَّهَا اَوْسَعُ شَیْءٍ رَّاَیْتُمُوْهُ (1) یعنی یہاں جنت کے عرض کی مساحت کو آسمانوں اور زمینوں کی مساحت کے برابر ثابت کرنا مقصود نہیں بلکہ بطریقہ استعارہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جتنی وُسعت کا تم تصوّر کر سکتے ہو جنت اس سے بھی وسیع تر ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص205

يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ

جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور تنگ دستی میں ۱۴۴ اور ضبط کرنے والے ہیں غصّہ کو ۱۴۵ اور درگزر کرنے والے ہیں

عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا

لوگوں سے ۱۴۶ اور اللہ تعالیٰ محبّت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے ۱۴۷ اور یہ وُہ لوگ ہیں کہ جب کر بیٹھیں کوئی

فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۫

بُرا کام یا ظلم کریں اپنے آپ پر (تو فوراً) ذِکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی ۱۴۸

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۖ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ

اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا اور نہیں اصرار کرتے اس پر جو اُن سے سرزد ہوا اس حال میں کہ

۱۴۴ یہاں سے متقین کی صفات بیان کی جارہی ہیں جن کے لیے جنت کی بہاریں چشم براہ ہیں۔ ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ خوش حالی میں اور تنگ دستی و افلاس میں اپنا عزیز مال اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ایسا کرنا کمال تقویٰ کی واضح علامت ہے۔ اِس صفت کو سب سے پہلے ذکر کیا گیا۔ کیونکہ اس سے پہلے سود کا ذِکر تھا جس میں دوسروں کا مال بغیر حق کے کھایا جاتا ہے اور اِس میں صدقہ کا ذِکر ہے جس میں اپنا مال بغیر کسی ظاہری استحقاق کے غیر کو دیا جاتا ہے۔

۱۴۵ کظم غیظ ان کی دوسری صفت ہے۔ غیظ شدّتِ غضب کو اور کظم بھری ہوئی مشک کے منہ باندھنے کو کہتے ہیں (1) بعض اوقات ایسی ناپسندیدہ حرکات اور ضرر رساں اُمور رونما ہوتے ہیں جن سے انسان برافروختہ ہو جاتا ہے اور جذبہ اِنتقام سے اُس کا دل لبریز ہو جاتا ہے۔ ایسے حال میں اپنے غصّہ کو پی جانا بے شک بڑی ہمت کا کام ہے۔

۱۴۶ اس کی تیسری صفت عفو ہے۔ عفو کہتے ہیں باوجود قدرت کے انسان کسی کی خطا اور ضرر رسانی پر صرف خاموش ہی نہ رہے بلکہ دل سے اسے معاف بھی کر دے۔ هُوَ التَّجَافِيْ عَنْ ذَنْبِ الْمُذْنِبِ وَتَرْكُ مُؤَاخَذَتِهٖ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ (2)۔ یہ چیز کظم غیظ سے اعلیٰ ہے۔

۱۴۷ ان کی چوتھی صفت اِحسان ہے۔ یہ مرتبہ تمام پہلے مراتب سے بلند تر ہے کہ اِنسان دشمن سے اِنتقام بھی نہ لے۔ اسے دل سے معاف بھی کر دے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس پر لطف و اِحسان بھی کرے۔ اس کی جلالت شان کی طرف اِشارہ کرنے کے لیے اسلوبِ کلام بدل دیا۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ اُن کو محبوبیت کا شرف بخشا جاتا ہے۔

۱۴۸ ان کی پانچویں صفت طلب مغفرت ہے۔ اِنسان مجموعہ خطا و نِسیان ہے۔ یعنی اُن سے جرم سرزد ہو جائے تو فوراً احساسِ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 206 2۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 135

هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ

وُہ جانتے ہیں یہ وُہ (نیک بخت) ہیں جن کا بدلہ بخشش ہے اپنے رب کی طرف سے اور جنّت ۱۴۹

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

رواں ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں کیا ہی اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

گزر چکے ہیں تم سے پہلے (قوموں کے عروج وزوال کے) قاعدے ۱۵۰ پس سیر کرو زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کہ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى

کیسا انجام ہوا (دعوتِ حق کو) جھٹلانے والوں کا یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے اور ہدایت

ندامت اُنہیں آلیتا ہے۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کو بخشنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اُس کے حضور میں نہایت عاجزی سے گناہوں کی معافی کی درخواست کرتے ہیں۔ ان کی یہ توبہ حقیقی توبہ ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ان کی زبان تو استغفر اللہ کے وِرد میں مصروف ہو اور وہ اپنے عمل سے اس استغفار کا تمسخر اڑا رہے ہوں۔ فَاحِشَةً سے مراد وہ گناہ ہے جس کا ضرر دوسروں تک پہنچے۔ اور ظَلَمُوْٓا سے مراد وہ گُناہ ہیں جن کا اثر اُن کی اپنی ذات تک محدود ہو۔ (بیضاوی) (1)

۱۴۹ آپ خود اندازہ لگائیے کہ جس شخص میں یہ خصالِ حمیدہ ہوں کیا وہ اپنے شہر، اپنی قوم اور اپنے ملک کے لیے باعث ہزار فخر و برکت نہیں ہوتا بلکہ یوں کہیے کہ وہ سارے نوعِ انسانی کے لیے رحمت الٰہی ثابت ہوتا ہے اور وہ اس کا جائز مستحق ہے کہ اسے اُولٰٓئِكَ الخ کا مژدہ سُنایا جائے۔ یہ ہے اخلاق کا وہ کامل معیار جس پر مسلمان کو پورا اُترنا چاہیے۔ آخر وہ رحمۃ للعالمین کا غلام اور اُمتی ہے وہ کیوں نہ اپنے آقا کی رحمت کا آئینہ ہو۔ لیکن

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا (2)

۱۵۰ سنن جمع ہے سُنّت کی۔ اور سُنّت وہ راستہ ہے جو شاہراہِ عام ہو۔ وہ طرزِ زندگی ہے جس کا ہمیشہ اِلتزام اور پابندی کی جائے (3)۔ غزوۂ اُحد کی تکلیفات، بدر کی فتح مبین، سود خوری کے نقصانِ عظیم اور مردِ مومن کی صفات کا ذِکر فرمانے کے بعد بتایا جا رہا ہے کہ زمین کے اِس کھلے ہوئے صفحہ پر تم سے پہلے گزری ہوئی اقوام کے حالات جلی قلم سے مرقوم ہیں۔ تم انہیں پڑھ لو۔ فتح و سُرخروئی کی عزت انہیں دی گئی جو اِن صفات کے مالک تھے اور ناکامی و ذِلّت انہیں کے حصّہ میں آئی جو ان سے محروم تھے۔ قدرت کے قوانین یکساں اور اٹل ہیں۔ کسی کے لیے انہیں توڑا نہیں جاتا۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 89 2۔ کلیاتِ اقبال اردو، بانگ درا، نظم شمع اور شاعر، ص 282 3۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 140

وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ

اَور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے واسطے اَور نہ (تو) ہمّت ہارو اَور نہ غم کرو ۱۵۱؎ اَور تمھیں

الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ

سربلند ہوگے اگر تم سچّے مومن ہو (اُحد میں) اگر لگی ہے تمھیں چوٹ تو (بدر میں)

مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

لگ چکی ہے (تمھاری دشمن) قوم کو بھی چوٹ ایسی ہی اَور یہ (ہارِ جیت کے) دِن ہم پھراتے رہتے ہیں اِنھیں لوگوں میں

۱۵۱؎ عمل اور رائے میں کمزوری کو وہن کہتے ہیں۔ اور کسی عزیز اور پیاری چیز سے محرومی پر جو دل میں الم پیدا ہوتا ہے اُسے حزن کہا جاتا ہے (1)۔ اُحد میں پیش آنے والے ہوش رُبا حادثات ممکن تھا کہ مسلمانوں کی کمر ہمت توڑ دیتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں تم ہی غالب و منصور ہو گے اگر تم سچے ایمان دار ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مُبارک میں اور اس کے بعد جب بھی باطل سے صحابہ کرام کی جنگ ہوئی صحابہ ہی فتح یاب ہوئے۔ حتیٰ کہ ہر وہ لشکر جس میں ایک صحابی بھی شامل ہوا اُس نے کبھی شکست نہیں کھائی۔ اور یہ صحابہ کرام کے مومن کامل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ نیز مولا تبارک نے انہیں ایسے الفاظ سے خطاب فرمایا جن سے انبیاء کو مخاطب فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اِرشاد ہوا اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى اور غلامان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو مژدہ دیا اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (2) سُبحان اللہ! کیا شان ہے غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والسلام کی۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اِیمان کی قوت دنیا کی ساری مادی قوتوں سے زیادہ توانا ہے جس قوم کے افراد کے دلوں میں ایمان اور یقین کی شمع روشن ہوتی ہے دنیا کی کوئی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی۔ مادی وسائل بھی اسی وقت کارگر ثابت ہوتے ہیں جب ان کو اِستعمال کرنے والا اپنے مقصد حیات پر محکم یقین رکھتا ہو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دہکتے انگاروں پر لیٹ کر، خباب رضی اللہ عنہ نے پھانسی کے تختے پر مسکرا کر، سمیہ رضی اللہ عنہا نے نیزہ سے اپنا جسم گھائل کرا کر اور یاسر رضی اللہ عنہ نے دو اُونٹوں سے اپنا بدن چروا کر جو عظیم فتح حاصل کی وہ فقط اُن کے نورِ ایمان اور اُن کی قوتِ یقین کا فیضان تھا۔ جب تک اُمّت مُسلمہ اِیمان و اِیقان سے بہرہ ور رہی ہر میدان میں کامیابی بڑھ کر اس کے قدم چومتی رہی۔ ہر معرکہ نے اِس اِرشاد باری پر مُہر تصدیق ثبت کی۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ بدر، خندق، حنین کے غزوات، یمامہ، قادسیہ اور نہاوند کے معرکے، محمد بن قاسم، طارق، غزنوی، اور غوری کی فتوحات اور اولیاء کرام کی تبلیغی سرگرمیاں اور محیر العقول کامیابیاں عالمِ واقعہ میں وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی کتنی حسین اور دلکش تفسیریں ہیں۔

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج4، ص144 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص217

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ

اور یہ اس لیے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے ۱۵۲ اور بنالے تم میں سے کچھ شہید ۱۵۳ اور اللہ تعالےٰ

لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ

دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور اس لیے کہ نکھار دے اللہ تعالیٰ انھیں جو ایمان لائے اور مٹا دے

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ

کافروں کو کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنّت میں حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے

الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ

ان لوگوں کو جنھوں نے جہاد کیا تم میں سے اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو اور تم تو آرزو کرتے تھے

الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع ۱۴ ۱۴ ۵

موت کی اس سے پہلے کہ تم اس سے ملاقات کرو سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو اور تم (آنکھوں سے) مشاہدہ کر رہے ہو

۱۵۲ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہر شخص کے ظاہر و باطن کا تفصیلی اور یقینی علم ازل سے حاصل ہے تو پھر یہاں وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ (تا کہ اللہ جان لے) سے کیا مراد ہے؟ علمائے کرام نے بڑی شرح وبسط سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ بعض نے یہ فرمایا کہ یہاں مضاف محذوف ہے مقصد ہے وَلِيَعْلَمَ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ یعنی تا کہ اللہ کے دوست مومن اور کافر کو جان لیں۔ بعض نے کہا کہ يَعْلَمَ بمعنی يُمَيِّزُ وَيُعْلِمُ ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں کو جتا دے (1)۔ لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم دو طرح کا ہے۔ ایک تو یہ کہ مستقبل میں یوں واقع ہوگا۔ یہ علم تو ازل سے حاصل ہے۔ اِس علم پر کوئی جزا یا سزا، مدح یا ذم مرتب نہیں ہوتی۔ لیکن جب کوئی معلوم چیز علم باری کے مطابق خارج میں موجود ہو جاتی ہے تو اُس وقت یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ اب یہ چیز عدم سے وجود میں آ گئی اور اسی علم پر جزا و سزا مرتب ہوتی ہے۔ یہاں آیت میں علم کا یہی معنی مراد ہے جسے علم ظہور کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ اَنَّ الْمُرَادَ بِالْعِلْمِ عِلْمُ الظُّهُوْرِ (المنار) (2)

۱۵۳ شہداء سے مراد شہیدانِ جہاد ہیں۔ انہیں کے خون سے قوم وملت کی تاریخ کو رنگینی اور رعنائی نصیب ہوتی ہے۔ اور شہداء سے وہ کاملین امت بھی مراد لیے جا سکتے ہیں جن کا عمل اور سیرت اِس دنیا میں اِسلام کی حقّانیت پر شاہد عدل ہے اور جن کا علم اور بصیرت قیامت کے روز لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوگا۔ جن کا ذکر لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ میں گزر چکا ہے۔

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج4، ص49-148 (ملخصاً) 2۔ ایضاً، ج4، ص149

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ

اور نہیں محمد (مصطفٰے) مگر (اللہ کے) رسول ۱۵۴ گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول ۱۵۵ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں

اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ

یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم اُلٹے پاؤں (دینِ اسلام سے) اور جو پھرتا ہے اُلٹے پاؤں

۱۵۴ جنگ اُحد میں جب خالد نے درّہ کو خالی پا کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اِس ناگہانی حملہ سے خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ ابن قمیہ نے پتھر مار کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شدید زخمی کر دیا تو یہ افواہ اڑ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید کر دیئے گئے۔ بس اِس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ مسلمانوں کے اَوسان خطا ہو گئے۔ بعض کمزور دل مسلموں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کاش عبداللہ بن ابی ہمارے لیے ابوسفیان سے امان طلب کرے۔ بعض منافقوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نبی ہوتے تو شہید کیسے کیے جاتے آؤ اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جائیں۔ لیکن بعض ایسے جانباز بھی تھے کہ اِس مشکل وقت میں بھی ثابت قدم رہے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ للکار رہے تھے کہ آؤ جس مقصد کے لیے ہمارے آقا نے جان دی اُسی کے لیے ہم بھی اپنا سر قربان کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زندہ رہنے میں کیا لطف؟ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے تو کیا ہوا اُن کا رب تو زندہ ہے۔ یہ کہہ کر کفّار پر حملہ کر دیا۔ اور لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا رضی اللہ عنہ (1)۔ بعض نومسلموں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی خبر سُن کر جو کمزوری دکھائی اُس پر اُنہیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول ہیں خُدا نہیں۔ اِس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کی مدّت مقرر ہے۔ جب وہ فانی دنیا کو چھوڑ کر رفیقِ اعلیٰ کی طرف انتقال فرمائیں تو کیا تم ان کا دین چھوڑ دو گے۔ اور اِسلام کی خاطر لڑنا بند کر دو گے۔ ایسا کیا تو خود ہی نقصان اُٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو تمہارے اِس رویّہ سے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

۱۵۵ اس آیت سے بعض سینہ زوروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن فرماتا ہے کہ آپ سے پہلے جتنے رسول تھے فوت ہو چکے ہیں اس لیے عیسیٰ علیہ السلام بھی زندہ نہیں۔ لیکن ان کا مدعا تو تب ثابت ہوتا کہ آیت کے الفاظ یوں ہوتے۔ قَدْ مَاتَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یعنی آپ سے پہلے جتنے رسول تھے وہ وفات پا چکے ہیں۔ حالانکہ قرآن کے الفاظ ہیں قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اور خلا یخلو کا معنی الگ ہو جانا (2) علیحدہ ہو جانا ہے نہ کہ مر جانا۔ ابھی ایک آیت گزری ہے جس میں منافقین یہود کا ذکر ہے وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ (3) اس میں خلوا کا یہ معنی نہیں کہ جب وہ مر جاتے ہیں بلکہ جب وہ الگ ہوتے ہیں تو غصہ سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ قرآن کے واضح الفاظ کے واضح معنوں کی ایسی تحریف سے خدا بچائے۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج5، جز9، ص22 2۔ المنجد فی اللغۃ، ص194 3۔ سورۂ آل عمران: 119

فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ

تو نہیں بگاڑ سکے گا اللہ کا کچھ بھی اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو ۱۵۶ اور نہیں ممکن کہ

لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ

کوئی شخص مرے ۱۵۷ بغیر اللہ کی اجازت کے۔ لکھا ہوا ہے (موت کا) مقرر وقت۔ اور جو شخص چاہتا ہے

ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ

دُنیا کا فائدہ ہم دیتے ہیں اس کو اس سے اور جو شخص چاہتا ہے آخرت کا فائدہ ہم دیتے ہیں اُسے

مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ

اس میں سے اور ہم جلدی اجر دیں گے (اپنے) شکر گزار بندوں کو اور کتنے ہی ۱۵۸ نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ان کے ہمراہ

رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا

بہت سے اللہ والوں نے سو نہ ہمّت ہاری اُنھوں نے بوجہ اُن تکلیفوں کے جو پہنچیں اُنھیں اللہ کی راہ میں اور نہ

ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا

کمزور ہوئے اور نہ اُنھوں نے ہار مانی اور اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے (تکلیفوں میں) صبر کرنے والوں سے اور نہیں

۱۵۶ یہی شکر گزار بندے ہیں جنہوں نے نعمت اسلام کو پہچانا، اس کی قدر کی اور اس کے لیے اپنی جان دے کر اس بے مثل نعمت کے شکریہ کا حق ادا کر دیا۔

۱۵۷ یعنی موت کا ایک دن معین ہے۔ بُزدلی سے زندگی بڑھ نہیں سکتی اور شجاعت و دلیری سے گھٹ نہیں سکتی۔ پھر جہاد سے جی چُرانے سے کیا حاصل؟

۱۵۸ كَاَيِّنْ کم خبریہ کے معنی میں ہے۔ اصل میں اَیّ تھا۔ اس پر کاف تشبیہ کو داخل کر کے نون تنوین کو نون کی شکل میں لکھ دیا۔ كَاَيِّنْ۔ اس میں مشہور لغت کائن بھی ہے (1)۔ رِبِّيُّوْنَ کی راء پر تینوں حرکتیں آسکتی ہیں۔ زمخشری نے تو اس کا معنی رب والے ہی کیا ہے۔ وَالرِّبِّيُّوْنَ، الرَّبَّانِيُّوْنَ (کشاف) (2) لیکن علامہ قرطبی نے اس کا دوسرا معنی انبوہِ کثیر بھی لکھا ہے اَلرِّبِّيُّوْنَ: اَلْجَمَاعَةُ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 228 2۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 424

كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا

تھی ان کی گفتگو بغیر اس کے کہ کہا اُنھوں نے اے ہمارے رب! بخش دے ہمارے گناہ ۱۵۹ اور جو زیادتیاں کیں ہم نے

فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اپنے کام میں ۱۶۰ اور ثابت قدم رکھ ہمیں اور فتح دے ہم کو قوم کفّار پر

الْكَثِيْرَةُ۔ اِس صورت میں اس کا واحد رُبِّی ہے اور رِبَّةٌ بمعنی جماعت کی طرف منسوب ہے(1)۔ اس آیت میں بھی اُن لوگوں کو سرزنش کی جارہی ہے جن کے قدم اُحد میں ڈگمگا گئے۔ کہ پہلے بھی انبیائے کرام اپنے صحابہ سمیت کفر سے جنگ آزما ہوئے لیکن وہ مصائب وشدائد میں گھبرائے نہیں۔ اور تم تو خیر الامم ہو اور سیّد الانبیاء کے غلام ہو۔ کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ مصیبت کے لمحوں میں ثابت قدم نہ رہو۔

۱۵۹ کتنی پاکیزہ دعا ہے۔ اور اِس کے سارے جملے کتنے معنی خیز، دلکش اور پُراز تاثیر ہیں۔ اِبتداء میں اُن اُمور سے پناہ مانگی جا رہی ہے جو شکست کا باعث بنتے ہیں۔ قوم اپنے گناہوں کے باعث اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے محروم ہو جاتی ہے۔ دشمن جب اس پر ہلّہ بولتا ہے تو تائید ربّانی اس کی پشت پناہی نہیں کرتی اور وہ قوم شکست کھا جاتی ہے۔ اِس لیے عرض کی کہ الٰہی! ہم سے جو گناہ اور قصور سرزد ہوئے ہیں وہ معاف فرمادے اور ہم پر راضی ہو جا۔ نیز بسا اَوقات دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لیے جس قسم کی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے اس میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ فوج کی عسکری تربیت میں خامی رہ جاتی ہے۔ جدید اسلحہ کی ساخت اور فراہمی کا بندوبست نہیں ہو پاتا۔ جنگ کا منصوبہ پوری محنت اور ہوش مندی سے تیار نہیں کیا جاتا۔ یہ چیزیں بھی ناکامی کا باعث بن جایا کرتی ہیں۔ اِن کوتاہیوں اور غفلتوں سے بھی عفو ودرگزر کی اِلتجا کی جارہی ہے۔ اس کے بعد فتح کے لیے دامن پھیلایا جارہا ہے۔ لیکن پہلے میدانِ جنگ میں صبر واِستقامت کی توفیق مانگی جارہی ہے جو کامیابی کی شرطِ اوّل ہے۔

یہ جملہ دُعا بھی ہے اور ایک عملی ہدایت نامہ بھی۔ جس اُمّت کے پاس ایسی کتاب ہو جو نہ خود حقائق سے اِغماض کرتی ہو اور نہ اپنے ماننے والوں کو اس غلط راستہ پر چلنے کی اِجازت دیتی ہو۔ وہ اُمّت اگر طفل تسلیوں میں مبتلا رہے اور جھوٹی امیدوں کی بنیادوں پر ہوائی قلعے تعمیر کرتی رہے تو اِس سے زیادہ المناک سانحہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

۱۶۰ وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا سے یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ اس خاص مہم کے لیے تیار ہونے میں جو غفلت اور تساہل ہو گیا جس کی وجہ سے فتح وکامرانی کے ظاہری اسباب کی تکمیل میں کمی رہ گئی اُس سے عفو ودرگزر کی اِلتجا کی جارہی ہے۔ کیونکہ ہمیں توکّل کے ساتھ ساتھ ظاہری اسباب مہیّا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 230

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ

تو دے دیا ان کو ۱۶۱ اللہ تعالیٰ نے دُنیا کا ثواب (یعنی کامیابی) اور عمدہ ثواب آخرت کا (یعنی نعیمِ جنّت اور لذّتِ وصل) اور اللہ تعالےٰ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ ع ۱۵ ۶

محبّت کرتا ہے نیکوکاروں سے اَے ایمان والو! ۱۶۲ اگر پیروی کروگے تم

كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ

کافروں کی تو وُہ پھیر دیں گے تمھیں اُلٹے پاؤں (کفر کی طرف) تو تم لوٹو گے نقصان اُٹھاتے ہُوئے بلکہ اللہ

مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ

حامی ہے تمھارا اور وُہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے ابھی ہم ڈال دیں گے کافروں کے دِلوں

كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ

میں ۱۶۳ رُعب اِس لیے کہ اُنھوں نے شریک بنالیا اللہ کے ساتھ اُس کو جس کے لیے نہیں اتاری اللہ نے کوئی دلیل اور

۱۶۱ ثوابِ دُنیا سے مراد فتح وظفر، رُعب ودبدبہ اور تحسین وآفرین ہے۔ اور ثواب آخرت سے مقصود جنّت، رضائے الٰہی اور لذتِ وصل ہے۔(1)

۱۶۲ پہلی آیت میں انبیائے سابقین کے انصار واعوان کی اِقتداء کا حکم دیا گیا۔ اِس آیت میں کفّار کی اطاعت سے روکا گیا۔ کیونکہ ان کی اطاعت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دین کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ یا کم از کم ہماری گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی۔

۱۶۳ اِس کا مظاہرہ جنگ اُحد میں ہی ہوگیا۔ کفّار نے پلٹ کر عقب سے حملہ کر کے مسلمانوں کو سراسیمہ کر دیا تھا۔ ان کی صفیں درہم برہم ہوگئی تھیں۔ ان کی کثیر تعداد شہید اور فوج کا بیشتر حصّہ بُری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ اگر وہ اُس وقت مدینہ پر یلغار کرتے تو ظاہری حالات ایسے تھے کہ شاید انہیں کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو اِتنا مرعوب اور خوفزدہ کر دیا کہ اُنہوں نے وہ مہم جس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وہ پُورے طمطراق سے آئے تھے اور اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لائے تھے اس کو نامکمل چھوڑ کر واپس ہونے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ راستہ میں اُنہیں اپنی اِس غلطی کا اِحساس بھی ہوا کہ وہ اپنے کام کو اُدھورا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے واپسی کا قصد بھی کیا لیکن ہمت نے جواب دے دیا۔

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج4، ص173

مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ

اُن کا ٹھکانا آتشِ (جہنّم) ہے اور بہت بُری جگہ ہے ظالموں کی اور بے شک سچ کر دکھایا تم سے

اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ

اللہ نے اپنا وعدہ ۱۶۴ جب کہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم بُزدِل ہو گئے اور

تَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

جھگڑنے لگے (رسولؐ کے) حکم کے بارے میں اور نافرمانی کی تم نے اس کے بعد کہ اللہ نے دکھا دیا تھا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے

اُلٹا زخم خوردہ مسلمانوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت میں مدینہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا۔ رعب بھی فتح یابی کا بہت بڑا سبب ہے۔ بسا اوقات دشمن لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ دشمن ایک ماہ کی مُسافت پر ہراساں رہتا تھا۔

۱۶۴ اِمام بُخاری نے براء بن عازب سے جنگ اُحد کا چشم دید حال روایت کیا ہے جس سے اِس آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اُحد کے دن جب ہمارا مقابلہ مشرکین سے ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیر اندازوں کے ایک دستہ کو عبداللہ بن جبیر کی امارت میں درّہ پر متعین فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ چاہے ہمیں فتح ہو یا شکست تم کسی صورت میں اِس جگہ کو نہ چھوڑنا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے کفار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ہم نے اُن کی عورتوں کو دیکھا کہ وہ پہاڑ میں اِدھر اُدھر حواس باختہ ہو کر بھاگ رہی ہیں۔ انہوں نے پائنچے اوپر چڑھائے ہوئے ہیں۔ اُن کی پنڈلیاں برہنہ ہو رہی ہیں اور ان کی پازیبیں نظر آ رہی ہیں۔ جنگ کی یہ حالت تھی اور مسلمانوں نے غنیمت غنیمت کہنا شروع کر دیا۔ تیر اندازوں کے دستہ نے بھی غنیمت جمع کرنے میں شریک ہونا چاہا۔ عبداللہ بن جبیر نے انہیں کہا ٹھہرو! کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ یہاں سے ہرگز نہ ہٹنا۔ لیکن وہ وہاں نہ ٹھہرے۔ کفار نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہو گئے۔ براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے اونچی جگہ کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام پاک لے کر پوچھا۔ کیا تم میں محمدؐ (فداہ امی وابی) ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دینے سے منع فرما دیا۔ اس نے یہ سوال تین بار دُہرایا۔ پھر اُس نے تین بار پوچھا۔ کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر) ہیں پھر بھی جواب دینے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے روک دیا۔ پھر اس نے تین بار پوچھا۔ کیا تم میں عُمر ہیں؟ پھر بھی جواب کی اجازت نہ ملی۔ ابوسفیان نے اپنے احباب کی طرف متوجہ ہو کر (خوشی سے) کہا کہ یہ تینوں تو قتل ہو گئے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا اے اللہ کے دشمن! تم جُھوٹ بکتے ہو تجھے ذلیل و رسوا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں باقی رکھا ہے۔ پھر اس نے نعرہ مارا اُعْلُ هُبَلُ، ہبل کی جے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ تم کہو اَللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَلُّ۔ اللہ بلند اور بزرگ ہے۔ پھر

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ

بعض تم میں سے ۱۶۵ طلبگار ہیں دُنیا کے اَور بعض تم میں سے طلبگار ہیں آخرت کے پھر

صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ

پیچھے ہٹا دیا تمہیں ان کے تعاقب سے تاکہ آزمائے تمہیں اَور بے شک اُس نے معاف فرما دیا تم کو ۱۶۶ اَور اللہ تعالیٰ بہت

فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى

فضل و کرم فرمانے والا ہے مومنوں پر یاد کرو جب تم دُور بھاگے جا رہے تھے ۱۶۷ اَور مُڑ کر دیکھتے بھی

اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ

نہ تھے کسی کو اَور رسُولِ کریم ۱۶۸ بُلا رہے تھے تمہیں پیچھے سے پس اللہ نے پہنچایا تمہیں غم کے بدلے غم ۱۶۹

ابوسفیان نے ازراہ غرور کہا لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم کہو اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَا لَکُمْ اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں (1)۔ اب یہ آیت مزید کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

۱۶۵ اِس سے مُراد وہ تیر انداز ہیں جو مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے اپنا مورچہ چھوڑ گئے (2) اور مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ سے مراد حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے وہ دس ساتھی ہیں جو اپنی جگہ پر جمے رہے اور شہید ہوئے (3)۔

۱۶۶ زبردست سرزنش کرنے کے بعد اَب اُن کو یہ مُژدہ سُنایا جا رہا ہے کہ تمہاری اِس خطا کو تمہارے مولا کریم نے معاف فرما دیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں پر اپنا فضل و کرم فرمانے والا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ جن سے یہ لغزش ہوئی وہ مومن تھے۔ اب جب اللہ تعالیٰ اُنہیں مومن کہے اور اُن کی لغزش کو معاف کر دے تو آج کون ہے جسے یہ حق پہنچتا ہو کہ ان نفوس قدسیہ کے ایمان میں شک کرے یا اُن پر زبانِ طعن دراز کرے۔

۱۶۷ زمین میں دور تک دوڑے چلے جانے کو اصعاد کہتے ہیں۔ اَلْاِصْعَادُ الذِّهَابُ وَالْاِبْعَادُ فِی الْاَرْضِ (بیضاوی) (4) ابوحاتم نے کہا کہ بلندی پر چڑھنے کو صعود اور ہموار زمین اور وادیوں میں چلنے کو اصعاد کہتے ہیں (قرطبی) (5) اُحد میں مسلمانوں کی افراتفری کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔

۱۶۸ دُشمن کے ناگہانی دوطرفہ حملہ سے جو دہشت اور خوف پھیل گیا تھا اس میں بڑے بڑے بہادروں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ پاؤں ڈگمگا گئے۔ اور جان بچانے کی فِکر میں اِدھر اُدھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن اللہ کا پیارا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سچا رسول

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ احد، ج2، ص579
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج2، ص155
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص237
4۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص92
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص239

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ

تاکہ تم نہ غمگین ہو[۱۷۰] اس چیز پر جو کھو گئی ہے تم سے اور نہ اس مصیبت پر جو پہنچی ہے تمہیں اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً

جو کچھ تم کر رہے ہو پھر اُتاری اللہ تعالیٰ نے تم پر[۱۷۱] غم واندوہ کے بعد راحت (یعنی)

نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ

غنودگی جو چھا رہی تھی ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر جما رہا۔ نہ دل میں ہراس، نہ چہرہ پر مایوسی، نہ زبان پر شکوہ اور نہ حرکات میں بے ضابطگی۔ شجاعت رسالت اور وقارِ نبوت کا صحیح مظاہرہ اسی روز ہوا صرف بارہ جان نثار پاس ہیں اور دشمن کا ٹڈی دل لشکر چاروں طرف سے امڈا چلا آرہا ہے۔ لیکن یہاں پیشانی پر بل تک نہیں۔ اس وقت بھی زبان پاک ہے اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ کے الفاظ نکل رہے ہیں (1)۔

۱۶۹ یعنی تم نے حکم نبوی سے سرتابی کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رنج پہنچایا۔ اس کے بدلے تمہیں بھی غم سے دو چار ہونا پڑا۔ جیتا ہوا میدان ہاتھ سے نکل گیا۔ تعداد کثیر شہید ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی خبر وحشت اثر نے تو دنیا ہی تاریک کر دی (2)۔

۱۷۰ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یہ غم پر غم، رنج پر رنج اس لیے دیا کہ تم ان کے خوگر ہو جاؤ اور آئندہ کبھی ایسی صورت پیش آئے تو صبر واستقامت سے کام لو۔ لیکن بعض علماء نے فرمایا کہ یہ جملہ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ (3) سے متعلق ہے یعنی اِس لغزش کے باوجود تمہیں معاف اِس لیے کر دیا کہ غلطی کا احساس تمہیں ہمیشہ حزین وغمگین نہ بنائے رکھے۔ احساسِ خطا کے اِس تکلیف دہ زخم پر اللہ تعالیٰ نے عفو وکرم کا مرہم لگا دیا۔ علّامہ قرطبی نے اسی کو پسند کیا ہے۔

۱۷۱ احد میں جب جسم زخموں سے چور ہو رہے تھے۔ تھکن سے جوڑ جوڑ ٹوٹ رہا تھا۔ عزیز احباب کے لاشے خاک وخون میں تڑپ رہے تھے۔ ہر طرف خوف وہراس پھیلا ہوا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مخلص مومنوں پر غنودگی طاری کر دی۔ جس سے پھر یہ تھکا ماندہ لشکر تازہ دم ہوگیا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اونگھنے لگے۔ یہاں تک کہ کئی بار تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹی اور میں نے اسے سنبھالا (4)۔ ایسی حالت میں نیند کا آنا واقعی ایک بڑی نعمت ہے۔

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج4، ص184 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص240 3۔ ایضاً، جز4، ص241

4۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قولہ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً الآیہ، ج2، ص582

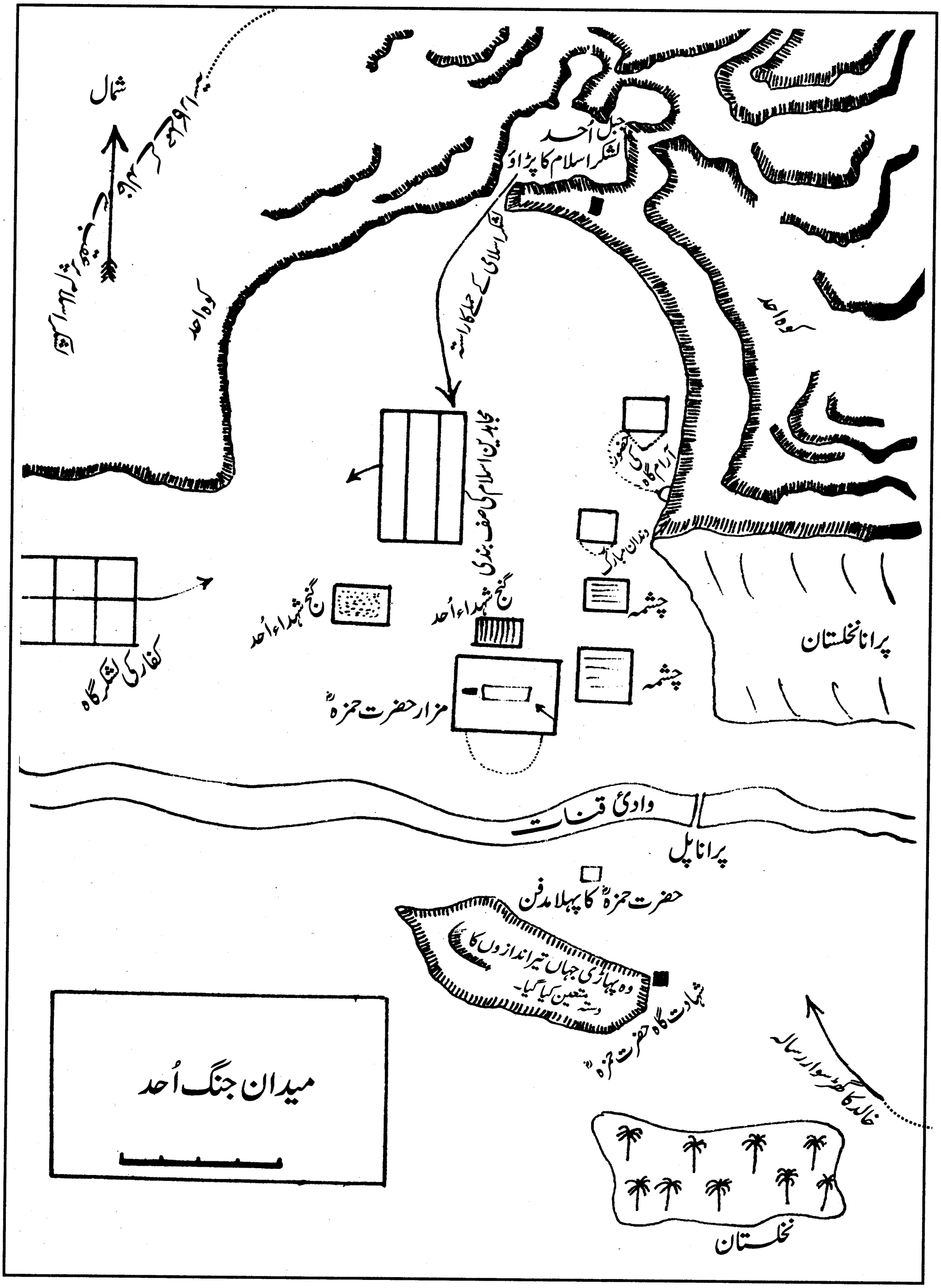

میدان جنگ اُحد

اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ

اپنی جانوں کا ۱۷۲؎ بدگمانی کر رہے تھے اللہ کے ساتھ بلا وجہ عہدِ جاہلیت کی بدگمانی کہتے

هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ

کیا ہمارا بھی اِس کام میں کچھ دخل ہے آپ فرمائیے اِختیار تو سارا اللہ کا ہے

يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ

چھپائے ہُوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر کہتے ہیں (اپنے دِلوں میں) اگر ہوتا

لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ

ہمارا اِس کام میں کچھ دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں (اِس بے دردی سے) آپ فرمائیے کہ اگر تم (بیٹھے) ہوتے ۱۷۳؎

بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

اپنے گھروں میں تو ضرور نکل آتے (وہاں سے) وُہ لوگ لکھا جا چکا تھا جن کا قتل ہونا اپنی قتل گاہوں کی طرف (یہ سارے

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ

مصائب اِس لیے تھے) تاکہ آزمائے اللہ تعالٰی جو کچھ تمہارے سینوں میں (چھپا) تھا اور صاف کر دے جو (میل کچیل) تمہارے دِلوں میں تھا

۱۷۲؎ منافقین کی تین سو کی نفری تو ابن ابی کے ساتھ راستہ سے ہی لوٹ گئی تھی۔ لیکن ایک مختصر سی جماعت (معتب بن قشیر اور اس کی پارٹی) ساتھ تھی۔ انہیں نیند کے لطف سے محروم رکھا گیا(1)۔ کیونکہ انہیں نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سلامتی کی فِکر تھی اور نہ کامیابی کا خیال۔ انہیں صرف اپنی پڑی تھی کہ وہ کہیں زندہ سلامت گھر پہنچیں۔ لیکن جب جنگ کا پانسہ پلٹ گیا تو ان کا چھپا ہوا نفاق اور اسلام دشمنی ان کی زبان سے ظاہر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اور جو کچھ بے سروپا باتیں اُنہوں نے کیں۔ ان کو قرآن نے وضاحت سے ذِکر کر دیا۔

۱۷۳؎ یعنی جب موت کا وقت معین آجاتا ہے تو انسان اپنی قتل گاہ کی طرف خود بخود کھچا چلا آتا ہے۔ وہ لاکھ کترائے لیکن تقدیر اسے پابجولاں لے ہی آتی ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص242

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ

اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کا ۱۷۴ بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم سے ۱۷۵

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ

اُس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے دونوں لشکر تو پھسلا دیا تھا اُنھیں شیطان نے بوجہ ان کے کسی عمل کے

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ ع ۱۶

اور بے شک (اب) معاف فرما دیا ہے اللہ تعالیٰ نے انھیں یقیناً اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے اے ایمان والو!

۱۷۴ اب پھر خطاب مومنین صادقین سے ہے کہ ان مصیبتوں کی بھٹی میں تمہیں اس لیے ڈالا گیا کہ کھوٹا کھرا الگ الگ ہو جائے۔ اور لغزش کا میل کچیل دھل جائے۔

۱۷۵ اس افراتفری میں جو لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے انہیں پہلے مژدہ سنایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی غلطی معاف فرما دی۔ ان کی مزید تسکین خاطر کے لیے اِسی خوشخبری کو دہرایا جا رہا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما میں کسی بات پر تیز کلامی ہوگئی۔ تو حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان سے کہا کہ تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ مجھے بُرا بھلا کہو۔ کیونکہ میں بدر میں شریک تھا اور تم غیر حاضر تھے۔ میں نے بیعت رضوان کی اور آپ نے نہیں کی اور میں احد میں ثابت قدم رہا اور تم نہ رہے۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ غزوۂ بدر میں میری غیر حاضری کی خاص وجہ تھی۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی (ان کی زوجہ محترمہ) بیمار تھیں اور میں ان کی تیمارداری اور خدمت گزاری میں رہا اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مجاہدین بدر کے سے اجر کی خوشخبری بھی دی اور مالِ غنیمت سے مجھے ان کے برابر حصہ بھی دیا۔ بیعت رضوان کے وقت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سفیر بن کر کفارِ مکّہ کے پاس گیا ہوا تھا اور جب تم لوگ بیعت کر چکے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا هٰذِهٖ لِعُثْمَانَ یہ ہاتھ عثمان کی طرف سے ہے فَيَمِيْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشِمَالُهٗ خَيْرٌ لِّيْ مِنْ يَّمِيْنِيْ وَشِمَالِيْ۔ میرے دائیں اور بائیں ہاتھ سے سرور عالم کا دایاں اور بایاں ہاتھ میرے لیے ہزار درجہ بہتر ہے۔ باقی رہا غزوۂ اُحد کا حادثہ تو اس کے متعلق خود اللہ کریم نے فرمایا لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا۔ یہ مسکت جواب سن کر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو خاموش ہونا پڑا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 244

اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا

۱۷۶؎ نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنھوں نے کفر اختیار کیا اور جو کہتے تھے اپنے بھائیوں کو جب وہ سفر کرتے

فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ

کسی علاقہ میں یا ہوتے تھے جہاد کرنے والے کہ اگر وہ ہوتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے

لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ

تاکہ بنائے ۱۷۷؎ اللہ تعالیٰ اس (خیالِ باطل) کو حسرت (کا باعث) ان کے دلوں میں اور (درحقیقت) اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے اور واقعی اگر تم قتل کیے جاؤ ۱۷۸؎ راہِ خدا میں

۱۷۶؎ منافقین جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور مسلمانوں کے ساتھ بھائی چارے کا دعویٰ کیا کرتے وہ اپنی بزدلی اور نامردی کو حزم و احتیاط اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد اور شوقِ سرفروشی کو دیوانگی سمجھا کرتے۔ اور جب کوئی مسلمان جہاد میں جامِ شہادت نوش کرتا تو رونی صورت بنا کر خیر خواہی کے انداز میں کہا کرتے کہ کاش یہ ہمارے بھائی جو جنگوں میں کٹ کٹ کر مر رہے ہیں ہماری طرح آرام سے گھروں میں ٹھہرتے تو کاہے کو یہ مصیبت آتی۔ بچے یتیم ہوئے۔ بیگم کا سہاگ اُجڑا۔ ماں کی دنیا تاریک ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہوشیار فرما رہے ہیں کہ ان مکاروں کے فریب میں نہ آنا۔ موت وحیات میرے قبضہ قدرت میں ہے۔ میں چاہوں تو گھر میں رُوح قبض کرلوں اور چاہوں تو گھمسان کے رن میں جہاں گولیاں برس رہی ہوتی ہیں۔ توپیں دھاڑ رہی ہوتی ہیں اور طیارے بموں کی بارش کر رہے ہوتے ہیں بچالوں۔

۱۷۷؎ حسرت یہ تھی کہ مسلمان ان کی باتوں کو نہیں مانتے تھے۔ باپ شہید ہو چکا ہے اور بیٹا کفن باندھے میدانِ جہاد کا رُخ کر رہا ہے۔ بھائی سر کٹا چکا ہے اور دوسرا بھائی خونِ شہادت سے سُرخرو ہونے کی دعائیں مانگ رہا ہے۔ ماں اپنے ایک شہید بیٹے کو سپردِ خاک کرنے کے بعد دوسرے بیٹے کو اپنے دودھ کی لاج رکھنے کی نصیحت کر کے سر پر خود اور ہاتھ میں تلوار دے رہی ہے۔ ان منافقین کے لیے اِس سے زیادہ حسرت آمیز اور الم انگیز کیا چیز ہو سکتی ہے۔

۱۷۸؎ پہلے تو یہ ضروری نہیں کہ جو گھر پر رہے گا وہ مرے گا نہیں اور جو جہاد کے لیے جائے گا وہ ضرور مرے گا۔ اور اگر اسے تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی یہ سودا بڑا سودمند ہے۔ اِس حیاتِ فانی کے عوض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت میسّر آجائے تو پھر اور کیا چاہیے۔

اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَ

یا تم مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت (جو تمہیں نصیب ہو گی) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور

لَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِ اِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ

اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو اللہ کے حضور جمع کیے جاؤ گے ۱۷۹ پس (صرف) اللہ کی رحمت سے ۱۸۰

اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا

آپ نرم ہو گئے ہیں ان کے لیے اور اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے

مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى

آپ کے آس پاس سے تو آپ درگزر فرمائیے ان سے اور بخشش طلب کیجیے ان کے لیے ۱۸۱ اور صلاح مشورہ کیجیے ان سے اس

۱۷۹ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب تو ہم اللہ تعالیٰ سے کہیں دور ہیں اور قیامت کے روز ہمیں اس میدان میں کھڑا کیا جائے گا۔ جہاں ہم خدا کے روبرو ہوں گے۔ ہم تو اب بھی اس سے دور نہیں۔ اور وہ اب بھی ہماری شہ رگ سے قریب تر ہے۔ لیکن آج ہم طرح طرح کے مشغولیتوں میں ایسے کھوئے ہوئے ہیں کہ ہمیں اس قُرب کا اِحساس نہیں رہا۔ اِس طرح ہم اس سے گویا بہت دور ہیں لیکن قیامت کے روز سارے مشاغل ختم ہو جائیں گے۔ اور قربِ الٰہی کا ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں گے اور ہم اِعتراف کریں گے کہ اب ہم اس کے روبرو کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔

۱۸۰ ما صلہ (زائدہ) ہے اور تاکید کے لیے لایا گیا ہے (1)۔ اسی لیے معنی میں ''صرف'' کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان قصوروا روں کو جن کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیل ہو گئی سزا تو کجا سرزنش تک بھی نہ کرنا بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لطف و محبت سے پیش آنا محض اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جلوہ نمائی ہی تو تھی جس سے اس نے اپنے محبوب کو متصف فرمایا تھا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوصلہ اِتنا وسیع، رحمت اتنی عام اور عفو و حلم اِتنا بے پایاں نہ ہوتا تو حق کے متلاشیوں کا اتنا جمگھٹا کیسے ہوتا۔ لوگوں سے قصور ہو جاتا تو بعض شرم کے مارے اور بعض سزا کے خوف سے دور بھاگ جاتے۔

۱۸۱ حق تعالیٰ نے نہایت عجیب و غریب پیرایہ میں اُن کی سفارش کی (شیخ الہند) (2) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ ان سے جو غلطی ہو گئی ہے اسے خود بھی معاف کر دیجئے اور میری جناب میں بھی شفاعت کیجئے کہ میں بھی ان سے راضی ہو جاؤں۔ سبحان اللہ کیا شان ہے صحابہ کرام کی اور کتنا بلند مقام ہے ان کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ اور کیا کہنے مولائے کریم کی رحمت کے جو اس نے اپنے محبوب اور اس کے ذریعہ اپنی سب مخلوق پر کی۔ اس آیت میں بالکل واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 248 2۔ حاشیہ، قرآن کریم از شیخ الہند محمود الحسن، متولد 1851ء، متوفی 1920ء، ص 91، مطبوعہ دار التصنیف لمیٹڈ شاہراہ لیاقت، صدر کراچی نمبر 3

الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

کام میں ۱۸۲؎ اور جب آپ اِرادہ کرلیں ۱۸۳؎ (کسی بات کا) تو پھر توکل کرو اللہ پر بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ

اگر مدد فرمائے تمہاری اللہ تعالیٰ تو کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر اور اگر وُہ (ساتھ) چھوڑ دے تمہارا تو کون ہے جو

يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا

مدد کرے گا تمہاری اس کے بعد اور صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے اِیمان والوں کو اور نہیں ہے

گنہگاروں کے گناہ بخشنے کے لیے ہمارے دکھ درد دور کرنے کیلئے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی دعا کو واسطہ اور وسیلہ بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ سمجھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں شفاعت کیلئے اِلتجا کرنا شرک نہیں عین اِسلام ہے اور قرآن کی تعلیم ہے۔

۱۸۲؎ امام ابوعبداللہ القرطبی نے اس مقام پر خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: قَالَ ابْنُ عَطِيَّةَ وَالشُّوْرٰى مِنْ قَوَاعِدِ الشَّرِيْعَةِ وَ عَزَائِمِ الْاَحْكَامِ وَ مَنْ لَّا يَسْتَشِيْرُ اَهْلَ الْعِلْمِ وَالدِّيْنِ فَعَزْلُهٗ وَاجِبٌ(1)۔ ''مشورہ شریعت کے مسلمہ اصولوں اور اہم ترین احکام سے ہے۔ اور جو حاکم اہل علم و دین سے مشورہ نہیں کرتا بلکہ خودرائی سے کام لیتا ہے اُسے معزول کردینا لازمی ہے''۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ''خلفاء اور حکام پر واجب ہے کہ دینی معاملات میں علماء سے، جنگی امور میں قائدین لشکر اور ماہرین حرب سے، عام فلاح و بہبود کے کاموں میں سردارانِ قبائل سے اور ملک کی ترقی اور آبادی کے متعلق عقل مند وزراء اور تجربہ کار عہدہ داروں سے مشورہ کریں''۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ کرنے کے حکم کی حکمت بیان کرتے ہوئے علّامہ قرطبی فرماتے ہیں مَا اَمَرَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ بِالْمُشَاوَرَةِ لِحَاجَةٍ مِّنْهُ اِلٰى رَأْيِهِمْ وَاِنَّمَا اَرَادَ اَنْ يُّعَلِّمَهُمْ مَافِي الْمُشَاوَرَةِ مِنَ الْفَضْلِ وَلِتَقْتَدِيَ بِهٖ اُمَّتُهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لیے مشورہ کرنے کا حکم نہیں دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے مشورہ کی ضرورت تھی بلکہ اِس میں حکمت یہ تھی کہ انہیں مشاورت کی شان کا پتہ چل جائے۔ نیز یہ کہ مشورہ سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن جائے اور اُمّت مسلمہ اِس کی اِقتداء اور اِتباع کرے۔ اس کی ایک اور وجہ بھی لکھی ہے کہ تَطْيِيْبًا لِّنُفُوْسِهِمْ وَرَفْعًا لِّاَقْدَارِهِمْ صحابہ کے دلوں کو خوش کرنا اور ان کی قدر و منزلت کو بڑھانا بھی مقصود تھا۔(2)

۱۸۳؎ خوب غور و فکر، بحث و تمحیص کے بعد جو فیصلہ کیا جائے اُس کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لینے کو عزم کہتے ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے کسی کام کے کرنے میں لگ جانا عزم نہیں ہے۔ اِسی لیے بعض عُلمائے لغت نے لکھا ہے اَلْعَزْمُ وَالْحَزْمُ وَاحِدٌ(3) توکّل کا اِسلامی مفہوم پہلے بیان ہو چکا ہے(4)۔ مقصد یہ ہے کہ ایک بات طے کر لینے کے بعد بھر تذبذب کا شکار ہو جانا پیغمبر کی شایانِ شان نہیں اور نہ مومن کو ایسا کرنا زیبا ہے۔ کیونکہ اِس سے دل میں کمزوری اور مزاج میں تلون پیدا ہو جاتا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص50-249 2۔ ایضاً، جز4، ص250 3۔ ایضاً، جز4، ص252 4۔ دیکھئے سورۂ آل عمران کا حاشیہ نمبر 134

كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

کسی نبی کی یہ شان کہ خیانت کرے ۱۸۴؎ اور جو کوئی خیانت کرے گا تو لے آئے گا (اپنے ہمراہ) خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ

پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اُس نے کمایا اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا تو کیا جس نے

اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ

پیروی کی رضائے الٰہی کی اس کی طرح ہو سکتا ہے جو حقدار بن گیا ہے اللہ کی ناراضگی کا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

اور یہ بہت بُری پلٹنے کی جگہ ہے لوگ درجہ بدرجہ ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے جو وُہ

۱۸۴؎ اُحد کے درّہ پر متعین تیراندازوں نے جب دوسرے مسلمانوں کو مالِ غنیمت اکٹھا کرتے دیکھا تو ان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیں مَنْ اَخَذَ شَيْئًا فَهُوَ لَهٗ جس نے جو چیز لے لی اسی کی ہو گئی اور ہم بالکل محروم رہیں۔ یہ خیال کر کے اپنی جگہ چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے وجہ دریافت فرمائی تو وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ اُس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دل کی بات کہہ دی اَظَنَنْتُمْ اَنَّا نَغُلُّ وَلَا نُقْسِمُ لَكُمْ (1) کیا تم یہ خیال کرتے تھے کہ ہم خیانت کریں گے اور تمہیں کچھ نہ دیں گے اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ غُلّ کہتے ہیں مالِ غنیمت سے اس کی تقسیم سے پہلے کوئی چیز چھپا کر لے لینا (2)۔ اِس آیت میں اِس جرم کی قباحت اور اس کی سزا بیان کر کے اس سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب خیبر پر حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حملہ کیا تو ان دنوں میں ایک شخص (جس کا نام نہیں لیا گیا) فوت ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جنازہ کے لیے عرض کی گئی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ ''جاؤ تم اس کی نماز جنازہ پڑھ دو''۔ صحابہ کرام کے چہروں کی رنگت بدل گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنَّ صَاحِبَكُمْ غَلَّ فِي اللّٰهِ ''کہ تمہارے اس ہمراہی نے مالِ غنیمت میں خیانت کی ہے''۔ ہم حیران ہو گئے۔ اور جب اس کے مال کی تلاشی لی فَوَجَدْنَا خُرَزًا مِّنْ خُرَزِ يَهُوْدَ لَا تُسَاوِيْ دِرْهَمَيْنِ تو ہمیں اس کے سامان سے یہودیوں کے چند منکے ملے جن کی قیمت دو درہم سے بھی کم تھی (ابوداؤد) (3) اس سے معلوم ہوا کہ مالِ غنیمت میں معمولی سی خیانت بھی اِتنا بڑا جرم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے رحم دل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ نیز یہ بھی پتہ چلا کہ نگاہِ نبوت سے اتنی سی بات بھی پوشیدہ نہ تھی۔

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج4، ص215 2۔ ایضاً 3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی تعظیم الغلول، ج2، ص14، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

کرتے ہیں یقیناً بڑا اِحسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر ۱۸۵؎ جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسُول

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

انھیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے اُنھیں اور سکھاتا ہے اُنھیں قرآن

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ

اور سُنّت اگرچہ وُہ اس سے پہلے یقیناً کھُلی گمراہی میں تھے کیا جب

اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ

پہنچی تمھیں ۱۸۶؎ کچھ مصیبت حالانکہ تم پہنچا چکے ہو (دُشمن کو) اس سے دُگنی تو تم کہہ اُٹھے کہاں سے آپڑی یہ مصیبت؟ فرمائیے

هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ

یہ تمھاری طرف سے ہی آئی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وُہ مصیبت

۱۸۵؎ درندہ صفت انسان کیونکر فرشتہ سیرت بن گئے۔ جنہیں کوئی اپنا غلام بنانا بھی پسند نہیں کرتا تھا کیونکر آئین جہانبانی میں دنیا بھر کے اُستاد ہو گئے۔ جن کی گھٹی میں شراب تھی۔ ظلم وستم جن کا شعار تھا۔ کُفر وشرک اور فسق وفجور کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں بھٹکتے بھٹکتے صدیاں گزر چکی تھیں۔ ان میں یہ مکمّل تبدیلی اور ہمہ گیر اِنقلاب کیونکر آیا۔ جنہوں نے کبھی اِن حقائق پر غور کیا ہے وہی اس نبی معظّم کی شانِ رفیع کو جان سکتے ہیں۔ تلاوتِ آیات، تعلیم کتاب وحکمت کے علاوہ تزکیۂ نفس اور تربیت صالحہ سے یہ مُبارک انقلاب رُونما پذیر ہوا۔ اِن الفاظ پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ (1)

۱۸۶؎ واؤ عطف کے لیے ہے اور ہمزہ اِستفہام کے لیے (2)۔ اُحد کے میدان میں مسلمان ازراہِ تعجب کہنے لگے۔ عجب بات ہے ہم حق پر ہیں۔ راہِ خُدا میں جہاد کرنے نکلے ہیں اور رسولِ خُدا بھی ہم میں موجود ہیں۔ اور ہمیں اُن لوگوں کے ہاتھوں ہزیمت اُٹھانا پڑی جو کافر ومشرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا ہوا اگر تمہیں آج تکلیف پہنچی۔ اِس سے پہلے تم ان پر دوگنی ضرب لگا چکے ہو۔ تم نے بدر میں ان کے ستر سردار قتل کیے اور ستر کو قیدی بنا لیا تھا۔ اور اِس پسپائی کے اسباب کے متعلق زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم میں سے بعض نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے سرتابی کی اور تم سب کو اس کا مزا چکھنا پڑا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ حق

1۔ حاشیہ نمبر 152-153 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 264

اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ لا

جو پہنچی تھی تمہیں اُس روز جب مقابلہ کو نکلے تھے دونوں لشکر تو وُہ اللہ کے حکم سے ۱۸۷ پہنچی تھی اور (مقصد یہ تھا کہ) دیکھ لے اللہ تعالیٰ مومنوں کو ۱۸۸

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اور دیکھ لے جو نفاق کرتے تھے اور کہا گیا ان سے آؤ لڑو اللہ کی راہ

اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ

میں یا بچاؤ کرو (اپنے شہر کا) بولے ۱۸۹ اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے۔ وُہ کفر سے

يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ

اُس روز زیادہ قریب تھے بہ نسبت ایمان کے کہتے ہیں اپنے مُنہ سے (ایسی باتیں) جو نہیں ہیں

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ

اُن کے دِلوں میں اور اللہ تعالیٰ خُوب ۱۹۰ جانتا ہے جسے وُہ چھپاتے ہیں جنھوں نے ۱۹۱ کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں

کے ماننے والے ظاہری اسباب کے مہیّا کرنے اور تدبر سے کام لینے میں سُستی کرتے ہیں۔ اور یہ سمجھ کر کہ ہم اہل حق ہیں اپنی کامیابی کا یقین کر لیتے ہیں اور ظاہری قواعد وضوابط کی پابندی کو اِتنی اہمیت نہیں دیتے۔ انہیں اس آیت پر مکرّر غور کرنا چاہیے کہ جب صحابہ کی مقدّس اور حق کی علمبردار جماعت سے معمولی سی فروگزاشت ہوگئی تو انجام کیا ہوا۔ بلکہ اہل حق کو تو بہت محتاط ہونا چاہیے کیونکہ ان کی کامیابی صرف ان کی کامیابی ہی نہیں بلکہ حق کی کامیابی بھی ہے اور ان کی شکست صرف ان کی شکست نہیں بلکہ حق کی شکست ہے۔

۱۸۷ اذن سے مراد بِقَضَائِہٖ وَقَدْرِہٖ (قرطبی) (1) اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے۔

۱۸۸ علم کا مفہوم ہے تمیز کرنا یا جتا دینا یا ظاہر میں واقع ہونا (2)۔ اس کی وضاحت ابھی گزری ہے (3)۔

۱۸۹ جب منافقین کو شرکت کی دعوت دی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ اپنے سے چار گنا مسلح اور ہر ساز وسامان سے لیس لشکر کے ساتھ کھلے میدان میں نکل کر ٹکر لینا لڑائی نہیں بلکہ خودکشی ہے۔ ہم جنگ میں تو تمہارا ساتھ دینے کے لیے آمادہ ہیں لیکن جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرانے کے لیے تیار نہیں۔ وَلٰكِنَّ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ لَيْسَ بِقِتَالٍ بَلْ اِلْقَاءٌ بِالنَّفْسِ اِلَى التَّهْلُكَةِ (بیضاوی) (4)۔ ۱۹۰ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت سے پہلوتہی کی اصل وجہ ان کا نفاق تھا جسے وہ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ دوسری باتیں تو ملمّع سازی کے لیے تھیں۔ ۱۹۱ اُن کے نفاق کی دوسری کھلی علامت ان کا یہ قول ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 265 2۔ ایضاً، جز 4، ص 266 3۔ دیکھئے حاشیہ سورۂ آل عمران: 152 4۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 95

وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ

حالانکہ وُہ خود (گھر) بیٹھے تھے کہ اگر وُہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے آپ فرمائیے ذرا دُور تو کر دکھاؤ ۱۹۲ اپنے آپ سے

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ

موت کو اگر تم سچّے ہو اَور ہرگز یہ خیال نہ کرو ۱۹۳ کہ وُہ جو قتل کیے گئے ہیں اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ

کی راہ میں ۱۹۴ وُہ مُردہ ہیں بلکہ وُہ زندہ ہیں ۱۹۵ اپنے رب کے پاس (اَور) رِزق دیئے جاتے ہیں شاد ہیں

۱۹۲ یعنی اگر تم اِتنے زِیرک اور دانا ہو کہ اپنے ناوکِ تدبیر سے عقابِ تقدیر کو گھائل کر سکتے ہو تو ذرا خود کو موت کے آہنی پنجہ سے چھڑا کر دکھاؤ۔

۱۹۳ وَلَا تَحْسَبَنَّ الخ۔ سورۃ البقرہ کی آیت 154 میں تو یہ فرمایا کہ زبان سے مت کہو کہ شہید مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔ یہاں یہ تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے کہ تمہارے دل میں بھی یہ گمان نہ گزرے کہ راہِ خُدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے مردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور انہیں اپنے رب کی جناب سے رزق بھی دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے جس خصوصی لطف و اِحسان سے انہیں نوازا ہے اس پر وہ خوشی سے پُھولے نہیں سماتے۔

البتہ اس زندگی کی حقیقت ہمارے فہم وادراک سے ماوراء ہے۔ اور کسی چیز کا ہمارے فہم کی رسائی سے بالاتر ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ رُوح کی ماہیت آج تک سرِ مکتوم ہے۔ اس کو نہ سمجھ سکنا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

ہم شہداء کو زندہ یقین کرتے ہیں کیونکہ ہمارے رب نے فرمایا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ ہم اُن کو مُردہ نہیں کہتے ہم انہیں مُردہ خیال بھی نہیں کرتے کیونکہ ہمارے رب نے اُنہیں مُردہ کہنے اور اُنہیں مُردہ خیال کرنے سے تاکیداً منع کیا ہے۔ ہمارے رب کا ہر اِرشاد حق ہے اور اُس کا ہر فرمان سچا ہے اور واجب الاذعان ہے۔ ہم عقل کے غلام نہیں کہ عقل جس کو تسلیم کرے اس کو مان لیں اور جس کو تسلیم نہ کرے اُس کا اِنکار کر دیں۔ ہم تو اللہ کے بندے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلام ہیں اور اس پر نازل ہونے والی وحی کی صداقت پر اِیمان رکھتے ہیں۔

۱۹۴ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جب تمہارے بھائی اُحد میں شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اَرواح کو سبز پرندوں کے قالب عطا فرمائے۔ وہ جنتی نہروں پر سیر کرتے پھرتے ہیں۔ جنتی میوے کھاتے ہیں۔ طلائی قندیلیں جو زیرِ عرش معلق ہیں اُن میں رہتے ہیں۔ جب اُنہوں نے کھانے پینے رہنے کے پاکیزہ عیش پائے تو کہا کہ ہمارے بھائیوں کو کون خبر دے کہ ہم جنّت میں زندہ ہیں تاکہ وہ جنت سے بے رغبتی نہ کریں اور جنگ سے بیٹھ نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے

بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا

ان (نعمتوں) سے جو عنایت فرمائی ہیں اُنھیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ۱۹۶ اور خوش ہو رہے ہیں ۱۹۷ بسبب اُن لوگوں کے جو ابھی تک نہیں آملے

بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

ان سے اُن کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

خوش ہو رہے ہیں اللہ کی نعمت اور اُس کے فضل پر اور (اس پر) کہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا

اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۱۶/۸ الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ

اجر ایمان والوں کا جنھوں نے لبّیک کہا اللہ اور رسُول کی دعوت پر ۱۹۸ اس کے بعد کہ

فرمایا میں انہیں تمہاری خبر پہنچاؤں گا۔ (خزائن العرفان) (1) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بھی صحیح ہے اور اللہ کی کتاب کی یہ آیت بھی سچی ہے۔ جنّت میں رہتے ہوئے شہداء کی رُوحوں کا تعلّق اپنے بدنوں سے قائم ہے اور وہ اپنے بدنوں کے ساتھ زندہ ہیں۔ اِسی حیات کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر سال شہداء اُحد کے مزارات پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور انہیں اپنی دعاؤں اور تسلیمات سے محظوظ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے جمالِ جہاں افروز کے دیدار سے بھی اُنہیں شاد کام فرمایا کرتے۔

۱۹۵ علّامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ حَيَاةُ الشُّهَدَاءِ مُحَقَّقَةٌ (2)۔ شہداء کا زِندہ ہونا ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ وَاِنَّ الْاَرْضَ لَا تَاْكُلُ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ وَالشُّهَدَاءِ وَالْعُلَمَاءِ وَالْمُؤَذِّنِيْنَ الْمُحْتَسِبِيْنَ وَحَمَلَةِ الْقُرْاٰنِ (3)۔ یعنی زمین انبیاء کرام، شہیدوں، علمائے ربّانیین، ثواب کے لیے اذان دینے والوں اور قرآن کے حافظوں کے جسم نہیں کھاتی۔

۱۹۶ یعنی شہادت کا شرف، ابدی زندگی، قربِ الٰہی اور نعیم جنّت سے لطف اندوزی۔ (بیضاوی) (4)

۱۹۷ شہداء جب اللہ تعالیٰ کی شانِ بندہ پروری اور ذرّہ نوازی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں کہ اپنے پیچھے جن مسلمانوں کو وہ چھوڑ آئے ہیں وہ بھی راہِ خدا میں جان دینے کے بعد اِنہی عنایات اور نوازشات سے بہرہ ور کیے جائیں گے (حیاتِ شہداء کے متعلق تفصیلی بحث سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ آیت 154)

۱۹۸ جب ابوسفیان اپنے لشکر سمیت روحاء کے مقام پر پہنچا تو اپنی مہم کو ادھورا چھوڑنے پر سب کو سخت ندامت ہوئی اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ واپس جا کر تھکے ماندے زخموں سے چور مسلمانوں پر حملہ کر کے اُن کا قِصّہ پاک کر دیں۔ جب یہ خبر حضور

1۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 129، حاشیہ: 232، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی فضل الشہادۃ، ج 1، ص 341
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 269
3۔ ایضاً، جز 4، ص 270
4۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 95
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 275

اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ ج

لگ چکا تھا انھیں (گہرا) زخم ان کے لیے جنھوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجرِ عظیم ہے

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

یہ وُہ لوگ ہیں کہ جب کہا انھیں لوگوں نے کہ بلاشبہ کافروں نے ۱۹۹ جمع کر رکھا ہے تمھارے لیے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈریں ان سے

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ

تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا اُن کے (جوشِ) ایمان کو اور اُنھوں نے کہا کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وُہ بہترین کارساز ہے (ان کے عزم و توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ)

مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ

واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ ۲۰۰ نہ چھوا ان کو کسی بُرائی نے اور پیروی کرتے رہے رضائے الٰہی کی

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ

اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے یہ تو شیطان ہے جو ڈراتا ہے (تمھیں)

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے صحابہ کو دشمن کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اِس مہم میں صرف وہی لوگ ہمارے ساتھ جا سکتے ہیں جو کل اُحد کے میدان میں ہمارے ساتھ تھے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سُن کر صحابہ کرام اپنے مجروح جسموں کے ساتھ لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو گئے (1)۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اِس اطاعت کاملہ پر اُن کی توصیف فرما رہا ہے۔

۱۹۹ ابوسفیان اُحد سے لوٹتے وقت مسلمانوں کو چیلنج دے گیا تھا کہ اب آئندہ سال میدان بدر میں ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے اِس چیلنج کو قبول فرما لیا تھا۔ جب وقت مقرر آیا تو ابوسفیان دو ہزار پیدل اور پچاس سواروں سمیت بدر کے میدان کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن دل اِتنا مرعوب ہوا کہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور نعیم ثقفی جو مدینہ کی طرف جا رہا تھا اُس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ مسلمانوں کو مدینہ سے باہر نکلنے سے باز رکھے تو وہ اسے دس اُونٹ انعام دے گا۔ جب نعیم مدینہ پہنچا تو اُس نے پُرزور پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ ابوسفیان نے بڑے کروفر سے اِس دفعہ بدر کی طرف کُوچ کیا ہے۔ اگر تم نے بدر کا رُخ کیا تو یاد رکھو تمہاری خیر نہیں۔ تم سے زندہ بچ کر گھر کوئی نہیں آئے گا۔ لیکن مسلمانوں نے اُس کے اِس طلسم کو یہ کہہ کر توڑ دیا کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (2)۔

۲۰۰ جب مسلمان اپنے رب پر بھروسہ کر کے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں بدر کی طرف روانہ ہوئے تو دشمن ان کی روانگی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 277 2۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 39-238

اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

اپنے دوستوں سے پس نہ ڈرو ان سے ۲۰۱؎ بلکہ مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا

اور (اے جانِ عالم) نہ غمزدہ کریں آپ کو جو جلدی سے ۲۰۲؎ کفر میں داخل ہوتے ہیں بے شک یہ لوگ نہیں نقصان پہنچا سکتے

اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ

اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ نہ رکھے ان کے لیے ذرا حصّہ آخرت (کی نعمتوں) سے ۲۰۳؎ اور ان کے لیے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ

عذاب عظیم ہے بے شک جنھوں نے خرید لیا کفر کو ایمان کے عوض میں ۲۰۴؎ ہرگز

کی خبر سن کر راستہ سے ہی واپس مکّہ لوٹ گیا۔ مسلمان چند روز تک بدر میں ٹھہرے رہے۔ تجارت سے خُوب نفع کمایا اور شاداں و فرحاں صحیح وسلامت مدینہ طیبہ کو مراجعت فرما ہوئے۔

۲۰۱؎ مسلمانوں کو سبق دیا جا رہا ہے کہ تم دشمن سے نہ ڈرا کرو بلکہ اپنے رب سے ڈرا کرو۔ اور جو اپنے رب سے ڈرتا ہے ساری دنیا اس سے لرزہ براندام رہتی ہے۔ جب سے مسلمانوں نے یہ سبق فراموش کر دیا اس وقت سے مسلمانوں کے قدم پیچھے ہٹنے شروع ہو گئے ہیں۔

۲۰۲؎ جنگ اُحد میں مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی اس سے کئی مُنافق کھلے طور پر اپنے کفر کا اِعلان کرنے لگے۔ اور اِسلام کا ظاہری نقاب جو اُنہوں نے اپنے عقیدہ پر ڈال رکھا تھا اُسے بھی اٹھا دیا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعاؤں، اِنتہائی کوشش اور جان سوزی کے باوجود کفار اپنے کفر سے چمٹے رہنے پر مصر تھے جس سے نبی رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا دل بہت حزین رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ غمناک کیوں ہوں۔ آپ نے تو سمجھانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اگر اس کے باوجود وہ کفر کو نہیں چھوڑتے تو یہ ان کی اپنی شامت اعمال اور بدنصیبی ہے۔ یہ لاکھ جتن کریں اللہ کے دین کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

۲۰۳؎ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی نہیں کہ انہیں آخرت کی ابدی نعمتوں سے کچھ حصہ ملے انہوں نے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بے حد ستایا ہے۔ اُنہوں نے جان بوجھ کر حق کا انکار کیا ہے اور راہِ راست کو چھوڑ کر گمراہی کا راستہ اپنے لیے پسند کیا ہے۔ یہ اس لائق ہی نہیں کہ انہیں نورِ ایمان سے بہرہ ور کیا جائے۔

۲۰۴؎ انہیں دولت اِیمان سے بہرہ ور کیا گیا تھا لیکن مسلمانوں کو اُحد میں جو زک پہنچی اُن لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اسلام کا مستقبل

يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

نقصان نہ پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور نہ خیال کریں ۲۰۵ جو کفر

كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا

کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دے رہے ہیں انہیں یہ بہتر ہے ان کے لیے صرف اس لیے ہم تو انہیں مہلت دے رہے ہیں کہ وہ

اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور زیادہ کرلیں گناہ اور ان کے لیے عذاب ہے ذلیل و خوار کرنے والا نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو ۲۰۶

مخدوش ہے۔ اس کا سورج آن کی آن میں ڈوبا چاہتا ہے۔ اب سلامتی اسی میں ہے کہ کفر کی طرف لوٹ چلیں اور کفّار سے اپنے دیرینہ تعلقات کو از سرِ نو بحال کریں جن کو جلد بازی سے انہوں نے توڑ دیا تھا۔ اِس طرح اِن دُوں ہمت اور کوتاہ نظر لوگوں نے نقد ایمان دے کر کفر کا دوبارہ سودا کرلیا۔ وہ یقین رکھیں ان کی یہ حرکت اُن کو تو عذابِ الیم میں مبتلا کرنے کا باعث ضرور بنے گی۔ لیکن اللہ کے دین کی ترقی میں رُکاوٹ ہرگز نہ بن سکے گی۔

۲۰۵ اَلْاِمْلَاءُ طُوْلُ الْعُمْرِ وَرَغَدُ الْعَيْشِ۔ درازیٔ عُمر اور اُس کو عیش و عشرت کے ساتھ بسر کرنے کی مہلت کو املاء کہتے ہیں (1)۔ لیکن کفّار اِس پر مغرور نہ ہوں۔ اُنہیں جتنی ڈِھیل دی جارہی ہے گناہوں کا بوجھ زیادہ ہو رہا ہے۔ اور اِس طرح اُن کی سزا اور عذاب میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ''سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا گیا کون شخص اچھا ہے فرمایا جس کی عُمر دراز اور عمل اچھے ہوں۔ عرض کیا گیا بدترین کون ہے فرمایا جس کی عُمر دراز اور عمل خراب ہوں''۔ (خزائن العرفان) (2)

۲۰۶ اِبتداء میں کئی لوگ زبان سے اِسلام کا اِقرار کر کے مسلمانوں میں داخل ہو جایا کرتے اور مسلمان اُن سے بالکل اپنے بھائیوں کا سا سلوک کرتے۔ لیکن ہر نازک مرحلہ پر یہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس، ان کی صفوں میں اِنتشار اور ان کے رازوں کو افشاء کر کے اِنتہائی اذیت و تکلیف پہنچاتے۔ اِس لیے زیادہ دیر تک اُن کا مسلمانوں میں ملے جلے رہنا مناسب نہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حکمت الٰہی اِس بات کی روادار نہیں کہ مخلص و مُنافق آپس میں ملے جلے رہیں بلکہ ان کو الگ الگ کرنا ضروری ہے۔ ان کو کیونکر الگ الگ کیا گیا۔ اس میں علماء کے متعدد اَقوال ہیں۔ اِبتلاء و آزمائش سے، اِسلام کو کامیاب اور باطل کو سرنگوں کرنے سے یا بذریعہ وحی اپنے نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مُنافقوں کا علم عطا فرمانے سے۔ چنانچہ علامہ بیضاوی نے یہ روایت نقل کی ہے۔ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ اُمَّتِيْ وَاُعْلِمْتُ مَنْ يُّؤْمِنُ بِيْ وَمَنْ يَّكْفُرُ فَقَالَ الْمُنَافِقُوْنَ اِنَّهٗ يَزْعُمُ اَنَّهٗ يَعْرِفُ مَنْ يُّؤْمِنُ وَمَنْ يَّكْفُرُ وَ نَحْنُ مَعَهٗ وَلَا يَعْرِفُنَا فَنَزَلَتْ (بیضاوی) (3) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 286
2۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 131، حاشیہ 350
3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 97۔ اسباب النزول از امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی، متوفی 864ھ، ص 70، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ

اس حال پر جس پر تم اَب ہو جب تک الگ الگ نہ کردے پلید کو پاک سے اَور نہیں ہے

اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ

اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر ۲۰۷ البتہ اللہ (غیب کے عِلم کے لیے) چُن لیتا ہے اپنے رسُولوں سے

(دعوت) میرے سامنے پیش کی گئی۔ اور مجھے علم دیا گیا کہ کون میرے ساتھ اِیمان لائے گا اور کون کُفر کرے گا۔ اِس وُسعت علمی پر کسی مومن نے اِعتراض نہیں کیا بلکہ مُنافقین نے ازراہِ مذاق کہا کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ میں ہر مومن اور ہر کافر کو جانتا ہوں اور حالت یہ ہے کہ ہم ہر وقت آٹھوں پہر ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ہمارا تو علم نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مُنافقوں کا علم تھا۔ نیز یہ بھی پتہ چلا کہ علم کا ظاہر نہ کرنا علم کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ اور صحابہ کرام تو اپنے نبی پاک کے علم کی وُسعت کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ البتہ منافق لوگ تسلیم نہ کرتے اور چیں بجبیں ہو کر اِعتراض کرتے۔

تفسیر خازن اور معالم التنزیل میں اس روایت کو تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ مندرجہ عبارت کے بعد لکھتے ہیں۔ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْا فِيْ عِلْمِيْ لَا تَسْئَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ السَّاعَةِ اِلَّا نَبَّاْتُكُمْ بِهٖ فَقَامَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ السُّهَمِيُّ فَقَالَ مَنْ اَبِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ حُذَافَةُ فَقَامَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا وَبِكَ نَبِيًّا فَاعْفُ عَنَّا عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ثُمَّ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ (1)

ترجمہ: مُنافقین کا یہ قول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔ اس قوم کا کیا حال ہوگا جو میرے علم پر اِعتراض کرتے ہیں۔ اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی کوئی بات پوچھو میں یہاں کھڑے تمہیں اس کا جواب دوں گا۔ عبداللہ بن حذافہ اٹھے (ان کے نسب پر طعن کیا جاتا تھا) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت طلب کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبار فرمایا کہ کیا میرے علم پر اعتراض کرنے سے باز آؤ گے یا نہیں؟ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر سے اُترے۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۰۷ کیونکہ مُنافقین کی پہچان بذریعہ وحی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی کرائی گئی تھی۔ اِس لیے اس کے بعد فرمایا کہ غیب پر مطلع ہونا ہر کسی کے اختیار کی بات نہیں اور نہ ہر ایک میں اس کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ عام لوگوں کا ذریعہ علم تو دلائل اور ظاہری علامات ہیں اور غیب پر صرف رسولوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں ہی غیب پر مطلع ہونے کی استعداد پائی جاتی ہے۔ اور اولیاء کرام کو یہ نعمت حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی سے میسر ہوتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر یہ چیز حاصل نہیں ہوسکتی۔ (روح المعانی) (2) اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر علم غیب حاصل نہیں ہوسکتا۔ وہ جتنا چاہتا ہے اپنے

1۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 382 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 38-137

مَنْ يَّشَآءُ ۚ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ

جسے چاہتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسُولوں پر اور اگر تم ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لیے

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ

اجرِ عظیم ہے اور ہرگز نہ گمان کریں جو بخل کرتے ہیں [۲۰۸] اس میں جو دے رکھا ہے انھیں

مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے لیے بلکہ یہ بخل بہت بُرا ہے ان کے لیے۔ طوق پہنایا جائے گا انھیں

مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

وُہ مال جس میں اُنھوں نے بخل کیا قیامت کے دن اور اللہ کے لیے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی

رسولوں کو سکھا دیتا ہے اور اس ذات کریم نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''جتنا'' چاہا دیا۔ یہ ''جتنا'' اللہ تعالیٰ کے علم غیر متناہی کا بعض ہے۔

لیکن مخلوق کے علم کے مقابل ایک بیکراں سمندر ہے جس کی حدود و قیود ہم انسان مقرر نہیں کر سکتے۔ جو لوگ اس ''جتنا'' کو یہاں تک تنگ کر دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور تو اور اپنے انجام کا بھی علم نہ تھا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ ان کی اپنی تنگ دلی اور تنگ نظری مستحق ہزار تاسف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کرم وعطا و بخشش (کریم، مُعطی، وہاب) کے اِنکار کا نام توحید رکھنا کہاں کا انصاف ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب منوّر کو علومِ غیبیہ سے بھرپور فرمایا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم نہ اللہ تعالیٰ کے علم کی طرح ذاتی ہے نہ غیر متناہی۔ بلکہ وہ محض عطائے اِلٰہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط و تفصیلی کے ساتھ اس کی نسبت ذرّہ اور صحراء، قطرہ اور دریا کی بھی نہیں۔ لیکن علومِ خلائق کے مقابلہ میں وہ بحر ذخار ہے جس کی گہرائی کو کوئی غوّاص آج تک نہ پا سکا اور جس کے کنارہ تک کوئی شناور آج تک نہ پہنچ سکا۔

[۲۰۸] لغت میں بخل کہتے ہیں اس چیز کا روک لینا جس کا ادا کرنا اس پر واجب ہو۔ وَالْبُخْلُ فِي اللُّغَةِ اَنْ يَّمْنَعَ الْاِنْسَانُ الْحَقَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ (القرطبی) (1) اِس آیت کریمہ میں ان لوگوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو مالی حقوق کو ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ حدیث صحیح میں اِس آیت کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ''جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی وہ مال سانپ بن کر اس کو طوق کی طرح لپٹے گا اور یہ کہہ کہہ کر ڈستا جائے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں''۔ (خزائن العرفان) (2)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 4، ص 292 2۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 132، حاشیہ: 357

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا ع ۱۸

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خبردار ہے بے شک سُنا ۲۰۹ اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنھوں نے کہا

اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ وقف لازم

کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں ہم لکھ لیں گے ۲۱۰ جو اُنھوں نے کہا نیز قتل کرنا ان کا

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ

انبیاء کو ناحق (بھی لکھ لیا جائے گا) اور ہم کہیں گے کہ (اب) چکھو آگ کے عذاب (کا مزہ) یہ

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ج

بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمھارے ہاتھوں نے ۲۱۱ اور یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى

یہ وُہ لوگ ہیں جنھوں نے کہا کہ تحقیق اللہ نے اقرار لیا ہے ہم سے کہ ۲۱۲ ہم نہ ایمان لائیں کسی رسُول پر یہاں تک کہ وُہ

۲۰۹ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہود کے ایک قبیلہ بنی قینقاع کے پاس اپنا مکتوبِ گرامی دے کر بھیجا جس میں اُن کو دعوتِ اِسلام دی گئی تھی۔ نماز اور زکوٰۃ کے متعلق تاکید کی گئی تھی۔ اور یہ بھی تحریر تھا کہ اَنْ یُّقْرِضَ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو قرضۂ حسنہ دیں (نیکی کے کاموں میں دولت خرچ کریں) اس پر ان کے ایک منہ پھٹ فخاص بن عازوراء نے ازراہِ تمسخر کہا کہ اللہ مفلس و نادار ہے اسی لیے تو ہم سے قرض مانگ رہا ہے۔ حلیم الطبع ابوبکر رضی اللہ عنہ اِس گستاخی کو برداشت نہ کر سکے اور اُس کے منہ پر طمانچہ رسید کیا۔ اور فرمایا اگر ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو تمہارا سر قلم کر دیتا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور اپنے الفاظ سے بالکل مکر گیا۔ اس وقت رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی (1)۔

۲۱۰ ہم یہ الفاظ ان کے نامۂ عمل میں لکھ لیں گے۔ کلامِ الٰہی کے ساتھ مذاق اتنا بڑا جرم ہے کہ قتلِ انبیاء کے ساتھ اسے لکھا گیا۔

۲۱۱ یعنی یہود کو یہ عذابِ شدید بلاوجہ نہیں دیا گیا بلکہ ان کی بدکرداریوں کا طبعی ثمر اور عادلانہ سزا ہے (2)۔

۲۱۲ یہود نے جو فن حیلہ سازی کے اِمام تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اِیمان نہ لانے کا ایک اور عُذر تراشا۔ کہنے لگے کہ ہم تو آپ کو نبی نہیں مان سکتے۔ کیونکہ ہمارے رب نے ہم سے یہ پختہ وعدہ لیا ہے کہ کسی ایسے شخص کو نبی نہ ماننا جو تمہیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ وہ قربانی کرے اور آسمانی آگ آکر اسے جلا کر راکھ کر دے۔ اور آپ نے تو یہ معجزہ دکھایا نہیں۔ اِس لیے ہم آپ کی رسالت تسلیم

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج4، ص129 2۔ تفسیر المنار، ج4، ص266

يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ

لائے ہمارے پاس ایک قربانی کھالے اس کو آگ آپ فرمائیے آ چکے تمہارے پاس رسُول مجھ سے

قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ

پہلے بھی دلیلوں کے ساتھ اور اس معجزہ کے ساتھ بھی جو تم کہہ رہے ہو تو کیوں قتل کیا تھا تم نے انہیں اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

سچے ہو اگر یہ جھٹلاتے ہیں ۲۱۳ آپ کو تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) بے شک جھٹلائے گئے رسُول آپ سے پہلے

جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ

جو لائے تھے معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب ہر نفس چکھنے والا ہے

الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ

موت کو ۲۱۴ اور پوری مل کر رہے گی تمہیں تمہاری مزدوری قیامت کے دن پس جو شخص بچا لیا گیا آتش

کرنے سے معذور ہیں (1)۔ قرآن نے ان کے اس عذر کو بھی باطل کر دیا۔ تمہاری مقدّس کتابوں میں یہ تو ہے کہ بعض انبیاء نے یہ معجزہ دکھایا کہ ان کی دعا سے آسمان سے آگ اُتری اور اُن کی قربانی کو جلا گئی۔ لیکن یہ تصریح نام کو بھی نہیں کہ جو نبی یہ معجزہ نہ دکھائے اس پر ایمان نہ لانا۔ اگرچہ اس کی صداقت کی اور واضح دلیلیں موجود ہوں۔ اور اگر ایک لمحہ کے لیے یہ فرض بھی کر لیا جائے تو تم نے اِس کا پہلے کب پاس رکھا۔ وہ انبیاء جن سے یہ معجزہ ظاہر ہوا اُن کے ساتھ بھی تم نے کفر کیا۔ اور صرف زبانی کفر پر ہی بس نہیں کی بلکہ ان کو قتل تک کر دیا۔ تمہیں جن کا دامن معصوم انبیاء کے پاک خُون سے داغدار ہے۔ ایسی بے سر و پا باتیں کہتے ہوئے حیا نہیں آتی۔

۲۱۳ بینات سے مُراد معجزات اور عقلی دلائل ہیں۔ زُبُر جمع ہے زَبُور کی (2)۔ اِس کا معنی وعظ و نصیحت ہے۔ اور کتاب سے مُراد وہ صحیفہ ہے جس میں شریعت کے احکام درج ہوں۔ مولا تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلی دے رہا ہے کہ منکرین حق کا یہ پُرانا شیوہ ہے کہ اُنہوں نے ہر اُس نبی کو جھٹلایا جو اپنی سچّائی کی روشن اور نا قابل تردید دلیلیں لے کر آیا۔

۲۱۴ اِس میں یہود اور مُنکرین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جب تمہیں موت کا پیالہ پینا پڑے گا اور اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اور اِس میں اُن مُسلمانوں کے لیے تسلی بھی ہے جو قبولِ اِسلام کے بعد اپنوں اور بیگانوں کے مظالم کا ہدف بنے ہوئے تھے کہ گھبراؤ نہیں حق کے لیے اپنی زِندگی کے چار روز جیسے گزرتے ہیں گزار لو۔ اور وہ دِن آنے والا ہے جب تمہیں

1۔ تفسیر المنار، ج4، ص67-266 (ملخصاً) 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج2، ص189

النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ

(دوزخ) سے اَور داخِل کیا گیا جنّت میں تو وُہ کامیاب ہوگیا اَور نہیں یہ دُنیوی زندگی مگر ساز و سامان

الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ

دھوکہ میں ڈالنے والا۔ یقیناً ۲۱۵ تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں سے اَور اپنی جانوں سے اَور یقیناً تم سنو گے ان سے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى

جنھیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اَور اُن لوگوں سے جنھوں نے شِرک کیا اذیّت دینے والی

كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

بہت باتیں اَور اگر تم (اِن دل آزاریوں پر) صبر کرو اَور تقویٰ اِختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمّت کا کام ہے

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

اَور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ ۲۱۶ اُن لوگوں سے جنھیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں سے

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا

اَور نہ چھپانا اس کو تو (اُلٹا) اُنھوں نے پھینک دیا اِس وعدہ کو اپنی پشتوں کے پیچھے اَور اُنھوں نے خرید لی اُس کے عوض تھوڑی

اِس کا اجر عظیم عطا فرمایا جائے گا۔

۲۱۵ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پہلے ہی بتا رہا ہے کہ مدینہ کی غیر مُسلم آبادی، مُشرِک اور اہل کتاب سے اچھے سلوک کی توقع مت رکھو۔ وہ تمہارے مال و جان کو گزند پہنچائیں گے۔ تمہیں کوسا جائے گا۔ تمہارے خلاف پروپیگنڈا کی خطرناک مہم چلائی جائے گی۔ تمہیں طرح طرح سے مطعون کیا جائے گا۔ اور تمہارے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں زبان درازی کی جائے گی۔ ایسی حالت میں عام طور پر جذبات مشتعل ہوجاتے ہیں۔ زبان اور ہاتھ پر قابو نہیں رہتا اور انسان ہر طرح کی جوابی کارروائی کرنے کیلئے اپنے آپ کو مجبور اور ہر جائز اور ناجائز حربہ اِستعمال کرنے کیلئے معذور پاتا ہے۔ اگر ایسے نازک حالات میں بھی تم نے صبر و اِستقامت کا دامن نہ چھوڑا اور اپنے بلند کردار پر جمے رہے تو تمہاری عظمت و رفعت پر انسانیت فخر کرے گی اور ایسا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں بلکہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

۲۱۶ اِس میں عُلماء اہل کتاب کی اخلاقی پستی اور علمی خیانت کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ عُلماء اسلام ان کے

قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ

سی قیمت سو بہت بُری ہے وُہ چیز جو وُہ خرید رہے ہیں ہرگز آپ ۲۱۷ یہ خیال نہ کریں کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں

بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ

اپنی کارستانیوں پر اَور پسند کرتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے ایسے کاموں سے جو اُنھوں نے کیے ہی نہیں تو ان کے متعلق یہ گمان

بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

نہ کرو کہ وُہ امن میں ہیں عذاب سے ان کے لیے ہی تو دردناک عذاب ہے اَور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی

ع ۱۹ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِىْ

آسمانوں اَور زمین کی اَور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پُوری طرح قادر ہے بے شک

رویّہ سے عبرت حاصل کریں۔

۲۱۷ مُنافقین ہر دفعہ جہاد میں شرکت نہ کرتے اور اِس محرومی پر اُنہیں افسوس اور ندامت نہ ہوا کرتی بلکہ اسے اپنی عقل مندی کا کرشمہ سمجھتے اور خوش ہوتے۔ نیز اگرچہ ان کی زِندگی کی کتاب شجاعت، اِیثار، اخلاص اور تقویٰ کے کارناموں سے یکسر خالی تھی۔ لیکن وہ اِس بات کو دل سے پسند کرتے کہ اُنہیں شجاع، اِیثار پیشہ، مخلص اور متقی کہا جائے۔ اُن کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ ایسا مریض جس کی قوتِ عملیہ مفلوج ہو چکی ہو۔ اور جس کا ذہن خود ستائی اور خود پسندی کی بیماری میں مبتلا ہو اُس کے تندرست ہونے کی بہت کم توقع ہوا کرتی ہے۔ وہ اپنی ان کوتاہیوں کے انجامِ بد سے ضرور دو چار ہو کر رہے گا۔ اگرچہ یہ آیت یہود اور مُنافقین کی کمزوریوں کو آشکارا کرنے کے لیے نازل ہوئی۔ لیکن یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اِس میں ہمارے لیے کوئی سبق نہیں۔ میدانِ عمل سے فرار اور اس پر بھی اپنی ستائش و تعریف سننے کی خواہش دو ایسی کمزوریاں ہیں کہ جو شخص ان کا شکار ہو جاتا ہے اس کا وہی انجام ہوتا ہے جو قرآن نے واضح الفاظ میں بیان فرما دیا۔ کتنے نامور باپوں کے فرزند، کتنے علم و عرفان کے خانوادوں کے چشم و چراغ اور ثروت و سطوت کے وارث اِن خرابیوں کے باعث اپنے اسلاف کی عظمت کو خاک میں ملا چکے ہیں۔ کیونکہ ان کو بڑی آسانی سے ایک بنا بنایا حلقہ دستیاب ہو جاتا ہے جو اُن کی ہر حرکت کو مستحسن اور ان کی تمام کوتاہیوں کے باوجود اُن کو مجمع صفاتِ کمال سمجھتا یا کہتا ہے۔ ہر باپ کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی اَولاد کو، اُستاد اپنے شاگردوں کو اور مُرشِد اپنے عقیدت مندوں کو اِس گردابِ ہلاکت سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ ان کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ حقیقت پسند ہوں اور اپنی سخت کوشی سے تلخ زندگانی کو انگبین بنانے میں لذت محسوس کریں۔

خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

آسمانوں[۲۱۸] اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دِن کے بدلتے رہنے میں (بڑی) نشانیاں ہیں

لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ

اہلِ عقل کے لیے وُہ عقل مند جو یاد کرتے رہتے ہیں[۲۱۹] اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہُوئے اور بیٹھے ہُوئے اور

عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

پہلوؤں پر لیٹے ہُوئے اور غور کرتے رہتے ہیں[۲۲۰] آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور تسلیم کرتے ہیں)[۲۲۱]

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

اَے ہمارے مالک! نہیں پیدا فرمایا تو نے یہ (کارخانۂ حیات) بے کار۔ پاک ہے تُو (ہر عیب سے) بچا لے ہمیں آگ کے عذاب سے

۲۱۸ اِس سورۂ پاک کا اختتام ان آیات سے کیا اور اہل علم کو ان میں فِکر و نظر کی دعوت دی۔ کیونکہ کارخانۂ قدرت کی نیرنگیوں میں وہ جتنا غور و فِکر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے علم محیط اور حکمت کاملہ پر ان کا اِیمان پختہ ہوگا۔ اور یہ پختگی تقلیدی نہیں ہوگی بلکہ تحقیقی ہوگی۔

۲۱۹ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کا ذِکر کسی وقت اور کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں بندہ اپنے خالق کی یاد میں محو رہے۔

۲۲۰ علّامہ بیضاوی فرماتے ہیں وَهُوَ اَفْضَلُ الْعِبَادَاتِ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَا عِبَادَةَ كَالتَّفَكُّرِ (1)۔ مظاہر کائنات میں غور و تدبر کرتے رہنا سب عبادتوں سے افضل ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اِرشادِ گرامی ہے کہ تفکّر و تدبر کے ہم پایہ کوئی عبادت نہیں لیکن آج ہم اِس افضل ترین عبادت سے کیسے اعراض کیے ہوئے ہیں اور کس طرح ہم نے اس کو صدیوں سے بالکل بُھلا رکھا ہے محتاجِ بیان نہیں۔

۲۲۱ آج اگرچہ کائنات کے ہر پہلو پر غور و فِکر ہو رہا ہے۔ اور وُسعت کا یہ عالم ہے کہ ہر مظہر فطرت کے لیے ایک مستقل فن کی بنیاد پڑ چکی ہے لیکن مومن اور غیر مومن کی تحقیق و تفحص میں ایک بنیادی فرق ہے۔ مومن جب کائنات کی کسی چھوٹی یا بڑی چیز پر غور کرتا ہے اور اس کے حیران کن تاثرات اور اس میں مضمر ایک بدیع نظام پر اس کی نگاہ پڑتی ہے تو وہ اس کی حیران کن تاثیرات اور بدیع مضمرات میں کھو کر نہیں رہ جاتا بلکہ اُسی وقت اُس کی نگاہ اُس کے بنانے والے کی طرف بے تابانہ وار دوڑتی ہے۔ اور اُس کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات نکلتے ہیں۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا الخ لیکن ایک غیر مومن کی نگاہ ان مشاہدات کی چمک دمک سے

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص100

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

اَے ہمارے رب! بے شک تُو نے جسے داخل کر دیا آگ میں تو رُسوا کر دیا تُو نے اُسے اَور نہیں ہے ظالموں کا

مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ

کوئی مددگار اَے ہمارے رب! بے شک سُنا ہم نے مُنادی کرنے والے کو کہ بُلند آواز سے بُلاتا تھا اِیمان کی طرف

اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۟ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا

(اَور کہتا تھا) کہ اِیمان لاؤ اپنے رب پر تو ہم اِیمان لے آئے اَے ہمارے مالک! پس بخش دے ہمارے گناہ اَور مٹا دے ہم سے ہماری بُرائیاں

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ

اَور (اپنے کرم سے) موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ۲۲۲ اَے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں جو وعدہ کیا تُو نے ہمارے ساتھ اپنے رسُولوں کے ذریعہ اَور

لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ

نہ رُسوا کر ہمیں قیامت کے دن بے شک تُو وعدہ خلافی نہیں کرتا تو قبول ۲۲۳ فرما لی

لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ

اُن کی اِلتجا اُن کے پروردگار نے (اَور فرمایا) کہ میں ضائع نہیں کرتا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم سے خواہ مرد ہو یا

خیرہ ہو کر رہ جاتی ہے اور اس کے بنانے والے کی عظمت و جلالت، علم و قدرت، مشیت و حکمت کی طرف اُس کی توجّہ مبذول نہیں ہوتی۔ بے شک وہ اُن کی تسخیر سے اپنی مادی ترقی کو تو معراجِ کمال تک پہنچا دیتا ہے لیکن یقین کا چراغ روشن نہیں ہوتا۔ اور اُس کے دل کی دنیا پھر بھی تاریک کی تاریک ہی رہتی ہے۔ کاش مسلمان طلبہ قرآن کی اِس آیت کی روشنی میں سائنس اور طبعیات کے علوم کا مطالعہ کریں تا کہ اگر ان کی کاوشوں سے ان کی ملت کا ظاہر رشکِ مہتاب بن جائے تو اُس کا باطن رشکِ صد آفتاب ہو جائے۔

۲۲۲ جب غور و فِکر اور پیہم عبادت و ذِکر سے ان کا آئینۂ دل جگمگانے لگتا ہے تو وہ اپنے مولا تبارک و تعالیٰ کی جنابِ پاک میں دامن پھیلا کر یوں گزارش کرتے ہیں۔ دعا کے یہ جملے اپنے اندر جو مٹھاس اور تاثیر رکھتے ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں۔

۲۲۳ اِنعاماتِ خُداوندی کے وہ طلب گار جنہوں نے اپنے عمل سے اپنے آپ کو ان کا اہل ثابت کر دیا ہے جب وہ اَدب و نیاز سے دعا کرتے ہیں تو اُن کے دل سے نکلی ہوئی دعائیں قبول کر لی جاتی ہیں۔

اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ

عورت بعض تمہارا جزء ہے بعض کا تو وُہ جنھوں نے ہجرت کی ۲۲۴ اَور نکالے گئے اپنے

دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

وطن سے اَور ستائے گئے میری راہ میں اَور (دین کے لیے) لڑے اَور مارے گئے تو ضرور میں مٹادوں گا ان کے

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ

نامۂ عمل) سے ان کے گناہ اَور ضرور داخل کروں گا انھیں باغوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

(یہ) جزا ہے (ان کے اعمالِ حسنہ کی) اللہ کے ہاں اَور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ ۭ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ وقف

(اَے سُننے والے!) نہ دھوکہ میں ڈالے تجھے چلنا پھرنا اُن کا جنھوں نے کفر کیا ملکوں میں ۲۲۵ یہ لُطف اندوزی تھوڑی مدت کے لیے ہے

ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

پھر ان کا ٹھکانا جہنّم ہے اَور یہ بہت بُری ٹھیرنے کی جگہ ہے لیکن وُہ جو ۲۲۶ ڈرتے رہے

۲۲۴ اب اُن پاکبازوں کا ذِکر ہو رہا ہے جن کے اعمال ضائع نہیں کیے جاتے۔ اور اگر ان سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو ان کی خوبیوں اور نیکیوں کے باعث معاف کر دی جاتی ہے۔ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ کا معنی علامہ بیضاوی نے لَاَمْحُوَنَّهَا کیا ہے(1)۔ یعنی مٹادوں گا محو کر دوں گا میں اُن کے گناہ۔

۲۲۵ کفّار کی ظاہری آن بان دیکھ کر بعض کمزور دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوتے تو کیا وہ یوں شان وشوکت سے زندگی بسر کرتے۔ اِس خیال کا بھی ازالہ کر دیا کہ یہ ساری دُھوم دھام عارضی ہے۔ اس کے بعد ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے۔ اِس لیے تم ان کی اِس چند روزہ کروفر کو ان کے حق پر ہونے کی دلیل مت سمجھو۔ ان کے انجام پر غور کرو کہ یہ کتنا ہولناک ہے۔

۲۲۶ ان کے برعکس وہ لوگ جن کے پاس عیش وعشرت کا سامان نہیں لیکن ان کا دل تقویٰ کے نور سے منوّر ہے اللہ تعالیٰ کی جناب

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص100

رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا

اپنے رب سے اُن کے لیے باغ ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے ندیاں (وہ متقی) ہمیشہ رہیں گے ان میں

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ

یہ تو مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ بہت بہتر ہیں نیکوں کے لیے اور بے شک

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ

بعض اہلِ کتاب ایسے ہیں ۲۲۷ جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اُس پر جو اُتارا گیا تمہاری طرف

وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ

اور جو اُتارا گیا اُن کی طرف عاجزی (اور نیازمندی) کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں سودا کرتے اللہ کی آیتوں کا

ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ

حقیر قیمت پر یہ وہ ہیں جن کا ثواب اُن کے رب کے پاس ہے بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد

الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ق

حساب لینے والا ہے اے ایمان والو! ۲۲۸ صبر کرو اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلہ میں) اور کمربستہ رہو (خدمتِ دین کے لیے)

میں ان کا بڑا مقام ہے۔ جنّت الفردوس میں یہ مہمان ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا میزبان ہوگا۔

۲۲۷ قبل ازیں اہل کتاب اور اُن کے عُلماء کے عیوب و نقائص بیان کیے گئے تھے۔ جس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ شاید سب اہل کتاب اور اُن کے سارے عُلماء ایک ہی قماش کے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے اِس غلط فہمی کو بھی دور فرما دیا کہ سب ایک جیسے نہیں۔ ان میں سے کئی ایک بڑے پاک دل، نیک فطرت اور سلیم الطبع ہیں۔

۲۲۸ یہ اِس جلیل القدر اور عظیم المرتبت سورت کی آخری آیت ہے۔ اور اِس میں نہایت مختصر اور بہت ہی جامع الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ اِن چار باتوں میں دُنیوی اور اُخروی فلاح و کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ صبر، مصابرہ، رباط اور تقویٰ۔ صبر کا معنی ہے نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے باز رہنے پر نفس کو پابند رکھنا۔ مصابرہ کا معنی ہے مصابرۃ الاعداء یعنی دشمن کے پے در پے

ع ۱۱ ۲۰ ۱۱

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

اور (ہمیشہ) اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو جاؤ

حملوں کے سامنے فولاد بن کر کھڑے رہنا(1) اور رباط کا معنی ہے اَلرِّبَاطُ فَحَبْسُ الْقَلْبِ عَلَى النِّيَّةِ الْحَسَنَةِ وَالْجِسْمِ عَلٰى فِعْلِ الطَّاعَةِ وَمِنْ اَعْظَمِهَا ارْتِبَاطُ الْخَيْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَارْتِبَاطُ النَّفْسِ عَلَى الصَّلٰوةِ(2)۔ یعنی رباط کہتے ہیں نفس کو نیت حسنہ پر آمادہ رکھنا اور جسم کو عبادت پر کاربند رکھنا۔ اِس کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ اِنسان جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کمر بستہ رہے اور گھوڑا تیار رکھے اور نفس کو نماز کا خوگر بنائے۔ اور تقویٰ کی تفسیر جا بجا گزر چکی ہے۔ جب کسی فرد یا قوم میں یہ صفات پائی جاتی ہیں تو رحمت اِلٰہی اور نصرت خُداوندی اس کی پاسبان ہوتی ہے۔ مشکلات کے پہاڑ از خود راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ دنیا میں بھی عزّت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی سُرخروئی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز4، ص322 2۔ ایضاً، جز4، ص324

تعارف سُورۃ النِّساء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۂ پاک کا نام النّساء ہے۔ باتفاق علماء مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی (1)۔ اِس کی آیتوں کی تعداد ۱۷۶ ہے۔ الفاظ تین ہزار پینتیس اور حروف ۱۶۰۳۰ ہیں۔ اور ۲۴ رکوع ہیں۔

یہ سورۂ پاک بڑی اہم اور دوررس اصلاحات پر مشتمل ہے۔ جنہیں اگر دین اِسلام کا طرّۂ امتیاز کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا۔

گھریلو زِندگی: اس سورت میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ توجّہ گھریلو زِندگی کو خوشگوار بنانے پر دی گئی ہے کیونکہ گھر ہی قوم کی خِشتِ اوّل ہے۔ گھر ہی وہ گہوارہ ہے جہاں قوم کے مستقبل کے معمار پرورش پاتے ہیں۔ گھر ہی وہ مدرسہ ہے جہاں اخلاق و کردار کی جو قدریں اچھی یا بُری، بلند یا پست لوحِ قلب پر لکھ دی جاتی ہیں ان کے نقوش کبھی مدّھم نہیں پڑتے۔ صرف جذبات کتنے پاکیزہ اور معصوم کیوں نہ ہوں حقائق کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں لا سکتے۔ قرآن حقائق کو حقائق کی حیثیّت سے دیکھتا ہے۔ اس لیے گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے مُبہم نصیحتوں پر اِکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے لیے واضح اور غیر مبہم قاعدے اور ضابطے متعیّن فرما دیئے۔

ا۔ یتیم بچے۔ جس گھر میں یتیم بچوں پر زیادتیاں کی جائیں اور ان کے سرپرست ان کی دولت کو خُرد بُرد کرنے کے لیے سازش و فریب کے جال بُنتے رہیں اس گھر کی فضا کبھی صحت مند نہیں ہو سکتی اور اس خاندان کے افراد کبھی سچی مسرّت کی لذّتوں سے آشنا نہیں ہو سکتے۔ اِس لیے قرآنِ حکیم نے اپنے ماننے والوں کو صاف الفاظ میں حکم فرمایا کہ وہ یتیم بچّوں اور بچیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ ان کے حقوق کی نگہبانی اور ان کے اموال کی حفاظت کریں بلکہ ان کے اِحساسات تک کا پاس رکھیں۔ اور جو بھی ان بیکسوں کے ورثہ میں ناجائز تصرّف کرے گا وہ خوب جان لے کہ وہ آتشِ جہنم سے اپنے پیٹ کو بھر رہا ہے۔

ب۔ عورت کا مقام۔ عرصہ ہائے دراز سے یہ صنفِ نازک ظلم و ستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ قدرت نے اگرچہ اسے مرد کی طرح ذِی رُوح اور ذی شعور بنایا تھا لیکن اِس کے ساتھ برتاؤ مٹی کی بے جان مُورتیوں کا سا کیا جاتا تھا۔ جُوا میں داؤ پر اسے لگایا جا سکتا تھا۔ خاوند کی لاش کے ساتھ قانوناً اسے جل کر راکھ ہونا پڑتا تھا۔ کہیں اسے تمام بُرائیوں کی جڑ اور اِنسان کی ساری بدبختیوں کا سرچشمہ یقین کیا جاتا تھا اور کہیں چوٹی کے نامور فلسفی اس کے اِنسان ہونے کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ اس کو

1۔ تفسیر روح المعانی، جلد 4، ص 178، دار احیاء التراث الاسلامی العربی، بیروت

ملکیّت کے حقوق حاصل نہ تھے۔ اسے ازدواجی بندھنوں میں مقیّد کرنے سے پہلے اس سے کوئی رائے لینے کا تصوّر تک نہ تھا۔ یہ بلکہ اس سے بھی بدتر حالات تھے جن میں اِسلام سے پہلے یہ صنفِ نازک گرفتار تھی۔ جہاں کنبہ کے نصف افراد کی بے بسی کا یہ عالم ہو وہاں خوشی اور مسرّت کا گزر کہاں؟ قرآن نے پہلی مرتبہ اعلان کیا کہ جس طرح مرد کے حقوق عورت پر ہیں اسی طرح عورت کے حقوق بھی مرد پر ہیں۔ اس کی رائے ہے اور قانون اس کی رائے کا اِحترام کرتا ہے۔ اس کو اپنے والدین، اپنے خاوند، اپنی اولاد کا وارث تسلیم کیا گیا۔ اس کو ملکیّت کے حقوق تفویض کیے گئے۔

کیونکہ مرد اور عورت کا اوّلین رِشتہ ازدواج کا رِشتہ ہے اِس لیے اس میں جو بے راہ رویاں پائی جاتی تھیں ان کی اِصلاح کی۔ تعدّدِ ازواج پر پابندیاں لگائیں۔ اور اُس کی اجازت دی تو بڑی شروط و قیود کے ساتھ۔ مرد کو بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا اور اگر اس کی کوئی چیز پسندِ خاطر نہ ہو تو اس پر صبر کرنے کی ہدایت کی۔ اگر باہمی تعلقات کشیدہ ہو جائیں تو اصلاحِ حال کی تدبیر بتائی۔ لیکن عورت کو یہ تمام حقوق دینے کے بعد گھر کی سرداری اور نظم و نسق کی ذمہ داری مرد کو سونپی۔ کیونکہ اسی کی فِطری صلاحیّتیں اس بارِ گراں کو اُٹھا سکتی ہیں اور یہی حقائق کی نگہداری اور ہر بات میں میانہ روی اِس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کلامِ الٰہی ہے۔ کیونکہ اس میں تفریط کا گزر نہیں تو افراط کا بھی نشان نہیں۔

ج۔ تیسری چیز جو گھر کے ماحول کو خوشگوار رکھنے کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے وہ مالی حقوق کی مُنصِفانہ تقسیم ہے۔ اِس میں معمولی سی کوتاہی بھائی کو بھائی سے جُدا کر دیتی ہے۔ اس لیے تقسیم میراث کا مفصّل قانون نازل فرمایا۔ اِسلام کے نظامِ میراث کی جو اِمتیازی خصوصیات ہیں ان کا جائزہ تو اپنے اپنے مقام پر لیا جائے گا لیکن ایک بے مثل تبدیلی یہ کی کہ عورت (ماں، بیٹی، بیوی) کو بھی مرد کی طرح وارث قرار دیا۔

۲۔ حق و باطل کی جنگ جس کا آغاز بدر سے ہوا تھا ابھی جاری تھی۔ اُحد میں مسلمانوں کی کثیر تعداد کے شہید ہونے کے باعث مُنافق، یہودی اور مُشرک قبائل کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ اس سورت میں بھی مسلمانوں کو حق کی حفاظت کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگانے کا حکم دیا گیا اور ان کے حوصلوں کو بلند کیا گیا اور منافقوں کے مختلف گروہوں کے ساتھ ہر ایک کے مناسبِ حال رویّہ اِختیار کرنے کی ہدایت کی گئی۔

۳۔ اِنفرادی کردار کی تعمیر کی طرف بھی خاص توجہ دی گئی ہے اور اُن قوموں کی اقتداء سے روکا گیا ہے جو عمل سے جی چُراتی ہیں حق کے لیے کسی جانی اور مالی قربانی کے لیے آمادہ نہیں ہوتیں اور اس کے باوجود اپنے آپ کو انعامات خداوندی کا واحد حقدار سمجھتی ہیں۔ اُمت مُصطفوی کو صاف صاف بتا دیا گیا کہ اِس رزم گاہِ حیات میں جِیت اسی کی ہوگی جو اپنے پیہم اور نتیجہ خیز عمل سے اپنی فوقیت اور برتری ثابت کر دے۔ خیالی پلاؤ پکانے اور ہوائی قلعے تعمیر کرنے سے کچھ حاصِل نہ ہوگا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ مسلمانوں کے باہمی برتاؤ کا دارومدار اِحسان اور مہربانی پر ہونا چاہیے۔ جتنی قرابت زیادہ ہوگی اتنی ہی اس کے ساتھ مہربانی اور اِحسان زیادہ ہونا چاہیے۔

۴۔ اطاعت رسول: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا ہے اور

فَلَا وَرَبِّكَ (اے محبوب تیرے رب کی قسم) کے پرجلال الفاظ سے قسم اٹھا کر بتایا کہ کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ میرے رسول کے ہر فیصلہ کو خواہ وہ اس کے خلاف بھی ہو دل وجان سے بخوشی قبول نہ کرے۔

۵۔ زمانۂ نزول: علماء محققین کی رائے میں اس سورت کے نزول کا آغاز جنگ اُحد (شوال ۳ ھ) کے بعد ہوا جب کہ ستر مسلمانوں کی شہادت کے بعد یتیموں کی کفالت اور وِرثہ کی تقسیم کے مسئلہ نے بڑی اہمیت اِختیار کر لی تھی۔ نمازِ خوف غزوۂ ذات الرّقاع میں پڑھی گئی اور یہ غزوہ ۴ ھ میں ہوا۔ اور تیمّم کی اجازت غزوۂ بنی مصطلق میں دی گئی اور یہ غزوہ ۵ ھ میں پیش آیا۔ ان واقعات اور سنین سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اِس سورت کا آغاز اُحد کے بعد ہوا تو اس کا سلسلۂ نزول ۵ ھ کے اوائل تک جاری رہا۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسِتٌّ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعَةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ النسآء۔ مدنی۔ ۱۷۶ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے آیتیں ۲۴ رکوع

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

اَے لوگو! لے ڈرو اپنے ربّ سے جس نے پیدا فرمایا تمھیں ایک

وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ

جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا ۲ اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور

نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

عورتیں (کثیر تعداد میں) اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ۳ وہ اللہ مانگتے ہو تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس کے واسطے سے اور (ڈرو) ۴ رحموں (کے قطع کرنے سے) بیشک اللہ تعالیٰ

۱ معاشرہ زندگی کی مسرّتوں سے تب لُطف اندوز ہوسکتا ہے جب ہر خاندان کے افراد میں باہمی محبّت و پیار ہو۔ اس کے لیے صلہ رحمی، رواداری اور حُسنِ سلوک کی اہمیّت محتاجِ بیان نہیں۔ اسی کے متعلق اِس سورت میں واضح احکام اور روشن ہدایات دی گئیں۔ لیکن ان احکام و ہدایات کے ذِکر سے پہلے دو باتوں کی طرف خصوصی توجّہ دلائی۔ ایک تو یہ کہ سب اِنسانوں کا پیدا کرنے والا ایک ہی خُدا ہے۔ دوسرا یہ کہ سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ جب سب ایک خدا کی مخلوق ہیں تو سب کو اس کے ہر حکم کی تعمیل اور اس کی نافرمانی سے احتراز کرنا چاہیے اور جب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں تو انہیں آپس میں محبّت و پیار کرنا چاہیے۔ نیز اِس ارشاد سے اِنسانی مساوات کا درس دیا اور اِنسانی برادری میں طرح طرح کے اِمتیازات پر ضرب کاری لگائی جن کے باعث اِنسان اعلیٰ اور ادنیٰ میں منقسم کر دیا گیا ہے۔

۲ ابو مسلم اصفہانی وغیرہ نے یہاں مضاف محذوف مانا ہے ان کے نزدیک اصل عبارت یوں ہے خَلَقَ مِنْ جِنْسِهَا زَوْجَهَا(1) یعنی آدم کی جنس سے اس کا جوڑا تخلیق کیا۔ لیکن آیت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔ مضاف محذوف ماننا تکلّف سے خالی نہیں نیز تمام بنی نوعِ اِنسان کا نفسِ واحد سے پیدا کیا جانا تب ہی دُرست ہوسکتا ہے جب تمام افراد کا اصل الاصول ایک آدم ہی ہوں۔ اگر حوا کی تخلیق آدم سے تسلیم نہ کی جائے تو پھر افرادِ بشری کی تخلیق دو نفسوں آدم و حوّا سے ہوگی نہ کہ ایک نفس سے، جیسا کہ قرآن کریم کا منشا ہے۔ لَوْ كَانَتْ حَوَّا مَخْلُوْقَةً ابْتِدَاءً لَكَانَ النَّاسُ مَخْلُوْقِيْنَ مِنْ نَّفْسَيْنِ لَا مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (بحر محیط)(2)

۳ تقویٰ کی اہمیّت کے پیشِ نظر اس کا دوبار حکم دیا گیا۔ لیکن پہلی دفعہ وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ تمہارا خالق ہے اور دوبارہ تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ روز مرّہ کی زندگی میں تم اسی کے نام سے لین دین کرتے ہو۔ اسی کا واسطہ دے کر تم اپنے حقوق کا

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج3، ص154 2۔ ایضاً

كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝۱ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا

تم پر ہر وقت نگران ہے اور دے دو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدلو

الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

(اپنی) ردّی چیز کو (اُن کی) عمدہ چیز سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر ؕ واقعی یہ

حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا

بہت بڑا گناہ ہے اور اگر ڈرو تم اس سے کہ نہ انصاف کر سکو گے تم یتیم بچّوں کے معاملہ میں ۵ تو ان سے نکاح نہ کرو اور نکاح کرو

مطالبہ کرتے ہو۔ اسی کے نام کی قسم اُٹھا کر تم اپنے عہد و پیمان کو قابلِ اعتماد بناتے ہو۔ جب اس کے نام کے بغیر تمہاری زندگی کا کارواں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا تو پھر کیا تمہیں زیب دیتا ہے کہ اس کی نافرمانی کرو۔

۴ یہ منصوب ہے اور اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے۔ رحم ہر قسم کے رشتہ دار کو کہا جاتا ہے۔ اَلرِّحْمُ اسْمٌ لِّكَافَّةِ الْاَقَارِبِ (قرطبی)(1) آیت کے اِس حِصہ میں صِلہ رحمی کا حکم اور قطع رحمی سے منع فرمایا گیا ہے۔ اسلام نے اپنے قریبی رِشتہ داروں سے حُسنِ سلوک کا بار بار حکم دیا ہے۔ اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِرشادات اس بارے میں اِتنے واضح ہیں کہ کسی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتے۔ ایک فرمانِ گرامی سُن لیجئے۔ اَلرِّحْمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ اَلَا مَنْ وَصَلَنِىْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِىْ قَطَعَهُ اللّٰهُ ''یعنی رحم عرشِ الٰہی سے آویزاں ہے اور کہہ رہا ہے کہ ہوشیار! جس نے مجھے جوڑا خدا اُسے جوڑے رکھے اور جس نے مجھے قطع کیا اُسے اللہ پارہ پارہ کرے''(2)۔

۵ واتوا الیتمی الخ، یتیموں پر طرح طرح کے ظلم کیے جاتے۔ جب کسی کا والد فوت ہو جاتا اور یتیم بچے چھوڑ جاتا تو اس کے چچے یا بڑے بھائی سارے مال پر قبضہ کر لیتے اور یتیم کے بالغ ہونے پر بھی اس کا مال اُسے واپس نہ کرتے یا یتیم کے اعلیٰ نسل کے فربہ جانور خود رکھ لیتے اور گنتی پوری کرنے کے لیے اُس کو ردّی نسل کے دُبلے اور لاغر جانور دے دیتے اور یوں بری الذّمہ ہو جاتے۔ تیسری صورت یہ ہوتی کہ یتیموں کے اموال کو اپنے اموال میں خلط ملط کر دیتے اور حفاظت کے بہانہ سے سب آہستہ آہستہ ہڑپ کر جاتے۔ ان تمام صورتوں کو تفصیل سے ذِکر کر دیا اور ایسا کرنے سے سختی سے روک دیا اور بتا دیا کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا بہت سخت ہے۔ اَلْحُوْبُ: اَلْاِثْمُ۔ گناہ(3)۔

۶ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یتیم بچیاں جو اپنے سرپرستوں کی نگرانی میں ہوا کرتی تھیں ان کے سرپرست ان کے مال اور جمال کی وجہ سے ان کو اپنی زوجیّت میں لے لیتے۔ اور باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد کیونکہ ان کے حقوق کا محافظ اور ان کے دکھ درد میں ان سے ہمدردی کرنے والا کوئی نہ ہوتا اِس لیے عام طور پر نہ تو ان یتیم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد3، جز5، ص7 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج3، ص2 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد3، جز5، ص10

مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ

جو پسند آئیں تمھیں (ان کے علاوہ دُوسری) عورتوں سے دو دو تین تین اور چار چار ؎ اور اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو

بچیوں کے ساتھ نکاح کرتے وقت اُن کو اُن کی حیثیت کے مطابق مہر دیا جاتا اور نہ نکاح کے بعد اُن کے حقوق ادا کیے جاتے۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ جب تمھیں اندیشہ ہو کہ تم ان بے سہارا بچیوں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کر سکو گے تو اُن کے ساتھ نکاح نہ کرو بلکہ ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے جو تمھیں پسند ہوں چار تک نکاح کر سکتے ہو(1)۔

؎ اسلام کے ناقدین خصوصاً اہلِ مغرب نے تعددِ ازواج کے مسئلہ پر بڑی لے دے کی ہے اور وہ مسلمان بھی اس کے متعلّق بہت پریشان رہتے ہیں جن کے نزدیک خیر و شر اور حُسن و قبح کا صرف وہی معیار قابل قبول ہے جو اُن کے ذہنی مرّبیوں نے مقرر کر رکھا ہے۔ اس لیے اس کے متعلّق اِختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند حقائق پیش کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا:

۱۔ یہ حکم نہیں جس کی پابندی پیروانِ اِسلام پر لازمی ہو بلکہ یہ ایک رُخصت ہے۔

۲۔ رُخصت بھی بے قید و شرط نہیں بلکہ سخت قیود سے مقیدّ اور سنگین شرائط سے مشروط ہے۔

۳۔ طبِّ جدید و قدیم اِس پر متفِق ہے کہ مرد کی طبعی کیفیت عورت کی طبعی کیفیت سے جُداگانہ ہے۔

۴۔ مرد میں جنسی رغبت عورت سے کہیں زیادہ ہے۔ جس کی ظاہر وجہ یہ ہے کہ جنسی عمل کے بعد عورت کو مدّت دراز تک مختلف نازک سے نازک مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اِستقرارِ حمل، وضع حمل، رضاعت اور ننھے بچے کی تربیّت یہ سارے مرحلے اُسے یوں مشغول رکھتے ہیں کہ اس میں کوئی طلب کم ہی رُونما ہوتی ہے لیکن مرد اِن تمام ذمہ داریوں سے آزاد ہوتا ہے۔

۵۔ اکثر ممالک میں عورت کی شرح پیدائش مردوں سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ جنگ آزما قوموں کے مرد ہی ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جنگ کے شعلوں کی نذر ہوتے ہیں۔ اِس لیے عورتوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

۶۔ تاریخ اِنسانی جب سے مرتّب کی گئی ہے اِس کے ہر اس قانونی نظام میں جس میں تعددِ ازواج قانوناً ممنوع ہے زنا کی کھلی اِجازت ہے اور یہ فعل شنیع اپنی اَن گِنت خرابیوں کے باوجود جُرم ہی تصوّر نہیں کیا جاتا۔

۷۔ کیا بیوی اور اس کے بچوں کے لیے اس کے خاوند کی دوسری بیوی قابلِ برداشت ہے یا اس کی داشتہ۔ ذہنی، روحانی، مادی اور جسمانی صِحت کے جُملہ پہلوؤں پر غور فرمایئے۔

۸۔ کیا کسی باحمیّت و باغیرت عورت کے لیے یہ مُناسب ہے کہ وہ گھر کی مالکہ بن کر رہے، اس کا خاوند اس کے آرام کا ذمہ دار، اس کی ناموس کا مُحافظ ہو، اس کی اولاد جائز اولاد متصوّر ہو اور سوسائٹی میں اسے باعزت مقام حاصل ہو یا ایسی عورت بن کر رہے جس کا حُسن و شباب ہوسناک نگاہوں کا کھلونا بنا رہے لیکن نہ کوئی اس کی اَولاد کا باپ بننا گوارا کرے اور نہ کوئی دوسری ذمہ داری لینے کے لیے تیار ہو۔

۹۔ کیا یورپ اور امریکہ اپنی تمام سائنسی ترقی کے باوجود حرامی بچوں اور کنواری ماؤں کی تعداد میں ہوش رُبا اضافہ کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص11

اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا

کہ تم ان میں عدل نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ۵ ہی یا کنیزیں جن کے مالک ہوں تمہارے دائیں ہاتھ۔ یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم ایک

تَعُوْلُوْا ۳ؕ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ

طرف ہی نہ جھک جاؤ ۹ اور دیا کرو (اپنی) عورتوں کو ان کے مہر ۶ خوشی خوشی پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں

باعث پریشان نہیں۔ (یو۔این۔او۔ کی رپورٹ کے مطابق بعض یورپین ممالک میں ناجائز ولادتوں کا اوسط ساٹھ فیصدی تک پہنچ گیا ہے)۔

یہ حقائق ہیں جن کو تسلیم کرتے ہوئے یہی مشکلات ہیں جن کا حل پیش کرتے ہوئے اِسلام نے جو دینِ فِطرت ہے ضرورت کے وقت ایک سے زائد بیوی سے نکاح کرنے کی اِجازت دی ہے۔ خود مغرب کے کئی مفکّر اپنے معاشرہ کی اخلاقی پستی اور اس میں ایسی عورتوں اور ناجائز بچوں کی زبُوں حالی کو دیکھ کر چیخ اُٹھے ہیں اور برملا کہنے لگے ہیں کہ قرآن کے قانون پر عمل کیے بغیر اب کوئی چارہ کار نہیں۔

۵ لیکن اگر ہم ذرا حقیقت پسندی سے کام لیں تو ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہم نے اس رخصت کا اکثر ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ ہمارے ہاں گنتی کے چند افراد کے سوا جو لوگ بھی دوسری شادی کرتے ہیں ہوس رانی اور لذت طلبی کے بغیر ان کے پیشِ نظر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ نیز نئی نویلی دلہن کے حضور میں یوں متاعِ ہوش لُٹا دی جاتی ہے کہ پہلی بیوی کے جملہ حقوق فراموش کر دیئے جاتے ہیں۔ شریفانہ برتاؤ تک نہیں کیا جاتا۔ اُس کے شکم سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بھی اپنے ہوش باختہ باپ کی شفقت سے یکسر محروم ہو جاتی ہے۔ ہم بھی تو ذرا انصاف کریں کہ کیا خدائے بزرگ و برتر کا، اس کے رسولِ معظّم کا ہمیں یہی حکم ہے؟ دین اسلام نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے؟ وہاں تو یہ تصریح ہے کہ اگر تم دونوں بیویوں میں عدل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو صرف ایک بیوی کی اجازت ہے۔ کاش مسلمان اپنی بدعملیوں سے اپنے پاکیزہ دین کو داغدار نہ کریں۔ اور اپنے حسنِ عمل سے اِسلام کی تعلیمات کی صداقت کو نمایاں کرنے کے بجائے اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کے باعث طالبانِ حق اور متلاشیانِ ہدایت کو اِس دین برحق سے متنفّر کرنے کا سبب نہ بنیں۔

۹ لفظ تَعُوْلُوْا کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی حضرت ابن عباس اور مجاہد سے نقل کرتے ہیں۔ یُقَالُ عَالَ الرَّجُلُ یَعُوْلُ اِذَا جَارَ وَ مَالَ وَ مِنْهُ قَوْلُهُمْ عَالَ السَّهْمُ عَنِ الْهَدَفِ اِذَا مَالَ عَنْهُ (1) یعنی عال کا معنی ہے ظلم کرنا، ایک طرف جھک جانا۔ جب تیر نشانہ سے ہٹ جائے تو کہتے ہیں عَالَ السَّهْمُ لیکن اس کا ایک اور معنی اِمام شافعی سے منقول ہے اَلَّا تَعُوْلُوْا اَیْ لَا تُكْثِرُوْا عِيَالَكُمْ (2) کہ تمہارے بال بچے زیادہ نہ ہو جائیں۔ یعنی اگر تم ایک بیوی پر اِکتفا کرو گے تو کثرتِ اولاد تمہیں پریشان نہیں کرے گی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص20 2۔ ایضاً، جز5، ص21

عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝۴ وَلَا تُؤْتُوا

کچھ اس سے خوش دِلی سے تو کھاؤ اُسے لذّت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے اور نہ دے دو اللہ

السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

نادانوں کو اپنے مال ۱۲ جنھیں بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمھاری (زندگی کے) لیے سہارا اور کھلاؤ انھیں

۱۰ اِس آیت سے مہر کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور جب تک عورت خوشی سے سارا مہر یا اس کا کوئی جُز معاف نہ کر دے وہ مرد کے ذمّہ واجب الادا رہتا ہے۔ نِحْلَۃٌ اس عطیّہ کو کہتے ہیں جو خوشی خوشی کسی معاوضہ کے لالچ کے سوا دیا جائے۔ نِحْلَۃٌ عَطِیَّۃٌ اِذَا اَعْطَاہُ اِیَّاہُ عَنْ طِیْبِ نَفْسٍ بِلَا تَوَقُّعِ عِوَضٍ (بیضاوی)(1)

۱۱ یتیم بچوں اور بچیوں کے مال ضائع ہونے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ ان کے اموال اس وقت ان کے سُپرد کر دیئے جائیں جب کہ مال کے صحیح اِنتظام، اسے نفع بخش کاروبار میں لگانے کی قابلیت ان میں مفقود ہو۔ اس حالت میں ان کے سرپرست ان کے مال اگر ان کے سُپرد کر دیں گے تو وہ چند دنوں میں اسے اُڑا کے رکھ دیں گے۔ اور جب ان کی چشمِ ہوش وا ہو گی تو وہ اپنے آپ کو فقر و افلاس کی زنجیروں میں بندھا ہوا پائیں گے۔ اِس لیے اس آیت میں یہ فرمایا کہ اگر وہ باشعور نہیں تو ان کا مال حفاظت سے اپنے پاس رکھو اور ان کے خورونوش اور لباس کا اہتمام کرو اور اُن کو خوش اسلوبی سے بتاتے رہو کہ یہ مال و متاع تمہارا ہی ہے اور ہم نے تمہاری بہتری کے لیے اِسے اپنے پاس سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ اور جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو ہر چیز تمہارے حوالہ کر دی جائے گی۔

۱۲ اِس آیت میں دو لفظ آپ کی خصوصی توجہ کے مُستحِق ہیں۔ اَمْوَالَھُمْ (ان کے مال) کی بجائے اَمْوَالَکُمْ فرمایا کہ یتیموں کا مال اگرچہ انہیں کا ہے لیکن کیونکہ وہ اور تم سب ایک ملت کے فرد ہو اِس لیے گویا وہ تمہارا ہی ہے۔ اس کی حفاظت اور نگہداشت بالکل یوں کرو جیسے اپنے مال کی کرتے ہو۔ وحدتِ مِلّی اور تکافلِ اِجتماعی کا یہ وہ محبّت آفرین سبق ہے جس کی طرف قرآن ہر مُناسب موقع پر ہماری توجّہ مبذول کراتا ہے۔ دوسرا امر جو غور طلب ہے وہ آیت کا یہ حصہ ہے اَلَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیَامًا یعنی مال جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کا سہارا بنایا ہے۔ اِن الفاظ سے مال کی اَہمیت اور قدر و قیمت کا اِظہار مقصود ہے۔ یعنی مال فضولِ اور قابل نفرت چیز نہیں بلکہ یہ تو تمہاری معاشی خُوشحالی اور ترقی کا ستون ہے۔ اگر تم اس کو بے جا خرچ کر دیا کرو گے تو تمہیں معاشی اور اِقتصادی فارغ البالی نصیب نہیں ہو سکے گی۔ اسے سنبھال کر رکھو اور سمجھ کر خرچ کرو۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:103

فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى

اس مال سے اور پہناؤ انھیں اور کہو ان سے بھلائی کی بات اور آزماتے رہو[۱۳] یتیموں کو

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا

یہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر) کو پس اگر محسوس کرو تم ان میں دانائی تو لوٹا دو

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ

انھیں ان کے مال اور نہ کھاؤ انھیں فضول خرچی سے اور جلدی جلدی اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ

اور جو سرپرست غنی ہو تو اسے چاہیئے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے اور جو سرپرست فقیر ہو[۱۴] تو وہ کھا لے

[۱۳] سابقہ آیت میں حکم فرمایا کہ یتیموں کے مال انہیں واپس کر دو۔ اِس آیت میں مال کی واپسی کا وقت اور اس کی شرائط کا ذِکر ہے۔ جب یہ دو چیزیں بلوغ اور رُشد اُن میں پائی جائیں تو ان کے اموال ان کے حوالہ کر دو۔ رُشد سے مُراد مالی اِنتظام اور کاروبار کی سوجھ بوجھ ہے۔ یتیموں کی صلاحیّت اور قابلیت کو آزمانے کا ایک تو یہ طریقہ ہے کہ اِبتداء میں انہیں ان کے مال کی قلیل سی مقدار دے دی جائے۔ اگر اس میں تصرّف سے ان کی ہونہاری کے آثار نمایاں ہوں تو سارا مال اُن کے سپرد کر دو۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اُن سے وقتاً فوقتاً کاروبار اور نظم ونسق کے سلسلہ میں مشورہ طلب کیا جائے اور اگر ان کی رائے میں سنجیدگی اور عقلمندی پائی جائے تو ان کی چیز ان کے حوالہ کر دو۔ کورٹ آف وارڈز (COURT OF WARDS) کا قانون انہیں آیات سے ماخوذ ہے۔

ان آیات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اِسلام اگرچہ اِنفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے ناجائز اِستعمال کی اِجازت نہیں دیتا۔ اگر کوئی شخص اپنی دولت کو یوں خرچ کرنا شروع کر دے جس سے اس کو بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور قوم کا نظامِ اخلاق اس کی بے راہ روی سے داغدار ہو رہا ہو تو حکومت کو حق پہنچتا ہے بلکہ حکومت پر لازم ہو جاتا ہے کہ اس کی مُطلق العنانی کو مقید کر دے۔

[۱۴] یتیم کا سرپرست جو اس کی تربیت اور اس کے مال کا نظم ونسق کرتا ہے کیا وہ کسی اُجرت کا مُستحق ہے؟ اس کے متعلق بتایا کہ سرپرست اگر غنی ہے تو اُسے یتیم کے مال سے کوئی معاوضہ نہیں لینا چاہیے اور یہ سب خدمت حسبۃً لِلّٰہ کرنی چاہیے اور اگر وہ تنگدست ہے پھر اسے اپنی جائز ضروریات (کھانا، کپڑا وغیرہ) مُناسب طریق سے پوری کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن اکثر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص34 (ملخصاً)

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

مُناسب مِقدار سے پھر جب لوٹاؤ تم ان کی طرف ان کے مال تو گواہ بنا لو

عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ

ان پر ۱۵ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا ۱۶ مردوں کے لیے حِصّہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے

الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

ماں باپ اور قریبی رِشتہ دار ۱۷ اور عورتوں کے لیے حِصّہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷ وَاِذَا

اور قریبی رِشتہ دار اس ترکہ سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حِصّہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے اور جب

عُلماء نے بطور احتیاط یہ حکم دیا ہے کہ اس حالت میں بھی قرضہ حسنہ کی نیّت سے لے اور یہ ارادہ کرے کہ جب مولیٰ تعالیٰ نے اسے خوشحال کیا تو وہ یہ قرض ادا کر دے گا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک تھا(1)۔ بِالْمَعْرُوْفِ کا یہ معنی ہے کہ اگر اس خرچ کو کسی غیر جانبدار آدمی کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اسے ناجائز قرار نہ دے۔

۱۵ ایک واضح اِرشاد فرمایا کہ جب مال یتیم کو واپس کرنے لگو تو چپکے چپکے پوشیدہ طور پر واپس نہ کرو بلکہ گواہوں کی موجودگی میں ایک ایک چیز انہیں لوٹا دو۔ اِس طرح کسی قسم کی غلط فہمی بھی پیدا نہیں ہوگی اور آئندہ کسی جھگڑے کا خدشہ بھی ختم ہو جائے گا۔

۱۶ آخر میں تنبیہ فرما دی کہ تم لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال سکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے تمہارا کوئی فعل پوشیدہ نہیں۔ اگر تم نے ان کے مال میں خیانت کی تو یاد رکھو اس کے حضور پائی پائی کے لیے جواب دِہ ہونا پڑے گا۔

۱۷ عرب میں میراث کی تقسیم کا یہ قاعدہ تھا کہ عورتیں اور چھوٹے بچے اپنے مرنے والے باپ اور خاوند وغیرہ کی وراثت سے یکسر محروم کر دیئے جاتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی کہ جو میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینے کے قابل نہیں وہ میراث پانے کا بھی حقدار نہیں۔ بھارت میں بھی عورت وارث شمار نہیں کی جاتی تھی۔ اور یورپ میں تو گنگا ہی اُلٹی بہہ رہی تھی۔ صرف بڑا لڑکا وارث بنتا دوسرے لڑکے بھی محروم رہ جاتے۔ یہ حالت تھی جب قرآن کی یہ اِنقلاب آفرین آیت نازل ہوئی۔ جس نے عورتوں کو مردوں کی طرح وارث قرار دیا۔ بڑے لڑکے کی تخصیص ختم کر کے سب لڑکوں کو اپنے متوفی باپ کی وراثت میں برابر کا شریک بنایا۔ چھوٹی اور بڑی تمام جائیدادوں میں ورثاء کو حسبِ حصہ حقدار تسلیم کیا۔ نصیبا مفروضا کے الفاظ سے واضح کر دیا

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج4، ص389

حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ

حاضر ہوں (ورثہ کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم بچے اور مسکین ۱۸ تو دو انھیں بھی

مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا

اس سے اور کہو ان سے اچھی بات اور چاہیئے کہ ڈریں جو (یتیموں کے سرپرست ہیں اور سوچیں) کہ اگر چھوڑ

مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ

جاتے وہ اپنے پیچھے چھوٹے کمزور بچے ۱۹ تو وہ کتنے فکرمند ہوتے ان کے متعلق پس چاہیئے کہ وہ ڈریں اللہ سے

وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى

اور کہیں ایسی بات جو بالکل درست ہو بے شک وہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال

ع ۱۱ ۱۲ ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰ ع

ظلم سے وہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور وہ عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی آگ میں

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ

حکم دیتا ہے تمھیں ۲۰ اللہ تمھاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں ایک مرد (لڑکے) کا (حصہ) برابر ہے ۲۱ دو عورتوں (لڑکیوں) کے حصہ کے

کہ یہ حصے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ اس میں ردّ و بدل کا کسی کو اختیار نہیں۔

۱۸ قانونِ میراث کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ایک اخلاقی ضابطہ کا ذِکر بھی کر دیا کہ متروکہ جائیداد کے وارث تو وہی ہیں جن کا ذکر تفصیلاً آگے آ رہا ہے۔ لیکن اگر تقسیم کے وقت غیر وارث رِشتہ دار، محلہ کے یتیم بچے، بستی کے غریب لوگ جمع ہو جائیں تو ان کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو اور ترش لب و لہجہ میں ان سے گفتگو نہ کرو جس سے ان کی دل شکنی ہو۔

۱۹ کتنا مؤثّر اور دلنشین اندازِ نصیحت ہے۔

۲۰ اسلام نے صحت مند معاشرہ کو معرضِ وجود میں لانے کے لیے کُنبہ کو بڑی اہمیّت دی ہے اور اس کے افراد کے مفاد کو یوں ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا ہے کہ محبت و قرابت کا باہمی رشتہ کبھی ٹوٹنے نہ پائے۔ اس کے لیے جو وسائل اختیار کیے ہیں انہیں

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ

پھر اگر ہوں صرف لڑکیاں دو سے زائد تو ان کے لیے دو تہائی ہے جو میّت نے چھوڑا اور اگر ہو

كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

ایک ہی لڑکی تو اس کے لیے نِصف ہے اور میّت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو

میں سے ایک نظام میراث ہے۔ زندگی میں اگر کنبہ کا کوئی فرد افلاس وغُربت کا شکار ہو جائے تو دوسرے افراد پر اس کے نفقہ کو فرض قرار دیا۔ اسی طرح موت کے بعد متوفی کے قریبی رِشتہ داروں میں اس کی جائیداد کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تا کہ زندگی اور موت میں کنبہ کا مفاد یوں باہم پیوستہ رہے کہ جُدائی کا خیال ہی ان میں راہ نہ پا سکے۔ کُنبہ کے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے نظامِ وراثت میں **قرابت** کا اصول پیشِ نظر رکھا گیا۔ میراث میں حصہ کے ملنے یا نہ ملنے اور حصہ کے کم یا زیادہ ہونے میں رِشتہ کی نزدیکی اور دوری کو بہت بڑا دخل ہے۔ دوسرا اصول **ضرورت** ہے۔ یعنی قریبی رِشتہ داروں میں حِصّہ کی کمی بیشی کا مدار ضرورت کو قرار دیا۔ جتنی کسی کی ضروریات زیادہ اور ذمّہ داریاں کثیر ہوں گی اسی لحاظ سے اس کا حصہ مقرر کیا جائے گا۔ مثلاً متوفی کے والدین اور اس کی اولاد کی قرابت بالکل مُساوی نوعیت کی ہے لیکن اولاد جو زندگی کے سفر کا اب آغاز کر رہی ہے اس کی ضروریات والدین کی ضروریات سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جو اس طویل سفر کی آخری منزل میں قدم رکھ چکے ہیں۔ نیز والدین کے پاس تو زندگی بھر کا کُچھ نہ کُچھ اندوختہ ہوتا ہی ہے اور اولاد بالکل خالی ہاتھ ہے۔ یہی فرق لڑکی اور لڑکے میں ہے۔ لڑکی پر کسی قسم کی ذمّہ داری نہیں۔ شادی سے پہلے اس کے والدین اس کی تمام ضروریات کے کفیل ہیں اور شادی کے بعد اس کی رہائش، لباس، خورونوش کی تمام تر ذمّہ داری خاوند پر ہے۔ اس کی اولاد کی تعلیم وتربیت کے جملہ مصارِف بھی اس کے خاوند کے ذمّہ ہیں۔ مزید برآں عملی زندگی کی سرگرمیاں جس سرمایہ کی محتاج ہیں اس کا مہیّا کرنا بھی مرد کی ذمّہ داری ہے۔ یہ حقائق ہیں جن کے پیشِ نظر اِسلام نے والدین اور اولاد، عورت اور مرد کے حصّوں میں فرق کیا ہے۔ اور یہ فرق ہی عین عدل ہے۔ اِن اِمتیازات کی موجودگی میں ان کے حصوں کو مساوی رکھنا مُساوات تو ہوگی لیکن کھوکھلی اور ظالمانہ، اور اسلام صرف اس مساوات کا علمبردار ہے جو عدل واِنصاف پر مبنی ہو۔ تیسرا اصول تقسیم دولت ہے۔ اِسلام چاہتا ہے کہ دولت سِمٹ کر چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو جائے اور وراثت کی تقسیم میں بھی اِس اصول کو ملحوظ رکھا۔ اس لیے صرف بڑے لڑکے یا صرف لڑکوں کو ہی وارث تسلیم نہیں کیا بلکہ تمام اولاد لڑکے اور لڑکیاں اور ان کے علاوہ کئی اور رشتہ داروں کو وارث قرار دیا تا کہ زیادہ سے زیادہ افراد میں یہ دولت تقسیم ہو۔ یہ وہ تین اصول ہیں (قرابت، ضرورت، تقسیم دولت) جن پر اِسلام کا یہ بے نظیر نظامِ وارثت قائم ہے۔ (اِن سطور میں مَیں نے اپنے استاد اور مصر کے شہرۂ آفاق عالم شیخ محمد ابوزہرہ کے مقالہ ''شریعۃ القرآن'' کا حاصل پیش کیا ہے جو ماہنامہ ''المسلمون'' رجب ۱۳۷۱ھ میں شائع ہوا تھا۔ اب حضرت الاستاذ کا اِنتقال ہو گیا ہے۔ اللہ کریم اُنہیں جنّت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین)

۱۲ اولاد کے وارث ہونے کی چار صورتیں ہیں: (۱) لڑکے بھی ہوں اور لڑکیاں بھی اِس صورت میں لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو

السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ

چھٹا حصّہ ملے گا ۲۲ اس سے جو میّت نے چھوڑا بشرطیکہ میّت کی اَولاد ہو اور اگر نہ ہو اس کی اَولاد

وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ

اَور اس کے وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصّہ ہے (باقی سب باپ کا) اور اگر میّت کے بہن بھائی بھی ہوں تو ماں کا

السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ

چھٹا حصّہ ہے (اور یہ تقسیم) اس وصیّت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو میّت نے کی اور قرض ادا کرنے کے بعد۔ تمہارے باپ اور

اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ

تمہارے بیٹے ۲۳ تم نہیں جانتے کون ان میں سے زیادہ قریب ہے تمہیں نفع پہنچانے میں یہ حصّے مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ

طرف سے بے شک اللہ تعالیٰ (تمہاری مصلحتوں کو) جاننے والا ہے بڑا دانا ہے اور تمہارے لیے نصف ہے جو چھوڑ جائیں

ایک حصہ ملے گا۔ (۲) صرف ایک لڑکی ہو۔ اِس صورت میں لڑکی نصف جائیداد کی وارث ہوگی۔ (۳) صرف دو لڑکیاں ہوں۔ (۴) یا دو سے زائد اور لڑکا کوئی نہ ہو۔ ان دونوں صورتوں میں لڑکیوں کو جائیداد کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

۲۲ والدین کے وارث بننے کی تین مختلف صورتیں ہیں (۱) ماں باپ بھی موجود ہوں اور اولاد بھی ہو خواہ لڑکا یا لڑکی ایک یا زیادہ، اس صورت میں ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور بقایا ۴/۶ اولاد میں حسبِ قاعدہ تقسیم ہوگا (۲) صرف ماں باپ وارث ہوں۔ میّت کی اولاد بھی نہ ہو اور بہن بھائی بھی نہ ہوں اس صورت میں ماں کا ۳/۱ اور بقیہ دو تہائی باپ کا۔ یہاں بہن بھائی کے نہ ہونے کی تصریح نہیں کی کیونکہ تیسری صورت میں اس کی وضاحت آ رہی ہے۔ (۳) میّت کی اولاد تو نہ ہو لیکن اس کے بھائی یا بہن ہوں۔ اس صورت میں ماں کو چھٹا حصہ اور بقیہ ۵/۶ باپ کو۔ بھائی بہن خواہ عینی ہوں یعنی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوں خواہ علاتی یعنی باپ ایک مائیں الگ الگ یا اخیافی یعنی ماں ایک باپ الگ الگ۔ ان سب حالتوں میں ایک ہی حکم ہے۔ باپ کے باعث بھائی بہنوں کو حِصّہ نہ ملے گا۔

۲۳ سابقہ حصص بیان کرنے کے بعد یہ وضاحت فرما دی کہ اِن حصص کو خُدائے علیم و خبیر نے اپنی حکمتِ کاملہ سے مقرر فرمایا ہے تمہیں یہ اِختیار نہیں کہ ان میں ردّ و بدل کرو۔ اور اگر یہ بات تمہاری صوابدید پر چھوڑی جاتی تو تم اپنی عارضی اور وقتی مصلحتوں اور

اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ

تمہاری بیویاں ۲۴ بشرطیکہ نہ ہو ان کی اَولاد اور اگر ہو ان کی اَولاد تو تمہارے لیے

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ

چوتھائی ہے اس سے جو وُہ چھوڑ جائیں (یہ تقسیم) اس وصیّت کے پُورا کرنے کے بعد ہے جو وُہ کر جائیں اور قرض ادا کرنے کے بعد۔

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ

اور تمہاری بیویوں کا چوتھا حصّہ ہے اس سے جو تم چھوڑو بشرطیکہ نہ ہو ۲۵ تمہاری اَولاد اور اگر ہو

لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

تمہاری اَولاد تو ان کا آٹھواں حصّہ ہے اس سے جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ (یہ تقسیم) اس وصیّت کو پُورا کرنے کے بعد ہے جو

تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ

تم نے کی ہو اور (تمہارا) قرض ادا کرنے کے بعد۔ اور اگر ہو وُہ شخص جس کی میراث تقسیم کی جانے والی ہے کلالہ ۲۶ وُہ

مفاد کے زیرِ اثر معلوم نہیں کیا کیا ترمیمیں کرتے رہتے۔

۲۴ بیوی کی وارثت تقسیم کرنے کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ متوفیہ بیوی کی کوئی اولاد نہ ہو نہ لڑکی نہ لڑکا نہ تم سے اور نہ کسی دوسرے خاوند سے۔ اس صورت میں نصف خاوند کو ملے گا اور بقیہ نصف دوسرے وارثوں میں حسبِ قاعدہ شرعی تقسیم ہوگا۔

۲۔ اس کی کوئی اَولاد ہو تو اس صورت میں چوتھائی خاوند کو ملے گا اور بقیہ دوسرے وارثوں کو۔

۲۵ خاوند کی وراثت تقسیم کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) خاوند کی کوئی اولاد نہ ہو نہ لڑکا نہ لڑکی نہ موجودہ بیوی سے نہ کسی دوسری بیوی سے تو چوتھائی بیوی کو ملے گا خواہ ایک ہو یا زیادہ اور اگر خاوند کی اولاد ہو (بہ تفصیل سابق) تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ ایک ہو یا زیادہ۔ بقیہ دیگر وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

۲۶ کلالہ اس مرد یا عورت کو کہا جاتا ہے جس کی نہ اَولاد ہو اور نہ اس کے والدین زندہ ہوں۔ اگر اس کے وارث عینی یا علاتی بہن بھائی ہوں تو ان کا ذِکر آخر سورت میں آئے گا۔ اور اگر اس کے اخیافی (یعنی ماں کی طرف سے سگے) بہن بھائی ہوں تو ان کا حکم یہاں ذِکر فرمایا۔ اس کی دو صورتیں ہیں یا تو ایک بھائی یا ایک بہن وارث ہوگی تو اس صورت میں اس کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور

اِمْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ

مرد ہو یا عورت اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لیے ان میں سے چھٹا حصّہ ہے اور اگر

كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ

وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب شریک ہیں تہائی میں (یہ تقسیم) وصیّت پوری کرنے کے

وَصِیَّةٍ یُّوْصٰی بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ۙ غَیْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِیَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ

بعد ہے جو کی گئی ہے ۲۷ اور قرض ادا کرنے کے بعد بشرطیکہ اس سے ۲۸ نقصان نہ پہنچایا گیا ہو۔ (یہ نظامِ وراثت) حکم ہے اللہ کی طرف سے

اگر وہ ایک سے زائد ہوں تو سب کو تہائی حصہ ملے گا اور سب میں برابر تقسیم ہوگا۔

۲۷ شریعتِ اِسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو تجہیز و تکفین کے بعد سب سے پہلے اس کا قرض ادا کیا جائے بعد ازاں اس کی وصیّت پر عمل کیا جائے اور اس کے بعد بقیہ ترکہ حسب اَحکام قرآنی وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔ قرض کی ادائیگی کا مقدم ہونا تو عین اِنصاف ہے۔ وصیت کے بارے میں شریعت نے چند ایک قیود عائد کی ہیں۔ اور اسلام سے پہلے وصیت کے بارے میں جو طریقہ رائج تھا اس میں اِصلاح کر دی تا کہ اس طریقہ میں جو بے راہ روی رُونما ہو چکی تھی اس کا سدِّ باب کر دیا جائے۔ اہلِ عرب کا یہ دستور تھا کہ مرنے والا اپنی جائیداد کی ایسے لوگوں کے نام وصیت کر جاتا جن سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ اور اپنی اولاد کو محروم کر دیتا اور اس فعل کو شرافت و سخاوت کا کمال شمار کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے راہ روی کے اِنسداد کے لیے اَحکام وراثت نازل فرمائے اور تمام رِشتہ داروں کے حصے مقرر کر دیئے اور ان میں ردّ و بدل اور کمی بیشی کرنے سے صاف الفاظ میں منع فرمایا لیکن بسا اَوقات کوئی اجنبی یا غیر وارث رِشتہ دار وارثوں سے کہیں بڑھ کر کسی کی خدمت کرتا ہے اور وہ شخص اس کا معاوضہ اسے دینا چاہتا ہے یا کسی کارِ خیر میں حصہ لینا چاہتا ہے تو اس سے بھی اسے محروم نہیں کیا گیا بلکہ جائیداد کے ۱/۳ حصہ میں اسے وصیّت کرنے کا حق دیا۔ قرآن حکیم نے وصیّت کے لیے غَیْرَ مُضَآرٍّ کی قید لگائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی حد ۱/۳ مقرر فرما دی اور وصیّت کی اِجازت صرف ان لوگوں کے لیے دی گئی ہے جو وارث نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر وارث کے لیے بھی وصیت جائز رکھی جاتی تو پھر قواعدِ میراث بالکل معطّل ہو کر رہ جاتے۔ اِس لیے حضور رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ (1)۔ ''یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حصہ عطا فرما دیا ہے اس لیے اب کسی وارث کے لیے وصیت کی اجازت نہیں''۔ بعض لوگ وارث کو وصیّت سے محروم کرنے اور وصیّت کو ۱/۳ تک محدود کرنے پر بڑے برافروختہ ہوتے ہیں کاش وہ اِسلام کے حکیمانہ نظام میں غور کریں۔ (اِس پر سیر حاصل بحث میری تالیف سُنّت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ملاحظہ فرمائیں)

۲۸ اگرچہ یہ قید تمام سابقہ آیات میں بھی ملحوظ ہے لیکن یہاں تصریح کی اس لیے زیادہ ضرورت ہوئی کہ جب انسان کی اولاد یا

1۔ جامع ترمذی، ابواب الوصایا لا وصیۃ لوارث، ج2، ص33

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے یہ حدیں ۲۹؎ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) ہیں اور جو شخص فرمانبرداری کرے گا اللہ کی اور اُس کے رسول کی

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ

داخل فرمائے گا اسے اللہ تعالیٰ باغوں میں بہتی ہوں گی جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ

یہی ہے بڑی کامیابی اور جو نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا

ع ۲ ۱۳ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع

اللہ کی (مقررہ) حدوں سے داخل کرے گا اُسے اللہ آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ

اور جو کوئی اِرتکاب کرے بدکاری کا ۳۰؎ تمھاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو (تہمت لگانے والے سے) ان پر

والدین نہیں ہوتے تو وہ اپنے دوسرے وارثوں کو محروم کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے کرتا ہے۔ کسی کو بلاوجہ وصیّت کردی، کسی کا فرضی قرضہ اپنے اُوپر تسلیم کرلیا تاکہ اس کی جائیداد بٹ جائے اور اِس کے وارثوں کو نہ ملے اس لیے یہاں مضار کے الفاظ صراحۃً ذِکر فرمادیئے۔

۲۹؎ اِن دو آیات سے نظامِ وراثت کی اہمیت کی طرف توجّہ دلائی، اس پر عمل پیرا ہونے کا تاکیدی حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کامل اطاعت کی توفیق بخشے اور اپنی اور اپنے رسول کی نافرمانی سے محفوظ رکھے۔ آمین

۳۰؎ دوسری بُرائیوں کی طرح زنا بھی جاہلیت میں عام تھا۔ پیشہ ور عورتیں اپنے مکانوں پر مخصوص پرچم لہرایا کرتیں۔ اِس فعل شنیع کے اِرتکاب کو (چند ذی شرف خاندانوں کی مستورات کے علاوہ) چنداں معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے اِس فعل بد کی روک تھام کے لیے صرف وعظ ونصیحت پر اِکتفا نہیں کیا بلکہ اِس کا ارتکاب کرنے والے کے لیے سزا، اور سزا بھی سنگین مقرر کی۔ لیکن اِبتداء ہی میں اِس سنگین سزا کا نفاذ نہیں فرمایا بلکہ آہستہ آہستہ اور تدریجاً۔ ان دو آیتوں میں ابتدائی زمانہ میں جو سزا مقرر ہوئی اس کا ذِکر ہے۔ سدی، قتادہ اور کئی دوسرے ائمہ تفسیر کے نزدیک پہلی آیت شادی شدہ عورتوں کے متعلّق ہے کہ اگر وہ اس

اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِى الْبُيُوْتِ حَتّٰى

چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وُہ گواہی دے دیں تو بند کردو اُن عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ

يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا

پُورا کردے ان (کی زندگی) کو موت یا بنادے اللہ تعالیٰ ان (کی رہائی) کے لیے کوئی رستہ اور جو مرد عورت ارتکاب کریں

مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

بدکاری کا تم میں سے تو خوب اذیّت دو انھیں پھر اگر دونوں توبہ کرلیں اور (اپنی) اِصلاح کرلیں تو چھوڑ دو انھیں بے شک اللہ تعالیٰ

كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔ توبہ [۳۱] جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے ذِمّہ لیا ہے ان کی توبہ ہے جو کر بیٹھتے ہیں

جُرم کا ارتکاب کریں تو انہیں اُن کے گھروں میں بطور سزا بحکمِ حاکم نظر بند کردیا جائے یہاں تک کہ اُن کی زندگی ختم ہوجائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی دوسرا حکم نازل فرمادے۔ (یہ آخری کلمات اِس بات کا صاف پتہ دیتے ہیں کہ یہ عُمر قید کی سزا عارضی سزا ہے اور اس کے بعد کوئی دوسری سزا تجویز ہونے والی ہے) اور دوسری آیت میں غیر شادی شدہ مرد و عورت کی سزا کا ذکر ہے۔ لیکن یہ سزا تب دی جائے گی جب جُرم ثابت ہوجائے اور اس جُرم کا تعلق کیونکہ عزت و آبرو سے ہے اِس لیے اِس کے اِثبات کے لیے دو نہیں چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ چاروں گواہ مسلمان ہوں، مرد ہوں، عاقل ہوں اور آزاد ہوں۔ کچھ عرصہ بعد سورۂ نور کی آیت (الزانیۃ والزانی) نازل ہوئی جس میں غیر شادی شدہ زنا کار عورت اور مرد کی سزا بیان کی گئی (1) اور سُنّت صحیحہ نے شادی شدہ عورت و مرد کی سزا رجم مقرر فرمائی۔ (اس کا تفصیلی بیان سورۂ نور میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ)

[۳۱] توبہ کا لغوی معنی رجوع کرنا اور لَوٹ آنا ہے (2) یعنی جس سمت میں آپ چلے جارہے ہیں ادھر سے منہ پھیر کر دوسری سمت میں چل پڑیں۔ توبہ شرعی میں بھی یہی معنی ملحوظ ہے کہ انسان گناہ و معصیت کی جس راہ پر اپنی کم عقلی اور کج فہمی کے باعث بھاگا چلا جارہا ہے اس سے رُخ موڑ کر نیکی اور تقویٰ کی شاہراہ پر گامزن ہوجائے۔ اسی لیے محققین نے توبہ کی قبولیت کے لیے متعدد شُروط بیان فرمائی ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں۔ (۱) ندامت (۲) اس گناہ سے اسی وقت باز آجانا۔ (۳) دوبارہ یہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ (۴) وَاَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ حَيَاءً مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا مِنْ غَيْرِهٖ۔ یعنی یہ سب کچھ اللہ جل مجدہ سے شرمسار ہوکر کرے۔ ایسی توبہ کو قبول فرمانے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے (3)۔ جَهَالَة کا معنی نہ جاننا ہے اور اس سے مُراد وہ کیفیت ہے کہ جب انسان رذیل

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج4، ص436 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج2، ص47 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص91

السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ

گناہ بے سمجھی سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے ۳۲ پس یہی لوگ ہیں (نظرِ رحمت سے) توجّہ فرماتا ہے اللہ ان پر

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ

اور ہے اللہ تعالےٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا اور نہیں یہ توبہ (جس کے قبول کرنے کا وعدہ ہے) ان لوگوں کے لیے جو کرتے رہتے ہیں برائیاں (ساری عمر)

حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ

یہاں تک کہ جب آ جائے کسی ایک کو ان میں سے موت (تو) کہے بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ان لوگوں کی توبہ

يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا

جو مرتے ہیں اِس حال میں کہ وہ کافر ہیں انھیں کے لیے ہم نے تیار کر رکھا ہے عذاب دردناک ۳۳ اے

خواہش، ہوائے نفس اور غصہ سے یوں مغلوب ہو جائے کہ اپنے اعمال کے نتائج اس سے پوشیدہ ہو جائیں (1)۔

۳۲ وقت قریب سے مراد یہ ہے کہ وہ جذبات جن سے مغلوب ہو کر اس نے یہ فعلِ بد کیا جب ان کی تیزی ختم ہو جائے تو فوراً بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر توبہ کرے۔ لیکن شریعت نے موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے توبہ کرنے کو صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ ضحاک سے مروی ہے کہ كُلُّ مَا كَانَ قَبْلَ الْمَوْتِ فَهُوَ قَرِيْبٌ (2)۔ لیکن انسان اِس غلط فہمی میں نہ رہے کہ ابھی توبہ کی کیا جلدی ہے موت سے پہلے توبہ کر لوں گا۔ کیا پتہ کہ موت اچانک ہی آ جائے۔ کیا خبر کہ پیہم نافرمانیوں کی نحوست اِحساسِ گناہ کا گلا ہی گھونٹ دے اور توبہ کی توفیق سے ہی محروم کر دے۔ ایک چیز یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات برتر اور اعلیٰ ہے اس چیز سے کہ اس پر کوئی چیز واجب ہو۔ ہاں جسے وہ خود محض اپنے فضل و کرم سے اپنے اوپر واجب کرے۔ اُسی طرح ایسی توبہ کے قبول کرنے کا اس نے محض اپنی مہربانی اور رحمت سے وعدہ فرمایا ہے۔

۳۳ یعنی جو لوگ انجام سے بے خبر اور خوفِ الٰہی سے بے فکر ہو کر روز و شب گناہوں میں مشغول رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ موت کا فرشتہ اُن کا گلا دبوچ لیتا ہے اور زندگی سے بالکل مایوس ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور توبہ توبہ کہنے لگتے ہیں اس کو توبۃ الیأس کہتے ہیں یعنی مایوسی کی توبہ اور ایسی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ نیز وہ بدبخت جو کفر پر مرتا ہے (3)۔ ان دونوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے ان کی بخشش کی کوئی صورت نہیں۔

1۔ تفسیر المنار، زیرِ آیت ہذا، ج4، ص440 2۔ تفسیر قرطبی، زیرِ آیت ہذا، جز5، ص92 3۔ ایضاً، جز5، ص93 (ملخصاً)

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ

اِیمان والو! نہیں حلال تمہارے لیے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی ۳۴ اور نہ روکے رکھو انہیں ۳۵

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ

تاکہ لے جاؤ کچھ حصّہ اس (مہر وغیرہ) کا جو تم نے دیا ہے انہیں بجز اس صورت کے کہ ارتکاب کریں کھلی بدکاری کا

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا

اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں کے ساتھ عمدگی سے ۳۶ پھر اگر تم ناپسند کرو انہیں تو (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو ۳۷ کسی چیز کو

۳۴ عرب میں یہ طریقہ صدیوں سے رائج تھا کہ خاوند کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا اپنے باپ کی جائیداد کی طرح اس کی بیوی (اپنی سوتیلی ماں) کا بھی وارث ہوتا۔ چاہتا تو اس کو جبراً بغیر مہر ادا کیے اپنے نکاح میں لے آتا۔ چاہتا تو اپنی مرضی سے کسی دوسرے آدمی سے اس کی شادی کر دیتا اور مہر خود وصول کرتا اور چاہتا تو اسے ساری عمر یونہی بیوگی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کی میراث کا تنہا وارث بن جاتا(1)۔ مدّتِ دراز سے یہ ظالمانہ رسم نہ صرف عرب میں بلکہ یونان و روم میں بھی رائج تھی۔ قرآنِ حکیم نے مظلوم عورت کی فریاد رسی کی اور مردوں کو اس کی آزادی میں مداخلت کرنے سے سختی سے روک دیا۔

۳۵ اِس آیت سے ایک اور قبیح رسم کا قلع قمع کرنا مطلوب ہے بعض مرد اپنی مالدار بیویوں کو طبعی منافرت کی وجہ سے آباد بھی نہ کرتے اور طلاق بھی نہ دیتے تاکہ وہ یا تو اِسی حالت میں مر جائیں اور یہ ان کے وارث بنیں اور یا وہ انہیں کچھ دے کر طلاق لینے پر مجبور ہو جائیں (2) یا اس شرط پر طلاق دیتے کہ وہ کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ ان تمام چیزوں سے بھی قرآن نے منع فرما دیا ہاں اگر عورت فاحشہ مبینہ کی مُرتکب ہو تو پھر خلع کی اِجازت ہے۔ فاحشہ مبینہ سے مُراد اکثر مفسّرین نے زنا لیا ہے اور حضرت ابن عباس اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم سے بُغض اور نافرمانی بھی منقول ہے۔ اَلْفَاحِشَةُ الْمُبَیِّنَةُ فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ الْبُغْضُ وَالنُّشُوْزُ (3)۔ مقصد یہ ہے کہ اگر عورت کی طرف سے ایسی بات رونما ہو جس کے باعث ازدواجی زندگی تلخ ہو جائے تو پھر مرد کو اجازت ہے کہ جو مہر اس نے بیوی کو دیا ہے وہ اس سے لے کر اسے طلاق دے دے۔

۳۶ کتنی واضح ہدایت ہے بلکہ کتنا کُھلا حکم ہے۔ حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات کا اِرشاد بھی سُن لیجئے خَیْرُكُمْ خَیْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ (4) تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرتا ہو۔ کاش ہم سمجھیں اور اس پر عمل کریں وہ گھر جس میں میاں بیوی میں اَن بن ہو وہ کبھی سچی مسرّتوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی ترقی کر سکتا ہے۔

۳۷ خوابوں کی دنیا اور حقائق کی دنیا میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر تمہاری رفیقۂ حیات کا معیارِ جمال اِتنا اُونچا نہیں جس کا تم تصوّر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص94 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص95-94 3۔ ایضاً، جز5، ص95

4۔ سنن ابن ماجہ، ابواب النکاح باب حسن معاشرۃ النساء، ص:143، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور

وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ

اور رکھ دی ہو اللہ تعالیٰ نے اِس میں (تمہارے لیے) خیر کثیر اور اگر تم ارادہ کر لو[۳۸] کہ بدلو ایک بیوی کو پہلی

زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ

بیوی کی جگہ اور دے چکے ہو تم اسے ڈھیروں مال تو نہ لو اس مال سے کوئی چیز کیا تم لینا چاہتے ہو اپنا مال

بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى

(زمانۂ جاہلیت کی طرح) بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے اور کیوں کر (واپس) لیتے ہو تم مال کو حالانکہ مل جُل چکے ہو تم (تنہائی میں) ایک دوسرے

بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ

سے[۳۹] اور وُہ لے چکی ہیں تم سے پختہ وعدہ اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا[۴۰]

کیے ہوئے تھے۔ یا اس کے اطوار و اخلاق اتنے مثالی نہیں جن کے تم متمنی تھے تو دل برداشتہ ہو کر ازدواج کے اِس رشتہ کو توڑ نہ دو بلکہ ان کوتاہیوں اور خامیوں پر صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے بعید نہیں کہ تمہیں اس بیوی سے ایسی نجیب و سعید اَولاد عطا فرما دے جو تمہارے نام کو روشن کر دے۔ یا جب زندگی کا کارواں آزمائش و ابتلاء کی سنگلاخ وادی میں قدم رکھے تو تمہاری یہ بیوی تمہارے عزم و حوصلہ کو بلند رکھنے میں اس گل رعنا سے زیادہ مفید ثابت ہو جس کی بُوئے وفا اور رنگِ صفا کو بادِ سموم کا ایک ہی جھونکا مُرجھا کر رکھ دے۔ اِنسانی حُسن و جمال کا آئینہ صرف نگاہ ہی تو نہیں اس کے علاوہ اور بھی کئی آئینے ہیں۔

[۳۸] پہلے ذِکر فرمایا کہ اگر عورت کی غلطی اور کوتاہی کی وجہ سے طلاق ناگزیر ہو گئی ہو تو خاوند کو اپنا مہر واپس لینے کا حق ہے لیکن اگر عورت کا کوئی قصور نہ ہو اور پھر بھی تم اسے چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہو تو تمہیں یہ حق حاصل نہیں کہ جو تم پہلے خوشی سے عورت کو دے چکے ہو خواہ اس کی مقدار بہت زیادہ ہو واپس لو۔ اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جہالت کی ایک رسم یہ تھی کہ جب کوئی آدمی دوسری شادی کرنا چاہتا تو وہ پہلی بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا۔ اس طرح اس کو مجبور کر دیتا کہ وہ اس کو مال دے کر طلاق حاصل کرے (1)۔ اس سے بھی مُسلمانوں کو روکا گیا (یورپ آج بھی وہی کر رہا ہے جو اسلام سے پہلے جاہل عرب کیا کرتے تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیّت خواہ نئی ہو یا پرانی اس کا مزاج ایک ہی ہے۔

[۳۹] اَفْضٰی اِفْضَاءٌ سے ہے۔ فراء امام لغت نے اس کا معنی کیا ہے مرد و عورت کا تنہائی میں ملنا خواہ صحبت کے بغیر ہو (2)۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی کو خلوتِ صحیحہ کہتے ہیں۔ اس سے سارا مہر واجب ہو جاتا ہے (3)۔

[۴۰] جیسے ایک سابقہ آیت میں گزرا ہے کہ زمانۂ جہالت میں باپ کے مرنے کے بعد لڑکا اپنی سوتیلی ماں سے جبراً شادی کر لیا

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 5، جز 10، ص 14 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 102 3۔ ایضاً

مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ

مگر جو ہو چکا (اس سے پہلے سو وُہ مُعاف ہے) بے شک یہ فعل بہت بے حیائی اور نفرت کا فعل تھا اور بہت بُرا

ع ۳ ۸ ۱۴ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ

طریقہ تھا حرام کر دی گئیں تم پر ۴۱؎ تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں

وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ

اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں ۴۲؎ جنھوں نے تمھیں دُودھ پلایا اور تمہاری بہنیں

الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ

رضاعت سے اور مائیں ۴۳؎ تمہاری بیویوں کی اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں (پرورش پا رہی) ہیں ان بیویوں سے

کرتا تھا۔ اِس آیت کے نزول سے جبراً شادی تو بند ہو گئی لیکن جانبین کی رضامندی سے یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس آیت میں بالکل ممانعت کر دی گئی۔ علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں بہت سے لوگوں کے نام گنوائے ہیں جنہوں نے اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کیے اور ان سے ان کی اولاد بھی ہوئی (1)۔

۴۱؎ یہاں سے ان عورتوں کا تفصیلاً ذکر ہوتا ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یہ حرمت تین طرح کی ہے۔ حرمتِ نسب، حرمتِ رضاعت اور حُرمتِ مصاہرت۔ پہلے ان عورتوں کا ذکر ہے جن کی حُرمت کا سبب نسب ہے ان کی تعداد سات ہے:

۱۔ ماں (اِس میں دادای، نانی اور اس سے اوپر سب داخل ہیں)

۲۔ بیٹی (اس میں پوتی، نواسی نیچے تک سب داخل ہیں)

۳۔ بہن (سگی اور سوتیلی) ۴۔ پھوپھی ۵۔ خالہ ۶۔ بھتیجی ۷۔ بھانجی۔

۴۲؎ یہاں سے اُن محرمات کا ذِکر ہے جو رضاع کی وجہ سے حرام ہیں۔ ساتوں رشتے جو نسب سے حرام تھے وہی رضاع سے حرام ہیں۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔ (2)

۴۳؎ اب اُن عورتوں کا ذکر ہے جو علاقۂ نکاح کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کے ساتھ اُس وقت تک نکاح حرام ہے جب تک اس کی بیوی اُس کے نکاح میں ہے۔ پہلی قسم بیوی کی ماں اور اس بیوی کی بیٹی جس سے صحبت کی جا چکی ہو۔ لیکن اگر صُحبت سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی بیٹی سے نکاح

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 103 2۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب الجمع بین المرأۃ وخالتہا، ج 2، ص 81، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ، کراچی

الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز

جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر (ان کی بیٹیوں سے نکاح

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ

کرنے میں) اور (حرام کی گئیں) بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشتوں سے ہیں ۴۴ اور (یہ بھی حرام ہے) کہ جمع کرو تم دو

الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۲۳ لا

بہنوں کو ۴۵ مگر جو گزر چکا (سو وہ معاف ہے) یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے

درست ہوگا۔ اور بیٹوں کی بیویاں بھی ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہیں۔ یہی حکم پوتوں اور نواسوں کی بیویوں کا ہے۔ دوسری قسم بیوی کی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی ہیں (1)۔ جب تک بیوی زندہ ہے یا نکاح میں ہے اس وقت تک ان سے نکاح درست نہیں اور اگر بیوی مرجائے یا اُسے طلاق دے دے تو پھر ان سے نکاح کرنا درست ہے۔

۴۴ یعنی ان بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں جو تمہاری پُشت سے ہوں (2)۔ یہ قید اہل عرب کی ایک غلط رسم کو مٹانے کے لیے بڑھائی گئی ہے کہ وہ جن کو متبنّٰی بنایا کرتے اُن کی بیویوں کے بیوہ یا مطلّقہ ہونے کے بعد بھی ان سے نکاح کرنا حرام خیال کرتے۔

۴۵ دو بہنوں کو خواہ وہ حقیقی ہوں یا رضاعی ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے۔ اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھوپھی اور بھتیجی، خالہ اور بھانجی کا ایک عقد میں جمع کرنا ممنوع فرمایا ہے (3) اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ رِشتے محبّت و پیار کے رِشتے ہیں اگر یہ ایک دوسرے کی سوکنیں بن جائیں گی تو محبّت واُنس کی جگہ حسد وعناد جو عام طور پر سوکنوں میں پایا جاتا ہے رُونما ہو جائے گا۔ اِنَّكُمْ اِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ قَطَعْتُمْ اَرْحَامَهُنَّ (مظہری) (4)

1۔ ہدایہ اولین، کتاب النکاح، ج2، ص8-307 2۔ ایضاً، ص308

3۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الجمع بین المرأۃ وعمتھا او خالتھا فی النکاح، ج1، ص452۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب مایکرہ ان یجمع بینھن من النساء، ج1، ص282

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج2، ص63

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ

اور (حرام ہیں) خاوندوں والی عورتیں مگر (کافروں کی وُہ عورتیں) ۴۶ جو تمہارے مِلک میں آجائیں فرض کیا ہے

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

اللہ نے (اِن احکام کو) تم پر اور حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لیے ماسوا ان کے تاکہ تم طلب کرو (ان کو) اپنے مالوں کے ذریعہ

مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ

پاکدامن بنتے ہُوئے نہ زناکار بنتے ہُوئے ۴۷ پس جو تم نے لُطف اُٹھایا ہے ان سے ۴۸

۴۶ یعنی جو عورتیں میدان جنگ میں پکڑی جائیں اور ان کے خاوند دارالحرب میں رہ جائیں تو اُن کا سابقہ نِکاح ٹوٹ جاتا ہے اور حکومتِ اِسلامیہ اس عورت کو جس سپاہی کے حصہ میں دے وہ اس سے ہم بستری کر سکتا ہے۔ جنگی قیدیوں کا مسئلہ ہمیشہ سے حکومتوں کے لیے دردِ سر کا سبب بنا رہا ہے۔ اِسلام نے اپنی فِطری سادگی سے اس کا حل پیش کیا ہے کہ اگر جنگ میں دشمن قوم کے مرد اور عورتیں اسیر بن کر آئیں تو حکومتِ اِسلامیہ کو اِختیار ہے چاہے تو انہیں آزاد کر دے۔ چاہے تو ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ چاہے تو مسلمان قیدیوں کے ساتھ اُن کا تبادلہ کر لے اور اگر مصلحتِ عامہ کا تقاضا یہ ہو کہ انہیں اسیر ہی رکھا جائے تو پھر اس کی اجازت ہے لیکن کیسے؟ جاپان، جرمنی اور رُوس کے قیدی کیمپوں کا یہاں کوئی وجود نہیں جہاں انہیں بھوکا پیاسا رکھا جاتا ہو۔ انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جاتی ہوں اور ان سے رات دن جبری مزدوری لی جاتی ہو۔ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ انہیں سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ہر سپاہی اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھے۔ جو اسیر عورت کسی کے حصہ میں آئے وہ ایک ماہواری گزرنے کے بعد اس سے صحبت کر سکتا ہے۔ اگر اس کے شکم سے اولاد پیدا ہوئی تو اس کے حقوق بالکل ویسے ہی ہوں گے جیسے دوسری اَولاد کے۔ اب وہ اِس لونڈی کو فروخت بھی نہیں کر سکتا اور اس کے مرنے کے بعد وہ خود بخود آزاد بھی ہو جائے گی (1)۔

۴۷ علامہ قرطبی نے مُحْصِنِيْنَ کا معنی مُتَعَفِّفِيْنَ عَنِ الزِّنَا کیا ہے (2) یعنی پاکباز بنتے ہوئے اور غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ کا معنی غَيْرَ زَانِيْنَ (3)۔ ان کلمات سے نکاح کی غرض و غایت کی طرف اِشارہ فرمایا۔

۴۸ اگر بیوی کے ساتھ مباشرت یا خلوتِ صحیحہ ہو جائے تو سارا مہر ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے اور اگر اس سے پیشتر ہی جُدائی ہو جائے تو پھر نصف مہر ہی ادا کرنا پڑتا ہے (4)۔ اس آیت سے متعۂ روافض پر استدلال کرنا سراسر باطل ہے کیونکہ محصنین غیر مسافحین کے الفاظ اس کی صراحۃً تردید کرتے ہیں نیز حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے حجۃ الوداع کے موقع پر قیامت تک کے لیے حرام کر دیا تھا (5)۔ تفصیلی بحث سورۃ المومنون میں ملاحظہ فرمائیے۔

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج5، ص5-4
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص127
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج5، ص12
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص30-129

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ

تو دو ان کو ان کے مہر جو مقرر ہیں اور کوئی گناہ نہیں تم پر جس چیز پر تم آپس میں راضی ہو

بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ

جاؤ ۴۹ مقرر کیے ہوئے مہر کے بعد بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اور جو

لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ

نہ رکھتا ہو ۵۰ تم میں سے اس کی طاقت کہ نکاح کرے آزاد مسلمان عورتوں سے تو وہ

مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ

نکاح کرے جو تمہارے قبضہ میں ہیں تمہاری کنیزیں جو مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے تمہارے ایمان (کی کیفیت) کو

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ

بعض تمہارا ۵۱ بعض (کی جنس) سے ہے تو نکاح کر لو ان سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے اور دو ان کو

اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

مہر ان کے دستور کے موافق (تاکہ نکاح سے) وہ پاکدامن بن جائیں نہ (اعلانیہ) زناکار اور نہ بنانے والی ہوں

۴۹ ہاں اگر بیوی اپنی خوشی سے سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ بخش دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

۵۰ عام طور پر آزاد عورت کا مہر اور اس کا نفقہ کنیزوں کے مہر اور نفقہ سے کہیں زیادہ ہوا کرتا ہے۔ بعض اوقات ایک شخص آزاد عورت کے اخراجات برداشت کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور اس کو یارائے صبر بھی نہیں۔ اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں قرآنِ حکیم نے اسے اِجازت دی ہے کہ وہ کسی کی کنیز سے نکاح کر لے۔ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک اس کنیز کا مسلمان ہونا ضروری ہے اور امام صاحب کے نزدیک مستحب ہے (1)۔ طَوْل کا معنی ہے اَلسَّعَةُ وَالْغِنٰی (قرطبی) (2)

۵۱ عرب میں باندیوں کے ساتھ نکاح کرنا بہت معیوب سمجھا جاتا اور ان کے شکم سے جو اولاد ہوتی اس کو ھجین کہا جاتا (3)۔ یہ بتا کر کہ تم سب ایک آدم کی اولاد ہو اس خیال کی تردید کر دی۔

1۔ ہدایہ اولین، کتاب النکاح، ج2، ص310-11 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص136 3۔ ایضاً، جز5، ص140-41 (ملخصاً)

اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ

پوشیدہ یار ۵۲ اور جب وُہ نِکاح سے محفوظ ہو جائیں پھر اگر وُہ اِرتکاب کریں بدکاری کا تو ان پر ۵۳

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ

اس سزا کا نِصف ہے جو آزاد عورتوں کے لِیے ہے یہ (لونڈیوں سے نکاح کی اِجازت)

ع ۴ ۱۳ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۵ ع

اس کے لِیے ہے جسے خطرہ ہو بدکاری میں مبتلا ہونے کا تم سے اِور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے تمہارے لِیے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

۵۲ اَخْدَان جمع ہے اس کا واحد خِدْنٌ اور خَدِیْنٌ ہے۔ خِدْنٌ اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ پوشیدہ بُرے تعلّقات ہوں (1)۔ اس آیت میں کھلے اور چوری چھپے زنا دونوں سے منع کر دیا۔

۵۳ ان دو تین آیتوں میں محصنات اور محصنین کے الفاظ کا کئی بار تکرار ہوا ہے۔ لیکن کسی جگہ اس کا معنی شادی شدہ کہیں پاکباز کہیں آزاد اور کہیں کنوارا کیا گیا ہے۔ جس سے اگر کسی نوآموز کے ذہن میں تردّد پیدا ہو جائے تو کچھ بعید نہیں کہ ایک لفظ ہے اور قدم قدم پر اس کے معانی بدلتے چلے جا رہے ہیں۔ اِس لیے اس تردّد کے ازالہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اِن الفاظ کی تحقیق کی جائے۔ اِن الفاظ کا مآخذ احصان ہے۔ اس کا لغوی معنی روکنا اور حفاظت کرنا ہے اِسی لیے قلعہ کو حصن کہتے ہیں کیونکہ وہ دشمن کے حملہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور مضبوط زرہ کو دِرْعٌ حَصِیْنَۃٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی حریف کے وار سے جسم کی حفاظت کرتی ہے۔ اسی مُناسبت سے جو مرد یا عورت بدکاری سے اپنی حفاظت کرے اُسے بھی محصن اور محصنۃ کہتے ہیں (2)۔ اس حفاظت کے متعدد اسباب ہیں۔ اسلام، آزادی، طبعی عفت، بکارت اور زواج۔ ان میں سے ہر ایک چیز اِنسان کو بدکاری سے روکنے والی ہے۔ اس لیے موقع اور محل کی مناسبت سے اِس لفظ کا معنی متعیّن کیا جائے گا۔ خصوصاً معنی کا وہ تعیّن جو رسول اللہ نے فرمایا وہ قطعی ہوگا اس میں ردّ و بدل کی گنجائش نہیں۔ یہاں محصنات کا معنی آزاد باکرہ لڑکیاں ہیں اور یہاں محصنات کا یہ معنی حضور کریم کا متعین کردہ ہے کیونکہ سنتِ نبوی کے مطابق انہیں کی سزا سو دُرّے ہے جس کا نصف پچاس دُرّے مسلمان لونڈی کی سزا ہے۔ دوسرے قوانین میں مراعات اور گنجائشیں ان لوگوں کے لیے مخصوص ہیں جو صاحبِ جاہ و ثروت ہوں اور سوسائٹی میں کوئی بلند مقام رکھتے ہوں لیکن اس دینِ فطرت میں اِن مراتب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ اِنسان کی فِطری کمزوریوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ جہاں پھسلنے کے امکانات زیادہ اور بچنے کے وسائل کم ہیں۔ وہاں سزا میں تخفیف کر دی گئی۔ غلاموں، باندیوں، غیر شادی شدہ اور شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی سزا میں کمی بیشی کا یہی راز ہے (جرمِ زنا کی سزا پر تفصیلی بحث سورۃ النور میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 143 2۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 3

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

چاہتا ہے اللہ تعالیٰ ۵۴ کہ کھول کر بیان کر دے (اپنے احکام) تمہارے لیے اور چلائے تم کو ان (کامیاب لوگوں) کی راہوں پر جو تم سے پہلے گزرے ہیں

وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ

اور اپنی رحمت سے توجہ فرمائے تم پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنی رحمت سے توجہ فرمائے

عَلَيْكُمْ ۚ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا

تم پر اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کر رہے ہیں اپنی خواہشوں کی کہ تم (حق سے) بالکل منہ

عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ

موڑ لو ۵۵ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہلکا کرے ۵۶ تم سے (پابندیوں کا بوجھ) اور پیدا کیا گیا ہے انسان

۵۴ سابقہ آیات میں کثیر التعداد احکام بیان کیے گئے جن کی پابندی ان لوگوں کے لیے بڑی دُشوار تھی۔ اس لیے تاکیدی طور پر یہ فرما دیا کہ ہم نے ان احکام کی پابندی تم پر بلاوجہ فرض نہیں کی بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمہیں وہ راستہ دکھا دیں جن پر تم سے پہلے انبیاء وصلحاء گامزن رہے اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اِس لیے اِن احکام کی پیروی میں تمہاری اپنی سعادت اور بھلائی ہے۔

۵۵ ان گوناگوں اِصلاحات نے عرب کے پُرانے طرزِ تمدن ومعاشرت میں ایک اِنقلاب برپا کر دیا۔ اب لڑکیوں کو بھی اپنے بھائیوں کی طرح ورثہ ملنے لگا تھا۔ عورت اپنے خاوند کے مرجانے کے بعد اپنے سوتیلے بیٹے کے رحم وکرم پر نہ چھوڑ دی گئی تھی بلکہ عدّت گزرنے کے بعد اُسے اِختیار تھا کہ جس سے چاہے نِکاح کرے۔ سوتیلی ماں سے نِکاح کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ زنا کو جرم قرار دے دیا گیا تھا اور اس کے لیے سنگین سزا مقرر کر دی گئی تھی۔ اِسی طرح متعدد ایسے قوانین نافذ کر دیئے گئے تھے جو ان کے قدیم رسم ورواج کے سراسر خلاف تھے۔ ایک طبقہ اپنی دیرینہ جہالت سے اندھی عقیدت کے باعث اِن اِصلاحات پر آتش زیر پا ہو گیا۔ اور وہ لوگوں کو اِسلام سے متنفر کرنے کے لیے اِن قوانین کا سہارا لینے لگا۔ اس کے علاوہ یہودی بھی یہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ ان کے نافذ کردہ من گھڑت قوانین میں کسی قسم کا ردّ وبدل کیا جائے کیونکہ اس میں ان کی علمی برتری کی ہتک تھی اور منافقین کا تو محبوب مشغلہ ہی یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اِسلام کی تعلیمات کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی جائیں۔ یہ سب لوگ مسلمانوں کو احکامِ الٰہی سے برگشتہ کرنے کے لیے اپنے اپنے مخصوص حیلے اختیار کرتے۔ اللہ تعالیٰ اِس آیت میں مسلمانوں کو ان کے مکر وفریب سے ہوشیار رہنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔

۵۶ علیم وحکیم خدا جو تمہارا اور تمہاری صلاحیتوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسے تمہاری فطری کمزوریوں کا خوب علم ہے اِس لیے

ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

کمزور اے ایمان والو نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں

بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَ

ناجائز طریقہ سے ۵۷ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے اور

لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ

نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو ۵۸ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے اور جو شخص کرے گا

ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ

یوں ، سرکشی اور ظلم سے تو ڈال دیں گے ہم اُسے آگ میں اور یہ

احکامِ شرعیہ میں ایسی سختی نہیں رکھی گئی جس کو تم برداشت نہ کرسکو۔ یہ بات کسی ایک قانون سے مختص نہیں بلکہ شریعتِ اسلامیہ کا ہر قانون اِس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔

۵۷ کسبِ حلال پر قرآن نے جتنا زور دیا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ایسے موقعوں پر قرآن کا اندازِ بیان بڑا اثر انگیز ہوا کرتا ہے یہ نہیں فرمایا کہ دوسروں کے مال ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ بلکہ فرمایا اپنے مال باطل طریقوں سے مت کھاؤ۔ اس سے یہ حقیقت واضح کرنا مطلوب ہے کہ اُمت کے کسی فرد کا مال پرایا مال نہیں بلکہ اپنا ہی مال ہے۔ اِس میں ناجائز تصرّف کرنا دھوکا فریب سے اس کو ہڑپ کرنا اپنے آپ سے ہی دھوکہ کرنا ہے۔ ہاں اگر تم آپس میں تجارت کرو اور تجارت میں کسی کی سادہ لوحی یا مجبوری سے ناروا فائدہ نہ اُٹھایا گیا ہو بلکہ فریقین نے راضی خوشی سے لین دین کیا ہو۔ اور اس طرح تمہیں نفع حاصِل ہو تو یہ نفع حلال ہے۔ عَنْ تَرَاضٍ کے کلمات پر مزید غور فرمایئے۔ اِسلام جس صاف ستھری تجارت کی اجازت دیتا ہے اس کے خدّوخال آپ پر واضح ہوجائیں گے۔

۵۸ اِس آیت میں خودکشی کی ممانعت بھی آ گئی۔ اور کسی مسلمان بھائی کو بِلاوجہ قتل کرنے سے بھی روک دیا گیا۔ اَنْفُسَكُمْ کہہ کر بتا دیا کہ اگر تم کسی مسلمان بھائی کو قتل کرو گے تو اِس کا نقصان تمہیں ہی پہنچے گا۔ تمہاری ہی ایک مومن بہن بیوہ ہوگی۔ تمہاری ہی ملت کے معصوم بچے یتیم ہوں گے۔ تمہارے مسلم معاشرہ کا ہی ایک گھر غم واندوہ کے اندھیروں میں ڈوب جائے گا۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ایک اور لطیف معنی بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں: لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِاِقْتِرَافِ مَا يُذِلُّهَا وَيُرْدِيْهَا فَاِنَّهُ الْقَتْلُ الْحَقِيْقِيُّ لِلنَّفْسِ (1) یعنی ایسی مذموم حرکتیں اور ذلیل اعمال مت کرو جو لوگوں کی نِگاہ میں تمہیں ذلیل ورُسوا کردیں۔ کیونکہ یہ

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:109

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ

اللہ پر بالکل آسان ہے اگر تم بچتے ۵۹ رہو گے ان بڑے بڑے کاموں سے روکا گیا ہے تمھیں جن سے تو ہم محو کر دیں گے

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا

تمھارے (نامۂ اعمال) سے تمھاری برائیاں اور ہم داخل کریں گے تمھیں عزت کی جگہ میں اور نہ آرزو کرو اس چیز کی،

ذِلّت ورُسوائی ہی تو نفس کی حقیقی ہلاکت وتباہی ہے۔ سُبحان اللہ! کیا لطیف بات کہی ہے۔

۵۹ یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں:

ا۔ اِجتناب کا کیا معنی ہے؟

ب۔ گناہِ کبیرہ کسے کہتے ہیں؟

ج۔ تکفیرِ سیئات کا کیا مطلب ہے؟

ا۔ کسی ایسے کام کو جس کے دواعی اور اسباب موجود ہوں اسے اپنے ارادہ اور مرضی سے نہ کرنے کو اجتناب کہا جاتا ہے(1)۔

ب۔ گناہِ کبیرہ کے متعلق علماء سے کئی اقوال منقول ہیں لیکن علّامہ بیضاوی کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ ہر وہ فعل جس کے لیے شارع نے کوئی حد مقرر کی ہو یا اس پر عذاب کی دھمکی دی ہو وہ گناہِ کبیرہ ہے۔ وَالْاَقْرَبُ اَنَّ الْكَبِيْرَةَ كُلُّ ذَنْبٍ رَتَّبَ الشَّارِعُ عَلَيْهِ حَدًّا اَوْ صَرَّحَ بِالْوَعِيْدِ فِيْهِ (2) حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مندرجہ ذیل گناہوں کو کبیرہ شمار کیا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا (۲) قتل بے گناہ (۳) پاکباز عورت پر بہتان (۴) یتیم کا مال کھانا (۵) زنا (۶) میدانِ جہاد سے فرار (۷) اور والدین کی نافرمانی (3)۔ اس شمار سے مقصود حصر نہیں ہے۔ احادیث میں ان کے علاوہ کئی اور اُمور کو بھی کبیرہ کہا گیا ہے۔

ج۔ اب رہا تکفیرِ سیئات کا مسئلہ۔ اس کے متعلّق عام مفسرین نے تو یہی فرمایا ہے کہ نُكَفِّرْ کا معنی نَمْحُو (مٹا دینا) اور نَغْفِرُ (بخش دینا) ہے (4)۔ لیکن حجۃ الاسلام اِمام غزالی فرماتے ہیں کہ جب انسان گناہ کا اِرتکاب کرتا ہے تو اس سے اس کی پاکیزہ اور معصوم فِطرت متاثر ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ گناہوں سے اس کی نفرت ان سے اُنس میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لیکن جب کوئی شخص بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کا پختہ اِرادہ کر لیتا ہے اور ساری آسانیوں بلکہ اشتعال انگیزیوں کے باوجود وہ اپنا دامن بچانے کی سعی کرتا ہے تو اس کشمکش سے اس کے دل کے آئینہ سے زنگار دور ہونے لگتا ہے۔ طبیعت پھر اپنی کھوئی ہوئی صحت واپس لے لیتی ہے، گناہوں سے پھر اس کو نفرت ہونے لگتی ہے۔ اسی حالت کو ''تکفیرِ سیئات'' کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (المنار) (5)

1۔ تفسیر المنار، زیرِ آیت ہذا، ج5، ص55
2۔ تفسیر بیضاوی، زیرِ آیت ہذا، ص:110
3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر واکبرھا، ج1، ص64
4۔ روح المعانی، زیرِ آیت ہذا، ج5، ص17
5۔ تفسیر المنار، زیرِ آیت ہذا، ج5، ص55

مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ

بزرگی دی ہے اللہ نے جس سے تمہارے بعض کو بعض پر ۶۰ مردوں کے لیے حصّہ ہے

مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ

اُس سے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے حصّہ ہے اس سے جو انھوں نے کمایا اور مانگتے رہو اللہ تعالٰی سے ۶۱

۶۰ بعض اِنسان دوسرے اِنسانوں سے باعتبارِ صحت، شکل وصورت، قوت وتوانائی، ذہانت وفطانت، حسب ونسب اور جاہ و منزلت برتر اور افضل ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے اُن جیسا بننے کی حسرت سے اپنی زندگی کو تلخ نہ بنالو۔ یہ اُمور نہ تو اِنسان کے لیے حقیقی شرف وعزّت کا معیار ہیں اور نہ انہیں قرب الٰہی میں کچھ دخل ہے۔ عزّت وشرف کا حقیقی معیار اور قرب الٰہی کا صحیح راستہ تو تمہاری ذاتی جدوجہد میں مضمر ہے۔ اگر آپ نیک عمل کریں گے تو تمہیں قُربِ اِلٰہی نصیب ہوگا قطع نظر اس سے کہ تمہاری رنگت کیا ہے۔ تمہاری جسمانی قوت اور ذہانت کا معیار کیا ہے اور تم کس خاندان کے چشم و چراغ ہو تم مرد ہو یا عورت اور تمہارے چہرے کی دلکشی تمہارے حسب ونسب کی برتری یا کوئی دوسری خوبی تمہیں خالق ومخلوق کی نگاہوں میں کوئی عزت نہیں بخش سکے گی۔ اس لیے کرنے کا کام تو یہ ہے کہ اپنے حُسنِ عمل سے اپنی برتری ثابت کرو۔ دوسروں کے کمالات دیکھ کر ان جیسا بننے کے فقط خواب دیکھتے رہنا تو ایک مومن کے شایانِ شان نہیں۔ یہ عادت تو اِنسان میں حسد اور عناد کے جذبات کو اُبھارتی ہے۔ علّامہ بیضاوی نے کیا خوب لکھا ہے اَیْ لِکُلٍّ مِّنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَضْلٌ وَنَصِیْبٌ بِسَبَبِ مَا اکْتَسَبَ وَمِنْ اَجْلِہٖ فَاطْلُبُوا الْفَضْلَ بِالْعَمَلِ لَا بِالْحَسَدِ وَالتَّمَنِّیْ (1) یعنی ہر مرد اور ہر عورت کو بِلا اِمتیاز اس کی جدوجہد کا ثمر ملے گا۔ اس لیے اگر تم اللہ تعالٰی کے فضل وکرم کے طلبگار ہو تو عمل سے طلب کرو۔ کسی سے حسد کرنا یا صرف اس جیسا بننے کی خواہش ہی کرتے رہنے سے کیا حاصل۔ عورتوں کے دلوں میں عام طور پر یہ حسرت ہوتی ہے کہ کاش وہ مرد ہوتیں۔ اس کا بھی ازالہ فرمادیا کہ تکوینی مصلحتوں کے پیشِ نظر کسی کو مرد اور کسی کو عورت ضرور ہونا تھا اس لیے اِس خیالِ خام کو اپنے دلوں سے نکال دو۔ حصول کمال اور قرب الٰہی کے دروازے تمہارے لیے بھی کھلے ہوئے ہیں آگے بڑھو اور اپنے حُسنِ کردار اور خوبیٔ عمل سے بلند سے بلند مقام حاصل کرلو۔

نیز اِس آیت سے یہ بھی بتادیا کہ دولت کمانے کا حق جس طرح مرد کو ہے اسی طرح عورت کو بھی ہے۔ مرد بھی اپنی کمائی ہوئی دولت کا مالک ہوتا ہے۔ اس میں اپنی مرضی سے تصرف کرسکتا ہے اور اس سے اِستفادہ کرسکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حقوق حاصل ہیں۔ اِس اِرشادِ گرامی سے مرد وزن میں جو بے جا تفریق صدیوں سے قائم تھی اس کا قلع قمع کردیا۔

۶۱ صرف خیالی پلاؤ پکانے اور حسد کرنے کی عادت کو ترک کردو اور اللہ تعالٰی کے حضور میں دامن پھیلادو۔ وہ اپنی جُود وسخا سے تمہیں سب کچھ عطا فرمانے پر قادر ہے۔ اس کے خزانے ختم ہونے والے نہیں۔ وہ کثرتِ سوال سے اُکتا نہیں جاتا بلکہ خوش ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اِرشادِ گرامی ہے سَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اَنْ یُّسْاَلَ وَ اَفْضَلُ الْعِبَادَۃِ انْتِظَارُ

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص110

مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا

اس کے فضل (وکرم) کو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور ہر ایک کے لیے بنا دیتے ہیں

مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ

ہم نے وارث اس مال سے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قریبی رشتہ دار ۶۲ اور وہ لوگ جن سے بندھ چکا ہے تمہارا عہد و پیمان

فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۳۳﴾ ع ۴ ۶

تو دو انہیں ان کا حصہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى

مرد محافظ و نگران ہیں عورتوں پر اس وجہ سے کہ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو

بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ

عورتوں پر ۶۳ اور اس وجہ سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے (عورتوں کی ضرورت و آرام کے لیے) تو نیک عورتیں ۶۴ اطاعت گزار ہوتی ہیں حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں

الْفَرَج (1)۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کا سوال کیا کرو وہ اس کو دوست رکھتا ہے اور بہترین عبادت مصیبت کے دور ہونے کے لیے منتظر رہنا ہے۔

۶۲ عہد جہالت کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ جن لوگوں کی آپس میں دوستی ہوتی تھی یا جس کو وہ اپنا مُنہ بولا بیٹا بنا لیا کرتے وہ بھی ان کی وراثت میں حصہ دار بن جاتا۔ اِس آیت میں وضاحت فرما دی کہ وراثت کے حقدار تو وہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے وارث ٹھہرایا ہے۔ جن کے ساتھ ان کا معاہدہ ہوا کرتا ان کو پہلے 6 / 1 حصہ دیا جاتا۔ بعد میں اولوالارحام کی آیت سے یہ بھی منسوخ ہو گیا (2)۔

۶۳ کسی چیز کی ضروریات کو مہیا کرنے والے، اس کی نگہبانی اور حفاظت کرنے والے اور اس کی اِصلاح و درستگی کے ذمہ دار کو عربی میں قَوَّام کہا جاتا ہے (3)۔ جیسے ہر فوج کا ایک کمانڈر اور ہر مملکت کا ایک فرماں روا ہونا ضروری ہے جو نظام قائم رکھے اور فوج اور رعایا اس کے حکم کی تعمیل کرے۔ اسی طرح گھر کی ریاست کا بھی ایک حاکم اعلیٰ ہونا چاہیے جو گھر کی تمام ضروریات کا کفیل اور اس کی خوشحالی کا ذِمّہ دار ہو اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ ورنہ گھر کی یہ مختصر مگر اہم ریاست کا سکون و اطمینان برباد ہو کر رہ جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ذِمّہ داری کس کو سونپی جائے۔ اور اِس بارِ گراں کو اُٹھانے کی بہترین

1۔ جامع ترمذی، ابواب الدعوات، باب فی انتظار الفرج، ج2، ص197 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج2، ص97 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص169

لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

(مردوں کی) غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت سے اور وُہ عورتیں ۶۵ جن کی نافرمانی کا تو (پہلے نرمی سے) انھیں سمجھاؤ

صلاحیت کس میں ہے۔ اس کے دو ہی اُمیدوار ہیں ماں اور باپ۔ قرآنِ حکیم نے باپ کو اِس ذِمّہ داری کا اہل قرار دیا ہے اور ساتھ ہی وجہ بھی بتادی ہے کہ اس میں دو خوبیاں ہیں ایک وہبی ہے اور دوسری کسبی۔ انہیں کے باعث وہ گھر کی مملکت کا رَئیس مقرر کیا گیا ہے۔ پہلی خوبی تو یہ ہے جس سے کوئی اِنکار نہیں کرسکتا کہ مرد اپنی جسمانی قوت، ذہنی برتری، معاملہ فہمی اور دور اندیشی میں بِلا شبہ عورت سے بڑھا ہوا ہے۔ اِس چیز کو قرآن نے یُوں اپنے مختصر الفاظ میں بیان فرمایا بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ اور مرد کی دوسری خوبی یہ ہے کہ بیوی بچے کے جُملہ اخراجات اور ان کے آرام و آسائش اور ان کی حفاظت وصیانت کی تمام تر ذِمّہ داری اس پر عائد ہے۔ اس کا قرآنِ کریم نے اِن الفاظ میں ذِکر فرمایا۔ وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔ اِس لیے اپنی فِطری اور کسبی برتری کے باعث مرد ہی اِس امر کا مستحق ہے کہ وہ گھر کی ریاست کا امیر ہو۔ کوئی کج فہم یہ نہ سمجھے کہ عورت کے گلے میں مرد کی غلامی کا طوق ڈالا جارہا ہے۔ نہیں اِن اِنتظامی اُمور کے علاوہ عورت کے اپنے حقوق ہیں جو مرد پر ایسے ہی واجب ہیں جیسے مرد کے حقوق عورت کے ذِمّہ واجب ہیں۔ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ (1)۔ اور قُربِ اِلٰہی کے دروازے دونوں صِنفوں کے لیے برابر کُشادہ ہیں۔ اِس لیے یہاں عورت کی غلامی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کو جو مقام اِسلام نے معاشرہ میں بخشا ہے اس کی نظیر نہیں۔ ویسے کوئی آنکھیں بند رکھنے پر ہی اُدھار کھائے بیٹھا ہو تو چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

۶۴ یہاں سے نیک عورتوں کی صفات کا بیان ہے۔ اِس اِرشادِ ربّانی کی مزید وضاحت حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے خَيْرُ النِّسَاءِ امْرَأَةٌ اِذَا نَظَرْتَ اِلَيْهَا سَرَّتْكَ وَاِذَا اَمَرْتَهَا اَطَاعَتْكَ وَاِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْكَ فِيْ نَفْسِهَا وَ مَالِكَ (2) یعنی بہترین بیوی وہ ہے جسے جب تو دیکھے تو تُو مسرُور ہو جائے۔ اُسے حکم کرے تو وہ تیری اطاعت کرے اور اگر تو کہیں باہر جائے تو وہ تیری غیر حاضری میں اپنی عِصمت کی اور تیرے مال کی حفاظت کرے۔ (ابن جریر، ابی ہریرہ) ایک مسلمان خاتون کو جن خُوبیوں سے آراستہ ہونا چاہیے۔ اور جن پاکیزہ صفات سے متصف ہونا چاہیے ان کا ذکر کتنے دلنشین کلمات میں کیا گیا ہے۔ بیوی کا اِس سے بلند معیار تصوّر ہی نہیں کیا جاسکتا۔ خود سوچئے اِسلام ایک بیوی سے کیا توقع رکھتا ہے۔ اور اِس طرح اس کے مقام کو کتنا بلند کردیتا ہے۔ اور اس مرد سے بھی زیادہ کوئی خوش نصیب ہوسکتا ہے جس کی رفیقۂ حیات اِن خُوبیوں کی مالِک ہو۔

۶۵ لیکن پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہوا کرتیں۔ اچھی خواتین کے ساتھ ساتھ ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو تُند مزاج اور کج سرِشت ہوا کرتی ہیں۔ ان کی اِصلاح کا طریقہ تعلیم کیا جارہا ہے۔ عورت کے ازراہِ غرور و نفرت خاوند کی اطاعت سے سرتابی کرنے کو ''نشوز'' کہتے ہیں۔ خوف سے مراد وہم و گمان نہیں بلکہ علم و یقین ہے (قرطبی) (3) یعنی اگر تمہیں ان کی نافرمانی کا پورا علم ہو جائے تو پہلے ہی غصہ سے بے قابو ہو کر انتہائی اقدام نہ کرو۔ بلکہ پہلے انہیں نرمی سے سمجھاؤ۔ اور اگر فہمائش مؤثر ثابت نہ ہو تو پھر ان سے الگ رات بسر کیا کرو۔ اور محبّت بھری باتیں کرنا ترک کردو۔ وہ عورت جس میں شرافت کی حِس ابھی زِندہ ہے وہ

1۔ سورۃ البقرہ:228 2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج5، ص39 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص170

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا

اور (پھر) الگ کردو انھیں خواب گاہوں سے اور (پھر بھی باز نہ آئیں تو) مارو انھیں پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تمھاری تو نہ تلاش کرو

عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ

ان پر (ظلم کرنے کی) راہ ۶۶ یقیناً اللہ تعالیٰ (عظمت و کبریائی میں) سب سے بالا سب سے بڑا ہے اور اگر خوف کرو تم ناچاقی کا

بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ

ان کے درمیان ۶۷ تو مقرر کرو ایک پنچ مرد کے کنبہ سے اور ایک پنچ عورت کے کنبہ سے اگر وہ

يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

دونوں (پنچ) ارادہ کریں گے صلح کرانے کا تو موافقت پیدا کردے گا اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر بات سے خبردار ہے

اِس سرزنش سے ضرور اپنی اِصلاح کرلے گی۔ لیکن اگر یہ طریقۂ کار بھی مفید ثابت نہ ہو تو پھر تم اس کو مار بھی سکتے ہو۔ لیکن مار ایسی سخت نہ ہو جس سے جسم پر چوٹ آجائے۔ وَالضَّرْبُ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ ضَرْبُ الْاَدَبِ غَيْرُ الْمُبَرِّحِ (قرطبی) (1) اور حضرت ابن عباس سے تو یہ تصریح مروی ہے کہ اگر مارنے کی نوبت آئے تو مسواک یا اِس قسم کی کسی ہلکی پھلکی چیز سے مارے (2)۔ آج کل جہلاء اپنی بیویوں کو بھینسوں کی طرح پیٹتے ہیں اِس کی اِجازت قطعاً اِسلام نے نہیں دی۔

۶۶ اگر عورت اپنی سرکشی سے باز آجائے اور اپنے شوہر کی فرمانبردار بن جائے تو پھر شوہر پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے پہلے رویہ کو یکسر بدل دے اور اس پر دست درازی سے کلیۃً باز آجائے۔ یہ حکم اس خدا کا ہے جو سب سے بالا اور سب سے بڑا ہے اور اس کے حکم کی سرتابی کے نتائج بڑے المناک ہیں۔

۶۷ لیکن اگر آپس کی کوششیں اِصلاحِ حال کے لیے مفید ثابت نہ ہوں اور ایسے آثار رُونما ہونے لگیں کہ اگر صورتِ حال پر قابو نہ پایا گیا تو معاملہ طلاق پر جا ختم ہوگا تو اُس وقت یا تو میاں بیوی اپنی اپنی طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کریں جو اُن کی شکایات سُن کر ان کا باہمی تصفیہ کردیں یا دونوں کے خاندان ثالث مقرر کریں اور اگر معاملہ عدالت تک پہنچ گیا ہو تو پھر حاکم کو چاہیے کہ جلد بازی سے ان میں تفریق نہ کردے بلکہ حَکَم کے ذریعہ ان کی مصالحت کی بھرپور کوشش کرے اور اگر ان حکموں نے خلوصِ نیّت سے اِصلاح کی کوشش کی تو توفیقِ اِلٰہی ضرور ان کے شاملِ حال ہوگی۔ بعض مفسرین کے نزدیک اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا کے فاعل میاں بیوی ہیں (3)۔ یعنی اگر ان کے دلوں میں مصالحت کی خواہش ہوئی تو اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیدا فرمادے گا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص172 2۔ ایضاً، جز5، ص173 3۔ ایضاً، جز5، ص175

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اَور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ۶۸ اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی کو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو

وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى

نیز رشتہ داروں اَور یتیموں اور مسکینوں اور پڑوسی جو رشتہ دار ہے

وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ

اور پڑوسی جو رشتہ دار نہیں اور ہم مجلس اور مسافر اور جو (لونڈی غلام)

اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ

تمہارے قبضہ میں ہیں (ان سب سے حسنِ سلوک کرو) بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ہو فخر کرنے والا ہو ۶۹ جو خود بھی

يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ

بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں ۷۰ جو عطا فرمایا ہے انھیں

۶۸ پہلے میاں بیوی کے حقوق کا ذِکر ہوا۔ آپس میں حسنِ سلوک اور حسنِ معاشرت کی تاکیدیں ہوئیں۔ اصلاحِ حال کی تدبیریں بتائی گئیں۔ اب مخاطب کو یہ یاد دلایا جارہا ہے کہ تیرا تعلق صرف گھر اور گھر والی سے ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ تیرا رِشتہ اپنے خالق سے بھی ہے اور اس کی مخلوق سے بھی۔ ان کے حقوق کی ادائیگی بھی تم پر لازم ہے۔ اپنے خالق کا حق تو تجھ پر یہ ہے کہ اس کی یاد، اس کے ذِکر اور اس کی عبادت میں سرشار رہے۔ اور کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس کا شریک نہ بنائے نہ ذات میں نہ صفات میں۔ اور اُس کی مخلوق کا تجھ پر یہ حق ہے کہ سب کے ساتھ احسان اور مروّت کا برتاو کرے۔ کسی کو ضرر اور دُکھ پہنچانے کا تو خیال تک بھی تیرے دل میں نہ گزرے۔ ترتیبِ بیان، مراتب کی ترتیب پر دلالت کرتی ہے۔ کاش ہم تعلیماتِ قرآنی پر عمل کرنے کی سعی کریں۔

۶۹ مختال مغرور و متکبر کو کہتے ہیں اور فخور اس کو کہتے ہیں جو اپنی تعریف و ثناء میں ہی رطبُ اللِّسان رہے اور اپنی خوبیاں اور کمالات ہی بیان کرتا رہے (1)۔ آخر آیت میں ان دو صفات کا ذِکر اس لیے فرمایا ہے کہ ایسا اِنسان ہی کسی کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آنے میں اپنی کسرِ شان سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں سرِ نیاز خم کرنے کے شوق سے محروم رہتا ہے۔

۷۰ اِس میں خدا کے دیئے ہوئے مال کو بھی اہلِ ضرورت سے پوشیدہ رکھنے کی مذمّت ہے نیز وہ صاحبِ علم جسے اللہ تعالیٰ نے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص192

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل (وکرم) سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ

اور وُہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں اِیمان رکھتے

بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا

اللہ پر اور نہ روزِ قیامت پر اَور وُہ (بدقسمت) ہو جائے شیطان جس کا ساتھی لے

فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

پس وُہ بہت بُرا ساتھی ہے اور کیا نقصان ہوتا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور روزِ آخرت پر

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ

اَور خرچ کرتے اس سے جو دیا ہے انھیں اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ اُن سے خوب واقف ہے بے شک اللہ تعالیٰ

لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ

ظلم نہیں کرتا ذرّہ برابر بھی (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دوگنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے

اپنے دین کی سمجھ عطا فرمائی ہے اور وہ لوگوں کو فیض نہیں پہنچاتا اور ان کے کانوں تک پیغامِ حق پہنچانے میں بخل سے کام لیتا ہے۔ اس کا بھی یہی حال ہے۔

یہاں ان بدنصیبوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا۔ بلاشبہ جو لوگ غرور وفخر کی بیماری میں مبتلا ہوں جن کو دولت اتنی پیاری ہو کہ وہ ایک دمڑی تک راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے روکیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو چھپائے رکھیں وہ اِس قابل کہاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرے۔ وہ رُسوا کن عذاب کے مستحق ہیں جو ان کے لیے بالکل تیار ہے۔

لے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لیے مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ اپنی نام ونمود کے لیے، حکام وقت کو خوش کرنے کے لیے اور لوگوں کے دلوں پر اپنی فیاضی کا سکہ بٹھانے کے لیے بے دریغ دولت خرچ کرتے

مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ

اپنے پاس سے اجرِ عظیم ۷۲ تو کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر اُمّت سے

بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ؕ ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ

ایک گواہ ۷۳ اور (اے حبیب!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ اُس روز تمنّا کریں گے وُہ جنھوں نے

كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ

کُفر کیا اور نافرمانی کی رسُول کی ۷۴ کہ کاش! (انھیں دفن کرکے) ہموار کردی جاتی ان پر زمین اور نہ چھپا سکیں گے

ہیں۔ حقیقت میں نہ اللہ پر ان کا اِیمان ہوتا ہے اور نہ قیامت پر انہیں یقین ہوتا ہے۔ اُن کا دوست اور ساتھی شیطان ہوتا ہے۔ جو اس ازلی بدخواہ کو اپنا صلاح کار بنالے اس سے زیادہ بدقسمت کون ہوسکتا ہے۔ شیطان تو اُسے ہر نیک کام سے روکے گا اس سے بدترین ساتھی اور ہم سفر کوئی نہیں ہوسکتا۔

۷۲ یہ غفلت شعار، کوتاہ اندیش اگر اپنے خدا پر ایمان لے آتے اور قیامت پر یقین کرتے تو راہِ حق میں مال خرچ کرنے میں ہرگز بخل نہ کرتے بلکہ بڑی دریا دلی سے غریبوں مسکینوں کی اِمداد کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مال میں برکت دیتا۔ جتنا خرچ کرتے اس سے کئی گنا اِس دنیا میں وہ انہیں عطا فرماتا اور اس کے علاوہ جو اجرِ عظیم انہیں بارگاہِ الٰہی سے ملتا اس کا تو وہ اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ لیکن شیطان کی سنگت نے اُنہیں سُود فراموش اور زیاں کار بنادیا ہے۔

۷۳ قیامت کے دن تمام انبیاء اپنی اپنی اُمتوں کے احوال واعمال پر شہادت دیں گے اور حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انبیائے کرام کی شہادت کے درست ہونے کی گواہی دیں گے۔ اور ھولاء کا مشار الیہ امتِ مصطفویہ کو بھی قرار دیا گیا ہے۔ یعنی حضور علیہ السلام اپنی اُمت کے احوال پر گواہی دیں گے۔ وَقِيْلَ الْاِشَارَةُ اِلٰى جَمِيْعِ اُمَّتِهٖ(1)۔ علامہ قرطبی نے اِس قول کی تائید کے لیے حضرت سعید بن مسیّب کا یہ قول نقل کیا ہے۔ لَيْسَ مِنْ يَّوْمٍ اِلَّا تُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمَّتُهٗ غُدْوَةً وَّعَشِيَّةً فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَ اَعْمَالِهِمْ فَلِذٰلِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ (القرطبی)(2) یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہر صبح وشام حضور کی اُمت پیش کی جاتی ہے۔ حضور اپنے ہر اُمتی کا چہرہ اور اس کے اعمال کو پہچانتے ہیں۔ اسی علم کامل کے باعث حضور قیامت کے روز سب کے گواہ ہوں گے۔ یہ مضمون دوسرے سیپارہ کی دوسری آیت کے ضمن میں مفصّل گزرا ہے۔ ملاحظہ فرماویں۔

۷۴ کاش اِس آیت کو وہ لوگ بھی پڑھیں جو بڑے طمطراق سے اطاعتِ رسول کا اِنکار کرتے ہیں تو انہیں پتہ چلے کہ رسول کے نافرمانوں اور اس کی سُنّت سے سرکشی کرنے والوں کی قیامت کے دن کیا حالت ہوگی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص198 2۔ ایضاً، ج5، ص198، ضیاء القرآن، ج1، ص110 (حاشیہ:163)

اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ ع ۶ ۳

اللہ سے کوئی بات اے ایمان والو! ۷۵ نہ قریب جاؤ نماز کے جب کہ تم

سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ

نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو ۷۶ اور نہ جنابت ۷۷ کی حالت میں مگر یہ کہ تم سفر ۷۸ کر رہے ہو

۷۵ عرب میں شراب کا اِستعمال عام تھا۔ اگر اسے یک لخت حرام کر دیا جاتا تو مسلمان بڑی مشکل میں مبتلا ہو جاتے۔ اس لیے حکیم وعلیم خدا نے اس کی حُرمت کے احکام تدریجاً نازل فرمائے۔ ابتداء میں تو صرف اِتنا اِشارہ کر دیا کہ یہ مُضِر اور نقصان دِہ چیز ہے۔ اس سے بعض لطیف طبائع نے شراب چھوڑ دی۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اوقاتِ نماز میں شراب کی ممانعت کر دی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ دن میں شراب کا اِستعمال بند ہو گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد ہی لوگ اِس سے شوق کرتے۔ کچھ مدت بعد شراب کی قطعی حُرمت کا حکم نازل ہوا(1)۔ اِس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ہاں کئی صحابہ مدعو تھے۔ کھانے کے بعد دورِ شراب چلا۔ جب وہ اس کے نشہ سے جُھوم رہے تھے تو مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ ایک صاحب امامت کے لیے آگے بڑھے اور اتفاق سے سورۃ الکافرون پڑھنا شروع کر دی۔ اور بے ہوشی میں لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کی جگہ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھ گئے۔ جس سے معنی بالکل بدل گیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(2) اور نشہ کی حالت میں نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا۔ اس سے پہلی آیت میں قیامت کے روز بارگاہِ الٰہی میں حاضری کا ذکر گزرا۔ اس آیت میں بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے آداب سکھائے جا رہے ہیں تا کہ قیامت کی حاضری آسان ہو۔ بتایا کہ باادب وہوشیار ہو کر اس احکم الحاکمین کی خدمت میں حاضر ہو۔ مدہوشی کی حالت میں حاضری آداب شاہانہ کے خلاف ہے۔ آیت کے دوسرے حصہ میں بتایا کہ دل کے حضور کے ساتھ ساتھ جسم کی طہارت ونظافت بھی لازمی ہے۔

۷۶ حدیثِ پاک میں ہے کہ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اگر نماز پڑھتے وقت تم پر نیند کا غلبہ ہو جائے تو نماز چھوڑ دو اور جا کر سو رہو۔ اور نیند پوری کرنے کے بعد جب ہوش وحواس درست ہو جائیں تو نماز ادا کرو۔ اِذَا نَعِسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَنَمْ حَتّٰى يَعْلَمَ مَا يَقُوْلُ (بخاری عن انس)(3)

۷۷ بیوی سے صحبت کرنے سے یا حالتِ نیند میں انزال ہو جانے سے انسان جنبی ہو جاتا ہے۔ اس کی طہارت صرف وضو سے نہیں ہوتی بلکہ غسل فرض ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس حالت میں اِنسان کے جسم کے سارے اعصاب پر ایک درماندگی اور افسردگی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس سے کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ لیکن جب پانی کے ٹھنڈے چھینٹے پڑتے ہیں تو نشاط وسرور کی رو سارے جسم میں دوڑ جاتی ہے اور افسردگی اور درماندگی شگفتگی سے بدل جاتی ہے۔ انسان ایک نئی تازگی محسوس کرنے لگتا ہے۔

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج5، ص14-113 2۔ جامع ترمذی، ج2، ص127 کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ النساء، مطبع مجتبائی پاکستان

3۔ صحیح بخاری، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من النوم، ج1، ص34، مسند امام احمد، ج3، ص142، مطبوعہ دار صادر بیروت

حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ

یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور اگر ہو تم بیمار ۷۹ یا سفر میں یا آئے کوئی

مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً

تم میں سے قضائے حاجت سے یا ہاتھ لگایا ہو تم نے (اپنی) عورتوں کو پھر نہ پاؤ تم پانی تو (اس صورت میں)

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ

تیمّم کر لو ۸۰ پاک مٹی سے اور (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) ہاتھ پھیرو اپنے چہروں پر اور اپنے بازوؤں پر بے شک

نماز سے پہلے غسل کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں یہ حاضری ایسی حالت میں ہو جب تم تر و تازہ اور شگفتہ خاطر ہو۔

۷۸ ان الفاظ کا معنی سمجھنے کے لیے ہمیں لفظ الصلوٰۃ پر جو ابتدائے آیت میں گزرا از سرِ نو غور کرنا چاہیے کہ بعض علماء کے نزدیک جن میں اِمام شافعی بھی ہیں الصلوٰۃ سے مراد مسجد ہے۔ اِس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جنابت کی حالت میں مسجدوں میں نہ جاؤ۔ ہاں اگر مجبوراً گزرنا پڑے اور دوسرا کوئی راستہ نہ ہو تو صرف گزرنے کی اِجازت ہے لیکن وہاں ٹھہرو نہیں۔ اور بعض علماء نے صلوٰۃ سے مراد نماز ہی لی ہے۔ تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ سفر کی حالت میں جنبی کو اجازت ہے کہ وہ تیمم کر کے غسل کے بغیر نماز پڑھ لے (1)۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۷۹ اس آیت میں ان صورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن میں تیمّم کی اِجازت ہے۔ پہلی صورت بیماری۔ اگر اِنسان بیمار ہو اور اُسے یہ اندیشہ ہو کہ اگر میں نے غسل کیا یا وضو کیا تو میری بیماری میں اضافہ ہو جائے گا تو تیمّم کر لے۔ دوسری صورت سفر۔ اگر مُسافر ہے اور غسل کی ضرورت پڑ گئی اور پانی کا ملنا دُشوار ہے تو تیمّم کر لے۔ یہ تیمّم کی اِجازت دونوں حالتوں میں ہے۔ وضو کے لیے بھی اور غسل کے لیے بھی۔ قضائے حاجت کے لیے جَآءَ مِنَ الْغَآئِطِ کے الفاظ اور صحبت کے لیے لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کے کلمات کتنے لطیف ہیں۔ نازک سے نازک طبع پر بھی گراں نہیں گزرتے۔ یہی حُسنِ تعبیر تو اِس کلامِ خداوندی کا اعجاز ہے۔

۸۰ اب یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ تیمّم کس چیز سے ہو سکتا ہے اور اس کی صورت کیا ہے۔ دونوں چیزیں اِس آیت میں مذکور ہیں۔ پہلی چیز کے متعلق تو فرمایا کہ صعید طیّب سے کرو۔ صعید کا معنی ہے ”وَجْهُ الْاَرْضِ كَانَ عَلَيْهِ التُّرَابُ اَوْ لَمْ يَكُنْ“ (2) زمین کی بالائی سطح خواہ اس پر گرد ہو یا نہ ہو۔ اِمام صاحب کے نزدیک مٹی اور مٹی کی جنس کی سب چیزوں مثلاً پتھر، ریت وغیرہ سے بھی تیمّم جائز ہے (3) بشرطیکہ وہ پاک ہوں۔ وضو اور غسل کا بدل تیمّم کیونکر ہوا۔ اور مٹی کے ساتھ تیمّم کرنے کا حکم دینے میں کیا حِکمتیں ہیں اِس پر حکمائے اِسلام نے سیر حاصل بحث کی ہے جس کے ذِکر کی یہاں گنجائش نہیں (اس کے لیے المنار ملاحظہ ہو) (4) تیمّم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تیمّم کی نیّت کرے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ زمین پر مارے۔ اگر ان کے ساتھ غبار بہت لگ گیا ہو تو پھونک

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 202 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 236 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 36-131

اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا

اللہ تعالیٰ ۸۱؎ معاف فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہے کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصّہ

مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا

کتاب سے وُہ مول لے رہے ہیں گمراہی کو اور (یہ بھی) چاہتے ہیں کہ بہک جاؤ تم بھی

السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّ

راہِ راست سے ۸۲؎ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے (تمہارے لیے) اللہ حمایتی اور

كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

کافی ہے (تمہارے لیے) اللہ تعالیٰ مددگار کچھ لوگ جو یہودی ہیں ۸۳؎ پھیر دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو

سے کم کردے اس کے بعد اپنے چہرہ پر ملے۔ دوبارہ پھر اسی طرح زمین پر دونوں ہاتھ مار کر دونوں بازوؤں کی کہنیوں تک ملے۔ تیمّم سے بھی ایسی کامل طہارت ہوتی ہے جیسے وضو سے۔ اگر اِمام نے تیمّم کیا ہو تو وضو کرنے والے مقتدی کی نماز اس کے پیچھے دُرست ہے (1)۔ تیمّم سے جتنی نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے (2)۔ تفصیلی احکام کے لیے کتبِ فِقہ کا مطالعہ فرمائیے۔

۸۱؎ حکم تیمّم سے بندوں کے ساتھ جو نرمی کی گئی ہے وہ ان دو صفات کا بہترین مظہر ہے۔

۸۲؎ یہود و نصاریٰ کو آسمانی کتب سے بہرہ ور کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اِس نعمت کی قدر نہ کی اور مال و جاہ حاصل کرنے کی خاطر احکامِ الٰہیہ کو نظر انداز کر دیا جو اُن کی سعادت و فلاح کے ضامن تھے لیکن وہ اِسی پر اِکتفا نہیں کرتے بلکہ تمہیں بھی گمراہ کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ بظاہر تمہارے خیر خواہ اور دوست بنے ہوئے ہیں درحقیقت یہ تمہارے بدترین دُشمن ہیں جو تمہیں راہِ حق سے بہکا دینا چاہتے ہیں اُن سے خبردار رہو۔ ان کے دامِ فریب میں پھنس کر خداوند کریم کے نافرمان نہ بنو۔ اسی کو اپنا دوست اور مددگار بناؤ۔ اُس کے احکام کی پیروی کرو۔ اگر تمہیں اس کی دوستی اور نُصرت نصیب ہوگئی تو پھر کوئی دشمن تمہیں گزند نہیں پہنچا سکے گا۔

۸۳؎ بیباکی اور گستاخی، تصنّع اور تملّق اور کلامِ الٰہی میں اپنی مرضی کے مطابق کانٹ چھانٹ اور احکامِ خداوندی کی من مانی تاویلیں یہود کی خصوصیات بن کر رہ گئی تھیں۔ جناب رسالت مآب کی تعریف و توصیف جس سے تورات کے صفحات مزین تھے جان بوجھ کر وہ ان کا اِنکار کرتے اور ان کے من گھڑت معانی بیان کرتے۔ گفتگو کے وقت بارگاہِ نبوت میں بڑی دریدہ دہنی سے کام لیتے۔ طبعی خِسّت کے باعث ذو معنی کلمات اِستعمال کرتے جن میں مدح و ذم کے دونوں پہلو ہوتے اور اپنی زبانوں کو بل

1۔ ہدایہ اولین، باب الامامہ، ج1، ص126 2۔ ایضاً، باب التیمّم، ج1، ص53

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ

اس کی اصلی جگہوں سے اور کہتے ہیں ہم نے سُنا اور ہم نے نافرمانی کی اور (کہتے ہیں) سُنو تم نہ

مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ

سُنائے جاؤ اور (کہتے ہیں) "رَاعِنَا" بَل دیتے ہُوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہُوئے دین میں اور اگر

اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا

وُہ (یُوں) کہتے ہم نے (آپ کا اِرشاد) سُنا اور (اسے) مان لیا اور (ہماری عرض) سُنئے اور نگاہِ (کرم) فرمایئے ہم پر تو ہوتا بہت بہتر

لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

ان کے لیے اور بہت درست لیکن (اپنی رحمت سے) دُور کر دیا ۸۴ انھیں اللہ نے بوجہ ان کے کفر کے پس نہیں ایمان لائیں گے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا

مگر تھوڑے سے اَے وُہ لوگو جنھیں دی گئی کتاب! اِیمان لاؤ اِس کتاب پر جو نازل فرمائی ہم نے تاکہ تصدیق کرے

دے کر ان کا ایسا تلفظ کرتے جس سے ذم کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا۔ اور اگر ٹوکا جاتا تو فوراً کہہ دیتے کہ نہیں صاحب ہمارا مدّعا یہ تھا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر کوئی حکم فرماتے تو سمعنا بلند آواز سے کہتے اور اسی سانس میں چُپکے سے وَعَصَيْنَا بھی کہہ جاتے۔ غَيْرَ مُسْمَعٍ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ دعا کے لیے بھی۔ یعنی کوئی ناگوار بات آپ کو نہ سُننی پڑے اور بد دعا کے لیے بھی کہ آپ کچھ نہ سُن سکیں۔ اور وہ یہ کلمہ بولتے وقت دوسرا معنی مراد لیتے۔ راعنا کہتے وقت زبان کو لچک دیتے تاکہ رَاعِيْنَا ہو جائے (1)۔ اِس لفظ کے متعلق پہلے ذِکر گزر چکا ہے (2)۔ یہ ان کے اطوار تھے۔ یہ اُن کا رویّہ تھا اُس فخرِ عالم و عالمیاں کے ساتھ جس کے دربار میں فرشتے بھی حاضر ہوتے تو تصویرِ ادب بن کر۔

۸۴ بارگاہِ رسالت میں بے باکی کرنے والوں کی سزا ہی یہ ہے کہ وہ درِ رحمت سے دور کر دیئے جاتے ہیں۔ ہدایت کی توفیق اُن کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ حق شناسی کی قوّت اُن سے چھین لی جاتی ہے۔ یہی سزا یہود کو دی گئی۔ اور قیامت تک ایسے بے باکوں کو یہی سزا دی جائے گی۔

1۔ تفسیر مظہری، زیرِ آیت ہذا، ج2، ص135 2۔ ضیاء القرآن، ج1، ص82، حاشیہ:120

لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ

اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے (ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم مسخ کردیں چہرے ۸۵ پھر پھیر دیں انھیں پشتوں کی طرف

اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

یا لعنت کریں اُن پر جس طرح ہم نے لعنت کی سبت والوں پر اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ

بے شک اللہ تعالیٰ ۸۶ نہیں بخشتا اِس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو

يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ

چاہتا ہے اور جو شریک ٹھیراتا ہے اللہ کے ساتھ وہ اِرتکاب کرتا ہے گناہِ عظیم کا کیا نہیں

۸۵ کسی چیز کا نام ونشان مٹا دینے کو عربی میں طمس کہتے ہیں۔ اور چہرہ کا حُلیہ بگاڑ دینا اس کے نقش ونگار کو خراب کر دینا ''طمس الوجہ'' کہلاتا ہے۔ یہ اس کا لغوی معنی ہے۔ اور اہلِ زبان صلاحیتوں کے مسخ ہو جانے کے لیے بھی طمس کا لفظ اِستعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ علّامہ بیضاوی، قرطبی اور دوسرے جلیل القدر مفسرین نے اس کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے یعنی یہود جن پر اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی صداقت روزِ روشن کی طرح عیاں تھی اور پھر بھی وہ اِنکار پر مصر تھے اُنہیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ باز آ جاؤ۔ یہ ضد اچھی نہیں۔ اور اگر تم حق کے سامنے جُھک نہ گئے تو یاد رکھو حق پذیری کی صلاحیّت سے ہی محروم کر دیئے جاؤ گے۔ تمہاری آنکھیں دیکھ تو رہی ہوں گی لیکن حق کو پہچان نہیں سکیں گی۔ تمہارے کان سُن تو رہے ہوں گے لیکن حق بات کو نہیں سُنیں گے (1) بیضاوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا بِاَنْ نُّعْمِيَ الْاَبْصَارَ عَنِ الْاِعْتِبَارِ وَ نُصِمَّ الْاَسْمَاعَ عَنِ الْاِصْغَاءِ اِلَى الْحَقِّ بِالطَّبْعِ وَ نَرُدَّهَا مِنَ الْهِدَايَةِ اِلَى الضَّلَالَةِ (2)۔ بعض علماء نے وجوہ کا معنی چہروں کی بجائے رؤساء کیا ہے یعنی ہم تمہارے سرداروں کے چہرے بگاڑ دیں گے یعنی اب ان کے چہروں پر جو رونق اور تروتازگی ہے وہ چھین لی جائے گی۔ ان کے چہرے بے نور اور بے رونق ہو کر رہ جائیں گے جس پر نامرادی اور ناکامی کی گرد پڑ رہی ہوگی۔ اور نَرُدَّهَا کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اُنہیں مدینہ طیبہ سے جلاوطن کر کے پھر سِینا کے لیے بے آب وگیاہ صحرا میں لوٹا دیا جائے گا (3)۔

۸۶ علامہ ابوعبداللہ الانصاری القرطبی نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں شرک کے متعلق بہترین بحث کی ہے جس کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ شرک کے تین مرتبے ہیں اور تینوں حرام ہیں: (۱) اَصْلُهُ اعْتِقَادُ شَرِيْكٍ لِلّٰهِ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص244 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:114 3۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج1، ص519

تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ

دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جو پاکباز بتلاتے ہیں اپنے آپ کو ۸۷ بلکہ (یہ تو) اللہ (کی شان ہے کہ) پاکباز بنا دے جسے چاہے اور

فِیْ اُلُوْهِيَّتِهٖ وَهُوَ الشِّرْكُ الْاَعْظَمُ وَهُوَ شِرْكُ الْجَاهِلِيَّةِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اِنسان، جنّ، شجر و حجر کو الٰہ یقین کرنا یہی شِرکِ اعظم ہے اور عہدِ جاہلیت کے مشرکین یہی شِرک کیا کرتے تھے (جیسے سورۃ الصافات میں ان کے متعلق ہے اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۙ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ (1) جب انہیں یہ بتایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی خدا نہیں تو تکبّر کرتے اور کہتے کیا اِس شاعرِ دیوانہ کے کہنے پر ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں) (۲) وَيَلِيْهِ فِي الرُّتْبَةِ اعْتِقَادُ شَرِيْكٍ لِلّٰهِ تَعَالٰى فِي الْفِعْلِ وَهُوَ مَنْ قَالَ اِنَّ مَوْجُوْدًا مَّا غَيْرًا لِلّٰهِ تَعَالٰى يَسْتَقِلُّ بِاِحْدَاثِ فِعْلٍ وَّ اِيْجَادِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَعْتَقِدْ كَوْنَهٗ اِلٰهًا۔ یعنی شرک کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی کے متعلق یہ اِعتقاد رکھا جائے کہ وہ مستقل طور پر اور بالذّات اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی کام کر سکتا ہے اگرچہ اس شخص کو الٰہ نہ مانتا ہو۔ (۳) وَيَلِيْ هٰذِهِ الرُّتْبَةَ الشِّرْكُ فِي الْعِبَادَةِ وَهُوَ الرِّيَاءُ (۵:۱۸۱) یعنی کسی کو عبادت میں شریک کرنا اور یہ ریا ہے اور یہ بھی شِرک کی ایک قسم ہے (2)۔ اب آپ اِنصاف فرمایئے کہ کوئی مسلمان کسی کے متعلق خواہ ذات پاک مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء ہی ہو یہ اِعتقاد رکھتا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر وہ صاحبان جو مسلمانوں کو مشرک ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور وہ تمام آیات جو مُشرکینِ مکّہ اور کُفّارِ عرب کے حق میں نازل ہوئیں جن کے شرک کی کیفیت اُوپر مذکور ہوئی سمجھے بے سمجھے مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں کیا انہیں خدا کا خوف نہیں۔ وہ ڈریں کہیں ان کا شمار يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کے زُمرہ میں نہ ہو۔

شِرک کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد اب اِس پر غور فرمایئے کہ شِرک کیوں ظلم عظیم ہے۔ اور کیوں اِس جُرم کی بخشش نہیں ہوگی۔ شِرک اُس قادرِ مُطلق اور شہنشاہِ کائنات کے خلاف بغاوت ہے۔ اس کی بادشاہی اور فرمانروائی میں کسی کو شریک کرنا اس کو حاکم اعلیٰ اور آمرِ مُطلق تسلیم کرنے کے منافی ہے۔ ظاہری حکومتیں سنگین سے سنگین جُرم کرنے والے کے لیے عفو و درگزر کا دروازہ کھلا رکھتی ہیں۔ لیکن علم بغاوت بلند کرنے والا گردن زدنی ہوا کرتا ہے۔ اگر کسی دُنیوی حکمران کی حکومت کو تسلیم کرنے سے اِنکار اِتنا بڑا جُرم ہے تو آپ خود اندازہ لگائیں کہ اُس حقیقی بادشاہ جو مالک بھی ہے اور خالق بھی، میرا بھی اور تیرا بھی، بلندی کا بھی اور پستی کا بھی، اس کی اُلوہیّت کا جو اِنکار کرے یا اُس جیسا کسی کو سمجھے اس سے بڑا جُرم بھی کوئی اور ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اس وقت جب اسی حالتِ کُفر و شِرک پر موت آجائے۔ اور اگر وہ شِرک سے تائب ہو جائے اور توحید کو دل و جان سے تسلیم کر لے تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گنہگار مومن جو اپنے گناہوں سے توبہ کیے بغیر مر جائے اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی رحمت سے اس کو بھی بخش دے۔

۸۷ یہود اپنی اِعتقادی، اخلاقی اور عملی گوناگوں خرابیوں کے باوجود اپنے آپ کو مقدّس اور پاکباز یقین کیا کرتے اور کہا کرتے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ۔ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے لاڈلے ہیں۔ جنّت ہماری جاگیر ہے جو جی میں آئے کرتے رہیں ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یُونہی شیخی بگھارنے اور اپنے تقدّس و پاکبازی کے قصیدے پڑھنے

1۔ سورۃ الصافات: 35-36 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 181

لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ

وُہ نہیں ظلم کیے جائیں گے کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔ دیکھئے کیسے گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ

وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا ع ۸

اور کافی ہے (انھیں رُسوا کرنے کے لیے) یہ کھلا گناہ کیا نہیں دیکھا تم نے اُن لوگوں کی طرف جنھیں دیا گیا حِصّہ

مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ

کتاب سے وُہ (اب) اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر ۸۸ اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنھوں نے

كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ

کُفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو اِیمان لائے ہیں ۸۹ یہی وُہ (بدنصیب) ہیں

سے کچھ نہیں بنے گا۔ پاک ومقدّس تو وہ ہے جو بارگاہِ خداوندی میں مقدّس ہے۔ فَتِيْلًا: مَّا يَكُوْنُ فِيْ شِقِّ النَّوَاةِ۔۔۔ يُضْرَبُ بِهِ الْمَثَلُ فِي الشَّيْءِ الْحَقِيْرِ (مفردات) (1)

۸۸ جِبت لغت میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جو بیکارِ محض ہو۔ اَلَّذِيْ لَا خَيْرَ فِيْهِ۔ اس کا اطلاق جادو، جادوگر، جوتش، رمل اور فال گری وغیرہ خرافات پر ہوتا ہے۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اِرشاد ہے۔ اَلطَّرْقُ وَالطِّيَرَةُ وَالْعِيَافَةُ مِنَ الْجِبْتِ (قرطبی عن ابی داوٗد) کنکریاں پھینک کر فال پکڑنے کو طرق کہتے ہیں اور الطیرۃ کا معنی بدشگونی ہے اور العیافۃ پرندوں کے ناموں، آوازوں اور ان کے گزرنے سے فال پکڑنے کو کہا جاتا ہے (حاشیہ قرطبی) (2) یہ سب اَوہام پرستی کی اقسام ہیں۔ صاحب المنار لکھتے ہیں فَالْمَعْنَى الْجَامِعُ لِلَفْظِ الْجِبْتِ هُوَ الدَّجَلُ وَالْاَوْهَامُ وَالْخُرَافَاتُ (3) یعنی مکروفریب، وہم پرستی اور خرافات کو جبت کہا جاتا ہے اور طاغوت کی تعریف ادب ولُغت کے اِمام جوہری نے یہ کی ہے۔ وَالطَّاغُوْتُ الْكَاهِنُ وَالشَّيْطَانُ وَ كُلُّ رَأْسٍ فِي الضَّلَالَةِ (4)۔ یعنی طاغوت کا اطلاق کاہن اور شیطان پر بھی ہوتا ہے اور اس شخص کو بھی طاغوت کہتے ہیں جو کسی گمراہی کا سرغنہ ہو۔ (مزید وضاحت سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۶ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیے)۔

۸۹ جنگِ اُحد کے بعد یہود کے دو سرغنے کعب بن اشرف اور حُیَیّ بن اخطب چند اور یہودیوں کے ہمراہ مکّہ گئے تاکہ کفّار کو مُسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اُکسائیں۔ ابوسفیان نے اُن سے پوچھا کہ ہم تو اَن پڑھ ہیں اور آپ لوگ اہلِ علم اور صاحبِ

1۔ مفرداتِ راغب، ص:623 2۔ تفسیر قرطبی، زیرآیت ہذا، جز5، ص249

3۔ تفسیر المنار، زیرآیت ہذا، ج5، ص157 4۔ الصحاح، تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ از ابونصر اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی 393ھ، ج6، ص2413، مطبوعہ دارالکتاب العربی، مصر

الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ ط

جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ لا

کیا نہ ۹۰ ان کے لیے کوئی حصّہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو تِل برابر

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ

کیا حسد کرتے ہیں ۹۱ لوگوں سے اُس نِعمت پر جو عطا فرمائی ہے انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے (وُہ حسد کی

اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

آگ میں جلا کریں) ہم نے تو مرحمت فرما دی ہے ابراہیمؑ کے گھرانے کو کتاب اور حِکمت اور عنایت فرما دی ہے اُنھیں عظیم الشان سلطنت

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ

تو اُن سے کوئی ایمان لائے اس کے ساتھ اور کِسی نے منہ پھیر لیا اس سے اور کافی ہے (انھیں جلانے کے لیے)

سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا

جہنّم کی دہکتی ہوئی آگ۔ بے شک جنھوں نے اِنکار کیا ہماری آیتوں کا ہم ڈال دیں گے اُنھیں آگ میں جب کبھی

کتاب ہیں۔ ہمیں یہ تو بتاؤ کہ راستی پر کون ہے ہم یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) یہ جانتے ہوئے کہ شرکِ محض کو توحیدِ خالص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ پوری بے باکی سے کفّارِ مکہ کو خوش کرنے کے لیے جواب دیا کہ اُن سے کہیں زیادہ تم ہدایت پر ہو(1)۔ جانتے بوجھتے سفید جھوٹ! اخلاقی پستی مُلاحظہ ہو۔ ایسوں پر لعنت نہ برسے گی تو کیا رحمت کے پھول برسیں گے۔

۹۰ یہ تو خیر ہوئی کہ انہیں اِختیار و اِقتدار میسّر نہیں۔ اگر کوئی خِطّۂ زمین اُن کے زیرِ نگیں ہوتا تو فرطِ بخل سے یہ کسی کو پھوٹی کوڑی بھی نہ دیتے۔

۹۱ حسد کی تعریف یہ کی گئی ہے اَلْحَسَدُ بِاَنَّهٗ تَمَنِّیْ زَوَالِ النِّعْمَةِ عَنْ صَاحِبِهَا الْمُسْتَحِقِّ لَهَا(2) یعنی ایسے شخص سے نعمت کے زوال کی آرزو کرنا جو اس نعمت کا صحیح مستحق ہو۔ اِس آیت میں بتایا گیا کہ یہودیوں کی یہ اِسلام دُشمنی محض حسد کی وجہ سے تھی ورنہ یہ مرقعِ حُسن و خوبی بھی تو خاندانِ ابراہیمی کا چشم و چراغ ہے۔ اور حضرت ابراہیم کے خاندان کو تو اس کے رب نے نبوّت، کتاب،

1۔ تفسیر قرطبی، زیرِ آیت ہذا، جز5، ص249 2۔ تفسیر المنار، زیرِ آیت ہذا، ج5، ص161

نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ

پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دے دیں گے ہم اُنھیں کھالیں دُوسری تاکہ وُہ (مسلسل) چکھتے رہیں عذاب کو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے اور جو لوگ اِیمان لائے اور نیک عمل بھی کیے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

عنقریب ہم داخل کریں گے انھیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندّیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں

اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

تا ابد۔ اُن کے لیے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم داخل کریں گے انھیں گھنے سایہ میں

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ

بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمھیں کہ (اُن کے) سپرد کرو ۹۲ امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں اور جب بھی فیصلہ کرو ۹۳

حکمت اور وسیع سلطنت سے سرفراز فرمایا۔ اگر اس کے ایک فرزند کو یہ نعمتیں پھر بخشی گئی ہیں تو حیرت وافسوس کیوں ہو۔ نقیر کھجور کی گٹھلی پر باریک سا جو نقطہ ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں (1) مُراد ہے حقیر ترین چیز۔

۹۲ علامہ قرطبی لکھتے ہیں هٰذِهِ الْاٰيَةُ مِنْ اُمَّهَاتِ الْاَحْكَامِ تَضَمَّنَتْ جَمِيْعَ الدِّيْنِ وَالشَّرْعِ (2) یعنی یہ آیت قرآنِ کریم کے اہم ترین احکام سے ہے۔ اس کے ضمن میں دین اور شریعت کی تمام تفصیلات سمیٹ کر رکھ دی گئی ہیں۔ اور قرطبی کا یہ کہنا بالکل بجا ہے۔ کیونکہ ادائے امانت سے مُراد یہاں صرف یہی نہیں کہ آپ کسی شخص کے پاس کوئی چیز رکھیں اور وہ آپ کو جُوں کی تُوں واپس کر دے بلکہ اس کا مفہوم وسیع تر ہے۔ عبادات بھی امانت ہیں۔ ان کو صحیح وقت پر اخلاصِ نیّت سے شرائط وقیود کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا اس امر کی تعمیل ہے۔ اگر آپ کو اقتدار وحکومت حاصل ہے تو غریب وامیر، قوی وضعیف میں مساوات قائم کرنا، عدل کے ترازو کو تمام مخالف رُجحانات کے باوجود برابر رکھنا، حکومت کے عُہدوں پر تقرّر کے لیے کُنبہ پروری اور دوست نوازی کی بجائے صرف اہلیّت وقابلیّت کو معیار قرار دینا بھی اِس حکم کی تعمیل میں داخل ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ وَالْاَظْهَرُ فِي الْاٰيَةِ اَنَّهَا عَامَّةٌ فِيْ جَمِيْعِ النَّاسِ فَهِيَ تَتَنَاوَلُ الْوُلَاةَ فِيْمَا اِلَيْهِمْ مِنَ الْاَمَانَاتِ فِيْ قِسْمَةِ الْاَمْوَالِ وَرَدِّ الظِّلَامَاتِ وَالْعَدْلِ فِي الْحُكُوْمَاتِ (3)۔

۹۳ عام لوگوں کے علاوہ اس حکم کے خصوصی مخاطب اُمراء اور حُکّام ہیں۔ اور اگر نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد پیش نظر ہو تو پھر ہر شخص

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 249 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 255 3۔ ایضاً، جز 5، ص 256

بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ

لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو انصاف سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے تمہیں

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ

بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے اے ایمان والو! ۹۴ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ

اور اطاعت کرو (اپنے ذی شان) رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی

شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى ۹ ع ۵

اور روزِ قیامت پر یہی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کا انجام کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف

اِس آیت کا خصوصی مخاطب ہے۔ اِرشاد ہے۔ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ فَالْاِمَامُ رَاعٍ وَّهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِىَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُ(1)۔ تم میں سے ہر شخص اپنے مرتبہ کے لحاظ سے پاسبان ہے اور جوابدہ ہے امام اور خلیفہ بھی راعی ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خاوند اپنے گھر والوں کا رئیس ہے۔ اور بیوی اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے۔ ہر ایک سے اُس کی حیثیت کے مُطابق سوال کیا جائے گا۔

۹۴ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرّم کی اطاعت کے علاوہ مسلمان امراء اور حکّام کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس دارِ فانی میں زیادہ دیر اقامت گزیں نہیں ہونا تھا اور حضور کے بعد اُمورِ مملکت کی ذمّہ داری خُلفاء اور اُمراء نے سنبھالنی تھی اس لیے اُن کی اطاعت کرنے کے متعلق بھی تاکید فرمائی۔ لیکن اطاعتِ رسول اور اطاعتِ امیر میں ایک بیّن فرق ہے۔ نبی معصوم ہوتا ہے۔ جملہ اُمور میں خصوصاً احکام شرعی کی تبلیغ میں اس سے خطا نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اس کی اطاعت کا جہاں حکم دیا غیر مشروط اِطاعت کا حکم دیا۔ مثلاً مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (2)۔ جو کچھ تمہیں رسول دے لے لو اور جس سے روکے رُک جاؤ۔ رسول کا ہر حکم واجب التسلیم اور اٹل ہے اِس میں کسی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص258۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن، ج1، ص122 (الفاظ قدرے مختلف ہیں) 2۔ سورۃ الحشر: 7

اَلَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ

جو ۹۵ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وُہ اِیمان لائے اس (کتاب) کے ساتھ جو اُتاری گئی آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ

قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا

سے پہلے (اس کے باوجود) چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لیے (اپنے مقدّمات) طاغوت ۹۶ کے پاس لے جائیں حالانکہ انھیں حکم دیا گیا

کو مجالِ قیل وقال نہیں خلیفہ کا معصوم ہونا ضروری نہیں۔ اس سے غلطی بھی ہوسکتی ہے اس لیے اس کی مشروط اطاعت کا حکم دیا کہ اس کے حکم کو خدا اور رسول کے فرمان کی روشنی میں پرکھو۔ اگر اس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کرو ورنہ وہ قابلِ عمل نہیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ(1)۔ اِس لیے حاکم وقت کی اِطاعت کا حکم فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تمہارے درمیان تنازع رونما ہو جائے تو اسے لوٹا دو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف۔ یعنی اس حکم کا قرآن وسُنّت کی روشنی میں جائزہ لو۔ اگر اس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کرو ورنہ تم پر اس کی اطاعت فرض نہیں۔

۹۵ اِن آیات کے شانِ نزول کے متعلّق علماء تفسیر وحدیث نے یہ واقعہ ذِکر کیا ہے کہ ایک یہودی اور ایک منافق کے درمیان جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا کرتا تھا تنازعہ ہوگیا۔ یہودی حق پر تھا۔ اس نے اس بظاہر مسلمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے کہا۔ اُس منافق کے دل میں چور تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہاں تو نہ سفارش چلے گی اور نہ رِشوت سے کام بنے گا۔ اس لیے اس نے کہا کہ تمہارے عالم کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ یہودی اِس بات پر رضامند نہ ہوا۔ چُنانچہ چار و ناچار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہودی حق پر تھا فیصلہ بھی اسی کے حق میں ہوا۔ منافق کو پسند نہ آیا تو وہ یہودی کو لے کر حضرت صدیق کے پاس گیا۔ وہاں سے بھی وُہی حکم ملا۔ لیکن اس کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ آخر دل میں سوچا کہ میں بظاہر تو مسلمان ہوں اور یہ یہودی ہے عُمر کے پاس چلیں وہ یقیناً میرے اِسلام کا پاس کرتے ہوئے میرے حق میں فیصلہ دیں گے۔ چنانچہ اس نے یہودی کو بھی اِس پر رضامند کرلیا۔ جب وہاں پہنچے تو یہودی نے عرض کی کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابُوبکر اِس مقدّمہ کا فیصلہ میرے حق میں کر چکے ہیں اب یہ مجھے آپ کے پاس لایا ہے۔ حضرت عُمر نے فرمایا۔ رُوَیْدَ کُمَا حَتّٰی اَخْرُجَ اِلَیْکُمَا میرے واپس آنے تک ٹھہرو۔ چنانچہ آپ گھر تشریف لے گئے۔ تلوار بے نیام کیے واپس آئے اور اس منافق کا سر قلم کر دیا اور فرمایا هٰكَذَا اَقْضِیْ عَلٰی مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَقَضَاءِ رَسُوْلِهٖ وَنَزَلَتِ الْاٰیَةُ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْتَ الْفَارُوْقُ (قرطبی) یعنی جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا میں اُس کا یوں فیصلہ کیا کرتا ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن حضرت عُمر کو الفاروق (حق و باطل میں فرق کرنے والا) کے لقب سے سرفراز فرمایا(2)۔

۹۶ طاغُوت پر حاشیہ گزر چکا۔ یہاں طاغُوت سے مُراد وہ حاکم اور عدالت ہے جو احکام الٰہی کے خلاف مقدّمات کا فیصلہ کیا کرے(3)۔

1۔ مسند امام احمد، ج1، ص131، مکتبہ دار صادر، بیروت 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص64-263 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج5، ص68

اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾

تھا کہ اِنکار کریں طاغوت کا اور چاہتا ہے شیطان کہ بہکا دے انھیں بہت دُور تک

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ

اور جب کہا جائے انھیں کہ آؤ ۹۷ اس (کتاب) کی طرف جو اُتاری ہے اللہ نے اور (آؤ) رسولؐ (پاک) کی طرف تو آپ

الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ

دیکھیں گے مُنافقوں کو کہ منہ موڑ لیتے ہیں آپ سے رُوگردانی کرتے ہُوئے پس کیا حال ہوتا ہے جب پہنچتی ہے انھیں

مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ

مُصیبت ۹۸ بوجہ اُن (کرتوتوں) کے جو آگے بھیجے ہیں اُن کے ہاتھوں نے پھر حاضر ہوتے ہیں آپ کے پاس قسمیں اُٹھاتے ہیں اللہ کی (کہتے ہیں بخدا)

اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا

نہیں قصد کیا تھا ہم نے مگر بھلائی اور باہمی مصالحت کا یہ لوگ ہیں خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ ۹۹ جو کچھ

۹۷ اس سے معلوم ہوا کہ مُنافقین کی یہ عادت تھی کہ جس مقدّمہ کے متعلّق انہیں یہ یقین ہوتا کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہوگا اس کے تصفیہ کے لیے تو بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوتے اور جس کے متعلق یہ خیال ہوتا کہ ہم جھوٹے ہیں اس کے لیے ایسے حاکم کے پاس جاتے جہاں انہیں معلوم ہوتا کہ ہم اپنے اثر و رسوخ یا رِشوت سے اپنے حق میں فیصلہ کرالیں گے۔ آج بھی بعض لوگ ایسے اُمور میں تو شریعت کے مطابق فیصلہ کرانے پر بڑے مُصِر ہوتے ہیں جہاں انہیں فائدہ کی توقع ہو اور جہاں یہ خیال ہو کہ شریعت کا قانون ان کے خلاف ہے تو اس وقت دوسرے قوانین اور رسم و رواج وغیرہ کی آڑ لیتے ہیں اور شریعت کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ آپ خود سوچیں کہ اُن کے درمیان اور عہدِ رسالت کے مُنافقین کے درمیان پھر کیا فرق ہوا۔

۹۸ یعنی جب اُن کے نِفاق کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو پھر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو فلاں شخص کے پاس اس لیے گئے تھے کہ وہ ہمارے درمیان مصالحت کرا دے ورنہ فیصلہ تو وہی ہم نے تسلیم کر لیا تھا جو اللہ کے رسول مقبول نے فرمایا تھا۔

۹۹ وہ لاکھ جھوٹی قسمیں کھائیں اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں میں جو پوشیدہ ہے اُس سے خُوب واقف ہے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ

ان کے دلوں میں ہے (اے حبیبؐ!) چشم پوشی فرمائیے ان سے اور نصیحت کرتے رہیئے انھیں اور کہیئے انھیں ان کے تنہائی میں

قَوْلًۢا بَلِیْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

ایسی بات جو مؤثر ہو اور نہیں بھیجا ہم نے [۱۰۱] کوئی رسول مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ

اور اگر یہ لوگ [۱۰۲] جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے

[۱۰۰] اس صریح سرکشی کے بعد بھی مولائے کریم اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے مواخذہ نہ کرنے اور ان کی اِصلاح وہدایت کے لیے کوشاں رہنے کی تلقین فرما رہا ہے۔ اسی کے متعلق تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ (1) میرے رب نے مجھے آداب واخلاق کی تعلیم دی ہے اور خوب دی ہے۔

[۱۰۱] چند لفظوں میں ایک طویل بحث کو سمو کر رکھ دیا۔ اللہ کی اطاعت ہر مومن پر فرض ہے۔ اور اللہ کی اطاعت یہ بھی ہے کہ اس کا یہ حکم بھی مانا جائے کہ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی اطاعت کرو۔ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے انکار کرتا ہے اس نے گویا اللہ کے حکم سے سرتابی کی۔ تو رسول کی نافرمانی کر کے اُس نے صرف رسول کی ہی نافرمانی نہیں کی بلکہ اللہ کی بھی نافرمانی کی ہے جس کا یہ حکم اس نے تسلیم کرنے سے اِنکار کر دیا ہے کہ میرے رسول کی اطاعت کرو۔ وہ فرقہ جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِتباع کو غیر ضروری بلکہ اُمت کے لیے مُضِر اور نقصان دِہ سمجھتا ہے وہ اِس آیت کو کیوں نہیں پڑھتا اور اگر پڑھتا ہے تو اسے کیوں واجب الاتباع یقین نہیں کرتا۔

[۱۰۲] یعنی اے رحمتِ مجسّم! اگر یہ دنیا بھر کے قصور کر کے اور اپنی جانوں پر طرح طرح کے ظلم توڑنے کے بعد بھی نادم وتائب ہو کر تیرے حضور میں حاضر ہوں تو ان پر اپنا درِ کرم باز رکھ۔ جب ان کی شفاعت وبخشش ورُستگاری کے لیے تیرا ہاتھ میری بارگاہِ جُود وعطاء میں اُٹھے گا تو خواہ وہ کتنے گنہ گار رُوسیاہ اور بدکار کیوں نہ ہوں تیرے رب کی رحمت ان کو مایوس نہیں کرے گی بلکہ ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ان بیگانوں کو اپنا بنا لیا جائے گا۔ حضورِ اکرم شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ برکت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری زندگی تک محدود نہ تھی بلکہ تا ابد ہے۔ اہلِ دل اور اہلِ نظر ہر لمحہ اور ہر آن اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اور (فرطِ رنج وغم سے) مزارِ پُرانوار پر گر پڑا اور خاکِ پاک کو اپنے سر پر ڈالا۔ اور عرض کرنے لگا اَے اللہ کے رسول! جو آپ نے فرمایا ہم نے سُنا، جو آپ نے اپنے رب سے سیکھا وہ ہم نے آپ سے سیکھا اور اسی میں یہ آیت بھی تھی وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا الخ میں

1۔ کنز العمال، ج11، ص406، حدیث نمبر31895 (عن ابن مسعود)

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا

نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لیے رسول (کریم) بھی تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا۔ پس

وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

(اے مصطفٰے!) تیرے رب کی قسم یہ ۱۰۳؎ لوگ مومن نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا

پھر نہ پائیں ۱۰۴؎ اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کرلیں

تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ

دل وجان سے اور اگر ہم فرض کردیتے ان پر ۱۰۵؎ کہ قتل کرو اپنے آپ کو یا

نے اپنی جان پر بڑے بڑے ستم کیے ہیں۔ اب تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اے سراپا شفقت ورحمت! میری مغفرت کے لیے دعا فرمایئے۔ فَنُوْدِیَ مِنَ الْقَبْرِ اَنَّهٗ قَدْ غُفِرَ لَكَ (القرطبی) تو مرقدِ منور سے آواز آئی تجھے بخش دیا گیا(1)۔

۱۰۳؎ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت واِتباع کو پھر نہایت واضح، مؤکد اور مؤثر پیرایہ میں بیان فرمایا جارہا ہے۔ واؤ قسم کے لیے ہے۔ نفی اِیمان پر دلالت کرنے کے لیے لا نفی کو دوبار ذِکر کیا ہے۔ ایک بار قسم سے پہلے اور دوسری مرتبہ قسم کے بعد۔ یعنی تیرے رب جلیل کی قسم وہ ہرگز ہرگز اِیماندار نہیں ہوسکتے۔ اگر ایک لاءِ نفی پر اِکتفا کیا جاتا تو عبارت لغوی لحاظ سے تو درست ہوتی لیکن یہ زورِ بیان مفقود ہوتا۔ امام ابن جریر وغیرہ کا قول ہے کہ اِس آیت کا تعلق بھی اسی سابقہ واقعہ سے ہے(2) اور یہ حکم بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات تک نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ ہر شخص کے لیے ہے اور یہی ایمان کی اساس ہے۔ جو شخص اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرتابی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے متعلق قسم سے مؤکد کرکے اپنا فیصلہ یہ دیتا ہے کہ وہ مومن نہیں۔ وہاں تو وہی اطاعت قبول ہے جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِتباع وپیروی میں ہو اور وُہی مطیع، مطیع ہوگا جو مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء کی غلامی کا طوق زیبِ گلو کیے حاضر ہوگا۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

۱۰۴؎ اس جملہ نے تو یہاں تک تصریح کردی کہ ظاہری انقیاد وتسلیم کافی نہیں بلکہ مومن وہ ہوگا جو دل کی گہرائیوں میں بھی فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی گرانی اور گھٹن محسوس نہ کرے۔

۱۰۵؎ عَلَيْهِمْ کی ضمیر کا مرجع مُنافقین ہیں (ابن عباس)(3) جن کا ذکر سابقہ آیات میں چلا آرہا ہے یعنی جب معمولی سی آزمائش آتی ہے تو ان کے ایمان کی قلعی کھل جاتی ہے اگر ان کا شدید قسم کا اِمتحان لیا جاتا تو گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ سب فیل ہو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص265-66 2۔ ایضاً، جز5، ص266 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج5، ص73

اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ

نکل جاؤ اپنے اپنے گھروں سے تو نہ بجا لاتے اس کو مگر چند آدمی ان میں سے اور اگر وہ کرتے

فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۙ﴿۶۶﴾

۱۰۶؎ جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہوتا بہتر اُن کے لیے اور (اس طرح) سختی سے (اللہ کے احکام پر) ثابت قدم ہو

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا

جاتے تو اس وقت ہم بھی عطا فرماتے انہیں اپنے پاس سے اجرِ عظیم اور ضرور پہنچاتے انہیں سیدھے

مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ

راستہ تک ۱۰۷؎ اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول کی تو وہ ۱۰۸؎ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر

جاتے۔ اور صحابہ کرام نے جب یہ آیت سُنی تو بول اُٹھے لَوْ فَعَلَ رَبُّنَا لَفَعَلْنَا اگر ہمارے رب نے ہمیں یہ حکم دیا تو ہم تعمیل حکم کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے صحابہ کا یہ جواب سنا تو اس کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا لَلْاِیْمَانُ اَثْبَتُ فِیْ قُلُوْبِ اَهْلِهٖ مِنَ الْجِبَالِ الرَّوَاسِیْ اہل ایمان کے دلوں میں ایمان مستحکم پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوطی سے جاگزیں ہے (1)۔

۱۰۶؎ مُنافقین کو نصیحت کی جارہی ہے کہ تمہارے لیے یہ کتنا بہتر ہوتا کہ تم یکسوئی سے میرے رسول کا دامن پکڑ لیتے۔ تمہاری دنیا بھی سنور جاتی اور آخرت بھی۔ اور اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ تذبذب کی یہ کیفیت جس سے تم دوچار ہو، کبھی اِسلام کی طرف لپکتے ہو اور کبھی کفر کے ساتھ چمٹتے ہو یہ ختم ہو جاتی۔ تمہارے دلوں کی بے یقینی یقین سے اور تمہارے رُوحوں کی بے چینی اِطمینان سے بدل جاتی اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس شخص کے کرب والم کی کیا کیفیت ہوتی ہے جو تذبذب و بے یقینی کی موجوں کے تھپیڑے کھا رہا ہو اور اس کے سفینۂ حیات کی کوئی متعین منزل نہ ہو۔ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا کیا حکیمانہ اور پیارا جُملہ ہے۔

۱۰۷؎ کیا خوب لکھا ہے علامہ بیضاوی نے۔ فرماتے ہیں: يَصِلُوْنَ بِسُلُوْكِهٖ جَنَابَ الْقُدْسِ وَيُفْتَحُ عَلَيْهِمْ اَبْوَابُ الْغَيْبِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (2)۔ یعنی اطاعتِ رسول کی برکت سے انہیں وہ رستہ مل جائے گا جو اُنہیں حریم قدس تک پہنچا دے گا اور ان پر غیب کے دروازے کُھل جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے وہ علوم القاء کرتا ہے جن کو وہ نہیں جانتا۔

۱۰۸؎ پہلے مذبذب لوگوں کو اطاعت کی ترغیب دی گئی۔ اب ان خوش نصیبوں کی خوش بختی کا ذِکر کیا جارہا ہے جنہیں اللہ اور اس کے

1۔ الدر المنثور فی التفسیر الماثور از جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی، متوفی 911ھ، زیر آیت ہذا، ج2، ص324، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ بحوالہ ابن ابی حاتم۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج5، ص102

2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:117۔ حلیۃ الاولیاء، ج10، ص15، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ، مصر۔

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ

اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدّیقین اور شہداء

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا شرف نصیب ہوا۔ صِدِّیق۔ فِعِّیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا لغوی معنی اَلْمُبَالِغُ فِی الصِّدْقِ(1) نہایت راست باز اور راست گفتار ہے۔ اور مقاماتِ قُربِ الٰہی میں سے ایک مقام کا نام بھی ہے۔ الشیخ محمد عبدہٗ لکھتے ہیں هُمُ الَّذِيْنَ زَكَتْ فِطَرَتُهُمْ وَاعْتَدَلَتْ اَمْزِجَتُهُمْ وَ صَفَتْ سَرَائِرُهُمْ حَتّٰى اَنَّهُمْ يُمَيِّزُوْنَ بَيْنَ الْحَقِّ وَ الْبَاطِلِ وَالْخَيْرِ وَالشَّرِّ بِمُجَرَّدِ عُرُوْضِهٖ(2)۔ یعنی صدیقین وہ لوگ ہیں جن کی فطرت اور جن کا باطن ہر گرد و غُبار سے یُوں پاک صاف ہوتا ہے کہ جب ان پر حق پیش کیا جاتا ہے تو بے ساختہ اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ خیر و شر کے درمیان انہیں اِلتباس نہیں ہوتا بلکہ جیسے نگاہ سیاہ و سپید کے درمیان بے تکلف اِمتیاز کر لیتی ہے اسی طرح وہ حق و باطل اور خیر و شر میں امتیاز کر لیتے ہیں۔ یہ صدیقیت کا مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی جلیل القدر صحابہ کو حاصل تھا۔ اور صدیقِ اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ جن کی زندگی کا ہر لمحہ اسی صدیقیت کبریٰ کا مظہرِ اتم ہے۔ ایمان لانے کی دعوت دی گئی تو ادنیٰ جھجک کے بغیر اُسے قبول کیا۔ معراج کی خبر سُنی تو دل و جان سے اسے حق تسلیم کیا۔ صلح حدیبیہ کی شرائط پر ایک یہ ہستی تھی جسے کوئی تردّد نہ تھا اور خلافت کے اڑھائی سال کے عرصہ میں تو سُبحان اللہ! صدیقیت کی نور افشانیاں اور ضیاء پاشیاں عین شباب پر تھیں۔ جو قدم اٹھایا اکابر صحابہ بھی پریشان ہو گئے۔ لیکن ہر قدم دُرست نکلا۔ ہر تدبیر ہم آہنگِ تقدیر ثابت ہوئی۔ ایک ایک واقعہ کو لیجئے۔ بخدا یوں محسوس ہوتا ہے کہ صدیقیت کا نور تمام حجابات کو چیر کر بطنِ غیب کے حالات کو بے حجاب دیکھ رہا ہے۔

اَلشُّهَدَاءُ: اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ اَلشَّهِيْدُ فَعِيْلٌ بِمَعْنَى الْفَاعِلِ وَهُوَ الَّذِىْ يَشْهَدُ بِصِحَّةِ دِيْنِ اللّٰهِ تَارَةً بِالْحُجَّةِ وَالْبَيَانِ وَاُخْرٰى بِالسَّيْفِ وَالسِّنَانِ وَ يُقَالُ لِلْمَقْتُوْلِ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ شَهِيْدٌ مِنْ حَيْثُ اِنَّهٗ بَذَلَ نَفْسَهٗ فِىْ نُصْرَةِ دِيْنِ اللّٰهِ وَ شَهَادَتِهٖ لَهٗ بِاَنَّهُ الْحَقُّ وَمَا سِوَاهُ الْبَاطِلُ (کبیر)(3)

شہید کا وزن فعیل بمعنی فاعل ہے۔ وہ شخص جو کبھی نورِ برہان اور قوتِ بیان سے اور کبھی شمشیر و سنان سے دین الٰہی کی حقّانیّت کی شہادت دے وہ شہید کہلاتا ہے اور راہِ خدا میں قتل ہونے والے کو اسی مناسبت سے شہید کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی جان قربان کر کے دین کی حقانیت کی گواہی دی۔ اس کے معاً بعد امام رازی لکھتے ہیں کہ وہی افراد جو دنیا میں دین کی صداقت کے شاہد رہے وہی قیامت کے روز لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کے مصداق ہوں گے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

اَلصَّالِحُوْنَ: اِمام رازی فرماتے ہیں کہ وَالصَّالِحُ هُوَ الَّذِىْ يَكُوْنُ صَالِحًا فِىْ اِعْتِقَادِهٖ وَفِىْ عَمَلِهٖ(4) جو عقائد و اعمال دونوں کے لحاظ سے صالح ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا یہ کتنا شیریں ثمر ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص272
2۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج5، ص244
3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد5، جز10، ص180
4۔ ایضاً

وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ

اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی ۱۰۹ یہ (محض) فضل ہے اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ ع ۱۱ ۶

کا ۱۱۰ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا اے ایمان والو! ہوشیار رہو ۱۱۱

۱۰۹ حَسُنَ بمعنی مَا اَحْسَنَ تعجب کے لیے ہے (1) بظاہر حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رُفَقَاءَ ہونا چاہیے۔ لیکن عُلماء نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ تقدیرِ کلام یہ ہے حَسُنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ رَفِيْقًا (2) اور دوسرا جواب جو زیادہ واضح ہے یہ ہے کہ رفیق، برید وغیرہ الفاظ واحد، جمع اور جنس سب معانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں (3)۔ اس لیے یہاں رفیق بمعنی رفقاء ہے۔

اِس آیت کا شانِ نزول یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عاشقِ زار حضرت ثوبان حاضر ہوئے تو ان کا چہرہ اُترا ہوا اور رنگ اُڑا ہوا دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وجہ پوچھی تو دردمند عاشق نے عرض کی یا رسول اللہ! نہ کوئی جسمانی تکلیف ہے اور نہ کہیں درد ہے۔ بات یہ ہے کہ رُخِ انور جب آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے تو دل بے تاب ہو جاتا ہے۔ فوراً زیارت سے اس کو تسلی دیتا ہوں۔ اب رہ رہ کر مجھے یہ خیال ستا رہا ہے کہ جنّت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام بلند کہاں ہوگا اور یہ مسکین کس گوشہ میں پڑا ہوگا۔ اگر رُوئے تاباں کی زیارت نہ ہوئی تو میرے لیے جنّت کی ساری لذتیں ختم ہو جائیں گی۔ فراق وہجر کا یہ جانکاہ صدمہ تو اِس دلِ ناتواں سے برداشت نہ ہو سکے گا۔ حضور یہ ماجرا سُن کر خاموش ہو گئے یہاں تک کہ جبرئیل امین یہ مُژدہ لے کر تشریف لائے کہ ہم اطاعت گزار عشّاق کو جنّت میں جُدائی کا صدمہ نہیں پہنچائیں گے بلکہ ان کو اپنے محبوب کی معیت ووصال میسّر ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ عِشقِ مُصطفوی میں صرف ثوبان کی یہ کیفیت نہ تھی بلکہ سب کا تقریباً یہی حال تھا۔ چنانچہ علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین جنہوں نے یہ روایت لکھی ہے انہوں نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جملہ صحابہ کے شِکوۂ فراق پر یہ آیت نازل ہوئی (4)۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ حَبِيْبِكَ الْمُصْطَفٰى وَاَنْتَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

۱۱۰ اعمال صالحہ پر اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا گیا ہے جو یقیناً پورا ہوگا۔ جنت، جنت کی بے پایاں نعمتیں، کیف بار اور سُرور آگیں لذّتیں، حُور وقصور، ان کے علاوہ دیگر بے شمار اِنعام واِکرام ان اعمالِ صالحہ کا اجر ہوں گے۔ لیکن اپنے محبوب بندوں کی معیت خصوصاً اپنے حبیبِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں شرفِ باریابی کی سعادت بطور اجر وثواب نہیں ہوگی بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور شانِ جُود وعطا کی جلوہ گری ہوگی۔ اس کی لطافتوں سے وہی بہرہ ور ہو سکتے ہیں جن کو دردِ محبّت اور سوزِ عشق کے اِنعام سے سرفراز کیا گیا ہے۔

۱۱۱ حِذْرٌ وحَذَرٌ ایک ہی معنی ہے۔ يُقَالُ اَخَذَ حِذْرَهٗ اِذَا تَيَقَّظَ وَاحْتَرَزَ مِنَ الْخَوْفِ (5)۔ کسی خوفناک چیز سے ہوشیار اور

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج1، ص531 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص272 3۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج5، ص247
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص72-271۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج5، ص103، مطبعۃ الکبریٰ الامیریہ، مصر 5۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج5، ص250

فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ

پھر (وقت آجائے تو) نکلو ٹولیاں بن کر یا نکلو سب مل کر اور بے شک تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو ضرور لائے دیر

فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ

لگائیں گے پھر اگر پہنچے تمہیں کوئی مصیبت تو وہ کہے احسان فرمایا ہے اللہ نے مجھ پر کہ میں نہیں

اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ

تھا ان کے ہمراہ (جنگ میں) حاضر اور اگر ملے تمہیں فضل (فتح اور مالِ غنیمت) اللہ کی مہربانی سے

لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ

تو ضرور کہے جیسے نہیں تھی تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کوئی دوستی کاش میں بھی ہوتا اُن

مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

کے ہمراہ تو حاصل کرتا بڑی کامیابی پس چاہیئے کہ لڑا کریں اللہ کی راہ میں (صرف) وہ لوگ جنھوں نے

چوکنّا ہو جانا۔ مسلمانوں کو پہلے اطاعت خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم دیا اب دین حق کی سربلندی کے لیے جہاد کی تلقین کی جارہی ہے۔ اور پوری طرح تیاری کرنے اور دشمن کی عیّارانہ چالوں سے ہوشیار اور چوکنّا رہنے کی ہدایت کی جارہی ہے۔ ثُبَاتٌ کا واحد ثُبَةٌ ہے اس کا معنی گروہ ہے(1)۔

۱۱۲ھ مُنافقوں کا مُسلمانوں کے ساتھ جو برتاؤ تھا اس کا ذکر کیا جارہا ہے کہ مسلمان میدانِ جہاد کا رُخ کریں تو یہ مختلف حیلوں بہانوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اگر میدان جنگ میں مسلمانوں کو مصیبت یعنی تکلیف اور شکست ہو تو بغلیں بجاتے ہیں اور اپنے پیچھے رہ جانے کو اللہ کا فضل شمار کرتے ہیں حالانکہ یہ عین اُس کی ناراضگی کا نتیجہ ہے کہ انہیں شہادت کی سعادت اور جہاد کے ثواب سے محروم رکھا۔ اور اگر مسلمانوں کو فتح ہو تو انہیں سانپ سُونگھ جاتا ہے اور ان کے دلوں میں حسرت و پشیمانی کی آگ سُلگنے لگتی ہے۔ یہ پشیمانی اگر ثوابِ جہاد سے محرومی کے باعث ہوتی تو کوئی بات بھی تھی لیکن اُن کی ندامت و پشیمانی تو فقط اِس لیے ہے کہ انہیں اب مالِ غنیمت سے حصہ نہیں ملے گا۔ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ کا جملہ ان کی ذہنیت کو خُوب واضح کر رہا ہے۔

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج5، ص253

يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ

بیچ دی ہے دُنیا کی زندگی ۱۱۳ آخرت کے عوض اور جو شخص لڑے ۱۱۴ اللہ کی راہ

اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَ

میں پھر (خواہ) مارا جائے یا غالب آئے تو (دونوں حالتوں میں) ہم دیں گے اسے اجرِ عظیم اور

مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

کیا ہوگیا ہے تمہیں کہ جنگ نہیں کرتے ہو ۱۱۵ راہِ خُدا میں حالانکہ کئی بے بس

۱۱۳ شراء خریدنے اور بیچنے دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے (1)۔ یہاں دوسرے معنی میں مستعمل ہوا ہے (2)۔ مقصد یہ ہے کہ اس فدائیت اور جاں نثاری کے میدان میں وُہی قدم رکھے جو پہلے اپنی زندگی اور اس کی دِل بستگیوں کا سَودا اپنے رب کے ساتھ کر چکا ہو۔ وہ لوگ جو دُنیا اور دُنیاوی جاہ وجلال کے متلاشی ہیں وہ کسی اور منڈی کا رُخ کریں۔ مسلمانوں کی صفوں میں اور اسلام کے پرچم کے نیچے ایسے دُوں ہمت اور دنیا طلب لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

۱۱۴ نیّت میں اخلاص ہو۔ مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دین کی سربلندی ہو تو پھر کامیابی کا یہ معیار نہیں کہ خیر وعافیت سے مالِ غنیمت کے انبار سمیٹے ہوئے واپس آئے تو کامیاب ورنہ ناکام۔ نہیں وہ شخص ہر حالت میں کامیاب ہے، سلامتی سے گھر واپس آئے تو، جام شہادت نوش کرے تو، علامہ مرحوم نے کیا خوب ترجمانی کی ہے ؎

برتر از اندیشۂ سُود و زیاں ہے زِندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی (3)

۱۱۵ مکّہ میں کئی مرد، عورتیں اور بچے ایسے تھے جو اِسلام قبول کر چکے تھے۔ لیکن کفّارِ مکّہ نے اُن کا ناک میں دم کیا ہوا تھا۔ نہ وہ ہجرت کر سکتے اور نہ انہیں امن وسلامتی میسّر تھی۔ وہ خدا ناترسوں کے مظالم برداشت کرتے اور اللہ کے حضور میں دعائیں مانگتے کہ اَے غریبوں کے فریادرس اور بے کسوں کے حامی! ہم ناتوانوں پر رحم فرما اور ہمیں ان ظالموں کے چنگل سے چُھڑا۔ اللہ تعالیٰ اِس آیت میں مسلمانوں کو اپنے مظلوم بھائیوں، بہنوں کی امداد کی ترغیب دے رہا ہے۔ چنانچہ وہ دن آیا جب نبی رحمت اپنے ہمراہ دس ہزار مسلمانوں کو لیے مکہ پر حملہ آور ہوا۔ اُس روز مکہ نے اپنے بند دروازے کھول دیئے اور اس کے مغرور ومتکبّر سرداروں نے اپنی گردنیں خم کر دیں اور ان مظلوموں نے آزادی کا سانس لیا۔ یہ حکم اب بھی بدستور ہے۔ جس خِطۂ زمین میں مسلمان پر کفار مظالم توڑ رہے ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ان کو نجات دلائیں۔ وَمَا لَكُمْ میں اِستفہام تحریض کے لیے ہے یعنی جہاد پر برانگیختہ کرنے کے لیے (4)۔

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج5، ص258 2۔ ایضاً 3۔ کلیات اقبال (اردو)، بانگ درا، نظم زندگی، ص: 371

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص279، روح البیان، زیر آیت ہذا، ج2، ص237

الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بھی ہیں جو (ظلم سے تنگ آ کر) عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! نکال

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ

ہمیں اِس بستی سے ظالم ہیں جس کے رہنے والے اور بنا دے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی دوست

وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝۷۵ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ

اور بنا دے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار جو ایمان لائے ہیں وُہ جنگ کرتے ہیں ۱۱۶

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ

اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں وُہ جنگ کرتے ہیں طاغوت کی راہ میں

ع ۱۲ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝۷۶

تو (اے ایمان والو) لڑو شیطان کے حامیوں سے بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے ۱۱۷

۱۱۶ عمل ایک ہی ہوتا ہے لیکن مقاصد کے اِختلاف کے باعث وہ لائق تحسین یا قابلِ نفرین ہو جاتا ہے۔ جنگ کی اجازت اسلام نے بھی دی۔ اور دوسری قومیں بھی لڑائی کیا کرتی ہیں۔ دونوں جنگوں میں خون کے دریا بہتے ہیں۔ کشتوں کے پشتے لگتے ہیں۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سے فضا سوگوار ہو جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی اِسلام کی جنگ اور دوسری جنگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مومن کی جنگ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے، عدل و انصاف، مساوات و حُریت، نیکی و تقویٰ کی اقدار کو زندہ کرنے کے لیے ہوتی ہے اور غیر مومن کی جنگ کے پس پردہ صرف مادی فوائد کارفرما ہوتے ہیں۔ کسی ملک پر قبضہ، کسی قوم کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا، اپنے لیے تجارت کی منڈیاں قائم کرنا، مفتوحہ ممالک کی معدنیات اور قدرتی ذخائر سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ ان تمام چیزوں کو طاغوت (یعنی باطل) کے ایک لفظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اِن مقاصد کے لیے جو جنگ لڑی جائے گی خواہ لڑنے والوں کے سر پر ہلالی پرچم لہرا رہا ہو اور غلغلہ ہائے تکبیر سے ساری فضا تھرا رہی ہو وہ جنگ فی سبیل اللہ نہیں ہوگی۔

۱۱۷ اے اہل اِیمان! باطل کو نیست و نابُود کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دو۔ تم حق کے علم بردار ہو۔ حق کو فتح اور غلبہ نصیب ہو گا تو اِنسانیت کے چمن میں بہار آ جائے گی۔ اعلیٰ اخلاقی قدروں کی بالادستی قائم ہوگی۔ نیکی کی روشنی اور مہک ہر سُو پھیل جائے گی۔ امن و عافیت کا دور دورہ ہوگا۔ باطل کے سربراہوں کی فِتنہ سامانیوں سے خوفزدہ اور دِل گرفتہ ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کیا نہیں دیکھا آپ نے اُن لوگوں کی طرف جنھیں جب کہا گیا ۱۱۸ کہ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور ادا کرو زکوٰۃ (ان باتوں کو تو مان لیا) پھر جب فرض کیا گیا ان پر جہاد تب ایک گروہ ان میں سے

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا

ڈرنے لگ گیا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے ہمارے

لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ

پروردگار! کیوں فرض کر دیا تو نے ہم پر جہاد (اور) کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں تھوڑی مدت تک

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَ

(اے ترجمانِ حقیقت انھیں) کہو دُنیا کا سامان ۱۱۹ بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کیے ہے اور

تمہارے نعرۂ اللہ اکبر سے اہلِ طاغوت کے قلعے لرز جائیں گے۔ تمہارے ایک حملہ کی دیر ہے ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہے گا۔ شیطان کا مکر وفریب بہت کمزور ہے۔

۱۱۸ علامہ قرطبی نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی کہ جب تک نماز وروزہ کا حکم تھا اس وقت تک تو پکے مومن بنے رہے۔ اب جب اسلام کی سربلندی کے لیے سر کٹانے کا موقع آیا تو اَوسان خطا ہونے لگے۔ قُلْتُ وَ هٰذَا اَشْبَهُ بِسِيَاقِ الْاٰيَةِ۔ علّامہ مذکور فرماتے ہیں کہ رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ الخ کا جُملہ صحابہ کرام کی زبان سے نہیں نکل سکتا۔ وہ تو اس دارِفنا کو الوداع کہہ کر آخرت کی ابدی نعمتوں سے ہمکنار ہونے کے لیے ہر وقت بے تاب رہا کرتے تھے۔ وَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ يَّصْدُرَ هٰذَا الْقَوْلُ مِنْ صَحَابِيٍّ كَرِيْمٍ الخ (قرطبی) پناہ بخدا کسی پاکباز صحابی کی زبان سے یہ جملہ صادر نہیں ہوسکتا(1)۔

۱۱۹ یعنی اس ناپائیدار زندگی اور اس کی فنا پذیر آسائشوں کے لیے ابدی زندگی اور اس کے لازوال اِنعامات کو کیوں نظر انداز کرتے ہو۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے مَثَلِيْ وَ مَثَلُ الدُّنْيَا كَرَاكِبٍ قَالَ قَيْلُوْلَةً تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا(2)۔ یعنی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج5، ص281

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص282۔ الفردوس بماثور الخطاب، از ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی، متولد 445ھ، متوفی 509ھ، ج4، ص128، رقم الحدیث: 6396، مطبوعہ دارالبازمکہ مکرمہ

لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ

نہیں ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔ جہاں کہیں تم ہو گے آلے گی تمہیں موت ۱۲۰ اگرچہ (پناہ گزیں) ہو

فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ

تم مضبوط قلعوں میں اور اگر پہنچے انہیں کوئی بھلائی تو کہتے ہیں ۱۲۱ یہ اللہ کی

عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ

طرف سے ہے اور اگر پہنچے انہیں کوئی تکلیف تو کہتے ہیں یہ آپ کی طرف سے ہے

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ

(اے میرے رسول) آپ فرمائیے سب اللہ کی طرف سے ہے تو کیا ہو گیا ہے اس قوم کو بات سمجھنے کے

میری اور اس دنیا کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی سوار راستے میں کسی درخت کے نیچے دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لیے ٹھہرتا ہے اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

۱۲۰ بُروج کا واحد بُرج ہے۔ وہ بلند عمارت جو دور سے نمایاں ہو۔ یعنی قلعہ یا قصر۔ مشیدہ کا معنی مضبوط بھی ہے اور بلند بھی (1)۔ بتانا یہ ہے کہ موت سے خوفزدہ ہو کر نامردی اور بُزدِلی دکھانا عقلمندی نہیں۔ تم اپنے بچاؤ کے ہزاروں سامان کر لو موت آ کر رہے گی۔

۱۲۱ مُنافقین ہی کا ذِکر چلا آ رہا ہے یعنی اُن کا شیوہ یہ ہے کہ اگر جنگ میں فتح ہو یا عام حالات خوشگوار ہوں تو کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اور اگر اُن کی اپنی کمزوری سے پسپائی ہو یا غلّہ گراں ہو جائے یا باغات اچھی طرح نہ پھلیں تو اس وقت سارا اِلزام اللہ کے رسول پر دھرتے ہیں کہ ان کی بے تدبیری کی وجہ سے پسپائی ہوئی ہے یا ان کے اور ان کے صحابہ کے ایسے سبز قدم آئے ہیں کہ ہر چیز سے برکت ہی اُٹھ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے عقل کے اندھو! ہر کام کا فاعِل حقیقی اور مسبب الاسباب تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم میرے محبوب پر کیوں اِلزام لگاتے ہو۔ مولانا دریا آبادی نے یہاں خوب لکھا ہے کہ منافقین کا یہ من عند اللہ کہنا بھی بطور حمد نہ تھا بلکہ بطور محاورۂ زباں تھا جیسے اُردو میں لوگ کہہ اُٹھتے ہیں کہ یہ تو تقدیری امور ہیں۔ (تفسیر ماجدی)(2)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص83-282 2۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص:203، حاشیہ:640

يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۘ وَمَآ

قریب ہی نہیں جاتے جو پہنچے آپ کو ۱۲۲ بھلائی سو وُہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو

اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ

پہنچے آپ کو تکلیف سو وُہ آپ کی طرف سے ہے اور بھیجا ہے ہم نے آپ کو سب لوگوں کی طرف ۱۲۳ رسول بنا کر

۱۲۲ یہاں خطاب نوع انسانی کے ہر فرد کو ہے یا خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور مُراد آپ کی اُمت ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا کل من عند اللہ یعنی ہر چیز سُکھ اور دُکھ، آرام اور تکلیف، خوشحالی اور تنگی سب اللہ کی طرف سے ہے اور یہاں یہ اِرشاد ہے کہ سُکھ آرام اور خوشحالی تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے اور دُکھ، تکلیف اور تنگی وغیرہ انسان کی اپنی طرف سے ہے۔ بظاہر ان آیتوں میں تضاد کا گمان ہوتا ہے اس لیے دو مختصر سے فقروں میں علامہ بیضاوی نے اس کا جواب دے دیا فرماتے ہیں۔ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَاِنَّ الْكُلَّ مِنْهُ اِيْجَادًا وَّ اِيْصَالًا غَيْرَ اَنَّ الْحَسَنَةَ اِحْسَانٌ وَّ اِمْتِحَانٌ وَالسَّيِّئَةَ مُجَازَاةٌ وَّ انْتِقَامٌ (1)۔ یعنی ہر کام کا مُوجِد حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن آرام و خوشحالی کا باعث اُس کا اِحسان ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے بندہ کا امتحان بھی لیا جائے کہ وہ اِس انعام پر کیسے شکر ادا کرتا ہے۔ اور تکلیف و رنج کا باعث اِنسان کی اپنی کوتاہیاں اور غفلتیں ہوا کرتی ہیں۔ اس کی واضح مثال آپ کو غزوۂ اُحد میں ملے گی۔ جس ہزیمت سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا اگرچہ اس کا مُوجد تو رب تعالیٰ ہی تھا لیکن پہاڑی درہ پر متعین دستہ کی جلد بازی اس کا سبب بنی تھی۔ دوسرے بیجوں کی طرح اِنسان کے اعمال بھی اپنے مخصوص برگ و بار رکھتے ہیں۔ انسان کو ہر کام کرتے وقت اس کے مآل و انجام پر بھی نگاہ رکھنی چاہیے۔

۱۲۳ الناس پر الف لام اِستغراق کے لیے ہے (2) یعنی ہم نے آپ کو تمام اِنسانوں کے لیے اور ہر زمانہ کے انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کوئی رنگت، کوئی زبان، کوئی قومیت اور کوئی وطن اس سے مستثنیٰ نہیں۔ سب کے لیے آپ ہی ہادی اور مُرشد ہیں۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے رسول ہیں۔ اور رسول کی تشریف آوری کی غایت ابھی بتائی جا چکی ہے کہ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ کہ اس کی اطاعت کی جائے تو اب کون ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا رسول تو تسلیم کرے اور آپ کی اطاعت سے منحرف ہو۔ اور آیاتِ بینات میں دُور از کار تاویلات کرتا رہے۔ یہ تو یہود کا شیوہ تھا کہ بعض آیاتِ تورات جو ان کی ہوائی نفس کے مطابق ہوتی تھیں انہیں مان لیا کرتے اور دوسری آیات کا حسب منشا مطلب گھڑ لیتے۔ بہرحال یہ امر واضح ہے کہ قرآن نے سنت مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ اسنی الصلوات واحسن التحیات کی بے چُون و چرا اطاعت کو بار بار اتنا دُہرایا ہے کہ قرآن کو اللہ کی کتاب یقین کرنے والے کے لیے سُنّت نبوی سے اِنحراف کے سارے دروازے بند کر دیئے ہیں۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 119 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 91-90

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

اور کافی ہے ۱۲۴ اللہ تعالیٰ (آپ کی رسالت کا) گواہ جس نے اطاعت کی رسول کی ۱۲۵ تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ ؕ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫

اور جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اُن کا پاسبان بنا کر اور کہتے ہیں ہم نے حکم مان لیا ۱۲۶

فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ

اور جب باہر نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو رات بھر مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے اس کے برعکس جو آپ نے

تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى

فرمایا اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو وہ راتوں کو سوچا کرتے ہیں پس رُخ (انور) موڑ لیجئے ان سے اور بھروسہ کیجئے

اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ

اللہ پر اور کافی ہے ۱۲۷ اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں؟ ۱۲۸ اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ)

۱۲۴ اے حبیب! اِس حقیقت کی صداقت پر خود خدا گواہ ہے کہ تو اُس کی ساری کائنات کا ہادی و مُرشِد ہے۔ اور ایسے گواہ کی شہادت کے بعد دنیا بھر کے منکرین کا اِنکار پرِ کاہ کی وقعت نہیں رکھتا۔ ناگفتہ بہ حالات میں اسلام کا غالب آنا اور دُشمنانِ اِسلام کا ہی کچھ مدت بعد اس کی نامُوس و عظمت کے لیے اپنی جانیں قربان کرنا اللہ کے گواہ ہونے کی سب سے روشن دلیل ہے۔

۱۲۵ کتنا کھول کر بتا دیا کہ اللہ کا مطیع وُہی ہے جو اس کے رسول کا مطیع ہو۔ لاکھ کوئی دعویٰ کرے اطاعتِ اِلٰہی اور اِتباعِ قرآن کا وہ جھوٹا ہے جب تک اللہ کے رسولِ کریم کی سُنّت کا پابند نہ ہو۔

۱۲۶ منافقوں کا رویّہ یہ تھا کہ بظاہر تو اطاعت و تسلیم کا اقرار کرتے اور در پردہ سازشوں کے جال بُنا کرتے۔

۱۲۷ اللہ تعالیٰ کی کارسازی کا کرشمہ دنیا بھر نے دیکھا کہ دشمنوں کی ساری سازشیں تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوئیں۔ اور جو فتنہ اور شورش اُنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ناکام کرنے کے لیے برپا کی وہ خود اُن کی ہلاکت و رُسوائی کا باعث بنی۔

۱۲۸ مُنافق جن کے طرزِ عمل اور دورُخی پالیسی کا ذِکر چلا آ رہا ہے نہ وہ سچّے دِل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کے قائل تھے اور نہ ہی قرآن کو کتاب اللہ یقین کرتے تھے۔ اِسی لیے تو وہ اِس مخمصہ میں گرفتار تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر انہوں نے قرآن میں غور و فکر کیا ہوتا تو ان پر عیاں ہو جاتا کہ یہ کسی اِنسان کا نہیں بلکہ رب العزت کا کلام ہے۔ اِس طرح وہ اس تذبذب سے

مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ

اگر وُہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرُور پاتے اس میں اِختلاف کثیر ۱۲۹ اور جب آتی ہے ان کے

اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ

پاس کوئی بات اِطمینان یا خوف کی ۱۳۰ تو چرچا کرنے لگتے ہیں اس کا۔ اور اگر لوٹا دیتے اُسے رسُولؐ (کریم) کی طرف

نجات حاصل کر لیتے۔

۱۲۹ یہ کتاب جو تیئس سال کے عرصۂ دراز میں نازل ہوئی اس میں تضاد و اِختلاف کی بُو تک نہیں۔ یہ وہ ہنگامہ خیز اور پُر آشوب عرصہ ہے جس میں داعیٔ اِسلام، اس کے ماننے والوں اور خود اس دعوت کو شدید قسم کے مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ ظلم و ستم کے پہاڑ بھی توڑے گئے۔ اور عقیدت و محبّت کے پھُول بھی برسائے گئے۔ ایسے حالات بھی رونما ہوئے کہ ظاہر بیں نگاہوں کو یقین ہونے لگا کہ چراغِ حق ابھی بُجھا چاہتا ہے۔ اور ایسا دور بھی آیا کہ اِس چراغ کو پھُونکیں مار مار کر بُجھانے والے پروانہ وار اس پر تصدق ہونے لگے۔ صُلح بھی اور جنگ بھی، فتح بھی اور پسپائی بھی، خوف بھی اور امن بھی ہر قسم کے حالات رُو پذیر ہوئے۔ ان گوناگوں اور بُوقلموں اَدوار میں ایک کتاب نازل ہوتی ہے اور اس میں ایک ایسی آیت کی بھی نشان دہی نہیں کی جا سکتی جس سے اِسلام کے اصولوں میں تضاد کا شائبہ تک ہو۔ علامہ بیضاوی نے ایک جُملہ میں سب کچھ بیان کر کے رکھ دیا۔ مِنْ تَنَاقُضِ الْمَعْنٰى وَ تَفَاوُتِ النَّظْمِ(1) یعنی اس کی کوئی آیت نہ معنوی لحاظ سے دوسری آیت کے خلاف ہے اور نہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے کوئی حصہ دوسرے حصہ سے فروتر ہے۔ معانی و حقائق کا سمندر ہے جس کی لہروں میں آویزش نہیں۔ جس کی ہر موج اور ہر قطرہ کُل کا رنگ و بو لیے ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

۱۳۰ مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو کفار کے ساتھ جنگوں کا سِلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ کی تیاری، ایک یورش کے بعد دوسری یورش کا اندیشہ تھا۔ مسلمان مسلسل ایسے حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے جنہیں بجا طور پر زمانۂ جنگ کہا جا سکتا ہے۔ ہر دن ہر لحظہ حملہ ہو سکتا تھا۔ ایسے ہنگامی حالات میں غلط افواہوں اور بے بنیاد خبروں کا پھیلنا ایک قدرتی امر ہوا کرتا ہے۔ اگر اِن افواہوں کو روکا نہ جائے تو صورتِ حال بڑی سنگین ہو سکتی ہے۔ مسلمان معاشرہ میں بھی کئی ایسے کمزور دل اور بعض بیمار دل افراد تھے کہ کوئی بات کانوں تک پہنچی اور اُسے سارے شہر میں مشہور کر دیا۔ جس سے طرح طرح کے نقصانات کا اندیشہ تھا۔ اس لیے اس سے روک دیا گیا اور ہدایت کر دی گئی کہ اگر ایسی کوئی بات ہو تو بارگاہِ رسالت میں عرض کرو یا تم میں جو صاحبِ عقل و دانش ہیں وہ اس کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد اس کے متعلق مناسب اَقدام کریں۔ جب عام دنیوی اور سیاسی اُمور میں عوام کو ان چیزوں میں دخل اندازی اور خودسری سے روک دیا گیا ہے تو آپ خود سوچیں کہ اُمورِ دینیہ میں یہ بد نظمی کب برداشت کی جا سکتی ہے کہ ہر کہ و مہ مفتی بنا پھرے اور قرآن و سنّت کو اپنی رائے سے ہم آہنگ کرتا رہے۔ مسلمانوں کا

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 120

وَ اِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ

اور با اقتدار لوگوں کی طرف اپنی جماعت سے تو جان لیتے اس خبر (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں بات کا ان میں سے

وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور (نہ ہوتی) اس کی رحمت تو ضرور تم اتباع کرنے لگتے شیطان کا سوائے

قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ

چند آدمیوں کے تو (اے محبوب!) جہاد کرو[131] اللہ کی راہ میں نہ تکلیف دی جائے گی آپ کو سوائے اپنی ذات کے اور ابھاریں آپ

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ

ایمان والوں کو (جہاد پر) عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ روک دے زور اُن لوگوں کا جو کفر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ

اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ

کی گرفت بہت سخت ہے نیز وہ سزا دینے میں بہت سخت ہے جو کرے گا سفارش اچھی[132] ہوگا

فرض ہے کہ حرص و ہویٰ کے بندوں کی تقلید نہ شروع کر دیا کریں اور دینی امور میں فقط ان علماء کی طرف متوجہ ہوں جن کا علم و فضل، زُہد و تقویٰ اور دینی بصیرت مسلمہ اور جن کی سیرت بے داغ ہو۔

[131] اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ جب باطل حق سے برسر پیکار ہو تو آگے بڑھو خواہ آپ تنہا ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ اسی حکم کی تعمیل معلوم ہوتے ہیں۔ وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّهُمْ حَتّٰى تَنْفَرِدَ سَالِفَتِيْ(1)۔ یعنی بخدا میں کفار سے ضرور لڑوں گا خواہ میری گردن جُدا ہی ہو جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کارِ خیر میں اس کا کوئی معاون بھی نہ ہو تو اسے اکیلے اس کام کو شروع کر دینا چاہیے۔ ساتھیوں کا نہ ہونا کوئی عذر نہیں ہے۔

[132] امام راغب یہاں شفاعت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اَیْ مَنِ انْضَمَّ اِلٰى غَيْرِهٖ وَ عَاوَنَهٗ وَ صَارَ شَفِيْعًا فِي الْخَيْرِ وَ الشَّرِّ فَعَاوَنَهٗ وَ قَوَّاهُ وَ شَارَكَهٗ فِيْ نَفْعِهٖ وَ ضَرِّهٖ(2)۔ یعنی کسی اچھے یا بُرے کام میں کسی کے ساتھ اِس طرح شریک ہو جانا کہ اس کی اعانت اور تقوّیت پر اپنا پورا زور صرف کر دے اور اس کام کے نتائج میں بھی اپنے آپ کو برابر شریک سمجھے۔ اِس توضیح کے پیشِ نظر آیت کا یہ مفہوم ہوگا کہ جو شخص حق و صداقت کے علم بردار کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دیتا ہے اور اپنا تن من دھن اس مقصد کو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص293 2۔ مفردات راغب، ص:458

لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ

اس کا حصّہ اس میں سے اور جو کرے گا سفارش بُری تو ہوگا اس کے لیے بوجھ

مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝۸۵ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا

اس سے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور جب سلام دیا جائے تمھیں کسی لفظ دُعا سے ۱۳۳ تو سلام دو

بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝۸۶

تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اس سے یا (کم از کم) دوہرا دو وُہی لفظ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ

اللہ، نہیں کوئی معبود بغیر اس کے وُہ ضرور جمع کرے گا تمھیں قیامت کے دن نہیں ذرا شک اس (کے آنے) میں

کامیاب کرنے کیلئے وقف کر دیتا ہے وہ ضرور اپنے قائد کی طرح اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح جس نے اپنی صلاحیتوں اور وسائل کو باطل کے سرغنوں کے حوالہ کر دیا اور فسق و فجور کو فروغ دینے میں ان کا ہاتھ بٹاتا رہا تو وہ بھی اِس گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔ اِس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی مشکل میں کسی بھائی کی امداد کرنا اس کے حقوق کی بازیابی کی سعی کرنا، اس کو نفع پہنچانا اور اس سے کسی تکلیف کو دور کرنے میں کوشاں ہونا بشرطیکہ اس سے کسی غیر کی حق تلفی نہ ہو تو یہ اچھی سفارش ہے اور اس پر سفارش کرنے والے کو اجر ملے گا۔ اور اگر ایسی سفارش کی جس سے کسی کی حق تلفی ہوئی یا کسی پر ظلم ہوا تو یہ بُری سفارش ہے اور سفارش کرنے والا گنہگار ہوگا (1)۔

۱۳۳ تحیۃ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس کا اصلی معنی زندگی کی درازی کی دعا دینا ہے۔ وَاَصْلُ التَّحِيَّةِ الدُّعَاءُ بِالْحَيَاةِ (قرطبی) (2) اور اس کا معنی ملک بھی ہے اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ میں یہی معنی ملحوظ ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں تحیۃ سے مراد سلام کہنا ہے۔ سلام دینا حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پسندیدہ سنّت ہے لیکن اس کا جواب دینا فرض ہے۔ سلام کا جواب دینے کے قرآنِ حکیم نے دو طریقے سِکھائے ہیں یا تو وہی الفاظ دوہرا دو جن سے تمہیں سلام کہا گیا ہے یا ایسے الفاظ کا اضافہ کرو جو محبّت و تکریم پر دلالت کرتے ہوں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ اگر کوئی السلام علیکم کہے تو جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہو۔ اور اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو تم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے جواب دو (3)۔ باہمی محبّت و پیار کے جذبات کو تر و تازہ کرنے کا یہ بڑا ہی مؤثر طریقہ ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اِرشاد گرامی ہے لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (4)۔ ”جب تک ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں داخل نہ ہوسکو

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج2، ص249 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص98-297 3۔ صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، باب بدء السلام، ج2، ص919

4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انہ لایدخل الجنۃ الا المومنون وان محبۃ المومنین من الایمان وان افشاء السلام سبب لحصولھا، ج1، ص54

ع ۱۱ ۸

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ

اور کون زیادہ سچّا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کہنے میں سو کیا ہو گیا ہے تمھیں کہ منافقوں کے بارے میں ۱۳۴

فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ

(تم) دو گروہ بن گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اُوندھا کر دیا ہے انھیں بوجہ اُن کرتوتوں کے جو اُنھوں نے کیے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اُسے راہ دکھاؤ

اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا

جسے گمراہ کر دیا اللہ نے اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے (ہدایت کا) راستہ وُہ دوست رکھتے ہیں

لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ

اگر تم بھی کفر کرنے لگو جیسے انھوں نے کفر کیا تاکہ تم سب یکساں ہو جاؤ ۱۳۵ پس نہ بناؤ تم ان سے

گے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے تو ایمان نصیب نہ ہوگا۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس پر عمل کرو تو آپس میں محبت و پیار پیدا ہو جائے؟ (خود ہی فرمایا) ایک دوسرے کو السلام علیکم کہا کرو''۔ دنیا میں جتنے آدابِ ملاقات رائج ہیں سب کو دیکھو مُلاقات کا وہ طریقہ جو آپ کو قرآن نے سکھایا ہے اس کا جواب نظر نہ آئے گا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اگر غیر مسلم سلام دے تو اُس کے وُہی الفاظ جواب میں دُوہرا دو۔ رُدُّوْهَا مِثْلَ مَا سُلِّمَ عَلَيْكُمْ عَلٰى غَيْرِ اَهْلِ دِيْنِكُمْ (تفسیر ماجدی)(1)

۱۳۴ بعض لوگ اسلام تو قبول کر لیتے لیکن بال بچوں کی محبّت، مال و جائیداد کا پیار اور وطن کی کشش انہیں ہجرت کرنے کی اجازت نہ دیتی اور اِس طرح قبولِ اِسلام کے بعد بھی انہیں مشرکوں کی معاندانہ سرگرمیوں میں شریک ہونا پڑتا اور بعض جو ہجرت کر کے مدینہ آ بھی جاتے لیکن وہاں کا نظامِ حیات، اخلاقی پابندیاں اور ان پر دشمن کے حملوں کا خطرہ انہیں وہاں قیام نہ کرنے دیتا۔ اور وہ آب و ہوا کی ناموافقت کا عُذر کر کے واپس لوٹ آتے۔ اس قسم کے لوگوں کے متعلق مسلمانوں کی آراء مختلف تھیں۔ بعض انہیں مسلمان اور دوسرے اُنہیں خارج از اسلام خیال کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ان کے متعلق مختلف الرائے کیوں ہو یہ تو اپنی بداعمالیوں کے باعث جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی لوٹا دیئے گئے۔ ارکس اور انکس دونوں ہم معنی ہیں۔ کسائی کہتے ہیں اَلرَّكْسُ وَالنَّكْسُ قَلْبُ الشَّيْءِ عَلٰى رَأْسِهٖ وَالْمَرْكُوْسُ الْمَنْكُوْسُ (القرطبی)(2) رکس اور نکس دونوں کا معنی کسی چیز کو سر کے بل اوندھا گرا دینا ہے۔ ارکس کا یہ لفظ یہاں کتنا موزوں ہے۔ بما کسبوا نے واضح کر دیا کہ ان کا جادۂ حق سے منحرف ہونا ان کی اپنی غلط کاریوں کا طبعی ثمر ہے۔

۱۳۵ یعنی تم تو ان کے مسلمان ہونے کے متعلق آپس میں بحث کر رہے ہو اور ان کے کفر و فسوق کا یہ حال ہے کہ وہ تمہیں بھی

1۔ تفسیر ماجدی، زیر آیت ہذا، ص 205، حاشیہ: 661 (عن ابن عباس) 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 307

اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ

اپنے دوست یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں پس اگر وہ (ہجرت سے) منہ موڑیں تو پکڑ لو انہیں

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ

اور قتل کرو انہیں جہاں کہیں پاؤ ان کو اور نہ بناؤ ان سے (کسی کو) اپنا دوست اور

لَا نَصِيْرًا ۙ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

نہ مددگار مگر ان کو (قتل نہ کرو) جو تعلق رکھتے ہیں اس قوم سے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان

مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا

معاہدہ ہے[۱۳۶] یا آگئے ہوں تمہارے پاس اس حال میں کہ تنگ ہو چکے ہوں ان کے سینے کہ جنگ کریں تم سے یا جنگ کریں

قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ

اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو مسلط کر دیتا انہیں تم پر تو وہ ضرور لڑتے تم سے پھر اگر

اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ

وہ کنارہ کر لیں تم سے اور نہ جنگ کریں تمہارے ساتھ اور بھیجیں تمہاری طرف صلح (کا پیغام) تو نہیں بنائی

دولتِ ایمان سے محروم کر کے اپنے ساتھ ملانے کی تدبیر سوچ رہے ہیں۔ اس لیے جب تک ہجرت کر کے تمہارے ہاں قیام نہ کریں اور اپنی قسمت تمہارے ساتھ وابستہ نہ کر دیں اس وقت تک تم ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم نہ کرو۔

[۱۳۶] یہ لوگ جو تمہارے اُن دشمنوں سے جا ملے ہیں جن کے ساتھ تمہاری جنگ شروع ہے تو اُن کو مت جانے دو جہاں ملیں قتل کر ڈالو۔ لیکن اگر وہ کسی ایسے قبیلہ کی پناہ اِختیار کر لیں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر اُنہیں کچھ نہ کہو۔ اور اگر وہ تمہارے پاس حاضر ہو کر یقین دلا دیں کہ نہ وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے اور نہ تمہارے معاون بن کر اپنی قوم کے خلاف لڑیں گے تو بھی ان سے تعرض نہ کرو۔ اس آیت سے صاف واضح ہو گیا کہ آیتِ سابقہ میں ان کے قتل کرنے کا حکم صرف اس وقت ہے جب وہ ہمارے خلاف لڑ رہے ہوں۔ اور جب وہ جنگ سے باز آ جائیں تو اس وقت حکم یہ ہے کہ تم بھی ان کے قتل سے ہاتھ روک لو۔

اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ

اللہ تعالٰے نے تمہارے لیے ان پر (زیادتی کرنے کی) راہ ۱۳۷ تم پاؤ گے چند اور لوگ جو چاہتے ہیں کہ

يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ

امن میں رہیں تم سے بھی اور امن میں رہیں اپنی قوم سے (لیکن) جب کبھی پھیرے جاتے ہیں فتنہ کی طرف تو منہ کے بل گر پڑتے ہیں اس میں ۱۳۸

فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ

سو اگر نہ کنارہ کریں تم سے یا نہ بھیجیں تمہاری طرف صلح (کا پیغام) اور نہ روک لیں اپنے ہاتھ

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ

تو پکڑ لو انہیں اور قتل کرو انہیں جہاں تم پاؤ انہیں اور یہی لوگ ہیں کہ دیا ہے ہم نے تمہیں

ع ۱۲ ۹ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا

ان پر کھلا اختیار ۱۳۹ اور نہیں (جائز) کسی مومن کے لیے کہ قتل کرے ۱۴۰ کسی مومن کو مگر

۱۳۷ اس آیت نے مزید وضاحت کر دی کہ قابلِ گردن زدنی وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔

۱۳۸ یعنی غیر جانبداری کے اِن بلند بانگ دعووں کے باوجود جب کبھی موقعہ ملے اور ان کی قوم انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے کہے تو پھر انہیں اپنی غیر جانبداری کا خیال نہیں رہتا اور فوراً مسلح ہو کر کفار کی صفوں میں آ کھڑے ہوتے ہیں۔

۱۳۹ اگر وہ اپنی امن پسندی کا کوئی ثبوت بہم نہ پہنچائیں۔ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے کنارہ کش بھی نہ ہوں۔ تمہیں صلح کا پیغام بھی نہ بھیجیں اور جب موقع ملے تم پر دستِ تعدّی دراز کرنے سے باز بھی نہ آئیں تو پھر تم بھی ان کا ذرا لحاظ نہ کرو اور جہاں قابو میں آئیں بلا تامل ان کو موت کے گھاٹ اتار دو۔

۱۴۰ مفسرین نے مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ کا معنی کیا ہے مَا صَحَّ لِمُؤْمِنٍ وَّلَيْسَ مِنْ شَاْنِهٖ(1)۔ مومن کے لیے یہ درست اور جائز نہیں اور مومن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اِس فعلِ شنیع کا بسلامتیٔ ہوش وحواس اِرتکاب کرے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ بے اِرادہ اور نادانستہ اس سے یہ جُرم سرزد ہو۔ اِس اسلوبِ بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ جُرم معمولی قسم کا نہیں بلکہ نہایت سنگین اور بہت ہی گھناؤنا ہے۔ کسی اِیماندار سے اس کا صُدور حد درجہ قبیح ہے۔

اَلْخَطَأُ اِذَا لَمْ يُصْنَعْ عَنْ تَعَمُّدٍ(2)۔ یعنی اگر قصد وارادہ کے بغیر کوئی کام ہو جائے تو اسے خطا کہتے ہیں۔ اس کی مختلف

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج2، ص259 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص313

خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ

غلطی سے اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) آزاد کرے مسلمان غلام اور خوں بہا

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ

ادا کرے مقتول کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ خود ہی (خوں بہا) معاف کردیں پھر اگر ہو (مقتول)[۱۴۱] اس قوم سے جو دشمن ہے

لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

تمہاری لیکن وہ (مقتول) خود مومن ہو تو (قاتل) آزاد کرے ایک مسلمان غلام اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ ہو چکا ہے

صورتیں ہیں۔ کفار کے ساتھ جنگ جاری تھی۔ گولیاں برس رہی تھیں۔ اتفاقاً اس کی گولی سے کوئی مسلمان مارا گیا۔ یا نشانہ لگایا تھا شکار کو اور جا لگا کسی اِنسان کو، یہ سب قتلِ خطا کی صورتیں ہیں۔ یَرْبُطُهَا عَدَمُ الْقَصْدِ(1)۔ تمام میں قدر مشترک قصد کا نہ ہونا ہے۔ اس آیت کریمہ میں قتلِ خطا کی تین صورتیں اور ان کے احکام بتائے گئے ہیں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ مقتول مسلمان ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ قاتل ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور اس کے ورثاء کو دیت ادا کرے۔ اس کی مقدار اللہ کے رسول نے سو اونٹ مقرر فرمائی ہے اور یہی مقدار ہر زمانہ کے لیے ہے۔ دِيَةُ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ مِأَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ فِيْ كُلِّ زَمَانٍ (قرطبی)(2) ہاں اگر کوئی شخص اونٹ نہ ادا کرسکتا ہو تو ہر زمانہ میں سو اونٹوں کی قیمت کے برابر نقد روپیہ دے سکتا ہے۔ اونٹوں کی قیمتوں میں کمی وبیشی سے روپیہ میں کمی وبیشی ہوسکتی ہے بہرحال دیت سو اونٹ ہی ہوگی۔ البتہ اگر مقتول کے وارث دیت بخش دیں تو وہ بخش سکتے ہیں۔ شریعتِ اِسلامیہ نے دیت کے لیے روپیہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی۔ کیونکہ روپیہ کی قیمت یعنی قوتِ خرید گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اگر روپیہ کی قوتِ خرید گھٹ جائے تو انسانی جان کی قدر و منزلت بھی گر جائے گی جو کسی طرح بھی قرینِ انصاف نہیں۔ اس لیے شریعت نے خون بہا ایک سو اُونٹ مقرر کیے ہیں تاکہ اِنسانی جان کی قدر و منزلت گرنے نہ پائے اور تمام حالات میں اِنصاف کے تقاضے پورے ہوتے رہیں۔ یہی حکمتیں ہیں جو ہر حکم شرعی میں جلوہ نما ہیں۔ اور اہلِ نظر کو بتا رہی ہوتی ہیں کہ یہ شریعت اِنسانی عقل کی تراشیدہ نہیں بلکہ علیم وحکیم رب کی فرستادہ ہے۔

[۱۴۱] قتلِ خطا کی دوسری صورت یہ ہے کہ مقتول ہو تو مسلمان لیکن اس کی بود و باش کفار میں ہو۔ اس صورت میں صرف ایک مسلمان غلام آزاد کردے۔ اس پر دیت لازم نہ ہوگی۔ اور وہ اس لیے کہ اس کے سب وارث کافر ہیں اور مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہیں۔ ان کو دیت ادا کرنا تو ان کو تقویت دینا ہے جو کسی طرح قرینِ عقل نہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص313 2۔ ایضاً

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ

تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ تو (قاتل) خوں بہا دے دے ۱۴۲ اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرے

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۙ

ایک مسلمان غلام تو جو شخص غلام نہ پا سکے ۱۴۳ تو روزے رکھے دو ماہ لگاتار (اس گناہ کی)

تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا

توبہ اللہ کی طرف سے (یہی مقرر ہے) اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا اور جو شخص قتل کرے کسی مومن کو

مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

جان بوجھ کر ۱۴۴ تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں اور غضبناک ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر اور

۱۴۲ اگر مقتول اُس قوم کا فرد ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ اس صورت میں قاتل مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کرے۔ ذمی یعنی اِسلامی حکومت کی غیر مُسلم رعایا کا بھی یہی حکم ہے۔ مسلم، کافر، مجوسی وغیرہ سب کی دیت یکساں ہے یعنی سو اونٹ وَبِہٖ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ (1)۔

۱۴۳ اگر کوئی شخص غلام خریدنے کی اِستطاعت نہ رکھتا ہو یا غلام دستیاب ہی نہ ہو سکتے ہوں تو پھر دو ماہ لگاتار روزے رکھے۔ اگر اس نے عذر شرعی مثلاً حیض، بیماری کے سوا ناغہ کیا تو پھر از سر نو شروع کرنے ہوں گے۔ احناف کے نزدیک بیماری عُذر نہیں ہے۔

۱۴۴ پہلے قتل خطا کا ذکر تھا اب قتل عمد کا بیان ہے۔ قرآنِ حکیم اور ارشاداتِ نبویہ اِس جُرم کے عظیم ترین ہونے پر شاہد ہیں۔ قرآنِ کریم کی یہی آیت اِنسان غور سے پڑھے اور اِس میں قاتل کی جو سزا بیان کی گئی ہے اس پر نگاہ ڈالے تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ قَتْلُ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ زَوَالِ الدُّنْیَا (2)۔ کہ دنیا کے فنا ہونے سے بھی بے گناہ مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک شدید ترین ہے۔ معتزلہ کے نزدیک قاتلِ عمد کی توبہ قابلِ قبول نہیں۔ لیکن اہلِ سنت کی یہ رائے ہے کہ سچے دل سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ اور یہ وعید ان کے لیے ہے جو توبہ نہیں کرتے۔ اور حضرت ابن عباس سے قتلِ عمد کی جو تفسیر منقول ہے اس کے پیشِ نظر تو یہ اُلجھن پیدا ہی نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا: مُتَعَمِّدًا مَعْنَاہُ مُسْتَحِلًّا لِقَتْلِہٖ (3) یعنی جو دانستہ اور مسلمان کے قتل کو حلال سمجھتے ہوئے قتل کرتا ہے اس کی یہ سزا ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص327
2۔ سنن نسائی، ج2، ص162، کتاب المحاربۃ، باب تعظیم الدم، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
3۔ تفسیر قرطبی، جز5، ص334

لَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ

اپنی رحمت سے دُور کردے گا اسے اور تیار کر رکھا ہے اس نے اس کے لیے عذابِ عظیم اے اہلِ ایمان جب تم سفر پر نکلو ۱۴۵

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ

اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) تو خوب تحقیق کر لو اور نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام

لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ

کہ تم مومن نہیں ہو تم تلاش کرتے ہو سامان دُنیوی زندگی کا پس اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں

كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ

(وُہ تمھیں غنی کردے گا) ایسے ہی (کافر) تم بھی تھے ۱۴۶ اس سے پہلے پھر احسان فرمایا اللہ نے تم پر تو خوب تحقیق کر لیا کرو یقیناً

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ

اللہ تعالیٰ اس سے جو کچھ تم کرتے ہو خبردار ہے نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے

۱۴۵ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت اسامہ کی قیادت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریہ روانہ فرمایا۔ کفار کو جب لشکر اسلام کی آمد کی خبر ملی تو وہ بھاگ گئے لیکن مرداس نامی ایک شخص جو مسلمان ہو چکا تھا وہ اپنے مال مویشی کے ساتھ ٹھہرا رہا۔ جب مسلمان وہاں پہنچے اور نعرۂ تکبیر بلند کیا تو اس نے بھی جواب میں اللہ اکبر کہا اور کلمہ شہادت پڑھتا ہوا نیچے اتر آیا اور انہیں السلام علیکم کہا۔ لیکن حضرت اسامہ نے اس کی پرواہ نہ کی اسے قتل کر دیا اور اس کا ریوڑ ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے اور بارگاہِ رسالت میں سارا ماجرا بیان کیا حضور بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ آیتِ سابقہ میں مسلمانوں کو حالتِ امن میں مسلمان اور غیر مسلمان کو قتل کرنے سے منع کیا اس آیت میں حالتِ جنگ میں بھی بِلاوجہ قتل و غارت سے روک دیا۔ جب تک تمہیں یقین نہ ہو جائے کہ یہ محارب کافر ہے اس وقت تک ہاتھ نہ اٹھاؤ اور اگر کوئی عین اس وقت بھی اِظہارِ اِسلام کرے تو مالِ غنیمت کے حصول کے لیے اس کی شہادت رد نہ کر دو۔ اس فنا پذیر دولت کی خاطر تم ایک مومن کی شہادتِ ایمان رد کر رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ رزق کی کنجیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں اگر تم اس کے حکم کی تعمیل کرو گے تو وہ دوسرے ذریعہ سے تم پر رزق کے دروازے کھول دے گا (2)۔

۱۴۶ یعنی ابتداء میں تمہاری بھی زبانی شہادتِ اسلام پر اِعتبار کر لیا گیا تھا اب تم دوسروں کی زبانی شہادت کو کیوں صحیح تسلیم نہیں

1۔ صحیح مسلم، ج 1، ص 67، کتاب الایمان باب تحریم القتل الکافر بعد ان قال لا الٰہ الا اللہ (قدیمی کتب خانہ) اور جس روایت میں ''مرداس'' کے نام کی تصریح ہے اس کا حوالہ یہ ہے۔ اسباب النزول للواحدی، ص 90، حدیث نمبر 350 (دار الکتب العلمیہ)۔

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 337

الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

مسلمان سوائے معذوروں کے[147] اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ

اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور

اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ

اپنی جانوں سے (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں اور سب سے وعدہ فرمایا ہے اللہ نے بھلائی کا لیکن

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ

فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجرِ عظیم سے (ان کے لیے) بلند درجے ہیں

ع ۱۳ ۱۰ ۵ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ

اللہ (کی جناب) سے اور (نویدِ) بخشش اور رحمت ہے اور ہے اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا بے شک وہ لوگ کہ

تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا

قبض کیا اُن (کی روحوں) کو فرشتوں نے[148] اس حال میں کہ وہ ظلم توڑ رہے تھے اپنی جانوں پر فرشتوں نے انھیں کہا تم کس شغل میں تھے (معذرت کرتے ہوئے) انھوں نے

کرتے۔ فتبینوا کا لفظ آیت میں دو بار آیا ہے جو قتل میں انتہائی اِحتیاط برتنے کی تاکید کر رہا ہے(1)۔

[147] اس سے مُراد وہ لوگ ہیں جو بیماری یا کسی حقیقی مجبوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت کرنے سے قاصر ہیں۔ قَالَ الْعُلَمَاءُ: اَهْلُ الضَّرَرِ هُمْ اَهْلُ الْاَعْذَارِ(2) اور یہ چیز محتاجِ بیان نہیں کہ جو لوگ ہر وقت سر بکف اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر قربان ہونے کے لیے تیار ہوں اللہ تعالیٰ کے قُرب میں ان کا وہ لوگ مقابلہ کیونکر کر سکتے ہیں جو اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے ہوں اور اپنے دنیاوی کاروبار میں ہر وقت مشغول ہوں۔

[148] حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو بعض مسلمان اپنے عزیز و اقارب اور مال و جائیداد وغیرہ کی وجہ سے مکّہ ہی میں رہ گئے۔ اور اس وقت جب کہ ہجرت فرض تھی ہجرت نہ کی۔ مرتے وقت فرشتوں سے جو اُن

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص341 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص342

مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً

کہا ہم تو بے بس تھے زمین میں فرشتوں نے کہا کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ

فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ لا

تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم بہت بُری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

مگر واقعی کمزور و بے بس مرد اور عورتیں اور بچے ۱۴۹ جو نہیں کر سکتے تھے

حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ لا فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ

(ہجرت کی) کوئی تدبیر اور نہیں جانتے تھے (وہاں سے نکلنے کا) کوئی راستہ تو یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اُمید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ درگزر

عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

فرمائے گا ان سے اور اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے اور جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں

يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ

پائے گا زمین میں پناہ کے لیے ۱۵۰ بہت جگہ اور کشادہ روزی اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے

کا مکالمہ ہوگا اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ اُس وقت ہجرت کے فرض ہونے کے دو سبب تھے۔ ایک تو مکہ کی فضا ایسی ناسازگار تھی کہ کھلم کُھلا شرک ہو رہا تھا۔ فِسق وفجور کا بازار گرم تھا۔ عقیدۂ اِسلامی کا اِظہار اور عبادات کی بجا آوری از حد مشکل تھی۔ اِن حالات میں اِیمان کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ تھا اس لیے ضروری تھا کہ جسے اپنا اِیمان عزیز ہے وہ وہاں سے ہجرت کر جائے۔ اس کے علاوہ مدینہ طیبہ پر کفّار ہر وقت حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ وہاں کے مُسلمانوں کو شدید ضرورت تھی کہ ان کے دینی بھائی ان کے ساتھ آملیں اور ایسے مشکل اور نازک وقت میں ان کی تقویت کا باعث بنیں۔

۱۴۹ سابقہ آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جنہوں نے طاقت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کی اور کفّار کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنے پر رضامند ہو گئے اب اُن لوگوں کا ذِکر ہے جو حقیقتاً معذور تھے۔

۱۵۰ صاحبِ کشاف نے مراغم کا معنی یہ بیان کیا ہے۔ مُرَاغَمًا: مُهَاجَرًا وَّطَرِيْقًا يُرَاغِمُ بِسُلُوْكِهٖ قَوْمَهٗ اَيْ يُفَارِقُهُمْ عَلٰى رَغْمِ

مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ

ہجرت کرکے اللہ کی طرف اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پھر آلے اس کو (راہ میں) موت تو ثابت ہو گیا اس کا اجر

عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ ع ۱۱

اللہ کے ذمہ[151] اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور جب تم سفر کرو[152] زمین میں

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ

تو نہیں تم پر کچھ حرج اگر تم قصر کرو نماز میں اگر ڈرو تم

اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾

اس بات سے کہ تکلیف پہنچائیں گے تمہیں کافر بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں

اُنُوْفِهِمْ۔ (کشاف) (1) یعنی مراغم کا معنی ہجرت گاہ یا ہجرت کا راستہ ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کافر جو ہجرت کرنے سے اسے بزور روک رہے تھے ان کی ناک کو خاک میں ملا کر اُس نے ہجرت کی۔ اپنا وطن، اپنے احباب وغیرہ چھوڑ کر غریب الوطنی کی تکلیفوں کو قبول کرنا بڑی مشکل بات تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں گھر بار چھوڑنے والوں کو خوشخبری دے رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں۔ تمہیں بہترین رہنے کی جگہ اور فراخ روزی دیں گے۔

[151] بعض صحابہ ہجرت کے ارادہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے راستہ میں ہی موت کا پیغام آ گیا۔ ان کے متعلق اِرشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

[152] اس آیتِ کریمہ میں نماز کے قصر کرنے کا ذِکر ہے۔ قصر کے یہ معنی ہیں کہ جن نمازوں میں فرضوں کی چار رکعت پڑھی جاتی ہیں ان میں بجائے چار کے دو رکعت پڑھنا (2)۔ اس آیت میں اِس کی اجازت دی جا رہی ہے۔ اگرچہ آیت میں قصر کے لیے خوفِ کفّار بطور شرط مذکور ہے۔ لیکن خوفِ کفّار کا ذِکر بطور حقیقتِ حال کے تھا۔ یعنی اس وقت مسلمانوں کے تمام سفر کفار کے خوف سے گھرے ہوئے تھے۔ ورنہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام سفروں میں قصر فرمایا۔ یعلی بن امیّہ نے حضرت عُمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم تو امن میں ہیں پھر ہم قصر کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا اِس کا مجھے بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تِلْكَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ (3) تمہارے لیے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے تم اس کا صدقہ قبول کرو۔

مسئلہ: جس سفر میں قصر کیا جاتا ہے اس کی ادنیٰ مقدار اتنی ہے جتنی تین رات دن میں پیدل یا اُونٹ کی متوسط رفتار سے طے کی جا

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 556
2۔ ہدایہ اولین، باب صلوٰۃ المسافر، ج 1، ص 165
3۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرہا، باب قصر الصلوٰۃ فی السفر من غیر خوف، ج 1، ص 241، تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 353

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ

اور (اے حبیبِ ذی شان!) جب آپ ان میں موجود ہوں اور قائم کریں آپ ان کے لیے نماز تو چاہیئے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ان سے ۱۵۳

مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۪

آپ کے ساتھ اور وہ پکڑ رکھیں اپنے ہتھیار پس جب سجدہ کر چکیں تو وہ ہو جائیں تمہارے پیچھے

وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا

اور آ جائے دوسرا گروہ جس نے (ابھی) نماز نہیں پڑھی پس (اب) وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ اور لیے رہیں

حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ

اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار تمنّا کرتے ہیں کافر اگر تم غافل ہو جاؤ

اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ

اپنے اسلحہ سے اور اپنے ساز و سامان سے تو وہ ٹوٹ پڑیں تم پر یک بارگی اور

سکتی ہے۔ اس کی مقدار خشکی اور دریا اور پہاڑوں میں مختلف ہو جاتی ہے۔ اکثر فقہاء نے میدانی علاقہ کے لیے چھتیس کوس یا چون میل مقرر فرمائی ہے۔ دورانِ سفر اگر کسی جگہ چودہ روز تک قیام کرنا ہو تو قصر کرتا رہے اس سے زیادہ ٹھہرے تو پھر پوری نماز ادا کرے (1)۔

۱۵۳ نمازِ خوف کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ پہلی جماعت اِمام کے ساتھ ایک رکعت پوری کر کے دشمن کے مقابل جائے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابل کھڑی تھی وہ آ کر امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے پھر فقط اِمام سلام پھیرے اور پہلی جماعت آ کر دوسری رکعت بغیر قرأت کے پڑھے اور سلام پھیر دے اور دشمن کے مقابل چلی جائے۔ پھر دوسری جماعت اپنی جگہ آ کر ایک رکعت جو باقی رہی تھی اس کو قرأت کے ساتھ پورا کر کے سلام پھیرے کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں اور پہلی لاحق۔ حضرت ابن مسعود سے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِس طرح نمازِ خوف ادا فرمانا مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی صحابہ نمازِ خوف پڑھتے رہے ہیں۔ حالت خوف میں دشمن کے مقابل اِس اِہتمام سے نماز ادا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کس قدر ضروری ہے۔ (خزائن العرفان، حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہ) (2) یہ اہتمام اس وقت ضروری ہے جب ساری فوج ایک ہی اِمام کی اقتداء میں نماز ادا کرنا چاہتی ہو جیسے عہدِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں۔ اور جہاں ایسا نہ ہو اور لوگ الگ الگ اِماموں کے پیچھے نماز ادا کرنے پر معترض نہ ہوں تو پھر ایک جماعت اپنے اِمام کے پیچھے پوری نماز ادا کر لے اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل ڈٹی رہے جب پہلی جماعت فارغ

1۔ ہدایہ اولین، باب صلوٰۃ المسافر، ج 1، ص 165 2۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص: 172

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى

نہیں کوئی حرج تم پر اگر ہو تمہیں تکلیف بارش کی وجہ سے یا ہو تم بیمار

اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ

تو اُتار دو اپنے ہتھیار مگر (دشمن کی نقل و حرکت سے) ہوشیار رہو بے شک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا

عذاب رُسوا کرنے والا جب تم ادا کر چکو نماز ۱۵۴ تو ذِکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے

وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ

اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) پھر جب ۱۵۵ مطمئن ہو جاؤ (دشمن کی طرف سے) تو ادا کرو نماز (حسبِ دستور) بے شک نماز

كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ

۱۵۶ مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اپنے اپنے مقرر وقت پر اور نہ کمزوری دکھاؤ (دشمن) قوم کی تلاش میں ۱۵۷

ہو کر مورچے سنبھال لے تو پھر دوسری جماعت آ کر اپنے امام کی اقتداء میں نماز ادا کرے۔ نیز یہ حکم اس وقت کا ہے جب صفیں تو آراستہ ہوں اور لڑائی شروع نہ ہوئی ہو۔ اگر معرکہ جنگ جاری ہے اور مسلمان دشمنوں سے گتھم گتھا ہو چکے ہیں تو اس وقت جماعت کا اِہتمام ضروری نہیں۔ جیسے بن آئے خواہ فقط اشاروں سے ہی نماز ادا کر لیں اور اگر اتنی بھی فرصت نہ ہو تو بے شک اس وقت نماز کو ملتوی کر دیں اور جب فراغت ہو تو ادا کریں جیسے غزوۂ خندق کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار نمازیں بعد میں ادا فرمائی تھیں۔

۱۵۴ نمازِ خوف کا طریقہ تعلیم کرنے کے ساتھ یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگرچہ خوف کی حالت میں تم نماز کو اس کی اصلی ہیئت کے مُطابق سکون و طمانینت سے ادا نہیں کر سکتے تو اپنی زبان و دِل کو تم جس حالت میں بھی ہو ذِکرِ اِلٰہی میں مصروف رکھو۔ تا کہ اس کی یاد میں غفلت نہ آنے پائے۔ اور جنگ کی حالت میں کثرت سے ذِکرِ الٰہی کرنے کی تاکید تو دوسری متعدد آیتوں میں آئی ہے مثلاً اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا (1) جب دشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

۱۵۵ اور جب خوف دور ہو جائے تو پھر نماز کو اس کی اصلی ہیئت کے مطابق ادا کرو۔

۱۵۶ نماز کے متعلق یہاں دو خصوصیتوں کا ذِکر فرمایا کِتَابًا اور مَوْقُوْتًا۔ کتاب کا مطلب تو یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی تم پر فرض ہے تمہاری مرضی پر اس کا اِنحصار نہیں کہ موج میں آئے تو ادا کر لی اور موج میں نہ ہوئے تو چھوڑ دی۔ بلکہ مالک الملک شہنشاہِ دو جہاں

1۔ الانفال:45

إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۚ وَتَرْجُونَ مِنَ

اگر تمہیں دُکھ پہنچتا ہے تو انہیں بھی دُکھ پہنچتا ہے جیسے تمہیں دُکھ پہنچتا ہے اور تم تو اُمید رکھتے ہو

اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۰۴﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ ع ۱۵ ۱۲

اللہ تعالیٰ سے اس (ثواب) کی جس کی وہ اُمید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے بے شک ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف

الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ ۗ وَلَا تَكُنْ

یہ کتاب ۱۵۸ حق کے ساتھ تاکہ فیصلہ کریں آپ لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اور نہ بنیئے ۱۵۹

کا تاکیدی حکم ہے اور اس کی ادائیگی تم پر فرض ہے مَوْقُوْتًا کا معنی ہے کہ اس کی ادائیگی کے لیے اَوقات مقرر ہیں۔ وَالْمَعْنٰى عِنْدَ اَهْلِ اللُّغَةِ مَفْرُوْضٌ لِوَقْتٍ بِعَيْنِهٖ يُقَالُ وَقَتَهٗ فَهُوَ مَوْقُوْتٌ وَوَقَّتَهٗ فَهُوَ مُوَقَّتٌ (قرطبی)(1) اِس لیے ہر نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا فرض ہے یہ نہیں کہ جب جی چاہا اُٹھ کھڑے ہوئے اور دو تین ایک ساتھ پڑھ ڈالیں۔ ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو ظہر اور عصر کی نماز اور مغرب اور عشاء کی نماز ہمیشہ ملا کر پڑھتا ہے، پہلی دو نمازوں کا نام ظہرین اور دوسری دو نمازوں کا مغربین رکھ دیا ہے۔ انہیں چاہیے کہ خدا سے ڈریں۔ اس آیت میں غور کریں اور ہر نماز کو اللہ تعالیٰ کے رسول کے مقرر کردہ اوقات میں ادا کیا کریں۔ اِتنے اہم فریضہ کی ادائیگی میں اپنی مرضی اور منشا سے کام لینا ان کے لیے روزِ قیامت پشیمانی کا باعث ہوگا۔

۱۵۷ دشمن کے تعاقب میں سستی نہ کرو۔ مانا کہ تمہیں اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن تمہارے دشمن جو کُفر و شرک کو سربلند کرنے کے لیے لڑ رہے ہیں انہیں بھی تو اسی طرح تکلیف و اذیت پہنچتی ہے۔ اگر وہ باطل کے لیے تمام سختیاں خوشی سے برداشت کر رہے ہیں تو تم حق کو فتحیاب کرنے کے لیے ان سے پیچھے کیوں رہتے ہو۔ تمہیں تو یہ اُمید ہے کہ اس جدّ و جہد سے اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہوگا اور ان کے پیشِ نظر کوئی ایسا اعلیٰ پاکیزہ مقصد بھی نہیں۔ تو پھر تمہارا سُست و کاہل ہونا بہت تعجب خیز اور حیرت افزا ہے۔

۱۵۸ یہ چند آیات ایک واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں جو عہدِ رسالت میں وقوع پذیر ہوا تھا(2)۔ انصار کے بنی ظفر قبیلہ کے ایک شخص مسمی طُعمہ بن اُبیرق نے اپنے ہمسایہ قتادہ بن نعمان کے مکان میں نقب لگا کر کچھ زرہیں اور آٹا کی بوری چُرا لی اور ایک یہودی زید بن سمین کے ہاں جا کر رکھ آیا۔ صبح ہوئی اور حضرت قتادہ کو جب چوری کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے پڑوسی طُعمہ سے دریافت کیا اس نے صاف اِنکار کر دیا اور قسم اُٹھائی کہ مجھے اس کے متعلق علم تک نہیں۔ اتفاق یہ ہوا کہ آٹے کی بوری میں سُوراخ تھا جس سے آٹا گرتا گیا۔ اُنہوں نے اس گرے ہوئے آٹے کے نشانات کا پیچھا کیا۔ چنانچہ وہ یہودی کے مکان تک پہنچ گئے۔ تلاش کرنے پر مال مسروقہ برآمد ہو گیا۔ اُس یہودی نے کہا کہ میں چور نہیں بلکہ میرے پاس طُعمہ یہ چیزیں رکھ گیا ہے۔ کئی یہودیوں نے اس کی تصدیق کی۔ طعمہ کے قبیلہ والوں نے کہا۔ چلو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ چنانچہ سب حاضر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص374 2۔ ایضاً، جز5، ص375

لِلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے ۱۶۰ اور مغفرت طلب کیجئے اللہ سے ۱۶۱ بے شک اللہ تعالٰے غفور

ہوئے۔ بنوظفر کو اب علم ہو چکا تھا کہ چور یہودی نہیں بلکہ طعمہ ہے لیکن اپنی بدنامی کے خوف سے وہ طعمہ کو ہر طریقہ سے بری ثابت کرنا چاہتے تھے اس لیے اس کی حمایت میں بڑی سرگرمی دکھانے لگے۔ حتیٰ کہ حضور کی جناب میں بھی عرض کرنے لگے کہ اگر فیصلہ طعمہ کے خلاف ہوا تو بے چارا ہلاک ہو جائے گا اور ذِلت ورُسوائی کی کوئی حد نہ رہے گی۔ اور یہودی جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے وہ صاف بری ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی خیال گزرا کہ بنوظفر جو مُسلمان ہیں سچّے ہوں گے۔ چنانچہ کوئی فیصلہ صادر ہونے سے پہلے وحی الٰہی پہنچ گئی جس سے حقیقت حال آشکارا ہو گئی۔ اِرشادِ ربّانی ہوا ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ اُتاری ہے تاکہ آپ اس علم یقینی کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا کریں جو آپ کو اپنے رب کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے(1)۔ چنانچہ الشیخ رشید رضا لکھتے ہیں وَتَسْمِيَةُ اِعْلَامِهٖ تَعَالٰى لِنَبِيِّهٖ بِالْاَحْكَامِ اِرَاءَةً يُّشْعِرُ بِاَنَّ عِلْمَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهَا يَقِيْنِيٌّ كَالْعِلْمِ بِمَا يَرَاهُ بِعَيْنِهٖ فِي الْجَلَاءِ وَالْوُضُوْحِ (المنار)(2) یعنی احکام کے متعلق جو علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا فرمایا اس کی تعبیر اراءۃ (دکھا دینا) سے کی ہے تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ اس علم میں ظن وگمان کا اِحتمال نہیں رہا بلکہ ایسا یقینی اور قطعی ہے جیسے کسی چیز کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا جاتا ہے۔ اب آپ خود اِنصاف فرماویں کہ جس ذاتِ قُدسی صفات کے سامنے آنے والے ہر حجاب کو اُٹھانے والا اللہ تعالیٰ ہو اُس کے علم وسیع پر ہم ایسوں کو زیب دیتا ہے کہ اِعتراض کرتے پھریں۔

۱۵۹ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو منع فرمایا جا رہا ہے کہ آپ خائنوں کی طرفداری نہ کیا کریں۔ کیونکہ آپ کی ذات سے عدل وانصاف کی ساری عظمتیں وابستہ ہیں۔ اِنصاف کرتے وقت یہ دیکھنا کہ مسلمان کون ہے اور یہودی کون ہے آپ کی شان سے بہت فروتر ہے۔ لیکن اِس نہی سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ معاذ اللہ حضور نے خائنوں کی طرفداری کی تھی اِس لیے آپ کو منع کیا گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے پہلے آپ نے طرفداری نہیں کی ویسے آئندہ بھی طرفداری نہ کریں۔ چنانچہ مولانا تھانوی اِس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ ''پس آپ کی حالت اور نہی کے مجموعہ کا حاصل یہ ہوگا کہ جیسے اب تک طرفداری نہیں کی آئندہ بھی نہ کیجئے۔ اور یہ اِنتظامات بھی مکمل عصمتِ نبویہ کے ہیں''۔ (بیان القرآن)(3)

۱۶۰ اگرچہ خائن اور چور ایک تھا لیکن کیونکہ اس کا قبیلہ بنوظفر اس کی حمایت میں کھڑا ہو گیا تھا اس لیے سارے قبیلہ کو خائن کہا گیا۔ معلوم ہوا کہ خائن کی اعانت سے بھی آدمی کا شمار خائنوں میں ہو جاتا ہے۔ طعمہ کا انجام یہ ہوا کہ وہ وہاں سے بھاگ کر مکہ آ گیا۔ ایک رات وہاں بھی نقب لگا رہا تھا کہ دیوار گر پڑی اور وہ اس کے نیچے دب کر ہلاک ہو گیا۔

۱۶۱ کس کے لیے استغفار کرنے کا حکم ہو رہا ہے؟ اِمام رازی نے یہاں تین وجوہات بیان فرمائی ہیں:

(۱) طعمہ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کی نُصرت کا جو (ہلکا سا) خیال خاطر مُبارک میں گزرا تھا اس سے طلبِ مغفرت کا حکم مل رہا ہے (۲) طعمہ کی قوم بنی ظفر کی شہادت کے باعث یہودی کو مجرم ٹھہرانے کا جو واہمہ سا ہوا تھا اس کے متعلق استغفار کا

1۔ جامع ترمذی، ج2، ص128، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ النساء، مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور (ماخوذ) 2۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج5، ص394

3۔ تفسیر بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی متولد 1863ء، متوفی 1943ء، زیر آیت ہذا، ص:199، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور۔ کراچی

رَّحِيمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

رحیم ہے اور مت جھگڑیں آپ اُن کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے ۱۶۲ بے شک اللہ تعالےٰ

لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ

نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بد دیانت (اور) بدکار ہے وُہ چھپا سکتے ہیں (اپنے ارادے) لوگوں سے ۱۶۳ لیکن

لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى

نہیں چھپا سکتے اللہ تعالےٰ سے اور وُہ تو (اس وقت بھی) ان کے ۱۶۴ ساتھ ہوتا ہے جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں ایسی باتوں کا

حکم ہوا۔ اِمام فرماتے ہیں کہ اگر یہ وجوہات ہوں تو آپ کا یہ خیال حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ کی قسم سے ہے کہ آپ کا مقام اتنا ارفع اور اتنا بلند ہے کہ ایسا واہمہ بھی اس کو زیبا نہیں۔ اور تیسری وجہ اِمام رازی نے یہ ذکر کی ہے وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ لِاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَذِبُّوْنَ عَنْ طُعْمَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّظْهِرُوْا بَرَاءَتَهٗ کہ آپ ان لوگوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے جن سے طعمہ کی اعانت سرزد ہوئی ہے آخر وہ بھی مسلمان ہیں اور آپ کے غُلام (1)۔

۱۶۲ صاحب کشاف لکھتے ہیں جُعِلَتْ مَعْصِيَةُ الْعُصَاةِ خِيَانَةً مِّنْهُمْ لِاَنْفُسِهِمْ لِاَنَّ الضَّرَرَ رَاجِعٌ اِلَيْهِمْ (2) یعنی کیونکہ ان کی خیانت کا وبال انہیں پر لوٹ کر پڑنے والا ہے۔ اس لیے گویا وہ کسی دوسرے کے ساتھ خیانت نہیں کر رہے بلکہ اپنے آپ سے خیانت کر رہے ہیں۔ مولانا مودودی نے یہاں ایک نہایت لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں جو شخص دوسرے کے ساتھ خیانت کرتا ہے وہ دراصل سب سے پہلے خود اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ کیونکہ دل اور دماغ کی جو قوتیں اس کے پاس بطور امانت ہیں ان پر بے جا تصرف کر کے وہ انہیں مجبور کرتا ہے کہ خیانت میں اس کا ساتھ دیں۔ اور اپنے ضمیر کو جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے اخلاق کا محافظ بنایا تھا اس حد تک دبا دیتا ہے کہ وہ اس خیانت کاری میں سدِ راہ بننے کے قابل نہیں رہتا۔ جب اِنسان اپنے اندر اس ظالمانہ دست بُرد کو پایہ تکمیل تک پہنچا لیتا ہے تب کہیں باہر اس سے خیانت و معصیت کے افعال صادر ہوتے ہیں۔ (تفہیم القرآن) (3)

۱۶۳ اس میں بنو ظفر کو سرزنش کی جا رہی ہے۔

۱۶۴ اللہ تعالیٰ کا بندے کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ذات وہاں موجود ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی مکان میں پایا جانا جسم کی صفت ہے اور ذاتِ اِلٰہی اس سے منزہ اور پاک ہے۔ اہل سُنّت کے نزدیک معیت کا معنی ہے اَیْ بِالْعِلْمِ وَالرُّؤْيَةِ وَالسَّمْعِ (4) یعنی اپنے علم سے وہ اپنے بندے کے ساتھ ہے اُس کو اور اُس کی ہر حرکت کو دیکھتا ہے اور اس کی ہر بات کو سنتا ہے۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 6، جز 11، ص 35
2۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 562
3۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 95-394، حاشیہ: 141
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 379

مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ

جو پسند نہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہوئے ہے سنتے ہو!

هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ

تم وہ لوگ ہو کہ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں ۱۶۵ پس کون جھگڑے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ

عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ

ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہوگا (اس روز) ان کا وکیل اور جو شخص کر بیٹھے

صاحبِ کشاف لکھتے ہیں۔ ”یہ آیت ان لوگوں کو اپنا ماتم کرنے کے لیے کافی ہے جو یہ ایمان رکھتے ہوئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہیں اس کے درمیان اور ہمارے درمیان کوئی حجاب بھی نہیں اور وہ ہمارے کسی عمل سے غافل بھی نہیں اور پھر وہ اس سے نہیں شرماتے۔ اور نہ اس سے ڈرتے ہیں“(1)۔ اگر ہم کسی آدمی کی موجودگی میں کوئی بری حرکت کرنے کی جرات نہیں کرتے تو کیا یہ وقاحت و بے حیائی کی حد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہم بے جھجک گناہ پر گناہ اور قصور پر قصور کرتے چلے جائیں۔

۱۶۵ قرابت یا دوستانہ تعلقات کی بناء پر لوگ مُجرم کی اعانت کرنے سے باز نہیں آتے بلکہ بسا اوقات وہ اسے اپنی ذاتی یا قبیلہ کی عزت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ ہر ممکن حیلہ سے اسے بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس طرح بنو ظفر کا طرزِ عمل آپ سن چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اِس دنیا میں تو تم جھوٹی قسمیں کھا کر اور جھوٹی گواہیاں دے کر ان کو بے گناہ ثابت کر لو گے ذرا یہ تو بتاؤ کہ قیامت کے روز ان کی صفائی کس منہ سے پیش کرو گے۔ اس مجرم دوست اور گنہ گار رشتہ دار کو خداوند ذوالجلال کی گرفت سے کیونکر بچاؤ گے۔ کس میں یہ دم خم ہے کہ اس کا وکیل بن کر بارگاہِ الٰہی میں پیش ہو اور اس کو رہا کرا سکے۔

ان آیات میں اُمتِ مسلمہ کی تربیت کی جا رہی ہے اور ان کو یہ سبق ذہن نشین کرایا جا رہا ہے کہ وہ گناہ اور گنہگار کے خلاف متحدہ محاذ قائم کریں تا کہ اسلامی معاشرہ گناہوں کی آلائش و عفونت اور گنہگاروں کی فساد انگیزیوں سے پاک ہو جائے۔ جرم کسی سے سرزد ہو اس کو اس کی سزا بھگتنے دی جائے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر لوگ مجرموں کی پشت پناہی کرنا ترک کر دیں اور قانون کی تنفیذ میں آڑ نہ بنیں تو جرائم کا اِستیصال کرنے میں زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ مسلمان جو یوم الحساب پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے تو کسی حالت میں جائز نہیں کہ وہ گناہوں کے خلاف جہاد کرنے کے بجائے گنہگار کی اعانت کرنے لگیں اور اس طرح بُرائیوں کے فروغ کا باعث بنیں۔

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 563

سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ۱۶۶

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

اور جو کمائے گناہ کو تو وہ کماتا ہے اُسے اپنے لیے ۱۶۷ اور اللہ تعالیٰ علیم (و)

حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ

حکیم ہے اور جو شخص کمائے کوئی خطا ۱۶۸ یا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے

ع ۱۶ ۸ ۱۳ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ

اُٹھالیا (بوجھ) بہتان کا اور کھلے گناہ کا اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل آپ پر ۱۶۹ اور اس کی رحمت

۱۶۶ گناہ کا سرزد ہو جانا بعید از امکان نہیں۔ بسا اوقات اِنسان جذبات سے مغلوب ہو کر یا نادانی اور ناسمجھی سے غلطی کر بیٹھتا ہے۔ اب اس کے لیے یہ ہرگز روا نہیں کہ وہ اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش شروع کر دے۔ اس کے لیے مُناسب یہ ہے کہ اپنے غفور و رحیم خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے قصور کا اِعتراف کرے۔ اس پر صدقِ دل سے ندامت و شرمندگی کا اظہار کرے اور پُختہ وعدہ کرے کہ آئندہ وہ ایسی ناشائستہ حرکت ہرگز نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دامن رحمت میں پناہ دے گا اور اس کے گُناہوں کو بخش دے گا۔

۱۶۷ بدکار مجرم درحقیقت اپنا ستیاناس کر رہا ہے۔ دوسروں کو تو اذیت یا نقصان بعد میں پہنچے گا اس کی تباہی و بربادی کا سامان پہلے ہو جائے گا۔ جس شخص کو اپنا مفاد عزیز ہو اور جو اپنی سلامتی کا خواہاں ہو اسے تو گناہوں کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہیے۔

۱۶۸ گناہ سرزد ہونے کے بعد چاہیے تو یہ کہ اِنسان اس پر نادم و شرمسار ہو کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں مغفرت کا طالب ہو لیکن جو شخص گناہ کا اِرتکاب کرتا ہے اور پھر اس پر نادم ہونے کے بجائے اپنی براءت ثابت کرنے کے لیے اِس گُناہ کا الزام کسی بے گناہ پر تھوپتا ہے تو اس سے بڑھ کر کمینہ اور دُوں فِطرت کون ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص نے اپنے آپ کو دوہرے گُناہ کا مُجرم بنا دیا ہے ایک گناہ دوسرا بُہتان۔ اسے سزا بھی اَب دوہری ملے گی۔

۱۶۹ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پر اپنے فضل و کرم اور عنایاتِ پیہم کا ذِکر فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب بندے! اس خاص واقعہ میں اگر ہمیشہ کی طرح اللہ کا فضل و اِحسان تیرے شاملِ حال نہ ہوتا تو انہوں نے تو ایک غلط فیصلہ آپ سے کرانے کا اِرادہ کر ہی لیا تھا۔ لیکن جب فضلِ خداوندی تجھ پر سایہ فگن اور عصمتِ ربّانی تیری دستگیر ہے تو وہ تجھے کیسے غلط راہ پر ڈال سکتے ہیں۔ ہاں

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

تو تہیّہ کر لیا تھا ایک گروہ نے اُن سے کہ غلطی میں ڈال دیں آپ کو اور نہیں غلطی میں ڈال رہے مگر اپنے آپ کو

وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اور نہیں ضرر پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت ۱۷۰

انہوں نے ایسا خیال کر کے اپنا ہی کچھ بگاڑا ہے۔

۱۷۰ عنایاتِ ربّانی میں سے خاص خاص عنایات کا ذِکر فرما دیا کہ آپ کو کتاب و حکمت دی اور آپ کو جُملہ اُن اُمور کا عِلم عطا فرمایا جس کا پہلے آپ کو عِلم نہ تھا۔ آیت کے اِس حصہ کی جو تفسیر امام المفسرین ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اسی کے لکھنے پر اِکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں: وَمِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ مَعَ سَائِرِ مَا تَفَضَّلَ بِهٖ عَلَيْكَ مِنْ نِّعَمِهٖ اَنَّهٗ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ الَّذِيْ فِيْهِ بَيَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ وَّالْحِكْمَةَ يَعْنِيْ وَاَنْزَلَ عَلَيْكَ مَعَ الْكِتَابِ الْحِكْمَةَ وَ هِيَ مَا كَانَ فِي الْكِتَابِ مُجْمَلًا ذِكْرُهٗ مِنْ حَلَالِهٖ وَ حَرَامِهٖ وَاَمْرِهٖ وَ نَهْيِهٖ وَ اَحْكَامِهٖ وَوَعْدِهٖ وَ وَعِيْدِهٖ وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ مِنْ خَبَرِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَمَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ (1) (تفسیر ابن جریر ج ۵ ص ۱۷۷) یعنی اے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں اِحسانات سے آپ پر یہ بھی خاص اِحسان فرمایا کہ آپ کو قرآن جیسی کتاب سے نوازا جس میں ہر چیز کا بیان ہے نیز اس میں ہدایت کا نُور بھی ہے اور پند و نصیحت بھی ایسی جامع کتاب کے ساتھ حکمت یعنی قرآن کے حلال و حرام، اوامر و نواہی وغیرہ کے اجمال کی تفصیل بھی نازل کی۔ نیز آپ کو ان اُمور کا علم عطا فرمایا جن کا پہلے آپ کو عِلم نہ تھا۔ یعنی گزرے ہوئے اور آنے والے لوگوں کی خبروں کا علم جو کچھ ہو چکا (ما کان) اور جو کچھ ہونے والا (وما ھو کائن) ہے اس کا عِلم بھی عنایت فرمایا۔ اِمام ابن جریر کے یہ الفاظ کہ اللہ نے اپنے نبی کریم کو عِلمِ ما کان و ما ھو کائن عطا فرمایا تھا۔ بعینہٖ یہی الفاظ اِمام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو زید عمرو بن اخطب سے روایت کیے ہیں۔ پوری حدیث بمعہ ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے:

حَدَّثَنِيْ اَبُوْ زَيْدٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ وَ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الظُّهْرُ فَنَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَ بِمَا هُوَ كَائِنٌ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔ (2)

ترجمہ: ابُو زید (عمرو بن اخطب) فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صُبح کی نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خُطبہ اِرشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ نمازِ ظہر کا وقت ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منبر سے اُترے، نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہو کر خُطبہ شروع کیا یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نیچے تشریف لائے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر منبر پر جلوہ افروز ہو کر اپنا خُطبہ جاری فرمایا اور یہ خُطبہ غروبِ آفتاب تک جاری رہا۔ اس طویل خُطبہ میں (جو صبح سے شام تک

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 177 2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعۃ، فصل فی امارۃ الساعۃ، ج 2، ص 390

الثلثۃ

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضلِ عظیم ہے ۱۷۱

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ

نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں ۱۷۲ بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا یا نیک کام کا

جاری رہا) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں (ماکان) جو کچھ پہلے گزر چکا تھا کی بھی خبر دی اور (ماھو کائن) جو کچھ ہونے والا تھا اُس کی بھی خبر دی۔ ہم میں سے بڑا عالم وہ ہے جسے یہ خُطبہ زیادہ یاد ہے۔

اس کے علاوہ بے شمار صحیح احادیث ہیں جن سے حضور پُرنُور کے عِلم وسیع کا پتہ چلتا ہے۔ اِمام بوصیری نے شاعرانہ مبالغہ سے کام نہیں لیا تھا بلکہ حقیقت کا اظہار فرمایا تھا جب اُنہوں نے اپنے مشہور قصیدہ میں بارگاہِ رسالت میں عرض کی تھی۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتَهَا وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ(1)

(اے نبی رحمت! دنیا اور آخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے۔ اور لَوح وقلم کا علم آپ کے عِلم کے بحرِ بیکراں کا ایک حصہ ہے)

اللہ تعالیٰ کا علم، ماکان ومایکون کے علم میں منحصر نہیں تا کہ مساوات کا شُبہ ہو۔ بلکہ اس عِلم کو تو عِلم الٰہی سے اِتنی نسبت بھی نہیں جو قطرے کو سمندر سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرّم حبیب معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن بے پایاں علُوم سے نوازا اور اسرار ومعارف کے جن خزانوں سے آپ کے سینہ کو لبریز فرمایا ان کا ذِکر قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر آپ کو ملے گا۔ جن کے پڑھنے اور سمجھنے سے آپ کے دل کو اِطمینان نصیب ہوگا۔ خصوصاً سورۃ النمل کی آیت ۶۵ ضیاء القرآن جلد سوم اور سورۂ الم نشرح کی پہلی آیت ضیاء القرآن جلد پنجم کا مطالعہ فرمائیے۔

۱۷۱ کتنا پیارا جُملہ ہے۔ جس ذاتِ اقدس واطہر پر اللہ کا فضل ہو اور فضل بھی تھوڑا سا نہیں، محدود سا نہیں بلکہ فضلِ عظیم ہو تو اُس کے علوم ومعارف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

۱۷۲ علامہ قرطبی لفظ نجویٰ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ لفظ نَجَوْتُ الشَّیْءَ اَنْجُوْہُ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو خالص اور مُنفرد کر لینا۔ اِسی مُناسبت سے دو آدمی جو دوسروں لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر باتیں کرتے ہیں اس کو نجویٰ کہتے ہیں۔ یہ مصدر ہے اور سرگوشی کرنے والی جماعت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ (وَاِذْ ھُمْ نَجْوٰی)(2) اِس آیت میں اِرشاد ہو رہا ہے کہ ان کے جو اکثر خفیہ اجلاس ہوتے رہتے ہیں اور ان میں بڑی رازدارانہ باتیں ہوتی ہیں یہ سب تضییع اوقات ہے۔ باہمی گفتگو تو وہ اچھی ہے جس میں ان معاملات پر غور کیا جائے کہ کسی ضرورت مند کی کیسے حاجت روائی کی جائے، اِصلاحی منصوبوں اور نیکی کے کاموں کو کیسے عملی جامہ پہنایا جائے۔ لوگوں میں فتنہ وفساد کی جو آگ بھڑک رہی ہے اُسے کیسے فرو کیا جائے۔ معروف کا لفظ

1۔ القصیدتان، ص:36، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص382

اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

یا صلح کرانے کا لوگوں میں اور جو شخص کرے یہ کام ۱۷۳؎ اللہ تعالیٰ کی رضامندیاں

اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ

حاصل کرنے کے لیے تو ہم عطا فرمائیں گے اسے اجرِ عظیم اور جو شخص مخالفت کرے ۱۷۴؎ (اللہ کے) رسول ؐ کی اس کے

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ

بعد کہ روشن ہوگئی اس کے لیے ہدایت کی راہ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے مسلمانوں کی راہ سے تو ہم پھرنے دیں گے

ع ۱۴ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ

اُسے جدھر وُہ خود پھرا ہے ۱۷۵؎ اور ڈال دیں گے اُسے جہنم میں اور یہ بہت بُری پلٹنے کی جگہ ہے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اِس (جرمِ عظیم) کو

ہر نیکی کو شامل ہے۔ دو ناراض آدمیوں میں صلح کرانا اگرچہ معروف کے ضمن میں بھی آ گیا تھا لیکن اس کی اہمیّت کے پیشِ نظر اس کو مستقلاً علیحدہ ذِکر فرمایا۔

۱۷۳؎ یعنی اِس ساری تگ ودَو کے پیشِ نظر دُنیاوی عزّ وجاہ اور چودھراہٹ کا حصول نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو۔ تو اسے اجرِ عظیم کی بشارت ہے۔

۱۷۴؎ اَلْمُشَاقَّةُ: اَلْمُعَادَاةُ (قرطبی)(1) مشاقت کا معنی عداوت ومخالفت ہے۔ یہ دو آیتیں بھی سابقہ چور طُعمہ بن اُبیرق کے متعلق ہی نازل ہوئیں (2) لیکن ان کا مفہوم عام ہے۔ طُعمہ کا انجام آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

۱۷۵؎ علامہ بیضاوی اِس جملہ کا معنی لکھتے ہیں۔ نَجْعَلُهٗ وَالِيًا لِّمَا تَوَلّٰى مِنَ الضَّلَالِ وَنُخَلِّيْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ مَا اخْتَارَهٗ (3)۔ جس کُفر وگمراہی کی طرف وہ دانستہ پھر گیا ہے ہم اِس میں حائل نہ ہوں گے اور اسے ادھر ہی پھرنے دیں گے۔ یہی معنی زیادہ موزُوں معلوم ہوتا ہے۔ اس بدنصیب کا کیا حال ہوگا رحمت وتوفیقِ الٰہی نے جس کی دستگیری چھوڑ دی ہو۔ اِس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت اور اجماعِ اُمت کی مخالفت سے انسان توفیق الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے اور شیطان کے ہاتھ میں محض ایک کھلونا بن کر رہ جاتا ہے اور وہ جیسے چاہتا ہے اُسے تگنی کا ناچ نچاتا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص385 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص385 3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:127

اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ

کہ ۱۷۶؎ شریک ٹھیرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کے لیے چاہتا ہے اور جو شریک ٹھیرائے (کسی کو)

بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۱۶ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ

اللہ کے ساتھ تو وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دُور نکل گیا نہیں عبادت کرتے یہ مشرک اللہ کے سوا

اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝۱۱۷ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ

مگر دیویوں کی ۱۷۷؎ اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی ۱۷۸؎ لعنت کی ہے اس پر اللہ نے اور اس نے کہا تھا

۱۷۶؎ اس کے لیے آیت نمبر ۴۸ کا حاشیہ ملاحظہ فرمایا جائے۔

۱۷۷؎ پہلے شرک کے متعلق مکرّر تصریح کی کہ یہ جرم قابلِ عفو نہیں۔ اب مشرکین کی حماقت اور سفاہت کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اگر خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں تو کس کو؟ ان لکڑی اور پتھر کے بنے ہوئے بتوں کو۔ ان کے معبودوں کو اناث (عورتیں) کہا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کے بیشتر معبودوں کے نام عورتوں کے سے تھے جیسے لات، منات، عزیٰ وغیرہ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر قبیلہ جس بت کی پرستش کیا کرتا تھا اسے انثی بنی فلاں کہا جاتا تھا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ کیونکہ وہ بے جان مُورتیاں تھیں اس لیے انہیں اناث سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ مؤنث بھی انفعال پذیر ہوا کرتی ہے یعنی دوسرے کا اثر قبول کرتی ہے اور کسی میں اثر نہیں کرتی اسی طرح یہ لکڑی پتھر وغیرہ بھی مؤنث کی طرح صرف منفعل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں فاعل نہیں ہوتے اس لیے انہیں اناث کہا گیا۔ (بیضاوی)(1) لفظ یَدْعُوْنَ کا معنی ابن جریر، زمخشری، بیضاوی، قرطبی وغیرہم نے یَعْبُدُوْنَ (عبادت کرتے ہیں) کیا ہے(2) اور مولانا تھانوی نے اِس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ ''یہ لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں''۔ (بیان القرآن)(3) تفہیم القرآن میں اس کا ترجمہ یوں درج ہے۔ ''وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبود بناتے ہیں وہ اس باغی شیطان کو معبود بناتے ہیں''(4)۔

۱۷۸؎ اَلْمَرِيْدُ الْعَاتِي الْمُتَمَرِّدُ(5) یعنی نافرمان اور سرکش کو مَرید کہتے ہیں۔ مشرکین شیطان کی بلا واسطہ تو عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ لیکن جب اُنہوں نے شیطان کے بہلانے پھسلانے سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت چھوڑ کر ان دیویوں کی عبادت شروع کر دی تو گویا اُنہوں نے اپنے نفسوں کی باگ ڈور شیطان کے ہاتھ میں دے دی اور اس کی اطاعتِ کاملہ پر راضی ہو گئے تھے اس لیے گویا وہ دوسرے معنوں میں شیطان ہی کی پوجا کیا کرتے تھے۔ دیکھئے اوّل تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود بنانا، اس

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص: 127 (ماخوذ)

2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 5، ص 180۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 566۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص: 127۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 387

3۔ تفسیر بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی، ص: 201 4۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 397 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 88-387

لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَ

کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے (اپنا) حصّہ مقرر ۱۷۹ اور میں ضرور انھیں گمراہ کروں گا اور

لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ

میں ضرور انھیں ۱۸۰ جھوٹی اُمیدوں میں رکھوں گا اور میں ضرور حکم دوں گا انھیں ۱۸۱ پس وہ ضرور چیریں گے جانوروں کے کان اور میں

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ

انھیں حکم دوں گا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے اللہ کی مخلوق کو ۱۸۲ اور جو شخص بنالے شیطان کو (اپنا) دوست اللہ کو چھوڑ کر

سے بڑھ کر ضلالت کیا ہوسکتی ہے پھر بنایا تو کن کو؟ پتھروں کو جن میں کسی قسم کی حس وحرکت بھی نہیں اور عورتوں کے نام سے موسوم ہیں۔ اور کس کے بتلانے سے؟ شیطان مردود وملعونِ خداوندی کے بہکانے سے۔ کیا اس ضلالت اور جہالت کی نظیر مل سکتی ہے۔ (حاشیہ محمود الحسن صاحب)(1)

۱۷۹ جب آدم کو سجدہ نہ کرنے کے باعث شیطان راندۂ درگاہِ رحمت ہوگیا تو اُس نے اُسی وقت دل میں اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کی ٹھان لی اور صاف صاف اس کا اظہار بھی کردیا جس کا بیان اِس آیت میں موجود ہے۔

۱۸۰ امنیة۔ جُھوٹی امید کو کہا جاتا ہے(2)۔ شیطان متاعِ اِیمان کو لُوٹنے کے لیے اِنسان کے سامنے کس طرح اُمیدوں کے مَحلات تعمیر کرتا ہے۔ کس طرح وہ خواہشات کی حسین وجمیل دنیا آنکھوں کے سامنے لا کھڑی کرتا ہے۔ کس طرح جاہ ومنصب کے زرتار جال بُن کر طائرِ عقل کو پھنساتا ہے یہ بات کسی توضیح کی محتاج نہیں۔ اور اس کی مہارت کی داد دیجئے کہ وہ امیدوں اور توقعات کے سُنہرے جال ایک ہی شکل کے تیار نہیں کرتا بلکہ جس اُمید سے وہ کسی کو زیادہ فریب دے سکتا ہے اس کے لیے اسی قسم کا جال بنتا ہے۔ وَاَدْعُوْ كُلًّا مِّنْهُمْ اِلٰى مَا يَمِيْلُ طَبْعُهٗ اِلَيْهِ فَاَصُدُّهٗ بِذَالِكَ عَنِ الطَّاعَةِ (روح)(3) یعنی میں ہر شخص کو اس کی دعوت دوں گا جس کی طرف اس کی طبیعت مائل ہوتی ہے۔ اس طرح میں اُسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے روک دوں گا۔

۱۸۱ کفّارِ عرب اس اُونٹنی کو جو پانچ بچے جنتی اور پانچواں نر ہوتا اُس کے کان چھید کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور اس سے کسی قسم کا کام نہ لیتے۔

۱۸۲ تغییر خلق سے مراد کسی جانور کے کان کاٹ دینا، کسی مرد کو خصی کردینا، عورتوں کا بال کٹا کر اپنی انوثیت کو بگاڑ کر مردوں کی مشابہت اِختیار کرنا، مردوں کا داڑھی منڈانا وغیرہ اعمال ہیں۔ بعض علمائے کرام نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جس مقصد کے لیے کسی چیز کی تخلیق اس کے خالق نے فرمائی ہے اس کے خلاف اس کو اِستعمال کرنا مثلاً سورج، دریا اور پتھر وغیرہ جو اِنسان کی خدمت گزاری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ان کو اپنا معبود بنالینا بھی تغییرِ خلق میں داخل ہے۔ صاحبِ کشاف نے اس کی

1۔ حاشیہ قرآن از محمود الحسن، ص:125 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:127 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج5، ص149

اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا

تو نقصان اُٹھایا اس نے کھُلا نقصان شیطان (جھوٹے) وعدے ۱۸۳؎ کرتا ہے اُن سے اور (غلط) اُمیدیں

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا

دلاتا ہے انھیں اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے ۱۸۴؎ اور نہ

يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

پائیں گے اس سے بچ نکلنے کی جگہ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

داخل کریں گے ہم انھیں ان باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ ہمیشہ اس میں

اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ

رہیں گے (یہ) اللہ کا سچّا وعدہ ہے ۱۸۵؎ اور کون زیادہ سچّا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں (نجات کا انحصار) نہ

تشریح کی۔ فِطْرَةُ اللّٰهِ الَّتِيْ هِيَ دِيْنُ الْاِسْلَامِ (1)۔ یعنی تغییر خلق سے مراد دین اسلام جو دین فطرت ہے اس میں ردّ و بدل اور کانٹ چھانٹ کرنا اور اس کا حلیہ کچھ سے کچھ کر دینا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قرآنِ حکیم کا یہ لفظ ان تمام معانی پر مشتمل ہے۔ ہر ایک نے اپنی فکر کے مُطابق اس سے استفادہ کیا ہے۔

۱۸۳؎ یعنی شیطان کا تو کام ہی صرف وعدے کرنا اور اُمیدوں کے سبز باغ دکھانا ہے۔ اس کے بازار کی ساری رونقیں اور اس کی جنس عصیاں کی بڑھتی ہوئی مانگ کا سارا دارومدار انہیں کبھی نہ پورے ہونے والے وعدوں اور کبھی نہ برآنے والی اُمیدوں پر ہے۔ ان آیات کے نزول کا مقصد بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کی جو صلاحیتیں ہم میں موجود ہیں ان کو خواب غفلت سے جھنجوڑا جائے اور ہمیں غیرت دلائی جائے کہ یہ شیطان، آنکھیں بند کیے جس کی ہر بات مانتے چلے جا رہے ہو یہ وہی تو ہے جو تمہارا روز اول کا دشمن ہے اور اس نے تمہیں اسی دن اپنا نخچیر زبوں بنانے کا اعلان کیا تھا۔ وہ تمہاری متاعِ عقل و دیں لُوٹتا چلا جا رہا ہے۔ اور تم ہو کہ اپنے رب کریم کی طرف سے منہ موڑ کر اپنے اس کھلے دشمن کے پیچھے سرپٹ دوڑتے چلے جا رہے ہو اور یہ دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے کہ وہ خُلدِ بریں سے نکال کر تمہیں سراب وہم و گمان کی طرف لیے جا رہا ہے۔ اگر اِنسان کا ذوقِ سلیم بے حس نہ ہو چکا ہو تو خیر و تقویٰ کے جذبات کو سرگرم عمل کرنے کا یہ کتنا موثر اسلوب ہے۔

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 566

بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ

تمہاری جھوٹی اُمیّدوں پر ہے اور نہ [۱۸۶] اہلِ کتاب کی جھوٹی اُمیّدوں پر (بلکہ) جو عمل کرے گا بُرے اُسے سزا ملے گی اس کی اور

لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ

نہ پائے گا اپنے لیے اللہ کے بغیر کوئی دوست اور نہ مددگار اور جس نے عمل کیے

مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

اچھے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وُہ مومن ہو [۱۸۷] سو وُہی لوگ داخل ہوں گے

[۱۸۴] جو ایسی دل ہلا دینے والی تنبیہات کے باوجود بھی شیطان کے چنگل سے رہائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے ان کا انجام ملاحظہ ہو۔

[۱۸۵] شیطان کے سارے وعدے تو جھوٹے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ یقیناً اُسے پُورا فرمائے گا۔

[۱۸۶] یعنی اللہ کی جانب سے جس اجرِ عظیم اور جنت الخلد کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس کے تم اس طرح مستحق نہیں بن سکتے کہ کرو کچھ نہیں اور سمجھو یہ کہ سب کچھ ہمارے لیے وقف ہے۔ ایسا نہیں۔ بلکہ یہ تو اس کو ملے گا جو سچا مومن بھی ہو اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوں۔ کیا صاف صاف بتا دیا تا کہ کوئی کسی دھوکہ میں مبتلا ہو کر ان فرصت کے لمحات کو ضائع ہی نہ کر دے۔ اب بھی اگر کوئی عمل صالح کی اہمیّت کا اِعتراف نہیں کرتا تو اسے خود فریب نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ مسلمانوں کے ساتھ اہلِ کتاب کے ذِکر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایک ایسی قوم کی زندہ مثال پیش کی جا رہی ہے جو صرف توقعات اور امیدوں کی آغوش کی پروردہ تھی۔ یہی ڈینگیں مارتے رہے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (1) اور ہمیں دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی اور ہم افضل ترین امم ہیں اور زندگی کے وہ سنہری لمحات ضائع کر دیئے یعنی حضور رحمۃ للعالمین کے حلقۂ غلامی کے شرف سے محروم رہ گئے۔ آفتابِ ہدایت طلوع ہوا زمین کے دُور اُفتادہ تاریک ترین گوشے بھی جگمگا اُٹھے لیکن ان بیہوشوں کو ہوش نہ آیا۔ اپنی برتری کے نشہ میں آنکھیں بند ہی رہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عزت و عظمت کے تخت سے نیچے پھینک دیئے گئے۔ غلامانِ مصطفیٰ علیہ اجمل الصلوٰۃ واطیب الثناء کو بھی بتایا جا رہا ہے کہ تم ان کے نقشِ قدم پر نہ چلنا تمہارا بھی کہیں یہی حسرت ناک انجام نہ ہو۔ کاش اپنے آپ کو عاشقانِ رسول کہلانے والے اس آیت کو بار بار پڑھیں۔ دعویٰ عشق و محبت اور محبوب کی اطاعت میں سُستی اور کاہلی! ذرا غور کرو کتنی بے جوڑ سی بات ہے۔

[۱۸۷] یہاں اِس بات کو واضح کر دیا کہ اعمال صالحہ کی قُبولیت کے لیے اِیمان کا ہونا شرط اوّلین ہے۔ آپ خود دیکھئے ایک آدمی ایک قطعہ زمین کو ہموار کرتا ہے۔ اس سے جڑی بوٹی اُکھاڑ کر باہر پھینکتا ہے۔ پھر اس کی آبپاشی کرتا ہے اور رات دن اس کی نگرانی میں مصروف رہتا ہے لیکن اس میں بیج نہیں ڈالتا۔ تو کیا اس کی طویل محنت و مشقّت کا کوئی نتیجہ برآمد ہوگا۔ جب بیج ہی نہیں تو

1۔ المائدہ:18

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ

جنّت میں اور نہ ظلم کیے جائیں گے تِل بھر اور کون بہتر ہے دینی لحاظ سے اس شخص سے جس نے جھکا دیا ہو

وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ

اپنا چہرہ اللہ کے لیے اور وہ ۱۸۸ؔ احسان کرنے والا ہو اور پیروی کی ملّت ابراہیمؑ کی اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے ہو اور بنالیا ہے

اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو خلیل ۱۸۹ؔ اور اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ ۱۸ ۱۱ ۱۵

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے میں لینے والا ہے اور فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے عورتوں کے بارے میں آپ فرمائیے

ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ اسی طرح اگر ایمان کا تخم نہیں تو دنیا جہان کی ساری نیکیاں بے ثمر ہوں گی۔ اور اگر ذرا دقّتِ نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ عمل، صالح ہو ہی نہیں سکتا جب تک عامل میں صفتِ ایمان موجود نہ ہو کیونکہ ایمان کے بغیر ہر عمل کے پیچھے کوئی پست جذبہ کارفرما ہوگا۔ مثلاً دنیاوی منفعت، شہرت، ذکرِ دوام وغیرہ وغیرہ۔ تو جس عمل کا محرک ایسی پست چیز ہو وہ عمل صالح نہیں کہلا سکتا۔ صرف ایمان ہی وہ قوت ہے جو ہر عمل کا رُخ صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف موڑ دیتی ہے۔ اسی نسبت کی برکت سے انسان کا ہر عمل صالح بن جاتا ہے۔ اس پر جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان سے عامل کی زندگی کو بھی چار چاند لگ جاتے ہیں اور اس کی قوم اور ملک کو بھی عزت و ناموری حاصل ہوتی ہے۔

۱۸۸ؔ جو سرتاپا اطاعت ہی اطاعت ہو۔ اور محسن کا مطلب یہ ہے آتِ بِالْحَسَنَاتِ تَارِكٌ لِّلسَّيِّئَاتِ (1) یعنی اس سے نیکی ہی نیکی صادر ہو برائی کا اس سے ظہور نہ ہو۔ حنیف: ہر طرف سے منہ موڑ کر جو اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہونے والا ہو۔ اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

۱۸۹ؔ لفظ خلیل کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب المنار لکھتے ہیں۔ يُطْلَقُ الْخَلِيْلُ بِمَعْنَى الْحَبِيْبِ اَوِ الْمُحِبِّ لِمَنْ يُّحِبُّهٗ اِذَا كَانَتْ هٰذِهِ الْمَحَبَّةُ خَالِصَةً مِّنْ كُلِّ شَائِبَةٍ بِحَيْثُ لَمْ تَدَعْ فِيْ قَلْبِ صَاحِبِهَا مَوْضِعًا لِّحُبِّ آخَرَ وَهُوَ مِنَ الْخُلَّةِ اَيِ الْمَحَبَّةِ وَالْمَوَدَّةِ الَّتِيْ تَتَخَلَّلُ النَّفْسَ وَتُمَازِجُهَا كَمَا قَالَ الشَّاعِرُ:

قَدْ تَخَلَّلْتَ مَسْلَكَ الرُّوْحِ مِنِّيْ وَبِهٖ سُمِّيَ الْخَلِيْلُ خَلِيْلًا (2)

یعنی خلیل کا لفظ اس حبیب اور محب پر بولا جاتا ہے جس کے دل میں اپنے محبوب کی محبّت یوں بس جائے کہ کسی غیر کی محبّت

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج5، ص154 2۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج5، ص439

اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى

اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمہیں ان کے بارے میں ۱۹۰ اور وہ آیتیں جو پڑھی جاتی ہیں تم پر اس کتاب (قرآن) میں (ان میں احکام ہیں) ان یتیم

النِّسَآءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ

بچیوں کے متعلق جنہیں تم نہیں دیتے ہو جو (حق) مقرر کیا گیا ہے ان کے لیے اور خواہش کرتے ہو ۱۹۱ کہ خود

تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا

نکاح کرلو ان کے ساتھ (ان کا مال دبوچنے کے لیے) اور (قرآن میں احکام ہیں) کمزور بچوں کے متعلق اور (وہ یہ) کہ قائم رہو

کی گنجائش تک نہ رہے۔ خلّۃ اس محبت کو کہتے ہیں جو نفس میں رچ جائے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔ ''اے محبوب! جہاں جہاں میری رُوح ہے تیرا عشق وہاں سما گیا ہے اسی وجہ سے تو خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے''۔ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ محبّت کا جو مقام محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا فرمایا گیا ہے وہ اتنا بلند ہے کہ حضرت خلیل کا طائرِ آرزو بھی وہاں پر نہیں مار سکتا۔ وَاِنَّ مِنْ مَرَاتِبِهَا مَالَا تَبْلُغُهُ اُمْنِيَّةُ الْخَلِيْلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ الْمَرْتَبَةُ الثَّابِتَةُ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ (روح المعانی)(1)

۱۹۰ عرب عورتوں اور یتیم بچوں کے ساتھ جو سلوک کرتے تھے یعنی نہ میراث میں حصہ، نہ اپنی شادی کے معاملہ میں کچھ اختیار اور شادی کرنے کے بعد ان کے حقوق سے سراسر تجاہل وغیرہ اور اِسلام نے اِس صورتِ حال میں جو اِصلاحات کیں ان کا ذکر اس سورت کی ابتداء میں بھی ہو چکا ہے۔ انہی کے متعلق لوگ طرح طرح کے سوالات کرتے۔ اب مزید انہیں تاکید کی جارہی ہے کہ جو تمہیں اللہ کی طرف سے حکم ملا ہے اس کی بلا چون وچرا تعمیل کرو۔ اور ان کے جو حقوق مقرر کیے گئے ہیں ان کی ادائیگی میں سُستی نہ کرو۔

۱۹۱ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ زمانہ جہالت میں اگر کوئی بچی یتیم رہ جاتی تو اگر وہ صاحبِ حُسن ومال ہوتی تو اس کا ولی اس کے ساتھ خود نکاح کر لیتا لیکن اس کے حقوق کی ادائیگی کا خیال تک نہ کیا جاتا۔ اور اگر وہ صاحبِ مال تو ہوتی لیکن قبول صورت نہ ہوتی تو پھر سرے سے اس کی کسی سے شادی ہی نہ کی جاتی تاکہ اس کے حقوق کا مطالبہ کرنے والا ہی کوئی نہ ہو اور وہ خود ہی اس کے مال کو ہضم کر جائے۔ اور اگر وہ نہ خوبصورت ہوتی اور نہ مالدار تو پھر اس کو اپنی مرضی سے کسی کے پلّے باندھ دیا جاتا اور اس کا مہر وغیرہ ولی خود وصول کر لیتا(2)۔ ان تمام چیزوں کی ممانعت کر دی گئی۔ ترغبون کا کوئی صلہ عن یا الیٰ ذِکر نہ کرنے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ عبارت تمام صورتوں پر حاوی رہے اور حسبِ حال صلہ مقدّر مان لیا جائے۔ آیت کا مدعیٰ یہ ہے کہ یتیم بچیوں کے جن حقوق کا پہلے ذکر ہو چکا ہے وہ ہر وقت اور ہر حالت میں مدِّ نظر رہیں۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج5، ص155 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج2، ص250۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ یستفتونک فی النساء، ج2، ص661

لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ

یتیموں کے معاملہ میں انصاف پر ۱۹۲ اور جو کرو گے بھلائی (کے کاموں) سے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب

عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا

جاننے والا ہے ۱۹۳ اور اگر کوئی عورت خوف کرے ۱۹۴ اپنے خاوند سے (اس کی) زیادتی یا روگردانی کی وجہ سے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ

تو نہیں کوئی حرج ان دونوں پر کہ صلح کر لیں آپس میں اور صلح ہی (دونوں کے لیے) بہتر ہے

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

اور موجود رکھا گیا ہے نفسوں میں بخل ۱۹۵ اور اگر تم احسان کرو اور متقی بنو ۱۹۶ تو بے شک اللہ تعالیٰ

۱۹۲ یتیم بچیوں کی طرح یتیم بچوں کے ساتھ بھی بے انصافی نہ کرو۔ ان کو ضعیف و کمزور سمجھ کر ان کے اموال غصب نہ کر لو اور ان کے حقوق تلف مت کرو۔ وہ بے چارے تو تمہارے مظالم پر صدائے احتجاج بلند کرنے سے بھی قاصر ہیں لیکن ان کا خدا تو قادر و توانا ہے۔ اس کی گرفت اور عذاب سے تمہیں کون بچائے گا۔

۱۹۳ آخر میں فرما دیا کہ اگر تم یتیم بچوں اور بچیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو گے۔ اُن کے اموال اور حقوق کی حفاظت کرو گے ان کی تعلیم و تربیت کا اِہتمام کرو گے تو وہ اگرچہ تمہیں ان احسانات کا بدلہ دینے سے قاصر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور اجر عطا فرمائے گا۔ وہ تمہارے جُملہ احسانات کو خوب جانتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ تمہیں ان نیک خدمات کا اپنے شایانِ شان صلہ نہ دے۔

۱۹۴ بعض اوقات بیوی دائم المریض یا بانجھ ہوتی ہے، اس کی شکل و صورت غیر پسندیدہ یا اس کا مزاج تند و تیز ہوتا ہے یا کبر سنی کی وجہ سے مرغوبِ خاطر نہیں رہتی اور مرد چاہتا ہے کہ اسے طلاق دے دے اور کسی دوسری عورت سے شادی کر لے یا کسی کی دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک مذکورہ بالا وجوہات کے باعث اب اس کے لیے وبالِ جان بن گئی ہے اور وہ اسے طلاق دینے کا ارادہ کر رہا ہے تو ایسے موقعوں کے لیے عورت کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کو اس کی جُدائی پر ترجیح دیتی ہے تو اسے اجازت ہے کہ وہ اپنا مہر معاف یا کم کر کے، اپنے حقوقِ زوجیت سے دوسری بیوی کے حق میں دست بردار ہو کر یا اپنے نفقہ کے بار کو ہلکا کر کے خاوند کے ساتھ مصالحت کر لے تاکہ وہ اسے طلاق نہ دے قرآن فرماتا ہے کہ جُدائی اور اِفتراق سے بہرحال صُلح ہی بہتر ہے۔

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ

جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ پورا پورا انصاف کرو اپنی بیویوں

النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا

کے درمیان اگرچہ تم اس کے بڑے خواہشمند بھی ہو[۱۹۷] تو یہ نہ کرو کہ جھک جاؤ (ایک بیوی کی طرف) بالکل اور چھوڑ دو دوسری کو جیسے

كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

وہ (درمیان میں) لٹک رہی ہو۔ اور اگر تم درست کرلو (اپنا رویہ) اور پرہیزگار بن جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا

اور اگر دونوں (میاں بیوی) جدا ہو جائیں تو غنی کردے گا اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی وسیع بخشش سے۔ اور اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا

حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا

حکمت والا ہے[۱۹۸] اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بے شک ہم نے حکم دیا

[۱۹۵] یعنی ہر شخص مرد ہو یا عورت اپنے فائدہ سے دست بردار ہونے میں بہت بخیل ہے وہ اس کو بخوشی گوارا کرنے کے لیے بہت کم ہی آمادہ ہوا کرتا ہے۔

[۱۹۶] مردوں کو ہی ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ احسان اور عالی ظرفی سے کام لیں اور اپنی نامرغوب بیوی کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کریں اور اس کے حقوق کی پاسداری میں اللہ سے ڈرتے رہیں۔

[۱۹۷] یعنی جب بیویاں ایک سے زائد ہوں تو وہ ہر حیثیت سے آپس میں مساوی نہیں ہوا کرتیں۔ شکل وصورت، صحت و بیماری، خوش خلقی و بدخلقی کئی قسم کا باہمی تفاوت پایا جاتا ہے۔ جن کی وجہ سے دلی محبّت واُنس یکساں نہیں ہوتا۔ اس فطری چیز کا اعتراف کرتے ہوئے جو انسان کے بس سے باہر ہے اسے حکم دیا کہ ایسا نہ کرے کہ ایک بیوی میں ہی کھو کر رہ جائے اور دوسری کے تمام حقوق نظر انداز کردے اور اُسے معلق بنا کر رکھ دے بلکہ اس کی باری کے دن اور نفقہ وغیرہ میں مساوات ملحوظ رکھے۔ کیونکہ اگر دل کا میلان تمہارے اختیار میں نہیں تو یہ اُمور تو تمہارے اختیار میں ہیں۔

[۱۹۸] اگر صلح کی ہر تدبیر ناکام ثابت ہو اور طلاق ناگزیر ہو جائے تو پھر زیادہ غمگین ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے۔ وہ ایسی صورت پیدا کردے گا جس میں دونوں کی طمانینت اور خوشحالی کا سامان مہیّا ہو جائے گا۔ خاوند کو ایسی بیوی دے دے گا جو

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ

ان لوگوں کو جنھیں دی گئی کتاب ۱۹۹ تم سے پہلے اور (حکم دیا) تمھیں بھی کہ ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور اگر

تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

کفر کرو ۲۰۰ تو بے شک اللہ کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور

غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى

ہر تعریف کا مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے

اس کے لیے قرۃ العین ہوگی اور اس مطلقہ عورت کو ایسا خاوند عطا فرمائے گا جو اس سے محبت کرے گا اور اس کے آرام کا خیال رکھے گا۔

۱۹۹ جو کتابیں مختلف زمانوں میں انبیاء و رُسل پر نازل ہوئیں اور یہ کتاب جو تمہاری ہدایت کے لیے اُتاری گئی ہے، ان سب میں تمام اُمتوں کو تقویٰ کا ہی حکم دیا گیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس میں شک ہی نہیں رہتا کہ دین الٰہی کا دارو مدار ہی تقویٰ پر ہے۔ دل میں خوفِ خدا پیدا ہو گیا تو اِنسان کا ظاہر و باطن سنور گیا اور اگر دل خوفِ خدا سے ہی آشنا نہیں تو پھر زبان سے پارسائی کے ہزاروں دعوے کیے جائیں نفس اِصلاح پذیر نہیں ہو سکتا

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل ۔۔۔ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں (1)

وَقَالَ بَعْضُ الْعَارِفِيْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ رَحٰى اٰيِ الْقُرْاٰنِ لِاَنَّ جَمِيْعَهٗ يَدُوْرُ عَلَيْهَا (قرطبی) (2) یعنی کاملین اُمت نے اِس آیت کو سارے قرآن کا محور قرار دیا ہے۔

۲۰۰ اہلِ عرب مدّت ہائے دراز سے جس رسم و رواج کے پابند چلے آتے تھے ان سے کنارہ کش ہو جانا اور بالکل نئے قواعد و ضوابط کا پابند ہو جانا کوئی آسان کام نہ تھا اِس لیے اللہ تعالیٰ بار بار اپنے مالک الملک ہونے، زمین و آسمان کی ہر چیز پر قدرتِ کاملہ رکھنے اور کسی کا محتاج نہ ہونے کا ذِکر فرما کر انہیں تنبیہ فرما رہے ہیں کہ ان قواعد و ضوابط کی پابندی میں تمہارا ہی دنیا و دین کا فائدہ ہے اگر تم ان سے سرتابی کر کے اپنی جاہلانہ رسوم کی پابندی کرو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ پادری صاحبان بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ اِسلام نے اِنسان کی اِصلاح کے لیے دوزخ کی آگ اور عذاب کا سہارا لیا ہے جب کہ عیسائیت کا انحصار محض محبّتِ الٰہی پر ہے۔ افسوس! بائیبل ان کے اس دعویٰ کی تصدیق نہیں کرتی۔ ملاحظہ ہو۔ ''جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور روح کو قتل نہیں کر سکتے ان سے نہ ڈرو بلکہ اسی سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے''۔ (متی ۱۰:۲۸) (3) ''اس سے ڈرو جس کو اختیار ہے کہ قتل کرنے کے بعد جہنم میں ڈالے۔ ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی سے ڈرو'' (لوقا ۱۲:۵) (4)

1۔ کلیات اقبال اردو، ضرب کلیم، ص:656
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز:5، ص:408
3۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، متی باب:10، آیت:28، ص:13
4۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، لوقا، باب:12، آیت:5، ص:66

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ

اللہ تعالیٰ کارساز اگر چاہے تو لے جائے تمہیں ۲۰۱؎ اے لوگو اور لے آئے دُوسروں کو

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پُوری قدرت رکھتا ہے جو شخص ارادہ کرتا ہو صرف ثوابِ دنیا کا (تو یہ اس کی اپنی کم نظری ہے ۲۰۲؎)

ع ۱۹ ۸ ۱۶ فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

اللہ کے پاس تو دُنیا و آخرت (دونوں) کا ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر بات سُننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ

اَے ایمان والو! ۲۰۳؎ ہو جاؤ مضبُوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے محض اللہ کے لیے

۲۰۱؎ یہ خیال تم اپنے دل سے نکال دو کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو اگر تم نے چھوڑ دیا تو یہ ختم ہو جائے گا یا بزم ہستی کی ساری رونقیں تمہارے دم قدم سے ہیں۔ اگر تم نہ رہے تو یہ بزم بے رونق ہو جائے گی۔ نہیں۔ اگر تم نے اِس زرّیں موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اور اللہ کے دین کی رسّی کو مضبوطی سے نہ پکڑا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دامن کو نہ تھاما تو وہ تمہیں اس مقام شرف سے ہٹا کر کسی دوسری قوم کو اپنی نوازشات کے لیے منتخب کر لے گا۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ تم سے پہلے بھی کئی اُمتوں نے سرکشی کا راستہ اِختیار کیا تو اُنہیں پٹخ دیا گیا۔ ان کے مٹ جانے سے اللہ کی بادشاہی میں کیا کوئی زوال آیا؟ اسی طرح اگر تم بھی نظر رحمت سے گرا دیئے گئے تو کوئی اور آگے بڑھ کر اس تاج کرامت کو اپنے سر پر رکھ لے گا۔

۲۰۲؎ انسان کی اپنی کوتاہ نظری اور کم ہمتی ہے کہ وہ بارگاہِ رب العٰلمین سے صرف دولت، شہرت، عزت، وجاہت کا ہی سوال کر کے رہ جائے۔ ورنہ اس کریم، رحیم اور وہاب کی جناب سے تو جو مانگا جائے وہ ملتا ہے۔ اِنسان فقط فنا ہونے والی نعمتوں کے سوال پر کیوں اِکتفا کرے۔ کیوں نہ اس کی محبت کا جام رنگیں مانگے اور اس کی رضا کے لیے دامنِ طلب پھیلائے جب دینے والا بخیل نہیں تو مانگنے والا مانگنے میں کیوں بخل کرے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے(1)

۲۰۳؎ قوام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اِس سے مراد کثرتِ عددی نہیں بلکہ اس سے ثبات اور استحکام فی الشہادۃ کی تاکید مقصود ہے(2) یعنی جب شہادت دو تو خوب مستحکم ہو کر۔ پہلے زوجین، یتیم بچوں بچیوں کے حقوق کا ذِکر چلا آیا ہے۔ اس میں کبھی عدالت تک

1۔ کلیاتِ اقبال اردو، بانگ درا، ص: 287 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 5، ص 410

وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا

چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے)

اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

وہ دولت مند ہو یا فقیر۔ پس اللہ زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا۔ تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

اور اگر تم ہیر پھیر کرو[۲۰۴] یا منہ موڑو تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ

اے ایمان والو![۲۰۵] ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو

جانے کی نوبت آجاتی ہے۔ وہاں فیصلہ گواہوں کی گواہی سے کیا جاتا ہے۔ اگر گواہ سچی گواہی نہ دے تو حق دار کی حق تلفی ہو جاتی ہے اور ظلم جس کے انسداد کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا ہے اس کو اُلٹا قانون کا سہارا مل جاتا ہے اس لیے گواہوں کو سچی سچی گواہی دینے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ان تمام امور کو جو سچی گواہی دینے سے انسان کو روکتے ہیں مثلاً اپنا ذاتی فائدہ، ماں باپ کا پاس، قریبی رشتہ داروں کی رعایت وغیرہ کو ذِکر کر کے ان کو خاطر میں نہ لانے کی تاکید کی جا رہی ہے۔ مندرجہ بالا موانع کے علاوہ کبھی یہ خیال اِنسان کو حق کے اظہار سے روک دیتا ہے کہ جس کے خلاف میں گواہی دے رہا ہوں وہ امیر کبیر ہے۔ اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ کسی مسکین کی مَسکنت اور غربت کا احساس انسان کے دل میں رحم و شفقت کے جذبات ابھار دیتا ہے اور اس غریب کے خلاف سچی بات کہنے سے اِس لیے ہچکچاتا ہے کہ اس سے اس غریب کو نقصان نہ پہنچے۔ انسانی نفسیات کا کتنا دقیق محاسبہ ہے۔ فرمایا عدالت میں کھڑے ہو کر ان احساسات کو بالکل دل سے نکال دو اور بڑی سچائی کے ساتھ گواہی دو۔ فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا۔ کتنا پیارا جملہ ہے یعنی تم کسی کی خیر خواہی بھلا کیا کرو گے۔ تم اپنے رب کا حکم مانو۔ تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ خود اس (غریب و امیر) کا خیر خواہ ہے۔ اس آیت کی ابتداء میں دو لفظ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ کتنے پر شکوہ اور اثر آفرین ہیں۔ یعنی یہ نہ سمجھو کہ تم کسی انسان کے لیے گواہی دے رہے ہو اور جو تمہارے دل میں آئے کہہ دیا تو کوئی تمہارا کیا بگاڑ لے گا۔ نہیں یہ گواہی کسی انسان کے لیے نہیں بلکہ اللہ ذوالمجد والعلیٰ کے لیے ہے۔ اب سوچ لو کیا تم اس کو ناراض کرنے کی ہمت رکھتے ہو۔ سُبحان اللہ! کیا جلال و شکوہ ہے کلام احکم الحاکمین میں۔

۲۰۴ یعنی سچی گواہی دیتے دیتے ہیر پھیر کر دیا۔ جو بات غیر اہم تھی اس پر بڑا زور دیا اور جو اہم بات ہوئی اس کو پی گئے۔

۲۰۵ یعنی اے ایمان والو! اپنے ایمان پر ثابت قدم رہو۔ وَ مَعْنٰی اٰمِنُوا اثْبُتُوْا عَلَی الْاِیْمَانِ وَ دَاوِمُوْا عَلَیْهِ (کشاف)(1)

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 575

نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ

نازل فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ؐ پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے اور جو

يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ

کفر کرے اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روزِ آخرت کے ساتھ تو وہ

ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ

گمراہ ہوا اور گمراہی میں دُور نکل گیا بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے ۲۰۶ پھر

اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ

ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر بڑھتے گئے کفر میں نہیں ہے سنت الٰہی ان کے متعلق کہ بخش دے انہیں

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا

اور نہ یہ کہ پہنچائے انہیں راہِ (راست) تک خوشخبری سُنا دو منافقوں کو ۲۰۷ کہ بلاشبہ ان کے لیے دردناک عذاب

اِسلام قبول کرنے کے بعد بھی اِنسان کو کتنے ہی کٹھن مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ مومن تو وہی ہے جو بڑی پامردی سے کسی خطرہ، کسی وسوسہ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جادۂ زیست پر قدم بڑھاتا چلا جائے۔ اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے۔ اَے اِیمان کا دعویٰ کرنے والو! اپنے حُسنِ عمل سے اس کی تصدیق کرو۔

۲۰۶ جو لوگ اتنے ڈِھلمل یقین ہوں کہ اِسلام کی کوئی کامیابی دیکھی تو مسلمان ہو گئے ذرا شدّت کا زمانہ آیا تو جھٹ کفر اِختیار کر لیا۔ پھر کوئی معجزہ دیکھا یا مسلمانوں کے غالب آنے کے آثار نمایاں ہوئے تو پھر اِسلام قبول کر لیا پھر کسی شیطان نے وسوسہ ڈالا یا مسلمان کسی آزمائش میں مبتلا ہو گئے تو اِسلام سے رشتہ توڑ کر کفر سے ناطہ جوڑ لیا۔ ایسے مجرم ناقابلِ عفو ہیں اور توفیق خداوندی ان لوگوں کی دستگیری کرنے کے لیے بے چین نہیں جو گمراہی کے گڑھے میں گرنے کی قسم کھائے بیٹھے ہوں۔ رُوِیَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ الْاٰیَةَ فِی الْمُرْتَدِّیْنَ (بحر)(1)

۲۰۷ بشارت کا عام اِستعمال تو خوشخبری کے معنی میں ہوتا ہے اور اس عذابِ الیم کی خبر کو بشارت سے تعبیر کرنا بطور طنز ہے۔ اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ہر اس اچھی یا بری خبر کو بشارت کہتے ہیں جس کے سننے کے بعد اس کے اثرات چہرہ پر نمایاں ہو

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج3، ص372

اَلِيْمَا ۙ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

ہے وُہ منافق جو بناتے ہیں کافروں کو (اپنا) دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ ؕ وَقَدْ نَزَّلَ

کیا وُہ تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزّت؟ تو (وُہ سُن لیں) عزّت تو صرف اللہ کے لیے ہے سب کی سب ۲۰۸ اور تحقیق اتارا

عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں کہ جب تم سُنو اللہ کی آیتوں کو کہ اِنکار کیا جارہا ہے ان کا ۲۰۹ اور مذاق اڑایا

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۚ

جارہا ہے ان کا تو مت بیٹھو ان (کفر و استہزا کرنے والوں) کے ساتھ یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دُوسری بات میں

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ

ورنہ تم بھی انھیں کی طرح ہو گے بے شک اللہ تعالیٰ اکٹھا کرنے والا ہے سب منافقوں اور سب کافروں کو جہنّم میں

جائیں۔ اَلتَّبْشِيْرُ الْاِخْبَارُ بِمَا يَظْهَرُ اَثَرُهٗ عَلَى الْبَشَرَةِ (قرطبی) (1)

۲۰۸ مُنافقین کفّار کے ساتھ محبّت کی پینگیں اِس لیے بڑھاتے تھے کہ وہ دیکھتے تھے کہ اِن مسلمانوں کے پاس کیا رکھا ہے۔ نہ دولت، نہ شوکت اور ہر لمحہ دشمن کے حملوں کے سیلاب میں بہ جانے کا خدشہ اور کافروں کے پاس دولت وثروت کے علاوہ قوت و شوکت بھی ہے۔ اُن سے روابط پیدا کر کے ہم عزّت حاصل کر سکتے ہیں۔ انہیں بتایا جارہا ہے کہ یہ سب تمہاری خام خیالیاں ہیں۔ عزّت عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ رب العزت ہے۔ ابھی چند دنوں میں تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس کا آفتابِ اقبال دنیا بھر کو منور کرتا ہے اور کن کے قدموں میں دولت لونڈی بن کر حاضر ہوتی ہے۔

۲۰۹ ایسی مجالس میں جن میں کتاب الٰہی کا اِنکار کیا جائے اور اس کی آیتوں کا مذاق اُڑایا جائے شرکت کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اسی حکم کی یاد تازہ کرائی جارہی ہے کہ جو شخص ایسی مجلسوں میں شرکت کرتا ہے وہ بھی گناہ میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ تمام گُمراہ فرقوں کی مجلسوں اور جلسوں میں جا کر بیٹھنے کا یہی حکم ہے۔ کیونکہ صحبت کا اثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص416

جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ

وُہ جو ۲۱۰ انتظار کر رہے ہیں تمہارے (انجام) کا۔ تو اگر ہو جائے تمہیں فتح اللہ کی طرف سے

قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ

(تو) کہتے ہیں کیا نہیں تھے ہم بھی تمہارے ساتھ اور اگر ہو کافروں کے لیے کچھ حصّہ (کامیابی سے) کہتے ہیں کیا نہیں

نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

غالب آ گئے تھے ہم تم پر اور (اس کے باوجود) کیا نہیں بچایا تھا ہم نے تم کو مومنوں سے پس (اے اہلِ نفاق!) اللہ فیصلہ کرے گا

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۷ ۲۰

تمہارے درمیان قیامت کے دن۔ اور ہرگز نہیں بنائے گا ۲۱۱ اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ

۲۱۰ منافقین کی دورُخی روش کو بے نقاب کیا جا رہا ہے یعنی اُن کا کوئی دین نہیں کوئی عقیدہ نہیں جس کے لیے جینے اور مرنے کی تڑپ ان کے دلوں میں موجود ہو۔ ان کا دین، ان کا کعبۂ مقصود صرف عروسِ دولت ہے۔ اپنا عہد و پیمان توڑنا پڑے، اپنے ضمیر کو کچلنا پڑے پروا نہیں دولت مل جائے۔ حق و باطل میں جو کشمکش جاری ہے اس میں وہ کسی ایک کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ نہیں کرتے بلکہ اِس تاڑ میں رہتے ہیں کہ پلہ کس کا بھاری رہتا ہے اور مالِ غنیمت پر قابض کون ہوتا ہے۔ میدانِ جنگ کسی کے ہاتھ رہے وہ اسی کے پاس جا کر اپنی دوستی کا حق جتلا کر مالِ غنیمت میں اپنے حصہ کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ شاید دنیا کے پرستاروں کا ازل سے یہی شیوہ ہے اور ابد تک یہی شیوہ رہے گا۔ مسلمان ہونے میں ترقی کے امکانات دکھائی دیئے تو حضرت پکے مسلمان ہیں۔ اور اگر وزارتیں اور عہدے، خطابات اور جاگیریں کفر کے تصرف میں دیکھیں تو تسبیح و سجّادہ کو دور سے سلام کیا۔ قشقہ لگایا، زُنار پہنا اور باطل و کفر کی خدمت میں جاں نثار اور وفادار غلاموں کی طرح حاضر ہو گئے۔

۲۱۱ اِس کے متعلق علامہ قرطبی نے تفصیلی بحث کی ہے اور سب سے پسندیدہ قول یہ ہے کہ اگر مسلمان اللہ کی نافرمانی کر کے اور سننِ الٰہیہ سے آنکھیں بند کر کے اپنی شکست کے اسباب خود مہیا نہ کر لیں تو کوئی طاغوتی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی۔ جہاں کہیں اور جب کبھی بھی مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی ہے اپنے ہاتھوں ہوئی ہے۔ اگر وہ احکامِ الٰہی کے صحیح معنوں میں پابند ہوں۔ دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لیے جس اِتفاق و اتحاد کا انہیں حکم دیا گیا ہے اور تمام ممکن وسائل سے جنگ کے لیے مستعد ہونے کا ارشاد ہوا ہے۔ اگر وہ اس کو ملحوظ رکھیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں مغلوب نہیں کر سکتی۔ اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَا يَجْعَلُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا اِلَّآ اَنْ يَّتَوَاصَوْا بِالْبَاطِلِ وَلَا يَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يَتَقَاعَدُوْا عَنِ الثَّوْبَةِ فَيَكُوْنَ تَسْلِيْطُ الْعَدُوِّ مِنْ

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى

بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انھیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب

الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ

کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف ۲۱۲ تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (وہ بھی عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۫ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى

نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر۔ ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں کفر و ایمان کے درمیان نہ اِدھر کے اور نہ اُدھر

هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا

کے ۲۱۳ اور جس کو گمراہ کر دے ۲۱۴ اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے ہدایت کا راستہ اے

قِبَلِهِمْ۔ قَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ هٰذَا نَفِيْسٌ جِدًّا (القرطبی)(1) بعض علماء نے سبیل سے مراد دلیل لی ہے یعنی دلیل و برہان کے میدان میں کافر کبھی مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتے۔

۲۱۲ بیچارے منافقوں کی جان عجیب عذاب میں گرفتار تھی۔ جب دل ایمان سے خالی ہو تو نماز کون پڑھے۔ لیکن اُنہیں مجبوری یہ تھی کہ اسلام کا یہ ظاہری لباس جو اُنہوں نے پہن رکھا تھا اگر وہ نماز نہیں ادا کرتے اور جماعت میں شریک نہیں ہوتے تو تار تار ہوتا ہے۔ اور ان کا نفاق بالکل عیاں ہو جاتا ہے اس لیے انہیں بادل نخواستہ جماعت میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ اور اس میں بھی للّٰہیت کی بُو تک نہ تھی بس لوگوں کو بتانے کے لیے کہ وہ مسلمان ہیں۔ اُنہوں نے یہ سوانگ رچا رکھا تھا۔ اور وہ جذب و کیف اور ذوق و شوق جو مسلمانوں کو یادِ الٰہی میں نصیب تھا ان کو تو اس کی ہوا تک بھی نہ لگی تھی۔ امام نے سلام پھیرا اور یہ جوتیاں ہاتھ میں لیے مسجد سے بھاگے۔ معلوم ہوا نماز سے فارغ ہو کر ذِکرِ الٰہی میں مشغول رہنا، کلمہ شریف و درود شریف پڑھنا، تلاوتِ قرآن مجید کرنا یہ وہ چیزیں تھیں جو مسلمانوں کو منافقوں سے ممتاز کرتی تھیں۔ ہمارے ہاں چشم بد دور! اب ایسوں کی کمی نہیں جو نماز کے بعد کلمہ یا درود شریف پڑھنے والوں پر بدعتی ہونے کا الزام لگانے میں کسی نرمی کے روادار نہیں۔ اللہ سمجھ دے۔

۲۱۳ یعنی نہ زُمرۂ مومنین میں اور نہ گروہِ کفّار میں۔ کہیں کے بھی نہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص420

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

ایمان والو! نہ بناؤ[۲۱۵] کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ بنا دو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف واضح دلیل[۲۱۶] بے شک منافق

فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ

سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے[۲۱۷] اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار مگر وہ لوگ جنھوں نے

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا (دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لیے تو یہ لوگ

۲۱۴ ومن یضلل الخ کا یہی معنی ہے کہ جب اُنہوں نے ہدایت کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا۔ ایک بار نہیں بلکہ بار بار اور کفر و ضلالت کی راہ اپنے لیے منتخب کر لی تو سنتِ الٰہی کے مطابق ایجاد ضلالت کر دی گئی۔

۲۱۵ اولیاء ولی کی جمع ہے ولی کا معنی ہے دوست، ہمراز، مددگار۔ اَیْ لَا تَجْعَلُوْا خَاصَّتَكُمْ بِطَانَتَكُمْ (قرطبی)(1) اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

۲۱۶ یعنی کفار کے ساتھ اس قسم کے قریبی مراسم اور پختہ تعلقات منافقت کی کھلی ہوئی دلیل ہیں۔ اس کے بعد اگر تم پر اللہ تعالیٰ کی گرفت آئے تو تم کو شکوہ کا موقع نہ رہے گا کہ اجی ہم تو مسلمان تھے۔ کیونکہ تم نے کفار کے ساتھ دوستی قائم کر کے اپنے منافق ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت مہیّا کر دیا ہے۔

۲۱۷ الدَّرْك اور الدَّرَك دونوں لُغتیں ہیں۔ بلندی کی طرف جو یکے بعد دیگرے درجے ہوتے ہیں انہیں اہلِ عرب درجات کہتے ہیں۔ اور پستی کی طرف یکے بعد دیگرے جو درجے ہوتے ہیں انہیں درکات کہتے ہیں۔ جہنم کے مختلف طبقات کے علیٰ سبیل التنزل یہ نام ہیں۔ (۱) جہنم (۲) لظی (۳) حُطَمہ (۴) سعیر (۵) سقر (۶) جحیم (۷) ہاویہ۔ سب سے نیچے۔ منافقوں کا یہی ٹھکانا ہے۔ (قرطبی)(2) اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل دوزخ کی لُو سے بھی ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز5، ص425 2۔ ایضاً

مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا

ایمان والوں کے ساتھ ہیں ۲۱۸ اور عطا فرمائے گا اللہ تعالیٰ مومنوں کو اجرِ عظیم کیا

يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرنے لگو اور ایمان لے آؤ ۲۱۹ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا ہے

۲۱۸ سبحان اللہ! کیا ٹھکانا ہے اُس کے عفو و درگزر کا، کیا حد ہے اس کے جُود و کرم کی۔ منافقین نے انتہا کر دی اللہ کے حبیب کو اذیت پہنچانے، شمع اِسلام کو بُجھانے، کُفر کو غالب و منصور کرنے اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے میں۔ اور اِس طرح اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کے اُفق کو تیرہ و تار کر دیا۔ اس کے باوجود کریم و رحیم خدا۔ محمد رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خدا انہیں بتا رہا ہے کہ دیکھو اِدھر دیکھو! توبہ کا دروازہ کُھلا ہے۔ سچّے دل سے تائب ہو جاؤ۔ معاف کر دیئے جائیں گے تمہارے گناہ اور تمہیں ابوبکرؓ و عمرؓ اور حمزہؓ و علیؓ کی معیت و سنگت نصیب ہو گی۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ واقعی اِسلام کا خدا رب العالمین ہے اور اس کا پیغمبر رحمۃ للعالمین ہے اور یہ دین، دینِ انسانیت ہے۔

۲۱۹ اگر تم راہ راست اختیار کر لو اور ضلالت و گمراہی سے باز آ جاؤ تو اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ عذاب دیتا رہے۔ وہ ایسا نہیں بلکہ وہ شاکر ہے۔ جو بندہ حسنِ نیت سے نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے غایتِ کرم سے اُسے قبول فرماتا ہے۔ اس سے کچھ مخفی نہیں۔ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ

نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ کہ برملا کہی جائے بُری بات مگر (اس سے) جس پر ظلم ہوا ۲۲۰ اور

كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ

اللہ تعالیٰ خوب سُننے والا خوب جاننے والا ہے ۲۲۱ اگر تم ظاہر کرو کوئی نیکی یا پوشیدہ رکھو اسے یا

تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

درگزر کرو (کسی کی) بُرائی سے تو بے شک اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا قدرت والا ہے ۲۲۲ بے شک جو لوگ

۲۲۰ بعض لوگوں کا مشغلہ ہی دوسروں کی عیب جوئی ہوتا ہے۔ کسی کے حقیقی یا فرضی عیوب کو اُچھالنے اور اُن کی تشہیر کرنے میں اُنہیں خاص لطف آتا ہے۔ اور بعض منہ پھٹ ایسے ہوتے ہیں کہ چلتے چلتے کسی کی پگڑی اچھال دی۔ دو چار بے نقط سُنا کر اپنی بڑائی کی تسکین کر لی۔ ایسے لوگ جس دل آزاری کا باعث بنتے ہیں اور باہمی محبّت و پیار کو جتنا نقصان پہنچاتے ہیں اس کا اندازہ ہر اس شخص کو اچھی طرح ہے جس کو اِس قماش کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہو۔ اِسلام جو مسلمانوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح یکجان دیکھنا چاہتا ہے وہ ان یاوہ گوئیوں کو کب برداشت کر سکتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں واضح ہدایت فرما دی کہ ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں ان سے باز آجاؤ۔ کسی کی پسِ پُشت غیبت۔ کسی کی منہ پر توہین اور ہتکِ عزّت سب کی ممانعت کر دی گئی۔ ہاں وہ شخص جس پر واقعی ظلم ہوا ہو اس کی حق تلفی کی گئی ہو اُسے رُخصت ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کا برملا اِظہار کرے اور اپنی مظلومیت کی داستان بے دھڑک سُنائے۔

۲۲۱ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ظالم و مظلوم دونوں کو اِحساس دلایا جا رہا ہے۔ ظالم یہ نہ سمجھے کہ اس کے مظالم کا کسی کو علم ہی نہیں یا دنیا کی کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ظالم کے کرتوتوں سے واقِف ہے۔ اور اگر دنیا کی کوئی عدالت اسے سزا نہیں دے سکتی تو اللہ تعالیٰ کی عدالت سے اسے سزا مل کر رہے گی۔ اور مظلوم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر کوئی دوسرا تمہاری دادرسی نہیں کرتا تو صبر کرو اللہ تعالیٰ تیرا فریادرس ہے۔ تیری مظلومیّت اور بے کسی کا اُسے خوب علم ہے۔

۲۲۲ بُرائی کے اِظہار سے منع کیا اور نیکی کے متعلق اِجازت دی کہ چاہے اُسے ظاہر کرو یا پنہاں رکھو۔ آخر میں مظلوم کو فرمایا کہ تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم بھی زیادتی کرنے والے اِنسان سے درگزر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قدرتِ کاملہ کے باوجود غلط کاروں اور مُجرموں کو معاف کر دیا کرتا ہے۔ تو بھی اگر اپنے آپ کو صفاتِ الٰہی اور اخلاق ربّانی سے متصف کرنے کے لیے یہ غصہ پی جائے تو تیرے لیے بہت مناسب ہے۔ پہلا حکم رُخصت ہے اور عوام کے لیے ہے جن کی اخلاقی حالت اِتنی بلند نہیں ہوتی کہ وہ اس وقت ضبط سے کام لے سکیں جب کہ جذبات مشتعل ہوتے ہیں اور دوسرا حکم عزیمت ہے اور خواص کے لیے ہے۔

يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ

کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولوں کے ساتھ ۲۲۳ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں ۲۲۴ اللہ اور اس کے

رُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ

رسُولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں بعض رسُولوں پر اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ اور چاہتے ہیں ۲۲۵

۲۲۳ مُشرکین ومُنافقین کی خصلتوں کے ذکر کے بعد اب کفّار کا حال بیان کیا جارہا ہے۔ کفّار کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کو مانتے ہیں لیکن نبوت ورسالت کے قائل نہیں۔ ایک وہ جو بعض انبیاء کی نبوت کو مانتے ہیں اور بعض کی رسالت کا اِنکار کرتے ہیں مثلاً یہودی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے تھے لیکن حضرت مسیح اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔ اسی طرح عیسائی۔ ان سب کے متعلق فرمایا کہ وہ پکے کافر ہیں۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور انبیاء کے ساتھ کفر کرتا ہے اسے پکّا کافر کیوں کہا گیا؟ اس لیے کہ جو سلسلۂ وحی ونبوت کو تسلیم نہیں کرتا نہ اسے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال کا صحیح علم ہوتا ہے اور نہ اُسے عبادت کا وہ طریقہ معلوم ہوسکتا ہے جو قربِ الٰہی کا باعث ہو۔ جب اللہ تعالیٰ کی صفاتِ تقدّس وکمال کو نہ پہچانا اور اس کی عبادت کے صحیح طریقوں کو نہ جانا تو اللہ کو کیا پہچانا۔ آپ ان قوموں کے رسوم عبادت کو دیکھیے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں لیکن کسی نبی کے پیروکار نہیں۔ آپ حیران ہوکر رہ جائیں گے۔ اِسی طرح فلاسفہ قدیم وجدید نے جن صفاتِ الٰہیہ کا اثبات کیا ہے وہ بھی انسان کے لیے کچھ کم پریشان کُن نہیں۔ اِسی طرح وہ لوگ جو بعض انبیاء کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں اور جن دلائل وبراہین اور معجزات کی وجہ سے انہوں نے ان بعض کی نبوت کا اقرار کیا۔ اب جب ان سے بھی محکم تر دلائل وبراہین اور روشن تر معجزات ایک دوسری ہستی میں پائے جاتے ہیں تو وہ اس کی نبوت پر کیوں اِیمان نہیں لاتے۔ ان کا یہ ایمان نہ لانا پہلے انبیاء کے انکار کے مُترادف ہے اور خصوصاً ذات پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اِنکار کرنا جن کی آمد کی بشارت اور ان پر ایمان لانے کی تاکید ہر زمانے کے نبی نے فرمائی۔ صرف آپ کا اِنکار نہیں بلکہ تمام سابقہ انبیاء ومُرسلین کی تکذیب ہے۔

۲۲۴ اللہ اور رسولوں کے درمیان فرق کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تو اِیمان لے آئے اور وحی ورسالت کا سرے سے اِنکار کردیا۔ اس اِنکار میں ان کی انانیت اور خُود بینی جھلک رہی ہوتی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء کی تعلیمات تو ناقص وناکافی ہیں۔ اس لیے ان کی عقلی مُوشگافیوں کی ضرورت ہے۔ اب وہ لوگ جو اللہ کی اطاعت کے تو قائل ہیں لیکن اللہ کے رسول کی اطاعت سے گریزاں ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے وہ ذرا غور کریں کہ وہ بھی کہیں اللہ اور اس کے رسول میں تفریق کے مُرتکب تو نہیں ہورہے۔

۲۲۵ اِسلام اور کفر کی معجونِ مرکّب بنانے کا خیال بہت پُرانا ہے ان لوگوں کے علاوہ جن کا ذِکر اس آیت میں ہورہا ہے ہماری اپنی تاریخ بھی ان نوادرِ روزگار ہستیوں سے خالی نہیں۔ اکبر اور داراشکوہ کے بعد آج بھی تو کئی افراد موجود ہیں۔

اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

کہ اختیار کریں کفر و ایمان کے درمیان کوئی (تیسری) راہ یہی لوگ کافر ہیں

حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ

حقیقت میں اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رُسوا کرنے والا اور جو لوگ ایمان لائے ۲۲۶ اللہ تعالےٰ

وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ

اور اس کے (تمام) رسُولوں کے ساتھ اور نہیں فرق کیا انھوں نے کسی میں اُن سے یہی لوگ ہیں دے گا انھیں اللہ تعالےٰ

ع ۱۱ ۲۱ ۱ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہلِ کتاب

اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۚ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ

کہ آپ اتروا دیں ان پر کتاب آسمان سے ۲۲۷ سو وہ تو سوال کر چکے ہیں موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے

مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ

بھی بڑی بات کا اُنھوں نے کہا تھا (اے موسیٰ!) دکھاؤ ہمیں اللہ کھلم کھلا تو پکڑ لیا تھا انھیں بجلی کی کڑک نے بسبب ان کے ظلم کے

۲۲۶ یعنی جو لوگ اللہ پر اس کی تمام صفاتِ تقدّس و کمال پر اور بلا استثناء اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاتے ہیں ان کے اجرِ عظیم کا ذِکر فرمایا جا رہا ہے۔ اور سوف تاکیدِ مضمون کے لیے ہے۔

۲۲۷ کعب بن اشرف چند اور یہودیوں کو ہمراہ لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ اور آ کر کہنے لگا کہ ہم آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں۔ بس آپ ہماری ایک چھوٹی سی شرط پوری کر دیجئے۔ جیسے ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام پر لکھی لکھائی تورات آسمان سے اُتری تھی آپ ایسی ہی کوئی کتاب اتروا دیں تو ہم آج ہی کلمہ پڑھ لیں گے۔ یہود کا یہ مطالبہ محض حجّت بازی کے لیے تھا۔ جس کے وہ عرصۂ دراز سے خُوگر تھے۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے تعجب کو دور کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ آپ اِس پر حیران ہیں یہ اپنے پیغمبر سے تو اس سے بھی بڑی اور انوکھی فرمائش کر چکے ہیں ان سے تو اُنہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں خدا کا

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ

پھر بنالیا اُنھوں نے بچھڑے کو (اپنا معبود) ۲۲۸ اس کے بعد کہ آچکی تھیں ان کے پاس کھُلی دلیلیں پھر بھی ہم نے بخش دیا ان

ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ

کا یہ (سنگین) جُرم ۲۲۹ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو واضح غلبہ ۲۳۰ اور ہم نے بلند کیا ان کے اُوپر طُور کو

بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ

ان سے پختہ وعدہ لینے کے لیے اور ہم نے فرمایا انھیں کہ داخل ہو جاؤ اِس دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے فرمایا انھیں

لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا

کہ حد سے نہ بڑھنا سبت میں اور ہم نے لیا تھا اُن سے پختہ وعدہ (ان پر پھٹکار کی)

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ

وجہ یہ تھی کہ انھوں نے توڑ دیا اپنے وعدہ کو ۲۳۱ اور انھوں نے اِنکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور انھوں نے قتل کیا انبیاء کو ناحق

بے پردہ دیدار کرادو تب ایمان لائیں گے۔ اس گستاخی کی سزا انہیں یہ دی گئی کہ بجلی کی کڑک نے انہیں آلیا۔

۲۲۸ ان کے حجّت باز ہونے کا دوسرا واقعہ بیان فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کے روشن معجزات آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد جب سامری نے بچھڑا بنا کر انہیں کہا کہ تمہارا اصلی خدا تو یہ ہے۔ عقل کے دشمن اس مُورت کی پرستش میں لگ گئے۔ اور انہیں اتنا بھی یاد نہ رہا کہ کس ذات نے ان کے لیے سمندر میں خشک راستے بنا کر انہیں فرعون کی گرفت سے بچالیا اور ان کے دشمن کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا جو اتنے کو دن ہوں وہ اگر ایسے نامعقول مطالبات کریں تو اس میں حیرت کیا ہے۔ نیز جو تورات لکھی لکھائی ان پر اتاری گئی تھی اس کو انہوں نے کب مانا تھا کہ اب کوئی ایسا صحیفہ آسمان سے اتارا جاتا تو ان کے ایمان لانے کی توقع کی جاتی۔

۲۲۹ یعنی اس شرکِ قبیح کے بعد بھی ہم نے ان کو معاف فرمادیا۔

۲۳۰ روشن معجزات اور واضح دلائل یا رُعب و دبدبہ۔

۲۳۱ باسببیت کے معنی پر دلالت کرتا ہے ما زائدہ ہے اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ اور تقدیر عبارت یوں ہے فَبِنَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ

اور اُنھوں نے یہ (گستاخانہ) بات کہی کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں (یوں نہیں) بلکہ مُہر لگا دی اللہ نے اُن کے دلوں پر ۲۳۲

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا

بوجہ ان کے کفر کے سو وُہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑی سی تعداد۔ اور ان کے کفر کے باعث اور ۲۳۳ مریمؑ پر بُہتانِ عظیم

عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ

باندھنے کے باعث اور ان کے اِس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰؑ فرزند مریم کو جو اللہ کا رسُول

لَعَنَّاهُمْ (قرطبی) (1) یعنی انہوں نے پختہ وعدہ کیا کہ ہماری اطاعت و فرماں برداری کریں گے لیکن اس کے بعد اس کو توڑ دیا۔ اِس وجہ سے ہم نے اُن پر پھٹکار کی اور انہیں اپنے درِ رحمت سے دور کر دیا۔

۲۳۲ پہلے کی طرح یہاں بھی اِس امر کی تصریح کر دی کہ اِنسان جب پے در پے گناہوں کا اِرتکاب کرتا ہے تو اس کا آئینۂ دل زنگار آلود ہو جاتا ہے اُس کی نگاہِ حق بیں بے نور ہو جاتی ہے اور اس میں حق قبول کرنے کی اِستعداد دم توڑ دیتی ہے۔ یہود کے فرد جرم کی اس طویل فہرست پر حواشی سورۂ بقرہ میں گزر چکے ہیں۔

۲۳۳ یہودیوں کے جرائم کا تذکرہ پہلے سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں ان جرائم کے علاوہ چند ایسے شدید قسم کے جرائم کا اضافہ کیا جا رہا ہے جن کا ذِکر پہلے نہیں آیا۔ (۱) حضرت مریم پر بہتان: جب حضرت مریم کو حضرت مسیح کی بشارت دی گئی تو آپ کنواری تھیں۔ وضع کا وقت قریب آیا تو آپ باہر ویرانے میں چلی گئیں۔ بچہ پیدا ہوا تو وہ لوگوں کے طعنوں کا خیال کر کے گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ جب کوئی تم پر زبانِ طعن دراز کرے تو خود چُپ رہنا اور اس بچے کی طرف اشارہ کر دینا۔ چنانچہ جب آپ واپس یروشلم پہنچیں لوگوں نے ان کی گود میں بچہ دیکھ کر انہیں مطعون کرنا شروع کیا۔ ایک کنواری لڑکی کی گود میں بچہ دیکھنے سے اس کے اخلاق کے متعلق شکوک کا پیدا ہو جانا ایک طبعی امر تھا۔ حضرت مریم نے حسبِ ارشادِ الٰہی بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ اس سے دریافت کرو۔ کہنے لگے۔ كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (2)۔ ہم کیوں کر اس بچے سے بات کر سکتے ہیں جو ابھی پنگھوڑے میں ہے۔ اس وقت وہ معصوم بچہ جس کی عُمر چند گھنٹوں سے زیادہ نہ تھی فصیح زبان میں گویا ہوا۔ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا (3)۔ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اس روشن معجزہ اور نا قابلِ تردید دلیل کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے بعد انہیں حضرت مریم کی طہارت کا یقین آنا چاہیے تھا۔ آخر وہ اہلِ کتاب تھے اور نبوت، وحی اور مُعجزات پر ان کا ایمان تھا۔ لیکن یوں جان لینے کے بعد پھر ان کا اس تقدّس مآب خاتون پر یہ تُہمت لگانا بُہتانِ عظیم نہیں تو اور کیا ہے۔ وَالْبُهْتَانُ الْعَظِيْمُ رَمْيُهُمْ مَّرْيَمَ بِالزِّنَا مَعَ رُؤْيَتِهِمُ الْاٰيَةَ فِيْ كَلَامِ عِيْسٰى عَلَيْهِ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 7 2۔ سورۂ مریم: 29 3۔ سورۂ مریم: 30

اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ

ہے ۲۳۴ حالانکہ نہ اُنھوں نے قتل کیا اور نہ اُسے سُولی چڑھا سکے ۲۳۵ بلکہ مشتبہ ہوگئی ان کے لیے (حقیقت) ۲۳۶ اور یقیناً

السَّلَامُ فِی الْمَهْدِ وَوَصَفَ بِالْعَظِیْمِ لِاَنَّهُمْ تَمَادَوْا عَلَیْهِ بَعْدَ ظُهُوْرِ الْاٰیَةِ وَقِیَامِ الْمُعْجِزَةِ بِالْبَرَاءَةِ (بحر)(1)

۲۳۴ دوسرا جُرم جس کا یہاں پہلی دفعہ ذکر ہو رہا ہے ان کا یہ دعویٰ کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح کو قتل کر دیا۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ جب وہ آپ کو رسول مانتے تھے۔ تو پھر قتل کیوں کیا؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ (۱) اُنہوں نے یہ الفاظ بطور تمسخر بڑھائے تھے۔ وہ آپ کو رسول مانتے نہیں تھے یا یہ کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی شان و توقیر بیان کرنے کے لیے بڑھائے ہیں۔ لیکن اگر یہود کی گزشتہ تاریخ کو دیکھا جائے تو یہ کچھ بعید بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کو رسول اللہ مانتے ہوئے اُنہوں نے آپ کو قتل کرنے کی ٹھانی ہو۔ حضرت زکریا اور یرمیا علیہما السلام کو نبی مانتے تھے لیکن جب ان بزرگواروں نے انہیں ان کی بداخلاقیوں پر ٹوکا تو انہیں اپنے ہاتھوں شہید کر دیا۔ بہرحال اُن کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا (اگرچہ اس کی تغلیط آگے آرہی ہے) اور پھر اس پر ان کا اترانا اور فخر کرنا اس سے بڑھ کر ان کے کفر کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے(2)۔

۲۳۵ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کے دشمن یہود بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو قتل کر دیا اور سولی دے دیا اور آپ کے ماننے والے اور پرستار بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ یہود نے حضرت مسیح کو سولی دے دیا۔ گویا بیٹا سولی پر لٹکتے ہوئے ایلی! ایلی! تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا فریاد کرتا رہا اور باپ نے اس کی کچھ مدد نہ کی۔ جب دشمن اور دوست سب اِس بات پر متفق ہو چکے تھے تو قرآن نے آکر حضرت مسیح کی عظمت و جلالتِ شان سے پردہ اُٹھایا اور صاف الفاظ میں اعلان کیا کہ یہودی اپنی سازش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جس اللہ کے رسول کو اپنے اللہ کا پیغام سنانے کے باعث اُنہوں نے قتل کرنے کی سرتوڑ کوشش کی اللہ رب العزت نے اُن کی اس ناپاک سازش کو ناکام بنا دیا۔ اور اپنے رسول کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیا۔ دونوں چیزوں کی نفی کر دی یعنی یہودی نہ آپ کو قتل کر سکے اور نہ سولی پر چڑھا کر تذلیل کر سکے۔ جیسے مختلف انجیلوں میں مذکور ہے۔ مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے امیر مولوی محمد علی نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن میں اِس جگہ توضیحی نوٹ لکھا ہے اس میں اس بات کی بڑی زحمت اُٹھائی ہے کہ آیات قرآن کو انجیلوں میں بیان کردہ حکایت پر منطبق کریں۔ چنانچہ وہ ان تمام تفصیلات کو جو انجیلوں میں موجود ہیں بڑی فراخدلی سے تسلیم کرتے چلے جاتے ہیں کہ حضرت مسیح کو سولی دیا گیا۔ چنانچہ وہ نیم جان ہو کر دوسرے دو مجرموں کی طرح نیچے گر پڑے۔ آپ کے پہلو میں ضربیں لگا لگا کر چھلنی کر دیا گیا اور خون کے فوارے بہ نکلے وغیرہ۔ پھر آخر میں نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآن اِن چیزوں کا انکار نہیں کرتا کیونکہ قرآن نے بھی سولی پر مرنے کی نفی کی ہے(3)۔ لیکن اگر وہ ذرا سا تامل کرتے تو قرآن کا ایک لفظ ہی ان کو اس زحمت لاطائل سے بچا لیتا۔ وہاں دونوں چیزوں کی نفی ہے مرنے کی بھی اور سولی پر چڑھائے جانے کی

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج3، ص389 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:135

3- The Holy Qur-an with English Translation and commentary, by Maulvi Muhammad Ali, page No. 241-42 Published by Ahmadiyya Anjuman-i-Ishaat-i-Islam, Lahore, Punjab, India.، 1935

الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ

جنھوں نے اِختلاف کیا ان کے بارے میں وُہ بھی شک و شبہ میں ہیں ان کے متعلق ۲۳۷ نہیں ان کے پاس اِس امر کا کوئی صحیح علم

بھی۔ کیونکہ صَلَبَ کا معنی ہے اَلصَّلْبُ هُوَ تَعْلِيْقُ الْاِنْسَانِ لِلْقَتْلِ(1): کسی اِنسان کو لٹکا دینا تا کہ وہ مر جائے۔ مرجانا صلب کے معنی موضوع لہ میں داخل نہیں بلکہ اس فعل کا مقصد ہے۔ اور مقصد و غایت مفہوم کو مستلزم ہو تو ہو لیکن معنی میں داخل نہیں ہوا کرتا۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہود اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ آپ کو پکڑا بھی گیا۔ آپ کے منہ پر تھوکا بھی گیا۔ کانٹوں کا تاج بھی پہنایا گیا اور پھر سولی بھی چڑھا دیا گیا۔ گویا اپنی طرف سے اُنہوں نے اس منحوس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا دیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ مسیح توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہوئے اور بچ گئے۔ یہود کا مقصد تو پورا ہو گیا۔ اُنہوں نے آپ کی تذلیل و تحقیر اور اذیت رسانی کے سارے ارمان پورے کر لیے۔ ہمارا اِیمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کی ناپاک سازشوں کو ناکام کر دیا اور اپنے برگزیدہ بندے اور جلیل القدر رسول کی توہین کرنے کا انہیں قطعاً موقع نہیں دیا اور یہی قرآن کا واضح اعلان ہے۔

۲۳۶ تفاسیر میں اگرچہ ایسی روایات کثرت سے مندرج ہیں جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرنے اور آپ کے بچ جانے اور کسی دوسرے اِنسان کو سولی چڑھائے جانے کی تفصیلات موجود ہیں۔ لیکن محقّق علمائے تفسیر نے صراحت کر دی ہے کہ کوئی روایت بھی یقینی نہیں۔ اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ وَاخْتَلَفَ الرُّوَاةُ فِيْ كَيْفِيَّةِ الْقَتْلِ وَالصَّلْبِ وَلَمْ يَثْبُتْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ شَيْءٌ (بحر محیط)(2) بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے فلسطین کے رُومی گورنر پیلاطس کی عدالت میں آپ کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور آپ پر یہ اِلزام لگایا کہ آپ دین موسوی میں تحریف کرتے ہیں اور جھوٹی شہادتیں پیش کر کے اسے مجبور کیا کہ آپ کو پھانسی کی سزا دے۔ اور جب اسے پس و پیش کرتے دیکھا تو اس کو فتنہ و بغاوت کی دھمکی دی۔ انجیل کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ ''جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا بلکہ الٹا بلوا ہوا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے رُوبرُو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راست باز کے خون سے بری ہوں تم جانو! سب لوگوں نے جواب میں کہا اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر''۔ انجیل متی(3)۔ تو جب پیلاطس نے ان کے دباؤ کے زیرِ اثر آپ کو بے گناہ اور معصوم یقین کرتے ہوئے سولی دینے کا حکم دے دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ غالبہ اور حکمتِ کاملہ سے عیسیٰ علیہ السلام کو تو بچا لیا اور ایک منافق کی شکل کو آپ کے مشابہ کر دیا اور یہودی اسی کو مسیح سمجھ کر پکڑ لے گئے اور اُسے پھانسی دے دیا۔ اغلباً وہ منافق یہوداہ تھا جو آپ کا حواری تھا۔ اور جب یہودیوں نے اسے تیس روپیہ کا لالچ دیا تو اس نے اپنے پیغمبر کی مخبری کی اور آپ کو گرفتار کرانے کی کوشش میں یہود کا ساتھ دیا۔

۲۳۷ اِس بارے میں نصاریٰ کے مختلف اقوال کی تو حد ہی نہیں۔ اِمام رازی نے تین مشہور فرقوں کی آراء نقل کی ہیں: (۱) نسطوریہ (۲) ملکانیہ (۳) یعقوبیہ۔ نسطوریہ فرقہ کا یہ قول ہے کہ مسیح کا ناسُوت تو مصلوب ہوا لیکن ان کا لاہوت مصلوب نہیں ہوا۔ ملکانیہ کا خیال ہے کہ لاہوت بھی مصلوب ہوا لیکن بالذات نہیں بلکہ بواسطہ ناسوت اور یعقوبیہ کا نظریہ یہ ہے کہ ناسوت اور لاہوت دونوں کو

1۔ مفردات راغب، ص:489 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج3، ص90-389 3۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، متی، باب:27، آیت:26-25، ص:33-32

اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ

بجز اس کے کہ وُہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اَور نہیں قتل کیا اُنھوں نے اُسے یقیناً ۲۳۸ بلکہ اُٹھا لیا ہے اُسے اللہ نے اپنی طرف ۲۳۹

سولی دی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ آراء کسی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ سب کچھ ظن وگمان کی نقش آرائیاں ہیں (1)۔

۲۳۸ مسیح کے نام سے واقف جتنی قومیں جہاں کہیں بستی تھیں سب اِس غلط فہمی کا شکار تھیں کہ آپ کو سولی دیا گیا۔ اِس عالمی غلط فہمی کا ازالہ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی عظمت کا اعلان اگر قرآنِ حکیم نہ کرتا تو اور کون کرتا۔ اِس لیے بار بار اس حقیقت کو دُہرایا جارہا ہے۔

۲۳۹ حضرت مسیح کے بارے میں پھیلے ہوئے تمام نظریات کا بطلان کر کے اب قرآن خود بتاتا ہے کہ وہ کہاں گئے۔ فرمایا اُنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھالیا۔ اب قدرۃً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہاں اٹھالیا۔ کہیں وہ خود بیٹھا تو ہے نہیں کہ وہاں بُلا لیا ہو تو اِس کا صاف جواب یہ ہے کہ آسمان پر۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث معراج میں اس کی تصریح موجود ہے۔ کیونکہ رفع کا معنی بلند کرنا ہے۔ اگر کسی چیز کو نیچی جگہ سے اُٹھا کر بلند جگہ پر رکھ دیا جائے یا کسی کا مرتبہ اور شان بلند کر دی جائے تو وہاں رفع کا لفظ مستعمل ہوتا ہے اور اگر دونوں چیزیں اکٹھی ہو جائیں یعنی بلندیٔ مقام اور بلندیٔ شان تو رفع کا اِستعمال کیوں دل میں کھٹکے۔ بات اِتنی سی تھی۔ بالکل مختصر اور دوٹوک۔ کہ یہودیوں کا دعویٰ اور عیسائیوں کا عقیدہ کہ حضرت مسیح کو سُولی دے دیا گیا دونوں غلط ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنی طرف اُٹھالیا اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتا دیا کہ آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا۔ لیکن اِنسان کی کج بحثی یا نُدرت آفرینی کا کیا علاج جب تک سیدھی اور صاف بات میں اتنی پخ نہ لگا لے حضرت کو قرار نہیں آتا۔ جناب مرزا صاحب آنجہانی تشریف لائے اور اپنے نبی اور مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اور اپنی نبوت کے ثبوت کے لیے وفات مسیح کو بطور اساس قرار دیا حالانکہ ختم نبوت کے مسئلہ کو حیاتِ مسیح کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر بفرضِ محال حیاتِ مسیح ثابت نہ ہو سکے تو بھی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کا کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرنا آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کا صریح اِنکار اور کفر ہے۔ مزید برآں مرزا صاحب کا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ اور اِستدلال بھی کچھ کم دِلچسپ نہیں۔ آپ مسیح کیوں ہیں؟ اِس لیے کہ احادیث میں موجود ہے کہ حضرت مسیح آئیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فرمان غلط نہیں ہو سکتا۔ اور اگر پوچھا جائے کہ جناب! جن احادیث میں مسیح کی آمد کا ذِکر ہے ان میں تو مسیح کا نام، ولدیت، محل نزول اور جو جو کارہائے نمایاں آپ انجام دیں گے ان سب کا تفصیلی ذکر ہے اور حُسنِ اتفاق کہ آپ میں ان تفصیلات میں سے کوئی ایک چیز بھی تو نہیں پائی جاتی تو پھر آپ وہ مسیح کیوں کر ہوئے جس کی آمد کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ (ان احادیث کثیرہ میں سے ایک حدیث کا ذِکر ابھی آرہا ہے) تو پھر انہیں احادیث پر اعتراضات کی بُوچھاڑ اور جب اِس میں بھی کامیابی نظر نہیں آتی تو پھر تاویلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اگر بنی اِسرائیل کے دانشوروں نے بچھڑے کو خدا مان لیا تھا تو آج اگر کوئی مرزا صاحب کو نبی یا مسیح موعود مان لے تو کیا تعجب ہے؟ حیاتِ مسیح علیہ

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 6، جز 11، ص 102-03

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا

اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔ اور کوئی ایسا نہیں ہوگا اہل کتاب سے مگر ۲۴۰

السلام کی تفصیلی بحث سورۃ الاحزاب کی اکتالیسویں آیت کی تشریح میں ملاحظہ فرمایئے۔ضیاء القرآن جلد چہارم۔

۲۴۰ قبل موتہ کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض نے کہا اس کا مرجع کتابی ہے۔یعنی ہر اہلِ کتاب پر مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقامِ نبوت وعبدیت منکشف ہوجاتا ہے اور وہ اس پر ایمان لے آتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔لیکن اِمام المفسرین ابن جریر۔ اِمام ابوحیان الاندلسی اور علامہ ابوعبداللہ القرطبی اپنی تفاسیر میں اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ہے۔یعنی آپ وفات سے پہلے زمین پر نزول فرمائیں گے اور اس زمانہ میں جتنے اہلِ کتاب ہوں گے آپ پر ایمان لاکر دین اسلام میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ ابوحیان کی عبارت ہے۔وَالظَّاهِرُ اَنَّ الضَّمِيْرَيْنِ فِيْ بِهٖ وَ مَوْتِهٖ عَائِدَ انِ عَلٰى عِيْسٰى وَهُوَ سِيَاقُ الْكَلَامِ (بحر محیط)(1) اور امام ابن جریر فرماتے ہیں: وَاَوْلَى الْاَقْوَالِ بِالصِّحَةِ وَالصَّوَابِ قَوْلُ مَنْ قَالَ تَاوِيْلُ ذٰلِكَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِعِيْسٰى قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى(2)۔

ترجمہ۔تمام اقوال سے زیادہ صحیح اور درست قول یہ ہے کہ بہٖ اور موتہ کی ضمیروں کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہے یعنی تمام کتابی عیسیٰ کے مرنے سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔

اور علامہ قرطبی یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں وَقَالَهٗ قَتَادَةُ وَ ابْنُ زَيْدٍ وَّغَيْرُهُمَا وَ اخْتَارَهُ الطَّبْرِيُّ وَ نَحْوُهٗ عَنِ الضَّحَاكِ وَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ(3)۔ترجمہ: کہ حضرات قتادہ، ابن زید وغیرہما کا یہی قول ہے۔ضحاک، سعید بن جبیر اور امام طبری نے اِسی کو ترجیح دی ہے۔

اور اس قول کی وجہ ترجیح یہ حدیث بیان کرتے ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَلَيَقْتُلَنَّ الدَّجَّالَ وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيْرَ وَ لَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيْبَ وَ تَكُوْنُ السَّجْدَةُ وَاحِدَةً لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ثُمَّ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يُعِيْدُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ(4)۔

ترجمہ: ”حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن مریم ایک عادل حاکم کی حیثیت سے تم میں ضرور اُتریں گے وہ دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔صلیب کو توڑیں گے اور سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو کیا جائے گا جو پروردگارِ عالم ہے۔پھر حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ اگر دلیل کی ضرورت ہو تو یہ آیت پڑھو۔وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ۔ابو ہریرہ نے فرمایا موتہ کی

1۔بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج3، ص392
2۔تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج6، ص16
3۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص11
4۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص11۔صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ بن مریم، ج1، ص87۔مشکوٰۃ المصابیح، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام، ص:80-479

لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ

وُہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وُہ ہوں گے ان پر

شَهِيْدًا ۚ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

گواہ ۲۴۱؎ سو بوجہ ظلم ڈھانے یہُود کے ۲۴۲؎ ہم نے حرام کر دیں اُن پر

طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۙ﴿۱۶۰﴾

وُہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے اور بوجہ روکنے یہُود کے ۲۴۳؎ اللہ کے راستے سے بہت لوگوں کو

ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ آپ نے یہ بات تین بار کہی''۔ یہ حدیث ان کثیر التعداد احادیث میں سے ایک ہے جن میں آنے والے مسیح کی ولدیت، ان کی صفات اور ان کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ ہے۔ انصاف سے کہیے کیا جناب مرزا صاحب میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جاتی ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر وہ مسیح موعود (یعنی وہ مسیح جس کی آمد کا وعدہ کیا گیا ہے) کیوں کر بن سکتے ہیں؟

۲۴۱؎ یعنی آپ یہودیوں اور عیسائیوں کی بداعمالیوں پر شہادت دیں گے۔

۲۴۲؎ فَبِمَا نَقْضِهِمْ کا بدل ہے(1)۔ ابھی ذکر یہود کی نافرمانیوں کا چلا آ رہا ہے انہیں عصیان شعاریوں کے باعث اللہ تعالیٰ نے کئی ایک حلال و پاکیزہ اشیاء کو بطور سزا اُن پر حرام فرمایا۔ جن کا تفصیلی ذِکر آگے آئے گا۔

۲۴۳؎ یہ کوئی معمولی جُرم نہیں کہ انسان خود اطاعت خداوندی سے محروم رہے لیکن جو شخص دوسروں کے لیے ہدایت کا راستہ بند کرتا ہے اور دعوتِ حق قبول کرنے سے روکتا ہے اس سے بڑھ کر اور کون مُجرم ہوگا۔ دین سے روکنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان زبان اور قوت سے لوگوں کو سچا دین قبول کرنے سے روکے۔ اس کے علاوہ ایک دوسری صورت بھی ہے جو زیادہ خطرناک ہے وہ یہ کہ اِنسان دین حق کو قبول تو کر لے لیکن اس کے احکام، اس کے ضابطۂ اخلاق اور اس کے قواعدِ معاشرت وغیرہ پر عمل کر کے اپنی حالت کو نہ سنوارے تو دوسری قومیں خود بخود اس دین سے متنفر ہو جائیں گی کہ جب اس کے قدیم ماننے والے کسی حیثیت سے بھی دوسری قوموں سے بلند اور بہتر نہیں تو پھر اس دین کو کیوں قبول کیا جائے۔ کیا ہم مسلمان کہلانے والے اپنی زشتیٔ اعمال سے دوسری قوموں کے لیے اسلام قبول کرنے میں حجاب اور رکاوٹ تو نہیں؟ یہ غور طلب مسئلہ ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص12

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ

اور بوجہ ان کے سُود لینے کے ۲۴۴ حالانکہ منع کیے گئے تھے اس سے اور بوجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مال

بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ

ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ان میں سے عذاب دردناک لیکن

الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

جو پختہ ہیں ۲۴۵ علم میں ان سے (وُہ بھی) اور (جو) مُسلمان ہیں ایمان لاتے ہیں اُس پر جو اُتارا گیا

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ

آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور صحیح ادا کرنے والے ۲۴۶ نماز کے اور دینے والے

الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ

زکوٰۃ کے اور ایمان لانے والے اللہ اور روزِ آخرت کے ساتھ یہی ہیں جنھیں عنقریب ہم دیں گے

۲۴۴ اگرچہ آج یہود دنیا میں سب سے بڑی سُود خور قوم ہے اور دولت جمع کرنے میں ہر حیلہ وفریب سے کام لینے میں ضرب المثل ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے دین نے ان کو ایسے قبائح کی اجازت دی۔ اِس لیے قرآن نے بتایا کہ ان باتوں سے انہیں منع کیا گیا تھا لیکن باز نہ آئے۔ ان کی تورات میں اب بھی ایسی واضح آیات موجود ہیں جن میں انہیں سود لینے سے روکا گیا ہے۔ ''اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا''۔ (خروج ۲۲:۲۵)(1)

۲۴۵ یہود کی کثرت غالبہ اگرچہ ہدایت آسمانی کو عملی طور پر چھوڑ چکی تھی لیکن ان میں بھی خال خال ایسے علماء موجود تھے جن کی معلومات اپنے دین کے متعلق سطحی قسم کی نہ تھیں بلکہ ٹھوس قابلیّت کے مالک تھے جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ اور اپنے عِلم کے مُطابق عمل پیرا تھے یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ قرآن حکیم ان نفوسِ قدسیہ کا ذِکر نہ فرماتا۔

۲۴۶ اس کا عطف المومنون پر ہے۔ نحوی قاعدہ کے مطابق المقیمون ہونا چاہیے اسے اپنے معطوف علیہ کے خلاف اعراب کیوں دیا گیا؟ اس کے متعلق علماء نے متعدد جواب دیئے لیکن سب سے بہتر توجیہ وہ ہے جو سیبویہ نے کی۔ قَالَ سِيْبَوَيْهِ هٰذَا

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب:22، آیت:25، ص:75

ع ۱۲ ۱۲

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ

اجرِ عظیم بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف ۲۴۷ جیسے وحی بھیجی ہم نے نوحؑ کی طرف

وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ

اور ان نبیوں کی طرف جو نوحؑ کے بعد آئے اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیمؑ ، اسمٰعیلؑ ،

اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَ

اِسحٰقؑ ، یعقوبؑ اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰؑ ، ایوبؑ ، یونسؑ ،

هٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ ۚ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ

ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤدؑ کو زبور اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر جن کا حال بیان کر دیا ہے

بَابُ مَا يُنْصَبُ عَلَى التَّعْظِيْمِ: کہ مقیمین پر نصب تعظیم کی وجہ سے ہے وَهٰذَا اَصَحُّ مَا قِيْلَ فِيْهِ (قرطبی) (1)

۲۴۷ لُغتِ عربی میں وحی کا معنی اشارہ کرنا ہے جیسے فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (2)۔ حضرت زکریا نے اُنہیں اشارہ کیا کہ صبح وشام اللہ کی تسبیح کیا کریں اور اس کا اطلاق مختلف مفہوموں پر ہوتا رہتا ہے۔ بطریق اِلہام کسی چیز کو دل میں ڈال دینے کو بھی وحی کہتے ہیں جیسے وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰى (3)۔ نیز اپنے طبعی اور غریزی فرائض کی انجام دہی کے لیے جو ہدایت کسی کو فطری طور پر اَپنے خالق کی طرف سے ہوتی ہے اُسے بھی وحی کہا جاتا ہے جیسے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (4)۔ اور کسی کو پُراسرار طریقہ سے کسی امر کی تعلیم دینے کو بھی وحی کہتے ہیں۔ جیسے شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ (5)۔ اور انبیاء کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو وحی کی جاتی ہے اس کا مفہوم یہ ہے وَحْيُ اللّٰهِ اِلٰى اَنْبِيَائِهٖ هُوَ مَا يُلْقِيْهِ اِلَيْهِمْ مِّنَ الْعِلْمِ الضَّرُوْرِيِّ الَّذِيْ يُخْفِيْهِ عَنْ غَيْرِهِمْ بَعْدَ اَنْ يَّكُوْنَ اَعَدَّ اَرْوَاحَهُمْ لِيُلْقِيَهٗ بِوَاسِطَةِ الْمَلَكِ اَوْ بِغَيْرِ وَاسِطَةٍ (المنار) (6) ترجمہ: اس علم یقینی اور قطعی کو وحی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں سے پنہاں اپنے انبیاء کے دلوں میں القاء فرماتا ہے۔ جن کے ارواحِ طیبہ کو اُس نے پہلے سے اِس علم کو قبول کرنے کے لیے تیار کیا ہوتا ہے۔ یہ القاء کبھی فرشتہ کے واسطہ سے ہوتا ہے اور کبھی بِلا واسطہ براہ راست۔ وحی کی حقیقت ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیت پر غور فرمایئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو یہود بڑے شک کی نِگاہ سے دیکھتے اور بہت حیران ہوتے تھے کہ یہ کیونکر نبی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ سے پہلے اور انبیاء بھی مبعوث ہوئے اور اُن پر اللہ کی وحی نازل ہوئی ہے اور جب وہ ان کی نبوت اور ان پر نُزولِ وحی کو تسلیم کرتے ہیں تو آپ کو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص13
2۔ سورۂ مریم:11
3۔ سورۃ القصص:7
4۔ سورۃ النحل:68
5۔ سورۃ الانعام:112
6۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج6، ص68-67

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ

ہم نے آپ سے اس سے پہلے اور ان رسُولوں پر بھی جن کا ذِکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا ۲۴۸ اور کلام فرمایا اللہ نے

مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۚ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ

مُوسٰی سے خاص کلام ۲۴۹ (بھیجے ہم نے یہ سارے) رسُول خوشخبری دینے کے لیے اور ڈرانے کے لیے تاکہ نہ رہے

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾

لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عُذر رسُولوں کے (آنے کے) بعد ۲۵۰ اور اللہ تعالےٰ غالب ہے، حکمت والا ہے (کوئی تسلیم نہ کرے تو اُس کی مرضی)

کیوں نبی نہیں مانتے۔ چند انبیاء کے اسمائے گرامی ذکر کر دیئے تا کہ اُنہیں مجالِ اِنکار نہ رہے۔

۲۴۸ یہاں سے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا مقصود ہے کہ انبیاء صرف اتنے ہی ہوئے ہیں جن کے نام قرآن مجید میں موجود ہیں اِس لیے فرمایا کہ بعض ایسے انبیاء بھی ہیں جن کا نام قرآنِ حکیم میں نہیں آیا۔ اِس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ دوسرے انبیاء کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی علم نہ تھا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب انبیاء کا علم تھا۔ یہاں نفی زمانہ گزشتہ کی ہو رہی ہے۔ یہ اس کو مستلزم نہیں کہ آئندہ بھی نہ بتایا ہو۔ لِاَنَّ نَفْیَ قَصِّهِمْ مِّنْ قَبْلُ لَا یَسْتَلْزِمُ نَفْیَ قَصِّهِمْ مُّطْلَقًا (روح المعانی)(1)

۲۴۹ مصدر کا ذِکر تاکید اور رفعِ احتمال مجاز کے لیے ہے۔ یعنی کوئی یہ نہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی گفتگو موسیٰ علیہ السلام سے بھی بذریعہ فرشتہ ہوئی اور کلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے۔ بلکہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے بغیر کلام فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ جس بندے کو اپنے خاص فضل سے ممتاز کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ بے واسطہ گفتگو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ہوئی۔ لیکن موسیٰ ؑ سے وادی ایمن میں اور مصطفیٰ ؐ سے بالائے عرش۔ بس وہی فرق جو کلیم اور حبیب میں ہے۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ کسی نبی کو جو معجزہ عطا ہوا وہ معجزہ اللہ تعالیٰ نے بمعہ زیادتی اپنے محبوب کو بھی مرحمت فرمایا۔ بَلْ مَا مِنْ ذَرَّةِ نُوْرٍ شَعَتْ فِی الْعٰلَمِیْنَ اِلَّا تَصَدَّقَتْ بِهَا شَمْسُ ذَاتِهٖ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ دَرُّ الْبُوْصِیْرِیِّ حَیْثُ یَقُوْلُ ؎

وَكُلُّ آيٍ اَتَى الرُّسُلَ الْكِرَامَ بِهَا فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمِ (روح المعانی)(2)

یعنی سارے جہانوں میں نور کی کوئی کرن جو کہیں چمک رہی ہے وہ آفتابِ محمدی کا صدقہ ہے۔ اور علامہ بوصیری نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ اللہ کے معزز و مکرّم رسولوں کو جو معجزہ بھی ملا ہے وہ درحقیقت آپ کے نور کا فیضان ہے۔

۲۵۰ یعنی ہم نے کثیر تعداد میں مختلف علاقوں اور مختلف وقتوں میں اس لیے نبی اور رسول مبعوث فرمائے تا کہ لوگوں کو اللہ کی معرفت اور اس تک پہنچنے کا راستہ بتائیں اور یوم حشر جب وہ ہماری جناب میں پیش ہوں تو یہ عذر نہ پیش کر سکیں کہ ہمیں ہماری

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج6، ص17 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج6، ص18۔ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ، از ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، متوفی 1380ھ، ص:128، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے آپ کی طرف اتاری کہ اس نے اسے اتارا ہے اپنے علم سے اور فرشتے بھی[۲۵۱]

يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۱۶۶ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا

گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور روکا (دوسروں کو)

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۶۷ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ کی راہ سے[۲۵۲] وہ گمراہ ہوئے اور گمراہی میں بہت دور نکل گئے بے شک جنھوں نے کفر کیا

وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝۱۶۸ۙ

اور ظلم کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ بخش دے انھیں اور نہ یہ کہ دکھائے[۲۵۳] انھیں (سیدھی) راہ

اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ

بجز جہنم کی راہ کے ہمیشہ رہیں گے اس میں ابد تک اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے

گمراہی پر کیوں سزا دی جا رہی ہے۔ کیا کوئی ایسا پیغمبر آیا جس نے ہمیں حق کی دعوت دی اور ہم نے قبول نہ کی۔ جب ہمیں حق کی طرف بُلانے والا آپ نے بھیجا ہی نہیں تو پھر ہمیں آج کیوں عذاب دیا جا رہا ہے۔ ان کے اس عُذر کو دور کرنے کے لیے انبیاء و رسل مبعوث کیے گئے۔

۲۵۱ جس ذات پاک نے آپ سے پہلے آنے والے پیغمبروں پر وحی نازل کی۔ اسی نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی۔ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے دوسرے لوگوں کی شہادت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ اس کی سچائی کی گواہی دے رہا ہے کہ اسی نے اپنے کمالِ علم و حکمت سے اسے اُتارا ہے۔ اس کتاب کی ہر آیت ہر جُملہ بلکہ ہر کلمہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کی جلوہ گاہ ہے۔ جو شخص تعصّب سے بالاتر ہو کر اِس کا مُطالعہ کرے گا وہ بے ساختہ کہہ اُٹھے گا کہ یہ کتاب اللہ کی نازل کردہ ہے۔

۲۵۲ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اَوصاف و کمالات جو تورات میں موجود تھے ان کا اِنکار کر کے اُنہوں نے دوسرے لوگوں کو بھی اِسلام قبول کرنے سے روک دیا۔ اَیْ دِیْنِ الْاِسْلَامِ بِاِنْکَارِھِمْ نَعْتَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ(1)۔

۲۵۳ کیونکہ انہوں نے خود قبولِ حق کی اِستعداد کو ضائع کر دیا ہے اور اپنے اعمالِ سیئہ سے اپنے آپ کو جہنم کی سزا کا مُستحق بنا دیا ہے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج6، ص22

يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ

بالکل آسان ہے اے لوگو! تحقیق آگیا ہے تمہارے پاس رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے

فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

پس تم ایمان لاؤ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر تم انکار کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا

اور زمین میں ہے اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا اے اہل کتاب نہ غلو کرو ۲۵۴

فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى

اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ تعالیٰ کے متعلق مگر سچی بات بے شک مسیح عیسیٰ

ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ

پسر مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ۲۵۵ جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف اور ایک روح تھی

۲۵۴ اس سے پہلے یہود کا ذِکر تھا جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام بلند کو نہ پہچانا اور آپ کو نبی ماننا تو کُجا ایک شریف آدمی بھی تسلیم کرنے سے اِنکار کر دیا۔ آپ کی ذات مقدّسہ اور آپ کی والدہ طاہرہ پر گندے سے گندے بہتان لگائے۔ یہاں تک کہ آپ کو قتل کرنے کی بھی مذموم کوشش کی جس میں وہ ناکام رہے۔ ان کی تردید کے بعد رُوئے سخن دوسری قوم کی طرف ہوتا ہے جنہوں نے حضرت مسیح کو یوں بڑھایا کہ انہیں خدا یا خدا کا بیٹا ماننا شروع کر دیا۔ اب انہیں اس غلو سے روکا جا رہا ہے اور انہیں بتایا جا رہا ہے کہ وہ خدا نہیں، خدا کے بیٹے نہیں بلکہ خدا کے برگزیدہ رسول اور مقبول بندے ہیں۔ غلو کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا اَلْغُلُوُّ التَّجَاوُزُ فِی الْحَدِّ (قرطبی)(1) قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذِکر کے ساتھ کلمہ اور روح کے الفاظ کا ذِکر اکثر ملتا ہے اس لیے ان کا صحیح مفہوم ذہن نشین کرنا از حد ضروری ہے تا کہ کسی کی وسوسہ اندازی سے اِنسان متاثر نہ ہو۔

۲۵۵ کلمہ کا لغوی معنی تو ہے وَمَا یَنْطِقُ بِہِ الْاِنْسَانُ(2) جس کے ساتھ نطق کیا جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر اس کا اطلاق حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مجازاً ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وجہ مجاز کیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کلمہ کے اطلاق کی وجہ یہ ہے کہ ہر مولود کے دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اِرادہ اس کی تخلیق سے متعلّق ہو اور وہ اپنی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص21 2۔ المنجد فی اللغۃ: ص:695

مِّنْهُ ز فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ قف وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا

اس کی طرف ۲۵۶ سے پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو ۲۵۷ تین (خدا ہیں) باز آجاؤ (ایسا کہنے سے) یہ بہتر ہے

زبانِ قُدرت سے ''کُن'' فرما کر اسے اذن ظہور دے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ مادۂ منویہ شکم مادر میں قرار پکڑے اور وقت معیّن گزرنے کے بعد اس کی ولادت ہو۔ پہلا سبب اگرچہ حقیقی ہے لیکن نگاہوں سے پوشیدہ ہے اِس لیے اسے سببِ بعید کہہ لیجئے اور دوسرا سبب کیونکہ عادی اور عام ہے اور اسے ہر ایک جانتا ہے مومن ہو یا غیر مومن۔ اِس لیے اسے سبب قریب کہہ لیجئے۔ اب یہاں دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہے کہ سبب قریب یعنی مادۂ منویہ موجود نہیں اِس لیے ان پر سببِ بعید یعنی کلمۂ ''کن'' کا اطلاق کر دیا اور آپ کو کَلِمَةُ اللّٰهِ یا کَلِمَةٌ مِّنْهُ کہہ دیا۔ اور عربی لغت میں سبب کا اطلاق مسبّب پر عام ہوتا رہتا ہے۔ جیسے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متعلق فرمایا۔ اَنَا دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ(1) یعنی میں اپنے پدر بزرگوار ابراہیم کی دعا ہوں حالانکہ آپ دعا نہ تھے بلکہ دعا کا جواب تھے۔ دُعائے ابراہیمی کیونکہ آپ کی تشریف آوری کا سبب بنی تھی اِس لیے آپ پر دعا کا اطلاق کر دیا۔ نیز کلمہ کا لفظ بشارت اور آیت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا رہتا ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ وہ بشارت ہیں جو حضرت مریم کو دی گئی یا آپ اللہ کی قدرت کی آیت (نشانیوں میں سے ایک روشن نشانی) ہیں (2)۔

۲۵۶ رُوح کا معنی ہے مَا بِهِ الْحَيَاةُ۔ جس کے ساتھ زندگی قائم ہو(3)۔ اور زندگی دو قسم کی ہوتی ہے۔ حِسّی اور معنوی۔ حِسّی زندگی وہ ہے جس کے ذریعے چلنا، پھرنا، بولنا، سُننا اور سمجھنا اور یاد کرنا وغیرہ قسم کے افعال صادر ہوتے ہیں اور معنوی وہ ہے جس سے مکارم اخلاق، رحم، سخاوت، محبت وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اِسی لیے قرآنِ حکیم کو بھی کئی بار رُوح کہا گیا ہے کیونکہ وہ حیاتِ معنوی کا سبب ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا(4)۔ اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ پر روح یعنی قرآن نازل فرمایا۔ اور حضرت مسیح کیونکہ حیاتِ حِسّی اور معنوی دونوں کے مظہرِ اتم تھے اس لیے آپ کو بطور مبالغہ رُوح یعنی سراپا روح کہہ دیا جیسے ہم کسی بہت خوب صورت اِنسان کو ''حُسنِ مجسّم'' کہہ دیتے ہیں۔

مِنْهُ: روح کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف جزئیت کی نہیں بلکہ تشریف و تفصیل کی ہے اور یہ اضافت قرآن اور کلام عرب میں عام ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ شیطان کو فرماتے ہیں اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (5)۔ یعنی میرے بندوں پر تُو قابو نہیں پا سکتا۔ بندے تو سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں مومن ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بد۔ لیکن اطاعت شعار بندوں کی اضافت اپنی طرف کی اور اُن کو اپنا مخصوص اور مخلص بندہ ہونے کا شرف و عزت بخشی۔ یہاں بھی رُوْحٌ مِّنْهُ یا رُوْحُ اللّٰهِ کہہ کر اس خصوصی شرف و مقبولیت کا اِظہار مقصود ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بارگاہِ الٰہی میں حاصل ہے۔ مِنْهُ کے لفظ سے یہ کہنا کہ قرآن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح اللہ کا جز ہیں بالکل ناحق ہے۔ کیونکہ آپ اس طرح جُزئیت ثابت کرنے پر بضد ہوں تو پھر اس میں حضرت عیسیٰ کی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ قرآن میں حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق صاف موجود ہے کہ نَفَخْتُ فِيْهِ

1۔ المستدرک، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الاحزاب، ج2، ص453، رقم الحدیث:3566، دار الکتب العلمیہ، بیروت

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج6، ص25-24 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج6، ص25 4۔ سورۃ الزخرف:52 5۔ سورۃ الحجر:42

وقف لازم

لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا

تمہارے لیے بے شک اللہ تو معبودِ واحد ہی ہے پاک ہے وُہ اس سے کہ ہو اس کا کوئی لڑکا اسی کا (مِلک) ہے

مِنْ رُّوْحِیْ (1) کہ میں نے اپنی روح آدم میں پھونک دی۔ صرف آدم نہیں بلکہ تمام اولاد آدم کے متعلق ارشاد ہے ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (2) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر بچۂ آدم کو مادۂ منویہ سے تخلیق کر کے اور اس کے اعضاء کو درست کر کے اس میں اپنی رُوح پھونکی۔ صرف آدم و بنی آدم ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کا جز ماننا پڑے گا وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ (3) اگر مِنْ رُّوْحِیْ اور مِنْ رُّوْحِهٖ اور مِنْهُ کے الفاظ سے کسی چیز کی جزئیت ثابت نہیں ہوتی تو پھر اگر وہی لفظ حضرت مسیح کے لیے اِستعمال ہوں تو ان سے جزئیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ انجیل میں اب بھی ایسی آیات موجود ہیں جن سے قرآن کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ رُوح الامین کے پھونک مارنے سے آپ کی ولادت ہوئی۔ ملاحظہ ہو۔ اَمَّا وِلَادَةُ يَسُوْعِ الْمَسِيْحِ فَكَانَتْ هٰكَذَا: لَمَّا كَانَتْ مَرْيَمُ اُمُّهٗ مَخْطُوْبَةً لِيُوْسُفَ قَبْلَ اَنْ يَّجْتَمِعَا وَجَدَتْ حُبْلٰى مِنَ الرُّوْحِ الْقُدُسِ۔ اس عربی عبارت کا ترجمہ اُردو میں ملاحظہ ہو:

''اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی''۔ (انجیل متی ۱:۱۸)(4)

۲۵۷ قرآنِ حکیم نے حضرت مسیح کی ہستی کے متعلق جو صدیوں سے ایک معمہ بن کر رہ گئی تھی صاف الفاظ میں صراحت کر دی کہ وہ مریم کے بیٹے اور اللہ کے رسول ہیں اور بن باپ اس کے کلمہ کن سے ان کی پیدائش ہوئی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی مقرب روحوں میں سے ایک مقدّس روح ہیں۔ اب ان الفاظ سے عیسائیوں کو ان کے غلط عقیدہ سے باز رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے اور اس کے کلام الٰہی ہونے کی ایک اور روشن دلیل ہے کہ ثلثۃ جو خبر ہے اس کو ذکر کیا اور اس کی مبتداء کو محذوف کر دیا۔ کیونکہ تثلیث میں تو عیسائیوں کے تقریباً تمام فرقے متحد ہیں لیکن ان کی تفصیل میں ان کا باہمی اِتنا اِختلاف اور تضاد ہے کہ یہ مسئلہ ان کے نزدیک بھی ایک چیستان بن کر رہ گیا ہے۔ اگر کوئی ایک مبتداء بیان کر دیا جاتا تو تثلیث کی ایک صورت تو ممنوع ہو جاتی اور تثلیث کی دوسری اقسام کا حکم معلوم نہ ہو سکتا۔ اس لیے خبر کے ذِکر پر اکتفاء کیا تا کہ موقع اور محل کے مطابق مبتداء مقدر مان لیا جائے۔ یہاں یہ تو ممکن نہیں کہ عیسائیوں کے تمام فرقوں کا تثلیث کے بارے میں جو جو عقیدہ ہے ان سب کو بیان کروں لیکن ان کے چند اہم فرقوں کے نظریات بیان کرنے کی ضرور جسارت کروں گا۔

اس بات پر تو تقریباً سب عیسائی فرقے متفق الرائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بحیثیت جوہر ہونے کے واحد ہے۔ اور بحیثیّت اقانیم تین ہے۔ وجود، علم اور حیات کو اقانیم کہتے ہیں (اقانیم کا واحد اقنوم ہے) جس کا معنی شخص اور اصل ہے۔ اَلْاُقْنُوْمُ: اَلشَّخْصُ، اَلْاَصْلُ ج اَقَانِيْمُ وَالْكَلِمَةُ مِنَ الدَّخِيْلِ (المنجد) (5) وجود کو باپ، عِلم کو بیٹا اور حیات کو روح القدس کہتے ہیں۔ ان کا

1۔ سورۃ الحجر:29 2۔ سورۃ السجدہ:8-9 3۔ سورۃ الجاثیہ:13

4۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، متی، باب:1، آیت 18، ص:5 5۔ المنجد فی اللغۃ، ص:658

ع ۲۳ ۹ ۳

فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز

اختلاف اس میں ہے کہ ان تین اقانیم کا تعلق جوہر (یعنی اللہ) سے کیسا ہے۔

۱۔ ایک فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ تین اقانیم اور جوہر قدیم الگ الگ ہیں اور ہر ایک ان میں سے خدا ہے۔ اور اقنوم ثانی (یعنی علم) حضرت مسیح کے جسم سے متحد ہو گیا جیسے شراب اور پانی ملنے کے بعد یک جان ہو جاتے ہیں اور مسیح بھی ازلی قدیم ہے۔ اور مریم نے ازلی قدیم کو جنا ہے۔

۲۔ ایک اور فرقہ یہ کہتا ہے کہ بیٹا یعنی مسیح کی دو حیثیتیں ہیں ایک لاہُوتی اور ایک ناسُوتی۔ اس حیثیت سے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ وہ خدائے کامل ہے اور اس حیثیت سے کہ اس کا ظہور اس جسدِ عنصری میں ہوا اِنسان کامل ہے۔ اِس لیے یہ قدیم بھی ہے اور حادث بھی۔ اور قدیم و حادث کا یہ اِتحاد نہ قدیم کی قدامت کو متاثر کرتا ہے اور نہ حادث کے حدوث کو۔

۳۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ کلمہ یعنی اقنوم ثانی گوشت اور خون میں بدل گیا اور خدا مسیح کی شکل میں رونما ہوا۔

۴۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ الٰہ قدیم کے جوہر اور اِنسان حادث کے جوہر میں یُوں اِمتزاج ہوا جیسے نفسِ ناطقہ کا جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دونوں ایک چیز بن جاتے ہیں۔ اِسی طرح جوہر قدیم اور جوہر حادث کے مجموعہ کا نام مسیح ہے اور وُہی خدا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اگرچہ خدا اِنسان نہ بن سکا لیکن اِنسان خدا بن گیا۔ جیسے اگر آگ کوئلہ نہیں بن سکتی تو کوئلہ تو آگ بن جاتا ہے(1)۔

اس سلسلہ کو کہاں تک طول دیں۔ مُشتے نمونہ از خروارے بس ست۔ ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں جسے عقل سمجھ سکے۔ بہرحال ایک چیز واضح ہو گئی کہ اِن تمام اِختلافات کے باوجود تثلیث کے عقیدہ پر سب متفق ہیں۔ گو عنوان جدا جدا ہیں لیکن معنون ایک ہی ہے۔ اور یہ ایک ایسا مُعمہ ہے جس کو حل کرنے کے لیے عیسائیت کے بڑے بڑے مدبروں اور دانشوروں نے سر توڑ کوشش کی لیکن نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ آخر ایک ہی چیز کو قدیم اور حادث، خدا اور بندہ اور لاہوت و ناسُوت کا مجموعہ کیسے تصوّر کر لیا جائے۔ اگر تاریخ مذاہب عالم کا مطالعہ کیا جائے تو تثلیث کا عقیدہ تمام مُشرکانہ مذاہب میں مُشترک نظر آتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں ''تری مُورتی'' یعنی برہما، وِشنو اور شیو کی عبادت کی جاتی ہے۔ جن کے لیے وہ اِن تین حروف (ا۔ و۔ م) کو بطور رمز استعمال کرتے ہیں۔ چین میں ''تاوؤ'' ایک ایسا خدا ہے جس کی تین اقانیم ہیں۔ مصر قدیمہ میں معبد منفیس کے قسیس ثالوث مقدّس کی تعلیم دیتے تھے اور یہ بتاتے تھے کہ پہلے نے دوسرے کو اور دونوں نے مل کر تیسرے کو پیدا کیا۔ اُن کے اعتقاد میں اقنوم ثانی کو کلمہ، نیز دوسرا خدا اور اللہ کا پلوٹھی کا بیٹا کہا جاتا (بالکل ویسے جیسے اب عیسائی کلمہ کو ابن اللہ اور الٰہ مانتے ہیں) اور فارس میں بھی ایک ایسے الٰہ کی پرستش کی جاتی تھی جو مثلث الاقانیم تھا۔ جن کے نام یہ تھے ازمرد، متراث اور اہرمن۔ متراث کو وہ بھی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج6، ص 26-27

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ

ہرگز عار نہ سمجھے گا مسیح (علیہ السلام) کہ وہ ۲۵۸ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے

الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ

(اس کو عار سمجھیں گے) اور جسے عار ہو اس کی بندگی سے اور وہ تکبّر کرے تو اللہ جلد ہی جمع کرے گا

اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ

ان سب کو اپنے ہاں پھر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انھیں

ابن اللہ کہا کرتے۔ اور خود یورپ میں مسیحیت سے پہلے تثلیث کا عقیدہ رائج تھا۔ چنانچہ یونانی ایک ایسے خدا کے قائل تھے جس کی تین اقانیم تھیں۔ اور رُوم کے قدیم بُت پرست بھی تثلیث کے قائل تھے۔ اور اللہ، کلمہ اور رُوح پر ایمان رکھتے تھے۔ اِس مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ جب عیسائیت مشرق اوسط سے یورپ میں پہنچی اور قسطنطین شاہ رُوم نے اسے قبول کیا تو وہی تثلیث جو اہل یورپ کے عقیدہ میں غیر معلوم زمانہ سے چلی آ رہی تھی منتقل ہو کر ایک ایسے دین میں آ گئی جو سراسر توحیدِ خالص کا علم بردار تھا۔ انجیل مقدس کی یہ آیت اب بھی اعلان کر رہی ہے کہ اس دین حق کا اور اس کے پیغمبر کا دامن شرک کی ان آلودگیوں سے پاک ہے(1)۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

هٰذِهٖ هِيَ الْحَيَاةُ الْاَبَدِيَّةُ اَنْ يَّعْرِفُوْكَ اَنْتَ الْاِلٰهَ الْحَقِيْقِيَّ وَحْدَكَ وَيَسُوْعَ الْمَسِيْحَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَهٗ (انجیل یوحنا)

''ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے جانیں''۔(2)

(انجیل یوحنا باب ۱۷: ۳)

۲۵۸ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف اور اپنے بندہ ہونے کا اعتراف باعثِ ہزار فخر و نازش ہے وہ بھلا کیوں اس کو عار سمجھیں۔ اور حقیقۃً یہ ہی اِنسان کی سب سے بڑی سعادت ہے کہ اپنے معبودِ حقیقی کو پہچان لے اور اپنے گلے میں اس کی بندگی کا طوق ڈال کر اس کی جناب میں حاضر ہو۔ حضور رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام جب معراج کی رات مقام قرب کی انتہا تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا بِمَ اُشَرِّفُكَ يَا مُحَمَّدُ۔ اے سراپا ستائش و خوبی! میں آج تجھے کس اعزاز سے مشرف کروں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کی بِنِسْبَتِيْ اِلَيْكَ بِالْعُبُوْدِيَّةِ مجھے اپنا بندہ ہونے کا شرف عطا فرما(3)۔ شاید یہی حکمت ہے کہ جس آیت میں معراج کا ذکر ہے وہاں حضور کے متعلق عبدِہٖ کا لفظ مذکور ہے۔ اِسْتَنْكَفَ الرَّجُلُ: اسْتَكْبَرَ وَاسْتَنْكَفَ مِنْ كَذَا: اِمْتَنَعَ اَنَفَةً

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج6، ص27
2۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، یوحنا، باب:17، آیت:3، ص:2-101
3۔ تفسیر کبیر، جلد10، جز20، ص148

أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِّن فَضْلِهِ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا

اُن کے اجر اور زیادہ بھی دے گا انھیں اپنے فضل (وکرم) سے۔ لیکن جنھوں نے عار سمجھا (بندہ بننے کو)

وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ وَّلَا يَجِدُونَ لَهُم

اور تکبّر کیا تو عذاب دے گا انھیں دردناک عذاب اور نہ پائیں گے اپنے لیے

مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيرًا ﴿۱۷۴﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم

اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار اے لوگو! آ چکی ہے تمھارے

بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿۱۷۵﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ

پاس ایک (روشن) دلیل تمھارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے اُتارا ہے تمھاری طرف نورِ درخشاں تو جو لوگ

آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ

ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ (کی رسّی) کو تو عنقریب داخل کرے گا انھیں اپنی رحمت

وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿۱۷۶﴾ يَسْتَفْتُونَكَ

اور فضل میں اور پہنچائے گا انھیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی راہ پر (اے میرے رسول) فتویٰ پوچھتے ہیں

قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ

آپ سے۔ آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمھیں کلالہ (کی میراث) کے بارے میں ۲۵۹ اگر کوئی ایسا آدمی فوت ہو جائے نہ ہو جس کی کوئی اولاد

وَّحَمِيَّةً وَّاسْتِكْبَارًا (المنجد) (1) یعنی تکبر کرنا، ازراہِ نخوت وغرور کسی چیز سے رُک جانا۔

۲۵۹ كَلَالَةٌ اسے کہتے ہیں جس کے والدین بھی زندہ نہ ہوں اور اولاد لڑکی یا لڑکا بھی کوئی نہ ہو (2)۔

1۔ المنجد فی اللغۃ، ص: 837 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 77

وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ

اور اس کی ایک بہن ہو تو بہن کا نصف حصّہ ہے اس کے ترکہ سے ۲۶۰ اور وہ وارث ہوگا اپنی بہن کا اگر نہ ہو اس بہن

لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ

کی کوئی اولاد۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں ۲۶۱ تو ان دونوں کو دو تہائی ملے گا اس سے جو اس نے چھوڑا اور اگر

كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

وارث ہوں بہن بھائی مرد بھی اور عورتیں بھی ۲۶۲ تو مرد (بھائی) کا حصّہ دو عورتوں (بہنوں) کے حصّہ کے برابر ہے

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع ۲۴ ۵ ۴

صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام ۲۶۳ تاکہ گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۲۶۴

۲۶۰ وہ بہن جو صرف ماں کی طرف سے ہو اس کا حکم پہلے گزر چکا۔ یہاں بہن سے مراد سگی اور باپ کی طرف سے جو بہن ہو اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ ایسی بہن کو نصف ترکہ ملے گا۔ اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہو یعنی چچا، چچازاد بھائی وغیرہ تو ان کو ملے گا۔ ورنہ یہ نصف بھی بہن کی طرف لوٹ آئے گا۔

۲۶۱ اور بقیہ ثلث عصبہ کو ملے گا اور اگر عصبہ کوئی نہ ہو تو پھر یہ بھی ان کو ملے گا۔ دو یا دو سے زائد بہنوں کا یہی حکم ہے۔

۲۶۲ اگر کلالہ کے وارثوں میں بھائی اور بہن دونوں ہوں تو بھائی کو دو حصّے اور بہن کو ایک حصّہ ملے گا۔

۲۶۳ احکام میراث کو اتنی وضاحت اور تفصیل سے بیان کرنے کی غرض بتا دی کہ تم اپنی خود ساختہ مصلحتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہیں گمراہ نہ ہو جاؤ۔

۲۶۴ یہ نظام کسی ایسے قانون ساز کی تخلیق نہیں جس کی معلومات ادھوری اور ناقص ہوں۔ بلکہ اس قادر و توانا ربُّ العزت کا مقرر فرمودہ ہے جو ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔

تعارف سُورۃ المائدۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِس سُورۂ پاک کا نام ''المائدۃ'' ہے اور یہ مدنی ہے(1)۔ کیونکہ ہجرت کے بعد جو سورتیں نازل ہوئیں خواہ وہ مدینہ طیّبہ میں نازل ہوئی ہوں یا مدینہ طیبہ سے باہر حالت سفر میں یا حج وعُمرہ کے ایّام میں خاص مکّہ مکرّمہ میں سب کو مدنی کہا جاتا ہے۔اس کی ایک سو بیس آیات اور سولہ رکوع ہیں۔اس کے حروف کی تعداد 12464 ہے۔

اس سورت کی فقط ایک آیت اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ (2) الخ کے متعلق تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں 9 ذی الحجہ 10ھ کو نازل ہوئی۔ باقی آیات کی تاریخ کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔لیکن مختلف روایات میں غور وفکر کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکلِ نہیں کہ اِس کا نزول صُلح حدیبیہ کے وقت سے شروع ہوا اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر اِس کا اِختتام ہوا(3)۔

یہ چند سال اِسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ مدینہ کے اُفق پر خطرات کے جو سیاہ بادل ہر وقت منڈلایا کرتے تھے وہ آہستہ آہستہ ناپید ہو رہے تھے۔ کفّار پر یہ حقیقت عیاں ہو چکی تھی کہ اِسلام ایک قوت ہے اس کو مٹانا اب ان کے بس کی بات نہیں۔ یہودیوں کا زور بھی اب ٹوٹ چکا تھا۔ مدینہ اور اس کے گرد ونواح میں ان کی سب بستیاں گڑھیاں اور قلعے مسلمانوں کے تصرف میں تھے۔ غرضیکہ مظلومیّت کی طویل اور تاریک رات اب ختم ہو رہی تھی اور آفتاب اقبال طلوع ہو رہا تھا۔ اِن بدلے ہوئے حالات میں یہ سورت نازل ہوئی۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو کیا ہدایات فرمائیں۔

۱۔ اِس سورت کا آغاز تربیت اخلاق سے ہو رہا ہے اِس لیے پہلے اِسی عنوان پر غور کریں۔ اِس سورت میں مختلف اقسام کے اخلاقی سبق دیئے گئے ہیں جن کا تعلق جس طرح ایک قوم کی اِنفرادی اور اِجتماعی زندگی سے ہے اسی طرح ان کا تعلق بین الاقوامی معاملات اور تعلّقات سے بھی ہے۔ سب سے پہلے یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جو وعدہ کرو اس کو پورا کرو۔ خواہ یہ وعدہ نجی کاروبار کے متعلق ہو اپنے حلیفوں سے ہو یا حریفوں سے ہو اور خواہ اپنے رب ذوالمجد والعلیٰ سے ہو۔ آج کل کی متمدّن قومیں، یہ درست ہے کہ اپنے اِنفرادی وعدوں کی کسی حد تک پابندی کرتی ہیں لیکن سیاسی زندگی میں اپنے وعدوں کی جو مٹی پلید کرتی ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں۔ مسلمانوں کا رب اُنہیں حکم دیتا ہے کہ جو وعدہ کرو اسے پورا کرو خواہ وہ وعدہ حدیبیہ کے

1۔الجامع لاحکام القرآن از قرطبی، جلد 3، جزء 6، ص 30 2۔سورۃ المائدہ:3 3۔روح البیان، ج 2، ص 408، داراحیاء التراث العربی، بیروت

میدان میں دُشمنانِ اِسلام سے ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔

اب جب قوت و اِقتدار مسلمانوں کے پاس آ رہا ہے تو ان کو صاف صاف اور کئی کئی بار حکم دیا کہ جب قضا کی کُرسی پر بیٹھو تو یاد رہے عدل و اِنصاف تمہارا شعار ہو۔ فریقِ مقدمہ تمہارا دشمن ذاتی نہیں بلکہ دینی دشمن ہی کیوں نہ ہو عدل کا دامن تمہارے ہاتھوں سے چُھوٹنے نہ پائے۔ نیز فرمایا کہ اقوام عالم سے تمہارے تعلّقات کی بُنیاد یہ ہو کہ نیکی اور بھلائی کے ہر کام میں اُنہیں تمہاری معاونت حاصل ہو اور گناہ اور ظلم کے کسی کام میں تم اُن سے اِشتراک نہ کرو۔ فرزندان آدم کا قصّہ بیان کر کے بتایا کہ حسد بہت بُری چیز ہے اس نے بھائی کو بھائی کا قاتل بنا دیا تم اِس مذموم خصلت سے اِحتراز کرنا۔

۲۔ آسمانی کتابیں: دوسری اہم چیز جس کا ذِکر اِس سورت میں کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تورات، انجیل اور قرآن الگ الگ نظریات کے علم بردار نہیں بلکہ یہ تینوں نہریں ایک ہی سرچشمہ فیض سے پُھوٹی ہیں۔ تورات کے متعلق فرمایا کہ فِیۡهَا هُدًی وَّ نُوۡرٌ(1)۔ انجیل کے متعلق بھی بعینہ یہی الفاظ فرمائے کہ فِیۡهِ هُدًی وَّ نُوۡرٌ(2) اور قرآن کے متعلق تو بار بار یہی فرمایا گیا۔ معلوم ہوا سب میں ہدایت ہے سب میں نور ہے۔ اور ہر ایک کتاب میں اپنے زمانہ کے مطابق شریعت کا مکمل ترین نظام اور اخلاقیات و معاملات کا واضح ضابطہ موجود تھا۔ اور ان سب کا جامع اور ان تمام بلند اخلاقی قدروں کا نقیب، محافظ اور نگہبان قرآنِ مجید ہے۔

۳۔ حاملانِ قرآن کو تنبیہ فرما دی کہ دیکھو! ہدایت و نُور یہود کے پاس بھی آیا اور نصاریٰ کے پاس بھی۔ لیکن انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اَے غلامان مصطفیٰ! اب وُہی ہدایت و نُور اپنی پُوری آب و تاب اور شوکت و جلال سے تمہارے مطلعِ حیات پر نمودار ہو رہا ہے۔ اور تمہیں اِس سے اِستفادہ کا موقع دیا جا رہا ہے کہیں تم بھی اپنے پیش رووں کی طرح اپنی خواہشات اور خود ساختہ مصلحتوں کی قربان گاہ پر اسے بھینٹ نہ چڑھا دینا۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی پُوری پُوری تعمیل کرنا۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے مطابق فیصلے کرتا ہے وہ منکرِ حق ہے۔ وہ نافرمان ہے وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے۔ نیز فرمایا کہ یہود و نصاریٰ خود تو بھٹکے ہوئے ہیں۔ وہ تمہیں بھی جادۂ حق سے بہلانے پھسلانے کی اِنتہائی کوشش کریں گے۔ خبردار! ہوشیار! ان کے دام فریب میں نہ پھنس جانا۔ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَیۡكَ(3)۔

معلوم ہوتا ہے اہلِ حق کو حق سے برگشتہ کرنے کی جو کوشش اس وقت شروع ہوئی تھی وہ بدستور جاری ہے اور پہلے کی نسبت زیادہ تندی اور تیزی سے۔ اور اسی تحریک کے پیدا کردہ وہ وسوسے ہیں جن کی وجہ سے اسلامی مملکتوں کے سربراہِ اسلامی قانون کو اپنانے سے ہراساں ہیں۔ بات تو صرف اتنی ہے کہ جس طرح پوری یک جہتی کے ساتھ ایک بار اللہ اکبر کہہ کر ہم نے ان فرنگی آقاؤں کی ظاہری غلامی کے زنجیر توڑے ہیں۔ بس ایک بار اور جی کڑا کر کے اللہ اکبر کہیں اور ذہنی غلامی کا طلسم بھی توڑ کر رکھ

1۔ سورۃ المائدہ:44 2۔ سورۃ المائدہ:46 3۔ سورۃ المائدہ:49

دیں۔قوت یقین اور ذوق عمل کا ایک معجزہ چند سال ہوئے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اقوام عالم کو دکھایا ہے۔فقط ایک اور معجزہ نمائی کی ضرورت ہے۔ وادیٔ ایمن سے تو اب بھی یہ آواز دمادم آرہی ہے۔ لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى(1) گھبرا نہیں تُو ہی سرفراز و کامیاب ہے اور اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ(2) کا حکم مل رہا ہے لیکن ہم ہیں کہ ساحرِ فرنگ کی شعبدہ بازیوں سے دم بخود ہوئے بیٹھے ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ(3) (کیا تم جاہلیت کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہو؟) کی توبیخ سے یہ بتایا کہ اگر تمہاری غفلت کے باعث حق کا چراغ گل ہو گیا تو پھر ''جاہلیت'' کا اندھیرا چھا جائے گا۔اور ''جاہلیت'' خواہ اس کے چہرہ کو علم وفن کی مشاطگی نے کسی دل آرام کی طرح بہت ہی دلکش و دلفریب بنا دیا ہو۔اس کی رُوح ظالم ہے اس کی فِطرت بے رحم ہے وہ تمہاری ساری عزیز قدروں اور عقائد کو کچل دے گی روند ڈالے گی بلکہ خود تم سے روندوا ڈالے گی۔

۴۔ قرآن جو شریعت لے کر آیا اس کی کئی جُزئیات کا یہاں ذِکر کیا گیا ہے۔حج کے آداب، شعائر اللہ کی تعظیم، شراب اور جوا کی قطعی ممانعت، وضو و تیمّم کے احکام، حلال و حرام اشیاء کا ذکر، پُرامن راستوں پر ڈاکہ زنی کرنے والوں اور چوری کرنے والوں کے لیے عبرتناک سزائیں وغیرہ۔جن کا تفصیلی تذکرہ اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔

۵۔ لات وہبل کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ان کے اپنے ماننے والے ان سے بدظن ہو چکے تھے۔اب صرف اِتنی ہی دیر تھی کہ کوئی دھکا دے اور وہ دھڑام سے منہ کے بل زمین پر گر پڑیں۔لیکن شِرک کی ایک اور قسم دنیا کے ایک وسیع حِصّہ کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی یعنی عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث جس کی اشاعت کے لیے شاہی خزانوں کے منہ کھلے ہوئے تھے۔جس کی حفاظت کے لیے بے شمار تلواریں بے نیام تھیں۔اور جب کبھی کسی فِکری بُحران نے اسے دُودِ چراغِ محفل بنانا چاہا تو علماء فلسفہ یُونان ورُوما کا حجاب اکبر تان کر کھڑے ہو جاتے۔قرآن نے اِس عقیدہ کا پہلے بھی محاسبہ کیا ہے۔اور یہاں بھی بڑی بے تکلّفی اور فِطری سادگی سے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں ہو سکتا۔جو ماں کے شکم سے پیدا ہو۔جو اپنی بقا کے لیے کھانے پینے کا محتاج ہو وہ بندہ ہو سکتا ہے مقبول ترین بندہ، محبوب ترین بندہ، لیکن خدا نہیں ہو سکتا۔ اور روزِ قیامت پیش آنے والے واقعات کو بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح کی زبانی توحیدِ خالص کا اعلان کرا دیا۔

۶۔ اس سورت کا طُرہ اِمتیاز وہ آیت کریمہ ہے جو بتاریخ 9 ذی الحجہ 10ھ میدانِ عرفات میں رحمت عالمیاں، پیکرِ ہدایت، نور مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا(4)۔ دین کی تکمیل کا اعلان! اتمام نعمت کا مژدہ! اللہ اللہ! بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی ہوں گی۔ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جبینِ نیاز سجدہ میں جھک گئی ہو گی۔عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے چہرے فرطِ مسرت سے رشک مہِ تاباں بن گئے ہوں گے اور حمزہ، یاسر، سمیہ اور خباب رضی اللہ عنہم اپنے اپنے مزاراتِ پُرانوار میں ربِّ ذُوالجلال کی حمد و ثنا معلوم نہیں کوثر و سلسبیل سے

1۔سورۂ طٰہٰ:68 2۔سورۂ طٰہٰ:69 3۔سورۃ المائدہ:50 4۔سورۃ المائدہ:3

دُھلے ہوئے کن نُورانی کلمات سے کرنے لگے ہوں گے رضی اللہ عنہم۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ جُھوم اُٹھا ہوگا۔ اللہ ربّ السّموات والارض کی ساری نوری مخلوقات اس کے حبیب، اس کے رسول، اس کے صفی اور اس کے عبدہٗ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر دُرود و سلام کے پھول نثار کر رہی ہوگی۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ بِجَاهِ سَیِّدِیْ وَ مَوْلَائِیْ حَبِیْبِیْ مُحَمَّدِنِ الْاَمِیْنِ وَاٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ آمِیْن آمِیْن یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(سورۂ مائدہ مدنی ہے اس کی) اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے (آیتیں ۱۲۰، اور رکوع ۱۶ ہیں)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ ع ۱

اے ایمان والو! پورا کرو (اپنے) عہدوں کو[1] حلال کیے گئے ہیں تمہارے لیے بے زبان

الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ

جانور[2] سوائے ان کے جن کا حکم پڑھ کر سُنایا جائے گا تمہیں نہ حلال سمجھو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہو[3]

[1] جس طرح وعدہ کیا گیا ہو اُسی کے مُطابق اس کو پورا کرنے کو وفاء اور ایفاء کہتے ہیں۔ عقود عقد کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنی گِرہ لگانا ہے۔ اب اس کا اطلاق اس پختہ وعدہ پر ہوتا ہے جو دو شخصوں کے درمیان طے پائے۔ یہاں عقود سے مراد ہر قسم کے معاہدے ہیں خواہ وہ اِنسان اور اس کے خالق کے درمیان ہوں یا اِنسان اور اِنسان کے درمیان ہوں۔ ان کا تعلق دینی احکام سے ہو یا دُنیوی معاملات سے۔ سب اس میں درج ہیں۔ اور سب کی پابندی کا ہمیں حکم دیا جا رہا ہے۔ البتہ وہ وعدہ جس کے پورا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اُس کا پورا نہ کرنا ضروری ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد شکنی کو منافقت کی علامت قرار دیا ہے (1)۔ اخلاق کا کتنا بہترین درس اِن دو لفظوں میں دیا گیا۔ کاش! ہم سمجھیں اور عمل کریں۔

[2] احکام اِلٰہی کا ذِکر شروع ہو رہا ہے۔ جن کی تعمیل کا وعدہ ہر مسلمان اِسلام قبول کرتے وقت اپنے رب سے کیا کرتا ہے۔ پہلا حکم یہ ہے کہ ان جانوروں کے علاوہ جن کا ذِکر آگے آ رہا ہے دوسرے مویشی تمہارے لیے حلال ہیں۔ مشرکینِ عرب نے اپنے باطل عقائد اور فاسد خیالات کی وجہ سے کئی مویشی اپنے اوپر حرام کر رکھے تھے مثلاً بحیرہ وغیرہ۔ نیز کئی مویشی بطور سزا بنی اسرائیل پر حرام کر دیئے گئے تھے۔ مسلمانوں کو حکم دیا کہ یہ جانور تمہارے لیے حلال ہیں۔ بَهِيْمَةٌ کا معنی علامہ راغب نے کیا ہے مَالَا نُطْقَ لَهٗ (2) یعنی بے زبان۔ ترجمہ میں میں نے یہی معنی اِختیار کیا ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ ہر چوپائے کو بہیمہ کہا جاتا ہے اِسْمٌ لِّكُلِّ ذِيْ اَرْبَعٍ اس صورت میں اس کی اضافت انعام کی طرف اِضافت بیانیہ ہوگی۔ بعض دیگر اہل علم کا خیال ہے کہ بہیمہ سے مراد چرنے والے شکاری جانور ہیں مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ۔

[3] دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ جب تم نے حج وعُمرہ کے لیے احرام باندھ لیا ہو تو پھر تمہارے لیے خشکی کا شکار ممنوع ہے (3)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق، ج1، ص56
2۔ مفردات راغب، ص149
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج6، ص51

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ

بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے ۴ اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں

اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآىِٕدَ وَلَآ اٰۤمِّيْنَ

کی ۵ اور نہ عزت والے مہینہ کی اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ (بے حرمتی کرو) جو

۴ بیشتر احکام جو اس وقت نازل ہو رہے تھے وہ عرب کے دیرینہ رسم و رواج اور اُن کے آبائی عقائد کے بالکل خلاف تھے۔ اِس لیے اِحتمال تھا کہ سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جائے کہ ایسا حکم کیوں دیا گیا۔ اسے کیوں حرام اور اُسے کیوں حلال کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔ اِس لیے یہ فرما کر ان تمام چہ میگوئیوں کا دروازہ ہی بند کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور وہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ جب تم نے اس کا بندہ ہونے کا اعتراف کر لیا۔ اس کو علیم و حکیم تسلیم کر لیا اور اس کے احکام کی تعمیل کا وعدہ کر لیا تو اب قیل و قال کیسی۔ یقینِ محکم سے ہر ارشاد کی پیروی کرتے جاؤ۔

۵ اِمام ابن جریرؒ شعائر کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ شعیرہ بروزن فعیلہ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے وہ علامت جس سے کسی چیز کی پہچان ہو سکے۔ وَ شَعَائِرُهُ الَّتِیْ جَعَلَهَا اَمَارَاتٍ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ۔ یعنی جن سے حق و باطل کی شناخت ہو سکے ان کو شعائر اللہ کہتے ہیں۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن احکام کو اللہ تعالیٰ نے اِسلام کا طرۂ اِمتیاز مقرر فرمایا ہے ان کی پابندی کرو۔ جن حدوں کو قائم کیا ہے ان سے تجاوز نہ کرو۔ جن چیزوں کے استعمال سے روکا ہے ان کے قریب مت جاؤ۔ هَدْیٌ اُس قربانی کے جانور کو کہا جاتا ہے جو حرم شریف کی حدود میں ذبح کرنے کے لیے کوئی اپنے ہمراہ لے جائے۔ قَلَائِدَ یعنی ذَوَاتِ قَلَائِدَ: قربانی کے ان جانوروں کو کہا جاتا جو حرم کی حُدود میں ذبح کرنے کے لیے کوئی اپنے ہمراہ لیے جا رہا ہو اور اُن کے گلے میں پٹے ڈال دیئے گئے ہوں۔ آٰمِّیْنَ: قصد کرنے والے، ارادہ کرنے والے۔ لفظی تحقیق کے بعد اب اِس آیت کا شانِ نزول ملاحظہ ہو۔ حطمہ بن ہند البکری بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام کی حقیقت کے متعلق دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِسلام کی حقیقت اس کے سامنے پیش فرمائی۔ سُن کر کہنے لگا مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ بھی کر لوں۔ اُمید ہے کہ ہم سب آپ کا دین قبول کر لیں گے۔ اس کے حاضر خدمت ہونے سے پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بتا دیا تھا کہ آج تمہارے پاس قبیلہ ربیعہ کا ایک ایسا آدمی آ رہا ہے جو شیطان کی زبان سے گفتگو کرے گا۔ اور جب وہ جانے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَقَدْ دَخَلَ بِوَجْهِ كَافِرٍ وَّخَرَجَ بِعَقِبِ غَادِرٍ (1) جب آیا تھا تو اس کے چہرے پر کفر کی نحوست برس رہی تھی اور اب جا رہا ہے تو اس کی پشت پر غدر کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ راستہ میں ایک جگہ مسلمانوں کے مویشی چر رہے تھے ان کو بھگا کر لے گیا۔ دوسرے سال قربانی کے لیے وہی مسلمانوں کے چُرائے ہوئے مویشی لے کر ان کے گلے میں قلادے ڈال کر حج کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مسلمانوں کو علم ہوا تو اُنہوں نے اس پر حملہ کرنا چاہا تو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص43

الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا

قصد کیے ہوتے ہیں بیتِ حرام کا طلب کرتے ہیں اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا اور جب

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ

احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو اور ہرگز نہ اُکسائے تمہیں ۶ے کسی قوم کا بغض بوجہ اس کے کہ انھوں

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ

نے روکا تھا تمھیں مسجدِ حرام سے اس پر کہ تم زیادتی کرو اور ایک دُوسرے کی مدد کرو ۷ے نیکی اور

فوراً یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی اگرچہ وہ کافر ہے اور تمہارا مجرم بھی ہے۔ لیکن اب نکلا ہے میرے گھر کی نیت سے۔ قربانی کے جانوروں کے گلوں میں پٹے ڈال کر، اس سے تعرض نہ کرو (ابن جریر، قرطبی) (1) خدا پرستی کی کیا عمدہ تعلیم ہے۔ کوئی کسی رُوپ میں ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو کر نکلے تو اس پر دست درازی نہ کرو۔ اس کی اب ہر چیز شعائر اللہ ہے۔

۶ے جَرَمَ کا معنی برانگیختہ کرنا، کسی کام پر اُکسانا ہے (2)۔ شِنَاٰنٌ کے معنی بغض اور دُشمنی کے ہیں (3)۔ قریشِ مکّہ کا دستور تھا کہ حج وعمرہ کے لیے کسی پر پابندی نہ تھی۔ جانی دشمن بھی حرم کا مہمان بن کر کیوں نہ آجائے اس کا احترام کیا جاتا۔ اس کی خِدمت کی جاتی۔ لیکن جب 6ھ میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ کے ارادے سے آئے تو کفّارِ مکّہ نے داخل ہونے سے روک دیا اور ان تمام سابقہ روایات کو بالائے طاق رکھ دیا جو زائرین کعبہ کے لیے ان کے ہاں مروّج تھیں۔ مسلمانوں کو کتنا صدمہ پہنچا ہوگا اور ان کے غصّہ کی کیا کیفیت ہوگی اس کا اندازہ آپ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔ عین ممکن تھا کہ مسلمان جوابی کارروائی کرتے اور ان مُشرک قبائل کو مکّہ آنے سے روک دیتے جن کے راستے مسلمانوں کے مقبوضہ علاقہ سے گزرتے تھے اِس لیے ربِّ جلیل نے انہیں حکم دیا کہ کفّارِ مکّہ کا اتنا شدید جرم بھی تمہیں کسی پر زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔ تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم کسی پر ظلم وتعدی کرو۔ تمہاری شان سے یہ حرکت بہت فروتر ہے۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے جہاں تصنّع نہیں۔ ریا نہیں۔ دیکھئے قرآن اپنے ماننے والوں کی اخلاقی تربیت کن بلند اصولوں پر کر رہا ہے۔ یہاں ہوا کا رُخ دیکھ کر بات نہیں کی جاتی بلکہ ایسی بات کی جاتی ہے جو ہوا کا رُخ موڑ دے۔ عین اُس وقت مسلمانوں کو دشمن پر دست درازی سے منع فرمایا جب غصہ کی چنگاریاں چیخ رہی تھیں اور اِنتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے (4)۔

۷ے زندگی کا ایک اور زرّیں اصول سکھایا جا رہا ہے کہ تمہارے آپس کے تعلقات کی بُنیاد اور اقوام عالم سے تمہارے تعلقات کی اساس یہ ہونی چاہیے کہ ہر نیکی اور بھلائی کے کام میں اُنہیں تمہاری اعانت اور تعاون حاصل ہو اور ہر بُرائی اور گناہ کی تحریک میں

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج6، ص36
2۔ ایضاً، ج6، ص45، مفردات، ص193
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص45، مفردات، ص:465
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص46

التَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

تقویٰ (کے کاموں) میں اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ

اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے حرام کیے گئے ہیں تم پر ۸ مُردار ، خُون ،

لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ

سُوَر کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیرِ خُدا کا نام لیا جائے اور گلا گھُونٹنے سے مرا ہوا، چوٹ سے مرا ہوا،

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَ

اُوپر سے نیچے گِر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے سوائے اس کے جسے تم ذبح کر لو اور (حرام ہے)

تم ان سے الگ رہو۔ قرآن کا ہر حکم دل نواز، اس کی ہر آیت اِنسانیت پرور اور اس کا ہر فرمان گمراہوں کے لیے روشنی کا مینار ہے۔ لیکن ان کی برکات کا ظہور تو تب ہو جب ان کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اور اس کو کلام الٰہی ماننے والی قوم ہی جب عملی طور پر اس سے روگرداں ہو تو اس کی مُضمر خوبیاں اور فائدے کیوں کر عیاں ہوں۔

۸ یہاں سے ان جانوروں کا ذکر ہو رہا ہے جو حرام ہیں (۱) مَيْتَةٌ: مردار (۲) دَمٌ مَّسْفُوْحٌ: وہ خون جو ذبح کے وقت بہتا ہے۔ (۳) خنزیر (۴) مَا اُهِلَّ بِهٖ: وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے۔ جیسے مُشرکین کا طریقہ تھا کہ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی بجائے باسم اللات والعزیٰ، لات اور عزیٰ کے نام سے ذبح کرتا ہوں کہا کرتے۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔ اَیْ رَفْعُ الصَّوْتِ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ لِقَوْلِهِمْ بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى عِنْدَ ذَبْحِهٖ (1)۔ اس پر تفصیلی حاشیہ سورۂ بقرہ کی آیت 173 کے نیچے ملاحظہ فرماویں۔ (۵) مُنْخَنِقَةٌ۔ وہ جانور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے۔ (۶) مَوْقُوْذَةٌ۔ جسے پتھر یا لاٹھی کی پیہم ضربوں سے مار دیا گیا ہو (۷) مُتَرَدِّيَةٌ۔ جو بلندی سے نیچے گِر کر مر جائے (۸) نَطِيْحَةٌ۔ وہ جانور جو کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے (۹) جسے کوئی درندہ پھاڑ ڈالے اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ یعنی سابقہ جانور اگر زندہ ہوں اور انہیں ذبح کر لیا جائے تو پھر ان کا کھانا حلال ہے (۱۰) وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ اِمام ابن جریر نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ نصب وہ پتھر ہیں جن کی زمانہ جاہلیت میں پُوجا کی جاتی تھی اور ان کے لیے جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ وَالنُّصُبُ الْحِجَارَةُ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَعْبُدُوْنَهَا وَيَذْبَحُوْنَ لَهَا (ابن جریر) (2) اور اس سے مراد ہر ایسی جگہ ہو سکتی ہے جو مشرکانہ رسوم کی ادائیگی کے لیے مخصوص ہو۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 140 2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 48

مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ

جو ذبح کیا گیا ہو تھانوں پر اور (یہ بھی حرام ہے) کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے یہ سب نافرمانی کے کام ہیں ۹

۹ مُشرکین کی یہ بھی ایک عادت تھی کہ جب کوئی کام کرنے لگتے تو کسی کپڑے وغیرہ میں تین تیر (جو اِس مقصد کے لیے پہلے تیار رکھے ہوتے) ڈالتے۔ ایک پر لکھا ہوتا اَمَرَنِیْ رَبِّیْ (میرے رب نے مجھے اس کا حکم دیا ہے) دوسرے پر لکھا ہوتا نَھَانِیْ رَبِّیْ (مجھے میرے رب نے اس سے منع کیا ہے) اور تیسرا خالی ہوتا۔ آنکھیں بند کر کے ہاتھ ڈال کر نکالتے اور جو تیر نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے۔ اِس فعل سے اُنہیں روکا جا رہا ہے (1)۔ کیونکہ جب کسی چیز کے کرنے، نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہو تو ان کو عقلِ خداداد سے کام لینا چاہیے اور اس کے فوائد و نقصانات کا پوری سنجیدگی سے جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔ فہم و دانش کی نعمت جو ہمیں عطا کی گئی ہے اس کی یہ کتنی توہین ہے کہ ہم ایسے موقعوں پر اس سے کام نہ لیں بلکہ اِتفاقات پر اپنے اعمال کی بنیاد رکھیں۔ چنانچہ تَسْتَقْسِمُوْا کا معنی علامہ بیضاوی نے یہی کیا ہے۔ طَلَبُ مَعْرِفَةِ مَا قُسِمَ لَهُمْ دُوْنَ مَالَمْ يُقَسَّمْ لَهُمْ بِالْاَزْلَامِ (2)۔ اہلِ عرب کی دوسری عادت یہ تھی کہ وہ تیروں کے ذریعہ جوا کھیلا کرتے۔ ان تیروں کی تعداد دس ہوا کرتی۔ سات پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوتا اور تین خالی ہوتے۔ اِس فعلِ بد کو بھی ممنوع کیا گیا۔ کیونکہ انسان اِس طرح بھی دولت کمانے کے ایسے راستے تلاش کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے جن میں نہ ذہنی کاوش کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ جسمانی مشقّت کا۔ اس میں ہارنے والے کا مال بغیر اس کی رضامندی کے جیتنے والے کے پاس چلا جاتا ہے اور یہ ناجائز ذرائع سے دوسروں کا مال ہڑپ کرنے کی ایک واضح صورت ہے جس سے اِسلام نے منع فرمایا ہے۔ چشم زدن میں امیر کبیر بن جانے کی ہوس میں لوگوں کو گھروں کی اینٹیں بیچتے دیکھا گیا ہے۔ کئی خوشحال کنبے چند دنوں میں غربت اور افلاس کے گڑھے میں گرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ جو چیز اِتنی خرابیوں کا باعث ہو اسلام اُس کو کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ ایک بات اور یہاں غور طلب ہے۔ اس وقت بھی کئی لوگ جوا میں جیتی ہوئی رقم کو اپنے اوپر خرچ نہ کرتے بلکہ غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی اس سے اعانت کیا کرتے۔ لیکن قرآن نے جوا کو ممنوع کرتے وقت اِس صورت کو مستثنیٰ نہیں کیا بلکہ جوا کی دیگر صورتوں کی طرح اِسے بھی حرام کر دیا۔ آج کل ہمارے ہاں جو یہ رسم قبولِ عام حاصل کر رہی ہے کہ کہیں طوفان یا سیلاب آیا یا کوئی دوسری مصیبت ٹوٹی تو مصیبت زدگان کی اِمداد کے لیے چندہ فراہم کرنے کے لیے کہیں رقص و سرود کی محفلیں سجائی جاتی ہیں اور کہیں فلم ایکٹرسوں کے میچ کرائے جاتے ہیں ان کا حکم بھی اِس آیت سے واضح ہے۔ بجائے اس کے کہ قوم کے اِنسانی اور اِسلامی جذبات کو بیدار کیا جائے ہم ان کے شہوانی جذبات کو اُکسا کر دولت اکٹھی کرتے ہیں۔ خود سوچیے ہم قوم کو کس پستی کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کے غضب کا مقابلہ اس کی نافرمانی اور اس کی حدود کو توڑ کر کرنا کیا ایک کلمہ گو کو زیب دیتا ہے؟

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 140 2۔ ایضاً

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ

آج مایوس ہوگئے ہیں جنھوں نے کفر اختیار کیا تھا تمہارے دین سے ۱۰ سو نہ ڈرو تم اُن سے اور

اخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

ڈرو مجھ سے آج میں نے مکمّل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین ۱۱ اور پُوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت ۱۲

وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ

اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین ۱۳ پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں درآں حالیکہ نہ

۱۰ اَلْيَوْمَ سے مراد یا تو 9 ذِی الحجہ کا خاص دن ہے اور یا اَلْيَوْمَ زمانہ پر دلالت کرنے کے لیے ہے(1)۔ یعنی اب کفّار کی قوت ٹوٹ چکی ہے انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ وہ اب تم کو نہیں مٹا سکتے۔ اب اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو اور اس کے کسی حکم کی تعمیل میں پس وپیش نہ کیا کرو۔

۱۱ جیسے پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ آیت 9 ذِی الحجہ 10 ھ بمقام عرفات بروز جمعہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اِس میں بتایا گیا کہ جس دین کا داعی بنا کر آپ کو بھیجا گیا تھا آج وہ ظاہری اور باطنی، صوری اور معنوی ہر لحاظ سے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس دین کے غلبہ اور فتح مندی کا جو وعدہ آپ سے کیا گیا تھا آج آپ نے اپنے غلاموں سمیت مشاہدہ کر لیا کہ وہ پورا کر دیا گیا۔ نیز وہ عقائد جن پر تمہاری نجات کا اِنحصار ہے وہ مکمّل طور پر تمہیں سکھا دیئے گئے۔ شریعت وقانون کے وہ بنیادی قواعد تفصیلاً یا اصولاً تم کو بتا دیئے گئے جو ہر زمانہ اور تمام حالات میں تمہارے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوں گے۔ تمہیں ایسے اصولوں کی تعلیم بھی دے دی جن کی مدد سے تم ہر نئی مشکل کا حل اور ہر جدید مسئلہ کا جواب معلوم کر سکو گے۔

۱۲ یعنی قرآن جیسی کتابِ ہدایت، محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء جیسا رسول اور ہادی عطا فرمایا۔ ہدایت کی راہ تم پر روشن کر دی اور اس پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ مکہ جہاں کفر وشرک کی حکومت تھی وہاں آج اِسلام کا پرچم لہرا رہا ہے۔ جہاں لات وہبل کی پوجا ہوا کرتی تھی وہاں اللہ وحدہ لاشریک کے حضور میں پیشانیاں محوِ سجود ہیں۔

۱۳ دین اِسلام جو تمام سابقہ انبیاء اور رُسل کا دین تھا وُہی دین اپنی کامل صورت میں تمہارے لیے پسند کر لیا گیا ہے۔ اب اس میں اضافہ اور تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ یہ آیت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کی واضح دلیل ہے۔ کیونکہ جب دین مکمل ہو چکا اس کے احکام میں ردّوبدل کی گنجائش نہ رہی تو پھر کسی دوسرے نبی کے آنے کی بھی ضرورت نہ رہی۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص140

مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ

جھکنے والا ہو گناہ کی طرف ۱۴ تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا کیا

اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

حلال کیا گیا ہے ان کے لیے ۱۵ آپ فرمائیے حلال کی گئی ہیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور (شکار) ان کا سکھایا ہے تم نے جنہیں ۱۶

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ

شکاری جانوروں سے شکار پکڑنے کی تعلیم دیتے ہوئے تم سکھاتے ہو انہیں (وہ طریقہ) جو سکھایا ہے تمہیں اللہ نے تو کھاؤ اس میں سے جسے

عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پکڑ رکھیں تمہارے لیے اور لیا کرو اللہ کا نام اس جانور پر ۱۷ اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ

۱۴ مندرجہ بالا چیزوں کو حرام کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں ہو کہ اسے کھانے کے لیے ان چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز میسر نہ ہو تو اس نے اگر اپنی جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت ان میں سے کوئی چیز کھائی تو اُس سے باز پرس نہ ہوگی۔

۱۵ جب حرام چیزوں کا ذِکر ہو چکا تو بعض صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تو ہوئیں حرام چیزیں اب یہ فرمائیے کہ حلال کون کون سی چیزیں ہیں۔ تو جواب دیا گیا کہ سب طیّب اور پاکیزہ چیزیں حلال ہیں کیونکہ حلال کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اور ان کو نام بنام ذِکر کرنے میں دُشواری تھی اِس لیے ایک لفظ سے انہیں بیان فرما دیا۔ اب رہا یہ کہ طیّبات کس کو کہتے ہیں تو اِس کے متعلق علماء نے فرمایا جسے طبع سلیم پسند کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے اس کی مزید وضاحت ہوگئی۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ(1)۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر داڑھ والے درندہ اور ہر پنجہ سے پکڑ کر کھانے والے پرندہ کو حرام فرمایا۔

۱۶ عدی بن حاتم اور زید الخیر نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کتّے اور باز کے ذریعے شکار کرتے ہیں کیا یہ ہمارے لیے حلال ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ شکاری درندوں اور شکاری پرندوں کا ایک ہی حکم ہے۔

۱۷ آیت سے جو مستفاد ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے کتّا یا شِکرہ وغیرہ کوئی شکاری جانور شکار پر چھوڑا تو اس کا شکار چند شرطوں سے حلال ہے:

(۱) شکاری جانور مسلمان کا ہو اور سکھایا ہوا ہو۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع ج2، ص147۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصید والذبائح، ص359 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص65

سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۴﴾ اَلۡیَوۡمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِیۡنَ

بہت تیز ہے حساب لینے میں آج حلال کر دی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں اور کھانا اُن لوگوں کا جنہیں

اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمۡ ۖ وَ طَعَامُکُمۡ حِلٌّ لَّہُمۡ ۫ وَ الۡمُحۡصَنٰتُ

دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لیے ۱۸ اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لیے اور (حلال ہیں) پاک دامن

مِنَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ

مومن عورتیں ۱۹ اور پاک دامن عورتیں اُن لوگوں کی جنہیں دی گئی کتاب تم سے

(۲) اس نے شکار کو زخم لگا کر مارا ہو۔

(۳) شکاری جانور بِسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر چھوڑا گیا ہو۔

(۴) اگر شکاری کے پاس شکار زندہ پہنچا ہو تو اسے بِسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ: تیر سے شکار کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ (خزائن العرفان حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہ العزیز)(1)

۱۸ یہاں طعام سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں ذبح کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ جانور جسے کسی یہودی اور نصرانی نے ذبح کیا ہو اُس کا کھانا مسلمان کے لیے حلال ہے اگر ذبح کے وقت اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو پھر تو سب ائمہ اس کے حلال ہونے پر متفق ہیں لیکن اگر وہ عزیر اور مسیح علیہما السلام کا نام لے کر ذبح کریں تو پھر کیا حکم ہے۔ اس کے متعلق بہترین قول وہ ہے جسے صاحبِ رُوح المعانی نے حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر تُو خود سُنے کہ اس نے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے تو اسے نہ کھا اور اگر تُو نے خود نہیں سُنا تو پھر حلال ہے۔ وَقَالَ الْحَسَنُ اِذَا ذَبَحَ الْیَھُوْدِیُّ وَالنَّصْرَانِیُّ فَذَکَرَ اِسْمَ غَیْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاَنْتَ تَسْمَعُ فَلَا تَاْکُلْ فَاِذَا غَابَ عَنْکَ فَکُلْ فَقَدْ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ (روح المعانی)(2) وَقَالَتْ طَّائِفَۃٌ اِذَا سَمِعْتَ الْکِتَابِیَّ یُسَمِّیْ غَیْرَ اسْمِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَلَا تَاْکُلْ وَ قَالَ بِھٰذَا مِنَ الصَّحَابَۃِ عَلِیٌّ وَّ عَائِشَۃُ وَ ابْنُ عُمَرَ وَھُوَ قَوْلُ طَاؤُسٍ وَّالْحَسَنِ (قرطبی)(3)

۱۹ محصنٰت کا معنی ہے پاک دامن۔ یہاں مسلمانوں کو ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ اگر تم شادی کرنا چاہو تو حُسن و دولت کی وجہ سے شادی نہ کرو بلکہ عفت و پاک دامنی کے زیور سے جو مزیّن ہو اس کے ساتھ شادی کرو۔ یہی ایک ایسی محکم بُنیاد ہے جس پر گھر کی جو عمارت اُٹھائی جائے گی وہ زندگی میں پیش آنے والے سارے حادثات اور طوفانوں کا مقابلہ کر سکے گی۔

1۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص172
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز6، ص65
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص76

قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ

پہلے ۲۰ جب دے دو تم انہیں مہر اُن کے پاکباز بنتے ہوئے نہ بدکاری کرتے ہوئے

وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ

اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے ۲۱ اور جو اِنکار کرتا ہے ایمان کا ۲۲ تو بس ضائع ہو گیا

عَمَلُهٗ ۖ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ع ۵/۵

اس کا عمل اور وُہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں سے ہوگا اَے اِیمان والو!

۲۰ پہلے یہ بتایا کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان کی نیک عورتوں سے بھی تم شادی کر سکتے ہو۔ بعض علماء کے نزدیک صرف ان کتابی عورتوں سے شادی کی اجازت ہے جو مملکت اِسلامیہ کی رعایا ہوں۔ دارالحرب میں رہنے والی کتابی عورتوں سے اجازت نہیں۔ احناف کے نزدیک حرام تو نہیں لیکن مکروہ ضرور ہے۔ لیکن بعض علماء نے ہر کتابی عورت سے نِکاح کی اِجازت دی خواہ وہ مملکت اِسلامیہ کی رعایا ہو یا دارالحرب کی باشندہ ہو(1)۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ قرآن نے جو حلال فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کا صرف یہودی یا نصرانی ہونا اس کی حُرمت کا باعث نہیں۔ لیکن اگر اس کی وجہ سے اور خرابیاں رُونما پذیر ہوتی ہوں تو پھر حرمت لغیرہ ثابت ہو جائے گی۔ یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں نے ایسی عورتوں سے شادی کی ان کے گھروں میں وہی طرزِ معاشرت داخل ہو گئی۔ وہی بے پردگی، وہی غیر مردوں سے عام اِختلاط، اِسلامی عبادات سے بے رغبتی اور اخلاق و آداب سے بے رُخی۔ اور پھر یہی اثر ان کی اولاد میں بھی چلا جاتا ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ یہودی و نصرانی عورتوں نے مسلمانوں کے ایسے ایسے راز اپنی قوم تک پہنچائے جس سے مسلمانوں کو سخت نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس لیے اگر ان وُجوہات کے باعث ایسی عورتوں سے نِکاح کرنے پر پابندی لگا دی جائے تو عین حکمت ہے۔

۲۱ عورت اور مرد کے باہمی تعلق کی صرف ایک صورت کو ہی اسلام نے جائز رکھا ہے وہ یہ کہ اس کی بنیاد نکاح صحیح پر ہو۔ اس کے علاوہ محض شہوت رانی کے لیے جو تعلقات قائم کیے جائیں گے خواہ وہ کھلم کھلا ہوں یا چوری چھپے وہ قطعاً حرام اور ممنوع ہیں۔

۲۲ غیر عورتوں سے شادی کرنے میں یہ خدشہ تھا کہ کہیں اُن کے دامِ محبّت میں پھنس کر مسلمان اپنا ایمان، اسلامی احکام اور اخلاقی قدروں کو پس پشت نہ ڈال دیں۔ اس کے متعلق سرزنش فرما دی۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج6، ص66

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى

جب تم اُٹھو۲۳ نماز ادا کرنے کے لیے تو (پہلے) دھولو۲۴ اپنے چہرے اور اپنے بازو کہنیوں

۲۳ اس سے پہلے کھانے پینے اور نکاح وغیرہ کے احکام بتائے جو حدثِ اصغر (بے وضو ہونا) اور حدثِ اکبر (جنابت) کا باعث ہوتے ہیں۔ اب یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جب تم اپنے طبعی تقاضوں کو پورا کر چکو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں آنا چاہو تو اس کے آداب کیا ہیں۔ حدثِ اصغر کے لیے وضو اور حدثِ اکبر کے لیے غسل کا حکم دیا۔ یہاں قُمْتُمْ بمعنی اَرَدْتُّمْ (1) ہے یعنی جب تم نماز کا اِرادہ کرو تو وضو کرو۔ اِختصار کے لیے ارادہ جو سبب ہے اس کو ذکر نہیں کیا اور قیام جو مسبّب ہے اس کو ذِکر کر دیا اور یہ اِستعمال عام ہے جیسے فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (2) اس کا معنی بھی یہی ہے کہ جب تم قرآن کی تلاوت کا ارادہ کرو تو پہلے اعوذ باللہ الخ پڑھ لیا کرو۔ بظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وُضو کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کا عام معمول یہی تھا۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئی بار ایک وضو سے متعدد نمازیں ادا فرمائی ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ افضل تو یہی ہے کہ ہر نماز تازہ وضو سے ادا کی جائے لیکن کئی نمازوں کا ایک وضو سے ادا کرنا جائز ہے۔ فتح مکّہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچوں نمازیں ایک وُضو سے ادا فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج تو حضور نے ایسا کام کیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے کبھی نہیں کیا۔ جواب ملا عَمَدًا فَعَلْتُهٗ۔ اے عُمر رضی اللہ عنہ! میں نے یہ کام (یعنی ایک وضو سے پانچ نمازیں) جان بُوجھ کر کیا ہے تاکہ اُمت کو یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ ایک وُضو سے متعدد نمازیں پڑھنا درست ہے (3)۔

۲۴ وضو کے فرائض چار ہیں جو اِس آیت میں مذکور ہیں (۱) منہ کا دھونا (۲) ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا (۳) سر کا مسح کرنا (۴) اور ٹخنوں تک پاؤں کا دھونا۔ اس کے علاوہ وضو سے پہلے نیت کرنا، بسم اللہ پڑھنا، پہلے ہاتھ صاف کرنا، کُلّی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا، مسح کے علاوہ ہر کام کو تین تین مرتبہ کرنا، دائیں طرف سے شروع ہونا، کان کا مسح کرنا۔ یہ سب اعمال حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمول سے ثابت ہیں۔ فقہاء نے ان سے بعض کو سنّت اور بعض کو مستحب فرمایا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وضو کی کیفیت اکثر صحابہ کرام سے مروی ہے۔ یہاں وہ تفصیل جو حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بیان کی ہے اسی کے لکھنے پر اِکتفا کرتا ہوں۔ ابو وحیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وضو کرتے دیکھا۔ آپ نے پہلے اپنے ہاتھوں کو خوب صاف کیا۔ پھر تین مرتبہ کُلّی فرمائی پھر تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا۔ پھر تین مرتبہ چہرہ مبارک دھویا پھر بازوؤں کو تین مرتبہ دھویا۔ پھر ایک مرتبہ سر کا مسح کیا پھر ٹخنوں تک پاؤں دھوئے اور اس کے بعد فرمایا اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ طُهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (4) (ترمذی و ابن ماجہ) کہ میں چاہتا تھا کہ تمہیں دکھاؤں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا کیا طریقہ تھا۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 141
2۔ سورۃ النحل: 98
3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 142، جامع ترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ماجاء انہ یصلی الصلوات بوضوء واحد، ج 1، ص 10
4۔ جامع ترمذی، کتاب الطہارۃ، باب فی وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیف کان، ج 1، ص 8۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الطہارۃ، باب ماجاء فی غسل القدمین، ص 36

الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ

تک ۲۵ اور مسح کرو اپنے سروں پر ۲۶ اور دھولو اپنے پاؤں ٹخنوں تک ۲۷ اور اگر

كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ

ہو تم جنبی تو (سارا بدن) پاک کرلو ۲۸ اور اگر ہو تم بیمار ۲۹ یا سفر پر یا

۲۵ الی بمعنی مع ہے (1) یعنی ہاتھوں کو کہنیوں کے سمیت دھوؤ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب وضو فرماتے تو کہنیوں کو بھی دھوتے عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا تَوَضَّاَ اَدَارَ الْمَاءَ عَلٰی مِرْفَقَیْہِ (دار قطنی) (2)

۲۶ مسح کہتے ہیں ہاتھ پانی سے تر کر کے پھیرنا۔ تمام سر کا مسح مستحب ہے اور سر کے چوتھے حصہ کے برابر مسح کرنا فرض ہے (3)۔ سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲۷ اس کا عطف اَیْدِیَکُمْ پر ہے اور اس کا معنی ہے وَاغْسِلُوْا اَرْجُلَکُمْ کہ اپنے پاؤں کو بھی دھوؤ (4)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو پاؤں اچھی طرح دھونے کا حکم فرمایا کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قوم کو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں خشک ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا۔ وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ (5)۔ خشک رہ جانے والی ایڑیوں کو آگ جلائے گی۔ وضو عمدہ طریق سے کیا کرو تا کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

حاشیہ 24 میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کی کیفیت جو بیان کی گئی ہے اُس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاؤں مبارک دھویا کرتے تھے۔ سید شریف رضی نے امیر المومنین سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وضو کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے بھی پاؤں کا دھونا ثابت ہے (6) (نہج البلاغہ) اس کے بعد جھگڑے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ (مزید تحقیق کیلئے روح المعانی کا مطالعہ فرمائیں)

کتب شیعہ میں پاؤں دھونے کی متعدد روایات ائمہ سے منقول ہیں۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ایک عقیدت مند ابن یقطین نے وضو کی ترکیب کے متعلق اِستفسار کیا تو حضرت نے یہ جواب تحریر فرمایا۔ وَالَّذِیْ اٰمُرُکَ بِہٖ فِیْ ذٰلِکَ اَنْ تَتَمَضْمَضَ ثَلَاثًا وَّ تَسْتَنْشِقَ ثَلَاثًا وَ تَغْسِلَ وَجْھَکَ ثَلَاثًا وَّ تُخَلِّلَ شَعْرَ لِحْیَتِکَ وَ تَغْسِلَ یَدَیْکَ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ وَ تَمْسَحَ رَأْسَکَ کُلَّہٗ وَ تَمْسَحَ ظَاھِرَ اُذُنَیْکَ وَ بَاطِنَھَا وَ تَغْسِلَ رِجْلَیْکَ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ثَلَاثًا وَّ لَا تُخَالِفَ ذٰلِکَ اِلٰی غَیْرِہٖ (7)۔ ترجمہ: اِس بارے میں میں تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ تین مرتبہ کلی کرو، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالو، تین مرتبہ اپنے چہرہ کو دھوؤ، اپنی ڈاڑھی کے بالوں کا خلال کرو، دونوں بازوؤں کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھوؤ، اپنے پورے سر کا مسح کرو، کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک تین مرتبہ دھوؤ۔ آخر میں فرمایا اِس حکم کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ (کشف الغمہ، جلد 3، صفحہ 24، ایران)

۲۸ پہلے حدثِ اصغر سے طہارت کا طریقہ بتایا اب حدثِ اکبر سے طہارت کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے یعنی جب اِنسان جنبی ہو

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 142 2۔ سنن دار قطنی، از ابو الحسن علی بن عمر الشہیر الحافظ البغدادی، متوفی 385ھ، ج 1، ص 83، مطبوعہ دار المحاسن للطباعۃ قاہرہ

3۔ ہدایہ اولین، کتاب الطہارات، ج 1، ص 17 4۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 142 5۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب سنن الوضوء، ص 46

6۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ص 77 7۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمۃ، ج 3 ص 24، مطبوعہ از انتشارات حاج محمد باقر کتابچی حقیقت تبریز بازار شیشہ گرخانہ، ایران

جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا

آئے کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے بعد یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم

مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ

پانی تو تیمّم کرو پاک مٹی سے یعنی مسح کرلو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر

مِّنۡهُ ؕ مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّلٰكِنۡ يُّرِيۡدُ

اس سے نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کہ رکھے تم پر کچھ تنگی ۳۰ بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے

لِيُطَهِّرَكُمۡ وَلِيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝۶ وَ

کہ خوب پاک صاف کرے تمہیں اور پوری کردے اپنی نعمت تم پر ۳۱ تاکہ تم شکریہ ادا کرتے رہو اور

جائے تو اس وقت غسل کرے۔ اس کے متعلق حاشیہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ آیت 43

۲۹ اس کے متعلق حواشی بھی سورۃ النساء میں گزر چکے ہیں۔ آیت 43

۳۰ فقہ قرآنی کا یہ ایک بنیادی اصول ہے جس پر اسلامی شریعت کا قصر رفیع تعمیر ہوا ہے۔ ان احکام پر ہی نگاہ ڈالیے۔ حدثِ اصغر (وضو کا ٹوٹنا) کے لیے غسل فرض نہیں کیا کیونکہ اس کا وقوع عام ہے اور اس میں دشواری ہے۔ جنابت جو کبھی کبھی لاحق ہوتی ہے اس کے لیے غسل کو فرض فرمایا کیونکہ ظاہری صفائی اور اعصاب کی افسردگی اور طبیعت کی درماندگی کا اس سے بہتر اور آسان کوئی علاج نہیں۔ اس پر بھی پانی نہ ملے یا پانی کے استعمال سے بیماری کے بڑھنے کا خدشہ ہو تو تیمّم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناتوان بندوں کے لیے رعایت پر رعایت، آسانی پر آسانی کو ہر حکم میں پیش نظر رکھا ہے۔ فقہاء کرام نے اس آیت کریمہ سے جتنے مزید قواعد اور جزئیات کا استنباط فرمایا ہے وہ فقہ اسلامی کے نکتہ دانوں سے مخفی نہیں۔

۳۱ احکام اسلامیہ کی اصلی روح تو عبادت ہے یعنی ہم ان کو اس لیے بجالاتے ہیں کہ یہ احکام خداوندی ہیں اور خداوند عالم کے ہر حکم کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔ لیکن قرآنِ کریم جا بجا ان کے ظاہری فوائد اور روحانی منافع کو بیان فرما کر اس طرف بھی ہماری توجہ مبذول کرا دیتا ہے کہ ان احکام میں سراسر تمہاری بہبودی اور بہتری کو مدّنظر رکھا گیا ہے۔ یہاں بھی اشارہ فرما دیا کہ وضو اور غسل و تیمّم سے مقصود تمہاری پاکیزگی اور طہارت ہے۔ اسلام نے روحانی طہارت کے لیے جسمانی پاکیزگی کو جتنا ضروری قرار دیا ہے وہ ظاہر ہے یہ الگ بات ہے کہ آج ہمارے صوفی اور امام گندگی میں اپنی مثال آپ ہیں۔

اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ

یاد رکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے وعدہ کو جو اُس نے پختہ لیا تھا تم سے ۳۲

اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

جب کہا تھا تم نے ہم نے سُن لیا اور مان لیا اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالےٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں

الصُّدُوْرِ ۝۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ

میں ہے اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے

بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ

انصاف کے ساتھ ۳۳ اور ہرگز نہ اُکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو

۳۲ ہر مسلمان جب دین اسلام کو قبول کرتا ہے تو وہ پہلے اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔ اور اسلام کی سربلندی کے لیے کسی جانی اور مالی قربانی سے دریغ نہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو یاد کرا رہے ہیں کہ دیکھو ہم نے تم پر کتنا احسان فرمایا۔ تمہیں ہدایت کا راستہ دکھایا اور اس پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ اِس نعمت کو اور کامل اطاعت کے وعدہ کو ہمیشہ یاد رکھو۔ اور اِس یقین کو پختہ سے پختہ تر کرتے رہو کہ تمہاری کوئی بات تمہارے ہمہ بیں اور ہمہ داں رب سے پوشیدہ نہیں۔

۳۳ بعینہٖ یہی الفاظ سورۃ النساء میں گزر چکے ہیں اور ان کی لغوی تحقیق وہاں ملاحظہ فرمالی جائے (سورۃ النساء آیت 135) اس کے دوبارہ نزول کی وجہ یہ ہے کہ مکّہ فتح ہونے والا ہے۔ مسلمانوں کے جان و ایمان کے نہایت ظالم اور بے رحم دشمن ان کے سامنے پیش ہونے والے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اِسلام کے علم بردار جوشِ غضب میں ان پر زیادتی کرنے لگیں۔ اِس لیے اُنہیں وقت سے پہلے ہی تنبیہ فرمادی کہ احکام الٰہی کی اطاعت میں تساہل نہ برتیں۔ بلکہ قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ یعنی اللہ کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے مضبوطی سے کھڑے رہنے والے بن جائیں۔ کفّار مسلمانوں کے شہیدوں کے ناک کان کاٹ کر مثلہ کر دیا کرتے تھے۔ مسلمان عورتوں اور بچوں کے قتل سے بھی نہیں شرماتے تھے (1)۔ مسلمانوں کو ایسی تمام باتوں سے روک دیا گیا۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 142

اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ

عدل کیا کرو ۳۴ یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے ۳۵ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

جو کچھ تم کرتے ہو وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

کہ ان کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ

وُہی لوگ دوزخی ہیں اَے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ

نعمت جو تم پر ہوئی ۳۶ جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمھاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا

۳۴ اب کیونکہ قوت و اقتدار مسلمانوں کے پاس آ رہا تھا اس لیے انہیں نہایت واضح طور پر حکم دیا کہ خبردار! کسی قیمت پر انصاف کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اور حق یہ ہے کہ کوئی قوم حکومت و سلطنت کے تخت کی مستحق اس وقت تک ہی رہتی ہے جب تک وہ صفتِ عدل سے متصف ہو۔ جس قوم نے ظلم پر کمر باندھ لی وہ آج نہیں تو کل ضرور اس نعمت سے محروم کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اسلامی مملکت کے بانیوں کو بھلا کیوں نہ واضح طور پر اور پُرزور طریقہ سے عدل کرنے کی ہدایت فرماتا۔

۳۵ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے بچنے کا قریبی راستہ یہ ہے کہ انسان عدل و انصاف کو اپنا شعار بنائے رکھے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جب کفار کے ساتھ عدل کرنے کا یہ تاکیدی حکم ہے تو مسلمانوں کے ساتھ عدل کرنے کی اہمیّت محتاجِ بیان نہیں۔(1)

۳۶ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ یہود بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے اور اُنہیں فرمایا کہ ہمارے ایک آدمی نے دو آدمیوں کو غلط فہمی سے قتل کر دیا ہے اُن کے وارث دیت کا مطالبہ کرتے ہیں اِس لیے تم لوگ حسب معاہدہ ان کی دِیت میں اپنا حصہ دو۔ انہوں نے کہا آپ بیٹھیں کچھ کھا پی لیں پھر تعمیل حکم کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بٹھا کر اُنہوں نے یہ سازش کی کہ دیوار

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 6، جز 11، ص 185

ع ۶ ۲

اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے ایمان والوں کو

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اور یقیناً لیا تھا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے

اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ

بارہ ۳۷ سردار اور فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز

وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ

اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور مدد کرتے رہے ان کی اور قرض دیتے رہے

کے اُوپر سے ایک بھاری پتھر لُڑھکا کر آپ کو شہید کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان کے ناپاک اِرادہ کی اِطلاع دے دی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اُٹھ کر تشریف لے گئے (1)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کا اِحسان قیامت تک آنے والے سب غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے۔ اِس لیے یہ آیت صرف صحابہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر مسلمان اس کا مخاطب ہے اور اِس نعمت عظمیٰ کا عملی اعتراف مسلمان کا فرضِ اوّلین ہے۔

۳۷ نقیب اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی قوم کے صحیح حالات سے پوری طرح باخبر ہو اور ان کی بہتری اور برتری کا ذِمہ دار ہو۔ اَلْقَائِمُ بِاُمُوْرِهِمُ الَّذِیْ یَنْقُبُ عَنْهَا وَعَنْ مَّصَالِحِهِمْ (قرطبی) (2) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ ہر قبیلہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ایک آدمی مقرر کیا جو اُن کے احوال پر آگاہ ہو اور ان کو اطاعتِ الٰہی کی ترغیب دیتا رہے۔ لیلۃ العقبہ میں جب مدینہ کے ستر مردوں اور دو عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر اِسلام کی بیعت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان میں سے بارہ آدمی منتخب فرمائے اور انہیں نقیب کا خطاب عطا فرمایا۔ عَزَّرْتُمْ تعزیر کا معنی ہے۔ اَلنُّصْرَةُ مَعَ التَّعْظِیْمِ (مفردات) (3) عزّت و اِحترام کی وجہ سے کسی کی اِمداد کرنا۔ مخلص اور جانباز کارکنوں کے لیے اِس آیت میں تین اِنعامات کا مژدہ جانفزا ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معیت ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ وہ اِنسان کتنا خوش بخت ہے جسے یہ سعادت نصیب ہو اور اس کی کامیابی کتنی یقینی ہے جس کے ہر کام میں اِمدادِ الٰہی شریک ہو۔ دوسری بشارت یہ دی گئی کہ بشری تقاضوں اور طبعی کمزوریوں کی وجہ سے جو غلطیاں اس سے سرزد ہو جاتی ہیں ان کا اثر اس کے دل سے اور ان کا ذِکر اس کے نامۂ اعمال سے محو کر دیا جاتا

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج6، ص93 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص112 3۔ مفردات راغب، ص564

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ

اللہ کو قرض حسن تو میں ضرور دُور کر دوں گا تم سے تمہارے گناہ اور میں داخل کروں گا تمہیں

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

تو یقیناً وُہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے تو بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے

لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ

اپنی رحمت سے انھیں دُور کر دیا اور کر دیا ان کے دِلوں کو سخت ۳۸ وُہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی اصلی

ہے۔ اور تیسری یہ کہ اس کی دائمی قرارگاہ جنت ہوگی جہاں بہار ہے خزاں نہیں۔ جہاں راحت وشادمانی ہے رنج وغم کا گزر نہیں۔ کسی مخلص کی حوصلہ افزائی کے لیے اس سے زیادہ موثر اور کیا چیز ہوسکتی ہے۔

۳۸ باسببیت کے لیے ہے اور مالفظاً زائد اور معناً کلام میں قوت وزور پیدا کرنے کے لیے ہے۔ لعنت کا معنی ہے درِ رحمت سے دور ہٹا دینا وَاللَّعْنُ الْاِبْعَادُ وَالطَّرْدُ مِنَ الرَّحْمَةِ(1)۔ اِس حقیقت کو قرآن نے بار بار واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر پھٹکار اور ذِلّت ورُسوائی کا عذاب بِلاوجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اِنسان کی اپنی کوتاہیاں اور نافرمانیاں اس کا سبب ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن جو سزا ملے گی وہ تو ملے گی لیکن مسلسل سرتابی اور پیہم نافرمانی کی سزا جو اس دنیا میں ہی ملتی ہے وہ بھی کچھ کم اہم نہیں۔ اس کی اچھی صلاحیتیں اور عمدہ قابلیتیں بے کار اور معطل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اِس حقیقت کو بار بار منکشف کرنے سے بنی اسرائیل کی تذلیل ہی مطلوب نہیں بلکہ حاملانِ قرآن کو عبرت دلانا بھی مقصود ہے کہ ایسا نہ ہو کہ شامتِ اعمال سے تم بھی اپنی صلاحیتیں ضائع کر بیٹھو۔ تمہارے کان بھی حق سننے سے بہرے ہو جائیں۔ تمہاری آنکھیں بھی ہدایت کی روشنی دیکھنے سے اندھی ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی مسلسل نافرمانیوں کے باعث درگاہِ رحمت سے دور ہٹا دیئے جاؤ اور تمہارے دل بھی ایسے سخت ہو جائیں کہ کوئی پند وموعظت اور کوئی سرزنش سودمند ثابت نہ ہو بلکہ قرآن جیسی دل ہلا دینے والی کتاب بھی تمہارے دلوں میں خوفِ الٰہی کا جذبہ پیدا نہ کر سکے۔ غور کیجئے کہیں خدانخواستہ ہم اِنفرادی اور اِجتماعی طور پر اس گرداب میں تو پھنسے ہوئے نہیں ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص115

مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

جگہوں سے ۳۹ اور انھوں نے بھلا دیا بڑا حصّہ ۴۰ جس کے ساتھ انھیں نصیحت کی گئی تھی اور ہمیشہ آپ آگاہ ہوتے

عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ

رہیں گے ان کی خیانت پر ۴۱ بجز چند آدمیوں کے ان سے ۴۲ تو معاف فرماتے رہیئے ان کو اور درگزر ۴۳ فرمایئے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى

بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو اور ان لوگوں سے جنھوں نے کہا ہم نصرانی ہیں ۴۴

۳۹ تحریف دو طرح کی ہوتی ہے۔۔ایک تو یہ کہ الفاظ میں ہی ردّ و بدل کر دیا۔اصل عبارت کچھ تھی اس کو بگاڑ کر رکھ دیا۔دوسری یہ کہ الفاظ میں تو قطع و بُرید نہ کی لیکن اس کا مفہوم غلط بیان کر دیا۔یہود اپنی آسمانی کتاب میں دونوں طرح کی تحریف سے باز نہیں آتے تھے۔

۴۰ حَظًّا کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے یعنی اپنی کتاب کا بہت اہم حِصّہ فراموش کر دیا(1)۔ان کے انبیاء نے حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا جو بار بار انہیں حکم دیا تھا انہوں نے اُسے بُھلا دیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف سے اُن کی کتابوں کے صفحات مزیّن تھے ان کو بھی فراموش کر دیا(2)۔

۴۱ خَآئِنَةٌ خیانت کے معنی میں مستعمل ہوا ہے اور لغت میں اسم فاعل بمعنی مصدر اِستعمال ہوتا رہتا ہے وَالْخَائِنَةُ الْخِيَانَةُ وَ هٰذَا جَائِزٌ فِي اللُّغَةِ (قرطبی)(3) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صفت ہو۔اور اس کا موصوف طائفۃ محذوف ہو۔مقصد یہ ہے کہ خیانت اور غدر ان کی پُرانی عادت ہے۔آپ کے ساتھ اُنہوں نے دُوستی کے جو معاہدے کیے ہوئے ہیں ان میں بھی وہ مخلص نہیں اور آپ ان کی غداری اور خیانت پر آگاہ ہوتے رہیں گے۔

۴۲ یعنی ان کا بیشتر حِصّہ تو خیانت سے باز نہیں آئے گا لیکن ان میں مخلصین کی ایسی جماعت بھی ہے جو سچے دل سے ایمان لے آئے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ۔

۴۳ یعنی وہ ستاتے رہیں آپ معاف کرتے رہیں۔وہ آپ کے خلاف خطرناک سازشوں کے جال بُنتے رہیں آپ نظر انداز کرتے رہیں۔وہ اپنا کام کریں اور اَے مجموعہ ہر خُوبی و دِلبری آپ اپنا کام کریں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک کو مکارم اخلاق کی کتنی بے نظیر تعلیم دی ہے۔اِسی لیے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ(4) یعنی میری تادیب و تربیت میرے رب نے فرمائی اور خوب فرمائی۔

۴۴ جس طرح یہود نے کامل اطاعت کا وعدہ کر کے توڑ دیا اسی طرح جنہوں نے اپنے نبی کی دعوت پر خوشی سے نَحْنُ اَنْصَارُ

1۔تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص144 2۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص116 3۔ایضاً

4۔المقاصد الحسنۃ، فی کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ از ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی، متوفی 902ھ، ص:73، حدیث:45۔کنز العمال، حدیث:31895، ج11، ص406، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ، بیروت

اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ ان سے بھی۔ سو اُنھوں نے بھی بھلا دیا بڑا حصّہ جس کے ساتھ انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھڑکا دی

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ

ان کے درمیان عداوت اور بغض (کی آگ) روزِ قیامت تک ۴۵ اور آگاہ کر دے گا انھیں

اللہِ کہہ کر دین الٰہی کی نُصرت وتائید کا پُرجوش وعدہ کیا تھا وہ بھی ثابت قدم نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے بجائے تثلیث کے من گھڑت عقیدہ کو اپنا لیا۔ حضرت مسیح نے حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارت دی تھی اور آپ پر ایمان لانے کی بار بار دعوت دی تھی اسے بھی یکسر فراموش کر دیا۔ حضرت مسیح دنیا سے رُخصت ہونے سے پہلے اپنے شاگردوں کو تسلّی دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''اگر تم مجھ سے محبّت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے''۔ (یوحنا 16:14)(1)

اب یہ ابد تک ساتھ رہنے والا مددگار بجز خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کون ہے؟ اسی کی تاکید ایک بار پھر حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ملاحظہ ہو:

''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (وکیل یا شفیع) تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا''۔ (یوحنا 16:8,7)(2)

''لیکن جب وہ یعنی سچائی کا رُوح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اِس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا (یوحنا 16:13)(3) انجیل کی یہ آیت تو اس آیت کا بالکل ترجمہ معلوم ہوتی ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (4)

۴۵ اغراء کہتے ہیں کسی چیز کو کسی پر چسپاں کرنا مسلّط کر دینا۔ اَلْاِغْرَاءُ بِالشَّيْءِ اَلْاِلْصَاقُ بِهٖ مِنْ جِهَةِ التَّسْلِيْطِ عَلَيْهِ (قرطبی) (5) یعنی جب انہوں نے ہدایت کی سیدھی راہ چھوڑ دی اور نفسانی خواہشات کی بھول بھلیوں میں پھنس گئے اور گمراہی کا اندھیرا چھا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی یک جہتی اور اتحاد ختم ہو گیا۔ باہمی محبّت و پیار کی جگہ بغض وعناد نے لے لی اور وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ ایک دین کے ماننے والے مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں بٹ گئے۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو کافر اور ملحد کہنے لگ گیا اور سیاسی طور پر ان کی رقابتوں نے انسانی خون کے دریا بہا دیئے۔ ان کے سیاسی اختلافات رقابتوں اور عداوتوں کی شدّت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت پیش کیا جائے کہ اس ترقی یافتہ دور میں بیس سال کی قلیل مدت میں انہوں نے

1۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، یوحنا، باب 14، آیت 16-15، ص:99
2۔ ایضاً، باب 17، آیت 7-8، ص 101
3۔ ایضاً، باب 16، آیت 13، ص 101
4۔ سورۃ النجم: 4-3
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 118

اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ

اللہ تعالیٰ جو کچھ وُہ کیا کرتے تھے اَے اہلِ کتاب! بے شک آگیا ہے تمہارے پاس

رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

ہمارا رسُول ۴۶ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں جنہیں تم چھپایا کرتے تھے کتاب سے

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ۴۷ ایک کتاب ظاہر کرنے والی

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ

دکھاتا ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انہیں جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی سلامتی کی راہیں ۴۸ اور نکالتا ہے انہیں

ساری دنیا کو دو عالمی جنگوں میں جھونک دیا۔ کروڑوں کی تعداد میں لوگ مارے گئے۔ آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہوگئیں۔

۴۶ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور علم کامل کی دلیل ہے۔ باوجود امّی ہونے کے آپ تورات اور انجیل کے ایسے مسائل اور احکام ظاہر فرما دیتے جنہیں علماء یہود و نصاریٰ ہمیشہ سے چھپائے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا رسول تمہاری ساری چھپی ہوئی باتوں کو ظاہر نہیں فرماتا بلکہ صرف اُنہیں اُمور کا ذِکر کرتا ہے جن کے اظہار میں کوئی دینی فائدہ یا مصلحت عامہ ہو ویسے تمہاری دوسری خباثتیں جن کے اِظہار سے بجز تمہیں رُسوا کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں اُن سے اغماض فرماتا ہے۔

۴۷ اِمام المفسرین ابن جریر لکھتے ہیں۔ يَعْنِيْ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الَّذِيْ اَنَارَ اللّٰهُ بِهِ الْحَقَّ وَاَظْهَرَ بِهِ الْاِسْلَامَ وَمَحَقَ بِهِ الشِّرْكَ فَهُوَ نُوْرٌ لِّمَنِ اسْتَنَارَ بِهٖ (تفسیر ابن جریر)(1) یعنی نور سے مراد یہاں ذات پاک محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کر دیا۔ اِسلام کو ظاہر فرمایا شرک کو نیست و نابود کیا۔ حضور نور ہیں مگر اس کے لیے جو اس نور سے دل کی آنکھوں کو روشن کرنا چاہے۔ اللہ تعالیٰ اس نورِ مجسّم کی تابانیوں اور درخشانیوں سے ہمارے آئینۂ دل کو منور فرمائے اور اپنے محبوب کی غلامی اور محبّت کی سعادت سے بہرہ اندوز فرمائے آمین۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو نور فرما رہا ہے تو کسی کو کیا اِعتراض؟ کتابِ مبین سے مراد قرآنِ مجید ہے۔ یہ کہنا کہ ''نور'' سے بھی قرآن کریم مراد ہے درست نہیں کیونکہ واؤ عاطفہ تغایر پر دلالت کرتی ہے۔

۴۸ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سے اخلاصِ نیت کی اہمیت کو واضح فرمایا یعنی نورِ محمدی اور کتابِ مبین سے اللہ تعالیٰ اُنہیں کی دستگیری اور

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج6، ص104

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ

تاریکیوں سے ۴۹ اُجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دِکھاتا ہے انھیں راہِ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ

راست یقیناً کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن

رہنمائی فرماتا ہے جن کے دلوں میں اس کی رضا کی سچی طلب ہو۔ ''سبل السلام'' کا معنی اکثر علماء نے ''سلامتی کے راستے'' ہی بتایا ہے جن پر چلنے سے انسان دنیا و آخرت میں ناکامی سے بچ جاتا ہے اور لغزش اور بھٹک جانے کا خطرہ نہیں رہتا۔ لیکن صراط مستقیم جس کا ذکر آیت کے آخر میں آرہا ہے وہ بھی تو سلامتی کا راستہ ہی ہے ایک چیز کو مکرّر ذِکر کرنے کا کیا فائدہ۔ اس لیے مجھے تو سبل السلام کا وہی معنی زیادہ پسند ہے جو قرطبی نے اِمام حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ السَّلْمُ: اللہ عزوجل (1) اور علامہ بیضاوی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اَوْ سُبُلَ اللّٰهِ (بیضاوی) (2) یعنی معرفتِ الٰہی کے وہ خاص راستے جن پر چلنے سے قربِ حق نصیب ہوتا ہے اور دوری کے حجاب اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ جو اپنے دل سے تمام خواہشات کو باہر نکال پھینکتا ہے اور اخلاصِ نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے شب و روز تڑپتا رہتا ہے تو آفتاب محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شعاعیں اس کے لیے ان راہوں کو منور و روشن کر دیتی ہیں جن پر چلنے سے اسے قربِ حق نصیب ہوتا ہے اور دوری کے حجاب اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اولیائے کاملین جن کو اس کا ذاتی تجربہ ہے اُن سے پوچھو وہ تمہیں بتائیں گے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی کے بغیر اللہ تک پہنچانے والی راہ کا سراغ نہیں ملتا۔ لفظ السلام سے مقصود اگر وُہی ہو جو حسن بصری کا خیال ہے تو پھر سبل السلام اگرچہ سالک کی آخری منزل ہے لیکن اسے سب سے پہلے اس لیے ذِکر کیا تاکہ سالک کی آرزوؤں کا کعبہ اور امیدوں کا قبلہ ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہے اور اس سے کم درجہ پر قناعت نہ اِختیار کرے۔

۴۹ تاریکیاں اور اندھیرے کئی قسم کے ہیں۔ شرک و کُفر کا اندھیرا، گناہ و سرکشی کا اندھیرا، نفس پرستی اور بدعت کی تاریکی، غفلت اور سستی کی ظلمت اس لیے ظلمات جمع کا لفظ ذکر کیا۔ لیکن نور صرف ایک ہی ہے اس لیے واحد کا لفظ ہی اِستعمال فرمایا۔ صراطِ مستقیم یعنی شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی برکت سے اِنسان مختلف قسم کے اندھیروں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں آتا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 118 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 144

مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ

مریم ہی ہے ۵۰ (اے حبیبؐ!) آپ فرمائیے کون قدرت رکھتا ہے ۵۱ اللہ کے حکم میں سے کوئی چیز روک دے (یعنی) اگر وہ ارادہ فرمائے کہ ہلاک

الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ

کردے مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو کوئی بھی زمین میں ہے سب کو (تو اسے کون روک سکتا ہے) اور اللہ

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے ۵۲ اور اللہ تعالیٰ

عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ

ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۷﴾ اور کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم

۵۰ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث پر مفصّل بحث سورۃ النساء میں گزر چکی ہے۔ تثلیث کے عنوان پر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی یہ عبارت مختصر بھی ہے اور جامع بھی۔

"The christian doctrine of the trinity can be best expressed in the words, the father is God. The son is God and the holy ghost is God, and yet they are not three Gods but one God" Ency Brittanica 479 volume 22(1)

''مسیحیت کے عقیدۂ تثلیث کو نہایت عمدگی سے اِس طرح بیان کیا جا سکتا ہے: باپ بھی خدا ہے بیٹا بھی خدا ہے اور رُوح القدس بھی خدا ہے۔ بایں ہمہ وہ تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے''۔ یہ معمّہ نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

۵۱ یہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الٰہ (خدا) ہونے کے عقیدہ کا بطلان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے کہ اگر وہ حضرت مسیح علیہ السلام، اُن کی والدہ بلکہ سب مخلوق کو آنِ واحد میں موت کی نیند سلانا چاہے تو کوئی دم نہ مار سکے۔ حضرت مسیح علیہ السلام تو اپنی والدہ کی جان نہ بچا سکے اور جب ان کا مقررہ وقت آئے گا تو وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے موت کے پیغام کو قبول کر لیں گے۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں یَمْلِكُ کا معنی قدرت رکھنا ہے یَمْلِكُ بِمَعْنٰى يَقْدِرُ مِنْ قَوْلِهِمْ مَلَكْتُ عَلٰى فُلَانٍ اَمْرَهٗ اَيِ اقْتَدَرْتُ عَلَيْهِ (قرطبی)(2)

۵۲ ماں باپ کے ذریعے، ماں باپ دونوں کے بغیر اور باپ کے بغیر۔ یہ سب اُسی کی قدرتِ بے پایاں کی اعجاز نمائیاں ہیں۔

1۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج22، ص479 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص119

اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ

اللہ کے بیٹے ہیں ۵۳؎ اور اس کے پیارے ہیں آپ فرمائیے (اگر تم سچے ہو) تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمھیں تمھارے گناہوں پر بلکہ ۵۴؎ تم

بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ

بشر ہو اُس کی مخلوق سے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لیے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ

اے اہل کتاب! بے شک آگیا ہے تمھارے پاس ہمارا رسول صاف بیان کرتا ہے تمھارے لیے (احکامِ الٰہی) بعد

کوئی چیز اس کے لیے مشکل نہیں۔ کوئی صورت اس کے لیے دُشوار نہیں۔

۵۳؎ عربی میں بیٹے کے لیے عام طور پر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ولد اور ابن۔ لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ ولد تو صرف اس لڑکے کو کہتے ہیں جو صلب سے پیدا ہوا ہو اور ابن صلبی بیٹے کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے اور جس چیز کا کسی کے ساتھ خصوصی تعلق ہو اس کو بھی اِبن کہہ دیتے ہیں جیسے مسافر کو ابن السبیل اور جنگجو کو ابن الحرب وغیرہ۔ یہود اور عیسائی اس معنی میں اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ اس کی صلبی اولاد ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اس کے مقرّب اور لاڈلے ہیں اور ان پر اللہ کی رحمت و شفقت اِس طرح ہے جیسے باپ کی بچوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اِمام رازی فرماتے ہیں۔ اِنَّ لَفْظَ الْاِبْنِ كَمَا يُطْلَقُ عَلَى ابْنِ الصُّلْبِ فَقَدْ يُطْلَقُ اَيْضًا عَلٰى مَنْ يُّتَّخَذُ ابْنًا بِمَعْنٰى تَخْصِيْصِهٖ بِمَزِيْدِ الشَّفْقَةِ وَالْمَحَبَّةِ فَالْقَوْمُ اِدَّعَوْا اَنَّ عِنَايَةَ اللّٰهِ بِهِمْ اَشَدُّ وَاَكْمَلُ مِنْ عِنَايَةِ بِكُلِّ مَا سِوَاهُمْ (کبیر)(1) یہود و نصاریٰ کو جب اسلام کی دعوت دی جاتی تو وہ از راہِ غرور کہا کرتے ہمیں اس دین کو قبول کرنے اور اس کے نبی پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہم تو اللہ کے چہیتے اور محبوب ہیں۔ ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ یہ کہہ کر فرما دیا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تم پر عذاب الٰہی کے بادل کیوں ہر وقت منڈلایا کرتے ہیں۔ کبھی دوستوں اور پیاروں کو بھی یوں ذلیل و رُسوا کیا جاتا ہے جیسے تمھیں کیا جا رہا ہے۔

۵۴؎ فرما دیا کہ تم بھی دوسرے اِنسانوں کی طرح اِنسان ہو۔ رحمت اور عذاب کا جو قاعدہ ان کے لیے مقرر ہے وُہی تم پر بھی کار فرما ہے۔ جو ایمان و اخلاص سے اپنے آپ کو اس کی مغفرت کا اہل ثابت کرے گا وہ بخشا جائے گا۔ اور جو اپنی برتری کے نشہ میں

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 6، جز 11، ص 97-196

مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ

اس کے کہ ۵۵ رسولوں کا آنا مدّتوں بند رہا تھا تاکہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا تھا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

اب تو آگیا ہے تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے

قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ ع ۳ ۴۸

والا ہے اور جب کہا موسیٰ (علیہ السّلام) نے ۵۶ اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان

عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ

جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران ۵۷ اور عطا فرمایا تمہیں

مست رہا اور خاتم الانبیاء کی اطاعت اِختیار نہ کی وہ پکڑا جائے گا۔

۵۵ جب کوئی چیز چلتے چلتے رُک جائے تو کہتے ہیں فَتَرَ الشَّیْءُ اور اگر کوئی کام پہلے بڑی سرگرمی سے ہو رہا ہو اور پھر وہ بند ہو جائے تو اس کے لیے بھی فتر کا لفظ اِستعمال ہوتا ہے۔ دو نبیوں کے درمیانی زمانہ کو فترۃ کہا جاتا ہے (1) اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور قدسی 570ء اور اعلانِ نبوت 610ء میں ہوا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درمیانی عرصہ چھ سو سال کے قریب ہوا۔ اہلِ کتاب کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ نبی تشریف فرما ہو گیا جس کا تمہیں انتظار تھا۔ اب اگر اس کی اطاعت نہ کرو اور اس پر اِیمان لا کر اپنی نجات کا سامان نہ کرو تو تمہاری مرضی۔ کل تمہارا یہ عذر نہ سُنا جائے گا کہ اَے ربّ! ہم کیا کرتے ہمیں تو راہ دکھانے والا کوئی آیا ہی نہیں۔

۵۶ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا رہے ہیں کہ ان کی یہ ضد اور ہٹ دھرمی اور کج بحثی صرف آپ کے ساتھ مخصوص نہیں یہ اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی یونہی پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ان کی تاریخ قدیم کا ایک اہم واقعہ بیان فرمایا۔

۵۷ یہاں ملک کا لفظ بادشاہ کے معنی میں مستعمل نہیں ہوا بلکہ آزاد اور خود مختار کے معنی میں مذکور ہوا ہے۔ مقصد انہیں یہ جتانا ہے کہ پہلے تم فرعون کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اب وہ کاٹ دی گئیں اور تمہیں آزادی اور حریت کی نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا۔ مفسرین کرام ابن جریر، رازی، قرطبی وغیرہم نے اِسی معنی کو پسند فرمایا ہے۔ قرطبی کے الفاظ ہیں۔ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا اَیْ تَمْلِكُوْنَ اَمْرَكُمْ لَا یَغْلِبُكُمْ عَلَیْهِ غَالِبٌ بَعْدَ اَنْ كُنْتُمْ مَمْلُوْكِیْنَ لِفِرْعَوْنَ مَقْهُوْرِیْنَ (2)۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 121-22 2۔ ایضاً، جز 6، ص 123

مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ

جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں ۵۸ اے میری قوم! داخل ہو جاؤ اس پاک

الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ

زمین میں ۵۹ جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ پیچھے ہٹو پیٹھ پھیرتے ہوئے

حضرت زید بن اسلم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی روایت فرمایا ہے جس کے پاس رہنے کے لیے گھر اور خدمت کے لیے خادم ہو وہ ملک ہے۔ (ابن جریر)(1)

۵۸ عقیدۂ توحید، نبوت، حریت و آزادی، حکومت یہ ساری نعمتیں ایسی تھیں جو اس زمانہ میں بنی اِسرائیل کے سوا کسی اور قوم کو نصیب نہیں تھیں۔

۵۹ اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اِسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے ہجرت کی اور سمندر کو بخیریت عبور کر لیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ تو آپ وادیٔ سینا میں فروکش ہو گئے۔ ایک سال وہیں قیام فرمایا اسی اثنا میں آپ کو تورات عطا ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے اپنی قوم کو اپنے آبائی وطن شام کی طرف جانے کے لیے آمادہ کیا۔ چنانچہ وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بارہ نقیب روانہ کیے جو چالیس روز تک وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے۔ جب واپس آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اُنہیں فرمایا کہ قوم کے سامنے برملا ایسی کوئی بات نہ کہنا جس سے اُن کے حوصلے پست ہوں۔ لیکن بارہ میں سے دس نے تو وہاں کے لوگوں کی قوت و جبروت، ان کے قد و قامت، ان کے قلعوں کی مضبوطی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ بنی اِسرائیل چلّا اُٹھے۔ اور انتہائی بے باکی سے اپنے پیغمبر کو کہہ دیا کہ ہم ایسی جابر قوم سے ٹکر لے کر اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو بیوہ کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ آپ اور آپ کا خدا پہلے ان سے جا کر لڑیں۔ ان سے ملک کو پاک کریں تو پھر ہم اپنے آبائی وطن کا رُخ کریں گے۔ اُنہوں نے کہا ہم شام کی زرخیز زمینوں، ٹھنڈے پانی کے اُبلتے ہوئے چشموں اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات اور وہاں کی عزّت کی زندگی سے باز آئے۔ ہم تو واپس مصر جاتے ہیں۔ وہاں اگرچہ غلامی کی ذِلّت ہے لیکن موت کا تو اندیشہ نہیں۔ دوسرے دو نقیبوں حضرت یوشع بن نون اور کالب نے بہت سمجھایا کہ نامرد نہ بنو، ذرا ہمت کر کے دشمن پر حملہ تو کرو پھر دیکھو نصرتِ الٰہی کس طرح تمہارے دشمنوں کو کچل کر رکھ دیتی ہے۔ لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ چنانچہ اُن کی اس بُزدلی اور پیغمبر کی نافرمانی کی وجہ سے اس ملک کا داخلہ ان پر بند کر دیا گیا۔ چالیس برس تک مختلف بیابانوں اور صحراؤں کی خاک چھانتے پھرے جب اِس مدّت میں غلامی کی گود میں پلے ہوئے اِسرائیلی لقمۂ اجل بن گئے اور آزادی کی فضا میں پیدا ہونے والے بچے پروان چڑھے تو انہوں نے شام پر حملہ کر کے اسے فتح کیا(2)۔ اس سے ہمیں بھی یہ حقیقت بتا دی گئی کہ آزادی کی نعمت اسی قوم کو عطا فرمائی جاتی ہے جو اس کے لیے سر دھڑ کی

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، جز6، ص109 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص125-26

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ

ورنہ تم لوٹو گے نقصان اُٹھاتے ہوئے کہنے لگے اَے موسیٰؑ! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا

اور ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں جب تک وُہ نکل نہ جائیں وہاں سے اور اگر وُہ نکل جائیں اس سے

فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے (اس وقت) کہا دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے انعام فرمایا تھا اللہ نے

عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ

جن پر کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً تم

غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا

غالب آجاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایمان دار کہنے لگے

يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ

اَے موسیٰؑ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وُہ وہاں ہیں پس جاؤ تم

وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ

اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے موسیٰؑ نے عرض کی اَے میرے ربّ! میں مالک نہیں ہوں

اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

بجز اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے پس جُدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان

بازی لگانے کے لیے تیار ہو۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى

اللہ نے فرمایا تو یہ سرزمین حرام کر دی گئی ہے ان پر چالیس سال تک سرگرداں پھریں گے زمین

الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ ع ۸

میں سو نہ غمگین ہوں آپ اِس نافرمان قوم (کے انجام) پر اور آپ پڑھ سُنایئے انہیں ۶۰

نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا

خبر دو فرزندانِ آدم کی ٹھیک ٹھیک جب دونوں نے قربانی دی ۶۱ تو قبول کی گئی ایک سے

وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ

اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے (اس دوسرے نے) کہا قسم ہے میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ (پہلے نے) کہا (تو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے)

ع ۸ وقف لازم

۶۰ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واضح دلیلیں اور روشن معجزات دیکھ کر بھی یہود ہدایت قبول کرنے سے انکار کر دیا کرتے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رنج ہوتا۔ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ سنا کر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتاتے ہیں کہ جیسے قابیل نے محض حسد کی بنا پر اپنے بے گناہ اور پاک باز بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ یہ بھی اسی حسد کے شکار ہیں۔ انہیں رنج یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے کسی کو کیوں نبی بنا کر بھیجا گیا صرف اِس لیے یہ لوگ آپ کی اور آپ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔ قابیل اپنے بھائی ہابیل سے کیوں حسد کرتا تھا۔ اس کے جواب میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن کوئی یقینی چیز نہیں جسے پیش کرتے وقت دل میں خلش محسوس نہ ہو۔ اس لیے اس سے قطع نظر کر کے صرف وہی کچھ عرض کرنا عبرت پذیری کے لیے کافی ہے جو قرآن حکیم نے بتایا ہے۔ بالحق کے لفظ نے یہ واضح کر دیا کہ یہ قصہ محض تفریح طبع اور دل بہلانے کے لیے نہیں سنایا جا رہا ہے۔ سچ مچ بے کم و کاست سنایا جا رہا ہے۔ تاکہ حق واضح ہو اور نصیحت حاصل ہو۔

۶۱ قربان سے مراد کوئی جانور نہیں جو ذبح کیا گیا ہو بلکہ محض نذرِ خداوندی مراد ہے۔ خواہ وہ جنس کی شکل میں ہو یا کسی جانور کی قربانی کی صورت میں۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں (قابیل اور ہابیل) نے بارگاہِ رب العزت میں نذرانہ عبودیت پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک (ہابیل) کی قربانی کو شرفِ قبول بخشا اور دوسرے (قابیل) کا نذرانہ نامنظور فرمایا۔ قابیل حسد کے مارے تڑپ اُٹھا اور اس میں اپنی تحقیر اور تذلیل سمجھی کہ اس کی قربانی منظور ہو گئی اور میری مسترد کر دی گئی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ ہابیل! میں اِس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اب تیری جان لیے بغیر مجھے تسکین نہیں ہو سکتی۔

اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ

قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیزگاروں سے ۶۲ تو اگر تو بڑھائے ۶۳ میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے (جب بھی)

اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

میں نہیں بڑھانے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ میں قتل کروں تجھے میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو مالک ہے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ

سارے جہانوں کا میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھالے میرا گناہ ۶۴ اور اپنا گناہ تاکہ تو ہو جائے

۶۲ ہابیل نے قابیل کی دھمکی کا جواب دیا کہ بھائی اِس میں میری کیا خطا ہے۔ اللہ کے ہاں تو اسی کا نذرانہ قبول کیا جاتا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو۔ گویا ہابیل نے اُسے بتادیا کہ اگر تم اپنی سابقہ زندگی میں اپنے رب کے نافرمان اور سرکش بنے رہے ہو جس کے باعث تمہیں یہ دن دیکھنا پڑا تو اب گزشتہ کرتوتوں پر اشکِ ندامت بہاؤ اور سچے دل سے توبہ کرلو اور آئندہ تقویٰ کی راہ پر گامزن رہو۔ رحمتِ خداوندی تمہاری قربانی بھی قبول کرلے گی۔ لیکن اِنسان کی یہ دیرینہ عادت ہے کہ وہ ایک غلطی پر دوسری شدید غلطی سے پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ ایک گناہ کو چھپانے کے لیے اس سے بھی سنگین گناہ کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ قابیل کے لیے آسان اور سلامتی کا راستہ تو وہی تھا جس کی طرف اس کے بھائی نے اس کی رہنمائی کی تھی۔ لیکن وہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔

۶۳ ہابیل نے جب دیکھا کہ قابیل میرے قتل کا عزم کرچکا ہے اور کسی طرح باز نہیں آتا تو اس نے کہا قابیل! اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے دست درازی کرو گے تو بھی میں تمہیں قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قابیل جب قتل کرنے آیا ہابیل مظلوم اور بے بس بھیڑ کی طرح سر جھکا کر کھڑے ہوگئے اور اپنی حفاظت کے لیے کچھ نہ کیا۔ نہیں بلکہ ہابیل کا یہ مقصد ہے کہ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ تم میرے قتل کرنے پر تلے ہوئے ہو پھر بھی میں پہل نہیں کروں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی معنی مروی ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّ الْمَعْنٰى فِي الْاٰيَةِ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ عَلٰى سَبِيْلِ الظُّلْمِ وَالِابْتِدَاءِ لِتَقْتُلَنِيْ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ عَلٰى وَجْهِ الظُّلْمِ وَالِابْتِدَاءِ (روح المعانی)(1) شریعت میں اپنے بچاؤ کے لیے حملہ آور کا مقابلہ کرنا واجب ہے۔ وَالْاَصَحُّ وُجُوْبُ ذٰلِكَ لِمَا فِيْهِ مِنَ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ (قرطبی)(2) یعنی صحیح بات یہ ہے کہ اپنا بچاؤ اور دفاع فرض ہے کیونکہ نہی عن المنکر کے حکم کی تعمیل کی یہی صورت ہے۔

۶۴ باثمی کا معنی ہے بِاِثْمِ قَتْلِيْ (3) یعنی جو گناہ تو نے پہلے کیے ہیں ان کا بار تو تیرے سر پر ہے ہی اب میرے خونِ ناحق کا گناہ بھی تیرے سر پر لادا جائے گا۔ اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ قیامت کے دن ظالم اور مظلوم جب بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج6، ص112 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص136 3۔ ایضاً، جز6، ص137

اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ

دوزخیوں سے اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی پس آسان بنا دیا اس کے لیے ۶۵

قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ

اُس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل سو قتل کر دیا اُسے اور ہو گیا سخت نقصان اُٹھانے والوں سے پھر بھیجا اللہ نے

غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ

ایک کوّا کھودتا تھا زمین کو تاکہ دکھائے اُسے کہ کس طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی

قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ

کہنے لگا ہائے افسوس! ۶۶ کیا قاصر رہا میں کہ ہوتا اِس کوّے کی مانند تو چھپا دیتا

گے تو اللہ تعالیٰ مظلوم کی دادرسی کے لیے ظالم کی نیکیاں مظلوم کو عطا فرمائیں گے اور اگر اس سے بھی دادرسی میں کسر رہ جائے گی تو مظلوم کے گناہ ظالم پر لاد دیئے جائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ باشمی سے اِس بات کی طرف اِشارہ ہو۔

۶۵ طوّع کا معنی ہے آسان بنا دینا (قرطبی) (1) سگے بھائی کا قتل کوئی آسان بات نہ تھی۔ جب قابیل کو اس کا پہلے خیال آیا ہوگا تو بھائی کی محبت، اس کی نیکی اور پاکیزگی، باپ کی ناراضگی اور اللہ کا غضب یہ سب چیزیں راستہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہوگئی ہوں گی۔ نہ معلوم قتل کرنے کی خواہش میں اور ان عوامل میں کتنی دیر کشمکش جاری رہی ہوگی۔ لیکن آخر حسد کا جذبہ غالب آ گیا اور اس نے بھائی کے قتل کو عین مصلحت بنا کر پیش کیا۔ اور قابیل اس کو خوشی سے کرنے پر آمادہ ہو گیا پہلے جس کے تصوّر سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہوں گے۔ ہر مجرم جُرم کرنے سے پہلے ایسی کشمکش سے دوچار ہوتا ہے۔ اگر نیکی کی قوت غالب آ گئی تو جُرم کرنے سے باز آ گیا اور گناہ سے بچ گیا۔ اور اگر خدانخواستہ شر کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر حضرت اِنسان بایں جبہ و دستار بہمہ عِلم و فراست چاروں شانے چِت زمین پر آ گرتا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اس موقع پر شیطان زوردار قہقہہ لگا کر نعرہ بلند کرتا ہو مسجودِ ملائکہ زندہ باد!

۶۶ اصل میں یٰوَیْلَتِیْ ہے (2) لیکن ندا کے وقت یا کو الف سے بدل دیا اور اس کے ماقبل کو فتحہ دے دیا۔ ویل کا معنی ہلاکت ہے۔ جب انسان ہلاک ہونے لگے تو اس وقت کہا جاتا ہے یٰوَیْلَتٰی ہائے میں برباد ہو گیا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 138 2۔ ایضاً، جز 6، ص 145

سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ؕ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ ۚۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ

لاش اپنے بھائی کی ۶۷ غرض وُہ ہو گیا سخت پچھتانے والوں سے اِسی وجہ سے ۶۸

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ

(حکم) لکھ دیا ہم نے بنی اِسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی اِنسان کو ۶۹ سوائے قصاص کے

اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا

اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام اِنسانوں کو اور جس نے بچا لیا

فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ۫

کِسی جان کو تو گویا بچایا اس نے تمام لوگوں کو اور بے شک آئے ۷۰ ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ

۶۷ سَوْءَۃَ۔ شرمگاہ۔ چھپانے کی چیز (1) یعنی لاش۔ کہتے ہیں کہ ہابیل پہلا شخص ہے جس نے موت کا جام پیا۔ اِس لیے قابیل حیران ہو گیا کہ میں اب اس کی لاش کو کدھر کروں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کے ذریعے اس کو دفن کرنے کا طریقہ سکھایا۔

۶۸ یعنی جب قابیل نے اپنے بے گناہ بھائی کو جان سے مار کر قتل کا بند دروازہ کھول دیا اور ایک خطرناک رسم کی اِبتداء کر دی اور اب دوسرے لوگ بھی قتل کرنے لگے اور فتنہ وفساد کا بازار گرم ہو گیا تو بنی اسرائیل پر جو کتاب نازل ہوئی اس میں اس کی صراحۃً ممانعت کر دی گئی۔

۶۹ یہ تو ظاہر ہے کہ ایک شخص کے قتل سے زیادہ آدمیوں کا قتل زیادہ سنگین ہے اور اس کا گناہ بہت زیادہ ہے تو پھر اِس کا مطلب کیا کہ جس نے ایک آدمی کو قتل کیا اس نے گویا تمام اِنسانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ علامہ بیضاوی اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ جس نے ایک بے گناہ کو مار ڈالا اُس نے خونِ اِنسانی کی بے حرمتی اور توہین کی نیز اس نے قتل کی رسم کا از سرِ نو آغاز کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اِس جرم کے اِرتکاب کی جرأت دلائی۔ مِنْ حَیْثُ اِنَّهٗ هَتَكَ حُرْمَةَ الدِّمَاءِ وَسَنَّ الْقَتْلَ وَجَرَّأَ النَّاسَ عَلَیْهِ (بیضاوی) (2)

۷۰ تورات میں انہیں قتل ناحق سے باز رکھنے کے لیے احکام قطعیہ نازل ہوئے۔ ان کو یہ احکام یاد دلانے کے لیے ایسے رسولوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا جن کے معجزات دیکھ کر ان کی صداقت کا انہیں اِعتراف کرنا پڑا۔ لیکن ان کی مسخ شدہ فِطرت اور بگڑے ہوئے مزاج کی اِصلاح نہ ہوئی۔ یہ برابر آمادۂ قتل وفساد رہے۔ جن پیغمبروں پر وہ اِیمان لا چکے تھے ان کو بھی تختہ دار پر لٹکانے اور ان کے سر پر آرہ چلانے سے باز نہ آئے۔ تو اُن سے یہ توقع کیونکر ہو سکتی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت رسانی

1۔ المنجد فی اللغۃ، ص 361 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 148

ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا

پھر بھی بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد بھی زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں بلا شبہ

جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ

سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں ۷۱ اللہ سے اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں ۷۲ زمین میں

فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انھیں (چُن چُن کر) قتل کیا جائے یا سُولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں

مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا

مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیئے جائیں ۷۳ یہ تو ان کے لیے رُسوائی ہے دُنیا میں

اور آپ کے خلاف ناپاک سازشیں کرنے سے باز آئیں گے۔

۷۱ مملکت اِسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں امن قائم کرنے، راستوں کو محفوظ بنانے اور فتنہ وفساد کی جڑ کاٹنے کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے۔ جو اس حکم کی خلاف ورزی کر کے قتل وغارت اور لُوٹ مار کا بازار گرم کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہا ہے اس لیے قرآنِ کریم نے مملکت اِسلامیہ کے کسی باشندے پر خواہ وہ مسلمان ہو یا ذِمّی دست درازی کرنے کو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

۷۲ واؤ تفسیر یہ ہے۔ پہلے جملہ میں جس محاربہ کا ذِکر ہوا اس کی وضاحت فرما دی۔

۷۳ محاربین جن کی سزائیں یہاں بیان کی گئی ہیں وہ کون ہیں؟ ان کے متعلق فقہائے کرام نے کہا ہے کہ جن میں یہ تین شرطیں پائی جائیں وہ محارب ہیں (۱) وہ بندُوق، تلوار، نیزہ وغیرہ ہتھیاروں سے مسلح ہوں (۱) (۲) آبادی سے باہر راستہ یا صحرا میں وہ رہزنی اور ڈاکہ کا ارتکاب کریں۔ لیکن اِمام شافعی، اوزاعی اور لیث رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہر میں ڈاکہ ڈالنے والے بھی محارب کہلائیں گے اور انہیں سزاؤں کے مستحق ہوں گے (۳) وہ چُھپ کر نہیں بلکہ برملا حملہ آور ہو کر لُوٹ مار کریں۔ ایسے لوگوں کے لیے قرآن نے چار سزائیں مقرر کی ہیں (۱) انہیں قتل کر دیا جائے باب تفعیل، تقتیل تشدید اور مبالغہ کے لیے ہے یعنی مقتول کے وارث اگر معاف بھی کر دیں تو بھی انہیں قتل کیا جائے گا کیونکہ مدعی حکومت ہے جو عوام کی نمائندہ ہے۔ یہ مقتول کے وارثوں کا نجی معاملہ نہیں رہا (۲) انہیں سولی دے دیا جائے (۳) اُن کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے (۴) یا انہیں قید کر دیا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص151

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ

اور ان کے لیے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے ۷۴ مگر وہ جنھوں نے توبہ کر لی ۷۵ اس سے پہلے

اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ ع ۹

کہ تم قابو پا لو ان پر (ان کو معاف کر دیا جائے گا) اور خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے اے ایمان والو!

جائے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ ان فقروں کے درمیان او (یا) کا کلمہ تخییر کے لیے ہے یعنی اِمامِ وقت کو اختیار ہے کہ اِن سزاؤں میں سے جو سزا مناسب سمجھے دے۔ وَهُوَ قَوْلُ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ وَمَالِكٍ وَّالنَّخَعِيِّ كُلِّهِمْ قَالَ الْاِمَامُ مُخَيَّرٌ فِي الْحُكْمِ عَلَى الْمُحَارِبِيْنَ وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (قرطبی) (1) لیکن جمہور علماء کا یہ خیال ہے کہ سزا جُرم کے مطابق ہوگی۔ جتنا جُرم سنگین ہوگا اتنی ہی سزا سخت ہوگی چنانچہ احناف نے اس کی تفصیل یُوں بیان کی ہے کہ اگر انہوں نے قتل کیا تو انہیں قتل کیا جائے گا اور مقتول کے وارثوں کے بخش دینے سے بھی معاف نہ ہوگا۔ اور اگر قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو پھر اُنہیں سُولی دے دیا جائے گا اور لوگوں کی عِبرت پذیری کے لیے شارعِ عام پر سولی دے دی جائے اور ان کی لاشیں لٹکی رہیں اور اگر انہوں نے قتل نہ کیا صرف مال لُوٹا تو اُن کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر انہوں نے نہ قتل کیا نہ مال لُوٹا صرف لوگوں کو دہشت زدہ اور ہراساں کیا تو پھر اُنہیں قید کیا جائے گا۔ (روح المعانی) (2)

۷۴ کون نہیں جانتا کہ ملک کی ترقی اور خوشحالی کا تمام تر اِنحصار اس پر ہے کہ وہاں امن و امان ہو۔ راستے محفوظ ہوں۔ تجارتی قافلوں اور سامان کے لُٹ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ لوگ طلبِ معاش اور اپنی دوسری ضروریات کے لیے بے دھڑک جہاں چاہیں جا سکیں اور جو فسادی عنصر ملک کے امن کو برباد کر رہا ہو۔ عام شاہراہوں پر بسوں اور موٹروں کو لُوٹنا، ریل گاڑی کی پٹڑی کو اکھیڑ دینا، بجلی یا ٹیلی گراف کی تاروں کو کاٹ دینا، راہ چلتے نہتّے مسافروں کو مار ڈالنا اپنا مشغلہ بنا لے وہ کسی رحم اور نرم دِلی کا مستحق نہیں اس کو جتنی عبرت ناک سزا دی جائے اتنا ہی مفید ہے۔ ایسے ہی فِتنہ پرداز لوگوں کے لیے یہ سزائیں قرآن نے مقرر کی ہیں۔ اگر کوئی چیں بجبیں ہوتا ہے تو اس کی مرضی۔ لیکن کسی سے آفرین لینے کے لیے اسلام ایسے افراد کو اپنی سوسائٹی میں برداشت نہیں کر سکتا اور ان کو ان کے ظلم و تشدد کی سزا دینے کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے۔ ممکن ہے سفّاکوں اور رہزنوں کے ساتھ نرمی کرنا ہی کسی کے نزدیک رحم ہو لیکن اسلام کے نزدیک ظالم کے ہاتھ سے ظلم کی تلوار چھین لینا اور اس کے ظالم ہاتھ کو کاٹ پھینکنا رحمت ہے۔ نظریات کے اتنے بیّن تفاوت کی موجودگی میں عمل اور طریق کار میں تفاوت حیرت انگیز چیز نہیں۔

۷۵ اگر وہ گروہ گرفتار ہونے سے پہلے تائب ہو جائے اور اپنے آپ کو حکومت کے حوالہ کر دے پھر حقوق اللہ معاف ہو جائیں گے لیکن اگر اُنہوں نے کسی کا مال لوٹا ہے تو وہ واپس کرنا ہوگا۔ اگر کسی کو قتل کیا ہے تو اُس کا قصاص یا دِیت ادا کرنی ہوگی۔ کسی کو زخمی کیا ہے تو اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 152 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 19-118

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ ۷۶ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں ۷۷ تاکہ تم

۷۶ ابن منظور لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اَلْوَسِيْلَةُ فِي الْاَصْلِ مَايُتَوَصَّلُ بِهٖ اِلَى الشَّيْءِ وَ يُتَقَرَّبُ بِهٖ اِلَيْهِ (لسان العرب)(1) یعنی جس چیز کے ذریعہ کسی شے تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل ہو اسے وسیلہ کہتے ہیں۔ وَالْوَسِيْلَةُ كُلُّ مَايُتَقَرَّبُ بِهٖ (کشاف)(2) ایمان، نیک اعمال، عبادات، پیروئ سنت اور گناہوں سے بچنا یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں اور مرشد کامل جو اپنی روحانی توجہ سے اپنے مریدوں کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے۔ دِل میں یادِ الٰہی کی تڑپ پیدا کر دے اس کے وسیلہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ کاملینِ اُمت نے ایسے مرشد کی تلاش میں سینکڑوں، ہزاروں کوس کی مسافت کو پا پیادہ طے کیا ہے۔ اور ان کی رہنمائی اور دستگیری سے آسمانِ معرفت و حکمت پر مہر و ماہ بن کر چمکے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مُرشِد ہے (قول جمیل)(3) اِس آیت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ اسمٰعیل صاحب دہلوی کو بھی لکھنا پڑا۔ ''اہل سلوک اِیں آیت را اشارت بسلوک مے فہمند و وسیلہ مرشد را مے دانند پس تلاشِ مُرشد بنا بر فلاحِ حقیقی و فوزِ تحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری ست و سُنّت اللہ بر ہمیں منوال جاریست لہٰذا بدُون مرشد راہ یابی نادر است''۔ (صراط مستقیم)(4) یعنی سالکانِ راہِ حقیقت نے وسیلہ سے مُراد مُرشد لیا ہے۔ پس حقیقی کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ و ریاضت سے پہلے تلاشِ مُرشد از بس ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے سالکانِ راہِ حقیقت کے لیے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ اِسی لیے مُرشد کی رہنمائی کے بغیر اِس کا ملنا شاذ و نادر ہے۔

مولوی ہرگز نشُد مولائے روم تا غُلامِ شمسِ تبریزی نشُد (رُومیؒ)(5)

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے اِسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسّر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے (اقبال)(6)

۷۷ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے تقویٰ اِختیار کرنے، وسیلہ تلاش کرنے کے علاوہ ہر دم مصروفِ جہاد رہنا بھی ضروری ہے جہادِ اصغر بھی اور جہادِ اکبر بھی۔ کفّار سے بھی اور نفس امّارہ سے بھی۔ اور ان تمام نظریات اور افکار سے بھی جو کسی حیثیت سے اسلامی عقائد اور مسلمات سے ٹکراتے ہیں۔ تب جا کر فلاح و کامرانی نصیب ہوگی

چو می گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را (اقبال)(7)

1۔ لسان العرب، ج11، ص725 2۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج1، ص628
3۔ شفاء العلیل ترجمہ قول جمیل، ص33، مطبوعہ دہلی انڈیا
4۔ صراط مستقیم، از شاہ اسماعیل شہید، متولد 1784ء وفات 1831ء، باب دوم، ص50
5۔ شعر ناب، ص14، مطبوعہ مکتبہ یوسف السدیدی لاہور
6۔ کلیات اقبال اردو، بال جبریل، ص513
7۔ کلیات اقبال فارسی، ص941، ارمغان حجاز، ص59

تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

فلاح پاؤ بے شک وُہ جنھوں نے ۷۸ کفر اختیار کیا اگر انھی کی ملکیت میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ

اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تاکہ بطورِ فدیہ دیں اسے (اور نجات پائیں) عذاب سے روزِ قیامت نہ قبول کیا جائے گا

مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ

اُن سے اور ان کے لیے عذاب دردناک ہوگا بہت چاہیں گے کہ نکلیں اس آگ سے

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ

اور وُہ نہیں نکل سکیں گے اس سے اور ان کے لیے عذاب ہوگا ہمیشہ رہنے والا اور چوری کرنے والے ۷۹

۷۸ یعنی کفّار کا یہ خیال غلط ہے کہ ہم وہاں بھی روپیہ وغیرہ سے کام چلالیں گے۔ وہاں تو نجات کا ذریعہ ایمان ہے۔ دنیا بھر کی دولت بھی اگر وہ دے کر جان چھوڑانا چاہیں گے تو ان کے منہ پر ماردی جائے گی۔

۷۹ اِس سے پہلے ہتھیار بند ڈاکوؤں اور رہزنوں کی سزائیں بتائی گئیں۔ اب چوروں کی سزا بیان کی جارہی ہے۔ پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ اہل عرب کے نزدیک جن کی زبان اور محاورات کے مطابق قرآنِ حکیم نازل ہوا۔ سارق (چور) کس کو کہتے ہیں۔ اَلسَّارِقُ عِنْدَ الْعَرَبِ هُوَ مَنْ جَاءَ مُسْتَتِرًا اِلٰی حِرْزٍ فَاَخَذَ مِنْهُ مَا لَیْسَ لَهٗ (قرطبی)(1) یعنی اہل عرب سارق اس کو کہتے ہیں جو پوشیدہ طور پر کسی محفوظ جگہ میں آئے اور وہاں سے ایسا مال لے جائے جو اس کا اپنا نہیں۔ اس وضاحت کے بعد پتہ چل جاتا ہے کہ فقہاءِ اسلام نے چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے وہ ان کا اپنا اضافہ نہیں بلکہ لفظ سارق کے لغوی مفہوم سے ماخوذ ہیں۔ مختصراً ان شرائط کا ذِکر کرتا ہوں قطع ید کے لیے جن کا پایا جانا چور، چوری شدہ مال اور چوری ہونے کی جگہ میں ضروری ہے۔ چور کے متعلق تو یہ شرطیں ہیں:۔

(۱) بالغ ہو، نابالغ نہ ہو (۲) عاقل ہو، پاگل اور دیوانہ نہ ہو (۳) مال مسروقہ کا مالک نہ ہو(2)، سارے کا نہ اُس کے کسی حصّہ کا۔ مال مسروقہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم سے کم نہ ہو۔ اور جہاں سے چوری کی گئی ہے وہ محفوظ جگہ ہو گھر ہو، دُکان ہو کوئی اور مکان ہو۔ یا اس مال کی حفاظت کے لیے کوئی پہرے دار مقرر ہو(3)۔ اس کے علاوہ اور بہت سی تفصیلات ہیں جن کے لیے کتبِ فِقہ کی طرف رُجوع کرنا چاہیے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیرِ آیت ہذا، جز6، ص 167 2۔ ایضاً 3۔ کنز الدقائق، از امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد المعروف بحافظ الدین النسفی، متوفی 710ھ، ص: 92-191، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، ملتان

وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ

اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے) کہ کاٹو ان کے ہاتھ بدلہ دینے کے لیے جو انھوں نے کیا ۸۰ (اور) عبرتناک سزا

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ

اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے، حکمت والا ہے ۸۱ پھر جس نے توبہ کرلی اپنے (اس) ظلم کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا

۸۰ چور کی یہ سزا مقرر کرنے کی دو وجہیں بتائیں۔ ایک تو یہ کہ جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا یہ اس کے اپنے کیے کی سزا ہے اب وہ اسے بھگتے۔ دوسری وجہ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ نکال اس سزا کو کہتے ہیں جو دوسروں کے لیے عبرت کا باعث ہو اور یہ دونوں مقصد اسی طرح پُورے ہو سکتے ہیں جیسے قرآن نے حکم دیا۔ آج کئی لوگ اِن سزاؤں کو بہت شدید اور سخت خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس غیر مہذّب اور غیر متمدّن سوسائٹی کے لیے تھیں جن میں قرآن نازل ہوا۔ اس زمانہ کے بعض مترجمین اور حاشیہ نویسوں نے اس پر بڑا زورِ قلم صرف کیا ہے کہ یہ سزا صرف عادی مجرموں کے لیے ہے جنہیں قید و بند کی سختیاں بھی دُرست نہ کر سکیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے جس پاکیزہ معاشرہ کا سنگِ بُنیاد رکھا ہے۔ جس طرح قوم کے تمام افراد کے حقوق و فرائض کا توازن قائم کیا ہے۔ رعایا کے ہر فرد کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی ذِمہ داری حکومت اِسلامیہ پر عائد کی ہے ان تمام اُمور کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ سزائیں سخت اور شدید سہی لیکن عین حکمت ہیں۔ آپ خود انصاف کیجئے کہ آپ کی شفقت کا زیادہ مستحق کون ہے۔ وہ بیوہ، وہ یتیم، وہ پرامن شہری جس کی عُمر بھر کا اندوختہ راتوں رات لُوٹ لیا گیا یا ہٹا کٹا چور۔ جب سے مظلوم سے زیادہ ظالم، لٹنے والے سے زیادہ لوٹنے والا شفقت و عنایت کا مستحق سمجھا جانے لگا ہے اس وقت سے جُرموں اور مجرموں میں ہوش ربا اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہم اپنے ہاں ہی دیکھیں۔ پولیس ہے، مجسٹریٹ ہیں، جیل خانے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں لیکن جرائم میں زیادتی ہی ہو رہی ہے جس علاج سے بیماری گھٹنے کے بجائے بڑھتی چلی جا رہی ہو وہ علاج ناکام ہے۔ اگر ہم مریض کو واصل بحق کرنے کا ہی عزم مصمم کر چکے ہیں تو یہ اور بات ہے۔ ورنہ مریض اور اس کے سارے کنبہ کی خیر خواہی کا تقاضا تو یہی ہے کہ دوسرا علاج کیا جائے۔ بنی امیہ کے ایک خلیفہ ہشام کو بھی تہذیب و شائستگی کا دورہ پڑا تھا اور اس نے بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا منسوخ کر دی تھی۔ لیکن جب چوری کی وارداتیں آئے دن بڑھنے لگیں اور کوئی دوسرا حیلہ کارگر نہ ہو سکا تو دو سال کے عرصہ کے بعد پھر اسے قرآنی سزا نافذ کرنا پڑی۔ اس نے تو پھر اپنی غلطی کو بھانپ لیا اور دو سال کے بعد ہی اس کا ازالہ کر دیا لیکن ہم تو حالات کی انتہائی نزاکت کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ اگر ملک بھر میں دس بیس چلو پچاس ہی چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں اور آپ کا ملک چوری کی لعنت سے نجات حاصل کر لے اور آپ کی نئی پود میں یہ مجرمانہ خیالات سر ہی نہ اٹھائیں تو میرے ناقص خیال میں تہذیب و شائستگی کا یہ مظاہرہ اس مظاہرہ سے بدرجہا بہتر ہوگا کہ ہمارے ملک میں کسی کا مال محفوظ نہ ہو۔ ہماری جیلوں میں سوسائٹی کے ان کرم فرماؤں (چوروں) کے لیے قورمہ اور پلاؤ پک رہا ہو۔

بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت اور صحرائے سینا میں صحرانوردی

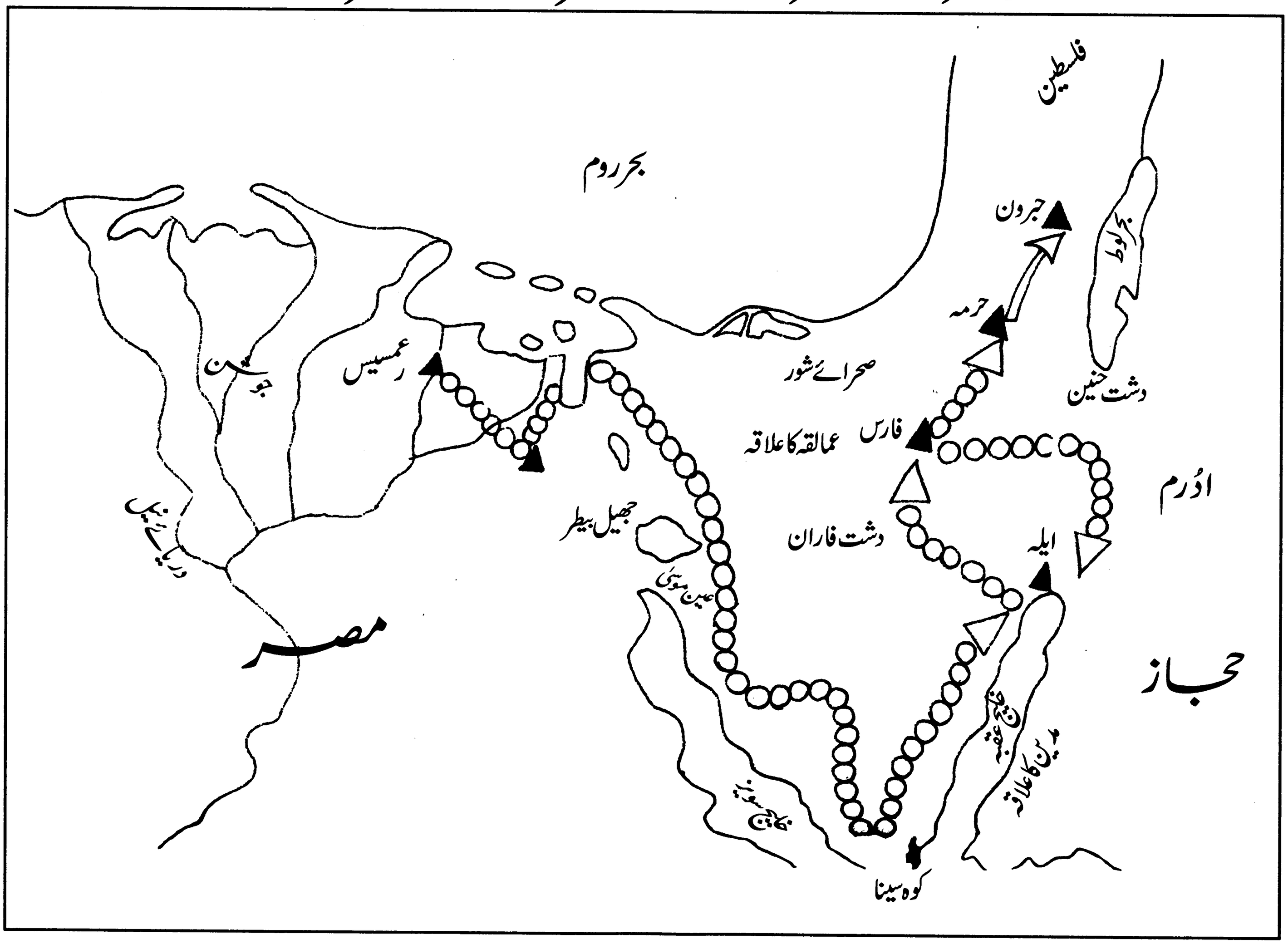

فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ

تو بے شک اللہ تعالیٰ توجہ فرمائے گا ۸۲ اس پر بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ بلا شبہ

اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ

اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور بخش دیتا ہے

لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ

جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اے رسول! ۸۳

لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا

نہ غمگین کریں آپ کو وہ جو تیز رفتار ہیں کفر میں ان لوگوں سے جنہوں نے کہا

اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ

ہم ایمان لائے (صرف) اپنے منہ سے حالانکہ نہیں ایمان لائے تھے ان کے دل اور ان لوگوں سے جو یہودی ہیں

ع ۴ الوقف علی الاول اجزء ۱۲

۸۱ یعنی جس خدا نے چور کی یہ سزا تجویز کی ہے وہ عزیز بھی ہے یعنی سب پر غالب ہے اور حکیم بھی ہے یعنی اس کا ہر حکم سینکڑوں حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوا کرتا ہے۔ اِن دو صفات کے ذِکر کرنے سے معترضین کے تمام شکوک کا جواب بھی آ گیا۔

۸۲ اِمام شافعی اور چند اور علماء کا خیال ہے کہ اگر چور بھی گرفتار ہونے سے پہلے تائب ہو جائے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ لیکن جمہور علماء اور احناف کا یہی مذہب ہے کہ چوری کے بعد حد تو ضرور لگے گی۔ لیکن اگر اس نے توبہ کی تو قیامت کا عذاب معاف کر دیا جائے گا۔ اور توبہ کی صورت یہ ہے کہ اگر اس کے پاس چوری کا مال موجود ہو تو اس کے مالک کو واپس کر دے نہیں تو اس کی قیمت ادا کرے اور اگر یہ دونوں نہیں کر سکتا تو پھر مالک سے معاف کرا لے (1)۔

۸۳ یہود کی خباثتوں سے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل آزردہ ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو قدم قدم پر اسلام کی حقّانیت کے ثبوت مہیا فرماتے لیکن وہ برابر کفر سے چمٹے رہنے پر مُصر رہتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں۔ کہ آپ افسردہ نہ ہوں۔ یہ نہ آپ کو کوئی گزند پہنچا سکتے ہیں اور نہ اِسلام کی ترقی کو روکنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ صرف زبان سے اِیمان کا اقرار کر رہے ہیں ان کے دل اُسی پرانے کفر میں مبتلا ہیں۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص: 149۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 6، ص 135

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ

جاسوسی ۸۴ کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے وُہ جاسوس ہیں دُوسری ۸۵ قوم کے جو نہیں آئی آپ کے پاس بدل دیتے ہیں

الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

اللہ کی باتوں کو اس کے صحیح موقعوں سے کہتے ہیں اگر تمہیں دیا جائے یہ حکم تو مان لو اُسے

وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ

اور اگر نہ دیا جائے تمہیں یہ حکم تو بچو ۸۶ اور جس کو ارادہ فرمالے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت

۸۴ سمع کے دو معنی ہیں (۱) سننا (۲) قبول کرنا۔ سمّاع مبالغہ کا صیغہ ہے۔ علامہ زمخشری اور بیضاوی نے دوسرا معنی پسند کیا ہے۔ قَابِلُوْنَ لِمَا يُفْتَرِيْهِ الْاَحْبَارُ وَ مِنْهُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ (کشاف)(1) یعنی اپنی باطنی خباثت کی وجہ سے انہیں اپنے پادریوں کی جھوٹی باتیں بڑی پسند ہیں انہیں وہ فوراً قبول کر لیتے ہیں۔

۸۵ یہاں بھی سماع کے دونوں معنے مراد ہو سکتے ہیں یعنی وہ آپ کی مجلس میں محض جاسوسی کے لیے آتے ہیں کہ کوئی راز کی بات سنیں اور اسے اپنی قوم کے سرداروں کو جا کر بتائیں۔ دوسرا یہ کہ آپ کی سچی باتوں کو تو قبول نہیں کرتے لیکن فریب کار احبار و علماء کی جھوٹی باتوں کو دل میں جما لیتے ہیں۔

۸۶ یہاں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے جس کو تفسیر کشاف سے نقل کرتا ہوں۔ خیبر کے ایک شادی شدہ یہودی مرد اور عورت نے زنا کیا۔ دونوں اعلیٰ خاندان کے افراد تھے۔ اس لیے علماء یہود نے ان کو رجم کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اُنہوں نے ان دونوں کو ایک وفد کے ہمراہ بنی قریظہ کے پاس مدینہ طیبہ روانہ کیا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسئلہ دریافت کریں نیز انہوں نے یہ ہدایت کی کہ اگر درّے لگانے اور منہ کالا کرنے کا حکم دیں تو مان لینا اور اگر رجم کا حکم دیں تو انکار کر دینا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رجم کا ہی حکم فرمایا۔ اُنہوں نے اِنکار کر دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ کیا تم نوجوان ابن صوریا کو پہچانتے ہو؟ کہنے لگے جی ہاں رُوئے زمین پر یہود میں اس کا ہم پلہ کوئی عالم نہیں۔ چنانچہ اسے حَکَم مقرر کیا گیا۔ جب وہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کو شق کیا اور تمہیں نجات دی اور فرعون کو غرق کیا اور جس نے تم پر تورات نازل فرمائی تم یہ بتاؤ کہ شادی شدہ زانی کے لیے تورات میں رجم کا حکم ہے یا نہیں؟ وہ اِنکار نہ کر سکا اور صاف کہہ دیا کہ بے شک ایسا ہی ہے۔ یہود اس پر اُچھل پڑے لیکن اس نے کہا کہ اگر میں اس نبی برحق کے سامنے جھوٹ بولتا تو مجھے عذابِ الٰہی کے نازل ہونے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ مسجد کے دروازہ کے سامنے انہیں رجم کیا گیا۔ (کشاف)(2)

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 633۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص: 150

2۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 633

تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ

رکھتا تو اس کے لیے اللہ سے کسی چیز کی یہ وُہی لوگ ہیں ۸۷ کہ نہیں ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پاک کرے

قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

ان کے دِلوں کو ان کے لیے دُنیا میں ذِلّت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب

عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ

ہے قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو بڑے حرام خور ہیں ۸۸ تو اگر وُہ آئیں آپ کے پاس

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ

تو چاہے فیصلہ فرمائیے ان کے درمیان یا منہ پھیر لیجئے اُن سے (آپ کو اختیار ہے) اور اگر آپ مُنہ پھیر لیں اُن سے تو نہ

۸۷ اس کی وجہ ان کی اپنی عاقبت نا اندیشی تھی۔ جس قوم کی ہدایت کے لیے ایسا مکرّم رسول مبعوث کیا جائے، قرآن جیسی روشن اور مدلّل کتاب نازل کی جائے۔ ہر لمحہ ان کو اسلام کی حقّانیت کے معجزات کا مشاہدہ کرایا جائے اور ان کی اصلاح کی اِنتہائی کوشش کی جائے لیکن وہ قوم پھر بھی پستی سے نکل کر بلندی کی طرف، گمراہی سے ہدایت کی طرف، باطل سے حق کی طرف آنے سے اِنکار کرتی رہے تو اس قوم کا بجز اس کے کیا علاج ہے کہ اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تا کہ وہ باطل عقائد کی غلاظت اور غلط اعمال کی عفونت سے آلُودہ رہے اور اسی حالت میں دم توڑ دے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح کسی کو بُرائی پر مجبور نہیں کرتا اسی طرح وہ کسی سے جبراً نیکی بھی نہیں کراتا۔ یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اور انسان کو جو شرف تمام کائنات پر عطا فرمایا گیا ہے اُس کے بھی منافی ہے۔

۸۸ ''سُحت'' کا لغوی معنی ہلاکت و بربادی ہے(1)۔ مالِ حرام کو اس لیے سُحت کہا جاتا ہے کہ وہ نیکیوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ مسلمانوں کو بھی حرام کھانے سے بارہا منع کیا گیا۔ چنانچہ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ بِالسُّحْتِ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا السُّحْتُ؟ قَالَ الرِّشْوَةُ فِي الْحُكْمِ(2): جو گوشت سُحت سے پیدا ہوا اُسے آگ ہی جلائے گی۔ عرض کی گئی اَے اللہ کے رسول! سُحت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا فیصلہ کرتے وقت رشوت لینا۔ اِمام ابوحنیفہ فرماتے ہیں اِذَا ارْتَشَى الْحَاكِمُ انْعَزَلَ فِي الْوَقْتِ وَاِنْ لَمْ يُعْزَلْ(3) کہ حاکم رشوت لیتے ہی معزول ہو جاتا ہے خواہ اسے بظاہر معزول نہ بھی کیا جائے۔ رشوت اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کا حق ضائع کرنے کیلئے اور ناحق کوئی چیز خود لینے کیلئے کسی حاکم کو دیا جائے۔ فَاَمَّا اِنْ تَرْشِيْ لِتَدْفَعَ عَنْ دِيْنِكَ وَدَمِكَ وَمَالِكَ فَلَيْسَ بِحَرَامٍ(4) (لیکن اپنے دین، جان اور مال کی حفاظت کے لیے دی

1۔ المنجد فی اللغۃ، ص323 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص183 تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج6، ص156، کنز العمال، ج6، ص119، رقم الحدیث:15106

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص183 4۔ ایضاً، جز6، ص84-183

يَضُرُّوكَ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ

نقصان پہنچا سکیں گے آپ کو کچھ بھی ۸۹ اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمائیے ان میں انصاف سے ۹۰ بے شک

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ

اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے اور کیسے منصف بناتے ہیں آپ کو حالانکہ ان کے پاس

التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ

تورات ہے اس میں اللہ کا حکم ہے ۹۱ پھر وہ منہ پھیرتے ہیں (اس سے) اس کے بعد بھی اور نہیں ہیں

جائے تو حرام نہیں۔ یہاں لینے والا گنہگار ہوگا)

۸۹ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہیں تو اہل کتاب کے تنازعات کا فیصلہ فرماویں اور چاہیں تو انکار کر دیں۔ لیکن بعد میں جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ الخ (1) تو یہ اختیار نہ رہا۔ اور ان کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لازمی ہو گیا۔ لیکن دوسرے علماء نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر جھگڑا مسلم اور ذمی (یعنی مسلمانوں کی غیر مسلم رعایا) کے درمیان ہو تو مسلمان قاضی فیصلہ کرے گا۔ اور اگر ذمیوں کا آپس میں تنازع ہو تو پھر دیکھیں گے کہ امور متنازعہ کا تعلق ان کی شخصی اور مذہبی زندگی سے ہے مثلاً نکاح، طلاق، زنا وغیرہ تو ہم ان کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ ہماری شریعت کے مطابق فیصلہ کرائیں۔ وہ ان معاملات میں اپنے علماء کی طرف رجوع کریں۔ وَاَمَّا الْحُكْمُ فِيْمَا يَخْتَصُّ بِهٖ دِيْنُهُمْ مِنَ الطَّلَاقِ وَالزِّنٰى وَغَيْرِهَا فَلَيْسَ يَلْزَمُهُمْ اَنْ يَّتَدَيَّنُوْا بِدِيْنِنَا وَفِي الْحُكْمِ بَيْنَهُمْ اِضْرَارٌ بِحُكَّامِهِمْ وَتَغْيِيْرُ مِلَّتِهِمْ (قرطبی) (2) لیکن ایسے امور جن کا تعلق ملک کے داخلی امن و امان یا خارجی سلامتی کے ساتھ ہے تو ایسے معاملات میں مسلمان قاضی فیصلہ کرے گا کیونکہ اگر معاملات میں تساہل اور غفلت روا رکھی جائے تو فتنہ و فساد کے پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ (قرطبی) (3)

۹۰ یعنی جب فیصلہ کیا جائے تو عدل و انصاف کو پیشِ نظر رکھا جائے کسی کا یہودی یا منافق اور دشمنِ دین ہونا اس پر ظلم کرنے اور اس کا حق ضائع کرنے کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتا۔

۹۱ اظہارِ تعجب کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ آپ کے پاس دوڑ کر کیوں آتے ہیں۔ اگر آپ سے فرمان خداوندی کے مطابق ہی فیصلہ کرانا مقصود ہے تو پھر یہاں آنے کی زحمت کیوں اُٹھاتے ہیں ان کے پاس تورات ہے۔ اس میں احکام الٰہی موجود ہیں۔ اس کے مطابق فیصلہ کر لیا کریں۔

1۔ سورۃ المائدہ: 49 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 185 3۔ ایضاً

أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ع ۶ ۱۰

وُہ ایمان دار ۹۲ بے شک اُتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے ۹۳

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ

حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء ۹۴ جو (ہمارے) فرماں بردار تھے یہودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے

وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ

اور علماء اِس واسطے کہ محافظ ٹھیرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے اور وُہ تھے اس پر گواہ

۹۲ اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے وہ قرآن کو نہیں مانتے ایسے ہی تورات پر بھی ان کا ایمان نہیں۔ صرف اپنی قوم کو دھوکہ دینے کے لیے وہ تورات کا سہارا لیے ہوئے ہیں۔

۹۳ اِس رکوع میں دو چیزوں کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ تورات، انجیل اور قرآن مختلف اور متضاد اور ایک دوسرے کی تردید اور تکذیب کرنے والی کتابیں نہیں اور نہ یہ کہ جب تک دو کا اِنکار نہ کیا جائے تیسری پر اِیمان دُرست نہیں ہوسکتا بلکہ یہ سب ایک سرچشمۂ فیض کی نہریں ہیں۔ ہر ایک میں نور ہے جو گمراہی کے اندھیروں کے لیے پیغام موت ہے۔ ہر ایک میں ہدایت ہے جو طالبانِ مولا کی دستگیری کر کے شاہدِ مقصود تک پہنچا دینے والی ہے۔ دوسری چیز یہ کہ یہود نے تورات اور نصاریٰ نے انجیل سے فائدہ نہ اٹھایا اور احکام الٰہی کی جگہ اپنی ہوا و ہوس کے پرستار بن کر رہ گئے۔ اے حاملانِ قرآن! وہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کریں گے کہ تمہیں بھی اپنی کتاب سے دور کر دیں۔ خبردار! کہیں تم بھی ان کے دامِ فریب میں پھنس کر اس سنہری موقع کو ضائع نہ کر دینا۔

۹۴ یہود کو تورات جس میں نور و ہدایت تھی عطا کی گئی تھی۔ مدّت دراز تک ان کے انبیاء، ان کے اولیاء اور ان کے علماء اس کے مطابق فیصلے کرتے رہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری جو ان پر عائد کی گئی تھی اس کو ادا کرتے رہے لیکن بعد میں جب یہ ہدایت و نور کا صحیفہ دنیا پرست علماء اور نفس پرور زاہدوں کے قبضہ میں آ گیا تو اُنہوں نے نہ اس پر عمل کیا اور نہ اُس کی حفاظت کی۔ اُسْتُحْفِظُوْا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات کی حفاظت کی ذِمہ داری اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اولیاء اور علماء کے سپرد کی تھی۔ جب تک وہ اِس ذمہ داری کو بجالاتے رہے تورات ہر تحریف اور ردّ و بدل سے محفوظ رہی۔ جب عبادت گزاروں اور علم والوں میں اِخلاص اور للّٰہیت نہ رہی بلکہ جاہ طلبی اور دنیا طلبی کا غلبہ ہو گیا تو یہ ہدایت و نور کا صحیفہ رہبان و احبار کی جاہ طلبی اور دنیا پرستی کی نذر ہو کر رہ گیا۔ اُنہوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے اس میں ردّ و بدل کر دیا۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا

پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کرو مجھ سے اور نہ بیچا کرو میری آیتوں کو تھوڑی سی

قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

قیمت سے ۹۵ اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مُطابق جسے نازل فرمایا اللہ نے تو وُہی لوگ

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ

کافر ہیں ۹۶ اور ہم نے لِکھ دیا تھا یہُود کے لِیے تورات میں (یہ حکم) کہ جان کے بدلے جان

۹۵ اِس میں مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہو رہی ہے کہ علماء یہود کی طرح بادشاہوں اور امیروں سے ڈر کر تم بھی قرآن کے معانی میں ہیر پھیر نہ شروع کر دینا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا جس نے اگر پکڑ لیا تو کوئی چھڑا نہ سکے گا۔ اگر اس کی نگاہِ لطف و کرم سے محروم کر دیئے گئے تو دنیا تنگ ہو جائے گی اور کہیں گوشہ عافیت نہ ملے گا۔

۹۶ یہاں فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ اِسی رکوع کی آیت نمبر 45 میں ایسے لوگوں کو ظالم کہا گیا اور آیت نمبر 47 میں ایسے لوگوں کو فاسق کہا گیا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ آیات صرف یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ لیکن یہ درست نہیں۔ کیونکہ کسی خاص شخص کے متعلق کسی آیت کے نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ آیت بس اسی سے مخصوص ہو کر رہ گئی۔ اس کا حکم اب کسی دوسرے شخص پر نافذ نہیں ہوگا۔ اِس لیے صحیح یہی ہے کہ اِسے یہود کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے بلکہ اس کا مفہوم عام رکھا جائے۔ چنانچہ علماء اہل سنت نے مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مُسْتَهِيْنًا بِهٖ مُنْكِرًا لَّهٗ (1)۔ یعنی جو شخص اللہ کے حکم کی توہین اور تحقیر کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا وہ کافر ہوگا۔ کیونکہ احکام شرعیہ کی توہین اور تحقیر کی صرف وہی جرأت کر سکتا ہے جس کا دِل اِیمان و یقین کے نور سے خالی ہو۔ علامہ بیضاوی نے ایسے شخص کو کافر، ظالم اور فاسق کہنے کی بڑی لطیف وجہ بیان کی ہے فرماتے ہیں فَكُفْرُهُمْ لِاِنْكَارِهٖ وَ ظُلْمُهُمْ بِالْحُكْمِ بِخِلَافِهٖ وَ فِسْقُهُمْ بِالْخُرُوْجِ عَنْهُ (2)۔ یعنی اِس وجہ سے کہ انہوں نے احکام الٰہیہ کو تسلیم کرنے سے اِنکار کر دیا وہ کافر ٹھہرے۔ اور اِس وجہ سے کہ انہوں نے اس قانون کو چھوڑ دیا جو عین عدل و اِنصاف تھا وہ ظلم کے مرتکب ہوئے اور اِس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑا وہ فاسق کہلائے۔ اس کے بعد بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ تینوں لفظ کفر، ظلم اور فسق احکام الٰہیہ سے سرتابی کرنے والوں کے مختلف حالات کے پیش نظر کہے گئے ہوں۔ یعنی اگر اس نے یہ سرتابی از راہِ تمرد و تحقیر کی تو وہ کافر ہے اور اگر دل میں اِنکار تو نہیں بلکہ ویسے حکم عدولی ہو گئی تو وہ ظالم و فاسق ہوگا۔ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ كُلٌّ وَاحِدَةٍ مِّنَ الصِّفَاتِ الثَّلَاثِ بِاعْتِبَارِ حَالٍ انْضَمَّتْ اِلَى الْاِمْتِنَاعِ عَنِ الْحُكْمِ بِهٖ مُلَائِمَةٍ لَّهَا (بیضاوی) (3) سچ تو یہ ہے کہ

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص: 151 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ

آنکھ کے بدلے آنکھ ۹۷ ، ناک کے بدلے ناک ، کان کے بدلے کان اور

السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ

دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے لیے قصاص تو جو شخص ۹۸ معاف کر دے بدلا تو یہ معافی کفارہ

كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

بن جائے گی اس کے گناہوں کا۔ اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے اتارا اللہ نے تو وہی لوگ ظالم

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

ہیں اور ہم نے پیچھے بھیجا ان کے نقشِ قدم پر عیسٰی بن مریم کو ۹۹

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ

تصدیق کرنے والا جو اس کے سامنے موجود تھا یعنی تورات اور ہم نے دی اسے انجیل

اِن آیات کے بعد کسی مسلمان کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ اپنے لیے، اپنی قوم اور اپنی رعایا کے لیے ایسے قوانین تجویز کرے جو احکام خداوندی کے خلاف ہوں۔

۹۷ تورات میں طرح طرح کے ردّوبدل کے باوجود آج بھی یہ حکم موجود ہے جو قرآن کی حقّانیت کی تصدیق کرتا ہے ''لیکن اگر نقصان ہو جائے تو تُو جان کے بدلے جان لے اور آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے کے بدلے جلانا، زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ'' (خروج 21:23-25)(1)

۹۸ ظالم کے لیے عبرت ناک سزا تجویز فرمائی۔ اس کے ساتھ ساتھ مظلوم کو عفو و درگزر کی تلقین کی۔ عدل و اِنصاف اور رحم و کرم کا کتنا حسین اِمتزاج ہے۔

۹۹ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت جاری رہا۔ مختلف مقامات پر مختلف اوقات میں انبیاء مبعوث ہوتے رہے۔ ان کے پیچھے اور ان کے نقشِ قدم پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئے۔ انہوں نے تورات کی تصدیق کی۔ انہیں انجیل دی گئی۔ وہ بھی تورات کی طرح سراپا ہدایت و نور تھی۔

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، خروج، باب: 21، آیت: 23-25، ص: 73

فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اس میں ہدایت اور نُور تھا اور تصدیق کرنے والی تھی جو اس سے پہلے تھا یعنی تورات

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ

اور (یہ انجیل) ہدایت اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لیے اور ضرور فیصلہ کیا کریں انجیل والے اس کے مُطابق

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ

جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس میں ۔ اور جو فیصلہ نہ کریں اس کے مُطابق جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو وہی لوگ

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

فاسق ہیں اور (اے حبیبؐ) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

جو اس سے پہلے (آسمانی) کتاب ہے[۱۰۰] اور (یہ قرآن) محافظ ہے اس پر تو آپ فیصلہ فرمادیں ان کے درمیان

[۱۰۰] تورات وانجیل کے بعد قرآن اور اس کی چند خصوصیات کا ذِکر فرمایا۔ پہلی خصوصیّت تو یہ ہے کہ اس کا نزول حق کے ساتھ ہوا ہے۔ لفظ حق کی پوری تشریح آلِ عمران کے حاشیہ نمبر 3 میں گزر چکی ہے۔ علامہ راغب کے اس قول کا اعادہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ کوئی فعل یا قول اس وقت حق کہلاتا ہے جب کہ وہ اس طرح پایا جائے جیسے چاہیے۔ اس اندازے سے پایا جائے جتنا مناسب اور موزُوں ہو اور اس وقت پایا جائے جب اس کی ضرورت ہو (مفردات)(1) اس مفہوم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب آپ بالحق کے لفظ کو پڑھیں تو قرآن کی جلالت شان واضح ہوگی۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور تیسری خصوصیت یہ ہے کہ قرآن ان کتب پر مھیمن بن کر آیا ہے۔ مھیمن متعدد معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ محافظ، نگہبان، نگران، شاہد(2) اور امین۔ یہاں مھیمن کے یہ سارے معانی لیے جاسکتے ہیں یعنی دین کے وہ عقائد اور اصول جو سابقہ آسمانی کتب میں بیان کیے گئے تھے جن میں سے بعض فراموش کر دیئے گئے اور بعض میں ردّ و بدل کر کے انہیں کچھ کا کچھ بنا دیا گیا قرآن اُن کا محافظ ہے ان کو صحیح رنگ میں پیش کرتا ہے۔ اور اپنے صفحات میں ان کی ایسی حفاظت ونگہبانی کر رہا ہے کہ اب وہاں کسی محرّف کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن آسمانی کتب کا رقیب ونگران بھی ہے۔ کیونکہ قرآن ہی ایک ایسی کسوٹی

1۔ مفرداتِ راغب:246 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص210

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ

اس سے جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے[۱۰۱] اور آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی[۱۰۲] اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ

ہر ایک کے لیے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ[۱۰۳] اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تم (سب کو)

ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ موجودہ تحریف شدہ آسمانی کتابوں میں حق کی کتنی مقدار جوں کی توں موجود ہے۔ قرآن اس بات پر گواہ بھی ہے کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رُسل پر نازل فرمائی تھیں۔ قرآن امین بھی ہے۔ گزشتہ انبیاء کی تعلیمات کو جوں کا توں پیش کرتا ہے۔ اِن میں کسی قسم کا تصرف اور کمی بیشی نہیں کرتا۔

[۱۰۱] تورات کے نزول کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ اور انجیل کے نزول کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ اور قرآن حکیم کے نازل کرنے کا مدعا بھی یہی بتایا فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ الخ اِن تمام الفاظ سے یہ بتانا مطلوب ہے کہ اِن کتابوں کے نازل کرنے کا مقصد اعلیٰ یہ ہے کہ اپنی اِنفرادی اور اِجتماعی زندگی میں اپنے تمدنی اور معاشرتی مسائل میں اپنی سیاسی اور اقتصادی مشکلات میں ان کی روشنی سے ہدایت حاصل کی جائے اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلا جائے۔ تب ہی تو وہ فرق معلوم ہو سکتا ہے جو قانونِ الٰہی اور اِنسان کے بنائے ہوئے ناقص قانون میں ہے۔ اور اگر اس پر عمل نہ کیا جائے اور اس کی واضح ہدایات اور احکام کے ہوتے ہوئے اپنی خواہشات کی ہی پیروی کی جائے تو پھر ان کے نزول کا اصلی مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اور انسان ان برکتوں سے محروم ہو جاتا ہے جو ان احکام میں مضمر ہیں۔

[۱۰۲] کسی بات سے اگر منع کیا جائے تو اس کا ہمیشہ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مخاطب اس کا اِرتکاب کرنے والا تھا اور اسے روک دیا گیا بلکہ کبھی منع اس لیے بھی کیا جاتا ہے کہ مخاطب جیسے پہلے اِس کام سے مجتنب اور محترز چلا آ رہا ہے اُسی طرح آئندہ بھی مجتنب رہے۔ یہاں حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی سے روکنے کا مقصد یہ نہیں کہ معاذ اللہ آپ ان کی پیروی کا خیال کرنے لگے تھے اِس لیے روکنا پڑا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جیسے پہلے آپ احکام الٰہیہ کی پیروی کرتے چلے جا رہے ہیں اور ان کی نفسانی خواہشات کی اِتباع کا واہمہ تک بھی خاطر عاطر میں نہیں گزرتا اِسی طرح آئندہ بھی ہمت و استقلال سے احکام ربانی کی اطاعت کرتے جایئے۔

[۱۰۳] شِرْعَةٌ اور شَرِيْعَةٌ ہم معنی ہیں۔ شریعت لغت میں اس راستے کو کہا جاتا ہے جو پانی کی طرف لے جاتا ہو۔ اَلشَّرِيْعَةُ فِي اللُّغَةِ: الطَّرِيْقُ الَّذِيْ يُتَوَصَّلُ مِنْهُ اِلَى الْمَاءِ۔ اسی مناسبت سے شرعۃ اور شریعۃ اس راستہ کو کہا جاتا ہے جو نجات دارین کی طرف رہنمائی کرتا ہو۔ وَالشَّرِيْعَةُ: مَا شَرَعَ اللّٰهُ لِعِبَادِهٖ مِنَ الدِّيْنِ اور منہاج کہتے ہیں واضح اور روشن راستہ کو(1)۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ عقائد اور کلیات جن پر انسان کی نجات کا اِنحصار ہے وہ تو تمام آسمانی کتابوں میں یکساں ہیں لیکن شریعت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص211

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ

ایک ہی اُمّت ۱۰۴؎ لیکن آزمانا چاہتا ہے تمھیں اس چیز میں جو اس نے دی ہے تم کو۔ تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں ۱۰۵؎

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ﴿۴۸﴾

اللہ کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم سب نے ۱۰۶؎ پھر وُہ آگاہ کرے گا تمھیں جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے تھے۔

کے احکام اور ان کی تفصیلات، عبادات اور ان کی شکل وصورت، حلّت وحُرمت کے قواعد، ان میں اِختلاف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف انبیاء کی اُمتوں کی ذہنی سطح، ان کا مخصوص ماحول، اُن کے معاشرہ کے تقاضے، ان کی سیاسی اور اقتصادی ضروریات کیونکہ مختلف تھیں اِس لیے اِن فروعات میں اختلاف ناگزیر تھا۔

۱۰۴؎ یہاں اِس شبہ کا ازالہ کیا جارہا ہے کہ اگر اُصول وکلیات کی طرح فروعات میں بھی اِختلاف نہ ہوتا تو کیا اچھا ہوتا۔ دین کے نام پر یہ مختلف قسم کی گروہ بندیاں ختم ہوجاتیں۔ اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو لِكُلٍّ جَعَلْنَا کے ضمن میں دیا جاچکا ہے کہ بنیادی عقائد وکلیات میں یکسانیت کے باوجود فروعات میں یہ اِختلاف عین حکمت ہے۔ اور اس کا دوسرا جواب یہ دیا کہ ان کا اِمتحان بھی مقصود تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر اِیمان لانے کا مقصد تو یہ ہے کہ اس کے ہر حکم کے سامنے سر اطاعت خم کردیا جائے۔ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم ہو تو کعبہ کو چھوڑ کر ادھر رُخ کرلیا جائے۔ اور اگر اسے چھوڑ کر کعبہ کی سمت منہ کرنے کا فرمان صادر ہو تو وہ نماز پڑھتے ہوئے ہی کعبہ کی طرف منہ کرلے اور دل میں کسی قسم کا تردّد نہ ہو۔ علامہ بیضاوی نے اِس کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جبراً ہر ایک کو اِسلام کا پابند کردیتا اور کسی کے لیے مجال اِنکار ہی نہ رہتی۔ لیکن یوں اِس لیے نہیں کیا گیا تاکہ لوگوں کی آزمائش ہوجائے کہ کون اپنے اِختیار سے اِس دین حق کو قبول کرتا ہے اور کون جان بوجھ کر اِعتراض کرتا ہے۔(1)

۱۰۵؎ اِس مقام پر یہ جملہ کتنا معنی خیز ہے کہ ان جھگڑوں میں پڑ کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کرو بلکہ اللہ کے اس آخری دین، آخری کتاب اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور دوسرے لوگوں سے نیکی کے میدان میں بازی لے جانے کی سرتوڑ کوشش کرو۔ اہل کتاب کو غیرت دلائی جارہی ہے کہ عرب کے مُشرک اور جاہل لوگ تو دھڑا دھڑ اس دین کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو میں راہِ راست پر تیزی سے قدم بڑھائے چلے جارہے ہیں اور تم صاحبِ علم ودانش اور اہل کتاب ہو کر فضول بحثوں اور بے کار حجت بازیوں میں اپنی عمریں برباد کررہے ہو۔ چھوڑو اِن لایعنی باتوں کو اور ایمان وعمل کی سیدھی راہ پر چل پڑو۔

۱۰۶؎ یہ دنیا جس کی دلچسپیوں میں تم کھو کر رہ گئے ہو، یہ تمہاری عارضی قیام گاہ ہے۔ تمہیں ایک دن یہاں سے رختِ سفر باندھنا ہے اور اپنے علیم وخبیر رب کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اپنی بدعملی اور گمراہی پر اب تو تم طرح طرح کے خوبصورت پردے ڈال کر لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال سکتے ہو۔ لیکن اس روز کیا کرو گے جب سب پردے اُٹھا دیئے جائیں گے۔ اور حقیقت

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:152

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ

اور یہ کہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور

احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ

آپ ہوشیار رہیں ان سے کہ کہیں برگشتہ نہ کردیں آپ کو اس کے کچھ حصّہ سے جو اُتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف ۱۰۷ اور اگر وہ

بے نقاب ہو جائے گی۔

۱۰۷ مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اہل کتاب خود تو احکام الٰہیہ سے منہ موڑ چکے تھے اور اپنی کتابوں سے رشتہ توڑ چکے تھے لیکن اب وہ یہ بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ تم ہدایت کی راہ پر چلو اِس لیے وہ طرح طرح کے شبہات، قسم قسم کے اعتراضات اور گوناگوں وسوسوں سے تمہیں بھی اپنے دین سے برگشتہ کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ خبردار! ان کے جال میں پھنس کر اللہ کے دین قیم کی رسی چھوڑ نہ دینا۔ آج بھی گم کردہ راہ لوگ متاعِ اِیمان لُوٹنے کے لیے اپنی کوششیں صرف کر رہے ہیں۔ پانی کی طرح روپیہ بہایا جا رہا ہے۔ فتنوں اور سازشوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سیلاب اسلامی اقدار کو بہا لے جانے کے لیے بڑھا چلا آ رہا ہے۔ کاش ہم قرآن کی اِس تنبیہ پر کان دھریں اور ہوشیار ہو جائیں۔ چور نہیں بلکہ وہ مالک قابل ملامت ہے جو اپنے قیمتی سامان کی حفاظت نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان فرمایا ہے کہ چند یہود علماء نے جن میں ابن صوریا، کعب بن اسد اور ابن صلونا ان کے اکابر بھی تھے یہ مشورہ کیا کہ آؤ چلیں محمد (فداہ امی وابی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس اور انہیں کسی حیلہ سے اپنے دین سے برگشتہ کریں فَاِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ وہ بشر ہی تو ہے اسے دھوکا دینا کیا مشکل ہے۔ بڑی سوچ بچار سے ایک منصوبہ تجویز کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے احبار (علماء) ہیں اور اگر ہم آپ کا دین قبول کر لیں تو سب یہودی مسلمان ہو جائیں گے۔ ہم آپ کے پاس اِس لیے آئے ہیں کہ ہمارا بعض لوگوں کے ساتھ کچھ تنازعہ ہے۔ ہم اس کے تصفیہ کے لیے آپ کے پاس آئیں گے۔ اگر آپ نے اس کا فیصلہ ہمارے حق میں کیا تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے اور ہمارے اِیمان لانے سے سارے یہودی اِسلام قبول کر لیں گے۔ بہت ہی خطرناک تھی یہ سازش! انہیں اچھی طرح علم تھا کہ کسی کے اِسلام قبول کرنے سے جو مسرّت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوتی ہے وہ اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ وہ عقل کے اندھے سمجھ رہے تھے کہ بشر ہی تو ہے ہمارے جال میں پھنس جائے گا لیکن حقائق عالم کو بے حجاب دیکھنے والا، اسرار کائنات کے رخ سے ہر نقاب اُلٹ دینے والا، دین اسلام کا سچا داعی یہ رشوت کب قبول کر سکتا تھا جس کی فراست نورِ خداوندی سے روشن تھی اس سے ان کی چال کیوں کر مخفی رہ سکتی تھی۔ فَاَبٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (قرطبی) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف انکار کر دیا۔ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ (قرطبی)(1) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ بے چارے ساری عمر اسی غلط فہمی کا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص213

تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ

مُنہ پھیریں تو جان لو کہ بے شک ارادہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ سزا دے انھیں ان کے بعض گناہوں کی ۱۰۸ھ

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ

اور بے شک بہت سے لوگ نافرمان ہیں تو کیا وہ جاہلیّت کے زمانہ کے فیصلے چاہتے ہیں ۱۰۹ھ

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ ع ۱۱

اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے اس قوم کے نزدیک جو یقین رکھتی ہے اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

والو! نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست (و مددگار) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست

وقف لازم
وقف منزل عند البعض
وقف غفران

شکار رہے کہ یہ بھی ہماری طرح بشر ہیں۔ اور ان کی نگاہیں مقام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعتوں کو نہ دیکھ سکیں۔ آفتابِ مصطفوی کی جلوہ سامانیوں کو نہ پا سکیں۔ آج بھی توحید کی آڑ لے کر شانِ رسالت کی عظمتوں کا انکار کرنے والے بعینہ یہی الفاظ دہراتے سنائی دیتے ہیں۔ اِس یہودی ذہنیت کو مسلمان کہلانے والوں نے کیوں اور کیسے قبول کر لیا بڑی حیرت اور افسوس کا مقام ہے۔

۱۰۸ھ بار بار فہمائش کے باوجود وہ اپنی اِصلاح پر آمادہ نہیں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سزا کے لیے بہت بے تاب ہیں جو ایسے سرکش مجرموں کے لیے مقرر ہے۔ چنانچہ وہ وقت آیا جب مدینے کی پاک سرزمین سے ان کو جلاوطن کر دیا گیا۔ کئی قتل کر دیئے گئے۔ باقی جزیہ دینے پر مجبور ہو گئے۔

۱۰۹ھ جاہلیّت اس نظامِ حیات کو کہتے ہیں جہاں قانون سازی کا کامل اختیار خالق کائنات کو نہ ہو بلکہ اِنسانی اغراض اور خواہشات کے ہاتھ میں ہو۔ جہاں اقتدار و حکومت کی مسند پر وحیِ الٰہی کے بجائے اِنسان کا ناقص اور ناتمام علم قابض ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم ان آسمانی کتابوں کی اطاعت کو گراں سمجھ رہے ہو۔ جن میں ہدایت ہی ہدایت، نور ہی نور ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دورِ جہالت کے اس ظالمانہ نظام کو اپنانا چاہتے ہو جس میں غریب و امیر، کمزور اور طاقتور، حاکم اور محکوم کے لیے الگ الگ قانون تھے۔ ذرا سوچو! اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے احکام جو عین عدل و اِنصاف اور مجسّم رحم و کرم ہیں وہ بہتر ہیں یا تمہارا یہ ظالمانہ نظام جہاں خواہشاتِ نفسانی کی سروری ہے۔

بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

ہیں اور جس نے دوست بنایا انھیں تم میں سے سو وہ انھیں میں سے ہے ۱۱۰ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ

ظالم قوم کو سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں

فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ

یہود و نصاریٰ کی طرف۔ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آجائے ۱۱۱ وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ (تمھیں) دیدے

۱۱۰ دشمنانِ دین کو اپنا ہم راز اور صلاح کار بنانے اور ان پر کامل اِعتماد کرنے کی ممانعت ہو رہی ہے جس کی توضیح کئی مرتبہ پہلے گزر چکی ہے۔ مسلمانوں کی صفوں میں ابھی کئی منافق تھے جو مسلمانوں سے بھی روابط قائم رکھنا چاہتے تھے اور اس کے ساتھ یہود کی طرف بھی دلی میلان رکھتے تھے۔ اور مسلمانوں کے راز وقتاً فوقتاً ان کو بتا آیا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کی سرگرمیاں کیونکہ بہت خطرناک تھیں۔ اِس لیے مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ جو ایسے دلی تعلقات قائم کرے وہ زمرۂ مسلمین سے نہیں۔

۱۱۱ پہلے تو یہ عام حکم دیا کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ ایسے گہرے یارانے نہ گانٹھو ورنہ تمہارا شمار انہیں میں سے ہوگا۔ اب منافقین کے ایک خاص گروہ کی روش کو بے نقاب کیا جا رہا ہے جو دونوں کشتیوں میں بیک وقت سوار رہنے کے لیے کوشاں تھے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وہ دل سے تو اِیمان لائے ہوئے نہ تھے تاکہ وہ اپنی قسمت کو کلیۃً اِسلام کے ساتھ وابستہ کر دیتے اور مشکلات اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر اسلام کو غالب و منصور کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ وہ تو مصلحت کے پرستار تھے۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام اور کفر میں کشمکش شروع ہے ہو سکتا ہے مسلمانوں کا پلہ بھاری رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کفر کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ ان غیر یقینی حالات میں ان کی عقل مصلحت بین کا فیصلہ یہی تھا کہ کسی ایک فریق کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دینا نادانی بلکہ دیوانگی ہے۔ اِس لیے تم مسلمانوں سے بھی راہ و رسم رکھو اور کفار کے ساتھ بھی تمہارے تعلقات دوستانہ رہیں۔ اگر مسلمانوں کو شکست ہو (جس کے وہ دل سے خواہاں تھے) تو اس وقت تم بے یار و مددگار ہو کر نہ رہ جاؤ۔ ان کی اس غلط اندیشی پر اُنہیں سرزنش ہو رہی ہے کہ تم کس اُدھیڑ بن میں ہو۔ اللہ تعالیٰ تو عنقریب اپنے دین کو فتح مبین عطا فرمانے والا ہے اور مسلمانوں کی تقویت اور دین کی اشاعت کے دوسرے وسائل بہم پہنچانے والا ہے۔ اس وقت تمہاری یہ دوغلی پالیسی تمہارے کام نہیں آئے گی۔ دَآئِرَةٌ گردشِ زمانہ کو کہتے ہیں (1)۔ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص217

بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

فتح کامل یا (ظاہر کردے کامیابی کی) کوئی بات اپنی طرف سے تو پھر ہو جائیں گے اس پر جو انھوں نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں

نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا

نادم اور (اُس وقت) کہیں گے ایمان والے ۱۱۲ کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے قسمیں اٹھائی تھیں

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا

اللہ کی سخت سے سخت کہ وہ یقیناً تمھارے ساتھ ہیں اکارت گئے ان کے اعمال اور ہو گئے وہ (سراسر)

خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ

نقصان اُٹھانے والے ۱۱۳ اے ایمان والو ! جو پھر گیا تم میں سے ۱۱۴ اپنے دین سے

مسلمان ان کو ٹوکتے کہ اللہ تعالیٰ کے بار بار منع فرمانے کے باوجود تم یہود سے قطع تعلق کیوں نہیں کرتے تو وہ منافق ان کو جواب دیتے کہ یہود بڑے متموّل اور سرمایہ دار ہیں۔ ہم تو فقط اس لیے ان کے ساتھ راہ و رسم رکھتے ہیں کہ مبادا کہیں قحط پڑ جائے یا کوئی اور ناگہانی مصیبت آجائے تو اُس وقت ہم ان سے روپیہ پیسہ یا غلہ وغیرہ کی اِمداد لے سکیں۔ ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ فرما دیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غلبہ دے گا۔ دولت و ثروت مسلمانوں کی لونڈی بنے گی۔ یہ یہودی مہاجن اور ساہوکار یہاں سے جلاوطن کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت حسرت و ندامت کے بغیر تمہارے لیے کوئی چارۂ کار نہ رہے گا۔ اِس لیے بہتر ہے کہ ابھی سے اِسلام کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔ اور اس کے دشمنوں سے اپنے تعلّقات منقطع کر لو۔

۱۱۲ مسلمان آپس میں کہا کرتے کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو بڑے جوش و خروش سے قسمیں کھا کر ہمیں اپنی اعانت کا یقین دلایا کرتے اور اُن کا حال یہ ہے کہ جب دیکھو کسی دشمنِ دین کی گود میں بیٹھے اس سے سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ یہ عجیب لوگ ہیں۔

۱۱۳ ان کی کافر دوستی اور مسلم دشمنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو نیکیاں بظاہر اُنہوں نے کی تھیں وہ اکارت ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے نفاق کا پردہ چاک کر کے اُنہیں رسوا کر دیا اور قیامت کے روز اُنہیں اپنی بدنصیبی کا صحیح اِحساس ہوگا۔

۱۱۴ اِس آیتِ کریمہ میں مخلص مسلمانوں کو اِطمینان دلایا جا رہا ہے کہ تمہاری صفوں میں چھپے ہوئے منافق اگر اعلانیہ کُفر اِختیار کر لیں تو بھی اِسلام کا چراغ روشن رہے گا۔ اُن کی جگہ اُن سے بہتر، ذہین، فہیم اور مخلص لوگ اِسلام کو قبول کریں گے اور اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیں گے۔ نیز اس آیت میں ایک بہت بڑے واقعہ کے متعلق پیشین گوئی بھی کی گئی ہے کہ بعض بدنصیب اِس دین سے برگشتہ ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ اِسلام کو ایسے جانباز سپاہی اور جواں ہمت مجاہد عطا فرمائے گا جو اِن مرتدین کا قلع قمع کر

فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ

(تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا ۱۱۵ اللہ تعالٰی ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے ۱۱۶ اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے ایمانداروں کیلیے

کے مملکت اِسلامیہ کی بنیادوں کو ایسا مضبوط اور مستحکم بنا دیں گے کہ پھر صدیوں تک اِس میں لچک پیدا نہ ہوگی۔ چنانچہ قرآن نے جو فرمایا وہ ہو کر رہا۔ حضور سرورِ کائنات علیہ اجمل التحیات واحسن التسلیمات کے آخری ایام میں اسود عنسی نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کر دیا لیکن فیروز دیلمی نے اس رات اس کا کام تمام کر دیا جس کی صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسی وقت صحابہ کو اس کی اطلاع بھی دے دی جس سے صحابہ کو بڑی فرحت ہوئی (بیضاوی)(1) قبیلہ بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذاب نے، بنو اسد میں طلیحہ نے اپنے اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِنتقال کے بعد حالات اور نازک ہو گئے۔ کئی قبائل نے زکوٰۃ دینے سے اِنکار کر دیا۔ غرضیکہ ارتداد کی آندھی اس زور سے چلی کہ عرب کے بادیہ نشین قبائل میں سے شاذ و نادر ہی کوئی اپنے اِیمان کی شمع روشن رکھ سکا۔ لیکن صد آفرین حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اِیمان و یقین پر، ان کے عزم واستقلال اور ان کے تدبّر و فراست پر اور اُن جانباز اور سرفروش مسلمان مجاہدین پر جنہوں نے اِس تند و تیز طوفان کا منہ پھیر دیا اور دو سال سے کم عرصہ میں سارے جزیرہ عرب پر پھر توحید کا پرچم لہرانے لگ گیا۔

۱۱۵ وہ قوم کون تھی؟ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ، ان کے رفقاء کار، ان کے لشکروں کے جانباز سپاہی، یمن کے قبائل، عرب کے دوسرے لوگ جنہوں نے بڑی بے جگری سے اِس فتنہ کا مقابلہ کیا۔ رضی اللہ عنہم

۱۱۶ ہر فتو اور نتھو کا کام نہیں کہ وہ حوادثات کے منہ زور ریلے کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جائے اور فتنہ و فساد کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود کر اُنہیں گلزارِ خلیل بنا دے۔ اِس لیے فرمایا کہ اس نازک وقت میں اِسلام کی اِمداد کے لیے سر بکف نکلنے والے صرف وہی لوگ ہوں گے جو ان صفات سے متصف ہوں گے وہ اللہ کے پیارے ہوں گے اور اللہ تعالٰی ان کا محبوب ہوگا۔ اہل ایمان کے لیے وہ نرم، مشفق اور سراپا لطف و عنایت ہوں گے اور کافروں کے لیے فولاد کی چٹان کی طرح سخت

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان (2)

ان کی تیسری صفت یہ ہے کہ اس والہانہ سرفروشی اور تن فراموشی کے پسِ پردہ کوئی مادی منفعت کارفرما نہیں ہوتی بلکہ ان کا ہر قدم اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کے لیے اُٹھتا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے متاثر نہیں ہوتے۔

آپ نے غور فرمایا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے جانباز مجاہدوں کو قرآنِ کریم کن الفاظ سے خراجِ تحسین پیش کر رہا ہے۔ جس کے سپاہیوں کی یہ شان ہو، جس کے لشکری اِن اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں، جنہیں زبانِ قدرت ان پاکیزہ جملوں سے سرفراز فرما رہی ہو اُس خلیفۂ برحق کی شان کتنی رفیع اور اُس کا مقام کتنا بلند ہوگا۔ ایسے خلیفہ کی خلافت کی حقّانیت کے بارے

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:153 2۔ کلیات اقبال (اردو)، ضرب کلیم، ص:682

اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ

بہت سخت ہوں گے کافروں پر جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے

لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔ یہ (محض) ۱۱۷ اللہ کا فضل (وکرم) ہے نوازتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت

عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

والا سب کچھ جاننے والا ہے تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول (پاک) ہے ۱۱۸ اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا

میں کسی ایسے شخص کو تو کوئی شبہ نہیں ہوسکتا جو قرآن کو خدا کا کلام اور اپنے خدا کو علیم بذات الصدور یقین کرتا ہو۔

۱۱۷ مالک حقیقی جسے چاہتا ہے اُسے اپنے انعامات سے سرفراز فرماتا ہے۔ اس کا فضل وکرم بے پایاں ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس ذرّۂ ناچیز کو اپنی رحمت سے رشکِ مہر درخشاں بنانا ہے۔

۱۱۸ پہلے دشمنان اِسلام سے دوستی اور محبت کرنے سے روکا گیا۔ اب بتایا جارہا ہے کہ مسلمان کس سے محبت و پیار کریں کسے اپنا ناصر اور مددگار بنائیں۔ فرمایا تمہارا دوست اور مددگار اللہ تعالیٰ، اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں لیکن دنیا کو دِکھانے کے لیے نہیں بلکہ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ یعنی نہایت خشوع وخضوع سے عبادتِ الٰہی میں مشغول و منہمک رہتے ہیں۔ رَکَعَ بمعنی خَشَعَ کثیر الاستعمال ہے مثلاً

لَاتُهِنِ الْفَقِيْرَ عَلَّكَ اَنْ تَرْكَعَ يَوْمًا وَّالدَّهْرُ قَدْ رَفَعَهٗ (1)

یعنی کسی فقیر کو حقارت کی نظر سے مت دیکھ۔ ہوسکتا ہے کہ تُو ذلیل ہوجائے اور زمانہ اُس کو سربلند کردے۔ اسی طرح وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (2) میں بھی رکوع سے عاجزی اور اِنکساری ہی مراد ہے۔ کیونکہ یہ رکوع جو ہم نماز میں کرتے ہیں وہ پہلی اُمتوں میں نہیں تھا۔ اِس صورت میں یہ جملہ حال ہوگا۔ اور نماز پڑھنے والے، زکوٰۃ دینے والے اِیماندار ذوالحال ہوں گے۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ آیت حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں نازل ہوئی۔ ہوا یوں کہ ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ آپ اُس وقت حالت رکوع میں تھے آپ نے اپنی انگوٹھی اُتار کر اُسے دے دی (3)۔ بعض صاحبان نے اِس آیت سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت بلافصل پر استدلال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ لفظ ولی سے مراد یہاں متصرف فی الامور یعنی اِمام اور خلیفہ ہے اور انما حصر کا کلمہ ہے تو آیت کا مطلب ہوا کہ تمہارے امور میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ، اس کا رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وہ مومن ہیں جنہوں نے رکوع کی حالت میں خیرات دی ہو۔ اور یہ کام کیونکہ صرف حضرت سیدنا

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج6، ص169 2۔ سورۂ آل عمران: 43 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج6، ص170

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ

کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وُہ بارگاہِ الٰہی میں جھکنے والے ہیں اور (یاد رکھو) جس نے مدد گار بنایا

وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ع ۸ ۶ ۱۲

اللہ کو اور اس کے رسُولِ کریم کو اور اِیمان والوں کو (تو وُہ اللہ کے گروہ سے ہیں اور) بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے

علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کیا اس حصر کے پیش نظر صرف آپ ہی خلیفہ ہو سکتے ہیں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کا یہ اِستدلال کئی وجوہ سے توجہ کے لائق نہیں۔ ایک تو اس لیے کہ ولی کا معنی یہاں متصرف فی الامور (خلیفہ اور امام) نہیں بلکہ ناصر اور مددگار ہے۔ کیونکہ بعینہ یہی لفظ اس آیت میں مذکور ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ (1) (اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو ولی نہ بناؤ) اور یہ واضح ہے کہ کوئی بھی انہیں خلیفہ نہیں بناتا تھا بلکہ بعض منافق انہیں اپنا ناصر اور مددگار سمجھتے تھے۔ اس آیت کے بعد والی آیت میں بھی ولی بمعنی ناصر ہے۔ تو جس چیز کی نفی ہو رہی ہے اسی کا ہی اثبات ہو رہا ہے۔ یعنی یہودی وغیرہ تمہارے دوست نہیں بلکہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومن تمہارے دوست ہیں۔ دوسری عرض یہ ہے کہ ولایتِ عامہ اور خلافتِ کبریٰ اگر صرف ان لوگوں میں ہی محصور ہو جن میں وَهُمْ رٰكِعُوْنَ کی صِفت پائی جاتی ہو تو پھر حضرت اِمام حسن اور اِمام حسین رضی اللہ عنہما بلکہ جُملہ گیارہ ائمہ اہل بیت کی اِمامت کا ان صاحبان کو بھی اِنکار کرنا پڑے گا کیونکہ ان میں سے کسی نے حالت رکوع میں زکوٰۃ نہیں دی۔ اور اِمام صرف وہی ہو سکتا ہے جو حالت رکوع میں زکوٰۃ دے اِس لیے ان کے اپنے قائم کردہ قاعدہ کے مطابق ان حضرات میں سے کوئی بھی اِمام نہیں ہوگا اور شاید اِس بات کے لیے تو وہ بھی تیار نہ ہوں۔ تیسری کھلی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ آیت حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اِمامت بِلافصل کی دلیل ہوتی تو آنحضرت اسے ضرور پیش فرماتے۔ اور ان وجوہات کے پیش نظر ان صاحبان کا اِستدلال قابل اِلتفات نہیں۔

نیز یہ روایت بھی توجہ طلب ہے۔ نماز میں سائل کے سوال کی طرف توجہ کرنا، پھر ایک ہاتھ کی اُنگلی میں جو انگوٹھی ہے اُس کو دوسرے ہاتھ سے اتارنا، پھر ہاتھ بڑھا کر سائل کو دینا یہ عمل کثیر اور توجہ اِلی الغیر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی شان سے بہت بعید ہے جن کی حالت استغراق کا یہ عالم ہوتا تھا کہ نماز ادا کرتے ہوئے دنیا و مافیہا بلکہ اپنے جسم تک کی خبر نہ رہتی تھی۔ ایک بار جناب کے جسم کو چیر کر تیر نکالا گیا لیکن نہ آپ کو درد ہوا اور نہ تیر نکالنے کا علم ہوا۔ ایسی محویت سے نماز ادا کرنے والا حالت نماز میں کسی غیر کی طرف متوجہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔

نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ وہ انگوٹھی سونے کی تو ہرگز نہ تھی کیونکہ سونا مردوں پر حرام ہے یقیناً چاندی کی ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ اس کا وزن ایک تولہ ہوگا جس کی قیمت اس وقت ایک روپیہ سے بھی کم تھی۔ اگر ایک روپیہ صدقہ کرنے سے خلافت کا حق

1۔ سورۃ المائدہ: 51

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ

اَے ایمان والو! ۱۱۹ مت بناؤ اُن لوگوں کو جنھوں نے بنا رکھا ہے تمھارے دین کو ہنسی اور

لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ

کھیل اُن سے جنھیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور کفّار کو (اپنے) دوست

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اگر ہو تم ایمان دار اور جب تم بُلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو)

اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ

تو وُہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشہ ۱۲۰ یہ (حماقت) اِس لیے ہے کہ وُہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے آپ فرمائیے

ثابت ہو جاتا ہے تو جنھوں نے ہزاروں اشرفیاں ایک بار ہی نہیں کئی کئی بار بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیں اور جب بھی اِسلام کے لیے ضرورت پڑی سونے اور چاندی کے سکوں سے بھری ہوئی جھولیاں قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیں اُن کی خلافت کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔

۱۱۹ یہود اسلامی عبادات کا مذاق اُڑایا کرتے تھے اور کفار کا تو مشغلہ ہی یہ تھا کہ اِسلام کی ہر چیز سے تمسخر کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے محبت و دوستی کے تعلقات قائم کرنے سے منع فرماتے ہیں کہ وہ دین کا مذاق اُڑائیں اور آپ ان سے دوستی رکھیں۔ ایسے کفر نواز اسلام کی اللہ کو ضرورت نہیں۔

۱۲۰ اذان کے متعلق یہود کہا کرتے کہ یہ کیا نئی رسم نکالی ہے جس کا پہلے دینوں میں نام و نشان تک نہیں۔ یہ شور و غُل نا قابل برداشت ہے۔ بجائے اِس کے کہ اپنے گھنٹوں اور ناقوسوں کی بے معنی چیخ و پکار کے مقابلہ میں اذان کے پیارے پیارے اور معنی خیز جملوں کی قدر کرتے وہ الٹا تمسخر اُڑاتے۔ یہ ان کی حماقت اور نادانی نہیں تو اور کیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ مدینہ میں ایک عیسائی تھا جب مؤذن اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے دلنواز الفاظ کہتا تو وہ بدبخت کہا کرتا حُرِقَ الْكَاذِبُ کہ جھوٹا جلایا جائے۔ چنانچہ ایک رات وہ سو رہا تھا کہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی جس میں وہ اور سارا کنبہ جل کر راکھ ہو گیا۔ گویا اس کو جلا کر اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ جھوٹا کون ہے(1)۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص233

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

اے اہلِ کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو[121] ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اُتارا گیا

اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ

ہماری طرف اور جو اُتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے تم میں سے فاسق ہیں آپ (انھیں) فرمائیے کیا

اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ

میں آگاہ کروں تمھیں کہ کون بُرا ہے ان سے[122] باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک وُہ لوگ (بُرے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور

غَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ

غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر اور (وُہ بُرے ہیں) جنھوں نے پُوجا کی شیطان کی

[121] نقم کہتے ہیں ناپسند کرنے، مکروہ ومعیوب سمجھنے کو اور انتقم کا معنی بدلہ لینا، اِنتقام لینا ہے۔ یُقَالُ نَقَمَ مِنْهُ كَذَا اِذَا اَنْكَرَهٗ وَانْتَقَمَ اِذَا كَافَاهُ (بیضاوی)(1) حکم ہو رہا ہے کہ یہود سے دریافت کرو کہ تم ہم سے ناراض اور کھچے کھچے کیوں رہتے ہو۔ چور ہم نہیں۔ جُھوٹ ہم نہیں بولتے۔ کسی پر ظلم وتعدی ہم نہیں کرتے۔ کسی کے دین کی توہین کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ پھر اِس غصّہ وغضب کی آخر کیا وجہ ہے؟ ہاں ہم میں ایک چیز ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو واحد ویکتا سمجھتے ہیں، اس کی جو کتاب ہم پر نازل ہوئی یا جو کتابیں ہم سے پہلے انبیاء سابقین پر نازل ہوئیں۔ ان سب پر اِیمان لائے ہوئے ہیں شاید اس وجہ سے تم ہمیں بُرا سمجھتے ہو۔ اگر یہی وجہ ہے اس بغض وعناد کی تو پھر خود ہی اِنصاف کرو خطا کس کی ہے ہماری یا تمہاری؟

[122] چند یہودی جن میں ابُو یاسر بن اخطب اور رافع بن ابی رافع بھی تھے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے کہ آپ کن کن رسولوں کو مانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں یہ آیت مبارک پڑھی اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا الی قولہ تعالیٰ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (2) ان انبیاء کے اسماء میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا گیا تو یہودیوں نے ان کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے کہا وَاللّٰهِ مَا نَعْلَمُ دِيْنًا شَرًّا مِّنْ دِيْنِكُمْ (3) بخدا ہم تمہارے دین سے بُرا کوئی اور دین نہیں جانتے۔ ان کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور انہیں بتا دیا گیا کہ برے اور شریر وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی درگاہِ رحمت سے دور کر دیا جن پر اس کا غضب ہوا اور جن کو ان کی بدکرداریوں کی پاداش میں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ اور جنہوں نے شیطان کی بندگی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے۔ اے یہود! اگر اپنے اعمال کے آئینے میں غور سے دیکھنے کی تم نے زحمت اُٹھائی تو

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:154 2۔ سورۃ البقرہ:136 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص233

أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا جَاءُوكُمْ

وُہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دُوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہِ راست سے اور جب آتے ہیں تمہارے

قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لاچکے حالانکہ وُہ (یہاں) داخل بھی ہوئے کفر کے ساتھ اَور وُہ نکلے بھی کفر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب

بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ

جانتا ہے جسے وُہ چھپا رہے تھے اَور آپ دیکھتے ہیں بہتوں کو ان میں سے کہ بڑے تیز رفتار ہیں گناہ

وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْ

اور زیادتی کرنے میں ۱۲۳ اور حرام خوری میں بے شک یہ بہت ہی بُرے کام کرتے رہے ہیں کیوں نہیں

لَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ

منع کرتے انھیں ۱۲۴ ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے

تم پر عیاں ہوجائے گا کہ چشم بددور! وہ آپ ہی ہیں۔

۱۲۳ یہ آیت منافقین یہود کے بارے میں نازل ہوئی۔ اِثْمٌ: گناہ۔ عُدْوَانٌ: سرکشی۔ بعض علماء نے ان دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ کہ اثم اس گناہ کو کہتے ہیں جو اِنسان کی اپنی ذات تک محدود ہو اور عدوان اس کو جس کا ضرر دوسروں تک پہنچے۔ (بیضاوی)(1)

۱۲۴ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ لولا اگر ماضی پر داخل ہو تو زجر و توبیخ کے لیے ہوتا ہے یعنی انہوں نے کیوں ایسا نہ کیا۔ کیوں اپنے فرض کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کی۔ اور اگر مضارع پر داخل ہو تو کسی کام پر برانگیخت کرنے اور اکسانے کے لیے ہوتا ہے(2)۔ یہاں مضارع پر داخل ہے اور مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب کے علماء اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ لوگوں کو حرام کاری اور حرام خوری سے منع کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا هِيَ أَشَدُّ آيَةٍ فِي الْقُرْآنِ (کشاف) یہ قرآنِ کریم کی سخت ترین آیت ہے۔ اور ضحاک کہتے ہیں مَا فِي الْقُرْآنِ أَخْوَفُ عِنْدِي مِنْهَا (کشاف)(3) میرے نزدیک قرآن میں اس سے زیادہ خوف دلانے والی کوئی آیت نہیں۔ اس میں علماء اِسلام کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید بلیغ ہے۔ علّامہ قرطبی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک فرشتہ کو حکم دیا گیا کہ فلاں گاؤں کو

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:155 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج1، ص654

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ

سے بے شک بہت بُرے ہیں وُہ کرتوت جو وُہ کیا کرتے تھے اور کہا ۱۲۵ یہُود نے کہ اللہ کا ہاتھ

مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ

جکڑا ہوا ہے جکڑے جائیں ان کے ہاتھ اور پھٹکار ہو ان پر بوجہ اِس (گستاخانہ) قول کے ۱۲۶ بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھُلے

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے ۱۲۷ اور ضرور بڑھادے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف

برباد کردو۔ اس نے عرض کی کہ اس میں تو فلاں عبادت گزار رہتا ہے۔ حکم ہوا کہ ہلاکت کی اِبتدا اسی سے کرو۔ کیونکہ اس کی آنکھوں کے سامنے شریعت کے احکام کی خلاف ورزیاں ہوتی رہیں اور کبھی اس کے چہرے کا رنگ تک بھی میلا نہ ہوا(1)۔

۱۲۵ پہلے تو یہ بتایا کہ یہود اسلامی عبادات، اذان وغیرہ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا کہ اب اُن کی بے باکی اور جسارت کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عزّت وجلال میں بھی گُستاخانہ کلمات زبان پر لانے سے نہیں شرماتے۔ جب یہود نے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کے غلاموں کو دیکھا کہ زندگی فقر وفاقہ سے کٹ رہی ہے افلاس وتنگ دستی کا دور دورہ ہے اور قرآن کی یہ آیت بھی اُنہوں نے سنی مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرہ:245) تو بڑی بے حیائی سے کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خدا فقیر ہے اور بخیل ہے(2)۔ اسی لیے تو مسلمان بھوکے مر رہے ہیں اگر اس کے پاس کچھ ہوتا یا وہ سخی ہوتا تو مسلمانوں کا افلاس اور غربت کے مارے یہ حال ہوتا!

۱۲۶ شدّتِ غضب وناراضگی سے بطور بددعا انہیں کہا جارہا ہے کہ تمہارے ہاتھوں میں بیڑیاں لگیں اور اس گستاخی اور بدزبانی کی پھٹکار تم پر پڑے۔ زمین وآسمان کے مالک کے خزانے بھی کبھی ختم ہوسکتے ہیں اور اس کا دستِ جُود وسخا بھی کبھی بند ہوسکتا ہے۔ معاذ اللہ

۱۲۷ بلکہ اس کے ہاتھ تو کُشادہ ہیں اور مصروفِ جُود وسخا ہیں۔ جب چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ وہ کسی کی اِجازت کا محتاج نہیں۔ یہود نے اور ساری دنیا نے دیکھا کہ اس کا ابرِ کرم اُس کے محبوب پر اور اس کے طفیل اُس کے غلاموں پر جب برسا تو ساری کائنات میں فصل بہار آگئی۔ جہاں جہالت ووحشت کے اندھیرے خیمہ زن تھے وہاں علم وعرفان کے چراغ روشن ہوگئے۔ چند سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ قیصر وکسریٰ کے خزانے ان فقیروں کی مسجدوں میں بانٹے جانے لگے۔ یہ کس کی ذرّہ پروری تھی۔ یہ کس کی بے کس نوازی تھی؟ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان، عرش وفرش کے خالق ومالک کی۔ اور کس

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص237 2۔ ایضاً، جز6، ص238

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ

آپ کے ربّ سے سرکشی اور اِنکار میں۔ اَور ہم نے ڈال دی ہے ان میں ۱۲۸ے دُشمنی اور بغض

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ

روزِ قیامت تک جب کبھی وُہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بُجھا دیتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ ۱۲۹ے

وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۶۴

اور یہ کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی۔ اَور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فسادیوں کو

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

اور اگر اہلِ کتاب اِیمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو ہم ضرور دُور کر دیتے ان سے ان کی بُرائیاں

کے طفیل؟ اس کے طفیل جس کو ردائے رحمۃ للعالمینی اوڑھائی گئی تھی۔ جس کے ہر وقت سجدۂ نیاز و بندگی میں جُھکے ہوئے سر پر محبوبیت کا تاج رکھا گیا تھا۔ اور جس کے قلبِ منوّر کو اس کتابِ مُبین کا حامل بنا دیا گیا جس کے ہر لفظ میں علم و حکمت کے سمندر موجیں مار رہے ہیں۔

اُمّیٔ بُود کہ ما از اثرِ حکمتِ اُو واقف از سرِّ نہاں خانۂ تقدیر شُدیم (1)

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى۔

عربی محاورہ میں بخیل کو مغلول الید اور سخی کو باسط الید کہا جاتا ہے۔ اور اِسی معنی میں یہ الفاظ یہاں مستعمل ہوئے ہیں۔

۱۲۸ے ہدایت قبول کرنے سے اِنکار اور گمراہی سے چمٹے رہنے پر اصرار کا یہ طبعی نتیجہ تھا کہ ان میں اِتفاق و محبت کی جگہ ناچاقی اور عداوت رُونما ہو جائے۔ چنانچہ مذہبی طور پر بھی وہ اَن گنت فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور ایک دوسرے کی تکفیر اور تضلیل میں لگ گئے۔ اور سیاسی طور پر بھی ایک دوسرے کے دشمن اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے۔

۱۲۹ے اور جب کبھی بھی انہوں نے اِسلام اور نبی اِسلام کے خلاف فِتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی ناکام ہوئے اور ہمیشہ اِسلام کو ہی غلبہ نصیب ہوا۔ بعض مفسرین نے کُلّما (ہر بار) کو زمانۂ نبوت کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ بلکہ اس کو ان کی ساری تاریخ سے متعلق کیا ہے۔ جب کبھی انہوں نے کچھ ہوش سنبھالا اور آمادۂ فساد ہوئے تو ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا جابر اور قاہر دشمن مسلط کیا جس نے ان کو پیس کر رکھ دیا۔ چنانچہ پہلے بخت نصر نے ان کی اِینٹ سے اِینٹ بجا دی۔ پھر جب کچھ سنبھلے اور

1۔ کلیات اقبال فارسی، ص:308، پیام مشرق، ص:138

وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ

اور ہم ضرور داخل کرتے انھیں نعمت کے باغوں میں اور اگر وہ ۱۳۰؎ قائم کرتے تورات

وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ

اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انھیں حتی کہ وہ کھاتے

وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ

اُوپر سے بھی اور نیچے سے بھی ۱۳۱؎ ان میں ایک جماعت اعتدال پسند بھی ہے ۱۳۲؎ اور اکثر

شرارتیں شروع کیں تو فطرس (پطرس) رُومی نے آکر ان کی سرکوبی کی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب کچھ شوکت وقوت حاصل کی اور دنگا فساد شروع کر دیا تو مجوس نے آکر کچومر نکال دیا۔ یہاں تک کہ اسلام نے آکر ہمیشہ کے لیے ان کے خوابوں کی دنیا پریشان کر دی اور اُن کی جھوٹی اُمیدوں کے چراغ گُل کر دیئے۔ (قرطبی و بیضاوی)(1)

۱۳۰؎ تورات اور انجیل کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے احکام کے مطابق عمل کیا جائے اور اپنی خواہشات کے مطابق ان میں ردّ و بدل کر کے ان کو بگاڑ نہ دیا جائے۔ اِقَامَةُ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ الْعَمَلُ بِمُقْتَضَاهُمَا وَعَدَمُ تَحْرِيْفِهِمَا(2)۔

۱۳۱؎ اظہارِ مبالغہ کے لیے ہے۔ یعنی تورات و انجیل کی اتباع کی برکت سے انہیں کشادہ، حلال اور پاکیزہ روزی دی جاتی۔ اسی طرح دوسری آیت ہے۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ(3) ''اگر ان گاؤں کے رہنے والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے''۔ اور اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ہم آسمان سے ان کے قلب و رُوح کے لیے رحمتوں اور برکتوں کی غذا نازل کرتے اور ان کے جسم کے لیے زمین میں چھپے ہوئے رزق کے خزانوں کے منہ کھول دیتے۔ کیونکہ اِنسان کو جس طرح جسمانی خوراک کی ضرورت ہے اِسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ روحانی غذا کی ضرورت ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی سے فقر و تنگ دستی نہیں بلکہ فراخی اور وُسعت ہوتی ہے وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ(4) ''جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ بنا دیتا ہے اور اسے ایسے ذرائع سے رزق دیتا ہے جن کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا''۔

۱۳۲؎ سب ایک جیسے نہیں۔ بلکہ اُن میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو اعتدال و اِنصاف سے کام لیتی ہے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سمجھ کر اس پر اِیمان بھی لے آتی ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 240۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:156

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 241

3۔ سورۂ اعراف:96

4۔ سورۃ الطلاق:131

ع ۹ ۱۰ ۱۳

مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

ان میں سے بہت بُرا ہے جو کر رہے ہیں اَے رسُولؐ! ۱۳۳؎ پہنچا دیجئے جو اُتارا گیا ہے آپ کی طرف

۱۳۳؎ جس قوم کی اِصلاح اور ہدایت کے لیے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا ان کی کوئی بات بھی تو درست نہ تھی۔ سیاسی طور پر وہ بدنظمی اور اِنتشار کا شکار تھے۔ معاشی طور پر ان کی بدحالی کی مثال نہ تھی۔ اخلاقی لحاظ سے ان کے ہاں گنگا ہی اُلٹی بہہ رہی تھی۔ شراب نوشی، جوابازی اور بدکاری، سرداری اور دولت مندی کی علامات تھیں۔ ظلم وقتل کو شجاعت، معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرنے کو تقاضائے حمیّت وغیرت اور اسراف وفضول خرچی کو سخاوت کہا نہیں جاتا تھا بلکہ یقین کیا جاتا تھا۔ دینی لحاظ سے تو اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ وہ گھر جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا وہاں تین سو ساٹھ بتوں کی پُوجا ہو رہی تھی۔ اور یہ ان کا دین تھا۔ ان کا عقیدہ تھا۔ انہیں اِس پر کامل یقین بھی تھا اور اس سے والہانہ محبت بھی تھی۔ اب جو ہستی ایک ہمہ گیر انقلاب کی داعی بن کر آئی تھی اور جسے زندگی کے ہر شعبہ میں ہر خرابی کی اِصلاح کے لیے مقرر فرمایا گیا تھا۔ اس کا فرض تھا کہ سیاسی اِنتشار کے جو محرِکات تھے ان پر بھی ضرب کاری لگائے۔ وہ عناصر جن کی دھاندلیاں وہاں کی معاشی زندگی کو درہم برہم کر رہی تھیں۔ ان کے منہ میں بھی لگام دے وہ خبیث عادتیں اور وحشیانہ افعال جن پر اخلاقِ عالیہ کے دلکش غلاف چڑھے ہوئے تھے ان کو بھی بے نقاب کرے اور اخلاق فاضلہ کا صحیح مفہوم بھی اُن کے ذہن نشین کرائے اور اُن کی عقیدت کے صنم کدوں میں جتنے بت تھے پتھر کے، تانبے کے، پیتل کے، اپنی خواہشات کے، اپنے نفس کے، ذاتی اور قبائلی عصبیتوں کے ان سارے بتوں کو اِلّا اللہُ کی ضرب سے ریزہ ریزہ کرے۔ اس کارِ عظیم کے لیے قدرت کی نظرِ اِنتخاب پڑی تو اس پر جس کا کوئی بھائی نہیں، جس کے سر پر باپ اور دادا کا سایہ نہیں۔ دولت نہیں۔ خدّام نہیں۔ اس کے پاس صرف اللہ کا نام ہے۔ یہی اس کی ساری قوتوں کا سرچشمہ ہے اور یہی اس کی ساری توانائیوں کا منبع ہے۔ اِس نازک اور مشکل ترین خدمت کے لیے اسے متعین فرما کر اس کا رب اسے فرماتا ہے کہ آپ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور رسول کا کام یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کا پیغام بے خوف وخطر کسی ردّ و بدل کے بغیر پہنچا دے۔ اِس لیے اپنے منصب رِسالت کا پاس رکھتے ہوئے اپنے ربّ کریم کا جو حکم آپ کو ملے اس کو اس کی مخلوق تک پہنچا دو۔ اور اگر کسی حکم کے پہنچانے میں پس وپیش کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے اپنا فرضِ منصبی پورا کرنے میں غفلت برتی ہے اور اس کا ذرا حق ادا نہیں کیا۔ باقی رہی دشمنوں کی قوت، کفّار کے حملے، منافقین کی سازشیں اور یہود وغیرہ کی ریشہ دوانیاں تو سُن لو اللہ تعالیٰ خود آپ کا نگہبان ہے۔ کوئی آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اب آپ خود غور کیجئے کہ اس صریح اور پُرجلال حکم کے بعد کوئی یہ باور کر سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو کسی کی پاسداری کے لیے یا کسی کے خوف سے چھپایا ہو۔ مولانا عثمانی کے یہ الفاظ بڑے معنی خیز ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''نوعِ اِنسانی کے عوام وخواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی اِستعداد کے مطابق تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلاکم وکاست اور بے خوف وخطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی''(1)۔

1۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ شبیر احمد عثمانی، متولد 1885ء متوفی 1949ء، ص:154، مطبوعہ دارالتصنیف لمیٹڈ شاہراہ لیاقت، صدر۔ کراچی نمبر 3

مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ

آپ کے پروردگار کی جانب سے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو

مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ

لوگوں (کے شر) سے یقیناً اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافروں کی قوم کو آپ فرمائیے اے

الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَ

اہلِ کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور

مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

جو اُتارا گیا تمہاری طرف تمہارے ربّ کی جانب سے اور ضرور بڑھا دے گا[۱۳۴] اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ

طرف آپ کے ربّ کی جانب سے سرکشی اور انکار میں پس آپ نہ افسوس کریں[۱۳۵] قومِ کفّار پر بے شک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ

جو لوگ ایمان لائے[۱۳۶] اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصرانی جو بھی (ان میں سے)

---

۱۳۴ یعنی جُوں جُوں آیاتِ قرآنی کا نزول ہوتا ہے ان کا غیظ و غضب بڑھتا جاتا ہے اور ان کے کُفر و سرکشی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

۱۳۵ اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کا دل کیوں رنجیدہ ہو۔ اگر یہ گمراہی پر جمے ہوئے ہیں تو جمے رہیں اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔ اَسِیَ یَاْسٰی اَسیً اِذَا حَزِنَ (قرطبی)(1)

۱۳۶ اِس آیت کی وضاحت سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 62 میں گزر چکی ہے۔ اور ایمان باللہ سے مراد اس کی ذات، اس کی صفاتِ کمال، اُس کی نازل کی ہوئی کتابوں اور اُس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لانا ہے۔ کیونکہ جو کوئی کسی رسول پر ایمان نہیں لاتا وہ گویا اُس کے بھیجنے والے کا انکار کر رہا ہے۔ جو شخص کسی بادشاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتا ہے۔ لیکن اُس کے مقرر کیے ہوئے احکام کا اِنکار کرتا ہے وہ یقیناً اس بادشاہ کے حکم کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہا ہے۔ اِس لیے کوئی اِس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ رسولوں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 245

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ

ایمان لایا اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور نیک عمل کیے تو نہ کوئی خوف ہے ان پر اور

لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ

نہ وُہ غمگین ہوں گے بے شک ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ بنی اِسرائیل سے اور ہم نے بھیجے تھے

اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا

ان کی طرف رسُول جب کبھی آیا اُن کے پاس کوئی رسُول وُہ حکم لے کر جسے ناپسند کیا ان کے نفسوں نے ۱۳۷

كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا

تو (انبیاء کے) ایک گروہ کو تو انھوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا اور یہ فرض کر لیا کہ نہیں ہوگا (انھیں) عذاب ۱۳۸ تو اندھے

وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ

بن گئے اور بہرے بن گئے ۱۳۹ پھر نظرِ رحمت فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر ۱۴۰ پھر وُہ اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے بہت ان میں سے ۱۴۱

پر اِیمان لائے بغیر بھی نجات ممکن ہے۔

۱۳۷ جب کسی اللہ کے نبی نے بنی اسرائیل کو ان کی عہد شکنیوں اور غلط کاریوں پر ملامت کی اور انہیں کوئی ایسی بات کہی جو ان کی طبیعتوں پر ناگوار گزری تو وہ بپھر گئے۔ نبوت کے احترام کو بالائے طاق رکھ دیا اور انبیاء کی برملا تکذیب شروع کر دی۔ اور زبانی اِنکار پر ہی اِکتفا نہ کیا بلکہ بعض انبیاء کو قتل کر دیا۔ (ان تمام اُمور کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

۱۳۸ فِتنہ سے مراد آزمائش اور اِبتلاء ہے یعنی وہ یہ گمان کیے ہوئے تھے کہ ہم انبیاء کی جو ہتک کر رہے ہیں اور بعض کو شہید کر دیا ہے اِس کے متعلق ہم سے باز پُرس نہ ہوگی اور ہمیں آزمائش میں مبتلا نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ علامہ قرطبی نے یہی لکھا ہے۔ اِبْتِلَاءٌ وَّ اخْتِبَارٌ بِالشَّدَائِدِ (1) لیکن علامہ زمخشری اور بیضاوی نے فِتنہ کا معنی عذاب کیا ہے (2) یعنی وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرزند اور چہیتے ہیں اِس لیے وہ خواہ کچھ کرتے رہیں انہیں عذاب ہرگز نہیں ہوگا۔ فِتنہ بمعنی عذاب قرآن میں اور جگہ بھی آیا ہے مثلاً ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ (3) اَیْ عَذَابَكُمْ۔ (4)

۱۳۹ یعنی ہر طرح کی گرفت اور باز پرس سے بالکل مطمئن ہو کر ہدایت کا نور دیکھنے سے اور حق کا پیغام سننے سے اپنی آنکھیں اور

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص247
2۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج1، ص663، تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:157
3۔ سورۃ الذاریات:14
4۔ تفسیر کشاف، ج4، ص397

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو وُہ کرتے ہیں بے شک کافر ہو گئے وُہ جنھوں نے (یہ) کہا کہ اللہ ۱۴۲

الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا

مسیح بن مریم ہی تو ہے حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے اَے بنی اِسرائیل! عبادت کرو

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ

اللہ کی جو میرا بھی رب ہے، اَور تمھارا بھی رب ہے، یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے

کان بند کر کے اندھے اور بہرے بن کر رہ گئے۔

۱۴۰ اِس سے مراد حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے اِن مدہوشوں کو ہوشیار کرنے کے لیے اپنا رسول بھیجا پھر بھی گنتی کے چند لوگوں کے سوا یہ اندھے اور بہرے ہی بنے رہے۔

۱۴۱ یہاں ایک چیز حل طلب ہے۔ نحو کا قاعدہ ہے کہ فاعل ظاہر ہو تو خواہ وہ جمع ہی کیوں نہ ہو فعل واحد ذِکر کیا جاتا ہے۔ یہاں ''کثیر'' فاعل ظاہر ہے۔ اس کے باوجود عَمُوْا اور صَمُّوْا فعل جمع کیوں ذکر کیا گیا۔ اِس کا ایک جواب یہ ہے کہ ''کثیر'' فاعل نہیں۔ بلکہ ''واوٗ'' علامت جمع اور ضمیر فاعل ہے اور کثیر اس کا بدل ہے۔ فَارْتَفَعَ كَثِيْرٌ عَلَى الْبَدَلِ مِنَ الْوَاوِ (قرطبی)(1) دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عرب کی ایک لغت میں ایسے موقع پر بھی فعل کا جمع کا صیغہ مستعمل ہوتا رہتا ہے جیسے اَكَلُوْنِيْ الْبَرَاغِيْثُ یا جیسے فرزدق کا شعر ہے۔

وَلٰكِنْ دِيَافِيٌّ اَبُوْهُ وَاُمُّهٗ بحوران يَعْصِرْنَ السَّلِيْطَ اَقَارِبُهٗ (قرطبی)(2)

یہاں اقاربہ فاعل ہے پھر بھی یعصرن جمع مونث ذکر ہوا۔

۱۴۲ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو ''الٰہ'' مانتے ہیں جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ان کے دعویٰ کا بطلان حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے کرایا جا رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ کون اللہ جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ رب کا معنی ہے آہستہ آہستہ کسی چیز کو اس کی استعداد کے مطابق نقص سے کمال کی طرف، کمزوری سے قوت کی طرف پہنچانے والا۔ تو جب وہ مجھے مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے تو پھر میں خدا کیسے ہو سکتا ہوں۔ خدا تو وہ ہے جو ہر نقص اور کمی سے پہلے ہی پاک اور منزہ ہو۔ وہ کسی کے پاک کرنے اور منزہ کرنے کا محتاج نہیں ہوتا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص248 2۔ ایضاً

عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

اس پر جنّت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار ۱۴۳

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ

بے شک کافر ہو گئے وُہ جنھوں نے (یہ) کہا کہ اللہ تیسرا ہے ۱۴۴ تین (خداؤں) سے۔ اور نہیں ہے کوئی خدا

وقف لازم

۱۴۳ یعنی اگر تم مجھے خدا سمجھو گے تو شرک کا اِرتکاب کرو گے اور جو شرک کرتا ہے وہ ظلم عظیم کرتا ہے اور اس روز ظالم کی اِمداد نہیں کی جائے گی۔ اور میں بھی تم سے دست بردار ہو جاؤں گا۔

۱۴۴ عقیدۂ تثلیث کی حقیقت کیا ہے؟ عیسائیوں نے اسے کب اور کیوں اختیار کیا؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی قول سے اس کی تائید ہوتی ہے؟ کیا پہلی تین انجیلوں میں یہ عقیدہ موجود ہے؟ جب تک ان سوالات کا تحقیقی جواب نہ دیا جائے نہ ہم قرآن حکیم کی اِن آیات کو پُوری طرح سمجھ سکتے ہیں اور نہ علیٰ وجہ البصیرت مسیحی عقائد کے متعلق گفتگو کر سکتے ہیں۔ آیئے نہایت صبر و سکون اور متانت و سنجیدگی سے اِن امور کی تحقیق کریں۔

اس وقت میرے پیشِ نظر بائیبل کے علاوہ اِنسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا (مطبوعہ 1962ء) ہے۔ جو دنیا بھر کے فُضلاء اور محققین کی کاوشوں کا مجموعہ ہے۔ اور جسے تمام علمی حلقوں میں مستند ترین کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔ مسیحیت کے متعلق میں نے اس میں عیسائی علماء کے مضامین کا مطالعہ کیا ہے ان کے مطالعہ سے میں جن نتائج پر پہنچا ہوں وہ ہدیہ ناظرین ہیں:

مسیحیت (Christianity) کے موضوع پر جارج ولیم ناکس (G.W.Knox) اور سڈنی ہربرٹ میلون (S.H.Mellone) نے مل کر جو محققانہ مقالہ لکھا ہے اس میں وہ رقمطراز ہیں:

''مسیح نے خود بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی اصل کوئی مافوق الفطرت چیز ہے بلکہ وہ اِس پر مطمئن تھے کہ انہیں مریم اور جوزف کے بیٹے کی حیثیت سے پہچانا جائے''۔ (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد 5، صفحہ 632)(1)

اس خیال کی تائید میں انہوں نے مرقس کی انجیل باب ششم کی آیت نمبر 3,4 کا حوالہ دیا ہے۔ ''کیا یہ وُہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور یوسیس اور یہوداہ اور شمعون کا بھائی ہے؟ اور کیا اِس کی بہنیں یہاں ہمارے ہاں نہیں؟ پس اُنہوں نے اس کے سبب ٹھوکر کھائی۔ یسوع نے ان سے کہا نبی اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزّت نہیں ہوتا(2)۔

یوحنا کی یہ آیت بھی زیرِ نظر رہے۔ ''پھر ان دو دنوں کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہو کر گلیل کو گیا کیونکہ یسوع نے خود گواہی دی کہ نبی اپنے وطن میں عزّت نہیں پاتا (4:43-44)(3) لوقا کی یہ آیت بھی توجہ طلب ہے۔

''مگر مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی راہ پر چلنا ضرور ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو''۔ (13:33)(4)

1۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج 5، ص 632، مطبوعہ چکاگو، لندن
2۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ) مرقس، باب 6، آیت: 4-3، ص: 39
3۔ ایضاً، یوحنا، باب 4، آیت: 44-43، ص: 85
4۔ ایضاً، لوقا، باب 13، آیت: 33، ص: 68

انا جیل کی ان آیات اور سابقہ تصریح سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ اپنے آپ کو مریم کا بیٹا کہلوایا اور اپنے نبی ہونے کا بار بار اعلان کیا اور کبھی بھی اپنے آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں کہا۔

(ان تصریحات سے اِسی سورت کی آیت نمبر 116 کی تصدیق بھی ہو گئی)

جب حقیقت یہ ہے تو پھر تثلیث (تین خدا) اور ابنیت کا نظریہ اس دین میں کیونکر گھس آیا۔ اس کے متعلق بھی مذکورہ بالا فاضلوں کی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

''باپ، بیٹا اور رُوح القدس کی اِصطلاحات کو یہودی ذرائع نے مہیّا کیا۔ یسوع نے شاذ و نادر ہی آخری اِصطلاح استعمال کی ہو۔ (سینٹ) پال کے متعلق بھی یہ واضح نہیں کہ اس نے اسے اِستعمال کیا۔ چنانچہ تثلیث کا مواد یہودی ہے۔ جسے یُونانی (فلسفہ کے) اثر و رسوخ نے اِس قالب میں ڈھالا ہے''۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد 5، صفحہ 633۔(1)

دین مسیحی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت جو چیز بڑی عجیب و غریب اور انوکھی معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس دین کے بنیادی عقائد وہ نہیں جو اس دین کے بانی حضرت مسیح علیہ السلام نے بتائے ہیں یا جو انجیلوں میں مذکور ہیں بلکہ اس کے بنیادی عقائد وہ ہیں جو پادریوں کی کونسلیں مختلف حالات میں مقرر کرتی رہی ہیں۔ اور یہ کونسلیں اِس امر کی مجاز ہیں کہ حضرت مسیح پر اِیمان رکھنے والے اگر ان کے منظور کردہ عقائد سے اِنحراف کریں تو وہ انہیں مرتد قرار دے کر اس دین سے خارج کر دیں۔ ان کونسلوں کی داستان بڑی دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔

مجھے اب آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ جب تثلیث کا کوئی سراغ ہمیں یسوع مسیح کے کلام میں نہیں ملتا اور انجیلوں کی آیات بھی مسیح کی ابنیت (بیٹا ہونا) کی بجائے ان کی نبوت ثابت کر رہی ہیں تو پھر یہ مشرکانہ نظریہ کیسے اور کب نمودار ہوا۔ اس کے متعلق بھی اِنسائیکلو پیڈیا کے حوالہ سے حقیقت حال پیش کرتا ہوں۔

قسطنطین کے تخت نشین ہونے سے پہلے عیسائیوں پر طرح طرح کے مظالم کیے جاتے تھے اور حکومت روم کی نگاہوں میں بھی یہ معتوب تھے۔ لیکن یہ مذہب آہستہ آہستہ پھیلتا رہا اور تقویت پکڑتا رہا۔ قسطنطین جب رومن ایمپائر کا فرمانروا بنا تو اس نے 313ء میں میلان کے فرمان شاہی کے ذریعہ مذہبی آزادی کا اعلان کیا۔ اپنی سیاسی اغراض کی وجہ سے عیسائیوں پر عنایات خسروانہ کی بارش شروع کر دی تا کہ ان کی کثیر آبادی کی ہمدردیاں اور وفاداریاں حاصل کر کے اپنی حکومت کو مستحکم کر لے۔ اور 337ء میں جب وہ بستر مرگ پر دم توڑ رہا تھا تو اس نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اسے بپتسمہ دیا گیا۔ یہ تو ان کے سیاسی حالات تھے۔ لیکن اس سے پہلے تین صدیوں میں ان کے عقائد میں کیا کیا تبدیلیاں رُونما ہو چکی تھیں۔ اور قسطنطین کی سرپرستی میں ان میں کیا قطع و برید کی گئی۔ اس کے متعلق تاریخ کلیسا (Church history) کے عنوان پر چار مسیحی فضلاء نے جو لکھا ہے اس کا اِقتباس پیشِ خدمت ہے:

''تیسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے یسوع کو کلام الٰہی (Logos) کا مجسمہ تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن اُس کی اُلوہیت کا عام طور پر اِنکار کیا جاتا تھا۔ اِس اثنا میں ایریس (Arius) کے تنازعہ نے چوتھی صدی کے کلیسا کو جس اضطراب و حیرت میں

1۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج 5، ص 633

مبتلا کر دیا تھا اس نے لوگوں کی توجّہ کو اِس مسئلہ کی طرف مبذول کیا۔ نیقیا (Nicaea) کی کونسل جو 323ء میں منعقد ہوئی اس میں سرکاری طور پر یسوع کی الُوہیت کو تسلیم کر لیا گیا جسے باضابطہ طور پر مرتّب کرنے کے بعد (Nicene creed) کا نام دیا گیا۔ تنازعہ کچھ عرصہ جاری رہا۔ لیکن آخر کار مشرق و مغرب کے عیسائیوں نے اِسی عقیدہ کو صحیح مسیحی عقیدہ مان لیا۔ بیٹے کی الُوہیت کے ساتھ رُوح القدس کی الوہیت بھی تسلیم کر لی گئی۔ نیقیا کے عقیدہ کی فتح نے تثلیث کو عیسائی مذہب کے صحیح عقائد کا جزوِ لاینفک بنا دیا۔ بیٹے کی الوہیت کا مظہر یسوع کو قرار دے دینے سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہوگئی جو چوتھی صدی اور اس کے بعد عرصہ تک مابہ النزاع بنی رہی۔ وہ یہ کہ یسوع میں الُوہیت اور اِنسانیت کا باہمی تعلق کیا ہے؟ کالسیڈن (Chalcedon) کی کونسل جو 451ء میں منعقد ہوئی اس میں یہ قرار پایا کہ مسیح کی ذات میں الُوہیت اور اِنسانیت دونوں یکساں طور پر مجتمع ہیں اور باہمی اِمتزاج کے باوجود دونوں کی خصوصیات جُوں کی تُوں قائم ہیں۔ قسطنطنیہ کی تیسری کونسل جو 680ء میں منعقد ہوئی اس میں اس پر مزید اضافہ کیا گیا کہ ان دو ماہیتوں کی الگ الگ مرضی اور مشیت ہے۔ مسیح دونوں مشیتوں کا مالک ہے۔ مغربی کلیسا نے نیقیا، کالسیڈن اور قسطنطنیہ کے فیصلوں کو قبول کر لیا اور اِس طرح تثلیث اور مسیح کے اندر دو مشیّتوں (خدائی اور انسانی) کے وجود کے نظریات کو مشرق و مغرب کے کلیساؤں نے بحیثیت پختہ اور صحیح عقیدہ کے مان لیا''۔

(انسائیکلو پیڈیا جلد 5، صفحہ 78-677)(1)

اِس طویل اِقتباس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ تثلیث و ابنیت کے عقائد خدا اور اس کے نبی کے بتائے ہوئے عقائد نہیں ہیں بلکہ سینکڑوں سال بعد اِنعقاد پذیر ہونے والی کونسلوں نے انہیں گھڑا اور عیسائیوں کے لیے ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ قرآن کریم نے بارہا علماء اہل کتاب کے متعلق جو یہ اعلان فرمایا کہ وہ اپنی طرف سے باتیں گھڑتے ہیں اور پھر اسے خدا کی طرف اور اس کے پیغمبروں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اس کا کتنا واضح ثبوت ان کی اپنی تاریخ نے فراہم کر دیا۔

لیکن یہ بحث تشنۂ تکمیل رہے گی اگر یہ نہ بتایا جائے کہ نیقیا کی کونسل میں مسیح کی الُوہیت کا جو اِفتراء باندھا گیا اس کے محرکات کیا تھے؟ اور کیا اِس کونسل میں شرکت کرنے والے سارے بشپ اِس عقیدہ کو دل و جان سے تسلیم کرتے تھے یا نہیں؟

یہ بات سمجھنے کے لیے اِس کے پس منظر کا سمجھنا لازمی ہے۔ قسطنطِین کی حمایت و سرپرستی میں عیسائیت کو امن و سکون نصیب ہوا تو ان میں نظریاتی خانہ جنگی شروع ہوگئی جس کے باعث ان کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی اور ان کی سیاسی قوت زوال پذیر ہونے لگی۔ اِس طرح قسطنطین نے جس خیال سے ان کی حمایت شروع کی تھی وہ خوابِ پریشان ثابت ہونے لگا۔ چنانچہ اِس داخلی اِنتشار کو دور کرنے کے لیے اس نے نیقیا میں تمام عیسائی علماء کی کونسل طلب کی۔ جس کے اجلاس 20 مئی سے 25 جولائی 323ء تک جاری رہے۔ سب سے اہم مسئلہ جو زیر بحث آیا وہ یہ تھا کہ یسوع کا تعلق خدا سے کس نوعیت کا ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ اس کونسل کا داعی بھی قسطنطِین تھا۔ اِس کے جملہ مصارف بھی اس نے اپنی گرہ سے ادا کیے اور اس کے کئی اجلاسوں میں شرکت بھی کی اور ان کے فیصلوں کو اپنے شاہی اِختیارات سے نافذ کیا اور جس نے ماننے سے اِنکار کیا اس کو سزائیں دیں۔ (انسائیکلو پیڈیا جلد 6، صفحہ 588)(2)

1۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج 5، ص 78-677 2۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج 6، ص 588

اس کونسل کے انعقاد کے محرکات اور پس منظر کو سمجھ لینے کے بعد مسیح کی الُوہیت کے متعلق جو قرارداد پاس کی گئی اب اس کے متعلق مسیحی فاضلوں کی آراء سنیے:

''یہ درست ہے کہ کثرتِ آراء سے نیقیا کی کونسل میں اسکندریہ کے عقیدہ کو منظور کیا گیا لیکن یہ اتفاق قلبی یقین و اِیمان سے رُوپذیر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شرکت کرنے والے پادریوں کی اکثریت غیر جانب دار تھی۔ انہیں اس سے کوئی ذاتی دلچسپی نہ تھی۔ دوسری وجہ شاہی اِختیارات اور ان کا دباؤ تھا۔ اس کے ثبوت کے لیے ہمارے پاس تاریخی شہادت موجود ہے وہ یہ کہ ایریس (Arius) کے خلاف یہ فیصلہ اگر پورے غور و فکر کے بعد کامل اِیمان و یقین سے کیا گیا ہوتا تو پھر اس عقیدہ کے حق میں رائے دینے والے ایریس سے کبھی نرم برتاؤ نہ کرتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ عقیدہ فقط ان لوگوں کی طرف سے مسلط کیا گیا تھا جو اس کونسل کے بانی تھے (یعنی قسطنطین اور اس کے اعیانِ حکومت) اِن حالات میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ کثرتِ آراء قطعاً اِس بات کا معیار نہیں کہ مسیح کی الوہیت کا جو عقیدہ اِس کونسل میں منظور ہوا اس میں کونسل کے ارکان کا قلبی یقین بھی کارفرما تھا''۔(1)

فاضل مقالہ نگار مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ نیقیا کی کونسل کے متعلق اپنی نگارشات کا اختتام کرتا ہے:

''اس مصنوعی اور بناوٹی اِتحاد سے جو عقیدہ گھڑا گیا تھا وہ امن برقرار رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اس نے ایسے جھگڑوں کے لیے راہ ہموار کر دی جن کے باعث مملکت کی بُنیادیں لرز گئیں۔ نیقیا کے اس عقیدہ کے اعلان کے بعد لوگوں نے اس پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ عقیدہ جو کلیسا نے فکر و تدبر کے بغیر اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا اس کی تشریح و توضیح کرتے وقت کلیسا کو ایسی مذہبی بحثوں میں اُلجھنا پڑا جن کا راستہ بڑا دشوار اور پر خار تھا''۔(انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد 6، صفحہ 410)

ان تاریخی حقائق کو مدّنظر رکھتے ہوئے اب اِن آیات لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا الخ کو غور سے پڑھو۔ آفتابِ حقّانیت کی تابانیاں آپ کی چشم خرد کو روشن کر دیں گی اور اللہ تعالیٰ نے اسی سورت کی آیت نمبر 48 میں قرآن کو سابقہ آسمانی کتب کے نگہبان (مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ) کا جو لقب عطا فرمایا ہے۔ اس کی صداقت آشکارا ہو جائے گی۔

خدارا بتایئے کیا اس دین کو دین الٰہی کہنا بجا ہے جس کے بنیادی عقائد چند آدمیوں نے سیاسی دباؤ اور سیاسی اغراض کی خاطر صدہا سال بعد خود وضع کیے ہوں اور ان میں اپنے پیغمبر کے اِرشادات سے واضح اِنحراف کیا گیا ہو۔ مسیحیت کو اس کی اپنی تاریخ کے آئینہ میں آپ نے دیکھ لیا۔ اس کے بعد کسی مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں۔

1۔انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ج6، ص410

إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ

مگر ایک اللہ ۱۴۵ اور اگر باز نہ آئے اِس (قولِ باطل) سے جو وُہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنھوں نے

كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ

کفر کیا ان میں سے دردناک عذاب تو کیا نہیں رجُوع کرتے اللہ کی طرف اَور کیا نہیں بخشش طلب کرتے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٤﴾ مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ

اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے نہیں مسیح بن مریم ۱۴۶ مگر ایک رسُول ۔ گزر چکے ہیں

مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انظُرْ

اس سے پہلے بھی کئی رسُول اور ان کی ماں بڑی راست باز تھیں دونوں کھایا کرتے تھے کھانا دیکھو!

كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾ قُلْ

کیسے ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ان کے لیے دلیلیں پھر دیکھو وُہ کیسے اُلٹے پھر رہے ہیں ۱۴۷ آپ فرمائیے

۱۴۵ یعنی اور کوئی خدا ہے ہی نہیں سوائے اس کے جو صفت وحدانیت سے متّصف ہے۔ اس جملہ میں ''ما'' استغراق نفی کا فائدہ دیتا ہے یعنی کسی قسم کا تعدّد نہیں نہ ذات میں نہ اِعتبار میں۔ صرف وُہی خدا ہے جو ہر طرح کی کامل وحدانیت اور یکتائی سے متّصف ہے۔

۱۴۶ حضرت مسیح کی الُوہیت کی نفی کرنے کے بعد بتایا کہ وہ ہیں کون؟ فرمایا وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول آچکے ہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور اِنسان تھے۔ نہ پہلے رسولوں میں سے کوئی خدا تھا نہ مسیح خدا ہیں اور اُن کی والدہ محترمہ مریم اللہ تعالیٰ کی ایک راست باز بندی ہیں۔ وہ دونوں ماں بیٹا اپنی زندگی کی بقا کے لیے دوسرے انسانوں کی طرح طعام کھایا کرتے تھے۔ جب اُنہیں کھانے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تو وہ بندے ہوئے خدا تو نہ ہوئے۔ اِس آیت میں یہودیوں کی بھی تردید ہوگئی اور عیسائیوں کا بھی رد آ گیا۔

۱۴۷ اے ناظر منصف! ان کے عقیدہ کے بطلان پر کتنے زبردست دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن وہ پھر بھی اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید سے باز نہیں آتے۔ اب اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج!

اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ

کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اس کی جو نہیں مالک تمہارے نقصان کا اور نہ نفع کا[۱۴۸] اور اللہ تعالےٰ

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

ہی سب کچھ سُننے والا سب کچھ جاننے والا ہے آپ فرمائیے اے اہل کتاب! نہ حد سے بڑھو اپنے دین میں

غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ

ناحق اور نہ پیروی کرو[۱۴۹] اس قوم کی خواہشوں کی جو گمراہ ہو چکی ہے پہلے سے اور

اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ع ۱۱ ۱۴

گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہِ راست سے لعنت کیے گئے وہ جنھوں نے کفر کیا

مِنْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا

بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسٰی پسر مریم کی زبان پر یہ بوجہ اس کے کہ

[۱۴۸] حضرت صدر الافاضل مُراد آبادی رقمطراز ہیں۔ ”یہ ابطال شرک کی ایک اور دلیل ہے اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ الٰہ (مستحق عبادت) وہی ہوسکتا ہے جو نفع وضرر وغیرہ ہر چیز پر ذاتی قدرت واختیار رکھتا ہو جو ایسا نہ ہو وہ الٰہ (مستحق عبادت) نہیں ہوسکتا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام نفع وضرر کے بالذات مالک نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے مالک کرنے سے مالک ہوئے۔ تو ان کی نسبت الُوہیت کا اِعتقاد باطل ہے“۔ (خزائن العرفان)(1)

[۱۴۹] اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو فرماتے ہیں کہ اِفراط وتفریط سے کام لینا چھوڑ دو اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح تعلیمات پر اپنے عقائد کی بنیاد رکھو۔ تمہارے عقیدۂ تثلیث کو حضرت مسیح کی تعلیمات سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ بلکہ تم نے دوسری گم کردہ راہ قوموں کے مشرکانہ نظریات کو اپنانا شروع کر دیا ہے اپنے صاف سادہ عقیدۂ توحید کو یونانی اور رُومی فلسفہ کی بھینٹ چڑھا کر اس کو بالکل مسخ کر کے رکھ دیا۔ چھوڑو اس خود ساختہ عقیدہ کو۔ اور حضرت مسیح کے سچّے دین کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

1۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 217، حاشیہ: 194

عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ

وُہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے نہیں منع کیا کرتے تھے ایک دوسرے کو اس برائی سے جو وُہ کرتے تھے ۱۵۰

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

بہت بُرا تھا جو وُہ کیا کرتے تھے آپ دیکھیں گے بہتوں کو ان میں سے ۱۵۱ کہ وُہ دوستی رکھتے ہیں کافروں سے

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي

بہت ہی بُرا ہے جو آگے بھیجا ان کے لیے ان کے نفسوں نے یہ کہ ناراض ہو گیا اللہ تعالیٰ ان پر اور عذاب

الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ

میں وُہ ہمیشہ رہیں گے اور اگر وُہ ۱۵۲ ایمان لائے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور جو

۱۵۰ تناھی کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) تناھی بمعنی انتھی باز آجانا۔ رُک جانا۔ یعنی جو اعمالِ بد وہ کیا کرتے تھے اس سے باز نہیں آتے تھے۔ لاکھ سمجھاؤ سرکش گھوڑے کی طرح نافرمانی کی راہ پر سرپٹ دوڑے چلے جاتے تھے (۲) دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو بُرائی سے نہیں روکتے تھے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی بھی سن لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہودیوں میں بے دینی کی اِبتداء یوں ہوئی کہ جب کوئی آدمی کسی بدکار سے ملتا تو پہلے اُسے اللہ سے ڈراتا اور اس گناہ سے باز آجانے کی ترغیب دیتا۔ پھر دوسرے روز اسی کے ساتھ بلا تامل کھاتا پیتا، بیٹھتا اُٹھتا۔ جب انہوں نے ایسا کرنا شروع کیا تو اُن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے آپس میں ٹکرا دیا (1)۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ لُعِنَ الَّذِیْنَ الخ اس کے بعد فرمایا کَلَّا وَاللّٰہِ لَتَامُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لَتَاخُذُنَّ عَلٰى يَدَيِ الظَّالِمِ وَلَتَاْطِرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا وَّلَتَقْصُرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا اَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّلَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ (ترمذی، ابوداؤد) (2)

ترجمہ: بخدا یا تو تم نیکی کا حکم دو گے، بُرائی سے منع کرو گے اور ظالم کے ہاتھ پکڑ لو گے اسے حق و اِنصاف کی طرف زبردستی لوٹا دو گے اور اسے عدل کا جبراً پابند کرو گے ورنہ تمہارے دلوں کو بھی اللہ تعالیٰ آپس میں ٹکرا دے گا۔ اور تم پر بھی ایسی پھٹکار ڈالے گا جیسے پہلے ان لوگوں پر ڈالی گئی۔

۱۵۱ یعنی عجیب و غریب ہیں یہ لوگ! خدا کی توحید کے مدعی اور انبیاء و رسل کے پیروکار اور دوستی اُن سے جو کھلے بت پرست ہیں۔

۱۵۲ اگر وہ اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہوتے تو بھلا یہ ممکن تھا کہ وہ مخلص اہل توحید کے خلاف مُشرکوں اور بت پرستوں سے

1۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ المائدۃ، ج2، ص130 2۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الامر بالمعروف، ص:438، سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنہی، ج2، ص240

اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

اتارا گیا اس پر تو نہ بناتے ان کو (اپنا) دوست لیکن اکثر ان میں سے فاسق ہیں

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ

ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ

اور پائیں گے آپ سب سے زیادہ قریب دوستی میں ایمان والوں سے انہیں جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ۱۵۳

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

یہ اس لیے کہ ان میں عالم ۱۵۴ اور درویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے

یارانے گانٹھتے۔

۱۵۳ یہود و مشرکین کی اذیت رسانیوں اور اسلام دشمنیوں کے مقابلہ میں نصاریٰ کا رویّہ بہتر ہے۔ اِمام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اِن عیسائیوں سے مُراد عام عیسائی نہیں بلکہ اُن کا وہ مختصر گروہ مُراد ہے جو ان عقائد کا پابند تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں سکھائے تھے۔ اُنَاسٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ كَانُوْا عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْحَقِّ مِمَّا جَاءَ عِيْسٰى يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَنْتَهُوْنَ اِلَيْهِ (تفسیر ابن جریر)(1) انہیں میں حق قبول کرنے کی صلاحیّت موجود تھی۔ ان کی نگاہوں میں ہی نورِ ہدایت کو دیکھنے کی قوت تھی۔

۱۵۴ قِسِّيْسِيْنَ کا واحد قُسٌّ اور قِسِّيْسٌ ہے وَاَصْلُهٗ مِنْ قَسَّ اِذَا تَتَبَّعَ الشَّيْءَ فَطَلَبَهٗ(2)۔ جب کوئی کسی چیز کا متلاشی ہو اور اس کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا ہو تو کہتے ہیں قَسَّ الشَّيْءَ یہاں قِسِّيْسِيْنَ سے مراد ان کے علماء ہیں ممکن ہے کہ یہ لفظ رومی زبان کا ہو اور تعریب کے بعد لغتِ عرب میں استعمال کیا جانے لگا ہو۔ رُهْبَانٌ، رَاهِبٌ کی جمع ہے۔ راہب اس عبادت گزار کو کہتے ہیں جو دُنیا کے ہنگاموں سے الگ تھلگ خانقاہوں اور حجروں میں مصروفِ ذِکر و فِکر رہتا ہو۔ اَلرَّهْبَانِيَّةُ وَالتَّرَهُّبُ اَلتَّعَبُّدُ فِيْ صَوْمَعَةٍ (قرطبی)(3)

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 3 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 257 3۔ ایضاً، جز 6، ص 258

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ

اور جب سُنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسُول کی طرف تو تُو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں

مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا

آنسوؤں سے ۱۵۵ اِس لیے کہ پہچان لیا انھوں نے حق کو کہتے ہیں اَے ہمارے ربّ! ہم اِیمان لے آئے ۱۵۶ پس

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ

تُو لکھ لے ہمیں (اِسلام کی صداقت کی) گواہی دینے والوں میں۔ اور کیا وجہ ہے کہ ہم اِیمان نہ لائیں اللہ پر اور جو آچکا ہے ہمارے پاس

الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

حق حالانکہ ہم امید کرتے ہیں کہ داخل فرمائے ہمیں ہمارا رب نیک گروہ میں ۱۵۷

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

تو عطا فرمائے اُنھیں اللہ تعالیٰ نے بعوض اِس قول کے باغات رواں ہیں ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وُہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اَور یہی معاوضہ ہے نیکی کرنے والوں کا اَور جنھوں نے کفر کیا

ع ۱۱ وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اَور جھُٹلایا ہماری آیتوں کو تو وُہی دوزخی ہیں اَے اِیمان والو!

۱۵۵ جب آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو کر چھلک پڑیں تو عرب کہتے ہیں فَاضَتِ الْعَيْنُ، اسی سے تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ ماخوذ ہے(1)۔

۱۵۶ شاہدین سے مُراد اُمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے (2) اس آیت سے ابن جریر کے قول کی مزید تائید ہوئی ہے کہ یہاں نصاریٰ سے مراد وہ مخصوص گروہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا پابند تھا۔ اور عبادت اور ذِکر الٰہی میں مشغول رہتا تھا اور جب حق اور ہدایت کی روشنی حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھی تو فوراً ایمان لے آیا۔ (3)

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 5 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ج 7، ص 3

لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

نہ حرام کرو ۱۵۸ پاکیزہ چیزوں کو جنہیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪

نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو اور کھاؤ اس سے جو ۱۵۹ رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال (اور) پاکیزہ

۱۵۷ معلوم ہوا کہ نیک اور صالح لوگوں کی سنگت بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

۱۵۸ چند جلیل القدر صحابہ جن میں حضرت صدیق و علی رضی اللہ عنہما بھی شریک تھے۔ حضرت عثمان بن مظعون کے گھر میں جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ آئندہ وہ ہمیشہ روزہ رکھا کریں گے، ساری رات عبادت میں گزاریں گے، بستروں پر نہیں سوئیں گے، گوشت، گھی وغیرہ نہیں کھائیں گے، عورتوں اور خوشبو سے بالکل اجتناب کریں گے، اونی لباس پہنیں گے اور دنیا سے قطع تعلق کرلیں گے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلا کر یہ حقیقت افروز ارشاد فرمایا: مجھے ان باتوں کا حکم نہیں دیا گیا۔ اِنَّ لِاَنْفُسِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَصُوْمُوْا وَاَفْطِرُوْا وَ قُوْمُوْا وَ نَامُوْا فَاِنِّيْ اَقُوْمُ وَ اَنَامُ وَ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَ آكُلُ اللَّحْمَ وَ الدَّسْمَ وَ آتِي النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ (کشاف وغیرہ)(1)

''اے میرے صحابہ! تمہارے نفسوں کا بھی تم پر حق ہے اس لیے روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، راتوں میں جاگ کر عبادت بھی کرو اور آرام سے سوؤ بھی۔ کیونکہ میں رات کو جاگتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، گوشت اور گھی بھی کھاتا ہوں اور اپنی ازواج سے بھی مقاربت کرتا ہوں (یہ میرا طریق کار اور سنت ہے) جس نے میری سُنّت سے منہ موڑا وہ میری جماعت سے نہیں''۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ نہ تو یہودیوں کی طرح لذّات دنیا میں کھو جاؤ اور نہ مسیحی راہبوں کی طرح دنیا کی حلال لذّتوں کو اپنے اوپر حرام کردو بلکہ اِعتدال اور میانہ روی اختیار کرو۔ یہی دین اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اِس آیت میں لَا تُحَرِّمُوْا کا معنی یہ ہے کہ نہ تو یہ اعتقاد رکھو کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور نہ زبان سے ایسا کہو اور نہ ان کے اِستعمال کو اِس طرح ترک کرو جیسے حرام چیز کو ترک کیا جاتا ہے۔ اولیاء کرام نفسِ سرکش کی سرکوبی کے لیے بعض حلال چیزوں کو اِستعمال نہیں کرتے تو وہ ان کی حرمت کے قائل نہیں ہوتے۔ بلکہ جس طرح جسمانی طبیب بعض اشیاء کو صحتِ جسمانی کے لیے مضر خیال کر کے مریض کو ان کے استعمال سے روک دیتا ہے اسی طرح یہ رُوحانی معالج بعض روحانی مفاسد کے پیشِ نظر بعض چیزوں سے وقتی طور پر اِجتناب کرتے ہیں لیکن اگر کوئی جاہل اللہ تعالیٰ کی کسی حلال کردہ چیز کو اِعتقادی یا قولی طور پر حرام جانے تو یہ باطل ہے اور گمراہی ہے۔

۱۵۹ اکل سے مراد کھانا ہی نہیں بلکہ اکل بمعنی تمتع ہے یعنی فائدہ اٹھانا، اِستعمال کرنا خواہ کھانے، پینے، پہننے کی صورت میں ہو یا سواری وغیرہ کرنے کی شکل میں۔ اَلْاَكْلُ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ عِبَارَةٌ عَنِ التَّمَتُّعِ بِالْاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَاللِّبَاسِ وَالرُّكُوْبِ وَ نَحْوِ

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج1، ص671

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ

اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو نہ باز پُرس کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ

بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ

تمہاری فضول قسموں پر ۱۶۰ لیکن باز پُرس کرے گا تم سے اُن قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو

فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

تو اس (کے توڑنے) کا ۱۶۱ کفّارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے

اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ

گھر والوں کو یا کپڑے پہنائے جائیں انھیں یا آزاد کیا جائے غلام اور جو نہ پائے (ان میں سے کوئی چیز) تو وہ روزے

ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْۤا

رکھے تین دن یہ کفّارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم اُٹھاؤ اور حفاظت کیا کرو

ذَالِكَ۔(1)

۱۶۰ اَیمان جمع ہے یمین کی۔ اور یہ یمن بمعنی برکت سے ماخوذ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ قسم سے بھی حقوق محفوظ ہوتے ہیں۔ معاہدے پورے کیے جاتے ہیں اس لیے اسے یمین (برکت والی چیز) کہہ دیا گیا۔ یمین لغو وہ ہے جس میں قسم اٹھانے کی نیت نہیں ہوتی بلکہ اثناء کلام میں واللہ باللہ کے الفاظ بلا سوچے سمجھے منہ سے نکل جاتے ہیں۔ ایسی قسم کا کوئی کفارہ نہیں۔ لیکن وہ قسمیں جو نیت اور اِرادہ سے اُٹھائی گئی ہوں اور پھر اُنہیں پورا نہ کیا جائے تو اس قسم کو توڑنے پر باز پُرس ہوگی اور کفارہ دینا پڑے گا(2)۔

۱۶۱ کفارہ کی تین صورتیں ہیں: (۱) دس آدمیوں کو کھانا کھلا دے (۲) یا انہیں کپڑے پہنا دے جن سے ان کے جسم کا اکثر حصہ ڈھک جائے مثلاً چادر اور کُرتہ یا چادر اور صافہ (۳) یا غلام آزاد کرے۔ اور اگر ان تین صورتوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت نہیں رکھتا تو پھر تین دن لگاتار روزے رکھے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص263 2۔ ایضاً، جز6، ص66-264

اَیۡمَانَکُمۡ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۸۹﴾

اپنی قسموں کی ۱۶۲ اِسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم شکریہ ادا کرو ۱۶۳

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَ الۡمَیۡسِرُ وَ الۡاَنۡصَابُ وَ الۡاَزۡلَامُ

اَے اِیمان والو! ۱۶۴ یہ شراب اور جُوا اَور بُت اَور جُوئے کے تیر ۱۶۵

۱۶۲ یعنی اپنی قسموں کو مذاق نہ بنالو کہ اِدھر قسم اُٹھائی اُدھر توڑ دی۔ بلکہ جب قسم اُٹھاؤ تو اُس کی پوری طرح پابندی کرو۔ اس میں اِس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ زیادہ قسمیں نہ اٹھایا کرو ایسا نہ ہو کہ تم ان کی پابندی نہ کرسکو اور ان کو توڑنے پر مجبور ہو جاؤ۔

۱۶۳ پاک اور حلال لذّتوں سے لُطف اندوز ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ کا آسان طریقہ بتایا۔ ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی اِنعامات اور احسانات کا غیر منقطع سلسلہ جاری ہے جس پر شکر بجالانا ہم پر واجب ہے۔

۱۶۴ عرب میں شراب کا عام رواج تھا۔ گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ سب اس کے متوالے تھے۔ شراب جو اَن گنت جسمانی اور رُوحانی بیماریوں کا سبب، اخلاقی اور معاشی خرابیوں کی جڑ اور فِتنہ وفساد کی علت ہے اِسلام کے پاکیزہ نظام حیات میں اس کی کیوں کر گنجائش ہوسکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قطعی حرام کر دیا۔ لیکن حرمت کا حکم آہستہ آہستہ اور تدریجاً نازل ہوا تاکہ لوگوں کو اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں تو اِتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ فِیۡهِمَاۤ اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (1) اِس کے کچھ عرصہ بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡتُمۡ سُکٰرٰی (2) کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو۔ یہ آیات اس آخری حکم کا پیش خیمہ تھیں۔ اگرچہ شراب کی حُرمت کا صراحۃً ان میں ذِکر نہ تھا لیکن کئی سلیم طبیعتوں نے اُس وقت ہی شراب چھوڑ دی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بارگاہِ الٰہی میں اس کی قطعی حرمت کے لیے اِلتجائیں کیا کرتے۔ عرض کرتے۔ اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَّنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا (3)۔ اِس اثنا میں چند ایسے واقعات بھی رُونما ہوئے جس سے شراب پینے کے مفاسد اور نقصانات کا صحابہ کرام کو زیادہ سے زیادہ اِحساس ہونے لگا۔ جب اِیمان پختہ ہو گئے۔ تعلیمات اِسلامیہ قلب ورُوح کی گہرائیوں میں بس گئیں اور اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی عادت فطرت بن گئی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خادم کو حکم دیا کہ مدینہ کے گلی کوچوں میں پھر کر بلند آواز سے اِن آیات کا اعلان کرے۔ جب وہ منادی کرنے والا اعلان کرنے نکلا تو کئی جگہ شراب کی محفلیں آراستہ تھیں۔ میخوار جمع تھے، پیمانے گردش میں تھے۔ جونہی کان میں فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کی آواز پہنچی ہاتھوں پر رکھے ہوئے پیالے زمین پر پٹخ دیئے گئے، ہونٹوں سے لگے ہوئے جام خود بخود الگ ہو گئے، جام وسبو توڑ دیئے گئے۔ مشکوں اور مٹکوں میں بھری ہوئی مئے ناب اُنڈیل دی گئی۔ وہ چیز جو انہیں از حد عزیز

1۔ سورۃ البقرہ:219 2۔ سورۃ النساء:42 3۔ مسند امام احمد، ج1، ص53۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ المائدۃ، ج2، ص130 (باختلاف الفاظ)

تھی اب گندے پانی کی طرح گلیوں میں بہہ رہی ہے۔ حیرت یہ ہے کہ اس کے بعد کسی صحابی نے شراب پینے کی خواہش کا اظہار تک نہ کیا۔ قرآن کی اثر آفرینی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض تربیت، صحابہ کرام کی کامل ترین اطاعت وفرمانبرداری اور اسلام کی اِنقلاب آفرین قوت کا یہ وہ عدیم النظیر مظاہرہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں۔ شراب کے زہریلے اثرات دیکھ کر یورپ و امریکہ کے ڈاکٹر اور دانشور لرزہ براندام ہیں۔ اس مصیبت سے اپنی قوم کو چھٹکارا دلانے کے لیے بڑی بڑی مخلصانہ اور حکیمانہ کوششیں کی جارہی ہیں۔ حکومتِ امریکہ نے پورے چودہ سال تک شراب کے خلاف زور وشور سے جہاد جاری رکھا۔ اور اس جہاد میں نشر واشاعت اور پروپیگنڈے کے جدید ترین اور قوی ترین وسائل اِختیار کیے۔ اخبارات، رسالے، لیکچرز، تصاویر اور فلمیں سبھی شراب سے نفرت دلانے کے لیے برسرِ پیکار رہے۔ اس عظیم مہم پر حکومت نے تقریباً چھ کروڑ ڈالر (ساٹھ کروڑ روپیہ) خرچ کیا۔ پچیس کروڑ پونڈ کا خسارہ برداشت کیا۔ تین سو افراد کو تختہ دار پر لٹکایا گیا۔ پانچ لاکھ سے زیادہ اشخاص کو قید و بند کی سزائیں دیں۔ بھاری جرمانے کیے۔ بڑی بڑی جائیدادیں ضبط کی گئیں۔ لیکن یہ ساری چیزیں بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر کار حکومت کو اپنی شکست فاش کا اِعتراف کرنا پڑا اور اس نے شراب نوشی جس کے خلاف عرصہ دراز تک وہ معرکہ آرا رہی تھی کو 1933ء میں قانوناً جائز قرار دے دیا۔ (ماخوذ از ماذا خسر العالم)(1)

اسی طرح برطانیہ میں جو اس پر برائے نام پابندی تھی اسے بھی 1961ء میں واپس لے لیا گیا۔ اور اس کی بیخ کنی کے لیے ساری مساعی کے ناکام ہوجانے کے بعد اسے بھی قانونی طور پر سندِ جواز مل گئی۔ (ریڈرز ڈائجسٹ مئی 1964ء)(2)

لیکن سب بے فائدہ، سب بے اثر! یہ اِسلام کی قوتِ قاہرہ تھی جس نے اپنے ایک فرمان سے ساری قوم کو اس بلائے بے درماں سے رہائی دلادی۔

۱۶۵ یہاں چار چیزوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔ خمر، میسر، انصاب اور ازلام۔ اگرچہ اِن کے متعلق توضیحی نوٹ گزر چکے ہیں لیکن مختصراً یہاں بھی کچھ عرض کرنا مناسب ہے۔ خمر: كُلُّ شَرَابٍ مُّسْكِرٍ وَهٰذِهِ التَّسْمِيَةُ لُغْوِيَّةٌ وَّشَرْعِيَّةٌ ہر مدہوش کردینے والی شراب کو خمر کہتے ہیں۔ عصیر عنب سے اس کی تخصیص تعسف ہے۔ کیونکہ مدینہ طیبہ میں جو شراب استعمال ہوتی تھی وہ انگور، گندم، جو، کھجور اور شہد سے کشید ہوا کرتی تھی۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو کسی صحابی نے بھی یہ نہیں سمجھا کہ صرف انگوری شراب ہی حرام ہے حالانکہ وہ اہل زبان تھے۔ میسر: مطلقاً جوا کو کہتے ہیں خواہ اس کی صورت کیسی ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اَلشَّطْرَنْجُ مِنَ الْمَيْسِرِ کہ شطرنج بھی جوا ہے۔ انصاب: ان پتھروں کو انصاب کہا جاتا تھا جو حرم میں کعبہ کے اِردگرد نصب تھے اور کفّار ان کے لیے جانور ذبح کرتے اور ان کا خون ان پتھروں پر مل دیتے۔ ازلام: وہ تیر جن کے ذریعہ فالیں نکالی جاتی تھیں نیز وہ تیر جن کے ساتھ جوا کھیلا جاتا تھا۔ اس آیت میں مقصود تو شراب اور جوا کی حُرمت قطعی بیان کرنا ہے لیکن انصاب اور ازلام کو ان کے ساتھ ذکر کرکے ان کی قباحت کو اور زیادہ عیاں کردیا۔ چنانچہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے شراب! تیرا ذِکر تو جُوئے اور انصاب وازلام کے ساتھ ملا کر کیا گیا ہے۔ بُعْدًا لَّكَ وَسُحْقًا! تیرا ستیاناس ہو۔ تیرا خانہ خراب ہو۔

1۔ ماخوذ از ماذا خسر العالم، ص:67 (حاشیہ)، مطبوعہ القاہرۃ مطبعۃ دار الکتاب العربی
2۔ ریڈرز ڈائجسٹ مئی 1964ء، ص:89

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا

سب ناپاک ہیں ۱۶۶ شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ یہی تو

يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ

چاہتا ہے شیطان ۱۶۷ کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب

۱۶۶ بدبُودار، غلیظ اور گندی چیز کو رجس کہتے ہیں۔ يُقَالُ لِلنَّتْنِ وَالْعَذِرَةِ وَالْاَقْذَارِ رِجْسٌ (قرطبی)(1) مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کہہ کر یہ بتایا کہ یہ چیزیں اِتنی غلیظ اور ناپاک ہیں کہ کوئی سلیم الفطرت اِنسان ازخود ان کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ صرف شیطان کی وسوسہ اندازی ہی اسے اُن قبیح حرکات کے اِرتکاب کی رغبت دلا سکتی ہے۔

۱۶۷ شراب اور جوا کو حرام کرنے کی حکمت بیان فرمائی جا رہی ہے۔ اگرچہ ان کی خرابیاں بے حد و بے شمار ہیں اور وہ قومیں جو اس کو شیرِ مادر سمجھ کر پیا کرتی ہیں وہ بھی اگرچہ اس کو چھوڑ دینے سے عاجز ہیں لیکن اِن خرابیوں اور نقصانات کا برملا اِعتراف کرتی ہیں۔ قرآنِ کریم نے مختصر سے الفاظ میں ان کی دو مضرترین خرابیوں کا ذکر کر کے ان کی قباحت کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا۔ بتایا کہ شراب اور جوا کی حُرمت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سے عداوت اور دشمنی کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ گہرے دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاسے، سگے بھائی ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان نماز اور یادِ الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور بدنصیبی اور محرومی کیا ہو سکتی ہے کہ مؤذن اللہ کے حضور میں شرف باریابی حاصل کرنے کی دعوت دے رہا ہو اور کوئی اس وقت شراب کے نشہ میں مدہوش پڑا ہو یا جوا کی بازی جیتنے میں یوں کھویا ہوا ہو کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ رحمت کی گھڑی آئی بھی اور گزر بھی گئی۔ اور جب شراب اور جوا کی حُرمت کی یہ وجہ ہے کہ وہ یادِ خدا سے غفلت کا سبب بنتے ہیں تو شطرنج اور تاش وغیرہ جب اپنے کھیلنے والوں کو اتنا منہمک کر دیں کہ نماز کی ہوش تک نہ رہے تو یہ کیوں حرام نہ ہوں گے۔ فَاِنْ كَانَتِ الْخَمْرُ اِنَّمَا حُرِّمَتْ لِاَنَّهَا تُسْكِرُ فَتَصُدُّ بِالْاِسْكَارِ عَنِ الصَّلٰوةِ فَلْيُحَرَّمِ اللَّعْبُ بِالنَّرْدِ وَالشَّطْرَنْجِ لِاَنَّهٗ يُغَفِّلُ وَ يُلْهِيْ فَيَصُدُّ بِذَالِكَ عَنِ الصَّلٰوةِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (قرطبی)(2)

1۔ تفسیر قرطبی، زیرِ آیت ہذا، جز6، ص287 2۔ ایضاً، جز6، ص291

وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

اور جُوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یادِ الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (کریم) کی ۱۶۸ اور محتاط رہو اور اگر تم نے رُوگردانی کی تو خوب جان لو

اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

کہ ہمارے رسول کا فرض تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر (ہمارے احکام کو)۔ نہیں ان لوگوں پر ۱۶۹ جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَ

نیک عمل کیے کوئی گناہ جو (اس حکم سے پہلے) وُہ کھا پی چکے جب کہ وُہ پہلے بھی ڈرتے تھے اور ایمان رکھتے تھے اور

۱۶۸ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی پھر تاکید کر دی گئی اور نافرمانی سے روک دیا گیا تاکہ کوئی شخص کسی تاویل سے اس کی نافرمانی کی جرات نہ کر سکے (1)۔

۱۶۹ جب شراب و جوا کی حُرمت کے احکام نازل ہوئے تو بعض صحابہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے وہ مسلمان بھائی جو اِس حکم سے پہلے اِنتقال کر گئے اور مختلف جنگوں میں شہادت پائی حالانکہ وہ شراب پیا کرتے تھے ان کا کیا بنے گا؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (2)۔ اس آیت میں اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا۔ اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا۔ اور اِتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا کے الفاظ کا تکرار بہت غور طلب اور معنی خیز ہے۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ ان مکرّر الفاظ سے صحابہ کرام کی تین حالتوں یا ان کے تین مقامات کا ذِکر کیا جا رہا ہے۔ پہلے اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا سے ان کے تقویٰ و ایمان کی اِس حالت کا بیان ہے جس کا تعلق ان کے اپنے قلب و رُوح کے ساتھ ہے۔ دوسرے اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا سے اُن کے تقویٰ و اِیمان کی اُس کیفیت کا ذکر ہے جو اُن کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان تھی۔ اور آخری اِتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا سے تقویٰ و اِحسان کی اُس حالت کی طرف اِشارہ ہے جو اُن کے اور اُن کے رب کے درمیان تھی۔ یا پہلے ان کے اِبتدائی مقام کی طرف اِشارہ ہے۔ پھر ان کی درمیانی حالت کی طرف اور آخر میں ان کی اعلیٰ ترین کیفیت کی طرف جب کہ عابد و معبود، ساجد و مسجود میں دوری کے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور نعمت مشاہدہ سے دل کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ اِسی لیے آخر میں اِتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا فرمایا جب کہ انسان مقام احسان پر فائز ہوتا ہے (3)۔ اور اِحسان کا مفہوم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (4)۔ یعنی اِحسان اس کیفیت کو کہتے ہیں۔ جب کہ تو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص293 2۔ ایضاً، جز6، ص293 3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص161

4۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعۃ، ج1، ص12

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ

نیک عمل کیا کرتے تھے پھر (ان احکام کے بعد بھی) ڈرتے ہیں اور (جو اترا) اس پر ایمان رکھتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ ع ۱۲ ۷ ۲

ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے ۱۷۰ اچھے کام کرنے والوں سے۔ اے ایمان والو! ضرور آزمائے گا تمہیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ

الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ

شکار سے ۱۷۱ پہنچ سکتے ہیں جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے ۱۷۲ تاکہ پہچان کرادے اللہ تعالیٰ اس کی جو ڈرتا ہے اس سے

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بن دیکھے پس جو شخص حد سے بڑھے گا اس (تنبیہ) کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے اے ایمان والو!

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا

نہ مارو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو اور جو قتل کرے شکار کو تم میں سے جان بوجھ کر ۱۷۳

اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے جیسے تُو اسے دیکھ رہا ہے یا حالت عبادت میں تم یہ سمجھ رہے ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

۱۷۰ یعنی وہ صحابہ کرام تقویٰ اور ایمان کی منزلیں طے کرتے کرتے جب مقام اِحسان پر فائز ہو گئے تو وہ خداوندِ عالم کے محبوب بن گئے۔ اب اُن سے ایسی چیزوں کی پرسش نہ ہوگی جن کی حرمت کا حکم اس وقت تک نازل نہ ہوا تھا۔

۱۷۱ عرب کے بادیہ نشین جانوروں اور پرندوں کا شکار کر کے گزر اَوقات کیا کرتے تھے۔ احرام کی حالت میں ان کا شکار سے باز رہنا کچھ کم صبر آزما نہ تھا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ قدم قدم پر ہرنوں کی ٹولیاں اور پرندوں کے جھرمٹ دلوں کو للچا رہے ہوں۔ اس کی حقیقت کسی شکاری سے پوچھیے جس کے سامنے سے ہرنوں اور نیل گاؤں کا غول گزر رہا ہو اور وہ اُنہیں آسانی سے نشانہ بھی بنا سکتا ہو اور اس وقت اسے شکار کرنے سے روک دیا جائے تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اس حکم سے مسلمانوں کا امتحان لیا جا رہا ہے کہ جب تم احرام باندھ لو تو کسی جانور یا پرندے کو شکار نہ کرو(1)۔

۱۷۲ اس میں رسیاں، جال، تیر، بندوق، شکاری کتے غرضیکہ شکار کا ہر ذریعہ داخل ہے(2)۔

۱۷۳ اگر کسی نے شکار پکڑ لیا تو اسے چھوڑ دے اور اگر اُسے مار ڈالا تو پھر اس کی سزا یہ ہے کہ اس طرح کا ایک جانور جس کی قیمت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص299 2۔ ایضاً، جز6، ص300

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

تو اُس کی جزاء یہ ہے کہ اسی قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا ہے فیصلہ کریں اس کا دو معتبر آدمی تم میں سے

هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو یا کفّارہ ادا کرے وُہ یہ کہ چند مسکینوں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ

تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی ۔ معاف فرمادیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا اور جو (اب) پھر گیا تو اِنتقام لے گا

اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ

اللہ تعالیٰ اس سے اَور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے حلال کیا گیا ہے تمہارے لیے دریائی شکار اور اس کا کھانا

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

فائدہ اُٹھاؤ تم اور دُوسرے قافلے اَور حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار جب تک تم

حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ

احرام باندھے ہوئے ہو اَور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم اکٹھے کیے جاؤ گے بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو ۱۷۴

دو معتبر آدمیوں کے فیصلہ کے مطابق اس شکار کردہ جانور کے برابر ہو خرید ے اور مکّہ میں لا کر اسے ذبح کرے یا اس جانور کی قیمت کا غلہ لے کر غریبوں میں تقسیم کر دے یا جتنے غریبوں میں صدقۂ فطر کی مقدار سے وہ غلہ تقسیم ہو سکتا ہے اتنے روزے رکھے۔ احناف کے نزدیک قیمت میں مماثلت کافی ہے اور اِمام شافعی اور اِمام محمد کے نزدیک شکل وصورت اور قدوقامت میں بھی مماثلت ضروری ہے (1)۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سانپ، بچھو، چوہا، کوا اور حداۃ (چیل) کو مارنے کی اجازت فرمائی ہے (2)۔

۱۷۴ مکعب نما ہونے کی وجہ سے اِس گھر کو کعبہ کہا گیا۔ حدودِ حرم میں شکار کی ممانعت کرنے کے بعد اب بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح کعبہ اور اس کی حدُود جانوروں کے لیے امن گاہ ہیں اسی طرح کعبہ اِنسانوں کے حفظ و بقا کا بھی سبب ہے۔ قیام اصل میں قوام تھا

1۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج7، ص107-108

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص303۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب خمس من الدواب فواسق یقتلن فی الحرم، ج1، ص467

الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ

جو عزّت والا گھر ہے بقا کا باعث لوگوں کے لیے نیز حُرمت والے مہینوں کو ۱۷۵ اور حرم کی قربانی اور گلے میں پٹے پڑے

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ

ہوئے جانوروں کو تاکہ تم خوب جان لو ۱۷۶ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یقیناً

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا (بھی) ہے اور

واؤ کا ماقبل مکسور تھا اس لیے اسے یاء سے بدل دیا گیا۔ وَالْمُرَادُ بِهٖ مَا يَقُوْمُ بِهٖ اَمْرُ النَّاسِ (المنار)(1) کعبہ مقدّسہ تکوینی اور تشریعی دونوں لحاظ سے لوگوں کے حِفظ و بقا کا ذریعہ ہے۔ تکوینی لحاظ سے تو اِس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی عِزت و عظمت لوگوں کے دلوں میں ایسی مستحکم کردی ہے کہ اُس زمانہ میں جب کہ جزیرۂ عرب میں کوئی حکومت نہ تھی، کوئی قانون نہ تھا، کوئی دین نہ تھا اور قتل و غارت کی گرم بازاری تھی اُس وقت بھی یہاں کوئی کسی کو چھیڑتا نہیں تھا۔ باپ کا قاتل بھی اگر وہاں آجاتا تو اس کی طرف بھی بُری نظر سے نہ دیکھا جاتا۔ باوجود اس کے گرد و نواح کا علاقہ سب صحرا اور ریگستان تھا لیکن تجارتی قافلوں کی یہی منڈی تھی۔ عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ یہاں ہی جمع ہوتے اور کاروبار کرتے۔ یہ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دُعا کی برکت تھی۔ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ (2) اور تشریعی طور پر اِس طرح کے حج و عمرہ کی عبادات یہاں ہی ادا کی جاتی ہیں۔ ہر مسلمان دنیا کے کسی گوشہ میں ہو نماز کے وقت کعبہ کی طرف ہی رُخ کر کے کھڑا ہوتا ہے۔ حج کے موقع پر دنیا کے کونہ کونہ سے کلمہ گو کھچے چلے آتے ہیں۔ علّامہ عثمانی نے یہاں خوب لکھا ہے فرماتے ہیں۔ ”سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم الٰہی میں پہلے ہی مقدّر ہو چکا تھا کہ نوعِ اِنسانی کے لیے اِسی جگہ سے عالم گیر اور ابدی ہدایت کا چشمہ پُھوٹے گا اور مصلح اعظم اور سیدِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مولد و مسکن مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اِسی خاک پاک کو حاصل ہوگا“ (3)۔

۱۷۵ حرمت والے مہینے بھی لوگوں کے حفظ و بقا کا سبب تھے۔ کیوں کہ اِنہیں چار مہینوں میں تجارتی قافلے بے خوف و خطر اِدھر اُدھر جاسکتے تھے۔ لوگ مطمئن ہو کر اپنے مقاصد کے لیے دور دراز کے سفر کر سکتے تھے۔ خوف و ہراس کے بادل جو ہر وقت اُفق پر منڈلاتے رہتے تھے وہ بھی ان مہینوں میں چھٹ جاتے تھے۔ انہیں دنوں میں لوگ حج و عُمرہ کی سعادت سے بہرہ اندوز ہو سکتے تھے۔ انہی وجُوہ کے پیشِ نظر اِن حرمت والے مہینوں کو بھی قِيٰمًا لِّلنَّاسِ فرمایا گیا۔

۱۷۶ اِن چیزوں کو لوگوں کی حفظ و بقا کا باعث بنا دینا اللہ تعالیٰ کے علم محیط کی دلیل ہے۔ کیونکہ عرب لوٹ مار کے عادی تھے۔

1۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج7، ص117 2۔ سورۂ ابراہیم: 37 3۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ عثمانی، زیر آیت ہذا، ص: 160، حاشیہ: 2

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ

اللہ تعالیٰ غفور رحیم (بھی) ہے نہیں (ہمارے) رسول پر ۱۷۷ کوئی ذمہ داری سوائے پیغام پہنچانے کے اور اللہ جانتا ہے

وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ

جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو چھپا رہے ہو۔ آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک ۱۷۸ اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے

ع ۱۳ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰۤاَيُّهَا

ناپاک کی کثرت سو ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اے عقل والو! تاکہ تم نجات پا جاؤ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ

ایمان والو! ۱۷۹ مت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر کی جائیں تمہارے لیے تو بُری لگیں تمہیں اور اگر

حکومت اور قانون وہاں موجود نہ تھا۔ اگر کعبہ اور حُرمت والے مہینے بھی نہ ہوتے تو وہاں کی حالت اور خستہ ہوتی۔

۱۷۷ یعنی میرے رسول کا کام یہ ہے کہ تمہیں میرے احکام پہنچا دے اور خوب کھول کر سمجھا دے اور وہ فرض اُس نے بہ ہزار حُسن و خوبی انجام دے دیا۔ اب اگر تم ان کی تعمیل میں کوتاہی کرو گے تو اس کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔

۱۷۸ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ آپ اپنی اُمت کو بتا دیجئے کہ کفار کی جاہ و حشمت، مال و دولت اور تعداد کی کثرت اور اپنی غربت اور کمزوری کو دیکھ کر پریشان نہ ہوا کریں کیونکہ خبیث اور طیّب ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ وہ پلید ہیں تم پاک ہو۔ خبیث اور طیّب سے مُراد حرام اور حلال، کافر اور مومن، عاصی اور مطیع سب ہو سکتے ہیں (1)۔

۱۷۹ بعض لوگ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عجیب و غریب قسم کے سوالات پوچھا کرتے تھے۔ جن میں کوئی دینی اور دنیوی فائدہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن سوالات سے کبیدہ خاطر ہوئے اور ایک روز منبر پر تشریف فرما ہو کر اِرشاد فرمایا۔ لَا تَسْأَلُوْنِي الْيَوْمَ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا بَيَّنْتُهٗ لَكُمْ۔ آج تم جس چیز کے متعلق مجھ سے دریافت کرو گے وہ میں تمہیں بتاؤں گا۔ سب صحابہ کرام کے سر جھکے ہوئے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے اور کسی میں ہمّت نہ تھی کہ کوئی بات کر سکے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن حذافہ جن کے نسب کے متعلق لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے اُٹھے اور عرض کی مَنْ اَبِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ میرا باپ کون ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں کہا کہ مجھے کیا پتہ۔ مجھ سے تو کوئی فِقہ کا مسئلہ دریافت کرو بلکہ اپنے خداداد وسیع علم کا اِظہار فرماتے ہوئے جواب دیا کہ اَبُوْكَ حُذَافَةُ (2)۔ تیرا باپ حذافہ ہے۔ ان کی والدہ اپنے لڑکے کے اِس سوال پر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 327 2۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ من الفتن، ج 2، ص 941۔ شرح مشکل الآثار، از ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی، متولد 239ھ، متوفی 321ھ، رقم الحدیث 1475، ج 4، ص 112 مکتبہ مؤسسۃ الرسالۃ

تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ

پوچھو گے ان کے متعلق جب کہ اُتر رہا ہے قرآن تو ظاہر کر دی جائیں گی تمہارے لیے معاف کر دیا ہے اللہ نے ان کو۔ اور اللہ

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا

بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے تحقیق پوچھا تھا ان کے متعلق ایک قوم نے تم سے پہلے پھر وہ ہو گئے ان احکام کا

كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّ

اِنکار کرنے والے نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے ۱۸۰ بحیرہ اَور نہ سائبہ اَور نہ وصیلہ اَور

کانپ اُٹھیں اور کہنے لگیں۔ اَے عبداللہ! تجھ سے زیادہ نافرمان بھی کسی کا بیٹا ہوسکتا ہے۔ تُو تو مجھے برسرِ مجلس رُسوا کرنا چاہتا تھا۔ حضرت عبداللہ کو اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم خداداد پر اِتنا اِعتماد تھا کہ فرمایا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کسی حبشی غلام کا بیٹا کہہ دیتے تو مجھے اِنکار نہ ہوتا(1)۔ اِسی طرح بعض لوگ بال کی کھال نکالنے کی عادی تھے۔ حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ! کیا ہر سال؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو رہے۔ اس نے مکرّر سہ کرر اپنا سوال دُہرایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا(2)۔ کیونکہ اس قسم کے سوالات مفید ہونے کے بجائے تکلیف اور مشقّت کا باعث بن سکتے تھے اس لیے ان سے منع فرما دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی بھی پیشِ نظر رہے۔ اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَ حَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَ سَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا(3) اللہ تعالیٰ نے کچھ فرض مقرر کیے ہیں ان کو ضائع نہ کرو، بعض چیزوں کو حرام کر دیا ہے ان کی پردہ دری نہ کرو، اور بعض حدیں مقرر کر دی ہیں ان کو مت توڑو، اور بعض چیزوں کے متعلق دانستہ سکوت فرمایا ہے ان کے متعلق بحث نہ کرو۔

۱۸۰ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے یا اس کے اذن سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔ اگر کوئی شخص اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام اور حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرتا ہے تو وہ تشریع اور قانون سازی کا حق اپنے ہاتھ میں لے رہا ہے اور حقوقِ ربّانی میں مداخلت کرنے کا مجرم بن رہا ہے۔ اِس آیت میں کفّار کی ایسی مداخلت کا ذِکر فرمایا جا رہا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت اور دودھ اللہ تعالیٰ نے حلال کیا، اُن سے خدمت لینے، ان پر سواری کرنے، بوجھ لادنے کی اِجازت بخشی، یہ کفار اپنی من گھڑت تجویزوں سے ان کو اپنے اوپر حرام کر دیتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر جُھوٹ اور بہتان ہوتا ہے۔ جن جانوروں کو مُشرکین اپنے اُوپر مختلف طریقوں سے حرام کر دیا کرتے تھے اُن کے نام بمع تشریح درجِ ذیل ہیں:

1۔ تفسیر منار، زیرِ آیت ہذا، ج7، ص127

2۔ جامع ترمذی، ابواب الحج عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ماجاء کم فرض الحج، ج1، ص100، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ المائدۃ، ج2، ص131

3۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ص32

لَاحَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ

نہ حام لیکن جنہوں نے کفر کیا وُہ تہمت لگاتے ہیں ۱۸۱ اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ

کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں اور جب کہا جاتا ہے انھیں کہ آؤ اس کی طرف جو نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اور آؤ (اس کے) رسول

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

کی طرف کہتے ہیں کافی ہے ہمیں جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو ۱۸۲ اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں ۱۸۳

۱۔ بحیرہ: اس کا لغوی معنی ہے کان چِرا۔ وہ اونٹنی جو پانچ بچے جنتی اور آخری بچہ نر ہوتا تو کان چیر کر اُسے چھوڑ دیتے۔ اس پر سواری کرنا، اس کا گوشت سب اپنے اُوپر حرام خیال کر لیتے۔

۲۔ سائبۃ: اگر کوئی آدمی سفر پر جاتا یا بیمار ہوتا تو وہ نذر مانتا کہ اگر میں خیریت سے گھر پہنچ گیا یا اِس بیماری سے صحت یاب ہو گیا تو میری یہ اُونٹنی سائبہ ہوگی۔ اور اس کا دودھ، گوشت اور اس پر سواری بھی بحیرہ کی طرح حرام تصوّر کرتے۔

۳۔ وصیلۃ: ان کی بکری اگر بچی جنتی تو اُسے اپنے لیے رکھ لیتے اور بچہ جنتی تو وہ ان کے بتوں کا ہوتا۔ اور اگر ایک شکم سے بچی بچہ دونوں جنتی تو پھر بھی بچی کو بچہ کے ساتھ ملا کر بتوں کی نذر کر دیتے۔ یہ بچی جو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بتوں کی نذر ہوتی اس کو وصیلۃ کہتے۔ وَصَلَتْ اَخَاهَا(1)۔

۴۔ حام: وہ اونٹ جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہوتے اس کی سواری وغیرہ بھی اپنے اُوپر حرام کر دیتے اور اُسے حام کہا جاتا۔ (بیضاوی)(2) یہ سارے جانور وہ اپنے بتوں کے لیے نذر کرتے اور ان سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا اپنے اُوپر حرام کر دیتے۔

۱۸۱ یہ رُسومِ بد تو ان کی من گھڑت ہیں لیکن نِسبت ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہرگز یہ حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس نے تو اِن جانوروں کو پیدا ہی اِس لیے فرمایا ہے کہ اِنسان انہیں کھائے، اُن کا دودھ پیئے، اُن پر سواری کرے اور اُن پر اپنا سامان وغیرہ لادے۔

۱۸۲ اگر ان لوگوں کو ان بیہودہ رسموں سے باز آنے اور قرآن وسُنّت کی اطاعت کے لیے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہمیں تمہاری رہنمائی کی ضرورت نہیں ہم تو صرف اسی راہ پر گامزن رہیں گے جس پر ہمارے باپ دادا چلا کرتے تھے۔

۱۸۳ اگرچہ ان کے باپ دادا جاہل اور گمراہ ہی کیوں نہ ہوں یہ ان کی ہی تقلید کریں گے۔ معلوم ہوا کہ ایسے باپ دادا کی پیروی سے روکا جا رہا ہے جو جاہل اور گمراہ ہوں۔ اِس آیت سے ائمہ مجتہدین اور اولیاء کاملین کی تقلید کی ممانعت نہیں۔ اور اس کی کھلی وجہ یہ ہے کہ ان کی تقلید عین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہے۔ کیونکہ ان کی زندگیاں اسی اطاعت کاملہ کی زندہ تصویر ہوا کرتی ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص 37-336 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص:164

شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ

اور نہ ہدایت یافتہ ہوں (کیا پھر بھی وُہ انھیں کی پیروی کریں گے) اَے ایمان والو! تم پر ۱۸۴؎ اپنی جانوں کا فکر لازمی ہے۔ نہیں نقصان پہنچا سکے گا

مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

تمھیں جو گمراہ ہُوا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو اللہ کی طرف ہی لَوٹ کر جانا ہے تم سب نے پھر وُہ آگاہ کرے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ

تمھیں جو تم (اِس دُنیا میں) کیا کرتے تھے اَے ایمان والو! آپس میں تمھاری گواہی ۱۸۵؎ جب آ جائے

۱۸۴؎ کفّار کا عناد اور کفر پر ان کا اصرار دیکھ کر صحابہ کرام بہت رنجیدہ خاطر رہا کرتے تھے۔ ان کی تسلّی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ تم اپنی اِصلاح اور سلامت روی کے ذمہ دار ہو۔ اگر تم راہِ راست پر ثابت قدم رہے تو کسی کی گمراہی تمہیں ضرر نہیں پہنچائے گی۔ ہر شخص اپنے اعمال کی جزا و سزا بھگتے گا لیکن اِس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جب ہم خود نیکوکار اور صالح ہیں تو کسی کو نیکی کا حکم کرنا اور بُرائی سے روکنا ہم پر لازم نہیں۔ یہ خیال سراسر غلط ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اِس غلط فہمی کا پہلے ہی ازالہ فرما دیا تھا۔ آپ ایک روز خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ تم یہ آیت عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ الخ پڑھتے ہو اور اس کا غلط مفہوم ذہن میں رکھتے ہو۔ میں نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْكَرَ وَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ يُوْشِكُ اَنْ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَعُمَّهُمْ بِعِقَابِهٖ (سنن اربعہ)(1) لوگ جس وقت بُرائی کو دیکھیں اور پھر اس کو درست نہ کریں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔

۱۸۵؎ اِن تین آیتوں کو اعراب، معنی اور حکم کے اعتبار سے مشکل ترین آیات شمار کیا گیا ہے۔ ان کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان سفر میں ہو اور اس کی موت کا وقت قریب آ جائے تو دو معتبر مسلمانوں کو بلا کر اپنے مال کی وصیّت کرے اور اگر اس وقت مسلمان نہ مل سکیں تو دو غیر مسلموں کو بلا کر ہی اس کی وصیّت کر دے۔ اور جب وہ وصی اس کے گھر پہنچیں اور وارثوں کو شک پڑ جائے کہ انہوں نے صحیح حالات نہیں بتائے تو نمازِ عصر کے بعد جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تو ان وصیّوں کو بُلا کر قسم لی جائے کہ اُنہوں نے کسی قسم کی خیانت نہیں کی اور وصیّت کو صحیح طور پر بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ وارث اس صورت میں مدعی تھے لیکن ان کے پاس اِن وصیوں کے خلاف گواہ موجود نہ تھے۔ اِس لیے وصی جو منکر تھے اُن سے قسم لی گئی۔ لیکن اگر بعد میں ان کی خیانت پکڑی جائے اور ان کا جھوٹ ظاہر ہو جائے تو پھر وارثوں میں سے دو آدمی قسم اٹھائیں کہ پہلے وصیوں کا بیان غلط تھا اور جو ہم کہہ رہے ہیں وہ زیادہ صحیح ہے۔ پھر ان وارثوں کی قسم کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ وہ خاص واقعہ جس کے بارے میں یہ

1۔ تفسیر المنار، زیر آیت ہذا، ج7، ص211۔ مسند امام احمد، ج1، ص2، 9۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ المائدۃ، ج2، ص131۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، ص:298۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الامر بالمعروف، ص:436

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ

کسی کو تم سے موت وصیّت کرتے وقت (یہ ہے کہ) دو معتبر شخص تم میں سے ہوں یا دو اور ۱۸۶

مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ

غیروں میں سے اگر تم سفر کر رہے ہو زمین میں پھر پہنچے تمہیں موت کی مصیبت

الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ

روکو اِن دو گواہوں کو ۱۸۷ نماز پڑھنے کے بعد تو وُہ قسم کھائیں اللہ کی اگر تمہیں

احکام نازل ہوئے اس کے ذِکر سے مزید وضاحت ہو جائے گی۔ اِس لیے اِس کا ذِکر کرنا بھی مناسب ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بدیل نامی ایک مسلمان دو عیسائیوں تمیم الداری اور عدی کے ہمراہ ملک شام میں تجارت کی غرض سے گئے۔ جب بدیل شام پہنچے تو اچانک بیمار ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنے سامان کی فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور اپنے ساتھیوں کو اس کی اِطلاع نہ دی۔ جب ان کی حالت نازک ہو گئی تو انہوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو بُلا کر وصیت کی کہ میرا سامان میرے گھر پہنچا دینا۔ چنانچہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ تمیم اور عدی نے ان کا سامان سنبھالا۔ اس میں ایک چاندی کا پیالہ تھا۔ جس پر سنہری نقش و نگار تھے۔ وہ ان کو پسند آیا اور اسے نکال لیا۔ مدینہ واپس پہنچ کر بدیل کا سامان ان کے گھر پہنچا دیا۔ گھر والوں کو سامان کی وہ فہرست مل گئی۔ جب سامان کو اس فہرست کے مطابق کیا گیا تو پیالہ مفقود تھا۔ ان سے دریافت کیا انہوں نے بے خبری کا اِظہار کیا۔ چنانچہ بارگاہ رسالت میں عرض کی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز کے بعد ان دونوں کو بلایا اور ان سے قسم لی۔ وہاں بھی انہوں نے قسم اُٹھالی۔ کچھ عرصہ بعد وہ پیالہ مکّہ کے ایک سنار کے پاس پایا گیا۔ اس نے بتایا کہ میں نے تو یہ پیالہ تمیم اور عدی سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہے۔ چنانچہ پھر مقدمہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا۔ اِس آیت کے مطابق اس دفعہ بدیل کے وارثوں سے قسم لی گئی کہ یہ پیالہ بدیل کا ہے اُس نے فروخت نہیں کیا بلکہ عدی اور تمیم نے خیانت کی ہے۔ چنانچہ ان دونوں کے خلاف فیصلہ صادر ہوا۔ اور ان سے ہزار درہم لے کر بدیل کے وارثوں کو دیا گیا(1)۔

۱۸۶ اس سے بعض فقہاء نے بوقتِ ضرورت غیر مسلم کی شہادت مسلمان کے لیے جائز رکھی ہے۔ اِمام صاحب کے نزدیک ذمی، ذمی کے لیے شہادت دے سکتا ہے لیکن مسلمان کے لیے نہیں دے سکتا۔ آیت سے یہ مفہوم واضح طور پر مستفاد نہیں ہوتا(2)۔

۱۸۷ ویسے تو ہر نماز کے بعد جائز ہے لیکن ظہر اور عصر کی نماز کے بعد بہتر ہے۔ کیونکہ اس وقت لوگوں کا اِجتماع زیادہ ہوتا ہے(3)۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص346 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص350 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج3، ص198

ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ

شک پڑ جائے (ان الفاظ سے) ۱۸۸؎ کہ ہم نہ خریدیں گے اس قسم کے عوض کوئی مال اور اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی ہو اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ

اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا

کی گواہی (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس وقت گنہگاروں میں (شمار) ہوں گے"۔ پھر اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ سزاوار ہوئے ہیں کسی گناہ کے

فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیٰنِ

تو دو اور کھڑے ہو جائیں ان کی جگہ ان میں سے جن کا حق ضائع کیا ہے پہلے گواہوں نے اور (یہ نئے

فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَیْنَاۤ ۖ

دو گواہ) قسم اُٹھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا

اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى

(اگر ہم ایسا کریں تو) بے شک اُس وقت ہم ظالموں میں شمار ہوں گے۔ یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ دیا کریں گواہی ۱۸۹؎ جیسا کہ

وَجْهِهَاۤ اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

چاہیئے یا خوف کریں اس بات کا کہ لوٹائی جائیں گی قسمیں (میّت کے وارثوں کی طرف) ان کی قسموں کے بعد اور ڈرتے رہو

وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ ۱۴ ۸ ۴

اللہ سے اور سنو اس کا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ

۱۸۸؎ شہادت لینے کی ضرورت تب ہوگی جب وارثوں کو شک ہو۔ ورنہ نہ مقدمہ ہوگا نہ شہادت و قسم کی ضرورت ہوگی (1)۔

۱۸۹؎ یوں نماز کے بعد مجمع عام میں جب قسم لینے کا قانون ہوگا تو وصی بھی جھوٹ بولنے سے اِجتناب کریں گے اور وارث بھی اللہ کے گھر میں اللہ کی مخلوق کے سامنے ناجائز مطالبہ نہیں کریں گے۔ دونوں کو علم ہوگا کہ ہمیں قسم اٹھانا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص355

الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ

تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمھیں؟ ۱۹۰؎ عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں۔ بے شک تو ہی خوب

الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ

جاننے والا ہے سب غیبوں کا۔ جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم! ۱۹۱؎ یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور

وقف لازم

عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ قف تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي

اپنی والدہ پر جب میں نے مدد فرمائی تمھاری روح القدس سے ۱۹۲؎ باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے (جبکہ

الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

تو ابھی) پنگھوڑے میں تھا اور جب پکی عمر کو پہنچا۔ اور جب سکھائی میں نے تمھیں کتاب اور حکمت اور تورات

۱۹۰؎ بظاہر یہ شبہ گزرتا ہے کہ انبیاء نے جب دینِ حق کی دعوت دی تو بعض لوگوں نے اُسے قبول کیا۔ بعض نے اُسے ردّ کر دیا اور اس کی مخالفت پر کمر باندھی۔ اِن تمام واقعات کا انبیاء نے بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ پھر ان کے اِس جواب کا کیا مطلب کہ انہیں تو کچھ خبر نہیں کہ اُن کی امتوں نے اُنہیں کیا جواب دیا۔ امام المفسرین ابن جریر نے اسی توجیہ کو صحیح اور بہترین فرمایا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انبیاء نے اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور کامل کے سامنے اپنے علم کو ہیچ سمجھتے ہوئے ازراہِ ادب و تعظیم اپنے علم کی سرے سے نفی کر دی۔ وَ اَوْلَى الْاَقْوَالِ بِالصَّوَابِ قَوْلُ مَنْ قَالَ مَعْنَاهُ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا عِلْمٌ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنَّا لَا اَنَّهُمْ نَفَوْا اَنْ يَّكُوْنُوْا عَلِمُوْا مَا شَاهَدُوْا كَيْفَ يَجُوْزُ ذَالِكَ وَهُوَ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ بِخَبَرِ اَنَّهُمْ سَيَشْهَدُوْنَ عَلٰى تَبْلِيْغِهِمُ الرِّسَالَةَ۔ (ابن جریر صفحہ 82 جلد 7)(1)

۱۹۱؎ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسولوں سے دریافت فرمائے گا کہ ان کی امتوں نے انہیں کیا جواب دیا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاص ذِکر کر کے ان کی اُمت کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اس دن کے طلوع ہونے سے پہلے تم اپنی اِصلاح کر لو اور اِس گستاخی سے تائب ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے لیے جُورو اور بیٹا مان کر تم نے کی۔

۱۹۲؎ اللہ تعالیٰ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ پر اپنے خاص اِحسانات اور اِنعامات کا ذِکر فرما رہے ہیں۔ خطاب اِبن مریم کے لفظ سے کیا تا کہ عیسائیوں کے اس عقیدہ کی جڑ کٹے جو آپ کو اِبن اللہ مانتے ہیں۔ ان کی والدہ پر تو اِحسان یہ ہے کہ بچپن میں ہی حضرت زکریا علیہ السلام کی نگرانی اور تربیت کی نعمت سے سرفراز ہوئیں۔ عبادت کے لیے وقف ہو گئیں۔ پھر اللہ

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 82

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ

اَور اِنجیل اور جب تو بناتا تھا[۱۹۳] کیچڑ سے پرندے کی سی صورت میرے اِذن سے پھر پھونک مارتا تھا

فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ

اس میں تو وُہ (مٹی کا بے جان پُتلہ) بن جاتا تھا پرندہ میرے اِذن سے اَور (جب) تو تندرست کر دیا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ

میرے اِذن سے اَور جب تو (زندہ کر کے) نکالا کرتا تھا مُردوں کو میرے اِذن سے۔ اور جب میں نے روک دیا تھا[۱۹۴] بنی اِسرائیل کو تجھ سے جب

جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا

تو آیا تھا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو کہا جنھوں نے کفر کیا تھا ان سے کہ یہ سب (معجزات) نہیں ہیں مگر

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ

کھُلا ہوا جادُو[۱۹۵] اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا[۱۹۶] کہ اِیمان لاؤ میرے ساتھ اَور

تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں عیسیٰ جیسا فرزند عطا فرمایا۔ ان کے علاوہ اور بے شمار عنایات سے حضرت مریم کو ممتاز کیا گیا۔

۱۹۳ یہاں سے اُن اِحسانات اور اِنعامات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فرمائے گئے۔ اُن تمام کے متعلق حواشی سورۂ آلِ عمران میں گزر چکے ہیں (ملاحظہ ہو آیت 49 آل عمران)

۱۹۴ بارہا یہود نے کوشش کی کہ حضرت مسیح کو قتل کر ڈالیں لیکن ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ آخری مرتبہ جب اُنہوں نے رُومی حاکم سے آپ کو سُولی دے دینے کے احکام بھی لے لیے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا اور اپنی طرف آسمان پر اُٹھا لیا(1)۔ جس کی تفصیلات سورۃ النساء میں گزر چکی ہیں (ملاحظہ ہو آیات نمبر 157 تا 159۔ النساء)

۱۹۵ یہودی آپ کے روشن معجزات دیکھ کر ایمان لانے کے بجائے اُلٹا آپ کو جادُوگر اور شعبدہ باز کہنے لگے۔

۱۹۶ وحی کے مختلف معانی کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ اگر یہ حواری انبیاء تھے جیسے بعض علماء کا خیال ہے تو وحی سے مراد وہ وحی ہو گی جو اللہ تعالیٰ انبیاء پر نازل فرماتا ہے اور اگر یہ نبی نہ ہوں تو وحی سے مراد الہام اور القاء ہوگا۔ حواریون جمع حواری کی۔ اس کا لغوی معنی سفید و براق رنگ والا ہے۔ ظاہر اور باطن میں جو مخلص دوست ہو اُس کو بھی حواری کہتے ہیں۔ خصوصاً انبیاء کے ممتاز اور

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 363

بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ

میرے رسول کے ساتھ انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے مولا!) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں ۱۹۷ جب کہا تھا

الْحَوَارِیّٖنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ

حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ کر سکتا ہے ۱۹۸ تیرا رب کہ اُتارے

عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

ہم پر ایک خوان آسمان سے (ان کی اِس تجویز پر) عیسیٰؑ نے کہا ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو ۱۹۹

قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ

حواریوں نے کہا ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اس سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ آپ نے

جانثار دوستوں اور اطاعت گزاروں کو حواری کہا جاتا ہے۔ اَلْحَوَارِیُّ مَعْنَاهُ فِی اللُّغَةِ الْاَبْیَضُ النَّقِیُّ اللَّوْنِ وَ یُقَالُ مَنْ اَخْلَصَ سِرًّا وَّ جَهْرًا فِیْ مَوَدَّتِكَ قَالَ الزُّجَاجُ: اَلْحَوَارِیُّوْنَ خُلْصَانُ الْاَنْبِیَاءِ وَ صَفْوَتُهُمْ(1)۔

۱۹۷ اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا دین جس کی وہ دعوت دیا کرتے تھے وہ اِسلام ہی تھا۔ یہ کوئی نیا دین نہیں ہے جو پہلے دینوں سے الگ ہو بلکہ انہیں کی ایک کامل، توانا اور حسین صورت ہے۔

۱۹۸ کیونکہ وہ مسلمان تھے اِس لیے انہیں اِس میں تو شک نہ تھا کہ مائدہ نازل کرنے کی اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔ بلکہ وہ دریافت یہ کر رہے تھے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اِرادہ اِس بات کا متقاضی ہے کہ وہ ہم پر مائدہ اُتارے۔ یعنی کوئی حکمت مائدہ کے نُزول میں مانع تو نہیں۔ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ یَسْتَطِیْعُ بمعنی یُطِیْعُ ہے(2)۔ یعنی اگر آپ مائدہ کے نزول کی دعا کریں تو کیا اللہ تعالیٰ آپ کی یہ دعا قبول فرمائے گا۔

۱۹۹ عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے بنی اِسرائیل کے چشم و چراغ تھے۔ نئی نئی تجویزیں پیش کرنا اور انہیں منوانا ان کا آبائی شعار تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو فرماتے ہیں کہ چھوڑو اِن حجت بازیوں کو اور اپنے آپ کو اِمتحان میں نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے بڑوں کی طرح تم بھی شکرِ نعمت سے قاصر رہو اور اس سزا کے مستحق ٹھہرو جو ناشکروں کے لیے مقرر ہے۔

1۔ تفسیر منار، زیر آیت ہذا، ج7، ص248 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص364

صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

ہم سے سچ کہا تھا اور ہم ہو جائیں اس پر ۲۰۰ گواہی دینے والوں سے عرض کی عیسٰی بن مریم نے

اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا

اَے اللہ ہم سب کے پالنے والے اُتار ہم پر خوان ۲۰۱ آسمان سے بن جائے ہم سب کے لیے خوشی کا دن

لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

(یعنی) ہمارے اگلوں کے لیے بھی اور پچھلوں کے لیے بھی اور (ہو جائے) ایک نشانی تیری طرف سے ۲۰۲ اور رزق دے ہمیں اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے

۲۰۰ اپنے اس مطالبہ کی تائید میں جو وجوہات انہوں نے بیان کیں ان کا ذِکر اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے۔ وہ وجُوہات یہ ہیں: (۱) تا کہ ہم اس سے اپنی بھوک کا علاج کریں (۲) اِس معجزہ کے مشاہدہ کے بعد ہمارے دلوں کو اِطمینان نصیب ہوگا (۳) نیز ہمیں آپ کی صداقت کی بھی قوی دلیل مل جائے گی (۴) جب ہم ایسا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو ہم اور لوگوں کو بھی بتائیں گے شاید ان سے بھی کوئی ہدایت قبول کرے۔

۲۰۱ اَللّٰهُمَّ اصل میں یَا اَللّٰہ ہے (1)۔ حرفِ ندا کی جگہ دو میم آخر میں بڑھا دیئے۔ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک اسم ذاتی اور دوسرا اِسم صفاتی ذِکر کیا۔ کیونکہ لفظِ اللہ تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ رحمت، بخشش، مغفرت سب اِس کے ضمن میں آ گئے۔ اور رَبَّنَا سے صفتِ ربوبیت کو مؤکّد کیا گیا۔ کیونکہ جس چیز کے متعلق سوال کیا جا رہا ہے اُس کا اِس صفت سے خصوصی تعلق ہے۔ مَائِدَة اس دستر خوان کو کہتے ہیں جس پر کھانا چنا ہوا ہو۔ اَلْمَائِدَةُ الْخَوَانُ الَّذِیْ عَلَیْهِ الطَّعَامُ (قرطبی) (2) عید مطلق خوشی اور سُرور کے دن کو کہتے ہیں۔ لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا سے مُراد یہ ہے کہ جو اس مائدہ کے نازل ہونے سے پہلے اِیمان لا چکے اور جو بعد میں ایمان لائیں گے یہ سب کے لیے فرحت و شادمانی کا دن ہوگا۔ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہ نے یہاں خوب لکھا ہے فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس روز کو عید بنانا اور خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا، شکرِ الٰہی بجالانا طریقہ صالحین ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکرِ الٰہی بجالانا اور اظہارِ فرح و سُرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ (خزائن العرفان) (3)

۲۰۲ تیری قدرت کی اور میری نبوت کی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص367 2۔ ایضاً 3۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص:228، حاشیہ:282

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بلاشبہ میں اتارنے والا ہوں اسے تم پر ۲۰۳ پھر جس نے کفر اختیار کیا اس کے بعد تم سے تو بے شک میں عذاب

ع ۱۵ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ

دوں گا اسے ایسا عذاب کہ نہیں دوں گا کسی کو بھی اہلِ جہان سے اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن

مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ

مریم! ۲۰۴ کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے ۲۰۵ کہ بنالو مجھے اور میری ماں کو ۲۰۶ دو خدا اللہ کے

اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ

سوا۔ وہ عرض کریں گے پاک ہے تو ہر شریک سے ۲۰۷ کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات جس کا نہیں ہے مجھے کوئی حق اگر میں نے

۲۰۳ بعض جلیل القدر تابعین، مجاہد اور حسن کی رائے تو یہ ہے کہ جب انہوں نے ناشکری پر سخت ترین عذاب کی دھمکی سنی تو اپنا مطالبہ واپس لے لیا۔ لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ مائدہ بالفعل نازل ہوا۔ اِس میں کون کون سے کھانے تھے؟ اِس کی تفصیل کا نہ یقینی علم ہے اور نہ اس کے جاننے کی ضرورت۔ وَالْمَقْطُوْعُ بِهٖ اَنَّهَا نَزَلَتْ وَكَانَ عَلَيْهَا طَعَامٌ يُؤْكَلُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِتَعْيِيْنِهٖ (قرطبی)(1)

۲۰۴ جمہور مفسرّین کا قول یہ ہے کہ یہ سوال جواب قیامت کے دن ہوگا(2)۔ اس سے پہلی آیت یَوْمَ یَجْمَعُ الخ اور بعد کی آیت یَوْمُ یَنْفَعُ الخ اس کی مویّد ہیں۔

۲۰۵ سوال ہمیشہ اسی لیے نہیں کیا جاتا کہ سائل کو اس چیز کا علم نہیں اور وہ اس سوال سے غیر معلوم چیز کو جاننا چاہتا ہے بلکہ سوال دوسرے فوائد کے لیے بھی ہوسکتا ہے۔ یہاں اِس اِستفسار سے مقصود یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان کروڑوں آدمیوں کو اپنی فحش غلطی پر آگاہ کیا جائے جس میں وہ مبتلا ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا شریکِ خدا یا فرزند خدا بنائے ہوئے ہیں۔(3)

۲۰۶ مسیحی دنیا میں حضرت مریم علیہا السلام کی پرستش کوئی پوشیدہ امر نہیں۔ وہ ان کے قدآدم مجسمے بنا کر اپنے گرجاؤں کی محرابوں میں رکھتے ہیں اور تمام رسُوم پرستش بجالاتے ہیں۔

۲۰۷ حضرت مسیح علیہ السلام کا جواب قابل غور ہے۔ اِلزام آپ پر لگ رہا ہے کہ کیا آپ نے ایسا کہا۔ اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ اپنی صفائی میں لب کشائی نہیں کرتا بلکہ اپنے رب کی عظمت و پاکی کا اعلان کرتا ہے اور اپنی صفائی اپنے سب کچھ جاننے والے خدا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص372 2۔ ایضاً، جز6، ص374 3۔ ایضاً، جز6، ص375

قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ

کہی ہوتی ایسی بات تو تُو ضرور جانتا اس کو۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ

بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا نہیں کہا میں نے انھیں ۲۰۸ مگر وہی کچھ جس کا تو نے حکم دیا مجھے کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ

عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی پروردگار ہے اور تھا میں ان پر ۲۰۹ گواہ جب تک میں رہا ان میں

کے سپرد کر دیتا ہے۔ یعنی اَے میرے رب! تجھ سے کوئی بات مخفی نہیں۔ زمین و آسمان کے سب چھپے ہوئے اسرار تجھے معلوم ہیں۔ میں کیا اپنی صفائی پیش کروں۔ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ الفاظ ہرگز نہیں کہے۔ اور تیرا یہ بندہ جس پر ہر لحظہ تیرے کرم کی بارش ہو رہی ہے۔ کیا اِتنا ناشکر گزار بن سکتا ہے اور یہ جرأت کر سکتا ہے کہ ایسی بات کا مدّعی بنے جس کا اسے کوئی حق نہیں۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے بارگاہِ خداوندی میں ادب و تعظیم کی۔

۲۰۸ یعنی میں نے تو انہیں وہی کچھ کہا جس کے کہنے کا تو نے مجھے حکم فرمایا۔ میں نے تو انہیں صاف صاف اور بار بار کہا تھا کہ تم صرف اس ربّ العزت کی عبادت کرنا جو میرا بھی مالک اور پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔

۲۰۹ جب تک میں ان میں رہا اُس وقت تک میں ان کی نگہبانی کرتا رہا اور جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا تو تُو ہی ان کا نگہبان تھا۔ یہاں بعض لوگوں نے تَوَفَّیْتَنِیْ کے لفظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ تَوَفّٰی کا حقیقی معنی مارنا نہیں بلکہ کسی چیز کو پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لینا ہے۔ اَلتَّوَفِّیْ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا (1): کسی چیز کو کامل طور پر اپنے قبضہ میں لے لینا۔ (بیضاوی) وَتَوَفَّاهُ اَیْ لَمْ یَدَعْ مِنْهُ شَیْئًا (تاج العروس) (2) اور یہ لفظ موت کے معنی میں بطریق مجاز اِستعمال ہوتا ہے وَمِنَ الْمَجَازِ اَدْرَكَتْهُ الْوَفَاةُ اَیْ اَلْمَوْتُ (تاج العروس) (3) چنانچہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ لفظ وفات قرآن میں تین طرح اِستعمال ہوا ہے۔ (۱) وفاتِ موت (۲) وفاتِ نوم (۳) وفاتِ رفع۔ پہلی وجہ کی مثال اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا (4) یعنی اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفسوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ دوسری وجہ کی مثال وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ (5)۔ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو رات کو نیند کے وقت تمہارے نفسوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے۔ تیسری وجہ کی مثال یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ (6) اَے عیسیٰ میں تمہیں زمین سے اٹھا کر اپنے قبضہ اور حفاظت میں لے لوں گا۔ قَالَ الْحَسَنُ اَلْوَفَاةُ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَوْجُهٍ وَفَاةُ الْمَوْتِ وَوَفَاةُ النَّوْمِ وَوَفَاةُ الرَّفْعِ وَ ذَالِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی اَللّٰهُ یَتَوَفَّی

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص: 167 | 2۔ تاج العروس، ج 10، ص 394 | 3۔ ایضاً
4۔ سورۃ الزمر: 42 | 5۔ سورۃ الانعام: 60 | 6۔ سورۂ آل عمران: 55

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ

پھر جب تو نے مجھے اُٹھا لیا تو تُو ہی نگران تھا ان پر اور تُو ہر چیز کا مشاہدہ

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ

کرنے والا ہے اگر تُو عذاب دے انھیں تو وُہ ۲۱۰ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو

فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ

تو بلا شبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ہے وُہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو

صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اُن کا سچ ان کے لیے باغات ہیں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وُہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں

الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ (قرطبی)(1)

اب جب یہ لفظ ان متعدد معانی میں مستعمل ہوتا ہے تو اس بات کا یقین کرنے کے لیے کہ کسی موقع پر ان متعدد معانی سے کون سا معنی مراد ہے دوسرے قرائن کو دیکھنا ہوگا۔ اور اگر حدیثِ صحیح سے کوئی معنی متعین ہو جائے تو پھر دوسرے معانی کا اِحتمال ختم ہو جائے گا اور صرف وہی معنی لیا جائے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر فرما دیا ہے۔ کیونکہ کتاب کے بیان کا حق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تفویض فرمایا ہے اس کے بعد کسی قیل وقال کی گنجائش نہیں رہتی۔ جب احادیث نبویہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اُٹھا لیا گیا تو اب آیات قرآنی کو اپنے اغراض واہواء کا لباس پہنانا سراسر بے دینی اور بے باکی ہے۔

۲۱۰ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (2) (اے میرے رب! جس نے میری فرمانبرداری کی وہ میرے گروہ سے ہوگا اور جس نے نافرمانی کی تو (اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بے شک تو غفور رحیم ہے) اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ الخ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زار وقطار رو پڑے اور عرض کی اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے محبوب کے پاس جاؤ اور اس سے رونے کی وجہ پوچھو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ جبرئیلؑ حاضر ہوئے دریافت کیا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کی بخشش کے متعلق اندیشہ ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر جبرئیل علیہ السلام کو یہ پیغام دے کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص 377 2۔ سورۂ ابراہیم: 36

اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ

رہیں گے راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہوگئے وہ اللہ تعالیٰ سے۔ یہی ہے بڑی کامیابی ۲۱۱ اللہ ہی کے لیے ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۶ ۵ ۶

بادشاہی سب آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر ۲۱۲ پوری قدرت رکھنے والا ہے

پاس بھیجا فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا جِبْرِیْلُ اِذْهَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِیْكَ فِیْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ (صحیح مسلم)(1) ''کہ (اے مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ رنجیدہ نہ ہوں) یقیناً ہم آپ کی امت سے ایسا رحمت کا سلوک کریں گے جس سے آپ خوش ہوجائیں گے اور ان سے ایسا معاملہ نہ ہوگا جو آپ کو ناگوار گزرے''۔ الحمدللہ جس نے ہم سیاہ کاروں کو ایسے کریم اور بے کس پرور نبی کی اُمت ہونے کا شرف بخشا۔ صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

۲۱۱ ابوحیان فرماتے ہیں کہ اللہ کی رضا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے کیونکہ اِس نعمت عظمٰی کے سامنے جنّت اور نعیمِ جنّت کی کیا وقعت ہے لِاَنَّ الْجَنَّةَ بِمَا فِیْهَا كَالْعَدَمِ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی رِضْوَانِ اللّٰهِ۔ (بحر)(2)

۲۱۲ یہ آخری آیت گویا اِس سُورۂ کریمہ کے سر پر زرّیں تاج ہے۔ سب شبہات کا ازالہ، سب گمراہیوں کا رد اور سب حقائق کا حاصل اور نچوڑ اِس میں بیان فرمادیا۔ فرمایا زمین اور آسمان اور ان میں خاکی، ناری اور نُوری، بے جان اور جاندار، بے شعور اور باشعور جو کچھ بھی ہے سب اللہ وحدہ لاشریک کی ملکیت ہے۔ اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ کوئی خدائی میں شریک نہیں۔ کوئی اس کا بیٹا نہیں۔ سب اس کے بندے اور اس کے حکم کے پابند ہیں۔ ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ اگر کسی کو کوئی چیز نہ دے یا دے کر چھین لے تو کوئی دم نہیں مار سکتا۔ اور اپنے محبوبوں کو خصوصاً اپنے محبوب ترین بندے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو دینا چاہے وہ دے دیتا ہے کوئی اِعتراض نہیں کرسکتا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ وبکائہ شفقۃ علیھم، ج1، ص113

2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج4، ص64

تعارف سُورۃ الانعَام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِس سورۂ پاک کا نام الانعام ہے۔ اِس کی آیتوں کی تعداد ایک سو پینسٹھ 165 اور رکوعوں کی تعداد بیس 20 ہے۔

کیونکہ اس میں اَنعام (مویشیوں) کی حلت وحرمت کے متعلق کفّار کے خیالاتِ فاسدہ کی تردید کی گئی ہے۔ اِس لیے سُورت کا نام الانعام رکھا گیا۔ اس کے کلمات کی تعداد تین ہزار ایک سو اور حروف بارہ ہزار نو سو پینتیس ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ یہ سورت باستثناء چند آیات بیک وقت مکّہ مکرّمہ میں نازل ہوئی(1)۔

اس کے سال نزول کا تعیّن مشکل ہے لیکن مختلف قرائن اور شواہد کے پیشِ نظر بعض محققین کا یہ خیال ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی کے آخری حصّہ میں ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے یہ سورت نازل ہوئی۔

مدینہ طیبّہ میں اِسلام کو یہودیت اور عیسائیت سے واسطہ پڑا تھا۔ اِس لیے مدنی سورتوں میں ان کے عقائد کی تردید، ان کے اطوار کا محاسبہ اور ان کی اِصلاح پر زیادہ توجہ دی گئی لیکن مکّہ کا ماحول بالکل انوکھا تھا۔ یہاں کے لوگ نظریاتی اور اعتقادی لحاظ سے یکسر جدا تھے۔ یہاں کی زندگی کی مشکلات اور مسائل نرالی قسم کے تھے۔ اِن حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی پر جو وحی نازل ہوئی اس میں انہیں مشکلات کا حل اور اُنہیں مسائل کا جواب پیش کیا گیا ہے۔ اِس لیے اِس سورۂ کریمہ کے مطالعہ سے پہلے اِس سورۂ کریمہ کی مندرجہ ذیل خصوصیات کا ذہن نشین کر لینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ مکّہ کی تقریباً تمام تر آبادی مُشرک اور بُت پرست تھی۔ اِن پتھر کے بُتوں اور مٹی کی مُورتیوں کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ بھی اِلٰہ (خدا) ہیں۔ اِس بے سروپا بات کے اظہار میں انہیں ذرا تامل نہ تھا۔ بلکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں بتایا کہ یہ بے جان اور بے زبان مجسمے خدا نہیں۔ خدا تو وہ ذاتِ والاصفات ہے جو زمین وآسمان کا خالق ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرّہ بھی مخفی نہیں۔ تاریک غار میں اندھیری رات میں ننھی سی چیونٹی کے رینگنے کی آواز کو بھی سنتا ہے۔ تو یہ سن کر وہ حیران وششدر ہو گئے اور مارے حیرت کے کہہ اُٹھے اَجَعَلَ الۡاٰلِہَۃَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ (2)۔ یہ تو بڑی عجیب وغریب بات ہے۔ جب وہ ان کو خدا مانتے تھے تو ان کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ خدا سمجھتے ہوئے اپنی مشکلات اور تکالیف میں انہیں کی طرف رجوع بھی کیا کرتے۔ اپنی ضروریات اور حاجات کے لیے

1۔ تفسیر قرطبی، جز6، ص382، دارالکتب المصریہ
2۔ سورۂ ص:5

انہیں کے سامنے دست سوال بھی دراز کیا کرتے۔ وُہی ان کے مینہ برسانے والے، وہی ان کو صحت دینے والے، وہی اُن کو دشمنوں پر غالب کرنے والے تھے۔ اِس سورۂ پاک میں ان کے اِس مُشرکانہ عقیدہ کی تردید کی گئی ہے انہیں بتایا گیا کہ پتھر کے یہ بت جو شکل وصورت میں کسی سنگ تراش کے مرہونِ منت ہیں وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ خدا تو وہ ذات ہے جس نے کُنْ (ہوجا) فرمایا تو یہ عالم رنگ وبُو اپنی تمام دلآویزیوں اور عظمتوں کے ساتھ موجود ہو گیا۔ جس کا علم اِتنا ہمہ گیر ہے کہ ظاہر و باطن سب اس پر عیاں ہے۔ جس کے اِختیارات غیر محدود ہیں۔ وہ جو چاہے، جتنا چاہے، جسے چاہے عطا فرمادے کوئی اعتراض نہیں کرسکتا اور جو چاہے جس وقت چاہے جس سے چاہے، چھین لے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ ساری کائنات نوری وناری، آبی اور خاکی سب کی سب بِلا استثناء اپنے وجود، اپنی بقا، اپنی نشوونما، اپنے تمام شؤونِ حیات میں ہر لحظہ، ہر لمحہ اس کی نظرِ رحمت کی محتاج ہے اور اسے کسی کی حاجت نہیں۔ اِس طرح اِس سورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کمال کا ذِکر کر کے ان کے مشرکانہ عقیدہ کی بے سروپائی کو طشت از بام کر دیا اور اس کی بنیادوں کو اِس طرح لرزا دیا کہ اگر بے جا ضد، بانیٔ اِسلام سے بلاوجہ حسد اور عناد کے جذبات اِس عمارت کو کچھ وقت تک سہارا نہ دیتے رہتے تو وہ اُسی وقت پیوندِ خاک ہو جاتی۔

۲۔ **دلائل توحید**۔ قرآن اپنے پڑھنے اور سننے والے کو فلسفہ کی بھول بھلیوں میں حواس باختہ اور اس کی ثقیل اور غیر مانوس اصطلاحوں سے مرعوب نہیں کرتا۔ بلکہ کائنات کی اِس کھلی ہوئی کتاب میں غور وفِکر کی دعوت دیتا ہے۔ یہ سورج، یہ چاند کس کی کبریائی کے شاہکار ہیں۔ زمین کی سطح پر لہلاتے ہوئے شاداب کھیت، رنگارنگ پھول، قسم قسم کے پھل کس کی قُدرت کی شہادت دے رہے ہیں۔ یہ گھنگھور گھٹائیں اور ان سے ٹپکنے والے حیات بخش قطرے کس کی رحمت کا مظہر ہیں؟ صرف اللہ وحدہ لاشریک کے۔ کون انکار کرسکتا ہے ان حقائق کا۔ یہی وہ نور تاباں تھا جس کی تجلّیوں کے سامنے کفر وشرک کی ظلمتوں کو کہیں پناہ نہ ملی۔

۳۔ **مُشرکین کا رویہ**۔ اِسلام، قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرکین کی مخالفت کسی سنجیدگی اور متانت پر مبنی نہ تھی اور نہ قرآنی دلائل کے جواب میں ان کے پاس کوئی ایسی قوی دلیل تھی جس سے وہ اپنے باطل عقائد کی حفاظت کر سکتے۔ ان کا سارا سرمایہ مذاق، تمسخر اور طرح طرح کی حجت بازیاں تھیں۔ فرشتہ جو وحی لاتا ہے وہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟ قرآن ایک مرتّب کتاب کی صورت میں کیوں نازل نہیں ہوا؟ اس یتیم اور بے یار ومددگار کو رسالت ونبوت کے لیے کیوں منتخب کیا گیا؟ لو اور سنو موت کے بعد نئی زندگی کا پرچار ہو رہا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی ماننے کی بات ہے بس اِس قسم کے اُن کے اعتراضات تھے جنہیں وہ بڑی شدّ ومد سے پیش کیا کرتے۔ اِس سورت میں ان کا ردّ کیا گیا ہے۔

۴۔ **تسلی واِطمینان**۔ ایک طرف اِنتہائی خلُوص، للّٰہیت اور خیر اندیشی کے جذبات کے ساتھ نورِ حق کی طرف رہنمائی کی جارہی ہے۔ دوسری طرف سے ضِد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اِس سے ہادیٔ برحق کا دل رحیم بہت رنجیدہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بار بار تسلی دیتے ہیں کہ آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ آپ سے پہلے بھی انبیاء آئے، انہیں ستایا گیا، اذیتیں پہنچائی گئیں لیکن انہوں نے صبر کیا۔ یہی سُنّت اِلٰہی ہے۔ آپ کو بھی صبر سے اِس سرد مہری اور دِل آزاری کا سامنا کرنا ہوگا۔

حق و باطل کی آویزش، نور و ظلمت کی کشمکش کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قُدرت سے بعید نہیں کہ وہ چشم زدن میں سب کو اِسلام لانے پر مجبور کر دے لیکن یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ ورنہ ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کی پہچان کیسے ہو۔ حسین و یزید کا امتیاز کیونکر ہو؟

۵۔ مُشرکانہ رسُوم۔ سورت کے آخری حصّہ میں مُشرکین کی اِن جاہلانہ رسموں کی تردید کی گئی ہے جو اُنہوں نے جانوروں کی حلت وحُرمت وغیرہ کے متعلق مقرر کر رکھی تھیں۔ اور واضح طور پر بتا دیا کہ یہ تمہاری من گھڑت باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں۔

۶۔ رکوع ۱۵ میں مکارم اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اور اخلاق رذیلہ سے اپنے حکیمانہ انداز میں منع کیا گیا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے اِس سورت کے آخری رکوع میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ تا وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (1) کا اعلان کریں۔ اِن دونوں آیتوں کا ترجمہ آپ بار بار پڑھیں اور غور کریں۔ آپ کا دل پُکار اُٹھے گا کہ بخدا یہی حاصل اِسلام ہے، یہی رُوحِ توحید ہے۔

1۔ سورۃ انعام:162-163

سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّ خَمْسٌ اَوْ سَبْعٌ اَوْ تِسْعٌ وَّ عِشْرُوْنَ اٰیَۃً وَّ ثَلٰثُ رُکُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ انعام مکی ہے اس کی آیتیں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۱۶۵ اور رکوع ۲۰ ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ۱؎ جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو

وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝۱ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ

اور نور کو پھر بھی ۲؎ جنھوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھیرا رہے ہیں ۳؎ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا

۱؎ ہر طرف گمراہی کا بھیانک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اِنسان کا رشتہ اپنے خالق و پروردگار سے بالکل کٹ چکا تھا۔ کوئی سورج کا پجاری، کوئی ستاروں کا پرستار، کوئی پہاڑوں کی بلند چوٹیوں، بڑے بڑے دریاؤں اور اُونچے اُونچے درختوں کا عبادت گزار تھا۔ ہندوستان میں تینتیس کروڑ خداؤں کی خدائی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ایران کے لالہ زاروں میں آتش کدے روشن تھے۔ رُستم و سہراب کی سرزمین کے بہادر اور نڈر فرزند آگ کے شعلوں کی جناب میں سجدہ ریز تھے۔ مسیحی دنیا میں ایک خدائے برتر و دانا کی جگہ باپ، بیٹا اور رُوح القدس تین خداؤں کی پرستش ہو رہی تھی۔ اور جزیرہ نمائے عرب کی تو حالت ہی نہ پوچھیے۔ راہ چلتے کوئی پتھر پسند آ گیا۔ اس کی تراش خراش کی اور اسے اپنی محرابِ عبادت کی زینت بنا دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ آسمان (عالمِ علوی) اور زمین (عالمِ سفلی) اندھیرا اور نُور، یہ سب مخلوق ہیں۔ اور اپنے وجود، اپنی حیات، اپنی نشوونما اور اپنی بقاء میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اَے شرفِ اِنسانیت کے پاسبانو! اَے بحرِ علم و دانش کے غواصو! تم خود ہی بتاؤ کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ اپنے خالق سے مُنہ موڑ کر مخلوق کے بندے بن جاؤ۔ غنی اور صمد کی جگہ محتاج اور بے بس کی عبادت کرنے لگو۔ یہ ہر چیز حسین و جمیل سہی، پُر ہیبت و پُر جلال سہی، مفید اور نفع بخش سہی۔ لیکن یہ حُسن و جمال، یہ ہیبت و جلال، یہ افادیت اور نفع رسانی ان میں آئی کہاں سے؟ یہ اسی ذاتِ برتر و اعلیٰ کے فضل و کرم کی جلوہ طرازی ہے جس نے انہیں نیست سے ہست کیا۔ عدم سے موجود کیا تو حمد و ستائش اسی کی ہونی چاہیے۔ ہر تعریف و توصیف کا وہی مستحق ہے۔ اِس حقیقت کے پیشِ نظر اس سورۂ پاک کا آغاز اِس آیتِ کریمہ سے فرمایا گیا۔ ذرا غور کیجئے اندازِ بیان کتنا ناصحانہ اور مشفقانہ ہے کسی کی کج روی کا ذِکر کیے بغیر۔ کسی کا نام لیے بغیر۔ اس مختصر سے جملے سے شرک کی لاتعداد قسموں کا بطلان کر کے رکھ دیا جو مختلف اقوام میں رائج تھیں۔

۲؎ ''ثم'' حرفِ عطف ہے لیکن کوئی دوسرا حرفِ عطف اِس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ معنی عطف پر دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ کفّار کی نادانی اور ان کے عقیدہ کی قباحت کو بھی عیاں کر رہا ہے۔ ثُمَّ دَالَّۃٌ عَلٰی قُبْحِ فِعْلِ الْکَافِرِیْنَ (قرطبی)(1) مقصد یہ ہے کہ یہ جاننے کے باوجود کہ کائنات کی ہر بڑی اور چھوٹی چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ پھر بھی یہ مخلوق اور محتاج

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص387

مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ

تمہیں مٹی سے پھر مقرّر کی ایک میعاد ۴ اور ایک میعاد مقرّر ہے اللہ کے نزدیک ۵ پھر بھی تم

تَمْتَرُوْنَ ۲ وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ

شک کر رہے ہو ۶ اور وُہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ۷ وُہ جانتا ہے تمہارے بھید بھی اور

چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھ رہے ہیں۔ کتنے نادان اور کتنے زیاں کار ہیں یہ لوگ۔

۳؎ اِس کا معنی ہے اَیْ یَجْعَلُوْنَ لَهٗ عَدِیْلًا (مفردات)(1) یعنی اپنے معبودان باطل کو خداوند تعالیٰ کا ہمسر اور اس کے برابر بنائے ہوئے ہیں۔ وہ کس طرح اُنہیں برابر و ہمسر بناتے تھے۔ اس کی وضاحت اِمام ابن جریر نے اِن الفاظ میں کی ہے۔ یَعْدِلُوْنَ: یَجْعَلُوْنَ لَه شَرِیْکًا فِیْ عِبَادَتِهِمْ اِیَّاهُ فَیَعْبُدُوْنَ مَعَهُ الْاٰلِهَةَ وَالْاَنْدَادَ(2)۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اپنے باطل خداؤں کی بھی عبادت کیا کرتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے برابر اور ہمسر یقین کیا جا رہا ہے۔

۴؎ یعنی جس کی قدرت نے ان خاک کے ذرّوں کو زندہ کیا اس کی حکمت جب متقاضی ہوگی تو عناصر کی یہ ہم آہنگی ختم ہو جائے گی اور یہ اِعتدال درہم برہم ہو جائے گا اور موت کی بادِ سموم اس چراغ زِیست کو بجھا دے گی۔ اور اس کے علم ازلی میں یہ وقت مقرر ہو چکا ہے۔

۵؎ موت کا وقت مقرر کرنے کے علاوہ اس نے ایک اور میعاد بھی متعین فرما دی ہے یعنی قیامت کا دن۔ اور اس کا یقینی علم اسی کے پاس ہے کوئی دوسرا اس کے بتائے بغیر اپنی عقل و فراست سے یا قیاس آرائیوں سے اس کو نہیں جان سکتا(3)۔

۶؎ لفظ ''ثم'' یہاں بھی بعینہٖ اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے جو پہلی آیت میں ادا کیا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بے شمار دلائل دیکھنے کے بعد بھی تمہیں قیامت کا یقین نہیں۔ اِنسان اپنی غذا ہی کو دیکھے کس طرح وہ زمین سے پیدا ہوتی ہے کس طرح وہ معدہ میں پہنچ کر ہضم کی مختلف کیفیات سے گزر کر جزوِ بدن بنتی ہے۔ اسی کا ایک حصّہ آنکھ کا نور، کانوں کی سماعت، زبان کی گویائی اور ایک حصہ ہڈیوں کی سختی، اعصاب کی نرمی، دماغ کا ادراک، ہاتھوں کی گرفت وغیرہ بن جاتا ہے جو ہستی اس باریک نظام کو چلا رہی ہے اس کے لیے خاک کے منتشر ذرّوں کو جمع کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس کی قدرت کے بے شمار دلائل کا مشاہدہ کرنے کے بعد پھر قیامت کا اِنکار کرنا کتنی نادانی اور کتنی قباحت ہے۔

۷؎ اس کی ترکیب غور طلب ہے۔ ابوعلی نے اس کی ترکیب یہ کی ہے کہ ھو ضمیر شان لفظ اللہ مبتدا اور فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اپنے متعلق کے ساتھ مل کر خبر ہے۔ (بحر)(4)

1۔ مفردات راغب، ص:553
2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج7، ص93
3۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج2، ص5-4
4۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج4، ص72

جَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ

تمہاری کھلی باتیں بھی اور جانتا ہے جو تم کما رہے ہو ۷ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی نشانیوں سے

رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ

مگر وُہ ہو جاتے ہیں اس سے مُنہ پھیرنے والے ۸ بے شک اُنھوں نے جھٹلایا حق کو جب وُہ آیا اُن کے پاس

اور زجاج کی رائے یہ ہے کہ ھو مبتداء، اللہ خبر اور فی السموات الخ لفظِ اللہ سے متعلق ہے۔ یہاں بتلانا یہ مقصود ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا خالق، مالک، زندہ کرنے والا، مارنے والا، رزق دینے والا، تمام شوؤنِ حیات اور امورِ کائنات کی تدبیر کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر کوئی ایک صفت ذِکر کی جاتی تو دوسری صفات نگاہوں سے اوجھل رہتیں۔ اِس لیے کسی اِسم صفت کے ذِکر کے بجائے ''اللہ'' جو علم ذاتی ہے اور تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے ذکر کیا تا کہ قاری جب یہ آیت پڑھے تو لفظِ اللہ جب اس کی زبان سے نکلے تو تمام صفاتِ الٰہیہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ جائیں۔ اور ہر صفت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہے۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا علم (اللہ) ظرف اور مجرور کا متعلق بن سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم جن معانی کو متضمن ہے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ متعلق بن سکتا ہے۔ وَاِنْ كَانَ لَفْظُ اللهِ عَلَمًا لِاَنَّ الظَّرْفَ وَالْمَجْرُوْرَ قَدْ يَعْمَلُ فِيْهِمَا الْعَلَمُ بِمَا تَضَمَّنَهُ مِنَ الْمَعْنٰى (بحر)(1)

ابن عطیہ نے اِس توجیہ کو بہت پسند کیا ہے۔ قَالَ ابْنُ عَطِيَّةَ وَ هٰذَا عِنْدِيْ اَفْضَلُ الْاَقْوَالِ وَاَكْثَرُهَا اِحْرَازًا لِلْفَصَاحَةِ اللَّفْظِ وَ جَزَالَةِ الْمَعْنٰى (بحر)(2) یعنی ابن عطیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بہترین قول ہے لفظ کی فصاحت اور معنی کی عمدگی دونوں کا جامع ہے۔

۷ پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان تھا۔ اس آیت میں اس کے علم محیط کا ذِکر ہو رہا ہے یعنی وہ اِتنا ہمہ دان اور ہمہ بین ہے کہ کوئی چیز اس کے علم سے پنہاں نہیں۔ ہمارے دلوں کے پوشیدہ احساسات ہماری زبانوں سے نکلے ہوئے کلمات اور ہمارے سب چھوٹے بڑے نیک و بد عمل اس کے احاطۂ علم میں ہیں۔ مشرک اقوام کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تو وہ ہے جس کی قدرت بے پایاں اور جس کا علم محیط ہو۔ تمہارے معبود نہ تو قادر و توانا ہیں نہ علیم و دانا۔ تو اے عقل کے دشمنو! وہ معبود اور خدا کیونکر ہو سکتے ہیں۔

۸ ہر قسم کے حسی اور معنوی معجزات جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِسلام کی صداقت کے لیے ظاہر فرماتے ان میں وہ غور و فکر نہیں کیا کرتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اِن معجزات کی اثر آفرین قوت سے ہراساں تھے۔ انہیں یہ پسند نہ تھا کہ جس تاریکی سے اُن کی آنکھیں مانوس ہو چکی ہیں وہ اُجالے سے بدل جائے۔ ان میں یہ سکت بھی نہ تھی کہ ان دلائل کا جواب پیش کر سکیں اب ان کے پاس باطل سے چمٹے رہنے کا اس کے بغیر اور کوئی ذریعہ نہ تھا کہ وہ غور و تامل سے پہلو تہی کیا کریں۔

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج4، ص72 2۔ ایضاً

فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ

سو اَب آیا چاہتی ہیں ان کے پاس خبریں اس چیز کی جس کے ساتھ وُہ مذاق کیا کرتے تھے۹ کیا نہیں دیکھا ۱۰

اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ

اُنھوں نے کہ کتنی ہلاک کردیں ہم نے ان سے پہلے قومیں جنھیں ہم نے (ایسا) تسلّط دیا تھا زمین میں جو ہم نے تمھیں نہیں

لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ

دیا اَور ہم نے بھیجے بادل ان پر مُوسلا دھار برسنے والے اَور ہم نے بنادیں نہریں جو بہتی تھیں

مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا

ان کے (گھروں اور باغوں کے) نیچے سے پھر ہم نے ہلاک کردیا انھیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور پیدا کردی ہم نے ان کے بعد ایک

۹ حق سے مراد قرآن حکیم یا ذاتِ پاکِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہے یَعْنِی الْقُرْاٰنَ وَقِیْلَ مُحَمَّدٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ (قرطبی)(1) انباء جمع ہے نبأ کی۔ اس کا معنی ہے اہم اور اثر انگیز خبر۔ اَلنَّبَأُ الْخَبَرُ الَّذِیْ یَعْظُمُ وَقْعُہٗ (بحر)(2) یہاں اس سے مراد عذاب ہے۔ وہ عذاب جو پے در پے شکستوں اور ناکامیوں کی صورت میں دیا گیا اور وہ عذاب جو آخرت میں انہیں دیا جائے گا۔ علامہ ابوحیان الاُندلسی نے خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں یہاں کفّار کے تین مدارج کا ذِکر ہے۔ جب آیات پیش کی گئیں تو اُنہوں نے منہ پھیر لیا۔ اِسی پر اِکتفا نہ کیا بلکہ ان کو جھٹلانا شروع کردیا اور اس پر بھی بس نہ کی بلکہ ان کا مذاق اڑانے لگ گئے (3)۔

۱۰ مکّہ کے باشندے تجارت پیشہ تھے۔ ان کے تجارتی کارواں دور دراز ملکوں میں جایا کرتے تھے۔ راستہ میں ان کا گزر کئی اُجڑی ہوئی بستیوں، ویران کھنڈروں اور غیر آباد کنوؤں اور نہروں پر ہوتا تھا۔ جب اُنہوں نے دلائل توحید میں غور وفکر کرنے کے بجائے اُن کا مذاق اڑانا شروع کردیا تو پہلی گمراہ قوموں کے ہولناک انجام کا ذِکر کرکے انہیں متنبہ کیا جارہا ہے کہ یہ عاد وثمود کی ویران بستیاں جن کو تم بارہا دیکھ چکے ہو یہاں کے بسنے والے تم سے زیادہ خوشحال تھے۔ مال ودولت کی فراوانی تھی۔ وسیع و عریض خِطہ زمین ان کے زیرِ نگیں تھا۔ ان کے ملک میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی نہروں کا جال بچھا ہوا تھا۔ ان کے کھیت سونا اُگل رہے تھے اور ان کے گھر رشکِ اِرم بنے ہوئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے بے راہ روی اِختیار کی اور اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑنا شروع کردیا تو قانون مکافات حرکت میں آیا اور وہ اپنے گناہوں کی پاداش میں ایسے عذاب میں مبتلا کردیئے گئے جس نے ان کو نیست ونابود کردیا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص391 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج4، ص75 3۔ ایضاً

اٰخَرِیْنَ ﴿۶﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ

اَور قوم ۱۱ اَور اگر ہم اُتارتے ۱۲ آپ پر کتاب (لکھی ہُوئی) کاغذ پر اَور وُہ چھُو بھی لیتے اس کو اپنے ہاتھوں سے

لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷﴾ وَقَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ

تب بھی کہتے جنہوں نے کفر اِختیار کیا ہے کہ نہیں ہے یہ مگر جادُو کھُلا ہوَا اَور بولے کیوں نہ اتارا گیا ۱۳

عَلَیْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ﴿۸﴾ وَ

ان پر فرشتہ اَور اگر ہم اُتارتے فرشتہ تو فیصلہ ہو گیا ہوتا ہر بات کا پھر نہ مُہلت دی جاتی انھیں اور

۱۱ لیکن ان کی تباہی و بربادی سے بزم کائنات کی رونق میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ان کا جانشین ہم نے دوسری قوم کو بنا دیا جس نے اپنی راست بازی اور محنت و خلوص سے بازارِ ہستی کی رونق میں کئی گناہ اضافہ کر دیا۔ اِس میں ہمارے لیے بھی درسِ عبرت ہے۔ جب تک ہم احکام الٰہیہ کے پابند رہیں گے۔ جب تک ہماری تعمیری صلاحیتیں خدمتِ خلق میں مصروف رہیں گی۔ عزّت و اقتدار کی مسند کے ہم مالک ہوں گے اور جب بھی ہم طاؤس و رباب کے دلدادہ بن گئے تو پژمُردہ پھولوں کی طرح ہمیں بھی باغ سے باہر پھینک دیا جائے گا۔

۱۲ کفّار کی ہٹ دھرمی اور عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں کہ قرآن کاغذ میں لکھا لکھایا آسمان سے اُتر رہا ہے اور پھر وہ اسے اپنے ہاتھوں سے ٹٹول کر تسلی بھی کر لیں تب بھی وہ اِس پر اِیمان نہیں لائیں گے۔ بلکہ اپنے اِنکار کے لیے اگر اُنہیں کوئی اور بہانہ نہ مل سکا تو یہی کہنے لگیں گے کہ یہ تو جادو ہے۔ اللہ تعالیٰ دل کی آنکھ کو بے نور نہ کر دے۔ ورنہ کوئی دلیل، کوئی معجزہ اور کوئی فہمائش اثر نہیں کرتی۔ خُوئے بدرا بہانہ ہا بسیار۔

۱۳ کفّار کی ایک اور فرمائش ملاحظہ ہو۔ کہنے لگے کہ ہم اس شرط پر اِیمان لانے کے لیے تیار ہیں کہ آسمان سے ایک فرشتہ اترے اور وہ ہمیں بتائے کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اِس کا جواب فرمایا کہ اگر تمہاری یہ شرط پوری کر دی جائے تو تمہاری ہلاکت یقینی ہے۔ فرشتہ اگر اپنی اصلی صُورت میں نمودار ہو تو اس کی ہیبت و جلال سے تمہارا دم نکل جائے۔ نیز اگر تمہاری یہ فرمائش پوری کر دی گئی۔ اور یہ کھلی دلیل دیکھ کر بھی تم نے ایمان لانے میں پس و پیش کی تو تم پر ایسا عذاب مسلط کیا جائے گا جو تمہاری جڑوں کو بھی اُکھیڑ کر رکھ دے گا۔ اِس لیے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تمہاری اِس فرمائش کو پورا نہ کیا جائے تا کہ مہلت کی اِن گھڑیوں میں تمہیں غور و فکر کا بیش از بیش موقع مل سکے۔

لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

اگر ہم بناتے نبی کسی فرشتہ کو تو بناتے اس کو اِنسان (کی شکل میں) تو (یوں) ہم مشتبہ کر دیتے ان پر جس شبہ میں وُہ اب ہیں ۱۴ے

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ

اَور بلاشبہ مذاق اُڑایا گیا رسُولوں کا آپ سے پہلے ۱۵ے پھر گھیر لیا اُنھیں جو مذاق اُڑاتے تھے رسُولوں کا

ع ۱۱ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا

اس چیز نے جس کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے آپ فرمائیے سیر کرو زمین میں ۱۶ے پھر دیکھو

۱۴ے مُنکرین حق کی نگاہیں فقط حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشریت تک ہی محدود تھیں۔ وہ نبوت کے اِس آفتاب کو دیکھنے سے قاصر تھے جو دل انور کے مطلع پر ضوفشاں تھا۔ اِس لیے اُنہوں نے اپنے جیسا بشر سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کو تسلیم کرنے سے اِنکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتے ہیں کہ اگر فرشتہ کو نبی بنا کر تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا جاتا تو اس کی دو صورتیں تھیں۔ یا تو وہ اپنی ملکی شکل میں مبعوث ہوتا یا اِنسانی لباس میں۔ پہلی صورت میں اس کی ہیبت وجلال کی وجہ سے اس سے اِستفادہ ناممکن ہوتا۔ دوسری صورت میں پھر وہ انہیں شبہات میں مبتلا ہو جاتے جن میں اب مبتلا ہیں۔

۱۵ے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں کہ یہ عناد، یہ اِنکار اور یہ مذاق وتمسخر جس سے آپ کو واسطہ پڑ رہا ہے کوئی نئی چیز نہیں۔ آپ سے پہلے بھی انبیاء کے ساتھ مُنکرین حق کا یہی سلوک رہا ہے۔ وہ بھی اِن گستاخیوں اور بے ادبیوں کے باعث برباد کر دیئے گئے اور ان کا انجام بھی سُنّت الٰہیہ کے مطابق یہی ہوگا کہ نیست ونابود کر دیئے جائیں گے۔

۱۶ے قرآن حکیم نے بار ہا زمین میں سیر وسیاحت کا حکم دیا ہے لیکن صرف تفریح طبع کے لیے نہیں بلکہ عبرت پذیری کے لیے۔ لہو ولعب کے لیے نہیں بلکہ علمی مقاصد اور تاریخی نتائج اخذ کرنے کے لیے تا کہ گزری ہوئی قوموں کے مسمار شدہ محلات، باغات، قلعوں اور شہروں کو دیکھ کر ہم اپنی اِصلاح کریں اور ہمیں وہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی سزا میں اُنہیں دیکھنا پڑا تھا۔ اِس نیت سے سیر وسیاحت کرنا باعثِ ثواب اور مُوجبِ رضاءِ الٰہی ہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی نے صراحت کی ہے کہ ایسا سفر مستحب ہے جو گزری ہوئی اُمتوں اور اُجڑے ہوئے شہروں کے آثار اور کھنڈرات دیکھ کر عبرت حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔ هٰذَا السَّفَرُ مَنْدُوْبٌ اِلَيْهِ اِذَا كَانَ عَلٰى سَبِيْلِ الِاعْتِبَارِ بِآثَارِ مَنْ خَلَا مِنَ الْاُمَمِ وَاَهْلِ الدِّيَارِ (القرطبی)(1)

یہاں بھی کفّار کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم حق کو قبول کرنے سے انکار کر رہے ہو اور روشن دلائل کے باوجود تم باطل سے چمٹے رہنے پر مصر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 395

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

کیسا ہوا انجام (رسُولوں کو) جھُٹلانے والوں کا آپ (ان سے) پُوچھئے کس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے ۱۷

قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

آپ (ہی انھیں) بتائیے (سب کچھ) اللہ ہی کا ہے اس نے لازم کر لیا ہے اپنے آپ پر رحمت فرمانا ۱۸ یقیناً جمع کرے گا تمھیں قیامت کے دِن

لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ

ذرا شک نہیں اِس میں (مگر) جنھوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وُہ نہیں اِیمان لائیں گے ۱۹ اور اُسی کا ہے

ہو، ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ ان قوموں کا کتنا دردناک انجام ہوا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا۔

۱۷ قاعدہ یہ ہے کہ جب سوال کا جواب ایک ہی ہو اور جس سے سوال کیا جا رہا ہے اس کو بھی اس سے اِنکار نہ ہو تو سائل خود ہی جواب دے دیا کرتا ہے۔ اِس سوال کے جواب میں کفّار کو بھی اِختلاف نہ تھا اِس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے جواب دلا دیا گیا۔

۱۸ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ ایسے نابکار لوگوں کو زندہ کیوں رہنے دیا جاتا ہے اُنہیں فوراً نیست و نابود کیوں نہیں کر دیا جاتا۔ اِس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مجبوری یا کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنے فضل و کرم سے رحمت کو اپنے اُوپر لازم کر لیا ہے۔ لوگ کتنی ہی نافرمانیاں کریں۔ اس کے ساتھ شریک ٹھہرائیں، اس کی ہستی کا ہی اِنکار کر دیں اُس کی رحمت کا وسیع دامن ان پر سایہ فگن رہتا ہے اور ان کی زندگی کی جو میعاد مقرر کی گئی ہے اُس وقت تک انہیں زندہ رہنے کے وسائل بہم پہنچائے جاتے ہیں۔ سورج، بارش، ہوا وغیرہ مومن و کافر، متقی و فاسق سب کے لیے ایک ہی حیات آفرین تاثیر رکھتے ہیں۔ اِن الفاظ سے کفّار کو ایمان لانے کی ترغیب دلانا بھی مقصود ہے یعنی اپنی سابقہ بداعمالیوں کی وجہ سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ اگر اب بھی تم سچے دل سے توبہ کر لو تو تمہیں دامنِ رحمت میں پناہ مل جائے گی (1)۔

۱۹ یہاں خسارہ سے مراد اس قیمتی اِستعداد کو ضائع کرنا ہے جو حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ کفّار جاننے بوجھنے کے باوجود حق کو قبول کرنے سے گریزاں تھے جس سے اُن کی وہ استعداد ضائع ہو گئی۔ اس کے بعد ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اِیمان لے آئیں گے (2)۔

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج2، ص125 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج3، ص220

مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ

جو بس رہا ہے رات میں اور دن میں ۲۰ اور وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ آپ فرمائیے کیا ۲۱ بغیر

اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ

اللہ تعالیٰ کے کسی کو (اپنا) معبود بناؤں (وہ اللہ جو) پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور خود نہیں کھلایا جاتا ۲۲

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

فرمائیے بے شک ۲۳ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں سب سے پہلے سر جھکانے والا ۲۴ (نیز یہ حکم دیا گیا ہے کہ) ہرگز نہ بننا

۲۰ زمین اور آسمان ظرفِ مکان ہیں اور رات اور دن ظرف زمان۔ پہلے بتایا کہ بلندی اور پستی میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اب بتایا کہ زمانے کے پیمانے میں جو کچھ ہے وہ بھی اسی کی ملکیت ہے۔ تو جب سب زمانیات اور مکانیات اسی کی پیدا کردہ ہیں اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں تو پھر ان میں سے کوئی انسان، کوئی پتھر یا کوئی اور چیز کیونکر معبود بن سکتی ہے۔

۲۱ کفّار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ ہیں نادار اور تنگ دست۔ مال و دولت جمع کرنے کے لیے آپ نے نبوت کا سلسلہ چلا رکھا ہے جس سے ہر گھر میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اُٹھی ہے۔ اس لیے آپ جتنی دولت مانگیں ہم آپ کے قدموں میں ڈھیر کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ اپنے نئے دین کی تبلیغ بند کر دیجئے۔ اور جس طرح ہمارے اسلاف ان بتوں کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں آپ بھی انہیں کی پرستش کیا کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ لُغتِ عرب میں ''ولی'' کے بے شمار معنی ہیں۔ یہاں اس سے مراد معبود ہے۔ وَالْمُرَادُ بِالْوَلِيِّ الْمَعْبُوْدُ (بیضاوی) (1) ولی سے مراد یہاں معبود ہے۔ جس کی عبادت کی جائے۔ وَالْمُرَادُ بِالْوَلِيِّ الْمَعْبُوْدُ لِاَنَّهٗ رَدٌّ لِّمَنْ دَعَاهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (روح المعانی) (2)

۲۲ یعنی معبود تو وہ ہو سکتا ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور ہر چیز اس کی محتاج ہو۔ تمہارے یہ بنائے ہوئے معبود اور خدا تو سراپا اِحتیاج ہی اِحتیاج ہیں۔ ہاں میرا معبود جو زمین و آسمان کا خالق ہے وہی وہ معبودِ برحق ہے جو ہر محتاج کی حاجت روائی فرماتا ہے ہر چیز کو رِزق پہنچاتا ہے۔ اور خود کسی چیز کا محتاج نہیں۔ نہ کھانے کا نہ پینے کا۔ نہ کسی اور چیز کا۔ اب تم خود اِنصاف کرو کہ معبودِ حقیقی کون ہے؟

۲۳ اے کفّار! تم مجھے کیا لالچ دینے آئے ہو۔ مجھے تو اپنے رب کا یہ حکم ہے کہ میں سب سے پہلے اُس کی اُلوہیت، اُس کی کبریائی اور اُس کی عظمت و جلال کے سامنے سرِ تسلیم خم کروں اور شرک کی آلودگیوں سے اپنا دامن بچانے کی مجھے تاکید کی گئی ہے۔ اِس لیے میں اپنے رب کے حکم سے سرتابی کر کے کیونکر تمہارے کہنے سے ان باطل خداؤں کی پرستش شروع کر سکتا ہوں۔

1۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص: 170

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 109

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ

مشرک کرنے والوں سے آپ فرمائیے میں ڈرتا ہوں ۲۵ اگر میں نافرمانی کروں اپنے رب کی، بڑے دن کے

عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ

عذاب سے وُہ شخص ٹال دیا گیا عذاب ۲۶ جس سے اُس روز تو یقیناً رحم فرمایا اللہ نے اس پر اور یہی کھُلی کامیابی

۲۴ جس دین کی دعوت دینے کے لیے حضور مبعوث ہوئے تھے اس کو سب سے پہلے قبول کرنے والے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے۔ اِس لیے فرمایا کہ تمام اُمت سے پہلے مجھے اپنے رب کی وحدانیت اور الُوہیت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں صاحبِ رُوح المعانی کا ایک رُوح پرور اور اِیمان افروز اِقتباس بمعہ ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں:

فَاَوَّلُ رُوْحٍ رَّكَضَتْ فِيْ مَيْدَانِ الْخُضُوْعِ وَالِانْقِيَادِ وَالْمَحَبَّةِ رُوْحُ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ اَسْلَمَ نَفْسَهٗ لِمَوْلَاهُ بِلَا وَاسِطَةٍ وَكُلُّ اِخْوَانِهِ الْاَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِنَّمَا اَسْلَمُوْا نُفُوْسَهُمْ بِوَاسِطَتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُرْسَلُ اِلَى الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِيْ عَالَمِ الْاَرْوَاحِ وَكُلُّهُمْ اُمَّتُهٗ (روح المعانی)(1)

ترجمہ: عاجزی، فرمان برداری اور محبت کے میدان میں سب سے پہلے جو رُوح سجدہ ریز ہوئی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رُوح مبارک تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا واسطہ اپنے مولائے کریم کے سامنے سرِ عبودیت جھکایا۔ اور تمام نبیوں اور رسولوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے۔ پس حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء و رسل کے بھی رسول ہیں اور سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں۔

۲۵ اگر میں سرمُو بھی حکم خداوندی سے اِنحراف کروں تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔

۲۶ یعنی مجھے دولت کی آرزو نہیں اور نہ دولت و عزت میرے نزدیک کامیابی کا کوئی معیار ہے۔ کامیاب و کامران تو وہ ہے جس کو قیامت کے دن عذابِ الٰہی سے نجات مل گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو بھی یہ حقیقت ہر لمحہ پیش نظر رکھنی چاہیے اور قیامت کی کامیابی کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

1۔ روح المعانی، من باب الاشارۃ فی الآیات، ج7، ص140

الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ

ہے اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی دُکھ تو نہیں کوئی دُور کرنے والا اس دُکھ کو سوائے اس کے ۲۷ اور

اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ

اگر پہنچائے تجھے کوئی بھلائی (اس کو کوئی روک نہیں سکتا) وُہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور وُہ غالب ہے

فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ

اپنے بندوں پر ۲۸ اور وُہ بڑا دانا، ہر چیز سے خبردار ہے آپ پُوچھئے کون سی چیز بڑی معتبر ہے گواہی کے لحاظ سے ۲۹

۲۷ تکلیف اور راحت، بیماری اور صحت، ناکامی اور کامیابی، ذِلت اور عزّت سب اللہ تعالیٰ وحدہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو فقر، مرض یا قرض میں مبتلا کردے تو کسی کے بس میں نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرضی کے بغیر اِن مصائب سے اسے نجات دے دے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل وکرم فرمائے اور اسے اپنے انعامات سے سرفراز فرمادے تو کسی کی طاقت نہیں کہ اس سے چھین لے۔ وہی مالکِ حقیقی ہے۔ وُہی قادرِ مطلق ہے۔ اُس کے اذن کے بغیر کوئی پتہ، کوئی ذرہ اور کوئی قطرہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرسکتا۔ مشرک قوموں نے نیکی، بدی، بارش، فتح، دولت اور علم وغیرہ کے لیے الگ الگ خدا بنائے ہوئے تھے ان سب کے خیالاتِ فاسدہ کی تردید فرمادی۔

۲۸ قہر کا معنی غلبہ ہے۔ یعنی وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے۔ کوئی ایسا نہیں جو اس پر غالب ہو اور اُس کی مرضی کے خلاف جو چاہے کرتا پھرے۔ سب بندے اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں۔ اَیْ هُمْ تَحْتَ تَسْخِيْرِهٖ لَا فَوْقِيَّةُ مَكَانٍ (القرطبی)(1) فوقیت سے فوقیت مکانی مراد نہیں بلکہ کسی پر غالب آنا، غلبہ پانا۔

۲۹ کفّارِ مکّہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ جو نبوت کا دعویٰ کررہے ہیں اسے کیونکر تسلیم کیا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا ہی تھا تو اسے آپ کے بغیر کوئی دوسرا نہ مل سکا۔ آپ اپنے دعویٰ کی صداقت پر کوئی گواہ پیش کیجئے۔ ہم نے تو یہود ونصاریٰ سے بھی آپ کی نبوت کے متعلق دریافت کیا ہے اور انہوں نے واضح الفاظ میں ہمیں بتایا ہے کہ ان کی آسمانی کتابوں میں آپ کی نبوت کا ذِکر تک نہیں۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں آپ کو فرمایا گیا کہ آپ انہیں کہیے کہ میری نبوت کا گواہ خود رب العالمین ہے۔ کیا اس سے سچا اور زیادہ معتبر کوئی اور گواہ بھی ہوسکتا ہے جب خود اللہ تعالیٰ میری نبوت اور صداقت کا گواہ ہے تو مجھے کسی اور گواہ کی ضرورت کیا ہے؟ (2)

1۔ تفسیر قرطبی، زیرآیت ہذا، جز6، ص399 2۔ تفسیر مظہری، زیرآیت ہذا، ج3، ص222

قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۫ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ

آپ ہی بتائیے اللہ ہی گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں

بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ

اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے ۳۰؎ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا اور بھی ہیں؟ ۳۱؎ آپ فرمائیے

لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

میں تو (ایسی جھوٹی) گواہی نہیں دیتا آپ فرمائیے وہ تو صرف ایک خدا ہی ہے اور بے شک میں بیزار ہوں ان (بتوں) سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ اَلَّذِيْنَ

جنہیں ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو ۳۲؎ جنہوں نے

۳۰؎ اصل میں ہے مَنْۢ بَلَغَهُ الْقُرْآن(1)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت صرف اس زمانہ کے لوگوں تک محدود نہ تھی بلکہ جب تک اور جہاں تک قرآن کی آواز پہنچے گی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے نبی ہیں۔ سب پر فرض ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں۔

۳۱؎ اگر تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کے خدا اور معبود بننے کی گواہی دو تو میں ایسی لچر اور بے ہودہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ خدا تو وہی ایک ذات ہے جس کی قدرت، علم، کبریائی، بے نیازی اور غلبہ کا ذکر تم اتنی دیر سے سن رہے ہو۔ میں تو صرف اسی ایک خدا کو اپنا معبود اور الٰہ یقین کرتا ہوں۔ باقی رہے تمہارے بے بس، محتاج اور بے مصرف دیوی دیوتا۔ تو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ کان کھول کر سن لو میں ان سے بری ہوں۔

۳۲؎ اُوپر گزرا ہے کہ اہل مکّہ نے اہل کتاب سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے آپ کے متعلق اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اِس آیت میں ان کا رد ہے کہ ان کا اِنکار لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے ہے ورنہ وہ ہمارے نبی کو یوں پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔ ہجرت کے بعد حضرت عمر نے اِس آیت کے متعلق حضرت عبداللہ بن سلام سے پوچھا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے پہچانتے تھے تو اُنہوں نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَوصاف و کمالات اور علامات ونشانات اِتنی وضاحت سے ہماری کتابوں میں مرقوم ہیں کہ جب ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو یُوں پہچان لیا جیسے ہم اپنے بچوں کو پہچان لیتے ہیں۔ آخر میں حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ بخدا میں تو اپنے بچے سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج3، ص223۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص399

ع ۲ ۱۰ ۸

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ

لگایا اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو ۳۳ بے شک فلاح نہیں پائیں گے ظلم کرنے والے اور (یاد کرو) وہ

نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ

دن ۳۴ جب ہم جمع کریں گے سب کو پھر ہم کہیں گے اُنھیں جو شرک کیا کرتے تھے کہ کہاں ہیں تمھارے شریک جن کے (خدا

كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا

ہونے کا) تم دعویٰ کیا کرتے تھے پھر نہیں ہوگا کوئی عذر ان کا بجز اس کے کہ کہیں گے کہ اُس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے

مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ

نہ تھے ہم شرک کرنے والے ۳۵ دیکھو کیسا جھوٹ باندھا اُنھوں نے اپنے نفسوں پر اور گم ہوگئیں ان سے

پہچانتا ہوں۔ کیونکہ مجھے اپنے بچے کی ماں پر اتنا اعتماد نہیں جتنا اللہ کی بتائی ہوئی علامات پر ہے۔ وَاَيْمُ اللّٰهِ اَنَا بِمُحَمَّدٍ اَشَدُّ مَعْرِفَةً مِّنِّيْ بِابْنِيْ لِاَنِّيْ لَا اَدْرِيْ مَا اَحْدَثَتْ اُمُّهٗ (روح المعانی)(1)

۳۳ یہاں کفّار کی دوہری غلطی کا اظہار کیا جارہا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ بے سروپا باتیں جن کے متعلق ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ان پر تو انہیں محکم یقین ہے مثلاً اپنے بتوں اور معبودوں کو خدا کا شریک ماننا۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تسلیم کرنا۔ مادہ رُوح کو قدیم یقین کرنا۔ زندگی کے مختلف کاموں کے لیے الگ الگ دیوی دیوتا تصوّر کرنا اور جن چیزوں کے متعلق قطعی اور یقینی روشن دلائل موجود ہیں ان کا انکار اور اس انکار پر اصرار۔ مثلاً توحید، قرآن کریم، رحمتِ عالم، قیامت وغیرہ۔

۳۴ قیامت کے دن ان کی ذلت اور رُسوائی کی کوئی حد نہ رہے گی۔ ان سب منکروں، مشرکوں اور سرکشوں کو ہم اپنے دربار میں لا کھڑا کریں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ کہاں ہیں وہ تمہارے معبود جن کو تم خدا کا شریک بنایا کرتے تھے۔ آج ان کو بلاؤ تاکہ وہ ہمارے عذاب سے تمہیں نجات دلائیں۔

۳۵ فتنہ کا لغوی معنی پرکھنا اور آزمائش کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا کہ یہاں فتنہ سے مراد عُذر اور بہانہ ہے (2)۔ مقصد یہ ہے کہ جب

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 120 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 402-401

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى

جو افترا بازیاں کیا کرتے تھے ۳۶ اور کچھ ان میں سے ۳۷ ایسے ہیں جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور ہم نے ڈال

قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ

دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے تاکہ نہ سمجھیں وُہ اسے اور اُن کے کانوں میں گرانی ہے اور اگر وُہ دیکھ لیں ۳۸ ہر ایک

میدانِ حشر میں اس مالکِ حقیقی کے دربار میں اُنہیں پیش کیا جائے گا اور وہ غضبِ خداوندی کا مشاہدہ کریں گے۔ اور ان کے بتوں، معبودوں اور دیوی دیوتاؤں کا کہیں نام تک نہ ہوگا۔ تو جب ان سے سابقہ سوال پوچھا جائے گا تو مارے حیرت و درماندگی کے کوئی جواب نہ بن آئے گا۔ اس وقت وہ اِنکار اور جھوٹ کا سہارا لیں گے اور صاف صاف کہہ دیں گے اے ہمارے معبودِ برحق! اَے ہمارے پالنہار! ہمیں تیری کبریائی کی قسم ہم نے تو کبھی شرک کیا ہی نہیں۔ ہم تو تیرے بغیر کسی اور خدا کو جانتے ہی نہیں۔

۳۶ اَے میرے رسول! ملاحظہ ہو ان کی بے بسی کا عالم! ساری عُمر جن کو پوجتے رہے، جن کی جَے بولتے رہے، جن کی وجہ سے آپ کو ستایا، اذیتیں پہنچائیں آج اُن سے دست بردار ہو رہے ہیں۔ اُن کی خدائی کا اِنکار کر رہے ہیں۔ قیامت میں پیش آنے والے واقعات اور ان کے حسرتناک انجام کے ذِکر سے مطلوب یہ ہے کہ کفّار آج ہی اِن کمینہ حرکات سے باز آجائیں۔ آج ہی شرک سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی توحید کا دل و جان سے اِعتراف کر لیں۔ ورنہ قیامت کے دن پشیمان ہوئے تو اس کا کیا فائدہ ہوگا۔

۳۷ جیسے پہلے کئی بار مذکور ہوا کہ جب انسان کسی چیز کو حق سمجھنے کے باوجود اس کو تسلیم نہیں کرتا اور دانستہ اس سے اعراض کرتا رہتا ہے تو اس کا طبعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ (بطور سزا) نورِ حق کو دیکھنے والی آنکھ بے نور ہو جاتی ہے۔ آوازِ حق کو سننے والے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اور حق کو سمجھنے کی قوت سے دل محروم ہو جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی ہے۔ یہاں فرمایا کہ ہم نے ان کے کانوں کو بہرہ کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ان چیزوں کو اپنی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس محرومی کا سبب تو ان کا اعتراض اور انکار ہے لیکن سبب پر مسبّب کا، مؤثر پر اثر کا مترتب کرنا اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور اسی کا فعل ہے۔ اِس لیے سبب اور مؤثر کی بجائے ان کو خود ذاتِ باری کی طرف منسوب کر دیا اور کیونکہ دوسرے متعدد مقامات پر اِس کی تصریح ہے اِس لیے التباس کا شبہ نہیں۔

۳۸ یہ پہلی بات کی توضیح ہے کہ اَے حبیب! آپ انہیں لاکھ معجزے دکھائیں۔ روزِ روشن کی طرح حق نمایاں کر دیں یہ اِیمان لانے کے نہیں۔ انہوں نے تو اس صلاحیت کو ہی ضائع کر دیا، وہ اِستعداد ہی کھو دی جو حق کو قبول کرنے والی ہوتی ہے۔

اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ

نشانی بھی تو نہیں ایمان لائیں گے ان کے ساتھ۔ یہاں تک کہ جب حاضر ہوں ۳۹ آپ کے پاس جھگڑتے ہوئے آپ سے (تو) کہتے ہیں وہ لوگ

كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ یَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ

جنھوں نے کفر کیا کہ نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹے قصّے پہلے لوگوں کے اور وہ روکتے ہیں ۴۰ اس سے اور

یَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ یُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ

دُور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور وہ (اِتنا بھی) نہیں سمجھتے اور اگر

تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ

آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے

۳۹ نضر نامی ایک شخص نے ایران کی سیاحت کی۔ وہاں سے رُستم واسفندیار کے افسانوں اور قصوں کی کتابیں اپنے ہمراہ لایا۔ اور قریش کی مجلسوں میں بیٹھ کر بڑے مزے لے لے کر انہیں پڑھ کر سُنایا کرتا تھا۔ اسے بڑا جہاندیدہ خیال کرتے ہوئے ابوجہل اور ابوسفیان اس کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قرآن سننے کی خواہش کی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھ کر سنایا۔ ابوسفیان اور ابوجہل نے نضر سے پوچھا کیسا پایا؟ وہ ناسمجھ کہنے لگا کہ بس یُونہی ہونٹ ہلاتے رہتے ہیں۔ یہ ایسے ہی افسانے ہیں جیسے میں تمہیں سنایا کرتا تھا۔ چند الفاظ: اَکِنَّۃ اِس کا واحد کنان ہے اس کا معنی پردہ ہے۔ وَقْرٌ بمعنی ثقل یعنی سماعت کی گرانی۔ اَسَاطِیْرُ جمع ہے لیکن اس میں بہت اِختلاف ہے کہ اِس کا واحد کیا ہے۔ زجاج نے اِس کا واحد اَسطار۔ ابوعبیدہ نے اِسطار، اخفش نے اُسطورۃ بتایا ہے۔ اور بعض ائمہ لغت کی رائے یہ ہے کہ یہ ایسی جمع ہے جس کا واحد نہیں۔ جیسے مذاکیر، ابابیل وغیرہ (قرطبی)(1)

۴۰ نہی کا معنی ہے روکنا اور نأی کا معنی ہے دور کرنا۔ اَلنَّهْیُ الزَّجْرُ وَالنَّأْیُ الْبُعْدُ(2)۔ یعنی کفّار کی یہ حالت ہے کہ خود بھی دعوتِ حق قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔ اِس طریق کار سے وہ اپنی دنیا و آخرت ہی برباد کر رہے ہیں دین کی ترقی کو نہیں روک سکتے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص405۔ اسباب النزول للواحدی، ص111، رقم الحدیث425، دارالکتب العلمیہ

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص405

رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ

اپنے ربّ کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے بلکہ عیاں ہو گیا ان پر ۱۴۱ جسے چھپایا کرتے تھے

مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

پہلے اور اگر انھیں واپس بھیجا جائے (جیسے اُن کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ

جھوٹے ہیں اور کہتے ہیں ۱۴۲ نہیں کوئی زندگی بجز ہماری اس دنیاوی زندگی کے اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گے (قبروں سے) اور اگر

تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ

آپ ۱۴۳ دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے اللہ کے حضور میں اللہ فرمائے گا کیا یہ (قبروں سے اُٹھنا) حق نہیں؟ کہیں گے بے شک (حق ہے)

۱۴۱ پہلی آیت میں بتایا کہ کفّار کو جب جہنّم کے کنارے کھڑا کیا جائے گا اور اس کے دہکتے ہوئے انگاروں اور لپکتے ہوئے شعلوں پر ان کی نظر پڑے گی تو اوسان خطا ہو جائیں گے اور ساری نخوت اور غرور کافور ہو جائے گا تو انتہائی حسرت سے یہ آرزو کریں گے کاش! انہیں دنیا میں جانے کا ایک بار موقع ملے تو پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہرگز تکذیب نہ کریں بلکہ سچے دل سے اُس پر ایمان لے آئیں۔ اس آیت میں دِلوں کے اسرارِ نہاں جاننے والا خدا فرماتا ہے کہ یہ سب جھوٹ اور فریب کاری کی باتیں ہیں۔ ان کی فِطرت ایسی مسخ ہو چکی ہے کہ اگر انہیں بفرضِ محال پھر دنیا میں بھیجا جائے تب بھی وہی کرتوت کریں گے جو وہ پہلے کرتے رہے۔ اب یہ جو اتنے بھلے مانس بنے ہوئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اب اُن کے رازِ اِفشاء کر دیئے گئے۔ ان کی جھوٹی قسموں کی حقیقت بھی کھل گئی اب اس کے علاوہ انہیں کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا۔

۱۴۲ ان کی کجروی اور غلط کاری کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ انہیں قیامت، جزاء وسزا اور جنت و دوزخ پر ایمان نہ تھا۔ ان کا یہی عقیدہ تھا کہ زندگی بس یہی دنیوی زندگی ہے۔ اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں جس میں اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہونا پڑے اِس لیے وہ بالکل بے فکر ہو کر اپنی گمراہیوں میں منہمک تھے۔

۱۴۳ آج تو بے شمار دلائل سننے اور سمجھنے کے باوجود یہ کافر قیامت کا اِنکار کر رہے ہیں۔ غور کیجئے وہ منظر ان کے لیے کتنا ہولناک ہوگا جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ اب بتاؤ قیامت کے برپا ہونے کی جو خبر میرے رسولوں نے تمہیں دی تھی سچی تھی یا نہیں۔ اس وقت تسلیم کریں گے لیکن اس روز کا تسلیم کرنا کچھ مفید نہ ہو گا۔ اس وقت ان کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے (1)۔

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 113

ع ۳ ۹

رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

ہمارے رب کی قسم اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب چکھو عذاب بسبب اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے بے شک خسارہ میں رہے ۴۴

كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا

وُہ جنھوں نے جھٹلایا اللہ سے مُلاقات (کی خبر) کو۔ یہاں تک کہ جب آگئی ان پر قیامت اچانک بولے ہائے افسوس ہم ۴۵

عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا

اس کوتاہی پر جو ہم سے ہوئی اس زندگی میں ۴۶ اور وُہ اُٹھاتے ہُوئے ہیں اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر ۴۷ ارے

۴۴ ایک فرض ناشناس طالبِ علم جو اِس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ اِس کا امتحان نہیں لیا جائے گا۔ اور اپنا سارا تعلیمی سال کھیل کُود اور عیش وعشرت کی نذر کردے۔ اچانک جب اسے بتایا جائے کہ میاں صاحبزادے! کل آپ کا اِمتحان ہے تیار ہو جاؤ۔ تو یہ خبر اس کے خرمنِ ہوش پر بجلی بن کر کوندے گی۔ اور وہ سال بھر کی غفلتوں پر اپنے آپ کو کوسنے لگے گا۔ اِسی سے آپ اندازہ کر لیجئے اس سراسیمگی اور پریشانی کا جس سے ایسا شخص دوچار ہوگا۔ جو یہ سمجھتے ہوئے ساری عمر دادِ عیش دیتا رہے کہ قیامت کا دن آئے گا ہی نہیں اور پھر اُسے اچانک پکڑ کر اپنے گزشتہ اعمال کی حساب دہی کے لیے بارگاہ رب العزت میں کھڑا کر دیا جائے۔

۴۵ حسرت منادی حقیقی نہیں۔ صرف کثرتِ حسرت کے اظہار کے لیے اسے منادی بنایا گیا جیسے یَا لَلْعَجَبَ یَا لَلرَّخَاءَ (قرطبی)(1)

۴۶ عرب کہتے ہیں فَرَطَ فُلَانٌ اِلَی الْمَاءِ: فلاں شخص پانی کے گھاٹ یا چشمے کی طرف سب سے پہلے چلا گیا۔ اِسی سے ہے اَنَا فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ(2): میں تم سے پہلے حوضِ کوثر پر پہنچ جاؤں گا۔ (حدیث نبوی) فَرَّطَ اسی سے باب تفعیل اور متعدی ہے۔ اس کا معنی ہے دوسرے کو آگے کر دینا اور خود پیچھے رہ جانا۔ اِسی مناسبت سے فَرَّطْنَا کا مفہوم یہ ہوگا کہ رضائے الٰہی کے حصول میں ہم نے دوسروں کو آگے بڑھنے دیا اور خود پیچھے رہ گئے۔ اِسی لیے یہ لفظ تقصیر اور کوتاہی کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

۴۷ گناہوں کا بوجھ ان کی پیٹھ پر لادنے کا یا تو یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن گناہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوں گے۔ اور انہیں گنہگاروں کی پیٹھ پر لاد دیا جائے گا۔ یا یہ بطور مجاز وتشبیہ کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اِحساسِ گناہ اور ندامت ان پر مسلط ہوگا اور فرط ندامت سے ان کی یہ حالت ہوگی جیسے کوئی بھاری بھر کم بوجھ ان پر لاد دیا گیا ہو اور وہ اس کی گرانی کے نیچے دبے چلے جا رہے ہوں (3)۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص412
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص413۔ صحیح بخاری، کتاب الحوض، باب قولہ تعالیٰ انا اعطینک الکوثر، ج2، ص974
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص413

سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ

کتنا بُرا بوجھ ہے جسے وُہ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اَور نہیں ہے دُنیا کی زندگی ۴۸ھ مگر کھیل اَور تماشا اَور بے شک آخرت

الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ

کا گھر بہتر ہے اُن کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں تو کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے (اے حبیبؐ! ہم جانتے ہیں کہ رنجیدہ کرتی

الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

ہے آپ کو وُہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وُہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا اِنکار

يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا

کرتے ہیں ۴۹ھ اَور بے شک جھٹلائے گئے رسُول آپ سے پہلے ۵۰ھ تو اُنھوں نے صبر کیا اِس

۴۸ھ زندہ دونوں رہتے ہیں مومن بھی اور کافر بھی۔ لیکن ان کی زندگیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اسے بڑی عمدگی سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: هٰذِهٖ حَيَاةُ الْكَافِرِ لِاَنَّهٗ يُزْجِيْهَا فِيْ غُرُوْرٍ وَّ بَاطِلٍ فَاَمَّا حَيَاةُ الْمُؤْمِنِ فَتَنْطَوِيْ عَلٰى اَعْمَالٍ صَالِحَةٍ فَلَا تَكُوْنُ لَهْوًا وَّلَعِبًا (1) ''لہو ولعب کافر کی زندگی کا نچوڑ ہے کیونکہ وہ یہ قیمتی لمحے غرور و نخوت اور باطل میں ضائع کر دیتا ہے۔ لیکن مومن کی زندگی اعمالِ صالحہ سے لبریز ہوتی ہے۔ اس لیے وہ لہو ولعب نہیں''۔ یہ اور بات ہے کہ آج اِیمان کے بیشتر دعوے داروں کو اِس فرق کا احساس ہی نہ ہو۔

۴۹ھ اِس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ خود کچھ نہیں کہا کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی ہونے کی حیثیت سے ہی ان کو تبلیغ کرتے تھے۔ اِس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اِنکار اور تکذیب گویا آیاتِ الٰہی کا اِنکار اور تکذیب ہی تھی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو صادق اور راست گفتار یقین کرتے تھے۔ جیسے ابوجہل نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کو تو نہیں جھٹلاتے کیونکہ آپ کی صداقت ہمارے نزدیک مسلم ہے لیکن یہ پیغام جو لے کر آپ آئے ہیں ہم اسے سچا تسلیم نہیں کرتے۔ وَكَانَ اَبُوْجَهْلٍ يَقُوْلُ: مَا نُكَذِّبُكَ لِاَنَّكَ عِنْدَنَا صَادِقٌ وَاِنَّمَا نُكَذِّبُ مَا جِئْتَنَا بِهٖ (کشاف) (2)

۵۰ھ سُنّت الٰہی یہ ہے کہ حق و باطل کی کشمکش جاری رہے۔ مصائب کے پہاڑ حق کے علمبرداروں پر ٹوٹتے رہیں۔ اور وہ صبر و اولوالعزمی سے ان کو برداشت کرتے رہیں۔ حوادثات کے طوفانوں میں بھی شمع توحید کو ہر قیمت پر وہ روشن رکھیں۔ حضور کریم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص415 2۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج2، ص18

كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ

جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ آپہنچی انہیں ہماری مدد ۵۱ اور نہیں کوئی بدلنے والا اللہ کی باتوں کو

وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ

اور آ ہی چکی ہیں آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں اور اگر گراں ہے آپ پر ان کا (حق سے)

اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا

رُوگردانی کرنا ۵۲ تو اگر آپ سے ہو سکے تو تلاش کر لو کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی

فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى

آسمان میں (تو اس پر چڑھ جاؤ) پھر لے آؤ ان کے پاس کوئی معجزہ (تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے) اور اگر چاہتا اللہ تعالٰی تو جمع کر دیتا انہیں ہدایت پر

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کفّار کے کفر و عناد سے بڑی تکلیف ہوتی تھی اور آپ کے رحیم و شفیق دل کو گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی کفر و گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا پھرے۔ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ آپ سے پہلے بھی انبیاء مبعوث کیے گئے۔ کفّار نے اُن کو بھی ستایا اور اُنہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ آپ بھی کفّار کی اذیت رسانیوں پر صبر و تحمل سے کام لیا کریں۔

۵۱ جب انبیاء کرام نے تبلیغ اور صبر کا حق ادا کر دیا اور کفّار کی اذیت رسانیوں اور تعصّب کی حد ہو گئی تو اللہ تعالٰی کی تائید و نصرت آئی جس نے باطل کو سرنگوں اور ذلیل کر دیا اور حق کا بول بالا ہو گیا۔ اور کُفر کا سارا تزک و اِحتشام خدا کی نصرت کے وعدہ کو پورا ہونے سے نہ روک سکا۔ اسی طرح اے میرے حبیب! میں نے آپ سے اِسلام کو سربلند کرنے کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

۵۲ اِس آیت میں دو اہم باتوں کا ذکر ہے۔ ایک تو یہ کہ میرا محبوب ان گم کردہ راہوں کے ہدایت پانے پر اتنا حریص ہے کہ وہ ہر کوشش کے لیے تیار ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کا بس چلے تو جس معجزہ کا وہ مطالبہ کریں وہ پیش کر دے۔ خواہ اس کے لیے زمین میں سُرنگ لگانی پڑے یا آسمان پر زینہ لگا کر چڑھنا پڑے۔ وَالْمُرَادُ بَیَانُ حِرْصِهٖ عَلٰی اِسْلَامِ قَوْمِهٖ وَاَنَّهٗ لَوِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ مِّنْ تَحْتِ الْاَرْضِ اَوْ مِنْ فَوْقِ السَّمَاءِ لَاَتٰی بِهَا رَجَاءَ اِیْمَانِهِمْ (نیشاپوری، کشاف وغیرہ)(1)

دوسری بات یہ بتائی گئی کہ اللہ تعالٰی کی حکمت کا یہ تقاضا نہیں کہ کسی کو اِتنا مجبور و مقہور کر دیا جائے گا کہ اسلام کو تسلیم کیے بغیر اس کے لیے کوئی چارہ کار نہ رہے۔ کیونکہ دین صرف چند رسوم کی ادائیگی اور چند کلمات کے تلفظ کا نام نہیں بلکہ یہ وہ ہمہ گیر انقلاب

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج2، ص19۔ حاشیہ نیشاپوری بر تفسیر طبری، ج7، ص137، مطبوعہ المطبعۃ الکبریٰ الامیریہ، مصر

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ

تو آپ نہ ہو جائیں ان سے جو (حقیقت کا) علم نہیں رکھتے ۵۳ صرف وُہی قبول کرتے ہیں ۵۴ جو سُنتے ہیں

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ

اَور اُن مُردہ (دِلوں) کو اُٹھائے گا اللہ تعالیٰ پھر وُہ اُسی کی طرف لَوٹائے جائیں گے ۵۵ اَور بولے کیوں نہیں اُتاری گئی

عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ

ان پر کوئی نشانی ان کے رَبّ کی طرف سے ۵۶ آپ فرمائیے بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے اِس بات پر کہ اُتارے کوئی نشانی

ہے جو رُوح، قلب اور شعور و اِحساس کی پرانی دنیا کو زیر و زبر کر کے نئی دنیا تعمیر کرتا ہے اور یہ انقلاب فقط اُسی وقت رُو پذیر ہو سکتا ہے جب کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے خوب سوچ سمجھ کر اِس نظریۂ حیات کو قبول کرے۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو کوئی خاص دین اِختیار کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہیں کہ ہماری قدرت تو اتنی وسیع ہے کہ اگر ہم چاہیں تو سب بوذر رضی اللہ عنہ و بلال رضی اللہ عنہ بن جائیں لیکن ایسا کیا نہیں جاتا۔

۵۳ بعض کے نزدیک اِس آیت کے مخاطب حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ لیکن نہی کا مدعیٰ یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کر رہے تھے اور آپ کو منع کر دیا گیا۔ بلکہ کسی چیز سے اِجتناب اور پرہیز کی تاکید کے لیے یہ اسلوب کلام اِختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ نظام الدین نیشاپوری رقم طراز ہیں۔ فَهٰذَا النَّهْيُ لَا يَقْتَضِيْ اِقْدَامَهٗ عَلٰى مِثْلِ هٰذِهِ الْحَالَةِ لٰكِنَّهٗ يُفِيْدُ التَّغْلِيْظَ (نیشاپوری) (1) اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہاں خطاب اُمت کے ہر فرد کو ہے اور علامہ ابوحیان نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں: وَالَّذِيْ اخْتَارُهٗ اَنَّ هٰذَا الْخِطَابَ لَيْسَ لِلرَّسُوْلِ فَاِنَّمَا ذٰلِكَ لِلسَّامِعِ فَالْخِطَابُ وَالنَّهْيُ فِيْ فَلَا تَكُوْنَنَّ لِلسَّامِعِ دُوْنَ الرَّسُوْلِ (بحر محیط) (2) یعنی میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ یہاں خطاب حضور علیہ السلام کو نہیں بلکہ ہر سننے والا مخاطب ہے۔

۵۴ اب ان کے اِیمان نہ لانے کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ وہ حق کو قبول تو اس وقت کریں جب وہ حق کی آواز کو سنیں لیکن اُنہوں نے لگاتار اِنکار سے ان کانوں کو ہی بہرہ کر دیا ہے جو حق کی آواز سن سکتے ہیں تو وہ اِس حالت میں اِیمان کیونکر لائیں۔

۵۵ کیونکہ ان کے دل مردہ تھے اِس لیے ان کو مُردہ کہا گیا۔

۵۶ کفّار طرح طرح کی فرمائشیں کیا کرتے تھے یعنی اِس ریگ زار میں دریا بہنے لگیں۔ چشم زدن میں یہاں سرسبز و شاداب باغات لہلہانے لگیں اور ان میں ندیاں رواں ہوں۔ آپ سچے نبی ہیں تو آپ ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ

1۔ حاشیہ نیشاپوری بر تفسیر طبری، ج7، ص137 2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج4، ص116

لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ

لیکن اکثر ان میں سے کچھ نہیں جانتے اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ

يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ

جو اُڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وُہ اُمتیں ہیں تمھاری مانند ۵۷ نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ

پھر اپنے رب کی طرف اُٹھائے جائیں گے اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو وُہ) بہرے اور گونگے ہیں

فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ

اندھیروں میں (سرگرداں ہیں) جسے چاہے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے اور جسے چاہے لگا دے اُسے سیدھے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ

راستہ پر آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو ۵۸ اگر آئے تم پر اللہ کا عذاب یا آجائے تم پر قیامت کیا اس وقت

مطالبے قبولِ حق کے لیے نہ تھے۔ اِس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تو کچھ بعید نہیں کہ جو تمہارا مطالبہ ہوا سے پورا کر دیا جائے۔ لیکن اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

۵۷ اَے منکرین حق! تم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم وسیع کا کیا اندازہ کر سکتے ہو۔ اُس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ اُس نے تمام جانوروں اور پرندوں کو مختلف اُمتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی پیدائش اور موت کے لیے الگ الگ قانون بنا دیئے ہیں۔ ان کے مزاج کے موافق ان کی غذا کا انتظام فرما دیا ہے۔ ان کی ضروریات کے مطابق انہیں مختلف قسم کے اعضاء مرحمت فرما دیئے ہیں۔ جس خِطہ زمین میں اور جس آب وہوا میں انہیں زندگی بسر کرنا ہے ان کی کھال، ان کے بال، ان کے جسم کی ساخت میں ان کی کمال رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ پھر ہر ایک کے فرائض کے مطابق اسے شعور اور سمجھ عطا کی گئی ہے (1)۔

۵۸ اَرَاَيْتَكُمْ کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ جمہور علماء لغت کے نزدیک اس کا معنی ہے اَخْبِرُوْنِيْ (2) (مجھے بتا دو) اور اس کی ترکیب میں متعدد اقوال منقول ہے۔ میں ان میں سے صرف ایک قول ہی نقل کروں گا جو واضح ترین ہے اور اکثر علمائے لُغت نے اسے پسند فرمایا ہے۔ تَ ضمیر فاعل ہے۔ اس کے بعد جو ك ہے وہ حرفِ خطاب ہے اور محض ضمیر فاعل کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص420-419 2۔ مفردات راغب، ص:374

اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ

اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو بلکہ اسی کو پکارو گے

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ ع ۱۱

تو دور کر دے گا وہ تکلیف پکارا تھا تم نے جس کے لیے اگر وہ چاہے گا اور تم بھلا دو گے انہیں جنہیں تم نے شریک بنا رکھا تھا اور بے شک

فاعل کے واحد، تثنیہ اور جمع ہونے کی صورت میں ك کی شکل بدلتی رہے گی۔ یعنی واحد کے لیے صرف ''ك''، تثنیہ کے لیے ''كُمَا'' اور جمع کے لیے ''كُمْ'' ہو جائے گا۔ اور تْ جو ضمیر فاعل ہے وہ تینوں حالتوں میں مفتوح رہے گی۔ اس میں تغیر نہ ہوگا۔

یہ ترکیب ذِہن نشین کر لینے کے بعد اب آیت کے مفہوم میں غور فرمایئے۔ اِرشاد ہے کہ جن بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی تم پُوجا کیا کرتے ہو اور جنہیں تم نے خدا یقین کیا ہوا ہے اگر یہ واقعی نفع رساں ہیں اور مصیبتوں کو ٹالنے والے ہیں تو ذرا اس وقت بھی ان کو پکارا کرو جب اللہ تعالیٰ کا عذاب تمہیں اپنی گرفت میں لے لے، مایوسی کا گُھپ اندھیرا چھا جائے۔ اور نجات کے تمام ظاہری راستے بند ہو جائیں۔ اُس وقت تو تمہاری آنکھوں سے غفلت کی پٹی کھل جاتی ہے اور جہالت کی تاریکی دور ہو جاتی ہے۔ اور تم بھی اسی مولائے حقیقی کو پکارتے ہو اور اسی کی بارگاہ میں نجات کے لیے عرض کرتے ہو۔ تو جب مصیبت کے اِن سنگین لمحوں میں باطل خداؤں کی خدائی کا طلسم ٹوٹ کر رہ جاتا ہے اور دل بے ساختہ اسی قبلہ حاجات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور فقط اسی کے دامن کرم میں پناہ ڈھونڈتا ہے تو پھر اس سچے اور حقیقی خداوند تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کرنا اور اس کو خدا تسلیم کرنا کہاں کا اِنصاف اور کہاں کی عقلمندی ہے۔ چنانچہ امام المفسرین اِبن جریر فرماتے ہیں:

وَتَاْوِيْلُ الْكَلَامِ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِهٰؤُلَاءِ الْعَادِلِيْنَ بِاللّٰهِ الْاَوْثَانَ وَالْاَصْنَامَ اَخْبِرُوْنِيْ اِنْ جَاءَكُمْ اَيُّهَا الْقَوْمُ عَذَابُ اللّٰهِ۔ اَوْ جَاءَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ هُنَاكَ تَدْعُوْنَ اَوْ اِلٰى غَيْرِهٖ مِنْ اٰلِهَتِكُمْ تَضَرَّعُوْنَ (1)

ترجمہ: آیت کا مطلب یہ ہے کہ اَے مصطفیٰ! آپ ان لوگوں سے پُوچھیے جو بتوں کو اللہ کے برابر یقین کرتے ہیں کہ اے قوم مجھے بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا اچانک قیامت قائم ہو جائے تو کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اور اپنے خداؤں کی طرف گھبرا کر نجات کے لیے دوڑو گے؟

علامہ قرطبی فرماتے ہیں یہ آیت مشرکین کو لاجواب کرنے کے لیے نازل ہوئی جو ویسے تو بتوں کی عبادت کیا کرتے اور جب عذاب چاروں طرف سے گھیر لیتا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں عذاب ٹالنے کے لیے دعائیں کرنے لگتے۔ (القرطبی) (2)

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج7، ص121 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص423

اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

بھیجے ہم نے رسول ۵۹ اُمتوں کی طرف آپ سے پہلے (جب اُنھوں نے سرکشی کی) تو ہم نے پکڑ لیا انھیں سختی اور تکلیف سے

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ

تاکہ وُہ گڑگڑائیں تو کیوں ایسا نہ ہُوا کہ جب آیا ان پر ہمارا عذاب تو وُہ (توبہ کرتے اور) گڑگڑاتے لیکن سخت ہوگئے ان کے دل

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ

اور آراستہ کر دیا ان کے لیے شیطان نے جو وُہ کیا کرتے تھے پھر جب انھوں نے بُھلا دیں وُہ نصیحتیں جو انھیں

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا

کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وُہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انھیں

۵۹ اِن تین آیات میں قوموں کی تربیت اور ان کو گمراہی کی دلدل سے نکال کر صراطِ مستقیم پر لا کھڑا کرنے کے مختلف طریقوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اور ساتھ ہی بتایا گیا کہ جو قوم کسی طرح قبولِ حق کے لیے آمادہ نہ ہو اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ہدایت کا سب سے پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ انہیں آیاتِ الٰہی سُنائی جائیں اور دلائل و براہین سے ان کو راہِ راست پر لایا جائے۔ سلیم الطبع لوگوں کے لیے اِتنا ہی کافی ہوتا ہے اور جو لوگ اس سے ہدایت پذیر نہیں ہوتے انہیں مصائب اور تکالیف سے دوچار کر دیا جاتا ہے تاکہ اس طرح ان کے دل نرم ہو جائیں اور نافرمانی اور سرکشی سے تائب ہو جائیں۔ اور اگر اِس طرح بھی وہ باز نہ آئیں تو ان کے لیے رِزق کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ہر چیز کی فراوانی ہو جاتی ہے اور وہ اِس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ عیش و عشرت کا یہ دور کبھی ختم نہ ہوگا۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے مالکِ حقیقی کے شکر گزار بندے بن جائیں جس نے ان کی تنگی کو فراخی سے بدل دیا اور ان بے آب و گیاہ ریگ زاروں کو سبزہ زاروں میں تبدیل کر دیا اور وہ اُلٹا اکڑنے لگتے ہیں۔ اور اس ناپائیدار سرور و نشاط میں وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غضب خداوندی کی بجلی گرتی ہے جو اُنہیں اور اُن کے سارے متاعِ حیات کو دم بھر میں جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔

اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا اُنھیں اچانک اَب وُہ نا اُمید ہو کر رہ گئے تو کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی ۶۰ جس نے

ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ

ظلم کیا تھا اَور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا ۔ آپ فرمائیے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر ۶۱ لے لے اللہ تعالےٰ

سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

تمھارے کان اَور تمھاری آنکھیں اَور مُہر لگا دے تمھارے دِلوں پر تو کوئی خُدا ہے اللہ کے سوا

يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

جو لا دے تمھیں یہ چیزیں ؟ مُلاحظہ ہو کس کس رنگ سے ۶۲ ہم بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلیں پھر بھی وُہ مُنہ پھیرے ہوئے ہیں ۶۳

۶۰ ظالم قومیں جن کی چیرہ دستیوں سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق تنگ آ چکی ہوتی ہے جب تباہ و برباد کر دی جاتی ہیں تو ہر طرف اِطمینان اور آرام کا سانس لیا جاتا ہے۔ اور واقعی وہ لمحہ اِس قابل ہے کہ مظلوم اور سِتم رسیدہ لوگ اپنے ربِّ کریم کی حمد و ثنا کے گیت گائیں جس نے ان کی بے کسی اور بے بسی پر ترس کھا کر ان کو ان جابر ظالموں کی قیدِ غلامی سے نجات بخشی۔

۶۱ اللہ تعالیٰ مُشرکین کے عقیدہ کی بے سر و پائی کو ایک اور طریقہ سے واضح فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ اِن بے وقوفوں سے دریافت فرمائیے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اندھا اور بہرہ کر دے اور تمہارے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال دے اور سمجھنے اور سوچنے کی قوت سلب کر لے تو بھلا بتاؤ تمہارے یہ خدا جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو ان میں سے کسی میں ہمت ہے کہ وہ تمہیں یہ چیزیں عطا کر دے۔ اور اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر ان باطل اور عاجز چیزوں کی عبادت کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ کتنی واضح اور مضبوط دلیل ہے جس سے ہر ادنیٰ اور اعلیٰ، عامی اور عارف یکساں طور پر ہدایت کی روشنی حاصل کر سکتا ہے۔

۶۲ قرآن کا اسلوبِ استدلال اُکتا دینے والا نہیں بلکہ اس میں وہ رنگینی اور تنوع ہے کہ طبیعت ہر بار ایک نیا لُطف محسوس کرتی ہے اور ایک نئی لذّت سے سرشار ہوتی ہے۔ کبھی عقلی دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ کبھی تاریخی شواہد مذکور ہوتے ہیں۔ کبھی اپنی رحمت کا مژدہ سنایا جاتا ہے اور کبھی اپنی ناراضگی اور غضب کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔ وَ تَصْرِيْفُ الْاٰيَاتِ الْاِتْيَانُ بِهَا عَلٰى جِهَاتٍ مِّنْ اِعْذَارٍ وَّ اِنْذَارٍ وَّ تَرْغِيْبٍ وَّ تَرْهِيْبٍ وَّ نَحْوِ ذٰلِكَ (قرطبی)(1)

۶۳ صَدَفَ کا معنی ہے اعراض کرنا، منہ پھیر لینا۔ ثُمَّ یہاں بھی اِستبعاد کے لیے ہے یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ اِس طرح کے روشن

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص428

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ

آپ فرمائیے یہ تو بتاؤ اگر آجائے تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا کھلّم کھلّا تو کون

يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا

ہلاک کیا جائے گا بغیر ظالم لوگوں کے اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو ۶۴ مگر

مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

خوش خبری سنانے کے لیے اور (عذابِ جہنم سے) ڈرانے کے لیے۔ تو جو ایمان ۶۵ لائے اور اپنے آپ کو سنوار لیا تو کوئی خوف نہیں ہوگا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ

انھیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو پہنچے گا انھیں عذاب

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

بوجہ اس کے کہ وہ حکم عدولی کیا کرتے تھے آپ فرمائیے۔ کہ میں ۶۶ نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

دلائل سے متاثّر ہو کر وہ دین حق قبول کرتے مگر یہ تو اُلٹا اُس سے منہ پھیر رہے ہیں اور رُوگردانی کر رہے ہیں۔ کیا اُلٹی سمجھ کے ہیں یہ لوگ (1)۔

۶۴ انبیاء کرام کی تشریف آوری کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ نت نئے عجائبات کا مظاہرہ کرتے رہیں اور جیسی کچھ کسی نے فرمائش کی اس کی بجا آوری میں لگے رہیں۔ بلکہ ان کی آمد کا اصلی مقصد یہ ہے کہ نیکوکاروں کو رحمتِ الٰہی کا مژدہ سنائیں اور بدکاروں اور رُوسیاہوں کو اس کے عذاب الیم سے ڈرائیں۔ تاکہ نیک اور نیک ہو جائیں اور بدکار اپنی بدی اور گُمراہی سے باز آجائیں۔

۶۵ اِیمان کا تعلق دل سے ہے اور اِصلاح کا تعلق اعمال سے۔ یعنی جس کا عقیدہ بھی صحیح ہے اور اعمال بھی نیک ہیں۔ ان کو اندیشہ ہائے سُود و زیاں سے نجات دے دی گئی ہے۔ نہ گزرے ہوئے وقت پر وہ ملول و غمگین ہوں گے اور نہ آنے والے حالات کے بارے میں اُنہیں کچھ تشویش ہوگی۔

۶۶ کفّارِ مکّہ کے نزدیک زندگی فقط یہی دنیوی زندگی تھی۔ ان کی ساری کدوکاوش اور دوڑ دھوپ کا مدعا دولت، عزّت اور وقار کا حصول تھا۔ وہ اِسی اُدھیڑ بن میں اپنے دن گزارتے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت مند کیسے بن جائیں۔ ان کی راتیں اِسی پیچ و

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص428۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج3، ص237

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى

اَور نہ یہ کہوں کہ خود جان لیتا ہوں غیب کو اَور نہ یہ کہتا ہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں نہیں پیروی کرتا میں مگر وحی کی جو بھیجی جاتی ہے

تاب کی نذر ہوتیں کہ وہ کس طرح اپنے حریف کی عزّت کو خاک میں ملا کر اپنے جاہ وجلال کا پرچم لہرائیں۔ علاوہ ازیں شرفِ اِنسانی کا کوئی تصوّر ان کے ذہن میں موجود نہ تھا۔ وہ خود اور ان کے اِردگرد بسنے والے اِنسان جن سے ان کو عُمر بھر کا واسطہ پڑا تھا کسی طرح بھی وحشی درندوں سے بہتر نہ تھے۔ بھلا وہ اِنسان جس کے ہاتھ غریبوں اور مسکینوں کو لُوٹتے وقت نہ لرزیں، اپنے قریبی رشتہ داروں کو قتل کرتے وقت نہ کانپیں، جن کے کان زندہ درگور ہونے والی بچیوں کی جگر دوز آہ وفغاں سن رہے ہوں اور ان کے دل ٹس سے مس نہ ہوں۔ رہزنی اور غارت گری جن کا پیشہ ہو اور جوابازی اور شراب خوری جن کی تفریح طبع کا سامان ہو۔ بدکاری اور بدمعاشی جن کا روز کا مشغلہ ہو وہ کوئی شریف چیز نہیں ہوسکتا۔ انسان کے متعلق اِیسا تصوّر قائم کرنے میں وہ معذور بھی تھے۔ کیونکہ اِنسان نام کا جو جانور انہیں اِدھر اُدھر دکھائی دے رہا تھا وہ اِنہیں لغویات اور خرافات کا مجسمّہ تھا۔ اِس لیے ان کو یہ بات سمجھانا آسان نہ تھا کہ اِنسان بھی منصب رسالت پر فائز ہوسکتا ہے۔ یہ ان کی ذہنیت تھی۔ اور اس سے بلند تر فضا میں پرواز کرنے کی اُن کے مرغِ فِکر میں ہمت ہی نہ تھی۔ جب رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو یہ لوگ نادان بچوں کی طرح اپنے ایمان لانے کے لیے ایسی شرطیں لگانے لگے جس سے ان کی مالی حالت بہتر ہو جائے۔ کہا کرتے، یہ ہمارے تپتے ہوئے صحرا گلشن وگلزار بنا دیجئے۔ ان میں ندیاں بہنے لگیں اور چشمے اُبلنے لگیں اور سرسبز وشاداب کھیت لہلہانے لگیں تو ہم جانیں کہ آپ سچے نبی ہیں اور آپ پر ایمان لانے سے ہمیں فائدہ ہوا اور اگر ہماری معاشی بدحالی جُوں کی تُوں ہی رہے تو پھر آپ کو نبی ماننے سے ہمیں کیا فائدہ؟ اور اگر یہ نہیں کرتے تو اِتنا ضرور کیجئے کہ ہمیں بتا دیا کرو کہ اِس سال فلاں جنس کا بھاؤ چڑھ جائے گا تاکہ ہم اس کا ذخیرہ کرلیا کریں اور جب نرخ تیز ہو جائے تو اس کو بیچ کر نفع کمائیں۔ یا ہماری چوری ہو جائے تو چور کا سُراغ بتائیں۔ لیکن یہ چیزیں بھی آپ نہیں کرتے تو پھر ہم خواہ مخواہ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر کیوں اپنے آپ کو بدنام اور بے آرام کریں۔ جب وہ دیکھتے کہ یہ کھاتے پیتے بھی ہیں۔ کاروبار بھی کرتے ہیں۔ بال بچے دار بھی ہیں۔ تو وہ کہتے کہ یہ انسان ہیں۔ اور اِنسان (جس قسم کے انسان سے وہ واقف تھے) نبی کیسے ہوسکتا ہے۔ کفّار کی اِس بگڑی ہوئی اور پست ذہنیت کی اِصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پاک سے یہ اعلان کرایا کہ میں اس بات کا مدّعی بن کر نہیں آیا کہ میں تمہارے ان ریتلے ٹیلوں کو ہموار کر کے رشک اِرم بنا دوں گا۔ خشک زمینوں میں دریا بہا دوں گا۔ اور ہر چٹان سے چشمے اُبلنے لگیں گے۔ میں تمہاری مادی خواہشات کی تکمیل کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ میں تو تمہیں اللہ سے ملانے آیا ہوں۔ تمہارے ویران دلوں کو بسانے آیا ہوں۔ میں تو تمہارے گلستانِ حیات میں نیکی، تقویٰ، پاکیزگی اور خوش اخلاقی کے سدا بہار پھول کھلانے آیا ہوں۔ مجھے اِس لیے تو مبعوث نہیں کیا گیا کہ میں تمہیں چنے اور جو، کھجور اور انگور کے بھاؤ بتاؤں بلکہ مجھے تو اعمال حسنہ کی جنس سے تمہیں آشنا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ جن کی قدر و قیمت بازارِ محشر میں اِتنی زیادہ ہوگی جس کا تم اب تصوّر بھی

اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ ع ۱۱

میری طرف۔ آپ فرمائیے کیا (کبھی) برابر ہو سکتا ہے اندھا اور ۶۷ دیکھنے والا۔ تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے اور

نہیں کر سکتے۔ یہ افکار کی لطافت، ارادوں کی پختگی اور حوصلوں کی بلندی، یہ اعمال کا حُسن، کردار کی رعنائی اور اخلاق کی پاکیزگی، یہ علمی کمالات اور دوسرے معجزات جن کا تم مجھ میں مشاہدہ کر رہے ہو اِن سب کے باوجود میں اِنسان ہوں فرشتہ نہیں۔ فرشتہ تو اِنسانِ کامل کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ تمہارے ذِہنوں میں اِنسان کا جو گھٹیا تصوّر ہے وہ انسانِ کامل کا نہیں بلکہ بھٹکے ہوئے انسان کا تصور ہے جو نفس اور شیطان کے دامِ فریب میں گرفتار ہو کر اور مدت دراز تک اس کا گرفتار رہ کر اپنی مسندِ شرف و عزّت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اس لیے تم انسان کو اتنا حقیر نہ جانو۔ اپنی قدر پہچانو۔ اور اپنے شرفِ خداداد کا اِحترام کرتے ہوئے شیطان کے جال سے رُستگاری حاصل کرنے کے لیے کوشش کرو۔ نیز اِس آیت سے اِس شُبہ کا ازالہ بھی کر دیا جس میں اکثر ضعیف العقل لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ذرا کسی میں کمال دیکھا جھٹ اس کے خدا ہونے کا یقین کر لیا۔ وہ ذاتِ پاک اعلان فرما رہی ہے جس کے اِشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا، اور ڈوبا ہوا سورج پھر لوٹ آیا کہ میں خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سارے خزانے میرے قبضہ میں ہیں۔ خود بخود جیسے چاہوں ان میں تصرف کروں یا مجھے غیب کا خود بخود علم ہو جاتا ہے اور بغیر اللہ کے بتلائے اور سِکھلائے میں ہر غیب کو جانتا ہوں۔ میرا یہ دعویٰ نہیں۔ میرا اگر کوئی دعویٰ ہے تو فقط یہ کہ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ: جو کچھ میری طرف وحی کیا جاتا ہے میں اس کی پیروی کرتا ہوں۔ قول اور فعل میں، علم اور عمل میں۔ وَالْمَعْنٰی لَا اَدَّعِیْ اَنَّ هَاتِیْكَ الْخَزَائِنُ مُفَوَّضَةٌ اِلَیَّ اَتَصَرَّفُ فِیْهَا كَیْفَ مَا اَشَاءُ اِسْتِقْلَالًا وَّاسْتِدْعَاءً (روح المعانی)(1) وَلَسْتُ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّی الرَّبُّ الَّذِیْ لَهٗ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ابن جریر)(2) علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ سارے خزانے میرے تصرف میں ہیں اور میں خود مستقلاً ان میں جیسے چاہو تصرف کر سکتا ہوں۔ خط کشیدہ دو لفظ خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ (رُوح المعانی) یعنی میں یہ نہیں کہتا کہ میں خدا ہوں جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کے سارے خزانے ہیں۔ (ابن جریر)

اِس آیت میں ایک اور نہایت اہم اور بُنیادی چیز کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے کہ اسلام کی اشاعت کا اِنحصار لالچ اور شعبدہ بازی پر نہیں بلکہ معرفت حق اور قبولِ حق پر ہے یعنی کوئی اِس لالچ میں ایمان نہ لائے کہ اسے فلاں جاگیر مل جائے گی۔ زمین میں چھپا ہوا کوئی خزانہ اس کے ہاتھ لگ جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فقط وہی اِیمان مقبول ہوگا جو حق کو حق سمجھ کر صرف اِس لیے کہ وہ حق ہے قبول کیا جائے۔

۶۷ بعض پریشان خیال لوگ اِس آیتِ کریمہ میں غور کیے بغیر اس وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ حضور فخر موجودات علیہ افضل التحیات والتسلیمات علم میں، اِختیار میں، بشری کمزوریوں میں عام انسانوں کی طرح ہیں۔ کاش! وہ اِس آیت کے ان مختصر الفاظ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 155 2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 126

اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ

ڈرائیے ۶۸ اس (قرآن) سے انھیں جو ڈرتے ہوں اس سے کہ اُٹھایا جائے گا انھیں ان کے رب کی طرف اِس حالت میں کہ نہیں

مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ

ہوگا ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی حمائتی اور نہ کوئی سفارشی ۶۹ (انھیں ڈرائیے) تاکہ یہ (کامل) پرہیزگار ہو جائیں اور نہ دُور ہٹاؤ انھیں جو

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ

پکارتے رہتے ہیں اپنے ربّ کو صبح اور شام ۷۰ طلبگار ہیں (فقط) اس کی رضا کے۔ نہیں آپ پر

میں بھی تدبر کرتے۔ قدرت نے پہلے ہی ان کا ازالہ فرما دیا ہے اور بتا دیا کہ تم میں اور میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اِتنا فرق ہے جتنا اندھے اور بینا میں ہوتا ہے۔ اب خود سمجھ لو کہ جس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن ہوں اور جو تہ در تہ اندھیروں میں بھٹک رہا ہو کیا برابر ہو سکتے ہیں جس کی چشم ما زاغ مقام دنیٰ پر محو مشاہدہ ہو۔ کیا اس کی ہمسری وہ لوگ کر سکتے ہیں جو دوری کے حجابوں کے پیچھے سر پٹخ رہے ہوں۔ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ کے الفاظ سے یہ بتایا کہ اِس آیت میں جتنا کوئی زیادہ غور و فکر کرے گا اتنی ہی اس کو سمجھ دی جائے گی اور جو غور و تامل نہیں کرے گا وہ محروم رہے گا۔

۶۸ وہ لوگ جو محض تعصب و ہٹ دھرمی سے آپ کی مخالفت کر رہے ہیں اور انہیں قیامت کے قائم ہونے کا خیال تک نہیں۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑیئے اور آپ ان لوگوں کی طرف اپنی توجہ زیادہ مبذول کیجئے جو قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ کا مرجع قرآنِ حکیم ہے۔ اگر وہ پہلے سے مسلمان ہے تو اس کے ڈرانے کا یہ فائدہ ہوگا کہ وہ بُرے اعمال چھوڑ دے گا اور اگر وہ اہل کتاب میں سے ہے تو اس کے ڈرانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے باطل عقیدوں کو چھوڑ کر اِسلام قبول کر لے گا۔ فَاِنْ كَانَ مُسْلِمًا اَنْذِرْ لِيَتْرُكَ الْمَعَاصِيَ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اَنْذِرْ لِيَتَّبِعَ الْحَقَّ (1)۔

۶۹ شفاعت کا بہت غلط تصوّر لوگوں میں رائج تھا۔ بت پرست یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ بھی ہو تو اُن کے بت انہیں چھوڑا لیں گے اور جس کو چاہیں گے بخشوا لیں گے اور یہود و نصاریٰ اِس زعم میں مبتلا تھے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (2)۔ ہم تو اللہ کے فرزند اور اس کے لاڈلے ہیں۔ ہمارے اعمال کیسے ہی ہوں ہم بخشے جائیں گے۔ تو اِس غلط تصوّر کی نفی کر دی۔ اِس سے انبیاء کرام کی شفاعت کی نفی نہیں کیونکہ وہ اِذنِ الٰہی سے ہوگی۔ تو گویا حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی شفیع ہوگا۔ شَفَاعَةُ الرَّسُوْلِ لَهُمْ تَكُوْنُ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَهُوَ الشَّفِيْعُ حَقِيْقَةً اِذَنْ (قرطبی) (3)

۷۰ حضرات بلال، یاسر، خبیب وغیرہم غریب و مسکین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر وقت شمع رسالت پر پروانہ وار نثار ہوتے رہتے تھے۔ کفّار جو نسلی برتری کے قائل تھے انہیں ہرگز یہ گوارا نہ تھا کہ وہ ان غریبوں کے پاس بیٹھیں۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک دفعہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص431 2۔ سورۃ المائدہ:18 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص431

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ

ان کے حساب سے کوئی چیز اور نہ آپ کے حساب سے ان پر کوئی چیز ہے

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

تو پھر بھی اگر آپ دُور ہٹائیں انھیں تو ہو جائیں گے آپ بے انصافی کرنے والوں سے اور اسی طرح ہم نے اے آزمائش میں ڈال دیا

لِّیَقُوْلُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ

بعض کو بعض سے تاکہ کہیں (مالدار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کیا یہ ہیں احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہم میں سے کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ ۷۲

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں کہلا بھیجا کہ ہم آپ کے پاس حاضر ہونا تو چاہتے ہیں لیکن آپ کے گرد گنواروں اور ناداروں کا ہجوم ہوتا ہے اور ان کے ساتھ بیٹھنے میں ہماری ہتک ہوتی ہے۔ اگر آپ ان کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں تو ہم حاضر ہو سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاطر مبارک میں خیال گزر ہی تھا کہ فوراً جبرئیل علیہ السلام یہ حکم لے کر حاضر ہو گئے۔ اور ساری دنیا کو یہ بتا دیا کہ یہی وہ بارگاہ بے کس پناہ ہے جہاں حاضر ہونے والوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ان کے زرق برق لباس اور ان کی دولت و ثروت کی بناء پر نہیں لگایا جاتا بلکہ ایمان و تقویٰ کی بنا پر لگایا جاتا ہے۔ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کے الفاظ سے قیامت تک آنے والی اُمت کو بھی اِس طرزِ عمل پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کر دی گئی۔ فَاِنْ فَعَلْتَ كُنْتَ ظَالِمًا وَّحَاشَا مِنْ وُّقُوْعِ ذٰلِكَ مِنْهُ وَاِنَّمَا هٰذَا بَیَانٌ لِّلْاَحْكَامِ وَلِئَلَّا یَقَعَ مِثْلُ ذٰلِكَ مِنْ غَیْرِهٖ مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ (القرطبی)(1) اگر آپ ایسا کریں تو آپ ظلم کا ارتکاب کریں گے۔ پناہ بخدا! کہ ایسا فعل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہو۔ یہ تو محض احکام الٰہی کا بیان ہے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی فرزند اِسلام سے بھی ایسی حرکت صادر نہ ہو۔

۷۱ ابتداء میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں غریبوں اور فقیروں کی کثرت تھی۔ دولتمند کفّار دل میں یہ سوچنے لگے کہ اگر اسلام واقعی کوئی نعمت عظمیٰ ہے تو کیا اس کے لیے نظرِ انتخاب انہیں بدحالوں اور فاقہ مستوں پر ہی پڑی۔ کیا ہم موجود نہ تھے۔ شکل و صورت، حسب و نسب، مال و جاہ غرضیکہ ہم ہر لحاظ سے ان لوگوں سے بہتر تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ شرف ہمیں بخشا جاتا۔ اس لیے یہ کوئی شرف کی چیز نہیں ورنہ اِن ناداروں کو عطا نہ کی جاتی۔

۷۲ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے شکر گزار بندوں کو خوب جانتا ہوں اور مجھے خوب معلوم ہے کہ نعمت ایمان سے کس کو سرفراز کرنا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص34-432

بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ

اپنے شکر گزار (بندوں کو) اور جب آئیں ۷۳ آپ کی خدمت میں وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر تو (ان سے) فرمائیے سلام ہو

عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ

تم پر لازم کر لیا ہے تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے آپ پر رحمت فرمانا تو جو کوئی کر بیٹھے تم میں سے

سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

برائی نادانی سے پھر توبہ کرلے اس کے بعد اور سنوار لے (اپنے آپ کو) تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع ۶ ۵ ۱۲

نہایت رحم فرمانے والا ہے اور اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ ظاہر ہو جائے راستہ گنہگاروں کا

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ

آپ فرمائیے مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں پوجوں انہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا ۷۴ آپ فرمائیے میں

۷۳ وہ مقدّس گروہ جن کے شب و روز کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے ذِکر میں صرف ہوتا ہے اور ان کے دل نورِ ایمان سے لبریز ہیں۔ ان کی مزید عزّت افزائی کا سامان ہو رہا ہے۔ یعنی کیا ہوا کہ وہ پھٹے پُرانے لباس میں ملبوس ہیں اور نانِ جویں کے علاوہ اور کوئی چیز کھانے کو میسّر نہیں ہوتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی شان یہ ہے کہ اَے محبوب! جب وہ تیری خدمت میں حاضر ہوں تو آپ پہلے انہیں سلام فرمائیے اور انہیں یہ دعا دیجئے کہ تمہارا دین، تمہاری دنیا ہر قسم کے مصائب و آلام سے محفوظ رہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ اَمَرَنِیْ اَنْ اَبْدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ (قرطبی) (1) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری اُمت میں ایسے لوگ بھی پیدا فرمائے ہیں جنہیں پہلے سلام کہنے کا مجھے حکم فرمایا گیا ہے۔ نیز یہ وہ خوش نصیب ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیا ہے۔ ان میں سے اگر کوئی بھولے سے غلطی کر بیٹھتا ہے اور پھر نادم ہو کر توبہ کرتا ہے اور اپنے کردار کو دُرست کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ بخش دیتا ہے اور اس پر رحمت فرماتا ہے۔

۷۴ نادان کفّار اِس کوشش میں سرگرداں رہا کرتے کہ دینِ توحید کا علم بردار اللہ تعالیٰ کا رسول برحق بھی ان معبودانِ باطل کی پرستش کرنے لگے جن کے سامنے یہ سجدہ ریز رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ کھلے الفاظ میں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز6، ص435۔ اسباب النزول از واحدی، ص:113، رقم الحدیث:435، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

لَآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

نہیں پیروی کرتا تمہاری خواہشوں کی ایسا کروں تو گمراہ ہو گیا میں اور نہ رہا میں ہدایت پانے والوں سے

قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا

آپ فرمائیے بے شک میں قائم ہوں ایک روشن دلیل پر اپنے رب کی طرف سے اور جھٹلا دیا تم نے اسے نہیں ہے میرے پاس ۷۵ جس

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ

کی تم جلدی مچا رہے ہو نہیں ہے حکم ۷۶ (کسی کا) سوائے اللہ کے وہی بتاتا ہے حق اور وہ سب سے بہتر

اعلان کر دیں کہ میں تمہارے جھوٹے خداؤں کی عبادت ہرگز نہیں کروں گا، اس خیال خام کو ہمیشہ کے لیے اپنے ذہنوں سے نکال دو۔ کیونکہ نہ عقل سلیم اِس کی اِجازت دیتی ہے کہ خالقِ دو جہان کو چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کی جائے اور نہ توحید کی روشن دلیلوں نے اِس لغویت کے لیے کوئی گنجائش چھوڑی ہے۔ اِس لیے عقل و نقل کے خلاف ایک صریح باطل کو کیوں کر اختیار کیا جا سکتا ہے۔ آیت میں تَدْعُوْنَ کا معنی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ترجمہ میں یہ فرمایا ہے تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شما مے پرستید بجز خدا(1)۔ یعنی خدا کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ آپ کے علاوہ قرطبی، روح المعانی، کشاف، نیشاپوری وغیرہم نے تَدْعُوْنَ کا معنی تَعْبُدُوْنَ کیا ہے(2)۔ دعا کی حقیقت کیا ہے؟ کون سی دعا عبادت اور شرک ہے؟ اور کون سی دعا عبادت نہیں۔ اِس کی تحقیق کسی مناسب مقام پر کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۷۵ اِمام رازی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں ڈرایا کرتے کہ اگر تم نے شرک کو نہ چھوڑا تو عذابِ الٰہی آئے گا اور تمہیں نیست و نابود کر دے گا۔ وہ بطور مذاق کہتے کہ ہم آپ کا دین قبول نہیں کرتے پھر اتاریئے ہم پر عذاب۔ جلدی کیجئے دیر کیوں لگا رہے ہیں۔ بلکہ وہ تو یہ دعا بھی مانگا کرتے کہ اَے خدا! اگر یہ دین سچا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہرزہ سرائی کے رد میں اپنے محبوب کو یہ جواب دینے کی ہدایت فرما رہے ہیں کہ اے کفّار جس عذاب کے لیے تم جلد بازی کر رہے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔ جب چاہے گا اُتار دے گا اور اُس وقت اس کے غضب سے تمہیں کوئی نہ بچا سکے گا(3)۔

۷۶ ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے ہر کام کے لیے اس نے اپنے علم ازلی میں وقت مقررہ کر رکھا ہے جو وقت تم پر عذاب نازل کرنے کا اس نے متعین کر دیا ہے۔ اس سے پہلے یا پیچھے کوئی نہیں کر سکتا۔

1۔ ترجمہ قرآن مجید از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متولد 1702ء متوفی 1762ء مع تفسیر حسینی، ص: 217، مطبوعہ بمبئی
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 6، ص 437
3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 7، جز 13، ص 8

الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ

فیصلہ کرنے والا ہے آپ فرمائیے اگر میرے پاس ہوتی وُہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو (کبھی کا) فیصلہ ہو گیا ہوتا

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

اِس بات کا میرے درمیان اَور تمہارے درمیان اَور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ۔ اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی

لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ

نہیں جانتا انہیں سوائے اس کے ۷۷ اَور جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اَور سمندر میں ہے ۷۸ اَور نہیں گرتا کوئی پتّہ

۷۷ مَفْتَحٌ کا معنی خزانہ ہے اور مِفْتَح کا معنی کنجی ہے۔ اگر مَفَاتِح کو مَفْتَحٌ کی جمع تسلیم کیا جائے تو آیت کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کے پاس ہی غیب کے خزانے ہیں اور اگر مِفتح کی جمع کہا جائے تو پھر آیت کا مفہوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہی غیب (کے خزانوں) کی کنجیاں ہیں۔ پہلی آیت میں بتایا کہ ہر قسم کا اِختیار اسی کو حاصل ہے۔ اِس آیت میں تصریح فرمائی کہ علم کامل اور محیط سے بھی فقط وہی متصِف ہے۔ تو اِس سے معلوم ہوا کہ خدا صرف وہی ہو سکتا ہے جو بے پایاں قدرت اور بیکراں علم کا مالک ہو۔ لیکن اِس آیت سے یہ سمجھنا کسی طرح درست نہیں کہ وہ کسی کو علم غیب سکھاتا بھی نہیں۔ بلکہ وہ جس کو چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ کوئی بخیل اس کی بخشش وعطا کا ہاتھ نہیں روک سکتا۔ اور جو کچھ اس نے سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عنایت فرمایا ہے اس کا اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ فَاللّٰهُ تَعَالٰى عِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ وَبِيَدِهِ الطُّرُقُ الْمُوْصِلَةُ اِلَيْهِ لَا يَمْلِكُهَا اِلَّا هُوَ فَمَنْ شَاءَ اِطْلَاعَهٗ عَلَيْهَا اَطْلَعَهٗ وَمَنْ شَاءَ حَجَبَهٗ عَنْهَا حَجَبَهٗ وَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ مِنْ اِفَاضَةِ اِلَّا عَلٰى رُسُلِهٖ (1): یعنی غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور علم غیب تک پہنچنے کے ذریعے بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہیں کوئی ان کا مالک نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ جس کو غیب کا علم دینا چاہتا ہے دے دیتا ہے اور جس کو محروم رکھنا چاہتا ہے اسے محروم کر دیتا ہے۔ اور اُمورِ غیب پر آگاہی صرف رسولوں کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے جن پر علوم غیب کا فیضان فرمایا جاتا ہے۔

۷۸ پہلے تو مطلقاً فرمایا کہ غیب کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے قبضہ میں ہیں۔ اس کے بعد مزید وضاحت سے اپنے علم وسیع ومحیط کو بیان فرمایا کہ یہ کائنات جس کے کروڑویں حصّے کا بھی تمہیں علم نہیں لیکن جتنا کچھ بھی تم جانتے ہو اس میں سب سے بڑی چیزیں خشکی اور تری ہیں۔ ان میں رنگا رنگ اَن گنت مخلوق چھوٹی اور بڑی سانس لے رہی ہے ان سب کو بھی وہ جانتا ہے۔ اس کے علم کی ہمہ گیری کی یہ کیفیت ہے کہ رُوئے زمین پر بے شمار جنگلات کے بے حساب درختوں کے اَن گنت پتوں میں سے اگر کوئی پتہ بھی گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا بھی علم ہے۔ اور سنو! شکم زمین کے اندھیروں میں جہاں تمہارے تیز بین برقی آلات بھاری

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 4، جز 7، ص 1-2

اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ

مگر وُہ جانتا ہے اس کو اَور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اَور نہ کوئی تر اَور نہ کوئی خشک چیز ۷۹ مگر وُہ

كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ

لکھّی ہوئی ہے روشن کتاب ۸۰ میں۔ اَور وُہ وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمھیں رات کو اَور جانتا ہے جو کمایا تم نے

بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ

دِن کو پھر اُٹھاتا ہے تمھیں (نیند سے) دن میں تاکہ پُوری کر دی جائے (تمھاری عُمر کی) میعاد مقرر ۸۱ پھر اسی کی طرف تمھیں لَوٹنا ہے

بھر کم اشیاء کا سراغ لگانے سے بھی عاجز ہیں۔ ان اندھیروں میں سرسوں کے بیج سے بھی باریک دانہ جہاں کہیں جس حالت میں پڑا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو بھی جانتا ہے۔ تو جس کی ہمہ دانی کی یہ کیفیت ہو اُس کے احاطۂ علم سے بھی کوئی چیز خارج ہو سکتی ہے؟

۷۹ اِن جزئیات کا ذِکر کر کے اب پھر عمومی رنگ میں اللہ تعالیٰ کے علم کی ہمہ گیری کا ذکر ہو رہا ہے۔

۸۰ اِس سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ جس میں علم الٰہی متشکل صورت میں موجود ہے۔ جس پر ملائکہ آگاہ ہوتے رہتے ہیں۔ اَیْ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لِتَعْتَبِرَ الْمَلَائِكَةُ بِذٰلِكَ (القرطبی) (1)

۸۱ نیند اور بیداری کا یہ تسلسل جاری رہتا ہے یہاں تک کہ زندگی کا سفینہ وقت کے سمندر میں موجوں سے کھلتا، طوفانوں سے الجھتا، بھنوروں سے بچتا موت کے ساحل پر لنگر انداز ہو جاتا ہے۔ اس کے پیچھے ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی جاتی ہے۔ حال کے ہنگامے ماضی کی گود میں دم توڑ دیتے ہیں۔ ساری وابستگیاں اور دلبستگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ ایک اور زندگی کی صبح طلوع ہوتی ہے۔ اِنسان اپنے مالک وخالق کے حضور میں جواب دہی کے لیے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تَوَفّٰی کا لفظ نیند کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اِس کا حقیقی معنی ہے کسی چیز کو پُورا پُورا لے لینا۔ اِسْتِیْفَاءُ الشَّیْءِ (قرطبی) (2) کیونکہ نیند کے وقت انسان کا عقل وشعور معطّل ہو جاتا ہے۔ چلنے پھرنے، دیکھنے سننے وغیرہ کی قوتیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اس کے لیے توفّی کا لفظ اِستعمال ہوا۔ اور موت کے وقت بھی مرنے والا کیونکہ اپنے مقررہ رات دن پورے گزار چکا ہوتا ہے اس لیے وہاں بھی توفّی کا لفظ اِستعمال ہوتا ہے۔ تَوَفَّی الْمَیِّتُ اسْتَوْفٰی عَدَدَ اَیَّامِ عُمُرِهٖ وَالَّذِیْ یَنَامُ كَاَنَّهُ اسْتَوْفٰی حَرَكَاتِهٖ (قرطبی) (3) توفّی کا یہ مفہوم خوب ذِہن نشین رہے۔ تاکہ کوئی یہ بتا کر کہ توفی کا معنی موت ہے آپ کو حیاتِ حضرت مسیح علیہ السلام سے منحرف نہ کر دے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 4، جز 7، ص 5 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

ع ۱۳ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ

پھر وُہ بتائے گا تمھیں جو تم کیا کرتے تھے اَور وُہی غالب ہے اپنے بندوں پر اَور

يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ

بھیجتا ہے تم پر نگہبان ۸۲ یہاں تک کہ جب آجائے تم میں سے کسی کی موت تو قبض کر لیتے ہیں

رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا

اُس کی رُوح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اَور وُہ کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر لوٹائے جائیں گے اللہ تعالےٰ کی طرف جو اُن کا حقیقی مالک ہے سنتے ہو

لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ

اسی کا حکم ہے اَور وُہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے آپ فرمائیے ۸۳ کون نجات دیتا ہے تمھیں

۸۲ حَفَظَةً جمع ہے حافظ کی۔ مقصد یہ ہے کہ انسان یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال سے بے خبر ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو ایسے فرشتے مقرر فرما دیئے ہیں کہ ہر لفظ جو اس کی زبان سے نکلتا ہے اور ہر حرکت جو اس سے سرزد ہوتی ہے وہ اس کو ریکارڈ کر رہے ہیں۔ اور قیامت کے دن مجرم جب اپنے جُرموں کو تسلیم کرنے سے اِنکار کرے گا تو اُس کی زندگی کا صحیفہ اُس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ گراموفون کے ریکارڈ کی طرح اُسی کی زبان ہوگی اور اعترافِ جُرم ہوگا (1)۔

۸۳ اپنے مولائے برحق کی نافرمانی میں سرکش گھوڑے کی طرح سرپٹ دوڑے چلے جانے والے انسان سے پوچھا جا رہا ہے کہ حضرت جی! یہ تو فرماؤ کہ جب تمہیں خشکی یا تری میں مصائب کے بادل گھیر لیتے ہیں۔ نجات کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ اندھیری رات ہے۔ کالی گھٹا چھا رہی ہے۔ طوفان اُمڈ کر آ رہا ہے۔ کشتی ہچکولے کھا رہی ہے۔ اور گمان یہ ہے کہ ابھی ٹوٹی ابھی ڈوبی، اُس وقت تم کس کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہو۔ کس کے دامنِ رحمت میں پناہ تلاش کرتے ہو۔ دل کی گہرائیوں سے کس سے پختہ عہد باندھتے ہو کہ اب معاف کر دے پھر نافرمانی نہیں کریں گے اور عمر بھر تیرے اِس اِحسان کے مرہون رہیں گے۔ اور وہ مولائے کریم جب اس وقت بھی تم پر اپنا فضل و کرم فرما کر تمہیں اِن مصائب اور مایوسی کے اندھیروں سے نکال دیتا ہے تو تم پھر اس کو بھول جاتے ہو۔ اور اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہو۔ کیا یہی تمہاری اِنسانیت ہے اور یہی تمہاری شرافت؟ کچھ سوچو تو۔ کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو۔ ظلمات سے مراد مصائب اور مشکلات ہیں۔ اہل عرب تکلیف کے دن کو یومِ مظلم کہتے ہیں۔ کرب کا معنی ہے شدید غم (2)۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جلد 4، جز 7، ص 6

2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 41-140

ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ

خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں جسے تم پکارتے ہو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ (اور کہتے ہو) اگر نجات دی اللہ نے ہمیں

هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ

اِس (مصیبت) سے تو ہم ضرور ہو جائیں گے اس کے شکرگزار (بندے) فرمائیے اللہ ہی نجات دیتا ہے تمہیں اس سے اور ہر

كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ

مصیبت سے پھر تم شریک ٹھیراتے ہو فرمائیے وہ قادر ہے اس پر کہ ۸۴ بھیجے تم

عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ

پر عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا خلط ملط کر دے

شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

تمہیں مختلف گروہوں میں اور چکھائے تم میں سے بعض کو شدّت دوسروں کی دیکھو کیونکر ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں (توحید کی)

۸۴ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام سے سرتابی کر کے اِنسان امن و عافیت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ کبھی اُوپر سے بجلی کڑک رہی ہے۔ موسلا دھار بارشیں سیلاب کی صورت اِختیار کر کے قیامت ڈھا رہی ہیں۔ توپیں آگ اُگل رہی ہیں۔ بلند پرواز طیارے اور راکٹ، بم اور ایٹم بم برسا رہے ہیں۔ کبھی نیچے سے بارودی سُرنگیں پھٹ رہی ہیں۔ آبدوز کشتیاں سمندر کی گہرائیوں سے اُبھر کر بھاری بھرکم جہازوں کو اُڑا رہی ہیں۔ کہیں زلزلے آباد شہروں کو کھنڈرات میں بدل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سخت تر عذاب یہ ہے کہ آپس میں اِنتشار اور بے اِتفاقی کی وبا پھوٹ پڑتی ہے۔ ایک قوم کے فرزند، ایک ملت کے افراد مختلف ٹولیوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ کہیں مذہب وجہِ فساد بن جاتا ہے اور کہیں سیاست باعث اِنتشار۔ اپنوں کی عزت کو اپنے ہاتھوں خاک میں ملا دینا بڑا کارنامہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ اوروں کو رہنے دیجئے۔ اپنے گھر کا حال دیکھیے جب سے ہم نے صراطِ مستقیم سے اِنحراف کیا ہے ہم کن پستیوں میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب اور ایک کعبہ پر اِیمان رکھنے والے کس نفاق اور اِنتشار کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالِ زار پر رحم فرماوے آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ فوق اور تحت کے جو لفظ آیت میں ہیں ان کی ایک اور تفسیر بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ

دلیلوں کو تاکہ یہ لوگ (حقیقت کو) سمجھ لیں اور جھٹلایا اسے آپ کی قوم نے حالانکہ یہ حق ہے فرمائیے

لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

نہیں ہوں میں تمہارا ذمہ دار ہر ایک خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان لوگے ۸۵

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى

اور (اے سننے والے!) ۸۶ جب تو دیکھے انہیں کہ بیہودہ بحثیں کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے اُن سے یہاں تک کہ

يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ

وہ اُلجھنے لگیں کسی اور بات میں اور اگر (کہیں) بھلا دے تجھے شیطان تو مت بیٹھو

بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ

یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس اور نہیں ہے ان پر جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے

فوق سے مُراد ظالم حکمران اور تحت سے مراد کمینے اور بدکار اہل کار ہیں۔ مِنْ فَوْقِكُمْ يَعْنِيْ الْاُمَرَاءَ الظَّلَمَةَ وَمِنْ تَحْتِ يَعْنِي السَّفَلَةَ وَعَبِيْدَ السُّوْءِ (القرطبی)(1)

۸۵ کفّار خیال کیا کرتے کہ عذاب کی جو دھمکیاں ہمیں دی جا رہی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ محض ڈراوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم یونہی جلدی کر رہے ہو۔ میرے علم ازلی میں ہر چیز کے لیے وقت مقرر ہے اور ہر چیز اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو جائے گی اور تم اُس وقت خود بخود جان لوگے۔

۸۶ صحبت کا اثر مسلّم ہے۔ انسان اپنے ہم نشین کی عادات، اخلاق اور عقائد سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے سختی سے منع کیا ہے جن کا رات دن کا مشغلہ اِسلام، پیغمبر اسلام اور قرآنِ حکیم پر طعن و تشنیع کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت سے پرہیز ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا دل بھی ان کی باتوں سے متاثر ہونے لگے۔ آج کل کی عام گمراہی کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ اِس حکم پر عمل نہیں کرتے اور ان بدعقیدہ لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے میں کوئی ضرر نہیں سمجھتے۔ نتیجہ وہی نکلتا ہے کہ متعدی مرض کے مریض کے پاس بیٹھنے والا بھی اس مرض کا شکار ہو جاتا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 9

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ

ان کافروں کے حساب سے کچھ بوجھ ۸۷ البتہ پرہیزگاروں پر نصیحت کرنا فرض ہے شاید وہ باز آجائیں اور چھوڑ

الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ

دے جنھوں نے ۸۸ بنالیا ہے اپنا دین کھیل اور دل لگی اور دھوکہ میں ڈال دیا ہے انھیں دنیوی زندگی نے اور

ذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

نصیحت کرو ۸۹ قرآن سے تاکہ ہلاک نہ ہو جائے کوئی آدمی اپنے عملوں کی وجہ سے۔ نہیں ہے اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی

وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ

حمایتی اور نہ سفارشی اور اگر وہ معاوضہ میں دے ہر بدلہ تو نہ قبول کیا جائے گا اس سے یہی وہ لوگ

الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ

ہیں جو ہلاک کیے گئے ہیں بوجہ اپنے کرتوتوں کے ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے

۸۷ پہلے دشمنانِ دین کی صحبت و ہم نشینی سے روکا گیا۔ اب فرمایا جاتا ہے کہ اگر مجبوراً تمہیں ان کے پاس بیٹھنا پڑے تو ان کے بکواسات اور لغو گوئی کا محاسبہ تم سے نہیں ہوگا وہ خود ہی اس کے ذمہ دار اور اس کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ ہاں تمہیں چاہیے کہ شائستگی اور سلیقہ سے انہیں دعوت اسلام دیتے رہو۔ ممکن ہے ان کی راہ یابی کی صورت نکل آئے۔

۸۸ وہ بدنصیب لوگ جنہوں نے دین کو کھیل اور دل لگی بنا رکھا ہے اور سنجیدگی اور متانت سے اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ طلب حق کا شوق ہی دل میں نہیں رکھتے بلکہ الٹا مذاق کرتے ہیں انہیں اپنے حال پر رہنے دو۔ زندگی کی عیش و عشرت اور ساز و سامان نے انہیں بدمست و مدہوش کر دیا ہے۔ ان سے یہ توقع نہیں کہ یہ دعوتِ اسلام قبول کریں گے۔

۸۹ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں سمجھانا اور نصیحت کرنا ہی ترک کر دیا جائے بلکہ انہیں قرآنِ حکیم کی آیات پڑھ پڑھ کر سنایئے۔ شاید عذاب الٰہی سے بچنے کی کوئی صورت نکل آئے۔ اور جس نے چشم ہوش نہ کھولی اور باطل کی حمایت میں سرگرم رہا تو قیامت کے دن اس کی نجات کی کوئی شکل نہ ہوگی۔ نہ تو اسے کوئی ایسا حمایتی ملے گا جو زبردستی اسے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا لے اور نہ سفارشی۔ اور نہ اس سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔ اَلْاِبْسَالُ تَسْلِیْمُ الْمَرْءِ لِلْهَلَاكِ (قرطبی)(1) اپنے آپ کو ہلاکت کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 16

ع ۸ ۱۴

بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ

بوجہ اس کفر کے جو وُہ کرتے رہے تھے آپ فرمائیے کیا ہم پُوجیں ۹۰ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے ہمیں اور

لَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ

نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور (کیا) ہم پھر جائیں اُلٹے پاؤں اس کے بعد کہ ہدایت دی ہے ہمیں اللہ نے؟ مثل اس شخص کے کہ

الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى

بھٹکا دیا ہو اُسے جِنّوں نے زمین میں اور وُہ حیران و پریشان ہو۔ اُس کے ساتھی ہوں جو اُسے بُلا رہے ہوں ہدایت کی

الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ

طرف کہ ہمارے پاس آ جا آپ فرمائیے اللہ کی رہنمائی ہی حقیقی رہنمائی ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم گردن

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ

جھکا دیں سارے جہانوں کے رب کے سامنے اور یہ کہ صحیح صحیح ادا کرو نماز اور ڈرو اس سے اور وُہی ہے جس کی طرف

حوالے کر دینے کو ابسال کہتے ہیں۔

۹۰ کفّار اِس بات میں بڑے کوشاں رہا کرتے تھے کہ مسلمان اِسلام کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کا مذہب پھر اِختیار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو حکم فرماتے ہیں کہ آپ اُنہیں فرمائیے کہ یہ خیال خام اپنے دل سے نکال دیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شاہراہ ہدایت پا لینے کے بعد جس پر نور ہی نور ہے۔ ہم شِرک و کُفر، فِسق و فجور کے بھیانک اندھیروں کی طرف لوٹ جائیں۔ ہرگز نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو پھر ہماری حالت اُس شخص سے مختلف نہ ہوگی جو اپنی منزلِ مقصود کی طرف ایسے ساتھیوں کی رفاقت میں بڑھا چلا جا رہا ہے۔ جو راہ کے پیچ و خم اور نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اور پھر راستہ میں کوئی شیطان اسے بہکا دے اور وہ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لے۔ اس کے ہمراہی اس کو پیچھے سے آواز دیں کہ کدھر بھٹک کر جا رہے ہو۔ سیدھی راہ تو اِدھر ہے۔ اور وہ ششدر و درماندہ تصویرِ حیرت بنا کھڑا ہو اور کچھ فیصلہ نہ کر سکے کہ اُسے کدھر جانا ہے۔ اے کفّار تمہاری یہ توقع عبث ہے کہ ہم دولت یقین سے مالا مال ہونے کے بعد شک و گمان کے بھنور میں کود پڑیں گے۔ آیت میں اِسْتَهْوَتْهُ کا لفظ ہے اس کا مفہوم ہے زَيَّنَ لَهُ الشَّيْطَانُ هَوَاهُ (قرطبی) (1) یعنی شیطان نے جس کی نفسانی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 18

تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَیَوْمَ

تم جمع کیے جاؤ گے اور وُہ وُہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ ۹۱ اور جس روز

خواہش کو مزین و آراستہ کر دیا ہو اور وہ اس پر فریفتہ ہو چکا ہو اور حق کا دامن چھوڑ کر باطل کی پیروی میں مگن ہو گیا ہو۔

۹۱ عبادت کے لائق تمہارے بے بس اور بے کس معبودانِ باطل نہیں بلکہ وہ ذات یکتا و بے ہمتا عبادت کے لائق ہے جو اِن صفات کی مالک ہے جن کا ذِکر اِن آیات میں موجود ہے۔ اس کا کوئی کام عبث و فضول نہیں۔ اس کی کوئی تخلیق بے مقصد نہیں۔ اِس وسیع و عریض کائنات کی کسی حقیر سے حقیر چیز پر غور کرو، اس کی افادیت کا آپ کو اِحساس ہونے لگے گا۔ یہ بے ڈھنگا اور بد وضع پرندہ جسے ہم گدھ کہتے ہیں نوعِ انسانی کا کتنا بڑا خدمت گزار ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا بھر کی میونسپل کمیٹیاں اور صحت کے ادارے ان مردہ جانوروں کو ٹھکانے لگانے سے عاجز آ جاتے۔ اور ان کی گلی سڑی بدبودار لاشوں سے زندگی تلخ ہو جاتی۔ غرضیکہ چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، مولے سے لے کر عقاب تک جدھر بھی آپ فِکر کی نِگاہ ڈالیں آپ کو حکمت ربانی کے جلوے نظر آئیں گے۔ یہاں میں نیو یارک سائنس اکیڈمی کے پریزیڈنٹ اے۔ سی۔ موریسن کے مضمون کا ایک مختصر اِقتباس پیش کرتا ہوں جس سے بالحق کا مفہوم نہایت واضح ہو جائے گا۔

''زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر کاٹ رہی ہے۔ اگر اس کی رفتار ایک ہزار میل کی بجائے ایک سو میل ہوتی تو دن اِتنے لمبے ہوتے کہ سورج کی تپش تمام کھیتوں کو بھون کر رکھ دیتی۔ اور راتیں اتنی لمبی اور سرد ہوتیں کہ زندگی کی اگر کچھ رمق سورج کی تپش سے بچ جاتی تو رات کی سردی اسے منجمد کر کے رکھ دیتی۔ سورج کا درجہِ حرارت بارہ ہزار ڈِگری فارن ہیٹ ہے۔ لیکن زمین کو اس سے اتنی مناسب دوری پر رکھ دیا گیا ہے کہ وہاں سورج کی حرارت اس قدر ہی پہنچتی ہے جو حیات بخش ہے۔ لیکن اگر سورج کا درجہ حرارت بارہ ہزار ڈگری کے بجائے چھ ہزار ڈگری ہوتا تو کرۂ زمین برف کے نیچے دب جاتا۔ اور اگر اٹھارہ ہزار ڈگری ہوتا تو ساری زمین اس کی تمازت سے جل کر راکھ ہو جاتی زمین کا جھکاؤ ۲۳ درجہ کا زاویہ بناتا ہے اور اِسی جھکاؤ سے ہمارے موجودہ موسم مناسب وقفوں کے بعد باری باری آتے ہیں۔ اگر اس میں یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے اُٹھنے والے بُخارات جنوب اور شمال میں حرکت کرتے اور اتنی زور سے برف باری ہوتی کہ ساری زمین ڈھک جاتی۔ اگر چاند کی دوری زمین سے اِتنی نہ ہوتی جتنی اب ہے بلکہ صرف پچاس ہزار میل ہوتی تو سمندروں میں مدّ و جزر اِس شدّت سے آتا کہ پہاڑوں تک کو بھی بہا کر لے جاتا۔ اگر زمین کی سطح موجودہ سطح سے صرف دس فٹ زیادہ موٹی ہوتی تو یہاں آکسیجن ہی نہ ہوتی اور کوئی جانور زندہ نہ رہتا۔ اور اگر سمندر چند فٹ اور گہرے ہوتے تو ساری کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن صرف ہو جاتی اور رُوئے زمین پر کوئی سبز پتہ نظر نہ آتا(1)۔ اِس حکیمانہ نظام پر غور کرنے سے ہم اِس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کارخانۂ ہستی اِتفاقاً معرض وجود میں نہیں آ گیا بلکہ ایک حکیم و دانا خالق نے اس کی تخلیق فرمائی ہے ورنہ زندگی کا کوئی اِمکان نہ تھا(Reader,s. Digest oct, 1960) یہ اقتباس پڑھ لینے کے بعد اب اِس آیت کو دوبارہ پڑھیے اور اس کے نازل کرنے والے مولائے برحق کے حضور میں سربسجود ہو جایئے۔ اور جس ذاتِ قدس صفات

1۔ ریڈرز ڈائجسٹ، اکتوبر 1960ء ص:48

الثالثة

يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ

وُہ کہے گا کہ تُو ہو جا تو بس وُہ ہو جائے گا اُسی کا فرمان حق ہے اور اسی کی حکومت ہو گی جس دن پھُونکا جائے گا صُور ۹۲

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ

جاننے والا ہے ہر چھپی چیز کا اور ہر ظاہر چیز کا اور وُہی ہے حکمت والا سب کچھ جاننے والا اور یاد کرو جب کہا ۹۳ ابراہیم ؑ

لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ

نے اپنے باپ ۹۴ آزر سے کیا تم بناتے ہو بُتوں کو خُدا بے شک میں دیکھتا ہُوں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھُلی گمراہی

نے امی ہوتے ہوئے اس حقیقت پنہاں کے رُخ سے نقاب اُلٹا ہے اس پر زبانِ دل وروح سے صلوٰۃ وسلام عرض کیجئے۔

اُمّیٔ بود کہ ما از اثرِ حکمتِ او　　واقف از سرِ نہاں خانہ تقدیر شدیم　　(اقبال)(1)

۹۲ بعض لوگوں نے صُود کو صورۃ کی جمع تصوّر کیا ہے اور معنی یہ کیا ہے کہ صورتوں میں جب پھونکا جائے گا تو وہ حقائق میں تبدیل ہو جائیں گی یا بے جان مجسموں میں پھُونک مارنے سے وہ زندہ ہو جائیں گے۔ لیکن یہ معنی دوسری آیتوں اور احادیثِ نبویہ سے تطبیق نہیں کھاتا۔ حدیث شریف میں یہی ہے کہ حضرت اِسرافیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلی بار صور پھونکیں گے تو سب زِندہ اشیاء موت کی نیند سو جائیں گی۔ اور جب دوسری بار پھونکیں گے تو ہر چیز زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو جائے گی۔ اس صور کی حقیقت کیا ہے۔ اس کی شکل وصورت اور طول وعرض کتنا ہے۔ اس کے متعلق نہ قرآن نے بتایا نہ صاحبِ قرآن نے اور نہ اس کے جاننے کی کوئی ضرورت ہے۔ اس لیے اِس بارے میں سکوت ہی اولیٰ ہے(2)۔

۹۳ عرب کے مُشرک یہودی اور عیسائی سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت وجلالتِ شان اور رسالت کے معترف تھے۔ اور اہل عرب کو اس پر ناز تھا کہ وہ اس مقدّس ہستی کی اولاد ہیں اس لیے حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات پیش کر کے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم عجب ستم ظریف ہو کہ جس کے نام سے تمہیں یہ ساری عزت اور سروری نصیب ہے۔ جس کی نسل سے ہونے کو تم اپنے لیے وجہ عزت وافتخار سمجھتے ہو۔ اس کے دین اور اس کے مقصد حیات سے تم بالکل بیگانگی اِختیار کر چکے ہو بلکہ اس گمراہی کو تم اپنا دین بنا چکے ہو جس کو مٹانے کے لیے انہوں نے عمر بھر جہاد کیا۔ جن بتوں کو ریزہ ریزہ کر کے انہوں نے بھڑکتے ہوئے آتش کدہ میں کودنا گوارا کیا تم پھر انہیں بتوں کی پوجا میں سرگرم ہو اور ان کے دین حنیف کی طرف تمہیں دعوت دی جاتی ہے تو خشم گین اور غضب ناک ہو کر رسولِ برحق سے لڑنے کے لیے کمر بستہ ہو جاتے ہو عجیب الٹی کھوپڑی کے لوگ ہو تم۔

۹۴ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا یا چچا کا؟ حضرت خلیل کے والد مسلمان تھے یا کافر؟ اس مقام پر علامہ آلوسی بغدادی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں اور اس نزاع کا فیصلہ انہیں پر

1۔ کلیاتِ اقبال فارسی، ص:308، پیام مشرق، ص:138　　2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز7، ص21

مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ

میں اور اِسی طرح ہم نے دِکھادی ۹۵ ابراہیمؑ کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی ۹۶ تاکہ وُہ ہوجائیں

چھوڑتا ہوں۔ علامہ مذکور رقم طراز ہیں۔ علماء اہل سنت میں سے ایک جم غفیر کی رائے یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے والد نہ تھے۔ کیوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد میں کوئی بھی کافر نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِن اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ وَالْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ ''کہ میں ابتداء سے آخر تک پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رِحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں اور مشرک نجس ہیں''۔ اس کے بعد آلوسی فرماتے ہیں کہ امام رازی کا یہ کہنا کہ یہ شیعہ کا مذہب ہے درست نہیں۔ اِمام رازی نے اچھی طرح چھان بین نہیں کی اِس لیے یہ غلطی ہوگئی۔ علماء اہل سُنّت کی اکثریت کا یہ قول ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا کا نام ہے اور اَبٌ کا لفظ چچا کے معنی میں عام اِستعمال ہوتا ہے۔ اپنے اِس مسلک کی تائید میں علامہ مذکور نے کئی آثار نقل کیے ہیں لیکن یہاں صرف ایک چیز پیش کی جاتی ہے۔ یہ تو ایک واضح امر ہے کہ جس کی موت کفر و شرک پر ہو اس کے لیے مغفرت نہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کی وفات کے سالہا سال بعد جب بابل سے ہجرت کر کے مصر گئے۔ وہاں سے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نِکاح کر کے شام آئے اور مدت دراز کے بعد اسمٰعیل علیہ السلام کی وِلادت ہوئی اور حکم ربانی سے آپ ننھے اِسمٰعیل اور اُن کی والدہ ہاجرہ کو اس لق ودق صحرا میں چھوڑ آئے جہاں کعبہ کی تعمیر ہونی تھی۔ اِس واقعہ کے برسوں بعد جب اسمٰعیل علیہ السلام جوان ہوئے اور کعبہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو اُس وقت جو دعا آپ نے مانگی۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (1)۔ اَے رب! مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین اور مسلمانوں کو بھی بخش دے۔ اگر حضرت کے والدین کافر ہوتے تو ایک پیغمبر یہ جانتے ہوئے کہ کافر کی بخشش نہیں ہوسکتی کبھی اُن کی مغفرت کے لیے دعا نہ کرتے۔ (روح المعانی) (2) لیکن وہ علماء جن کی تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت کے والد ہی تھے وہ بھی اِس بات سے سختی سے منع کرتے ہیں کہ عام مجالس میں ان کے متعلق باتیں کی جائیں۔

حضرت صدر الافاضل یہاں لکھتے ہیں: ''قاموس میں ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے چچا کا نام ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے مسالک الحنفاء میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ چچا کو باپ کہنا تمام ممالک میں معمول ہے بالخصوص عرب میں۔ قرآن کریم میں بھی ہے۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (3)۔ اس میں حضرت اسمٰعیل کو حضرت یعقوب کے آباء میں ذکر کیا گیا ہے باوجود یہ کہ آپ عم ہیں۔ حدیث شریف میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس کو اَبٌ (باپ) فرمایا۔ چنانچہ ارشاد کیا رُدُّوْا عَلَيَّ اَبِيْ۔ یہاں ابی سے حضرت عباس مراد ہیں۔ (خزائن العرفان) (4)

۹۵ امام رازی فرماتے ہیں کہ جلالِ خداوندی کے انوار وتجلیات ہر لمحہ ضوفشاں ہیں لیکن انسانی روح کسی نہ کسی حجاب کے باعث ان کے مشاہدہ سے محروم رہتی ہے۔ جیسے جیسے حجاب ہٹتا اور سرکتا جاتا ہے ویسے ہی انوار کا مشاہدہ شروع ہوجاتا ہے۔ حضرت خلیل

1۔ سورۂ ابراہیم: 41 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 195 (مختصراً) 3۔ سورۃ البقرہ: 133 4۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص: 246، حاشیہ: 160

مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ

کامل یقین کرنے والوں میں پھر جب چھا گئی ان پر رات ۹۷ (تو) دیکھا اُنھوں نے ایک ستارا۔ بولے (کیا) یہ میرا رب ہے؟

نے جب تمام حجابات کو تار تار کر دیا اور انوارِ الٰہی کے مشاہدہ میں کوئی آڑ باقی نہ رہی تو زمین و آسمان کی بے کراں وُسعتوں میں قدرت خداوندی کے جو اسرار تھے سب ظاہر ہو گئے اور نگاہِ ابراہیمی پر ہر چیز منکشف کر دی گئی فَلَمَّا زَالَ ذٰلِكَ الْحِجَابُ لَا جَرَمَ تَجَلّٰى لَهٗ مَلَكُوْتُ السَّمٰوٰتِ بِالتَّمَامِ (تفسیر کبیر)(1)

۹۶ ملکوت میں رحموت اور رہبوت کی طرح ت مبالغہ کے لیے ہے یعنی ملک عظیم اور سلطنت وسیع۔ نُرِیْ بِمَعْنٰی اَرَیْنَا (قرطبی)(2) ہم نے دکھا دی یہ رؤیت بصر سے تھی یا بصیرت سے؟ یعنی صرف آنکھوں نے دیکھا تھا یا دل کو بھی اس کا علم و عرفان نصیب ہوا تھا؟ بعض کا خیال ہے کہ پردہ اٹھ گیا تھا اور عرش سے تحت الثراء تک ہر چیز نظر آنے لگی تھی۔ اور بعض نے فرمایا کہ آسمان اور زمین کی تمام اشیاء کی حقیقت پر آگاہی بخش دی گئی تھی تا کہ کائنات کی ان مختلف چیزوں پر مطلع ہو کر وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، علم، قدرت اور حکمت کے بارے میں عین الیقین کے مرتبہ علیا پر فائز ہو جائیں۔ امام رازی لکھتے ہیں کہ اگرچہ عام انسان بھی کائنات کے بعض اسرار پر آگاہ ہوتے ہیں لیکن اس عالم خلق کی ہر چیز میں خواہ وہ جنس ہو یا نوع، صنف ہو یا شخص حکمت الٰہی کے جو آثار پائے جاتے ہیں ان سے جس طرح اکابر انبیاء آگاہ ہوتے ہیں وہ آگاہی کسی اور کو نصیب نہیں ہوتی۔ (جَمِيْعُ الْمُوَحِّدِيْنَ) وَاِنْ كَانُوْا يَعْرِفُوْنَ اَصْلَ هٰذَا الدَّلِيْلِ اِلَّا اَنَّ الْاِطِّلَاعَ عَلٰى آثَارِ حِكْمَةِ اللّٰهِ فِيْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْ مَّخْلُوْقَاتِ هٰذَا الْعَالَمِ بِحَسْبِ اَجْنَاسِهَا وَ اَنْوَاعِهَا وَ اَصْنَافِهَا وَاَشْخَاصِهَا وَاَحْوَالِهَا مِمَّا لَا يَحْصُلُ اِلَّا لِلْاَكَابِرِ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ (کبیر)(3) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حقائق اشیاء کا اتنا علم ارزانی فرما دیا گیا تھا تو تعجب ہے ان لوگوں کی کم نگاہی پر جو نبی الانبیاء کے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ نر کھجور سے مادہ کھجور کس طرح باردار ہوتی ہے۔

۹۷ جس شہر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اُس کا نام اُر تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے کھدائی کر کے اس کو دریافت کر لیا ہے۔ اور اس سے جو تحریریں اور دوسری اشیاء دستیاب ہوئی ہیں ان سے آپ کے زمانہ کے لوگوں کے مذہبی، تمدنی اور معاشی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ سر لیونارڈ وولی (Sir Leonard Woolly) نے اپنی کتاب (Abraham) میں جو لندن میں ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ ماہرین آثارِ قدیمہ کے جو تاثرات قلم بند کیے ہیں ذیل میں ان کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

''اندازہ کیا گیا ہے کہ ۲۱۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ زمانہ میں جسے اب عام طور پر محققین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظہور کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں۔ شہر ''اُر'' کی آبادی ڈھائی لاکھ کے قریب تھی اور بعید نہیں کہ پانچ لاکھ ہو۔ بڑا صنعتی اور تجارتی مرکز تھا۔ جس ریاست کا یہ صدر مقام تھا اس کے حدود موجودہ حکومتِ عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھے۔ ملک کی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 7، جز 13، ص 44 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 23 3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 7، جز 13، ص 47

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا

پھر جب وُہ ڈُوب گیا (تو) بولے میں نہیں پسند کرتا ڈُوب جانے والوں کو۔ پھر جب دیکھا چاند کو چمکتے ہُوئے تو کہا (کیا) یہ

بیشتر آبادی صنعت وتجارت پیشہ تھی۔اس عہد کی جو تحریرات آثار قدیمہ کے کھنڈروں سے دستیاب ہوئی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں ان لوگوں کا نقطہ نظر خالص مادہ پرستانہ تھا۔دولت کمانا اور زیادہ سے زیادہ آسائش فراہم کرنا اُن کا سب سے بڑا مقصد حیات تھا۔سُود خوری کثرت سے پھیلی ہوئی تھی۔آپس میں بہت مقدمہ بازیاں ہوا کرتی تھیں۔آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی۔(۱) عملیو: یہ اونچے طبقہ کے لوگ تھے۔جن میں پُجاری، حکومت کے عہدہ دار اور فوجی افسر وغیرہ شامل تھے۔اِس طبقہ کو خاص اِمتیازات حاصل تھے۔ان کے فوجداری اور دیوانی حقوق دوسروں سے مختلف تھے۔اور ان کے جان و مال کی قیمت دوسروں سے بڑھ کر تھی۔حضرت ابراہیم کے خاندان کا اِسی طبقہ میں شمار ہوتا تھا۔(۲) مشکینو: یہ تجار، اہلِ صنعت اور زراعت پیشہ لوگ تھے۔(۳) آردو: یعنی غلام، مزدور پیشہ۔

اُر کے کتبات میں تقریباً پانچ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا جو رب البلد یا مہادیو سمجھا جاتا تھا۔اُر کا رب البلد ''ننّار'' (چاند دیوتا) تھا۔دوسرا بڑا شہر ''لرسہ'' تھا۔اس کا رب البلد ''شماش'' (سورج دیوتا) تھا۔اِن بڑے خداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی تاروں اور سیاروں میں سے تھے۔ان دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہیں بتوں کی شکل میں بنائی گئی تھیں اور تمام مراسم عبادت انہی کے آگے بجالائے جاتے تھے۔

ننّار کا بت اُر میں سب سے اونچی پہاڑی پر ایک عالی شان عمارت پر نصب تھا۔مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف تھیں اور ان کی حیثیت دیوداسیوں (Religious Prostitutes) کی تھی۔وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو خدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے۔کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو ''راہِ خدا'' میں کسی اجنبی کے حوالہ کرنا عورت کے لیے ذریعہ نجات خیال کیا جاتا تھا۔

ننّار محض دیوتا ہی نہ تھا۔بکثرت باغ، مکانات اور زمینیں اس کے مندر کے لیے وقف تھیں۔بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔

اُر کا شاہی خاندان جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حکمران تھا اس کے بانیٔ اوّل کا نام اُرنمّو تھا جس نے ۲۳۰۰ برس قبل مسیح میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی۔اسی سے اس خاندان کو نمّو کا نام ملا جو عربی میں جا کر نمرود ہو گیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد اس خاندان اور اس قوم پر مسلسل تباہی نازل ہونی شروع ہوئی۔پہلے عیلامیوں نے ار کو تباہ کیا اور نمرود کو ننار کے بت سمیت پکڑ کر لے گئے۔پھر لرسہ میں ایک عیلامی حکومت قائم ہوئی جس کے ماتحت ار کا علاقہ غلام کی حیثیت سے رہا۔ان تباہیوں نے ننار کے ساتھ ار کے لوگوں کا عقیدہ متزلزل کر دیا۔(ماخوذ از تفہیم القرآن)(1)

1۔تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج 1، ص 55-554، حاشیہ:52

رَبِّیۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنۡ لَّمۡ یَهۡدِنِیۡ رَبِّیۡ لَاَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ

میرا رب ۹۸ ہے (؟) پھر جب وُہ (بھی) غرُوب ہوگیا تو آپ نے کہا اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا رب تو ضرُور ہو جاتا میں بھی اس گمراہ

الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ ۚ فَلَمَّا

قوم سے پھر جب دیکھا سُورج کو جگمگاتے ہُوئے (تو) بولے (کیا) یہ میرا رب ہے، (؟) یہ تو ان سب سے بڑا ہے۔ لیکن جب وُہ بھی

اَفَلَتۡ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ

ڈُوب گیا (تو) آپ نے فرمایا۔ اَے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنھیں تم شریک ٹھیراتے ہو بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رُخ

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ آپ کے ہم وطن ستاروں، چاند اور سورج کے پرستار تھے۔ اِس لیے حضرت ابراہیم ان کے معبودوں کے حالات سے ہی ان کی خدائی پر ضرب کاری لگا رہے ہیں کہ جن کے یہ حالات ہوں۔ جن کو ایک جگہ قرار نصیب نہ ہو۔ جو کبھی طلوع ہو رہے ہیں اور کبھی غروب ہو رہے ہیں۔ جن کے طلوع وغروب کا وقت بھی ان کے اِختیار میں نہ ہو۔ اور اُن کی گردش کا جو راستہ مقرر ہے اس سے بھی بال برابر اِدھر اُدھر نہ ہو سکتے ہوں۔ جو ایک بے اختیار غلام کی طرح اِنقیاد واطاعت کا پٹہ گلے میں ڈالے صبح وشام تعمیل حکم میں سرگرداں نظر آتے ہوں انہیں معبود بنانا، ان کو خدا سمجھنا کتنی نادانی اور بے سمجھی ہے۔

۹۸ یہ اصل میں أَهٰذَا رَبِّیۡ اِستفہام اِنکاریہ ہے۔ یعنی اَے میری قوم کیا یہ میرا رب ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ خیال کرنا کہ اس وقت حضرت اِبراہیم کو عرفانِ توحید حاصل نہ تھا اِس لیے وہ ایک ٹمٹماتے ہوئے تارے کو اپنا رب سمجھنے لگے سخت غلطی ہے۔ پیغمبر کا دامن نبوت سے پہلے بھی کفر وشرک سے پاک ہوتا ہے۔ چاند کے متعلق بھی آپ نے یہی فرمایا تھا کہ هٰذَا رَبِّیۡ اور جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپ فرماتے ہیں لَئِنۡ لَّمۡ یَهۡدِنِیۡ رَبِّیۡ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ فرماتا تو جس گمراہی میں میری ساری قوم گرفتار تھی میں بھی اس سے نہ بچ سکتا۔ اِن الفاظ سے اِس امر کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ آپ کا دل ''ربی'' (میرا رب) کے یقین اور اِیمان سے منوّر اور روشن تھا۔ ورنہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابھی تک حقیقی رب کا کوئی تصوّر ان کے ذہن میں نہ تھا اور چاند کو آپ نے رب مان لیا تھا تو جب اس کے ڈوب جانے سے اس کی خدائی کا طلسم بھی ٹوٹ گیا تو آپ کو حیرت کا اظہار کرنا چاہیے تھا کہ لو جسے خدا سمجھ رہے تھے وہ تو فانی نکلا۔ اب کسے خدا مانا جائے۔ آپ نے اِظہارِ حیرت نہیں کیا بلکہ چاند کے غروب ہونے پر آپ نے اپنی قوم کے باطل عقیدہ کو غلط ثابت کرنے کے بعد فوراً فرمایا۔ لَئِنۡ لَّمۡ یَهۡدِنِیۡ رَبِّیۡ۔ یعنی وہ رب نہیں جسے تم نے رب سمجھ رکھا ہے بلکہ حقیقی رب تو وہ ہے جو میرا پروردگار ہے جو مجھے ہر باطل سے بچا کر راہ حق پر چلا رہا ہے (1)۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج3، ص61-258

لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَ

اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ، یک سُو ہو کر ۹۹ اور نہیں ہُوں میں مشرکوں میں سے اور

حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ

جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم ۱۰۰ آپ نے کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دے دی ہے مجھے اور نہیں ڈرتا

مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ

میں ان سے جنھیں تم شریک بناتے ہو اس کا مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا گھیرے ہُوئے ہے میرا رب ہر چیز کو (اپنے) علم سے۔

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ

تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرو گے اور کیسے ڈروں میں ۱۰۱ (ان سے) جنھیں تم نے شریک ٹھیرا رکھا ہے حالانکہ تم نہیں ڈرتے (اس سے) کہ

اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ

تم نے شریک بنایا اللہ کے ساتھ اسے کہ نہیں اتاری اللہ نے اس کے متعلق تم پر کوئی دلیل تو (تم ہی بتاؤ) دونوں فریقوں سے

۹۹ سورج، چاند، تارے خدا نہیں تو پھر کون خدا ہے؟ اِس کا جواب دیا کہ خدا وہ قدرت والا اور حکمت والا ہے جو ہر چیز پر غالب ہے کسی سے مغلوب نہیں جو ہر کا داتا ہے۔ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ قدرت والا جس نے آسمانوں کو بھی پیدا فرمایا اور زمین کو بھی۔ میں تو ہر باطل سے منہ موڑ کر یکسوئی سے اسی کی طرف دل و جان سے متوجّہ ہوں اور کسی بڑی سے بڑی چیز کو بھی اس کا شریک خیال نہیں کرتا۔

۱۰۰ ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کے سامنے وہ لاجواب ہو گئے تو پھر آپ سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے۔ اَے ابراہیم تم خداؤں کی ہتک سے باز آجاؤ ورنہ ان کے غضب کا شکار ہو جاؤ گے اور پھر رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئے گی۔ آپ فرماتے ہیں مجھے ایسی دھمکیاں کیوں دیتے ہو اپنے خداؤں کو کہہ دو کہ میرا جو بگاڑ سکتے ہیں بگاڑ لیں۔ مجھے ان سے ذرا اندیشہ نہیں۔ ہاں اگر میرا رب مجھے کسی آزمائش میں مبتلا کر دے تو مجھے مجالِ دم زدن نہیں۔

۱۰۱ سلسلہ تقریر شروع ہے کہ ڈرنا تو تمہیں چاہیے جو معبودِ برحق سے منہ موڑ کر باطل خداؤں کی چوکھٹ پر سرافگندہ ہو۔ میں کیوں ڈروں جو سیدھے راستہ پر چل رہا ہوں۔

اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا

کون زیادہ حقدار ہے امن (وسلامتی) کا؟ اگر تم (کچھ) جانتے ہو وُہ جو ایمان لائے اَور نہ ملایا ۱۰۲ اُنھوں نے

اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ ع ۱۲ ۱۵

اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے اُنھیں کے لیے ہی امن ہے اَور وُہی ہدایت یافتہ ہیں اَور یہ

حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ

ہماری دلیل تھی ۱۰۳ جو ہم نے دی تھی ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلہ میں، ہم بلند کرتے ہیں ۱۰۴ درجے جس کے چاہتے ہیں بے شک

رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ

آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اَور ہم نے عطا فرمائے اُنھیں اِسحٰق اَور یعقوب ۱۰۵ ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی

۱۰۲ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام بہت پریشان ہوئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ اَیُّنَا لَمْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ؟ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد گناہ نہیں بلکہ شرک ہے۔ لَیْسَ ھُوَ کَمَا تَظُنُّوْنَ اِنَّمَا ھُوَ کَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِہٖ یَا بُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (قرطبی) (1)

۱۰۳ کیا لطف ہے اِس آیت میں۔ ہماری دلیل تھی اور ہم ہی نے ابراہیم کو عطا فرمائی تھی۔ وہ دلیل جسے اللہ تعالیٰ اپنی فرما رہے ہیں اس کی عظمت جلالت کا کیا کہنا! کفر وشرک کی اس اندھیر نگری میں جس ہستی کو اِس دلیل سے سرفراز فرمایا گیا اس کی رفعتِ شان کی کیا حد! اِس مقام پر رب کو ''کاف'' خطاب کی طرف مضاف کرنے میں جو لطف ہے اس سے اہل دل ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اے مصطفیٰ! تیرا رب، ہے تو وہ سارے جہان کا رب۔ لیکن اس کی ربوبیت کا جو تعلق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے ہے وہ کسی سے نہیں۔

۱۰۴ یعنی ان کفّار کی بستی سے جو ہزار ہا ہزار خداؤں کے پجاری تھے وہ گمراہی کی پستیوں میں گرے پڑے تھے۔ ان میں سے حضرت ابراہیم کو توحید کا علمبردار بنا دینا اور اس کے سینے کو علم وفہم اور دلیل کی روشنی سے منور کر کے دنیا وآخرت میں اس کا نام اور اس کی شان بلند کر دینا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی قدرت اور طاقت ہے اَیْ بِالْعِلْمِ وَالْفَھْمِ وَالْاِمَامَۃِ وَالْمُلْكِ (القرطبی) (2)

۱۰۵ ہم نے اِبراہیم پر مزید کرم یہ فرمایا کہ انہیں اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا مرحمت فرمایا جس کی نسل سے ہزاروں انبیاء اور لاکھوں صلحاء پیدا ہوئے۔ معلوم ہوا کہ نیک اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی خاص نوازشات میں سے ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 30 2۔ ایضاً

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ

اور نوحؑ کو ہدایت دی تھی ان سے پہلے اور اس کی اولاد میں ۱۰۶؎ سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ

وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا

اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو (راہِ راست دکھائی) اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو اور (ہم نے

وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ

ہدایت دی) زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو (یہ) سب صالحین میں سے تھے اور (ہدایت دی) اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ

وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ

اور یونسؑ اور لوطؑ کو اور ان سب کو ہم نے ۱۰۷؎ فضیلت دی سارے جہان والوں پر اور ہدایت دی ان کے کچھ باپ دادوں اور

ذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾

ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں کو اور ہم نے چن لیا ان (سب) کو اور ہدایت دی ان (سب) کو راہِ راست کی

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا

یہ ۱۰۸؎ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے رہنمائی کرتا ہے اس کے ساتھ جس کی چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اگر وہ شرک کرتے

لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

تو ضرور ضائع ہو جاتا ان سے وہ (عمل) جو وہ کیا کرتے تھے یہ وہ لوگ تھے ہم نے عطا کی تھی جنہیں کتاب

۱۰۶؎ بعض نے کہا کہ ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ حضرت نوح اَیْ ذُرِّیَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ وَقِیْلَ وَذُرِّیَّۃِ نُوْحٍ (القرطبی)(1)

۱۰۷؎ کُلًّا ھَدَیْنَا، کُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِیْنَ اور کُلًّا فَضَّلْنَا کے پیارے پیارے جملے پڑھ کر احساس ہونے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں اور برگزیدہ رسولوں کا ذکر آتے ہی رحمتِ الٰہی کے سمندر میں جوش آرہا ہے۔

۱۰۸؎ یہ ہدایت محض فضل ایزدی کی جلوہ طرازی ہے اور جس پر اس کی نگاہِ لطف و کرم پڑ گئی وہ ہدایت یافتہ ہو گیا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 31

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا

اَور حِکمت اَور نبوّت تو اگر اِنکار کریں ۱۰۹ اِس کا یہ (مکہ والے) تو ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اس کو ماننے کے لیے

لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

ایسے لوگ جو اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں یہی وُہ لوگ ہیں جنھیں ہدایت دی تھی اللہ نے تو انھیں کے ۱۱۰

اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع ۱۶ ۸ ۱۶

طریقہ کی پیروی کرو آپ فرمائیے ۱۱۱ میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کوئی اُجرت نہیں ہے، وُہ ۱۱۲ (قرآن) مگر نصیحت سارے جہانوں کے لیے

۱۰۹ اگر کفّارِ مکہ ہماری آیات کو نہ مانیں اور دعوتِ اِسلام کو قبول نہ کریں تو وہ اپنا ہی زیاں کریں گے۔ اسلام کو تو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ کیوں کہ اِس دین حق کو قبول کرنے کے لیے اس کا پیغام دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کے لیے اور اس کے پرچم کو ہر قیمت پر سربلند رکھنے کے لیے ہم نے ایک قوم (یعنی انصار، مہاجرین اور دوسرے لوگ جنہیں توفیق ایمان نصیب ہوئی) مقرر کر دی ہے(1)۔

۱۱۰ اِقتداء کا معنی ہے کسی کے کام کے موافق کوئی کام کرنا۔ علامہ قطب الدین رازی کشاف کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہاں اِقتداء سے مقصود صرف اخلاقِ فاضلہ اور صفاتِ کمال میں ان جلیل القدر انبیاء کی موافقت کرنا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر وہ خوبی اور کمال جو دوسرے انبیاء میں متفرق طور پر پایا جاتا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سب کمالات کے جامع ہیں۔ اس لیے سب سے افضل و اکمل ہیں۔ (روح المعانی)(2)

حسنِ یوسُف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تُو تنہا داری

۱۱۱ بعض کفّار اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ نبوت کا دعویٰ صرف مال و دولت اکٹھا کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرماتے ہیں کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ دعوتِ اسلام میرا پیشہ نہیں بلکہ مقصدِ حیات ہے۔ میں اِس کے ذریعہ سے دولت جمع نہیں کرنا چاہتا بلکہ میرا مدعا تو فقط یہ ہے کہ تم گمراہی کی دلدل سے نکل کر شاہراہِ ہدایت پر آجاؤ۔ تمہارے رب سے تمہارا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جوڑ دیا جائے(3)۔

۱۱۲ جو کتاب میں تمہیں پڑھ کر سُناتا اور سمجھاتا ہوں اس سے میری ذاتی اغراض وابستہ نہیں۔ یہ تو ہر قسم کی اغراض سے بالاتر ہے، یہ تو ایک آفاقی دعوتِ رشد اور ایک عالمی پیغامِ ہدایت ہے۔ اس کے پیش نظر کسی شخص، کسی قوم اور کسی ملک کی برتری دوسروں پر قائم کرنا نہیں بلکہ سب کو ایک سطح پر ایک صف میں کھڑا کرنا اور امن و سلامتی کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ عرب اپنی قومی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 35
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 217
3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 2، ص 156

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ

اَور نہ قدر پہچانی ۱۱۳؎ انھوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر ۱۱۴؎ پہچاننے کا جب کہا اُنھوں نے کہ نہیں اُتاری اللہ نے کسی آدمی پر

اور لسانی برتری پر محکم یقین رکھتے تھے۔ ان کی عرب قومیت کے جذبات کو مشتعل کر کے اور اُن کے دلوں میں دوسرے ممالک پر عربی غلبہ و اِقتدار کی ہوس بیدار کر کے اپنی طرف مائل کرنا بہت آسان تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اِتنی مشکلات سے بھی دوچار نہ ہونا پڑتا۔ لیکن یہ کامیابی عارضی اور وقتی ہوتی۔ اگر ایسا کیا جاتا تو ایک عالمی دین قوم و وطن کی تنگ حدود میں بند ہو کر رہ جاتا۔ اس لیے جہاں کہیں بھی قرآن کا ذِکر کیا گیا ہے کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ عرب کے لیے ہے بلکہ فرمایا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ سب جہانوں کے لیے ہے۔ سب شرقی و غربی، رومی و حبشی، عربی اور عجمی کے لیے اس کا پیغام ہدایت ہے۔

۱۱۳؎ قدر کا کیا معنی ہے؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ قدر کا اصلی معنی تو کسی چیز کی مقدار کو جاننا ہے لیکن اب اس کا اطلاق کسی چیز کو اس کے تمام پہلوؤں سے پہچاننے پر ہوتا ہے۔ اب کثرتِ اِستعمال سے یہی اِس کا معنی حقیقی ہو گیا ہے۔ وَاَصْلُ الْقَدْرِ مَعْرِفَةُ الْمِقْدَارِ بِالسَّبْرِ ثُمَّ اسْتُعْمِلَ فِيْ مَعْرِفَةِ الشَّيْءِ عَلٰى اَتَمِّ الْوُجُوْهِ حَتّٰى صَارَ حَقِيْقَةً فِيْهِ (روح)(1)

اخفش کہتے ہیں کہ وہ لوگ جن کی زبان سے اگلا جملہ نکل رہا ہے اُنہوں نے گویا اللہ تعالیٰ کو صحیح طور پر پہچانا ہی نہیں۔ اس کی حکمت اور رحمت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا(2)۔

۱۱۴؎ یہ کہنے والے کون تھے؟ بعض نے کہا کہ مشرکین مکہ نے یہ بات کہی تھی۔ کیونکہ وہ سرے سے ہندوستان کے برہمنوں کی طرح وحی اور نبوت کے ہی قائل نہ تھے۔ لیکن اِس پر یہ شُبہ وارد ہوتا ہے کہ ان کے نظریہ کی تردید حضرت موسیٰ پر نزول تورات سے درست نہیں۔ کیوں کہ وہ تو موسیٰ کی نبوت کے بھی قائل نہ تھے۔ اور جمہور کا یہ خیال ہے کہ یہ بات یہود نے کہی تھی۔ لیکن اس پر شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ یہود یہ کیوں کر کہہ سکتے تھے کہ کوئی اِنسان نبی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ وہ حضرت موسیٰ اور صدہا دوسرے انبیاء کی نبوت کو تسلیم کرتے تھے۔ نیز یہ سورت مکی ہے اور مکہ میں یہود موجود ہی نہ تھے۔ تو ان سے یہ مکالمہ کیسے ہوا۔ اِس لیے اِس آیت کی وضاحت ضروری ہے۔ حقیقت یوں معلوم ہوتی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت اور نزولِ وحی کا دعویٰ کیا تو اہلِ مکہ کے لیے یہ بالکل انوکھی چیز تھی۔ وہ اِس بات کے قائل ہی نہ تھے کہ کوئی نبی بھی خدا کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور اس پر خدا کی طرف سے وحی بھی آتی ہے۔ پہلے پہل تو اُنہوں نے صاف اِنکار ہی کر دیا۔ لیکن جب آیاتِ قرآنی کا جمال ان کے دلوں کو لبھانے لگا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رُوح پرور سیرت انہیں اپنی طرف مائل کرنے لگی تو وہ اب مسئلہ کو سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اس مشکل کو حل کرنے کے لیے اُنہوں نے یہودِ یثرب کی طرف رجوع کیا۔ ان کوتاہ اندیشوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں اپنی محرومی اور ذِلت نظر آ رہی تھی۔ اُنہیں اپنے ہاتھوں اپنا تاج اُتار کر دوسرے کے سر پر رکھنا کب گوارا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے از راہِ عناد و حسد اپنے مسلّمات اور نظریات کے خلاف انہیں کہلا بھیجا کہ اَے اہل حرم! تم اس شخص کو ہرگز نبی نہ ماننا۔ ہم اپنے علم کی بناء پر تمہیں بتاتے ہیں کہ خدا نے آج تک کسی انسان پر وحی نہیں بھیجی تو یہ انسان ہو کر کیسے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج7، ص218 2۔ ایضاً

شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ

کوئی چیز (یعنی وحی) آپ پوچھیے کس نے اُتاری تھی وُہ کتاب جسے لے آئے تھے مُوسیٰ (جو سراسر) نُور تھی اور (سراپا)

هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ

ہدایت تھی لوگوں کے لیے تم نے بنا لیا ہے اسے الگ الگ کاغذ ۱۱۵ ظاہر کرتے ہو اسے اور چھپا لیتے ہو (اس کا) بہت سا (حصّہ)

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ

اور تمھیں سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے باپ دادا آپ فرمادیجئے اللہ! پھر چھوڑ دیجئے انھیں ۱۱۶

خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ

(تاکہ) وُہ اپنی بیہُودہ باتوں میں کھیلتے رہیں اور یہ (قرآن) کتاب ہے۔ ہم نے اُتارا ہے اِس کو ۱۱۷ بابرکت ہے تصدیق کرنے والی ہے

نبی ہیں اور وحی سے مشرف ہیں۔ ان یہود کے ردّ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارا یہ قول درست ہے تو پھر موسیٰ علیہ السلام بھی تو انسان تھے ان پر وحی کیسے نازل ہوئی۔ اور تورات کون لایا؟ جب موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی حالانکہ وہ انسان تھے تو حضور پرنور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کے نازل ہونے میں کیا شک ہے(1)۔

۱۱۵ یہود کے اِس قول کی تکذیب کرنے کے بعد ان کی مزید مذمت کی جارہی ہے کہ تم تو وہ ناشکرے اور احسان فراموش ہو کہ تورات جیسی سراپا نور و ہدایت کو تم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جس حصّہ کو اپنی خواہشات اور اَغراض کے مطابق پایا اسے اپنا لیا اور جس حصہ کو اپنے دنیاوی مقاصد سے متصادم محسوس کیا اسے چھپا دیا۔ کیا وحی الٰہی کے امینوں اور رسالت موسوی کے وارثوں کو یہ بات زیب دیتی ہے؟

۱۱۶ اے حبیب! ان سے زیادہ بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے۔ تمہارے انکار سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہ کہہ کر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اللہ تعالیٰ ان کو کیفر کردار تک پہنچائے گا۔

۱۱۷ اس کتاب کی متعدّد صفات اور خصوصیات بیان ہو رہی ہے جس کے بارے میں اہل مکہ اِس کشمکش میں مبتلا تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بھی یا نہیں۔ فرمایا یہ مبارک ہے یعنی برکت والی ہے۔ برکت کا معنی ہے اَلزِّیَادَۃُ وَالنَّمَاءُ(2)۔ کسی تھوڑی چیز کا زیادہ ہو جانا۔ کسی چھوٹی چیز کا بڑا ہو جانا۔ اُمت اِسلامیہ کی ساری تاریخ قرآن کی اِس ایک صفت کی جلوہ گاہ ہے۔ عرب کے ان پڑھ ساربان وسیع ملکوں اور عظیم قوموں کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور ساری دنیا عدل و انصاف، پاکیزگی اور

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج2، ص156۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج7، ص177

2۔ المعجم الوسیط، ص:52

بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

اس (وحی) کی جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) اور اس لیے تاکہ ڈرائیں آپ مکّہ (والوں) کو اور جو اس کے ارد گرد ہیں اور جو ایمان لاتے ہیں

بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ

آخرت کے ساتھ وُہ ایمان رکھتے ہیں اس پر (بھی) اور وُہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں اور کون

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ

زیادہ ظالم ہے ۱۱۸ اس سے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا یا کہے کہ وحی کی گئی ہے میری طرف حالانکہ نہیں وحی

اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ

کی گئی اُس کی طرف کچھ بھی اور (کون) زیادہ ظالم ہے اس سے جو کہے کہ میں (بھی) نازل کروں گا ایسا ہی (کلام) جیسے نازل کیا ہے اللہ نے کاش تم دیکھو جب

تقویٰ کے نور سے جگمگا اٹھتی ہے۔ وہ ایک ایک کوڑی کے لیے انسانی جان ضائع کرنے والا بھوکا بدو اِتنا سیر چشم اور دل کا غنی ہو جاتا ہے کہ کسریٰ کے محلات کی ثروت اور بیش قیمت ساز و سامان اس کی حفاظت میں مدینہ طیبہ بھیجا جاتا ہے اور اس میں ایک سوئی کی خیانت بھی نہیں ہوتی۔ سنگ دل اعرابی اِس کتاب کے اثر سے اِتنا رحیم و کریم ہو جاتا ہے کہ وہ اس خیمہ کو اُکھاڑنا بھی گوارا نہیں کرتا جس میں ایک فاختہ نے انڈے دے رکھے ہیں۔ اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ سابقہ کتابوں اور انبیاء کی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کے ماننے والوں اور مخالفین کے ہاتھوں ان میں جو ردوبدل ہو گیا ہے اس کا پتہ بتاتی ہے۔ اور اِس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اہل مکہ اور اس کے شرق و غرب اور جنوب و شمال میں پھیلی ہوئی ساری انسانی دنیا کو خدا کے عذاب سے اور بدکاریوں کے طبعی نتائج سے ڈراتی ہے۔ اَے مکہ کے دانشورو! تم خود سوچو جو کتاب اِن خوبیوں کی حامل ہو۔ اور جس کے پیشِ نظر سارے عالم اِنسانیت کی اِصلاح ہو اور جس کے اثر سے ان وحشیوں اور درندہ صفت بدوؤں سے ایک ایسی جماعت بھی تیار ہو چکی ہو جو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل میں سرگرم ہو کیا یہ کسی انسان کی بنائی ہوئی کتاب ہو سکتی ہے۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو اس نے اپنی ساری مخلوق کی ہدایت کے لیے اپنے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر نازل فرمائی ہے۔

۱۱۸ واقعی اس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم اور نوعِ انسانی کا دشمن ہو سکتا ہے جو اپنی من گھڑت باتوں کو وحیِ الٰہی کہہ کر لوگوں کے سامنے پیش کرے اور ان پر ایمان لانے کی دعوت دے یا یہ دعویٰ کرے کہ کلامِ الٰہی کی طرح میں کلام نازل کر سکتا ہوں۔ جو بد نصیب ایسے گستاخوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور بعض دوسرے لوگ ان کے کلام کی لغویت اور بے ہودگی سے متنفر ہو کر وحیِ الٰہی سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا نقصان اور خسارہ ہے۔

الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا

ظالم ۱۱۹ موت کی سختیوں میں (گرفتار) ہوں اور فرشتے بڑھا رہے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ (اور انھیں کہیں کہ) نکالو ۱۲۰

اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى

اپنی جانوں کو۔ آج تمھیں دیا جائے گا ذلّت کا عذاب اس وجہ سے کہ تم بہتان لگاتے تھے اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا

پر ناحق اور تم اس کی آیتوں (کے ماننے) سے تکبّر کیا کرتے تھے اور بے شک آ گئے ہو تم ہمارے پاس ۱۲۱

فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ

اکیلے اکیلے جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمھیں پہلی دفعہ اور تم چھوڑ آئے ہو جو ہم نے عطا فرمایا تھا تمھیں اپنے پیچھے

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ

اور ہم نہیں دیکھتے تمھارے ساتھ ان سفارشیوں کو جن کے متعلق تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمھارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں

۱۱۹ ان گستاخوں اور بیباکوں کے حسرت ناک انجام کا ذکر ہو رہا ہے۔ غَمَرَاتٌ کا واحد غَمْرَةٌ ہے۔ غَمْرَةٌ اس کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو ڈبو دے اور اس کو ڈھانپ لے وَمِنْهُ غَمْرَةُ الْمَاءِ(1)۔ یہاں غمرات سے مقصود موت کی سختیاں اور تکلیفیں ہیں۔

۱۲۰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مرتے وقت کافر کی رُوح کو کہا جائے گا اس کے بدن سے نکلو اس حال میں کہ تم خود بھی اِس مفارقت پر ناراض ہو اور خدا بھی تم پر ناراض ہے۔ نکلو عذابِ الٰہی کی سختیوں کی طرف۔ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَةُ اخْرُجِیْ سَاخِطَةً مَّسْخُوْطَةً عَلَیْكِ اِلٰی عَذَابِ اللّٰهِ(2)۔ اگرچہ جسم سے رُوح کو ملک الموت نکالے گا لیکن زجر و توبیخ کے لیے انہیں یہ کہا جائے گا۔

۱۲۱ فُرَادٰی کا واحد فَرْدَان ہے جیسے سُکَارٰی کا سَکْرَان۔ اور بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ اس کا واحد فرد ہے۔ اس کا معنی ہے اکیلے اکیلے (قرطبی)(3) خَوَّلْنَا اَیْ اَعْطَیْنَا۔ وہ ظالم جو خود نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ایسی وحی تو ہم بھی اُتار سکتے ہیں ان کی حالت ذرا قیامت کے دن دیکھنے کے قابل ہوگی۔ تن تنہا بے یار و مددگار بارگاہِ ربّ ذوالجلال میں پیش کیے جائیں گے۔ اور وہ جھوٹے خدا جن کی وہ عُمر بھر پرستش کرتے رہے ان کا وہاں نام و نشان تک نہ ہوگا وہ گہرے تعلقات اور بڑی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 41 2۔ ایضاً، جز 7، ص 42 3۔ ایضاً

ع ۱۱ ۱۷

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ

بے شک ٹوٹ گئے تمہارے سارے رشتے اور کھو گئے تم سے جو تم دعوے کیا کرتے تھے بے شک اللہ تعالیٰ ہی ۱۲۲

الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ

پھاڑنے والا ہے دانے اور گٹھلی کو نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور نکالنے والا ہے مُردہ کو زندہ سے ۱۲۳

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا

یہ ہے اللہ ۱۲۴ پس کدھر تم بہکے چلے جا رہے ہو وُہ نکالنے والا ہے صبح کو (رات کی تاریکی سے) ۱۲۵ اور بنایا ہے اُس نے رات کو آرام کے لیے

بڑی توقعات سب ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ شُفَعَاءُکُمْ سے مراد وہ بت ہیں جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اور انہیں خدا کا شریک بناتے تھے۔ یُرِیْدُ الْاَصْنَامَ وَکَانَ الْمُشْرِکُوْنَ یَقُوْلُوْنَ الْاَصْنَامُ شُرَکَاءُ اللّٰہِ وَ شُفَعَاءُنَا عِنْدَہٗ (القرطبی) (1) مراد بت ہیں۔ مشرک کہا کرتے کہ ان کے بت اللہ کے شریک اور ان کے شفیع ہیں۔

۱۲۲ اَلْفَلَقُ: اَلشَّقُّ فلق کا معنی ہے چیرنا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے وہ کرشمے جن کا ہم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہیں ان کا ذِکر کر کے ان میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے اور پوچھا جا رہا ہے کہ اے عقل کے دشمنوں! یہ بتاؤ کہ عبادت کے لائق وہ ذاتِ والا صفات ہے جس کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں کہ وہ خشک دانے اور سخت گٹھلی کو چیر کر اس سے سرسبز پودے اور بلند و بالا درخت اُگاتا ہے۔ یا وہ بے بس اور بے جان پتھر وغیرہ کے بت جنہیں اپنی بھی خبر نہیں۔ گندم کے دانے کا دل چیر کر کس طرح گندم کا پودا نکلتا ہے جس کی کئی بالیں ہوتی ہیں اور ہر بال پر الگ الگ خوشہ ہوتا ہے جس میں سینکڑوں دانے مضبوط غلافوں میں لپٹے ہوئے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس چھوٹے سے دانے میں سے کیونکر نکلا۔ اور اب تک اِس میں کیونکر سمٹا رہا۔ آم کی چھوٹی سی گٹھلی سے اِتنا بڑا درخت کیسے پیدا ہو گیا۔ اگر انسان اِسی میں تامل کرے تو حقیقت روشن ہو جاتی ہے (2)۔

۱۲۳ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دوسرا اعجاز۔ بے جان انڈے سے جاندار مرغی اور قطرہ آب سے زندہ انسان یا بد سے نیک اور نیک سے بد۔

۱۲۴ ذلکم مبتداء اللہ خبر ہے۔ یعنی اللہ اور معبودِ برحق تو وہ ذات ہے جس کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں۔ تعجب ہے تم پر اگر اس کے بعد بھی تم دوسروں کو خدا سمجھتے رہو (3)۔

۱۲۵ صبح، صباح اور اِصباح تینوں ہم معنی ہیں (قرطبی) سکناً کا معنی ہے آرام اور راحت کا وقت۔ اَیْ مَحَلًّا لِّلسُّکُوْنِ (قرطبی) حُسْبَانًا اَیْ بِحِسَابٍ یَّتَعَلَّقُ بِہٖ مَصَالِحُ الْعِبَادِ (قرطبی) (4) یعنی اس حساب اور اندازے سے سورج اور چاند کی حرکت مقرر فرما دی ہے جس سے دن، مہینے اور سال بنتے ہیں۔ جس سے گرمی، سردی، بہار اور خزاں کے موسم ظہور پذیر ہوتے ہیں جن سے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 43 2۔ ایضاً، جز 7، ص 44 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، جز 7، ص 45

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ

اَور (بنایا ہے) سُورج اَور چاند کو حساب کے لیے یہ اندازہ ہے (مقرر کیا ہوا) سب سے زبردست، سب کچھ جاننے والے کا اَور وُہی ہے

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ

جس نے بنایا ہے تمھارے لیے ستاروں کو تاکہ سیدھی راہ معلوم کر سکو اُن سے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ

بے شک ۱۲۶ ہم نے کھول کر بیان کر دیئے ہیں دلائل ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں اَور وُہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک

نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ

جان سے ۱۲۷ پھر (تمھارے لیے) ایک ٹھیرنے کی جگہ ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی بے شک ہم نے تفصیل سے بیان کر

اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہر طرح مستفید ہوتی ہے۔ پہلی آیت میں دانہ اور گٹھلی جو بظاہر معمولی چیزیں ہیں ان کا ذِکر فرمایا تھا۔ اِس آیت میں نظام شمسی کے دو اہم ستاروں سورج اور چاند کا ذِکر ہو رہا ہے۔ بتانا یہ ہے کہ کارخانہ ہستی کی ہر چھوٹی بڑی چیز اسی کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ ہے۔ اسی کی حکمت اور علم نے ان کے لیے ایسے اندازے اور ضابطے مقرر کر دیئے ہیں جن کے وہ پابند ہیں اور سب اُس کے حکم کی تعمیل اور اس کے فرمان کی بجا آوری میں سرگرم عمل ہیں۔ اور زندگی کی یہ ہماہمی موجود ہے۔

۱۲۶ یعنی اہلِ علم و دانش کے لیے کائناتِ ہستی کی ہر چیز میں توحید کی دلیلیں موجود ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی آپ کوئی چیز لیں اس کی وضع و قطع کی موزونیت، اس کی خصوصیات، اس کے اَن گنت فوائد اور پھر سارے نظامِ عالم کے ساتھ اس کی وابستگی کو دیکھ کر انسان مجبوراً کہہ اُٹھتا ہے کہ اس کے بنانے والی ذات بڑی قدرت، علم اور حکمت کی مالک ہے۔ جتنا علم زیادہ ہو گا اسی مناسبت سے عرفان توحید زیادہ ہو گا۔

۱۲۷ زمین و آسمان کی مختلف اشیاء کے ذِکر کے بعد قدرت اپنے شاہکار حضرت انسان کا ذِکر کر رہی ہے کہ ان سب کا اصل الاصول اور جدامجد ایک آدم ہے علیہ السلام۔ مستقر کا معنی ہے قرار پکڑنے کی جگہ۔ مستودع کہتے ہیں اُس جگہ کو جہاں کوئی چیز بطور امانت رکھی جاتی ہے۔ آیت میں اِن الفاظ سے کیا مراد ہے۔ اس کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ مستقر سے مراد ماں کا شکم ہے اور مستودع سے باپ کی پیٹھ۔ بعض نے کہا کہ مستقر سے مراد زمین ہے جہاں انسان دنیوی زندگی بسر کرتا ہے اور مستودع سے مراد قبر ہے جہاں مرنے کے بعد حشر تک کا درمیانی عرصہ گزارنا ہوتا ہے (1)۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 47

يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ

دی ہیں دلیلیں ان لوگوں کے لیے جو (حقیقت کو) سمجھتے ہیں اور وہی ہے ۱۲۸؎ جس نے اتارا بادل سے پانی تو ہم نے نکالی اس کے ذریعہ سے اگنے

كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ

والی ہر چیز پھر ہم نے نکال لیں اس سے ہری ہری بالیں نکالتے ہیں اس سے (خوشہ جس میں) دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں اور

مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ

(نکالتے ہیں) کھجور سے یعنی اس کے گابھے سے گچھے نیچے جھکے ہوئے اور (ہم نے پیدا کیے) باغات انگور اور

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ

زیتون اور انار کے بعض (شکل و ذائقہ میں) ایک جیسے ہیں اور بعض الگ الگ دیکھو ہر درخت کے پھل کی طرف

اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا

جب وہ پھل دار ہو اور (دیکھو) اس کے پکنے کو ۱۲۹؎ بے شک ان میں ۱۳۰؎ نشانیاں ہیں (اس کی قدرتِ کاملہ کی) اس قوم کے لیے جو ایمان دار ہے اور بنایا

۱۲۸؎ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی اعجاز آفرینیوں کے ذکر کا سلسلہ جاری ہے۔ یہاں انسانی بقا کے لیے اس کی خوراک کا جو انتظام فرمایا گیا ہے اس کا بیان ہو رہا ہے۔ خضر بمعنی اخضر یعنی سرسبز ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گندم، جو، مکئی اور چاول کے پودے ہیں جن پر خوشے لگتے ہیں۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُرِيْدُ الْقَمْحَ وَالشَّعِيْرَ وَالسُّلْتَ وَالذُّرَةَ وَالْاَرُزَّ وَ سَائِرَ الْحُبُوْبِ (قرطبی) (1) قِنْوَانٌ جمع ہے قِنْوٌ یا قُنْوٌ کی اس کا معنی ہے گچھا۔

۱۲۹؎ یہاں دیکھنے سے مراد سرسری دیکھنا نہیں بلکہ غور و تدبّر سے دیکھنا ہے تاکہ قدرت کی کرشمہ سازی اور اس کی حکمت کی پُختہ کاری کے جلوے نظر آنے لگیں۔ يَنْعِه مصدر مضاف ہے ضمیر کی طرف اس کا معنی ہے پھل کا پکنا۔ قال الجوهری يَنَعَ الثَّمَرُ يَيْنَعُ وَيَيْنِعُ يَنْعًا و يُنْعًا و يُنوعًا اى نَضِجَ (القرطبی) (2)

۱۳۰؎ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا پہچاننا مشکل نہیں۔ تمہارے اوپر اور نیچے، تمہارے دائیں اور بائیں میری مصنوعات اور تخلیقات کا جو بازار سجا ہوا ہے اسی میں غور کرو۔ ہر چیز یہ پکارتی ہوئی سنائی دے گی کہ وہ اپنی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں سمیت خود بخود موجود نہیں ہوگئی بلکہ اس کا ایک بنانے والا ہے جو سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قدرت والا ہے۔ ذرا دیکھو بیج کا دانہ شق ہو رہا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 48 2۔ ایضاً، جز 7، ص 50

لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

اُنھوں نے ۱۳۱؎ اللہ کا شریک جنّوں کو حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے انھیں اور گھڑ لیے ہیں اُنھوں نے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں محض جہالت سے

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى ع ۱۲ ۱۸

پاک ہے وُہ اور برتر ہے اس سے جو وُہ بیان کرتے ہیں مُوجد ہے آسمانوں ۱۳۲؎ اور زمین کا کیوں کر

ہے۔اس میں سے ایک نرم و نازک بال نکل آئی ہے۔اسے آپ کمزور نہ سمجھیے یہ تو مٹی کی کئی اِنچ موٹی تہ کو چیر کر نکلی ہے۔یہ بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔وہ بال اب ایک ننھے سے تنے میں تبدیل ہورہی ہے۔ہوا کے تھپیڑوں کو برداشت کرنے کے لیے مناسب فاصلوں پر اس میں گرہیں ڈالی جارہی ہیں۔اب اس کے سر پر ایک خوشہ سا نمودار ہوگیا ہے۔اس کی جیبیں اب دانوں سے بھر گئی ہیں۔یہ پودا جو پہلے ہرا بھرا اور نرم و نازک تھا اب اپنا رنگ تبدیل کررہا ہے۔غور کرنے والی آنکھ خود فیصلہ کرلے کہ کیا یہ اندھے مادے کی کاریگری ہے یا علیم و حکیم پروردگار کی صنعت کا اعجاز ہے۔پھل لگنے سے لے کر پکنے تک اس کی مقدار، اس کی بو اور اس کے ذائقہ میں آہستہ آہستہ موقع بموقع جو تبدیلیاں رُونما ہوتی رہتی ہیں اسی پر انسان غور کرے تو حقیقت واضح ہوجائے گی(1)۔اِس آیت میں اُنْظُرْ کے معنی سرسری دیکھنے کے نہیں بلکہ غور و فکر سے دیکھنے کے ہیں۔اَیْ نَظَرَ اعْتِبَارٍ لَا نَظَرَ الْاَبْصَارِ الْمُجَرَّدِ عَنِ التَّفَكُّرِ (قرطبی)(2) میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ جس قوم کی آسمانی کتاب نے اُسے کائنات کی ہر چیز میں فکر و تدبّر کرنے کی ترغیب دلائی وہی قوم اِس میدان میں سب سے پیچھے نظر آرہی ہے۔کیا ملت اِسلامیہ کے نوجوان اپنا مقام پہچانیں گے؟ اپنا فریضہ ادا کرنے کے لیے کمر ہمت باندھیں گے؟ اپنے اولوالعزم اسلاف کی طرح لگاتار محنت، مسلسل جدوجہد کو اپنا شعار بنائیں گے؟ اس طرح صرف وہ خود ہی شہرت کے آسمان پر مہر و ماہ بن کر نہیں چمکیں گے بلکہ اپنی ملت کا نام بھی روشن کر دیں گے۔اور انسانیت کی قیادت ایک بار پھر ان ہاتھوں میں آجائے گی جنھیں كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ کا اعزاز بخشا گیا ہے۔

۱۳۱؎ اِن مشرکین کی حماقت کی کوئی حد ہے کہ انہوں نے جنوں کو جو اُن جیسی مخلوق ہیں خدا کا شریک بنایا ہوا ہے۔مزید برآں اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لی ہیں۔یہ ایسی خرافات تھیں جن میں اہل عرب کے علاوہ اور قوتیں بھی مبتلا تھیں۔عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور بعض یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں یقین کرتے تھے۔نعوذ باللہ

۱۳۲؎ بدیع اس پیدا کرنے والے کو کہا جاتا ہے جس نے کوئی نمونہ سامنے رکھے بغیر کسی چیز کو پیدا کیا ہو۔اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ اس نے آسمان اور زمین کو بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونہ کے تخلیق فرمایا۔وہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز اس کی مخلوق ہے خالق اور مخلوق کے درمیان صرف عبودیت اور بندگی کا ہی رشتہ ہے۔فرزندی یا قرابت کا کوئی رشتہ نہیں۔کیوں کہ جس نے محض اپنی قُدرت سے زمین اور آسمان کو پیدا کردیا اسے اب بیٹوں اور دوسرے رِشتہ داروں اور سہاروں کی ضرورت نہیں۔اور اگر تم اپنے اُجڈ پنے سے اُس کی اولاد بنانے پر مصر ہو تو پہلے یہ بتاؤ کہ اس کی بیوی کون ہے جس کے بطن سے اس کی یہ اولاد ہوئی، اور

1۔تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 197 2۔تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 49

يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ

ہو سکتا ہے اس کا کوئی لڑکا حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی ۔ اور پیدا فرمایا ہے اس نے ہر چیز کو اور وہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ

ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے یہ اللہ ہے (جو) تمہارا پروردگار ہے نہیں کوئی خدا سوائے اس کے ۔ پیدا کرنے والا ہے ہر

شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ

چیز کا پس عبادت کرو اس کی اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے نہیں گھیر سکتیں اسے ۱۳۳

جب اس کی بیوی ہی نہیں تو اولاد کہاں سے آ گئی (1)۔

۱۳۳ ادراک کا معنی ہے کسی چیز کو گھیر لینا اور اس کا احاطہ کر لینا۔ اَلْاِدْرَاكُ بِمَعْنَى الْاِحَاطَةِ وَالتَّحْدِيْدِ (قرطبی) (2) اور یہ ظاہر ہے کہ اِحاطہ صرف اس چیز کا کیا جا سکتا ہے جو محدود ہو اور کسی خاص سمت میں پائی جاتی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات نہ تو محدود ہے اور نہ کسی خاص جہت میں موجود۔ اِس لیے اس کا اِحاطہ کرنا ناممکن ہے۔ ہاں دنیا کی اور ہر چیز کتنی بڑی سے بڑی کیوں نہ ہو اس کا کوئی گوشہ اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط سے باہر نہیں ہو سکتا۔ معتزلہ اور خوارج نے اِس آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں اور آخرت میں ناممکن ہے۔ لیکن ان کا یہ اِستنباط غلط ہے۔ کیونکہ قرآن کی دوسری آیات صاف بتا رہی ہیں کہ قیامت کے دن مومنین کو دیدارِ الٰہی ہوگا۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (3) (بعض چہرے اس روز شگفتہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے) اور اگر یہ محال عقلی ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی دیدار کا سوال نہ کرتے۔ کیونکہ نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ ایسی بات کا سوال کرے جو محال ہو۔ نیز احادیث صحیحہ اور جلیل القدر صحابہ اور علماء اُمت کے اقوال سے ثابت ہے کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔ مروان نے حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا هَلْ رَاٰى مُحَمَّدٌ رَّبَّهٗ؟ کیا مصطفیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا فَقَالَ نَعَمْ۔ تو حضرت ابو ہریرہ نے جواب دیا ہاں۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت احمد بن حنبل سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا۔ اَنَا اَقُوْلُ بِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ: بِعَيْنِهٖ رَاٰهُ رَاٰهُ حَتّٰى انْقَطَعَ نَفْسُهٗ: میرا تو وہی قول ہے جو ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ لفظ اِمام احمد نے اتنی بار دُہرایا کہ آپ کا سانس ٹوٹ گیا۔ وَكَانَ الْحَسَنُ يَحْلِفُ بِاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَقَدْ رَاٰى مُحَمَّدٌ رَّبَّهٗ:۔ حضرت حسن بصری فرمایا کرتے مجھے اس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی خدا نہیں حضور علیہ السلام نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ اگر کوئی شخص مُصر ہو کہ آیت میں ادراک کا معنی دیکھنا ہی ہے تو اس کا جواب بھی علماء کرام نے دیا ہے

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج2، ص160 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز7، ص54 3۔ سورۃ القیامۃ: 22-23

الْاَبْصَارُ ۚ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ

نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو اور وہ بڑا باریک بین (اور) پوری طرح باخبر ہے بے شک

جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ

آئیں تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں اپنے رب کی طرف سے ۱۳۴ تو جس نے آنکھوں سے دیکھا تو اُس نے اپنا فائدہ کیا اور جو اندھا بنا رہا

فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَ

تو اُس نے اپنا نقصان کیا اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان اور اسی طرح ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلوں کو

لِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ

اور تاکہ بول اٹھیں یہ لوگ کہ آپ نے خوب پڑھ سنایا ہے ۱۳۵ اور تاکہ ہم واضح کردیں اُس کو اُس قوم کیلیے جو علم رکھتی ہے پیروی کیجیے آپ اس کی جو وحی کی جاتی ہے

کہ عام نگاہیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے شرفِ دیدار سے مشرف کرنا چاہتا ہے تو اس میں ایسی قوت پیدا کردیتا ہے جس سے وہ دیدار کرسکتا ہے۔ جیسے حضور کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اَلْمَعْنٰی لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ الْمَخْلُوْقَةُ فِي الدُّنْيَا لٰكِنَّهٗ يَخْلُقُ لِمَنْ يُّرِيْدُ كَرَامَتَهٗ بَصَرًا وَّاِدْرَاكًا يَّرَاهُ بِهٖ كَمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ (القرطبی)(1)

موسیٰ زہوش رفت زیک جلوۂ صفات تُو عین ذات می نگری در تبسمی

۱۳۴ بصائر بصیرت کی جمع ہے جس طرح جسم کے لیے بصر (بینائی) ہے اسی طرح نفس و رُوح کے لیے بصیرت ہے۔ وَهِيَ لِلنَّفْسِ كَالْبَصَرِ لِلْبَدَنِ (بیضاوی)(2) اور یہاں اِس سے مُراد روشن دلیلیں ہیں يَعْنِيْ بِالْبَصِيْرَةِ الْحُجَّةَ الْبَيِّنَةَ الظَّاهِرَةَ (القرطبی)(3) اس آیت کا مقصد یہ ہوا کہ تمہاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے روشن دلیلیں آگئی ہیں۔ اگر تم ان کی روشنی میں چلو گے تو اس میں تمہارا ذاتی فائدہ ہے۔ کیوں کہ اِس طرح دین اور دنیا کی عزتوں سے سرفراز کیے جاؤ گے۔ اور اگر آنکھیں بند رکھو گے تو خود ہی ہلاکت کے گڑھے میں گرو گے کسی کا کیا بگڑے گا۔

۱۳۵ دَرَسَ۔ دِرَاسَةً سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے کسی کو پڑھ کر سنانا (اَلْقِرَآءَةُ عَلَى الْغَيْرِ) مقصد یہ ہے کہ اگر ہم اپنی توحید کی دلیلوں کو صرف ایک ہی بار بیان کرتے تو کوئی سنتا اور کوئی نہ سنتا، کوئی سمجھتا اور کوئی نہ سمجھتا۔ اور اگر ایک ہی آیت کا بار بار تکرار ہوتا تو شاید کوئی اُکتا جاتا۔ اِس لیے ہم اِن دلائل کو مختلف رنگوں اور متعدد اسلوبوں سے بیان کرتے ہیں تا کہ آپ کے مخاطب یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں کہ واقعی آپ نے پوری طرح دلیلیں ہمیں پڑھ کر سنائی ہیں اور سمجھانے کا حق ادا کر دیا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 56-54 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص: 186 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 57

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ

آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے نہیں کوئی معبود بجز اس کے ۱۳۶ اور منہ پھیر لو مشرکوں کی طرف سے اور

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ

اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو وہ شرک نہ کرتے اور نہیں بنایا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان اور نہیں ہیں

عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

آپ ان کے ذمہ دار اور تم نہ برا بھلا کہو ۱۳۷ انہیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا

اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪

(ایسا نہ ہو) کہ وہ بھی برا بھلا کہنے لگیں اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے۔ یونہی آراستہ کر دیا ہے ہم نے ہر امت کے لیے ان کا عمل

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَ

پھر اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے انہوں نے پھر وہ انہیں بتائے گا جو وہ کیا کرتے تھے اور

آیت کے اور مطالب بھی بیان کیے گئے ہیں لیکن یہ قول سب سے عمدہ ہے۔ قَالَ النُّحَاسُ فِی الْمَعْنٰی قَوْلٌ آخَرُ حَسَنٌ (قرطبی)(1)

۱۳۶ آپ کفار کی گمراہی پر ملول اور غمگین نہ ہوں۔ آپ نے فہمائش کا حق ادا کر دیا۔ آپ زیادہ توجہ احکام الٰہی کی بجا آوری کی طرف دیا کریں۔ اَیْ لَا تُشْغِلْ قَلْبَكَ وَ خَاطِرَكَ بِهِمْ بَلِ اشْتَغِلْ بِعِبَادَةِ اللّٰهِ (قرطبی)(2)

۱۳۷ مبلغ اگر صحیح تربیت یافتہ نہ ہو تو اپنے نظریات اور عقائد کی تبلیغ و اشاعت کے جوش میں وہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے اور معقولیت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے نظریات اور عقائد کے متعلق اس کے سامعین کے دلوں میں نفرت اور تعصب پیدا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات نوبت گالی گلوچ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس آیت سے مبلغین اسلام کی تربیت مقصود ہے تاکہ وہ اسلام کی دعوت کو پوری شائستگی اور متانت سے پہنچانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اُنہیں حکم دیا کہ مشرکین کے باطل خداؤں کو برا بھلا نہ کہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مشتعل ہو کر تمہارے معبود برحق کی جناب میں گستاخی کرنے لگیں۔ اِس انداز سے اُنہیں اسلام کا پیغام پہنچاؤ اور اُن کے عقائدِ باطلہ کی تردید کرو کہ اُنہیں تمہاری دعوت قبول کرنے کے بغیر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 58-59 2۔ ایضاً، جز 7، ص 60

اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ

وُہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی ۱۳۸ پوُری کوشش سے کہ اگر آگئی ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے

بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا یُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ

اس کے ساتھ۔ آپ فرمائیے کہ نشانیاں تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمھیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آجائے گی تو

لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ

(تب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے اور ہم پھیر دیں گے ۱۳۹ ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وُہ نہیں

یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳ ۱۰ ۱۹

ایمان لاتے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انھیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

کوئی چارۂ کار ہی نہ رہے۔ عَدْوًا اَیْ جَهْلًا وَّ اعْتِدَاءً جہالت اور زیادتی سے۔ علماء اصول نے اِس آیت سے سدذرائع کا قاعدہ اخذ کیا ہے جس کا مختصراً مطلب یہ ہے کہ ہر مباح کام جب کسی معصیت کا سبب بن جائے تو اس کو ترک کر دیا جائے گا۔

۱۳۸ کفّارِ قریش نے ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا مار کر پتھر سے پانی کے چشمے جاری کر دیا کرتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ اور ثمود کے پاس ایک اونٹنی تھی۔ آپ بھی ہمیں کوئی نشانی دِکھایئے تا کہ ہم آپ کی تصدیق کریں۔ حضور نے فرمایا کون سی نشانی چاہتے ہو۔ کہنے لگے کہ اگر یہ صفا کی پہاڑی سونا بن جائے تو ہم اِیمان لائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی تو جبرئیل حاضر ہوئے اور آ کر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو صفا کی پہاڑی ابھی سونا بن جائے۔ لیکن جس نے اس کے بعد انکار کیا اُسے اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے گا۔ یا آپ انہیں اپنے حال پر رہنے دیں تا کہ جس وقت کوئی چاہے تائب ہو جائے اور اسلام قبول کرے تو حضور نے فرمایا بَلْ یَتُوْبُ تَائِبُهُمْ یعنی مجھے دوسری صورت پسند ہے (1)۔

۱۳۹ یعنی ان کا یہ کہنا دُرست نہیں کہ آج تک ہمیں کوئی نشانی اور معجزہ نہیں دکھایا گیا۔ اِس لیے ہم ایمان نہیں لائے بلکہ پیش ازیں بھی اُنہوں نے قدرتِ خداوندی کی نشانیاں اور معجزات دیکھے لیکن محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے اُنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اب بھی اگر کوئی معجزہ انہیں دکھایا جائے گا تو یہ اپنے سابقہ دستور کے مطابق قبولِ حق کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اور ہم بطور سزا ان کے دلوں کو حق کی طرف سے پھیر دیں گے اور ان کی آنکھوں سے دیکھنے کی قوت چھین لی جائے گی۔ پھر وہ گمراہی اور جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھریں گے۔

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 210 و دیگر تفاسیر

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا

اور اگر ہم ۱۴۰؎ اُتارتے اُن کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے اُن سے مُردے (قبروں سے اُٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے

عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

ہر چیز کو ان کے رُوبرو تب بھی وُہ اِیمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ ۱۴۱؎

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا

لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں اور اِسی طرح بنا دیئے ۱۴۲؎ ہم نے ہر نبی کے لیے دُشمن

۱۴۰؎ کفار نت نئے معجزہ کی فرمائش کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ان سب کی فرمائشیں پوری کر بھی دی جائیں فرشتے آسمان سے اُتر کر ان کے پاس آ کھڑے ہوں۔ مردے قبروں سے نکل کر ان سے باتیں کرنے لگیں۔ اور ہر چیز ان کے سامنے آ موجود ہو تو پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کے دلوں میں تلاشِ حق کا جذبہ ہی نہیں۔ ہدایت کی طلب ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کا راہِ راست پر آنا ممکن نہیں۔

۱۴۱؎ ہاں ان کے ایمان لانے کی ایک صورت ہے کہ اُن سے اختیار اور اِرادہ کی قوت سلب کر لی جائے اور انہیں مجبورِ محض بنا کر ایمان لانے کا حکم دیا جائے۔ لیکن ایسا کرنا منظور نہیں کیونکہ حکمت الٰہی کا یہ منشا نہیں کہ انسان بھی دوسرے حیوانوں کی طرح عقل وخرد، سوچ بچار، اِرادہ و اِختیار سے یکسر محروم ہو کر پابند احکام بن جائے۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ انہیں کوئی ایسا معجزہ دکھایا جائے جس کو دیکھنے کے بعد وہ بے اِختیار ہو کر اِسلام کو قبول کر لیں۔

۱۴۲؎ شیاطین سے مراد ہر سرکش اور نافرمان ہے خواہ انسان ہو یا جن۔ وَالشَّيْطَانُ كُلُّ عَاتٍ مُّتَمَرِّدٍ مِّنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَهٰذَا قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ (کبیر)(1) سرکش انسانوں اور جنوں کی باہمی وسوسہ اندازی کو وحی کے لفظ سے اِس لیے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ سب باتیں بڑی راز داری سے ہوتی ہیں وَسُمِّيَ وَحْيًا لِاَنَّهٗ اِنَّمَا يَكُوْنُ خُفْيَةً (قرطبی)(2) زُخْرُفَ الْقَوْلِ کا معنی ہے ملمع شدہ باتیں جن کی حقیقت کچھ نہ ہو۔ لیکن ظاہر اتنا دلکش اور نظر فریب ہو کہ انسان خود بخود اس کی طرف کھچا چلا جائے (3)۔ عَدُوٌّ (واحد) اَعْدَاءٌ (جمع) کے معنی میں ہے۔ اس کی متعدد نظیریں قرآن کریم میں نیز فصحاء عرب کے کلام میں ملتی ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے۔ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (4) یہاں طفل جمع کے معنی میں مستعمل ہوا ہے (5)۔ اسی طرح ابن الانباری نے ایک شعر پڑھا۔

اِذَا اَنَا لَمْ اَنْفَعْ صَدِيْقِيْ بِوُدِّهٖ فَاِنَّ عَدُوِّيْ لَنْ يَّضُرَّهُمُوْ بُغْضِيْ (رازی)(6)

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 7، جز 13، ص 161
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 67
3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 7، جز 13، ص 163
4۔ سورۃ النور: 31
5۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 7، جز 13، ص 162
6۔ ایضاً

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ

(یعنی) سرکش اِنسان اور جنّ جو چُپکے چُپکے سِکھاتے تھے ایک دُوسرے کو خوش نما باتیں

الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا

(لوگوں کو) دھوکہ دینے کے لیے اور اگر چاہتا آپ کا رب تو وُہ یہ نہ کرتے سو چھوڑ دیجئے انھیں اور جو وُہ بُہتان

يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

باندھتے ہیں اور (چھوڑیئے) تاکہ مائل ہو جائیں اس کی طرف ان کے دل جو نہیں اِیمان لاتے

بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ

آخرت پر۱۴۳ اور تاکہ پسند کریں اسے اور کرتے رہیں جو گناہ وُہ اب کر رہے ہیں (آپ اِن سے پوچھئے) کیا

اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ

اللہ کے سوا۱۴۴ میں تلاش کروں کوئی اور منصف حالانکہ وہی ہے جس نے اُتاری ہے تمھاری طرف کتاب مفصّل

یہاں عدو بمعنی اعداء اِستعمال ہوا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ کی ترکیب کیا ہے بعض نے عدوا کو مبدل منہ بنایا ہے شیاطین الخ کو بدل۔ اور بعض علماء کے نزدیک شیاطین الخ جعلنا کا مفعول اول ہے اور عدوا مفعول ثانی ہے(1)۔ آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے۔ اَے حبیب! یہ نابکار جو آپ کو تنگ کرتے ہیں۔ بات بات پر اعتراض۔ قدم قدم پر شرارت اور اسلام کو زک پہنچانے کے لیے ہر وقت آپس میں صلاح مشورے کرتے رہتے ہیں اور آپ کی مخالفت پر ایک دوسرے کو اکساتے رہتے ہیں۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ قدیم سے یہی دستور چلا آتا ہے۔ اِس لیے آپ اِن سازشوں کو خاطر میں نہ لائیے اور ان سازشیوں کے متعلق فکر نہ کیجئے۔

۱۴۳ یہ جملہ یُوحٰی کے ساتھ متعلق ہے(2) یعنی باطل کے سربراہ باطل نظریات کو جس دلفریب اور پُرکشش انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ جنہیں قیامت پر ایمان نہیں وہ ان کے دامِ فریب میں پھنس جائیں اور وہ غلط راستہ جو اُنہوں نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے اس پر دوڑتے چلے جائیں۔

۱۴۴ کفّار مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمیں ایسی نشانیاں دکھاؤ جس سے ہم فیصلہ کر سکیں کہ آپ سچے نبی ہیں۔ حضور کریم ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے پوچھئے کہ کیا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بھی کوئی سچا فیصلہ کرنے والا ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے اور اگر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز7، ص67 2۔ ایضاً، جز7، ص69

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ

اَور جن کو ہم نے دی ہے کتاب وُہ (اچھی طرح) جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) اُتارا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا

حق کے ساتھ۔ تو (اے سُننے والے!) ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے اَور مکمّل ہو گئی آپ کے رب کی بات سچّائی

وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ

اَور عدل سے ۱۴۵ نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کا اَور وُہی ہے سب کچھ سُننے والا جاننے والا اَور (اے سننے والے) ۱۴۶

تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ

اگر تو اُطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وُہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے وُہ نہیں

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

پیروی کرتے سوائے گمان کے اَور نہیں ہیں وُہ مگر محض تخمینے لگاتے ہیں بے شک آپ کا رب خوب

اللہ کا فیصلہ صحیح تسلیم کرتے ہو تو اُس نے تو قرآن جیسی معجز نما کتاب نازل کر کے میری صداقت کا فیصلہ فرما دیا ہے(1)۔ مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو یہود و نصاریٰ سے دریافت کر لو۔ ان کے پاس جو آسمانی کتابیں ہیں اُن میں جگہ جگہ میری نبوت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی شہادتیں موجود ہیں حَکَمٌ اور حَاکِمٌ کا ایک ہی معنی ہے فیصلہ کرنے والا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ حاکم ہر فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں صحیح کرے یا غلط۔ لیکن حکم صرف صحیح فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں(2)۔

۱۴۵ کلمہ سے مُراد یہاں قرآنِ حکیم ہے۔ کیونکہ اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ وہ کلماتِ کثیرہ جو ایک مقصد سے متعلق ہوں۔ ان کو بسا اوقات کلمہ (واحد) کہہ دیا جاتا ہے جس طرح زُہیر کا قصیدہ جو کثیر اشعار کا مجموعہ ہے اسے کلمہ زہیر بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہاں قرآنِ حکیم کی چند صفات بیان کی گئی ہیں وہ تام یعنی مکمل ہے۔ اپنے لانے والے کی نبوت کی مکمل دلیل ہے جو زندگی کا ضابطہ اس نے پیش کیا ہے اس کا کوئی پہلو نا تمام نہیں۔ دوسری صفت یہ ہے کہ وہ سراپا حق و صداقت ہے۔ جو کچھ اس نے بتایا ہے وہ سچ ہے۔ تیسری صفت یہ ہے کہ جو شرعی احکام اوامر و نواہی قرآن میں ہیں وہ سرتا پا عدل و انصاف ہیں۔ اور آخری صفت یہ بیان فرمائی کہ اس میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا(3)۔

۱۴۶ باطل نظریات کے علمبردار خود نورِ یقین سے محروم ہیں۔ ان کا سارا دارومدار قیاس و گمان پر ہے۔ ان کے پاس کوئی ٹھوس اور

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 7، جز 13، ص 167 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 70 3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 7، جز 13، ص 69-168

اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا

جانتا ہے کہ کون بہکتا ہے اس کی راہ سے اور وُہ خُوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو ۔ تو کھاؤ

مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا

اس میں سے لیا گیا ہے نامِ خُدا جس پر اگر تم اس کی آیتوں پر اِیمان لانے والے ہو[۱۴۷] اور کیا ہوا

لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ

تمھیں کہ نہیں کھاتے ہو تم اس جانور کو لیا گیا ہے اللہ کا نام جس پر[۱۴۸] حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مفصّل بیان کر دیا ہے

مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ

تمھارے لیے جو اُس نے حرام کیا تم پر مگر وُہ چیز کہ تم مجبُور ہو جاؤ اس کی طرف اور بے شک بہت سے لوگ گمراہ کرتے ہیں

بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اپنی خواہشوں سے بے علمی کے باعث بے شک آپ کا رب خُوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو[۱۴۹]

علمی دلیل نہیں۔ اگر تم ان کے بہکانے سے بہک گئے اور قرآن کے ان یقینی براہین و دلائل کو نظر انداز کر دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

[۱۴۷] کفار مسلمانوں پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ یہ عجیب لوگ ہیں جس چیز کو اللہ مار دے اسے تو حرام سمجھتے ہیں اور جسے یہ خود ذبح کریں اُسے حلال جانتے ہیں۔ اس کے متعلق فرمایا کہ یہ شیطانی وسوسے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہی سرے سے غلط ہے کہ جو چیز خود مرے اُس کو خدا نے مارا اور جس کو ذبح کیا جائے اس کو ذبح کرنے والے نے مارا۔ ہر چیز کا مارنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اِس طرح تو پھر کوئی چیز بھی حرام نہ ہونی چاہیے۔ ایسا نہیں بلکہ حلال و حرام کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی لازمی ہے۔ اپنے ڈھکوسلوں اور قیاس آرائیوں سے کام لینا اِیمان کے خلاف ہے جس حلال جانور کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے وہ حلال ہے اُسے بلا تامل کھاؤ(1)۔

[۱۴۸] جو چیزیں حرام تھیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا۔ اب یہ کتنی جہالت اور حماقت ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا اسے حرام سمجھا جائے۔ اور جس جانور کو کلمہ گو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرے اس کو نہ کھایا جائے۔

[۱۴۹] اِس آیت میں وہ لوگ غور کریں جو اس جانور کو حرام کہتے ہیں جسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جاتا ہے اور اس وقت کسی غیر کا نام

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج3، ص281

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ

اور ترک کرو ظاہری گناہ کو اور چھپے ہوئے کو ۱۵۰ بے شک وہ لوگ جو کماتے ہیں گناہ (تو) جلدی ہی

سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ

سزا دی جائے گی انھیں (اس گناہ کی) جس کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے ۱۵۱ اور مت کھاؤ اس جانور سے کہ نہیں لیا گیا

اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی

اللہ کا نام اس پر ۱۵۲ اور اس کا کھانا نافرمانی ہے اور بے شک شیطان ڈالتے ہیں اپنے

نہیں لیا جاتا اور اس سے مقصد محض کسی بزرگ کو ایصالِ ثواب ہوتا ہے وہ غور کریں کہ کہیں وہ تو اس آیت کا مصداق نہیں؟

۱۵۰ ہر قسم کے گناہوں سے باز آنے کا حکم دیا جارہا ہے خواہ اُن کا تعلق اعضاء جسمانی سے ہو یا دل سے، خواہ اُن کا اِرتکاب مجمع عام میں کیا جائے یا لوگوں سے چُھپ کر۔ کیونکہ گناہ اپنی ذات یا سوسائٹی کے حقوق کو پامال کرنے کا نام ہے۔ اور اسلام کسی صورت میں بھی نہ اِس کی اِجازت دے سکتا ہے اور نہ اسے برداشت کرسکتا ہے۔ ایک پاک معاشرہ تب ہی معرضِ وجود میں آ سکتا ہے جب اس کے افراد کے ظاہری اعضاء بھی کسی پر زیادتی نہ کریں اور ان کے دل بھی برے خیالات سے پاک ہوں۔ اُن کی جلوت اور خلوت دونوں یکساں طور پر پاکیزہ ہوں۔ زمانہ جاہلیت کے عرب چھپ کر زنا کرنے کو حلال سمجھتے تھے۔ آج بھی یورپ کا جاہلی تمدن گناہ کی اِس تفریق کا قانونی طور پر معترف ہے۔ اِسلام جس معاشرہ کی تشکیل کے لیے کوشاں ہے وہاں گناہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جلوت وخلوت یکساں طاہر، ظاہر وباطن دونوں پاک ہوں۔

۱۵۱ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جمادات کی طرح بے اِختیار و بے اِرادہ نہیں۔ بلکہ اس کے افعال اس کے اختیار وارادہ سے صادر ہوتے ہیں۔ اسی لیے اس کے اعمال کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی۔ لیکن اس کا یہ اختیار اور ارادہ اسے اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں کر دیتا۔ یہ ارادہ اسی کا عطا فرمودہ ہے۔

۱۵۲ پہلی آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام مت کہو۔ اِس آیت میں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال مت سمجھو۔ وہ جانور جو خود مر گیا وہ بھی حرام ہے اور جسے ذبح کیا گیا لیکن دانستہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا یا اللہ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام بھی لے دیا گیا تو وہ بھی حرام ہے۔

ع ۱۴ ۱۱ ۱

اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

دوستوں کے دلوں میں (اعتراضات) تاکہ وہ تم سے جھگڑیں۔ اور اگر تم نے ان کا کہنا مانا تو تم مشرک ہو جاؤ گے ۱۵۳

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى

کیا وہ جو (پہلے) مُردہ تھا ۱۵۴ پھر زندہ کیا ہم نے اُسے اور بنا دیا اس کے لیے نور چلتا ہے جس کے اُجالے میں لوگوں

النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ

کے درمیان وہ اُس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو نہیں نکلنے والا ان سے۔ یونہی

زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ

آراستہ کر دیئے گئے کافروں کے لیے وہ اعمال جو وہ کیا کرتے تھے اور اسی طرح ہم نے بنایا ۱۵۵ ہر بستی

قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ

میں اس کے بڑے لوگوں کو وہاں کے مجرم تاکہ وہ مکر و فریب کیا کریں اس میں۔ اور نہیں فریب دیتے مگر اپنے آپ کو

۱۵۳ اِس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال یقین کرتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے فَدَلَّتِ الْاٰيَةُ عَلٰى اَنَّ مَنِ اسْتَحَلَّ شَيْئًا مِّمَّا حَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى صَارَ بِهٖ مُشْرِكًا (قرطبی)(1) حضرت صدر الافاضل رقم طراز ہیں۔ ”کیونکہ دین الٰہی میں حکم الٰہی کو چھوڑنا اور دوسرے کے حکم کو ماننا اور اللہ کے سوا دوسرے کو حاکم قرار دینا شرک ہے“۔ (خزائن العرفان)(2)

۱۵۴ اس آیت میں موت سے مراد کفر و جہالت ہے اور زندگی سے مراد ہدایت اور علم ہے اور نور سے مراد قرآنِ حکیم ہے (3) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ انسان جو پہلے کفر و جہالت کی موت مر چکا ہو اسے اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے ہدایت اور علم کی زندگی مرحمت فرمائے اور دنیا کے اس ظلمت کدہ میں اس کے پاس قرآن کی روشن شمع ہو جس کی روشنی میں وہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہو۔ کیا اس خوش نصیب کے ساتھ وہ بدنصیب برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے جو گمراہی کی تہ در تہ ظلمتوں میں حیران و سرگردان ہو اور ان سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ اسے نہ مل رہا ہو۔

۱۵۵ مُجْرِمِيْهَا مفعول اول ہے جَعَلْنَا کا اور اَكَابِرَ مفعول ثانی ہے۔ مکہ کے رئیس اور سردار حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف نت نئی شرارت اٹھاتے۔ کبھی کوئی الزام کبھی کوئی بہتان۔ مقصد یہ ہوتا کہ لوگ آپ سے متنفر رہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مصطفیٰ علیہ التحیۃ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 77 2۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص: 257، حاشیہ: 242 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 18

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى

اور وُہ (اِس بات کو) نہیں سمجھتے اور جب آئے ان کے پاس ۱۵۶ کوئی نشانی کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک

وقف لازم
وقف منزل

نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ

ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسُولوں کو ۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دِل کو) جہاں وُہ رکھتا ہے

رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ

اپنی رسالت کو عنقریب پہنچے گی جنھوں نے جُرم کیے ذِلّت ۱۵۷ اللہ کے ہاں اور عذاب

شَدِيْدٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ

سخت بوجہ ان مکروں کے جو وُہ کیا کرتے تھے اور جس (خوش نصیب) کے لیے ارادہ فرماتا ہے اللہ کہ ہدایت دے اُسے تو کشادہ کر دیتا ہے

والثناء کو فرماتے ہیں کہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ شہر کے چودھری اور رئیس اپنے اثر و رُسوخ کو بحال رکھنے کے لیے پیغمبروں کے خلاف اِلزامات لگاتے چلے آئے ہیں اور لوگوں کو انبیاء سے دور رکھنے کے لیے سارے جتن کرتے رہے ہیں۔ اور وہ اپنی نادانی کے باعث اِس چیز کو نہ سمجھ سکے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔

۱۵۶ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تو مکہ کا رئیس ولید بن مغیرہ کہنے لگا۔ لَوْ كَانَتِ النُّبُوَّةُ حَقًّا لَكُنْتُ اَوْلٰى بِهَا مِنْكَ لِاَنِّيْ اَكْبَرُ مِنْكَ سِنًّا وَاَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا (قرطبی)(1) یعنی اگر نبوت کی کچھ حقیقت ہوتی تو میں آپ سے نبوت کا زیادہ مستحق تھا۔ میں عمر میں آپ سے بڑا ہوں اور مالدار بھی آپ سے زیادہ ہوں۔ اور ابوجہل وغیرہ متکبر کہتے کہ ہم سنی سنائی بات پر ایمان لانے والے نہیں ہم تو تب مانیں گے کہ جس طرح ان پر وحی نازل ہوتی ہے اُسی طرح وحی ہم پر بھی نازل ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کے ردّ میں فرماتا ہے کہ میں ہی بہتر جانتا ہوں کہ کون سا دل اس نورِ نبوت کو برداشت کر سکتا ہے اور کس میں اِس بارِ گراں کے اُٹھانے کی ہمت ہے۔ مال و دولت اور جاہ و منزلت اور کبر سنی نبی بننے کا کوئی معیار نہیں۔

۱۵۷ تاریخ شاہد ہے کہ جن مغروروں نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے توبہ نہ کی ان کی ساری عظمت خاک میں مل گئی اور وہ ذلیل و خوار ہو گئے۔ اور قیامت کے دن جو عذاب انہیں دیا جائے گا اس کا تو ابھی وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 80

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا

اس کا سینہ اسلام کے لیے ۱۵۸ اور جس (بدنصیب) کے لیے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کردے تو بنا دیتا ہے اس کے سینہ کو

حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ

تنگ، بہت تنگ ۱۵۹ گویا وہ زبردستی چڑھ رہا ہے آسمان کی طرف اسی طرح ڈال دیتا ہے اللہ تعالیٰ ناپاکی

عَلَي الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ

ان پر جو ایمان نہیں لاتے ۱۶۰ اور یہ ہے راستہ آپ کے رب کا (بالکل) سیدھا ہم نے

۱۵۸ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی کو ہدایت عطا فرمادے تو اس کے سینہ کو قبولِ حق کے لیے کُشادہ کردیتا ہے۔ وہ اپنے دل میں حق کی طرف رغبت اور آمادگی محسوس کرتا ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کَیْفَ الشَّرْحُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! شرح صدر کی کیا کیفیت ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَلْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ لِقَاءِ الْمَوْتِ۔ انسان آخرت کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ اِس دنیا سے اُس کا دل متنفر ہوجاتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے وہ موت کے لیے مکمل تیاری کرلیتا ہے۔ (روح)(1)

۱۵۹ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظ ''حَرَجٌ'' کی تحقیق کے لیے بنی کنانہ کے ایک شخص کو بلایا اور اُس سے پوچھا اَے جوان حَرَجَۃٌ کس کو کہتے ہیں۔ قَالَ الْحَرَجَۃُ فِیْنَا الشَّجَرَۃُ تَکُوْنُ بَیْنَ الْاَشْجَارِ الَّتِیْ لَا تَصِلُ اِلَیْھَا رَاعِیَۃٌ وَّلَا وَحْشِیَۃٌ وَلَا شَیْءٌ۔ اس نے کہا حَرَجَۃٌ ہمارے ہاں اس درخت کو کہتے ہیں جو گھنے درختوں کے جھنڈ میں ہوتا ہے۔ جہاں کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی۔ یہ سن کر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کَذَالِکَ قَلْبُ الْمُنَافِقِ لَا یَصِلُ اِلَیْہِ شَیْءٌ مِّنَ الْخَیْرِ۔ منافق کا دل بھی ایسا ہی ہوتا ہے وہاں کوئی بھلائی نہیں پہنچ سکتی (روح)(2) حَرَجًا کا معنی ہے بہت تنگ قَالَ الزُّجَاجُ اَضْیَقُ الضِّیْقِ (3)۔ مقصد یہ ہے کہ جب کسی کی پیہم سرکشیوں کے باعث اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت اس کی طرف سے پھر جاتی ہے تو قبولِ حق سے اس کا دل بہت تنگ ہو جاتا ہے۔ حق کو تسلیم کرنے کا تصوّر کرتے ہی اس کی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہوجاتی ہے جیسے کسی انسان کو آسمان کی طرف چڑھنے پر مجبور کیا جائے۔ جس طرح اس کا سانس پھول جاتا ہے۔ اوسان خطا ہوجاتے ہیں اور ایک بے بسی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اسی طرح اس بدنصیب کا حال ہوتا ہے۔

۱۶۰ رِجْسٌ۔ پلیدی اور ناپاکی (4)۔ جو لوگ اِیمان نہیں لاتے بطور سزا ان پر ناپاکی مسلّط کردی جاتی ہے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج8، ص22 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز7، ص82 4۔ ایضاً، جز7، ص83

فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ

کھول کر بیان کر دی ہیں دلیلیں ان لوگوں کے لیے جو نصیحت قبول کرتے ہیں اُن کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے ربّ کے ہاں

وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ

اور وہی ان کا دوست ہے بسبب ان نیک اعمال کے جو وُہ کیا کرتے تھے۔ اور جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ ان سب کو (اور فرمائے گا)

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓـؤُهُمْ

اے جنّوں کے گروہ! بہت گمراہ کیا تم نے انسانوں کو اور کہیں گے ان کے دوست

مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ

انسانوں میں سے اے ہمارے ربّ! ۱۶۱؎ فائدہ اُٹھایا ہم نے ایک دُوسرے سے اور پہنچ گئے ہم اپنی اس میعاد کو جو

اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ

تُو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی اللہ فرمائے گا ۱۶۲؎ آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ رہو گے اس میں مگر جسے اللہ تعالیٰ ۱۶۳؎ (نجات دینا) چاہے

۱۶۱؎ جب مُجرموں کو اپنے جرائم کے انکار کی مجال نہ رہے گی تو وہ اِعتراف جُرم کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم (جن وانس) ایک دوسرے سے خُوب لطف اندوز ہوئے اور ساری عُمر غفلت و نافرمانی میں برباد کر کے اب تیری جناب میں حاضر ہوئے ہیں۔ جنوں نے تو انسانوں سے یہ لطف اُٹھایا کہ یہ اُنہیں بہکاتے گئے اور انسان بہکتے گئے۔ وہ دام بچھاتے گئے یہ اس میں پھنستے گئے۔ اور انسانوں نے جنوں سے یہ لطف اُٹھایا کہ زنا، شراب، قتل و غارت وغیرہ سب گھناؤنے گناہ ان کی نگاہ میں بہت دلکش بن گئے اور اُنہوں نے متاعِ عقل و خرد کو طاقِ نسیاں پر رکھ دیا۔ ہر پند و موعظت سے کان بہرے کر دیئے اور خوب دادِ عیش دی۔

۱۶۲؎ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم نے مُہلت کے قیمتی لمحے میری نافرمانی میں ضائع کر دیئے۔ اب دوزخ تمہارے لیے تیار ہے تمہیں اِس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

۱۶۳؎ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ استثناء اہل ایمان کے لیے ہے اور مَا بمعنی مَن ہے وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلْاِسْتِثْنَاءُ لِاَهْلِ الْاِيْمَانِ فَمَا عَلٰى هٰذَا بِمَعْنٰى مَنْ (قرطبی)(1)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 84

إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظّٰلِمِينَ

بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے اور یونہی ہم مسلّط کرتے ہیں ۱۶۴ بعض ظالموں کو

بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۲۹﴾ ع يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ ۱۵ ع ۸ ۲

بعض پر بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو وہ کرتے رہتے تھے اے گروہ جنّوں اور انسانوں کے! کیا نہیں

يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ

آئے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے سُناتے تھے تمہیں ہماری آیتیں اور ڈراتے تھے تمہیں تمہاری

لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ قَالُوا شَهِدْنَا عَلٰى أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ

اس دن کی مُلاقات سے ۱۶۵ کہیں گے ہم گواہی دیتے ہیں اپنے خلاف اور دھوکہ میں مبتلا کیا تھا انہیں دنیوی

۱۶۴ بعض نے نُوَلِّیْ کا یہ معنی کیا ہے کہ دوزخ میں ظالموں کو اپنے اپنے گناہوں کی مناسبت سے دوزخ کے ایک درجہ میں اکٹھا کر دیں گے۔ لیکن علامہ قرطبی نے نُوَلِّیْ کا معنی نُسَلِّطُ کیا ہے۔ یہاں دھمکی دی جارہی ہے کہ اگر ظالم تائب نہ ہوئے اور ظلم وتعدی سے باز نہ آئے تو ان پر اور ظالم مسلط کر دیئے جائیں گے جو ان کو ذلیل وخوار اور تباہ و برباد کر دیں گے۔ نُسَلِّطُ بَعْضَ الظَّلَمَةِ عَلٰى بَعْضٍ فَيُهْلِكُهٗ وَيُذِلُّهٗ (قرطبی)(1)

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ جب تو ایک ظالم کو دوسرے ظالم سے اِنتقام لیتا ہوا دیکھے تو پھر ٹھہر جا اور تعجب سے یہ تماشا دیکھ(2)۔ حضرت عباس فرماتے ہیں اِذَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْ قَوْمٍ وَلّٰى اَمْرَهُمْ خِيَارَهُمْ وَاِذَا سَخِطَ اللّٰهُ عَلٰى قَوْمٍ وَلّٰى اَمْرَهُمْ شِرَارَهُمْ(3)۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر خوش ہوتا ہے تو نیک آدمیوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے۔ اور جب کسی قوم پر ناراض ہوتا ہے تو برے لوگوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو ظالم کی اعانت کرے گا اللہ تعالیٰ اسی ظالم کو اس پر مسلط کر دے گا۔ مَنْ اَعَانَ ظَالِمًا سَلَّطَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ(4)۔

۱۶۵ قیامت کا دن بہت طویل ہوگا اور اس میں مختلف حالات پیش آئیں گے۔ جب کفار مومنین کے اِنعام واکرام اور عزّت و منزلت دیکھیں گے تو اپنے کفر وشرک سے منکر ہو جائیں گے۔ اور اس خیال سے کہ شاید مکر جانے سے کچھ کام بنے یہ کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ یعنی خدا کی قسم ہم مُشرک نہ تھے۔ اس وقت ان کے مُونہوں پر مہریں لگا دی جائیں گی اور اُن کے اعضاء اُن کے کُفر وشرک کی گواہی دیں گے۔ اسی کی نسبت اس آیت میں ارشاد ہوا وَ شَهِدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ (خزائن العرفان)(5)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 85 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 85۔ تاریخ ابن عساکر لدمشق از امام حافظ ابوالحسن علی بن حسن المعروف بابن عساکر (متوفی) 571ھ، ج 34، صفحہ 4، مطبوعہ دار الفکر بیروت 5۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص: 260

الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾ ذٰلِكَ

زندگی نے اور گواہی دیں گے اپنے خلاف کہ وُہ کفر کرتے رہے تھے یہ اِس لیے

اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾

کہ نہیں ہے آپ کا ربّ ہلاک کرنے والا بستیوں کو ظلم سے ۱۶۶ اِس حال میں کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾

اور ہر ایک کے لیے درجے ہیں اُن کے عمل کے مطابق اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو وُہ کرتے ہیں

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ

اور آپ کا پروردگار غنی ہے رحمت والا ہے ۱۶۷ اگر چاہے تو لے جائے (تباہ کر دے) تمھیں اور تمھاری جگہ لے آئے

۱۶۶ جب کوئی بستی گمراہ ہو جاتی ہے اور فسق و فجور میں منہمک ہو جاتی ہے تو اچانک اس پر عذاب نازل نہیں کیا جاتا بلکہ سُنّت الٰہی یہ ہے پہلے ان کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے والے بھیجے جاتے ہیں جو ان کو سمجھاتے ہیں۔ اور اس گمراہی اور بدکاری سے باز آ جانے کی نصیحت کرتے ہیں۔ اگر پھر بھی وہ گمراہی اور کجروی پر بضد رہیں تو عذاب نازل ہوتا ہے جو اُنہیں نیست و نابود کر دیتا ہے۔

۱۶۷ شاید کوئی کم فہم اِس غلطی میں مبتلا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمیں اپنی طرف اِتنی کوشش سے بلا رہا ہے۔ رسول بھیجے جا رہے ہیں۔ کتابیں نازل کی جا رہی ہیں۔ معجزات کا سلسلہ جاری ہے تو شاید اس کی کبریائی کا دارومدار اور اس کی خدائی اور بادشاہی کا اِنحصار ہم پر ہے۔ اگر ہم نے اسے اپنا رب تسلیم کر لیا تو اُس کی خدائی قائم رہے گی۔ اور اگر اس کو ماننے سے اِنکار کر دیا تو اس کی عظمت و کبریائی میں فرق آ جائے گا۔ چنانچہ اس کا ازالہ کر دیا کہ وہ غنی ہے۔ اسے کسی کی حاجت نہیں۔ ہر چیز اُس کی محتاج ہے۔ ہاں اُس کی رحمت بے پایاں اور اس کی شفقت بے نہایت ہے اس کا تقاضا ہے کہ تمہیں ہلاکت کے گڑھے سے بچایا جائے اور تم میں جو صلاحیتیں ہیں اُن کی نشوونما کے لیے ایسی شریعت عطا کی جائے جس پر عمل پیرا ہونے سے اِنسان اپنا اصلی مقام پہچان سکے۔

بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا

تمہارے بعد جسے چاہے ۱۶۸ جیسے پیدا کیا تمہیں دُوسری قوم کی اولاد سے بے شک جس کا

تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

تم سے وعدہ کیا گیا ہے ۱۶۹ ضرور آنے والا ہے اور نہیں ہو تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے ۔ آپ فرمائیے اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرنے والا ہوں ۱۷۰ تو تم جان لوگے کہ کس کے لیے ہوتا ہے اچھا انجام اِس

عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ

دُنیا کے گھر کا بے شک فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے اور انھوں نے بنا رکھا ہے ۱۷۱ اللہ کے لیے اس سے

۱۶۸ اور اگر وہ چاہے تو تمہیں مٹا ڈالے اور تمہارا نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔ اور جس طرح تمہارے باپ دادا کے یہاں سے رُخصت ہونے کے بعد تمہیں ان کا قائم مقام کر دیا اور دنیا کے سارے کاروبار جُوں کے تُوں چلتے رہے اسی طرح وہ قادرِ مطلق تمہارا جانشین کسی اور قوم کو بنا دے گا اور دنیا کی رونق میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

۱۶۹ یعنی قیامت آ کر رہے گی۔

۱۷۰ آپ فرمائیے اے کفار! اگر تم دین اسلام قبول نہیں کرتے اور اپنے شرک وکفر سے چمٹے رہنے پر بضد ہو تو تمہاری مرضی۔ تم اپنا کام کرتے رہو میں اپنا فرض ادا کرتا رہوں گا اور موت کے تلخ گھونٹ سے جب تمہارا یہ خمار اُترے گا تو تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس کی دُنیوی زندگی کا اچھا نتیجہ برآمد ہوا اور کس کا بُرا۔ عَاقِبَةُ الدَّارِ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ تقدیرِ کلام یوں ہے اَلْعَاقِبَةُ الْحُسْنٰى الَّتِيْ خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِهٰذِهِ الدَّارَ لَهَا (کشاف)(1) اور لفظ دار سے مراد دارِ دنیا ہے نہ کہ دارِ آخرت۔ وَالْمُرَادُ بِالدَّارِ الدُّنْيَا لَا دَارُ السَّلَامِ (روح)(2)

۱۷۱ یہاں مُشرکین عرب کی حماقت اور جہالت کا ایک اور بین ثبوت پیش کیا جا رہا ہے کہ وہ کھیت جن کو اللہ تعالیٰ نے اُگایا ہے اور وہ مویشی جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کے نام پر نکالتے۔ اور اسے غریبوں، مسکینوں اور مہمانوں کے لیے خرچ کرتے اور کچھ بتوں کے نام کا حصہ نکالتے تھے اور اسے ان کے پجاریوں پر صرف کرتے تھے۔ یہ بھی کچھ کم حماقت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے حصہ کی طرح جو ہر چیز کا خالق ہے ان بے جان بتوں کا بھی حصہ نکالا جائے لیکن اس سے بھی بڑھ کر

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج2، ص68 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج8، ص31

مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ

جو پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصّہ اور کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ان کے خیال میں اور

هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ

یہ ہمارے شریکوں کے لیے۔ تو وُہ (حصّہ) جو ہو ان کے شریکوں کے لیے تو وُہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور

مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾

جو (حصّہ) ہو اللہ تعالیٰ کے لیے تو وُہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو۔ کیا ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ

اور یُونہی خوش نما بنا دیا ہے بہت سے مشرکوں کے لیے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو ان کے شریکوں نے

لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا

تاکہ ہلاک کر دیں انھیں اور مشتبہ کر دیں اُن پر اُن کا دین [۱۷۲] اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ایسا

حماقت یہ تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ کا پھل زیادہ ہوتا یا جانور موٹا تازہ ہوتا تو اُسے بتوں کے نام منتقل کر دیتے۔ اور اگر بتوں کا حصہ اچھا ہوتا تو اسے اللہ تعالیٰ کے نام منتقل نہ کرتے (1)۔ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ سے یہ بتایا کہ ان کی جہالت اور حماقت کا کیا ٹھکانا کہ جو مالک اور خالق ہے اس کے حصہ میں تو آئے ردّی چیز اور جن کا کوئی عمل دخل نہیں اُن کو ملے عمدہ اور بہترین چیز۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی نادانی ہے۔

[۱۷۲] یہاں شریکوں سے مراد وہ شیاطین (جن و اِنس) ہیں جن کی اطاعت کے شوق میں مشرکین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی معصیت گوارا کرتے تھے اور ایسے قبیح افعال اور جاہلانہ اعمال کے مُرتکب ہوتے تھے جن کو عقل صحیح کبھی گوارا نہ کر سکے اور جن کی قباحت میں ادنیٰ درجہ کے آدمی کو بھی تردّد نہ ہو۔ بت پرستی کی شامت سے وہ ایسے فسادِ عقل میں مبتلا ہوئے کہ حیوانوں سے بدتر ہو گئے۔ اور اولاد جس کے ساتھ ہر جاندار کو فطرۃً محبت ہوتی ہے۔ شیاطین کے اتباع میں اس کا بے گناہ خون کرنا اُنہوں نے گوارا کیا اور اس کو اچھا سمجھنے لگے۔ (خزائن العرفان حضرت صدر الافاضل) (2)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 90-89

2۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص: 261

فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٧﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ

نہ کرتے ۱۷۳ تو چھوڑ دیجئے انھیں اور جو وہ بہتان باندھتے ہیں اور بولے ۱۷۴ یہ مویشی اور

حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

کھیتی رُکی ہوئی ہے کوئی نہیں کھا سکتا انھیں سوائے اس کے جسے ہم چاہیں (یہ بات) اپنے گمان سے (کہتے ہیں) اور بعض مویشی

ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ

ہیں، حرام ہیں جن کی پشتیں (سواری کے لیے) اور بعض مویشی ہیں کہ نہیں ذِکر کرتے نامِ خدا ان (کی ذبح) پر (یہ سب محض) افترا ہے اللہ پر

سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٨﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ

عنقریب سزا دے گا انھیں جو وہ بہتان باندھا کرتے تھے اور بولے ۱۷۵ جو ان مویشیوں کے شکموں

الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ

میں ہے وہ نِرا ہمارے مردوں کے لیے ہے اور حرام ہے ہماری بیویوں پر اور اگر وہ

۱۷۳ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو راہ راست پر چلنے کے لیے مجبور کر دیتا۔ لیکن حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار اور ارادہ سے حق کو قبول کرے یا اسے رد کرے۔ اسے مجبورِ محض بنا کر انسانیت کی مسند رفیع سے جمادات کی پستی میں پھینک نہ دیا جائے۔

۱۷۴ مشرکین اپنی طرف سے باتیں گھڑتے اور پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے اور ان من گھڑت باتوں پر عمل اس طرح کرتے جیسے یہ کوئی بڑا کارِ ثواب ہو۔ مثلاً وہ کہتے کہ یہ حصہ جو بتوں کے لیے مخصوص ہے اس کا عام استعمال حرام ہے۔ اسے صرف وہی استعمال کر سکتا ہے جسے ہم اجازت دیں۔ مثلاً یہ کہ بت خانہ کے پجاری یا مرد ہی اسے کھا سکتے ہیں اوروں پر اس کا کھانا حرام ہے۔ اور جو جانور انہوں نے بتوں کے نام پر چھوڑ رکھے تھے ان پر سوار ہونے کو حرام سمجھتے۔ اور جن جانوروں کو وہ بتوں کے نام پر ذبح کرتے ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا جائز نہ سمجھتے۔ اور ان من گھڑت خرافات کے متعلق دعویٰ یہ کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح ہے۔

۱۷۵ کفار کی منجملہ جہالتوں میں سے ایک مروّجہ جہالت یہ بھی تھی کہ بعض جانوروں (سائبہ اور بحیرہ) کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے پیٹ میں (دودھ یا بچہ) جو کچھ ہے اس کا استعمال مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے حرام۔ اور اگر اسی

مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

مرا ہوا (پیدا) ہو تو پھر وُہ سب (مرد و زن) اس میں حِصّہ دار ہیں۔ اللہ جلدی بدلہ دے گا انھیں ان کے اس بیان کا۔ بے شک وہ حِکمت والا

عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ

عِلم والا ہے یقیناً نقصان اُٹھایا جِنھوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو حماقت سے بغیر جانے [۱۷۶]

وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا

اَور حرام کر دیا جو رزق دیا تھا انھیں اللہ نے بہتان باندھ کر اللہ تعالیٰ پر بے شک وُہ گمراہ ہو گئے اَور نہ تھے وُہ

مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ ع ۱۶ ۱۱ ۳

ہدایت پانے والے اَور وُہ وُہی ہے جس نے پیدا کیے ہیں [۱۷۷] باغات کچھ چھپّروں پر چڑھائے ہوئے اور کچھ بغیر اس کے

وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا

اور کھجُور اور کھیتی الگ الگ ہیں کھانے کی چیزیں ان کی اور زیتون اور انار (جو شکل میں) ایک جیسے

جانور کے شکم سے مُردہ بچہ پیدا ہو تو وہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے حلال ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عنقریب انہیں ان خرافات کی سزا دی جائے گی۔

[۱۷۶] اِس آیت سے صاف واضح ہو گیا کہ اپنے وہم و گمان سے قانون بنانا اور اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھنا انسان کے لیے تباہی و بربادی کا باعث ہے۔

[۱۷۷] اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا اندازہ لگانا چاہو تو عالم نباتات میں ہی غور کرو۔ یہ مختلف قسم کے لذیذ پھل، یہ اُونچے اُونچے کھجور کے درخت، یہ لہلہاتے ہوئے کھیت جن کی اقسام کا شمار نہیں ہو سکتا جو کہیں رنگ اور شکل میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں تو بُو اور ذائقہ میں الگ الگ ہیں۔ ایک انار کو لیجئے۔ غلاف کے اندر متعدد خانے ہیں جنہیں ابریشم سے بھی نرم پردوں سے الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ ہر خانہ میں عقیق سے بھی زیادہ چمک دار دانے بڑی احتیاط سے لپیٹ کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ ہر دانہ اپنے رنگ، ذائقہ میں ایک مکمل وحدت ہے۔ یہ سب کچھ غیر مبہم انداز میں بیان کر رہا ہے کہ ان کو رنگ و بُو اور ذائقہ ولذت عطا فرمانے والا بہت بڑا حکیم اور قادرِ مطلق ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 95

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ

اَور (ذاتقہ میں) مختلف ۔ کھاؤ اس کے پھل سے جب وُہ پھلدار ہو اَور ادا کرو اس کا حق ۱۷۸ جس دِن

حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ

وُہ کٹے اَور فضُول خرچی نہ کرو ۱۷۹ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا فضُول خرچی کرنے والوں کو۔ اَور (پیدا فرمائے) بعض مویشی ۱۸۰

حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

بوجھ اُٹھانے والے اَور بعض زمین پر لٹا کر ذبح کرنے کے لیے۔ کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے اَور نہ پیروی کرو

۱۷۸ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس سے مُراد عشر ہے۔ یعنی جو کھیتی وغیرہ بارش سے سیراب ہو اُس کا دسواں حصّہ اور جس کی نہر یا کنویں وغیرہ سے آبپاشی ہو اُس کا بیسواں حصہ (1) (جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے) اور بعض نے یہ فرمایا کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس لیے اس آیت سے نفلی صدقہ مراد ہے۔ وَ يُرِيْدُ بِهٖ مَا كَانَ يَتَصَدَّقُ بِهٖ يَوْمَ الْحَصَادِ لَا الزَّكٰوةَ الْمُقَدَّرَةَ لِاَنَّهَا فُرِضَتْ بِالْمَدِيْنَةِ وَالْاٰيَةُ مَكِّيَّةٌ وَّقِيْلَ الزَّكَاةُ وَالْاٰيَةُ مَدَنِيَّةٌ (بیضاوی) (2)

۱۷۹ اسراف اور فضول خرچی ہر طرح کی ممنوع ہے۔ چنانچہ علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ فقراء اور مساکین کو دیتے وقت بھی میانہ روی کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور ایسا نہ کرے کہ ہر چیز لٹا کر خود دوسروں کا دست نگر ہو جائے۔ تو جب اسلام نے کارِ خیر میں فضول خرچی سے منع کیا ہے تو دوسرے کاموں میں فضول خرچی کو کب برداشت کیا جائے گا۔

۱۸۰ عالم نباتات میں اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی آیاتِ بینات کا ملاحظہ کرانے کے بعد اب حق کے متلاشی کی توجہ مختلف حیوانات کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے۔ حَمُوْلَةً سے مراد وہ بڑے بڑے جانور ہیں جو سواری اور بوجھ لادنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ہاتھی، گھوڑے، اونٹ وغیرہ اور فَرْشًا سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں فرش پر لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے اور ان کا گوشت کھایا جاتا ہے یا دودھ دوہا جاتا ہے۔ وَقَالَ ابْنُ زَيْدٍ اَلْحَمُوْلَةُ مَا يُرْكَبُ وَالْفَرْشُ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهٗ وَيُحْلَبُ (قرطبی) (3)

ہر جانور کی شکل وصورت، قدوقامت خوراک اور عادات بالکل جُدا جُدا ہیں۔ اپنی بے پناہ قوت اور اُجڈ پن کے باوجود انہیں انسان کا مطیع بنا دیا گیا ہے تاکہ وہ اس کا سامان اُٹھا کر دور دراز کی مُسافتوں تک لے جائیں۔ اور اس کی ہر طرح کی خدمت بجالائیں۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، جلد 7، جز 13، ص 224 2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص: 193 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 112

الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ

شیطان کے قدموں کی بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (پیدا فرمائے) ۱۸۱؎ آٹھ جوڑے بھیڑ سے

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ

دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ) آپ پوچھئے کیا دونوں نر ۱۸۲؎ حرام کیے ہیں یا دونوں مادائیں

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ

یا جسے لیے ہوتے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں کے رحم بتاؤ مجھے علم کے ساتھ اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ۙ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ

سچے اور اونٹ سے دو (نر و مادہ) اور گائے سے دو (نر و مادہ) آپ پوچھئے

ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ

کیا دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ یا جسے لیے ہوئے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں

۱۸۱؎ یہ فعل مضمر أَنْشَأَ کا مفعول ہے اور اخفش کے نزدیک یہ حَمُوْلَة کا بدل ہے اور اس لیے منصوب ہے اور بعض نے ''کُلُوا'' فعل مضمر کا اسے مفعول بنایا ہے (قرطبی) (1) ضَانٌ بھیڑ کو کہتے ہیں جن پر اُون ہوتی ہے۔ ذَوَاتُ الصُّوْفِ مِنَ الْغَنَمِ۔ یہ جمع ہے اور اس کا واحد ضَائِنٌ ہے اور مؤنث ضَائِنَةٌ ہے اور بعض کے نزدیک اَلضَّأْنُ ایسی جمع ہے جس کا کوئی واحد نہیں اور مَعْزٌ (بکری) وَهِيَ ذَوَاتُ الْاَشْعَارِ مِنَ الْغَنَمِ۔ یہ جمع ہے اور اس کا واحد مَاعِزٌ ہے۔ اور اس کا مؤنث مَاعِزَةٌ ہے۔ (قرطبی) (2)

۱۸۲؎ جانوروں کی حِلّت وحُرمت کے متعلق کفّارِ عرب میں جو جاہلانہ طریقہ رائج تھا اس کا بطلان کیا جا رہا ہے اور ان سے دریافت کیا جا رہا ہے کہ جن جانوروں کو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے ان میں حُرمت آئی کہاں سے؟ کیا اِس لیے انہیں حرام سمجھتے ہو کہ وہ نر ہیں یا اِس لیے کہ وہ مادہ ہیں۔ اگر یہ وجہ ہے تو پھر تمام نر یا تمام مادائیں حرام ہونی چاہئیں۔ بعض نروں کو حلال اور بعض کو حرام، بعض ماداؤں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ یا ان کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ وہ ماؤں کے شکموں میں ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر نر اور مادہ کی تخصیص بھی بیکار ہوئی۔ پھر تو ہر جانور حرام ہونا چاہیے خواہ نر ہو یا مادہ۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک شکم مادر میں رہا ہے۔ اور اگر ان کو حرام کرنے کی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں تو پھر یہ کتنا ظلم ہے کہ جن جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حلال

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 113 2۔ ایضاً، جز 7، ص 14-113

الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ

کے رحم کیا تم تھے موجود جب وصیت کی تمہیں اللہ نے اس بات کی تو اس شخص سے زیادہ ظالم

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کون ہے جو بہتان باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو اپنی جہالت سے بے شک اللہ تعالیٰ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ ع ۱۷

ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے آپ فرمائیے میں نہیں پاتا ۱۸۳ اس (کتاب) میں جو وحی کی گئی

مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا

ہے میری طرف کوئی چیز حرام کھانے والے پر جو کھاتا ہے اسے مگر یہ کہ مُردار ہو یا (رگوں کا) بہتا ہوا خون

بنایا ہے تم بغیر کسی دلیل کے ان کو حرام بناتے ہو۔

۱۸۳ اس آیت کا مضمون بارہا پہلے گزر چکا۔ اِس لیے قارئین مزید وضاحت کے لیے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۳ کے حاشیہ کی طرف رجوع کریں۔ البتہ یہاں ایک چیز وضاحت طلب ہے۔ وہ یہ کہ ظاہر آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان چار چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی چیز حرام نہیں۔ حالانکہ ان کے علاوہ کثیر التعداد ایسی چیزیں ہیں جو حرام ہیں مثلاً شراب، درندے وغیرہ۔ اِس ضمن میں مفسرین کرام نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ یہ آیت جمہور کے نزدیک مکی ہے اور دوسری اشیاء کی حُرمت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ تو اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک جو وحی ہوئی ہے اس میں صرف ان چار چیزوں کی حرمت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری رہا اور مُناسب اوقات پر حکم الٰہی سے اور چیزیں حرام ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر داڑھ سے چیر کر کھانے والے جانور اور پنجوں سے نوچ کر کھانے والے پرندے کو حرام کر دیا۔ وَاَكْلُ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ حَرَامٌ (حدیث)(1) وَنَهٰى عَنْ اَكْلِ كُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ (مسلم)(2) چنانچہ علامہ قرطبی اِس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے منجملہ دوسرے اقوال کے یہ بھی لکھتے ہیں: اَیْ لَا اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ اَيْ فِيْ هٰذِهِ الْحَالِ حَالَ الْوَحْيِ وَوَقْتَ نُزُوْلِهٖ ثُمَّ لَا يَمْتَنِعُ حُدُوْثُ وَحْيٍ بَعْدَ ذٰلِكَ بِتَحْرِيْمِ اَشْيَاءَ اُخَرَ (قرطبی)(3)

1۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الصید، باب اکل کل ذی ناب، ص:240۔ موطا امام مالک، کتاب الصید، ص:492
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر، ج2، ص147
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز7، ص116

اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ

یا سؤر کا گوشت کیونکہ وُہ سخت گندہ ہے یا جو نافرمانی کا باعث ہو (یعنی) وُہ جانور جس پر ذبح کے وقت بلند کیا جائے غیر خدا کا نام ۱۸۴ پھر جو

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى

شخص لاچار ہو جائے نہ نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو (حدِ ضرورت سے) تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے اور

الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ

ان لوگوں پر جو یہودی بنے تھے ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری سے ہم نے

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ

حرام کی ان پر دونوں (گائے بکری) کی چربی مگر جو اُٹھا رکھی ہو اُن کی پُشتوں یا آنتوں نے

اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۠ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

یا جو ملی ہوئی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے سزا دی تھی انھیں بسبب ان کی سرکشی کے ۱۸۵ اور یقیناً ہم سچے ہیں

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ

پھر اگر وُہ جھٹلائیں آپ کو ۱۸۶ تو آپ فرمائیے تمھارا پروردگار کشادہ رحمت والا ہے اور نہیں ٹالا جا سکتا اس کا عذاب

۱۸۴ آیت کے اِس حصّہ کی مکمل تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سورۃ النحل کی آیت ۱۱۵۔

۱۸۵ کسی چیز کو حرام کرنے کی دو وجہیں ہوتی ہیں۔ یا تو یہ کہ وہ چیز جسمانی یا رُوحانی طور پر مضر ہوتی ہے اور لوگوں کو اس کے اثرات بد سے بچانے کے لیے اِس کا اِستعمال ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے جس طرح وہ چیزیں جن کا ذکر پہلی آیت میں گزرا یا بطور سزا کسی شخص یا قوم کو ایک چیز کے اِستعمال سے روک دیا جاتا ہے۔ یہاں اِسی قسم کی چیزوں کا ذِکر ہو رہا ہے جو یہود پر بطور سزا حرام کر دی گئی تھیں۔ چنانچہ آیت کے یہ کلمات ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ صراحۃً بتا رہے ہیں۔

۱۸۶ جب نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور متعدد معجزات اور آیاتِ بینات سے اپنی صداقت کو روزِ روشن کی طرح ان پر عیاں کر دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس کے بعد جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب پر ایمان نہ لاتا اسے فوراً ہلاک کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کے طفیل یہ اب تک محفوظ چلے آتے ہیں اگر اُنہوں نے ان مہلت کے لمحوں سے بھی فائدہ نہ

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ

اس قوم سے جو جرائم پیشہ ہو اَب کہیں گے جنھوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ تعالےٰ

مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ

تو نہ ہم شرک کرتے اَور نہ ہمارے باپ دادا اَور نہ ہم حرام کرتے کسی چیز کو ۱۸۷ ایسا ہی جھٹلایا تھا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ

اُنھوں نے جو اُن سے پہلے تھے یہاں تک کہ چکھا اُنھوں نے ہمارا عذاب۔ آپ فرمائیے کیا تمھارے پاس کوئی

اُٹھایا اور کجروی سے باز نہ آئے تو انجام کار اللہ تعالیٰ کی گرفت ان کو ہلاک کر کے رکھ دے گی۔ اس وقت کوئی ان کو عذابِ خداوندی سے بچا نہ سکے گا۔

۱۸۷ سابقہ آیات میں کفار کے عقائد باطلہ کی تردید کی گئی۔ نیز اشیاء کی حلت وحُرمت کے متعلق ان کی جاہلانہ رسموں کی خرابیوں کو ظاہر فرمایا گیا۔ اَب اِن آیات میں ان کے ایک شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ وہ شبہ یہ تھا کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد مدّت ہائے دراز سے شرک کرتے چلے آئے ہیں۔ اور جانوروں کی حِلّت وحُرمت کے متعلق اس قانون کے پابند رہے ہیں۔ اگر یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتیں تو وہ کبھی ایسا نہ کر سکتے۔ ان کا یُوں کرتے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شرک وغیرہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں ان کا یہ شبہ بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۷:۲۸)(1) اللہ تعالیٰ شبہ کا ازالہ برہانِ فعلی سے کرتے ہیں کہ اگر تمہاری یہ بات درست ہوتی کہ تمہارے شرک اور تحلیل وتحریم کے اس رواج کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی سند حاصل ہے تو چاہیے یہ تھا کہ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا پیہم لطف وکرم ہوتا۔ حالانکہ تم سے پہلے جنہوں نے اس گمراہی کو اپنایا ان پر غضبِ الٰہی ہوا اور صفحہ ہستی سے ان کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔ تم خود غور کرو۔ ایسی سنگین سزا مجرموں اور نافرمانوں کو دی جاتی ہے یا اطاعت شعاروں اور فرماں برداروں کو۔ بعض علماء نے کفار کے اس شبہ کی تقریر دوسری طرح کی ہے یعنی کفار کہیں گے کہ ہم تو بے اِختیار اور مجبور تھے۔ اللہ کی مشیت ہی یہی تھی کہ ہم کفر و شرک کے مرتکب ہوں۔ ہماری کیا مجال تھی کہ اس کی مشیت کی خلاف ورزی کرتے۔ چنانچہ سورۃ النحل میں اُنہوں نے اپنے مجبور محض ہونے کا صراحۃً اعتراف بھی کیا ہے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ (2) اور سورۃ الزخرف میں ہے وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ۔(3)

1۔ سورۃ الاعراف:28 2۔ سورۃ النحل:35 3۔ سورۃ الزخرف:20

عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا

علم ہے تو نکالو اسے ہمارے لیے ۱۸۸ تم نہیں پیروی کرتے مگر نرے گمان کی اور نہیں ہو تم مگر

تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

اٹکلیں مارتے ہو آپ فرمائیے اللہ ہی کے لیے کامل دلیل ہے ۱۸۹ سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت فرماتا تم سب کو ۱۹۰

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ

آپ فرمائیے لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں ۱۹۱ کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اسے

۱۸۸ اے میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس کے متعلق اگر تمہارے پاس کوئی علمی دلیل یا قابل اعتماد سند ہے تو پیش کرو۔ باری تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی دلیل اور سند نہیں جو ان کے خرافات کی اساس ہو۔ ان کے عقائد کا یہ ڈھانچہ صرف وہم و گمان اور ظن و تخمین کی پیداوار ہے۔

۱۸۹ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں قبولِ حق کے لیے مجبور نہیں کرتا بلکہ دلیل و حجّت سے تمہیں دعوت دیتا ہے کہ تم حق اور صداقت کو قبول کرو اور اس نے تمہیں اِختیار دیا ہے کہ تم اپنی مرضی سے چاہے تو حق کو قبول کرو چاہے باطل کو اپنا لو۔

۱۹۰ یعنی اس کی قدرت سے کیا بعید تھا کہ وہ تم میں بُرائی اور گمراہی کی اِستعداد ہی نہ رکھتا۔ تم اپنی سرشت کے لحاظ سے فرشتوں کی طرح صرف عبادت اور اطاعت ہی کرتے۔ یا تم ارادہ اور شعور سے محروم پیدا کیے جاتے اور بِلا ارادہ اور غیر شعوری طور پر تم سے نیکیاں سرزد ہوتیں۔ لیکن حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ انسان شجر و حجر کی طرح مجبورِ محض بھی نہ ہو اور فرشتوں کی طرح فطری اِعتبار سے فقط نیک اور پاکباز ہی نہ ہو بلکہ تمام سابقہ تخلیقات سے ایک انوکھی چیز ہو۔ اِستعداد اور صلاحیت کے لحاظ سے نیکی اور برائی دونوں اس سے سرزد ہو سکتی ہوں اور شعور و ارادہ کے اِعتبار سے اسے مکمل آزادی ہو کہ جو راستہ چاہے اسے منتخب کر لے۔

۱۹۱ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! انہیں فرماؤ کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرنے کا کوئی گواہ ہے تو اُسے میدان میں لے آؤ۔ جب تمہارے پاس کوئی گواہ ہی نہیں ہے تو پھر ان بے سر و پا خرافات سے چمٹے رہنے پر کیوں بے جا ضد کر رہے ہو۔ هَلُمَّ کا لفظ اہل حجاز کے نزدیک واحد، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لیے اِستعمال ہوتا ہے۔ وَيَسْتَوِيْ فِيْهِ الْوَاحِدُ وَالْجَمَاعَةُ وَالذَّكَرُ وَالْاُنْثٰى عِنْدَ اَهْلِ الْحِجَازِ (قرطبی)(1)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 129

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

پھر اگر وُہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں ۱۹۲ تو آپ گواہی دیجئے ان کے ساتھ اور نہ تم پیروی کرنا اُن کی خواہشوں کی جنھوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ١٨ ٥ ٦

ہماری آیتوں کو اور جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر اور وُہ اپنے ربّ کے ساتھ (دُوسروں کو) برابر ٹھیراتے ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ

آپ فرمائیے آؤ ۱۹۳ میں پڑھ سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمھارے ربّ نے تم پر (وُہ یہ) کہ نہ شریک بناؤ اُس کے ساتھ کسی چیز کو اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ

ماں باپ کے ساتھ اِحسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے ۔ ہم

نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

رِزق دیتے ہیں تمھیں بھی اور انھیں بھی اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے ۱۹۴ جو ظاہر ہوں ان سے اور جو

۱۹۲ یعنی اُن سے شہادت اِس لیے طلب نہیں کی جارہی کہ اگر وہ شہادت دے دیں تو اُس کو تسلیم کرلیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے دانش مند اور دیانت دار طبقہ کو ان کی جاہلانہ رسموں کی بے ہودگی پر آمادہ کیا جائے۔ کیونکہ جب ان سے ان رسوم کی صداقت کے لیے شہادت طلب کی جائے گی تو شہادت دینے سے پہلے اِحساسِ ذمّہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے وہ ان امور میں بڑی سنجیدگی سے غور وفکر کریں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان پر ان چیزوں کی بے ہودگی آشکار ہوجائے گی اور وہ ان سے خود بخود باز آجائیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے شرافت و دیانت سے اپنا رِشتہ توڑ ہی لیا ہے اور ایک غلط اور باطل چیز کی جان بوجھ کر شہادت دینے پر تلے ہوئے ہیں تو ان کی شہادت آپ کے لیے حجت نہیں۔

۱۹۳ ان آیات کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیات محکمات ہیں اور ان میں آسمانی ہدایت کے وہ اصول بیان کیے گئے ہیں جو تمام شریعتوں میں مشترک ہیں (1)۔ تمام انبیاء نے اِن احکام پر عمل پیرا ہونے کا اپنی اُمتوں کو حکم دیا۔ اس آیت میں مندرجہ ذیل اُمور کو حرام کیا گیا: (۱) شرک (۲) ماں باپ سے بدسلوکی (۳) فقر وتنگدستی کی وجہ سے اولاد کو قتل کردینا (۴) ہر قسم کی بے حیائی کے کام خواہ لوگوں کے سامنے کیے جائیں یا چھپ کر (۵) کسی کو ناحق قتل کرنا۔

۱۹۴ فواحش اُن اعمال اور اقوال کو کہتے ہیں جو حد درجہ قبیح ہوں۔ اَلْفَاحِشَةُ مَا عَظُمَ قُبْحُهٗ مِنَ الْاَفْعَالِ وَالْاَقْوَالِ (مفردات) (2)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 132 2۔ مفردات راغب، ص: 626

بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ

چھپی ہوئی ہوں اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ نے سوائے حق کے یہ ہیں وہ باتیں

وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا

حکم دیا ہے تمہیں ۱۹۵ اللہ نے جن کا۔ تاکہ تم (حقیقت کو) سمجھو۔ اور مت قریب جاؤ ۱۹۶ یتیم کے مال کے مگر

بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ

اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پورا کرو ۱۹۷ ناپ اور تول

بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ

انصاف کے ساتھ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے برابر۔ اور جب کبھی بات کہو تو انصاف کی کہو

یہاں کسی ایک برائی سے منع نہیں کیا گیا بلکہ فواحش جمع کا لفظ ذکر کر کے ہر قسم کی قولی اور فعلی برائیوں کے ارتکاب سے نہیں بلکہ ان کے قریب تک پھٹکنے سے منع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام وہ چیزیں جو دل میں گناہوں کی تحریک پیدا کرتی ہیں مثلاً فحش گانے، ننگی تصویریں اور غلیظ لٹریچر سب سے دور رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ کے کلمات سے اس حکم کو اور وسیع کر دیا کہ فواحش کا ارتکاب ظاہر اور باطن، جلوت اور خلوت میں ممنوع ہے۔

۱۹۵ مذکورہ بالا احکام کی اہمیت کو جتانے کے لیے فرمایا کہ وہ مہتم بالشان قوانین ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہمہ دان اور ہمہ بین ربّ نے تمہیں دیا ہے۔

۱۹۶ ابھی احکامات کا سلسلہ شروع ہے۔ اس آیت میں یتیموں کے مال خُرد بُرد کرنے سے منع کیا اور حکم دیا کہ اُن کو اِس طرح کاروبار میں لگاؤ جس سے یتیم کو فائدہ ہو اور ان کا اس طرح نظم ونسق کرو کہ وہ ضائع نہ ہو جائیں۔ اور جب وہ صاحبِ عقل وفہم ہو جائیں تو ان کے اموال ان کے حوالہ کر دو۔ ''اَشُدَّ'' سے مراد صرف بلوغ نہیں بلکہ بلوغ اور مال کو صحیح اِستعمال کرنے کی سُوجھ بوجھ دونوں مراد ہیں۔ کیونکہ اگر بالغ ہوتے ہی اس کا مال اس کے حوالہ کر دیا تو وہ اپنی ناسمجھی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس کو برباد کر دے گا۔ فَلَوْ مُكِّنَ الْيَتِيْمُ مِنْ مَّالِهٖ قَبْلَ حُصُوْلِ الْمَعْرِفَةِ وَ بَعْدَ حُصُوْلِ الْقُوَّةِ لَاَذْهَبَهٗ فِيْ شَهَوَاتِهٖ وَبَقِيَ صُعْلُوْكًا لَّا مَالَ لَهٗ (قرطبی) اور حضرت امام صاحب کے نزدیک اس کی حد پچیس سال ہے(1)۔

۱۹۷ کاروبار میں انتہائی دیانت داری اور راست بازی کا حکم دیا جا رہا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 135

لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اگرچہ ہو (معاملہ) رشتہ دار کا ۱۹۸ اور اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرو ۱۹۹ یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے تمہیں تاکہ

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا

تم نصیحت قبول کرو اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا ۲۰۰ سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو

السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے ۔ یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں جن کا تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ

متقی بن جاؤ پھر ۲۰۱ عطا فرمائی ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب تاکہ پوری کر دیں نعمت ان پر جو نیک عمل کرتے ہیں

۱۹۸ عدل و انصاف کی تاکید بلیغ کی جا رہی ہے کہ خواہ تمہارے قریبی رشتہ داروں کا معاملہ ہی کیوں نہ ہو میزانِ عدل میں جھکاؤ رونما نہ ہو۔

۱۹۹ اسلام قبول کرتے وقت انسان جس کامل اطاعت خداوندی کا پختہ وعدہ کرتا ہے اس کو پوری طرح نباہنے کا ارشاد ہو رہا ہے۔ مذکورہ بالا دو آیتوں میں زندگی بسر کرنے کے جو لازوال اُصول بیان ہوئے ہیں مسلمانوں نے جب تک اِن اصولوں کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا اور سچے دل سے اُن پر کاربند رہے تو ان کی سروری کا ڈنکہ چار دانگ عالم میں بجتا رہا۔ اور جب سے ہم نے اِن حیات بخش اصولوں سے بے اِعتنائی برتنی شروع کی اس وقت سے زوال وادبار کا چکر شروع ہوا۔ خدا معلوم کب ہماری چشم ہوش کھلے گی۔ اور وہ روزِ سعید کب طلوع ہوگا جب ہم قرآنی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر شاہراہِ ترقی پر گامزن ہوں گے۔

۲۰۰ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ ہی اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری ہی وہ اساس محکم ہے جس پر اِتحاد ملت کا ایوان تعمیر ہو سکتا ہے اور جب بھی یہ اساس متزلزل ہو گئی۔ اس کے بعد ملت کے اِنتشار کو دور کرنے کی کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔ ذرا غور فرمایئے ملت کے وہ بہی خواہ اور خیر اندیش جن کی ساری علمی قوتیں اور عملی کاوشیں سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مٹانے پر صرف ہو رہی ہیں وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر ملت کی کتنی بڑی بدخواہی کر رہے ہیں۔

۲۰۱ ثُمَّ عاطفہ ہے اور اس کا عطف وَصّٰكُمْ پر ہے (1) کیونکہ ان امور کی وصیت ہر امت کو اس کے نبی کے ذریعہ کی گئی ہے اس لیے یہاں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ وصیت تو اب کی جا رہی ہے۔ اور تورات کو نازل ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں۔ حالانکہ ثُمَّ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج3، ص308

وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ

اور تاکہ تفصیل ہو جائے ہر چیز کی اور (یہ کتاب) باعثِ ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے

ع ١٩ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٤﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ

پر ایمان لائیں ۲۰۲ اور یہ (قرآن) کتاب ہے ۲۰۳ ہم نے اتارا ہے اِسے، بابرکت ہے سو پیروی کرو اس کی اور ڈرو (اللہ سے) تاکہ

تُرْحَمُوْنَ ﴿١٥٥﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ

تم پر رحم کیا جائے (ہم نے اسے اُتارا ہے) تاکہ یہ نہ کہو کہ اُتاری گئی تھی کتاب تو صرف دو گروہوں پر ہم سے

قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿١٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ

پہلے ۲۰۴ اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے یا یہ نہ کہو ۲۰۵ کہ اگر

تراخی کے لیے ہوتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اَے اولادِ آدم! پہلے تمہیں ان ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی نصیحت کی گئی اور اس پر مزید کرم یہ فرمایا کہ تورات جیسی مفصّل کتاب نازل کی تاکہ جادۂ حق پر چلنے کا شوق رکھنے والوں پر اپنی نعمت کا اتمام کریں۔

۲۰۲ تورات نازل کرنے کا مقصد اعلیٰ یہ تھا کہ لوگوں کا یہ عقیدہ اور پختہ ہو جائے کہ ہمیں ایک روز اس سارے ساز و سامان کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا ہے جہاں ہم سے ہمارے تمام اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔

۲۰۳ اس سے مراد قرآنِ حکیم ہے۔

۲۰۴ یہاں خطاب مشرکینِ عرب سے ہے۔ اُنہیں فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری ہدایت کے لیے یہ بے نظیر کتاب نازل کی گئی ہے تاکہ قیامت کے روز تم اپنی گمراہی اور ضلالت کے لیے یہ عُذر نہ پیش کرو کہ ہمارے لیے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب نازل ہی نہیں کی گئی تھی جسے پڑھ کر ہم شرک و کفر سے تائب ہوتے اور توحید کو قبول کرتے۔ اور یہود و نصاریٰ پر بے شک کتابیں نازل ہوئیں لیکن ہم ان کو پڑھنے سے قاصر تھے اس لیے اگر ہم ایمان نہیں لائے تو ہم معذور تھے۔ طَآئِفَتَيْنِ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں (1)۔

۲۰۵ اس کا عطف سابقہ جملہ پر ہے یعنی اگر قرآن حکیم تمہاری طرف نازل نہ کیا جاتا تو تم بڑی شیخی بگھارتے اور کہتے جس طرح یہود و نصاریٰ کو کتابیں دی گئیں اُسی طرح اگر ہمیں بھی کوئی کتاب دی جاتی تو دنیا دیکھتی کہ ہم اس کو کس طرح سینہ سے لگاتے۔ کس طرح اس کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے (2)۔ لو اب وہ کتاب آ گئی ہے جو روشن دلائل پر مشتمل ہے۔ جو سراپا ہدایت اور

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج3، ص308 2۔ ایضاً، ج3، ص309

اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ

اُتاری گئی ہوتی ہم پر کتاب تو ہوتے ہم زیادہ ہدایت پانے والے ان سے بے شک آگئی ہے تمہارے پاس روشن

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ

دلیل اپنے رب کی طرف سے اور سراسر ہدایت اور رحمت تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے ۲۰۶ جس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا

کی آیتوں کو اور منہ پھیرا ان سے عنقریب ہم سزا دیں گے انھیں جو منہ موڑتے ہیں ہماری آیتوں سے

سُوْۗءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝۱۵۷ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ

بُرے عذاب سے اِس وجہ سے کہ وُہ منہ پھیرا کرتے تھے کِس کی اِنتظار کر رہے ہیں ۲۰۷ بجز اس کے کہ

تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ

آئیں ان کے پاس فرشتے یا خود آئے آپ کا رب یا آئے کوئی نشانی آپ کے رب کی (لیکن) جس روز

مجسّم رحمت ہے۔ اب اس پر عمل کر دکھاؤ۔

۲۰۶ تمہاری صرف یہی کوتاہی نہیں کہ تم خود اِس کتاب پر ایمان نہیں لائے بلکہ اُلٹا تم دوسروں کو بھی اِیمان لانے سے روکتے ہو۔ تم خود ہی بتاؤ تم سے بڑا ظالم اور زیاں کار اور کون ہے؟

۲۰۷ ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اور گمراہی کے ظلمت کدہ سے باہر نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا جلیل القدر رسول مبعوث فرمایا۔ اس پر قرآن جیسی بے مثل کتاب نازل کی۔ طرح طرح کے معجزات سے اس کی صداقت کو آشکارا کیا۔ اِس کے باوجود اگر وہ اِسلام نہیں لاتے اور حق کو قبول نہیں کرتے تو کیا وہ اِس اِنتظار میں ہیں کہ موت کا فرشتہ آئے اور ان کی رُوح قبض کر لے۔ یا قیامت قائم ہو جائے اور خود اللہ تعالیٰ کرسی عدالت پر تشریف فرما ہو یا کوئی ایسی نشانی ظاہر ہو جس کے بعد وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں۔ اگر واقعی اِن چیزوں میں سے کسی کا اِنتظار کر رہے ہیں تو ان کا یہ اِنتظار لغو ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کے ظہور کے بعد وہ ایمان لے بھی آئے تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ پھر اگر انہوں نے توبہ کی بھی تو وہ منظور نہ ہوگی۔ کیونکہ ایمان تو وہ مقبول ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول کی زبان پر یقین کرتے ہوئے لایا جائے۔ جب سب پردے اُٹھ جائیں گے اور غیب شہادت میں بدل جائے گا تو اس وقت کا ایمان معتبر نہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنی آنکھ اور کان پر تو اِعتماد کیا اور اللہ کے رسول کا اِرشاد نہ مانا۔

يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

آئے گی کوئی نشانی آپ کے ربّ کی تو نہ نفع دے گا کسی کو اس کا ایمان لانا جو نہیں ایمان لا

اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ

چکا تھا اس سے پہلے یا نہ کی تھی اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیکی۔ آپ (انھیں)

انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ

فرمائیے تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں بے شک وہ جنھوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں ۲۰۸ اور

كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى

ہو گئے کئی گروہ (اے محبوبؐ!) نہیں ہے آپ کا ان سے کوئی علاقہ۔ ان کا معاملہ صرف اللہ ہی کے

اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

حوالے ہے پھر وہ بتائے گا انھیں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے جو کوئی لائے گا ایک نیکی ۲۰۹

فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا

تو اس کے لیے دس ہوں گی اس کی مانند اور جو کوئی کرے گا ایک برائی تو نہ بدلہ ملے گا اسے مگر اس (ایک برائی)

۲۰۸ اس سے پہلے دین کے غیر متبدل اصولوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (1) کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس کی پیروی کرو۔ اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ تمہاری یکجہتی ختم ہو جائے گی، تمہارا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ اب اِس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے جو اپنی خود پسندی کے باعث دین کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں کوشاں ہیں۔ انہیں صاف صاف بتا دیا کہ ان سے اللہ کا رسول بری ہے اور اس کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور جن کے ساتھ اللہ کے رسول کا کوئی تعلق نہ ہو ان کا اِسلام سے کیا تعلق باقی رہے گا۔

۲۰۹ کیا شانِ بندہ پروری ہے۔

1۔ سورۃ الانعام:153

مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی

کے برابر اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ آپ فرمائیے بے شک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ

سیدھی راہ تک ۲۱۰ یعنی دینِ مستحکم (جو) ملّتِ ابراہیم ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے

مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَ

اور نہیں تھے وُہ مشرکوں سے آپ فرمائیے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں ۲۱۱ اور

مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ

میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ نہیں کوئی شریک اس کا اور

بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ

مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ۲۱۲ آپ فرمائیے کیا اللہ کے سوا

۲۱۰ اے عرب کے بت پرستو! تم چاہو کسی کو اپنا معبود بناؤ۔ اللہ کی زمین میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکاؤ اور فسق وفجور کا بازار گرم کرو۔ میرا تم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تو ثابت قدمی سے توحید اور پاکبازی کی اُسی راہ پر گامزن رہوں گا جو مجھے میرے مالک نے دکھا دی ہے۔ اور یہ کوئی نئی راہ نہیں ہے بلکہ اسی موحدِ اعظم حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہ ہے جس کی اولاد ہونے پر تم فخر کرتے ہو جس کے بنائے ہوئے کعبہ کی خدمت گزاری سے تمہاری ساری عظمتیں وابستہ ہیں۔ وہ شرک سے بیزار اور توحید کے پرستار تھے۔ تو میں توحید کو چھوڑ کر شرک کیسے اختیار کرسکتا ہوں۔

۲۱۱ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا حاصل اور توحید کا سب سے اُونچا مرتبہ یہ ہے جہاں انسان کھڑا ہو کر یہ اعلان کرتا ہے کہ میری سجدہ ریزیوں کا مقصد اور میری ہر طرح کی نیازمندیوں اور عبادتوں کا مدعا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ میری زندگی اور میری موت صرف اسی کی رضا جوئی کے لیے ہے۔ میں اس کے ہر حکم کے سامنے سرافگندہ ہوں اور اس کے ہر فیصلہ پر راضی۔ اس کا کوئی شریک نہیں نہ اس کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں۔ اَلنُّسُكُ فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ جَمِیْعُ اَعْمَالِ الطَّاعَاتِ (قرطبی)(1) آیت میں لفظ نُسُک سے مراد ہر قسم کے نیک اعمال ہیں۔ قربانی بھی اس میں داخل ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 152

اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ

میں تلاش کروں کوئی اور ربّ۔ حالانکہ وُہ رب ہے ہر چیز کا ۲۱۳ اور نہیں کماتا کوئی شخص (کوئی چیز) مگر وُہ اسی

اِلَّا عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ

کے ذمّہ ہوتی ہے اور نہ اُٹھائے گا کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دُوسرے کا بوجھ پھر اپنے رب کی طرف ہی تمھیں

مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ

لَوٹ کر جانا ہے تو وُہ بتائے گا تمھیں جس میں تم اِختلاف کیا کرتے تھے اور وُہی ہے

۲۱۲ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلے مسلم ہونے کا یا تو یہ مطلب ہے کہ اپنی امت میں سب سے پہلے آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اِیمان لائے اور آپ کے بعد آپ کی امت آپ کی دعوت سے اس شرف سے مشرف ہوئی، یا اوّلیت سے مراد اوّلیت حقیقیہ ہے کہ سب مخلوقات سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کا عرفانِ اتم ہمارے آقا و مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا۔ کیونکہ ہر چیز سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کی تخلیق ہوئی اور سب سے پہلے حضور نے ہی اپنے رب کی توحید کی شہادت دی۔ قَالَ قَتَادَةُ: اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ اَوَّلَ الْاَنْبِیَاءِ فِی الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِی الْبَعْثِ (قرطبی)(1) یعنی قتادہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ میری تخلیق تمام انبیاء سے پہلے ہوئی اور بعثت سب کے بعد۔ اِنَّهُ اَوَّلُ الْخَلْقِ اَجْمَعَ (قرطبی)(2) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سب مخلوق سے پہلے ہوئی۔ اور مولانا عثمانی نے بھی اِسی قول کو پسند فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ''عموماً مفسرین وَاَنَا اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس اُمتِ محمدیہ کے اِعتبار سے آپ اوّل المسلمین ہیں لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث كُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ(3) (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم ابھی روح و جسد کی درمیانی منزلیں طے کر رہے تھے) کے موافق آپ اول الانبیاء ہیں تو اول المسلمین ہونے میں کیا شُبہ ہو سکتا ہے (حاشیہ)(4)

۲۱۳ کفّارِ مکّہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بارہا کہا کرتے کہ آپ ہمارا دین قبول کر لیجئے اور ہمارے خداؤں کی پرستش شروع کر دیجئے۔ اور اگر دنیا و آخرت میں آپ کو کوئی گزند پہنچے تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں (5)۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ ان احمقوں سے کہیے تم کتنے بے وقوف ہو۔ کیا میں اس پروردگار کو چھوڑ کر جو میرا بھی رب ہے اور کائنات کی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 155۔ کتاب الشفاء للقاضی عیاض، ج 1، ص 61، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت۔ تفسیر بغوی، سورۂ احزاب، ج 5، ص 192، مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر۔ کنز العمال، ج 11، ص 452، رقم الحدیث: 32126۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم، ج 1، ص 45، مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ بحلب

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 155

3۔ جامع ترمذی ابواب المناقب، ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج 2، ص 201 (جامع ترمذی میں یہ حدیث یوں درج ہے: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَتٰی وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ)

4۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ عثمانی، ص: 194

5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 7، ص 56-155

الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

جس نے ۲۱۴ بنایا تمہیں (اپنا) خلیفہ زمین میں اور بلند کیا ہے تم میں سے بعض کو بعض پر

دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۗ

درجوں میں تاکہ آزمائے تمہیں اس چیز میں جو اُس نے تمہیں عطا فرمائی ہے بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے

وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور بے شک وُہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

ع ۱۱ ۲۰ ۷ النصف

ہر چیز کا بھی خالق و مالک ہے کسی اور کو اپنا رب بنالوں۔ تمہارا یہ خیال کتنا احمقانہ ہے اور تمہارا یہ کہنا بھی لغو ہے کہ تم میرا بوجھ اُٹھالو گے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اُٹھانا پڑے گا۔ کسی کے بدلے دوسرا نہیں پکڑا جائے گا۔

۲۱۴ جس رب کے حضور میں سجدہ ریز ہوں وہی وہ مولائے برحق ہے جس نے تمہیں گزری ہوئی اُمتوں کا قائم مقام بنایا۔ قوت، علم، دولت اور دوسری باتوں میں بعض کو بعض پر فوقیت دی۔ اور ان ساری سرفرازیوں کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری آزمائش کی جائے کہ تم اپنے مُنعِم حقیقی کی کس طرح شکر گزاری کرتے ہو۔ اور جو قوت، عزت، دولت اور صحت و جوانی اس نے تمہیں عطا فرمائی ہے اس کو کس طرح استعمال کرتے ہو۔ اگر وہ چاہے تو چشم زدن میں تم کو عذاب میں گرفتار کردے لیکن اس کی رحمت اور مغفرت بھی بے انداز ہے۔ اگر تم عُمر بھر نافرمانی اور سرکشی کرنے کے بعد پشیمان اور نادم ہو کر اس کے درِ رحمت پر حاضر ہو جاؤ تو وہ تمہارے عمر بھر کے قصور بخش دے گا اور اپنی رحمت سے تمہیں مالا مال کردے گا۔

سرٹیفکیٹ

میں نے اِس قرآنِ مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اَور امعانِ نظر سے پڑھا ہے اَور
میں تصدیق کرتا ہُوں کہ اِس کے متن میں کوئی کمی بیشی اَور کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

ابُوالفیض محمد عبدالکریم
خطیب جامع مسجد خانقاہ ڈوگراں
ضلع شیخوپُورہ

ابوالفیض محمد عبدالکریم [illegible]

طبع جدید سرٹیفکیٹ

ہم نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اور امعان نظر سے پڑھا ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' ہم تصدیق کرتے ہیں
کہ ان شاء اللہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی یا کتابت کی غلطی نہیں ہے۔

قاری محمد اشرف خوشابی
رجسٹرڈ پروف ریڈر حکومت پنجاب (پاکستان)

مولانا ملک محمد بوستان
فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

علامہ محمد زاہد سیفی
فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

علامہ غلام علی
فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

تحقیقاتِ لغویہ

	حاشیہ نمبر	سورت نمبر
ا ــــــــــ		
آمین	۱۳	۱
اسرائیل	۵۵	۲
الوف	۳۱۷	۲
الامانی	۹۵	۲
اسم	۴۶	۳
یألو	۱۲۸	۳
اللّٰھم	۲۰۱	۵
کانّ	۱۵۸	۳
اقنوم	۲۵۷	۴
اساطیر	۳۹	۶
ب ــــــــــ		
بدیع	۱۳۴	۲
	۱۳۲	۶
بطانۃ	۱۲۸	۳
بکّۃ	۹۹	۳
یبخلون	۲۰۸	۳
بروج	۱۲۰	۴
بھیمۃ	۲	۵
ابن اور ولد کا فرق (ابناء)	۵۳	۵
بحیرہ	۱۸۰	۵
اُبسلوا	۸۹	۶

	حاشیہ نمبر	سورت نمبر
بصائر	۱۳۴	۶
ت ــــــــــ		
تاب	۵۲	۲
تتلوا	۱۱۳	۲
تتبعونی	۳۱	۳
ث ــــــــــ		
ثُبات	۱۱۱	۴
ج ــــــــــ		
جِبت	۸۸	۴
لایجرمنّکم	۶	۵
ح ــــــــــ		
الحمد	۴	۱
یستحی	۳۷	۲
الحکمۃ	۱۵۳	۲
حافظوا	۳۱۰	۲
الحق	۳	۳
المحکمات	۷	۳
محراب	۳۷	۳
حنیفا	۷۳	۳
محصنات	۵۳	۴
یحسدون	۹۱	۴
حذر	۱۱۱	۴

	حاشیہ نمبر	سُورت نمبر
حُيّيتم	١٣٣	٤
حام	١٨٠	٥
حواريّون	١٩٦	٥
حكمًا	١٤٤	٦
حرجًا	١٥٩	٦
حسبان	١٢٥	٦
حمولة	١٨٠	٦
خ		
خبالا	١٢٨	٣
اخدان	٥٢	٤
مختال	٦٩	٤
خطأً	١٤٠	٤
خليلاً	١٨٩	٤
مُنخنقة	٨	٥
خائنة	٤١	٥
خضرا	١٢٨	٦
د		
الدين	٨	١
تُدلوا	٢٢٨	٢
الدرك	٢١٧	٤
تدعون	١٧٧	٤
دائرة	١١١	٥
تدرك	١٣٣	٦
ذ		
الذلّة	١٢٣	٣
ر		
الرحمن الرحيم	٣	١
رب	٥	١
رزقنا	٧	٢
راعنا	١٢٠	٢
رفث	٢٤٤	٢
ربانيّون	٨٤	٣
ربوه	٣٥٩	٢
ربيّون	١٥٨	٣
رابطوا	٢٢٨	٣
اركس	١٣٤	٤
مراغمًا	١٥٠	٤
روح	٢٥٦	٤
رهبان	١٥٤	٥
متردية	٨	٥
ز		
ازلهما	٤٩	٢
الزبر	٢١٣	٣
ازلام	٩	٥
زخرف القول	١٤٢	٦
س		
استوىٰ	٤٢	٢
اسجدوا	٤٨	٢
سلوىٰ	٧٤	٢
المسكنة	١٢٣	٣

	حاشیہ نمبر	سُورت نمبر
سنن	۱۵۰	۳
اسلام	۲۱	۳
سوأة	٦٧	۵
سُحت	۸۸	۵
سائبة	۱۸۰	۵
ش ــــــــ		
اشتروا	۲۱	۲
شعائر	۱۸۵	۲
متشابه	۷	۳
مشيّدة	۱۲۰	۴
شنآن	٦	۵
شرعة	۱۰۳	۵
شياطين	۱۴۲	٦
ص ــــــــ		
الصبر	٦۲	۲
الصائبين	۸۳	۲
الصيام	۲۱۱	۲
نُصرهن	۳۵۳	۲
تُصعِدون	۱٦۷	۳
اصبروا	۲۲۸	۳
صابروا	۲۲۸	۳
اصباح	۱۲۵	٦

	حاشیہ نمبر	سُورت نمبر
ض ــــــــ		
يُضلّ	۳۸	۲
الضأن	۱۸۱	٦
ط ــــــــ		
يطيقون	۲۱۴	۲
طاغوت	۳۴۴	۲
"اطيعوا"	۸۸	۴
نطمس	۳۱	۳
طوّعت	۸۵	۴
ظ ــــــــ	٦۵	۵
يظنون	٦۳	۲
ع ــــــــ		
عالمين	٦	۱
نعبد	۹	۱
لنعلم	۱٦۴	۲
عيسٰى	۴۷	۳
العافين	۱۴٦	۳
وليعلم	۱۵۲	۳
عزمت	۱۸۳	۳
عدوا	۱۴۲	٦
تعولوا	۹	۴
عقود	۱	۵
عزرتموهٗ	۳۷	۵

	حاشیہ نمبر	سُورت نمبر
غ		
غیب	۵	۲
لاتغلوا	۲۵۴	۴
اغرینا	۴۵	۵
غمرات	۱۱۹	۶
ف		
مفلحون	۱۰	۲
فریقاً	۲۲۹	۲
الفتنة	۱۳۸	۵
〃 〃	۲۳۴	۲
الفرقان	۴	۳
فاحشة	۱۴۸	۳
فخور	۶۹	۴
فترہ	۵۵	۵
فرطنا	۴۶	۶
فالق	۱۲۲	۶
فرشا	۱۸۰	۶
فواحش	۱۹۴	۶
فرادیٰ	۱۲۱	۶
ق		
یقیمون	۶	۲
قرضًا	۳۱۹	۲
قیوم	۳۳۸	۲
قلائد	۵	۵
قوّامون	۲۰۳	۴
قسیس	۱۵۴	۵
قدروا	۱۱۳	۶
مستقر	۱۲۷	۶
قنوان	۱۲۸	۶
ك		
کرسیّه	۳۴۲	۲
کاظمین	۱۴۵	۳
کلمة	۱۴۵	۶
〃 〃	۲۵۵	۴
کلالة	۲۵۹	۴
الکنّة	۳۹	۶
ل		
تلبسون	۶۰	۲
یلوٗن	۸۳	۳
م		
مالك	۷	۱
مثل	۲۴	۲
ملائکة	۴۵	۲
من وسلویٰ	۷۴	۲
مسیح	۴۷	۳
مکروا	۵۸	۳
معز	۱۸۱	۶
نُملی	۲۰۵	۳
مریض	۱۷۸	۴

	حاشیہ نمبر	سُورت نمبر
ن		
انداد	۳۱	۲
نحله	۱۰	۴
نشوز	۶۵	۴
نقیر	۹۱	۴
نجویٰ	۱۷۲	۴
نقیبا	۳۷	۵
استنکف	۲۵۸	۴
منهاج	۱۰۳	۵
ینئون	۴۰	۶
نُصُب	۸	۵
تنقمون	۱۲۱	۵
انبؤا	۹	۶
متّقون	۴	۲
و		
یوقنون	۹	۲
وسطًا	۱۶۲	۲
اولیاء	۲۸	۳
ولی	۳۴۵	۲
اوحینا	۲۴۷	۴
اوفوا	۱	۵
موقوذة	۸	۵
وسیلة	۷۶	۵
یاویلتٰی	۶۶	۵
وصیلة	۱۸۰	۵
وقرا	۳۹	۶
مستودع	۱۲۷	۶
نُولّی	۱۶۴	۶
توفیتنی	۲۰۹	۵
یتوفّکم	۸۱	۶
ه		
اهدنا	۱۱	۱
یستهزئُ	۲۰	۲
هدی	۵	۵
ماأُهل	۸	۵
هلُمَّ	۱۹۱	۶
مهیمن	۱۰۰	۵
استهوت	۹۰	۶
ی		
یوم الدین	۸	۱
ینعه	۱۲۹	۶

التّحقیقاتُ النّحویہ

	حاشیہ نمبر	سُورت نمبر		حاشیہ نمبر	سُورت نمبر
وما انزل علی الملکین ببابل هاروت وماروت	١١٧	٢	اولمّا اصابتکم مصیبة	١٨٦	٣
			فلاوربك لایومنون	١٠٣	٤
الموفون بعهدهم اذا عاهدوا	٢٠٢	٢	حسن اولئك رفیقا	١٠٩	٤
والصابرین فی البأساء			والمقیمین الصلوٰة والمؤتون الزکاة	٢٤٦	٤
یرونهم مثلیهم رأی العین	١٤	٣	عموا وصمّوا کثیر منهم	١٤١	٥
قائما بالقسط	٢٠	٣	وهو الله فی السموات والارض	٧	٦
تبغونها عوجا	١٠٥	٣	ارأیتکم	٥٨	٦
الا بحبل من الله	١٢٤	٣	عدوا شیاطین الانس والجن	١٤٢	٦
هآانتم اولاء	١٢٩	٣	اکبر مجرمیها	١٥٥	٦
کأیّن من نبیّ	١٥٨	٣	ثمانیة ازواج	١٨١	٦
فبما رحمة من الله	١٨٠	٣	قل هلم شهداءکم	١٩١	٦

فہرست مطالب

	سورت نمبر	آیت نمبر
اللہ جلّ مجدہٗ		
و۔ توحید		
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	۱	
ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں	۱	۱
صرف اُسی کی عبادت	۱	۴
عبادت کا مفہوم	۱	۹ حاشیہ
صرف اُسی سے اِستعانت	۱	۴
اِستعانت کا مفہوم، کون سی اِستعانت شرک ہے اَور کون سی نہیں	۱	۱۰ حاشیہ
اپنے رب کی عبادت کرو	۲	۲۱
اس کے سوا تمھارا کوئی یار و مددگار نہیں	۲	۱۰۷
وُہی ایک خُدا ہے	۲	۱۶۳
〃 〃 〃 〃	۳	۶،۲
〃 〃 〃 〃	۴	۸۷، ۱۷۱
〃 〃 〃 〃	۶	۱۰۲، ۱۰۶
توحیدِ ذاتی و صفاتی	۲	۲۵۵
(آیۃ الکرسی بمع حواشی)		
اللہ تعالیٰ، ملائکہ اَور عُلماء توحید کے گواہ ہیں	۳	۱۸
وُہی ہر چیز کا مالک ہے	۲	۱۰۷، ۱۱۵
〃 〃 〃 〃 〃	۲	۱۱۶، ۱۴۲
〃 〃 〃 〃 〃	۲	۲۸۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
(قل اللھم مالک الملک)	۳	۲۶، ۱۰۹
〃 〃 〃 〃	۳	۱۸۹
〃 〃 〃 〃	۴	۱۲۶، ۱۷۰
〃 〃 〃 〃	۵	۱۷، ۱۲۰
〃 〃 〃 〃	۶	۱۲، ۱۳
		مع حواشی
ب۔ دلائلِ توحید		
وُہ ربّ العالمین ہے	۱	۱
رُبوبیّت کیا ہے	۱	۵ حاشیہ
تمھارا اَور تمھارے آباء و اجداد کا وُہی خالق ہے	۲	۲۱ مع حاشیہ
تکوینی دلائل (زمین، آسمان، بارش، پھل)	۲	۲۲ مع حاشیہ
جس نے تمھیں زندہ کیا اس کا اِنکار نہ کرو	۲	۲۸
زندگی اَور موت کتنی بار	۲	۲۸
زمین کی ہر چیز تمھارے لیے پیدا فرمائی	۲	۲۹
زمین و آسمان کی تخلیق، گردشِ لیل و نہار، سمندری جہاز، بارش کا پانی، ہواؤں کا چلنا اَور بادل، ان میں اس کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔	۲	۱۶۴
چاند کے گھٹنے بڑھنے میں حکمتِ الٰہی	۲	۱۸۹
برباد شہر پر ایک صاحب کا گزر اَور اس کا اِستعجاب	۲	۲۵۹

	سورت نمبر	آیت نمبر
دلائلِ توحید	۳	۲ مع حاشیہ
وفدِ نجران کو دعوتِ مباہلہ	۳	۶۱
تکوینی دلائل، مظاہرِ فطرت میں دعوتِ غور و فکر	۳	۱۹۰، ۱۹۱
مظاہرِ فطرت میں غور و فکر افضل عبادت ہے	۳	۱۹۱
مُسلمان مفکّرین کا طرّۂ اِمتیاز	۳	۱۹۱
شب و روز میں قرار پذیر ہر چیز اس کی ہے	۶	۱۳ مع حاشیہ
رات کی نیند	۶	۶۰
تکوینی دلائل زمین و آسمان کو حق سے پیدا کرنے کی تشریح	۶	۷۳ مع حاشیہ
تکوینی دلائل (دانہ گٹھلی، صبح، شام، ستارے وغیرہ)	۶	۹۶ تا ۹۹
تکوینی دلائل باغات، حیوانات	۶	۱۴۲
ج۔ صفاتِ اِلٰہی		
(۱) علمِ الٰہی		
ہر چیز کو جاننے والا	۲	۲۹
آسمان و زمین کی سب چھپی چیزوں کو جانتا ہے	۲	۳۳
ظاہر و پوشیدہ کو جانتا ہے	۲	۳۳، ۷۷
اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے	۲	۱۱۰
وُہ سمیع و علیم ہے	۲	۱۲۷، ۲۴۴
وُہ شاکر و علیم ہے	۲	۱۵۸
وُہ ہر چیز جاننے والا ہے	۲	۲۳۱
وُہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے	۲	۲۳۳، ۲۳۷
وُہ ہر چیز سے خبردار ہے	۲	۲۳۵
واسع علیم ہے	۲	۲۴۷، ۲۶۱، ۲۶۸

	سورت نمبر	آیت نمبر
ھو بکل شیئ علیم	۲	۲۸۲، ۲۸۳
〃 〃 〃	۴	۳۲
وُہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے	۲	۲۸۴
اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں	۳	۵
تمہارے دِلوں کے چھُپے حالات کو جانتا ہے	۳	۲۹
سمیع علیم	۳	۳۴
〃 〃	۴	۱۴۸
السمیع العلیم	۳	۳۵
وُہ تمہارا نگران ہے	۴	۱
علیم حکیم ہے	۴	۱۱، ۱۷، ۲۶،
〃 〃	۴	۱۰۴، ۱۱۱
علیم حلیم	۴	۱۲
کفی باللہ علیما	۴	۷۰
علیم خبیر	۴	۹۴
علیم بذات الصدور	۵	۷
خبیر بما تعملون	۵	۸
علام الغیوب	۵	۱۱۶
وُہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے	۶	۳
اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں	۶	۵۹
غیب و شہادت کا جاننے والا	۶	۷۳
سمیع علیم	۶	۱۱۵
وُہ بہتر جانتا ہے جو رسالت کا اہل ہے	۶	۱۲۴
(۲) ہر چیز کا خالق و مالک		
مالکِ یوم الدّین ہے	۱	۳

	سورت نمبر	آیت نمبر
زمین کی ہر چیز اور سات آسمانوں کا خالق	۲	۲۹
آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے	۲	۱۰۷
" " " " " " " "	۵	۱۲۰
مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ کا ہے	۲	۱۱۵، ۱۴۲
زمین آسمان کی ہر چیز اس کی تابع فرمان ہے	۲	۱۱۶
آسمانوں اور زمین کا موجد ہے	۲	۱۱۷
غنی حمید ہے	۲	۲۶۷
وہی ہر چیز کا مالک ہے	۳	۲۶، ۱۰۹،
" " " " " "	۳	۸۳، ۱۸۹
زمین و آسمان، نور و ظلمت کا خالق	۶	۱
فاطر السموات والارض	۶	۱۴
زمین و آسمان کو حق کے ساتھ پیدا کیا گیا (بالحق کی تشریح)	۶	۷۳
دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا، زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا	۶	۹۵
صبح کو پیدا کرنے والا، رات، سورج اور قمر کو ذریعۂ حساب بنانے والا	۶	۹۶
ستاروں کو بحر و بر میں ہدایت کا باعث بنانے والا	۶	۹۷
زمین و آسمان کا خالق بدیع	۶	۱۰۱
ہر چیز کا خالق	۶	۱۰۲
(۳) ہر چیز پر قادر ہے		
حکمِ الٰہی اور رضائے الٰہی میں اور ارادہ و مشیّتِ الٰہی میں فرق ہے	۲	۱۰۲

	سورت نمبر	آیت نمبر
اللہ ہر چیز پر قادر ہے	۲	۱۰۶
" " " " " "	۲	۱۰۹
" " " " " "	۲	۱۴۸
کن فیکون	۲	۱۱۷
وعزیز حکیم	۲	۱۲۹
" "	۲	۲۰۹
ساری قوت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے	۲	۱۶۵
رزق کی تنگی اور فراخی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے	۲	۲۴۵
اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا فرماتا ہے	۲	۲۴۷
تابوتِ سکینہ	۲	۲۴۸
جو چاہتا ہے کرتا ہے	۲	۲۵۳
اللہ کے اذن سے بسا اوقات چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آتی ہے	۲	۲۴۹
ہر چیز پر قادر ہے	۲	۲۵۹
عزیز حکیم ہے	۲	۲۶۰
جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے الخ	۳	۲۶
ہر چیز پر قادر ہے	۳	۲۹
جو چاہتا ہے کرتا ہے	۳	۴۰
" " " " کن فیکون	۳	۴۷
مدد اُسی کی طرف سے ہے	۳	۱۲۶
وُہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے	۳	۱۵۶
اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔	۳	۱۶۰

	سورت نمبر	آیت نمبر
ہر چیز پر قادر ہے	۳	۱۶۵
اللہ کفّار کا شر تم سے روک لے گا	۴	۸۴
ہر چیز پر قادر ہے	۴	۱۳۳
وُہ ہر چیز پر قادر ہے	۶	۱۲ تا ۱۸
وُہ ہر چیز پر غالب ہے	۶	۶۰ تا ۶۵
قُدرتِ الٰہی کے نمُونے	۶	۹۵ تا ۹۹
وُہ غنی ہے وُہ چاہے تو تمھیں تباہ کر دے اَور تمھاری جگہ کسی اَور کو کھڑا کر دے۔	۶	۱۳۳
جس کو چاہے ہدایت دے دے اَور جس کو چاہے گمراہ کر دے	۶	۳۹
مُردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں حضرت خلیلؑ کا سوال اَور اس کا جواب	۲	۲۶۰
جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے جسے حکمت ملی اُسے خیرِ کثیر ملی۔	۲	۲۶۹
جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب دے	۲	۲۸۴
ہر چیز پر قادر ہے	۲	۲۸۴
وُہ شکمِ مادر میں جیسے چاہتا ہے تصویر بناتا ہے	۳	۶
جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے	۵	۱
ہر چیز پر قادر ہے	۵	۱۷
رحمتِ الٰہی		
وُہ رحمٰن و رحیم ہے	۱	
〃 〃 〃 〃	۱	۲
〃 〃 〃 〃 〃	۲	۱۶۳
وُہ التوّاب الرّحیم ہے	۲	۵۴
جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ وُہ فضلِ عظیم کا مالک ہے	۲	۱۰۵
وُہ التوّاب الرّحیم ہے	۲	۱۲۸
رؤف رحیم ہے	۲	۱۴۳
غفور رحیم ہے	۲	۱۷۳
〃 〃 〃	۲	۲۱۸
〃 〃 〃	۳	۳۱
〃 〃 〃	۴	۱۲۹، ۱۵۲
وُہ لوگوں کے ساتھ رؤف رحیم ہے	۲	۱۴۳
اُس سے مغفرت طلب کرو بیشک وُہ غفور رحیم ہے	۲	۱۹۹
رؤف بالعباد	۲	۲۰۷
غفور حلیم ہے	۲	۲۳۵
اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے	۲	۲۴۳
وُہ سارے جہان والوں پر فضل و احسان کرنے والا ہے	۲	۲۴۳
ذو فضلٍ علی العالمین	۲	۲۵۱
وُہ تمھارے گناہ بخش دے گا وُہ غفور رحیم ہے۔	۳	۳۱
وُہ غفور رحیم ہے	۳	۸۹
اللہ کی مغفرت اَور رحمت ہمارے مال سے بہتر ہے	۳	۱۵۷
وُہ فضلِ عظیم کا مالک ہے	۳	۱۷۴
جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے وُہ غفور رحیم ہے	۳	۱۲۹

	سورت نمبر	آیت نمبر
غفور رحیم ہے	۴	۲۳، ۲۵
ولوانّھم اذ ظلموا الخ	۴	۶۴
غفور رحیم ہے	۴	۹۶
〃 〃 〃	۴	۱۰۰
〃 〃 〃	۴	۱۰۶
〃 〃 〃	۴	۱۱۰
〃 〃 〃	۴	۱۵۲
وُہ عفوّاً قدیر ہے	۴	۱۴۷
اُس نے اپنے اُوپر رحمت لازم کی ہے	۶	۱۶۰
تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے	۶	۱۴۸
وُہ ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں دیتا ہے	۶	۱۶۱
تنزیہہ باری		
کسی کو اُس کا "ند" نہ بناؤ	۲	۲۲
مچھر کی مثال دینے سے وُہ حیا نہیں کرتا	۲	۲۶
اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے غافل نہیں	۲	۱۴۴
اللہ تعالیٰ ظالم نہیں	۳	۱۰۸، ۱۸۲
کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا	۳	۱۹۵
اللہ تعالیٰ نے کفّار کو مسلمانوں پر غلبہ نہیں دیا	۴	۱۴۱ مع حاشیہ
اگر تم شکر کرو تو اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دے گا	۴	۱۴۷
آنکھیں اُس کا اِحاطہ نہیں کر سکتیں (دیدارِ الٰہی)	۶	۱۰۳
اللہ تعالیٰ کن سے محبّت کرتا ہے اور ہدایت دیتا ہے		
جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے	۲	۱۴۲، ۲۷۲

	سورت نمبر	آیت نمبر
توّاب رحیم ہے	۲	۱۶۰
وُہ محسنین سے محبّت کرتا ہے	۲	۱۹۵
〃 〃 〃 〃 〃	۳	۱۳۴، ۱۴۸
〃 〃 〃 〃 〃	۵	۹۳
وُہ توّابین سے محبّت کرتا ہے	۲	۲۲۲
وُہ پاکیزہ لوگوں سے محبّت کرتا ہے	۲	۲۲۲
اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے	۲	۲۴۹
〃 〃 〃 〃 〃	۳	۱۴۶
وُہ توکّل کرنے والوں سے محبّت کرتا ہے	۳	۱۵۹
وُہ پرہیزگاروں سے محبّت کرتا ہے	۳	۷۶
جو اللہ تعالیٰ کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے اسے ہدایت دی جاتی ہے	۳	۱۰۱
وُہ اِنصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے	۵	۴۲
اللہ تعالیٰ کن سے محبّت نہیں کرتا اور ہدایت نہیں دیتا		
وُہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا	۲	۲۶
فاسق کون ہیں	۲	۲۷
وُہ زیادتی کرنے والوں سے محبّت نہیں کرتا	۲، ۵	۸۷، ۱۹۰
اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا	۲	۲۰۵
اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا	۳	۸۶
〃 〃 〃 〃 〃	۲	۲۵۸
وُہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا	۲	۲۶۴
وُہ ناشکرے بدکار سے محبّت نہیں کرتا	۲	۲۷۶
وُہ کافروں سے محبّت نہیں کرتا	۳	۳۲
وُہ ظالموں سے محبّت نہیں کرتا	۳	۵۷، ۱۴۰

	سورت نمبر	آیت نمبر
وُہ مغرور اور فخر کرنے والے سے محبّت نہیں کرتا	۴	۳۶
وُہ بدکار بددیانت سے محبّت نہیں کرتا	۴	۱۰۷
بُری بات برملا کہنے کو پسند نہیں کرتا	۴	۱۴۸
وُہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا	۶	۱۴۱
ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا	۶	۱۴۴
متفرّق		
اللہ تعالیٰ کا رنگ سب سے زیادہ حسین ہے	۲	۱۳۸
وُہ اپنے احکام سے اپنے بندوں کو آزماتا ہے	۲	۱۴۳
وُہ اپنے بندوں کا اِیمان ضائع نہیں کرتا	۲	۱۴۳
تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا	۲	۱۵۲
ذِکر کی برکت اَور ترغیب	۲	۱۷۷ حاشیہ
اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے	۲	۱۵۳
اللہ تعالیٰ مغفرت وفضل کا وعدہ کرتا ہے	۲	۲۶۸
وُہ سریع الحساب ہے	۳	۱۹
رزق کی کمی بیشی اسی کے اختیار میں ہے	۳	۳۷
جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے	۳	۱۳، ۱۲۶، ۱۵۰، ۱۶۰

	سورت نمبر	آیت نمبر
جو اُس کا دامن پکڑے وُہی ہدایت پاتا ہے	۳	۱۰۱
شکرگزار بندوں کو جزا دیتا ہے	۳	۱۴۵
دُعا مانگنے کی ترغیب	۴	۳۲
اللہ تعالیٰ سب سے سچّا ہے	۴	۱۲۲
اس کے پاس دُنیا وآخرت کا ثواب ہے	۴	۱۳۴
جو اللہ تعالےٰ کی رضا کا طالب ہے اُسے ہی سبل السّلام اَور نورِ ہدایت سے نوازا جاتا ہے	۵	۱۶
اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے	۶	۱۹
اللہ تعالیٰ کی راہنمائی سے ہدایت ملتی ہے	۶	۷۱
وُہی بدیع ہے	۶	۱۰۱
وُہ جس کو ہدایت دیتا ہے اُس کا سینہ اِسلام کے لیے کھول دیتا ہے	۶	۱۲۵
وُہ جس کو گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے تنگ کرتا ہے	۶	۱۲۵
اللہ کی دلیل ہی سب سے قوی ہے	۶	۱۴۹

سیّدنا و مولانا محمّد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم

	سورت نمبر	آیت نمبر
۱۔ نبوّت و رسالت		
عصمتِ انبیاء	۲	۳۶ مع حاشیہ
سب رسُولوں پر ایمان لانا ضروری ہے	۲	۲۸۵
ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے	۲	۱۱۹
بے شک آپ رسُولوں میں سے ہیں	۲	۲۵۲
رسُولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ۔ وجُوہِ فضیلت	۲	۲۵۳
دلیلِ رسالت	۳	۳ حاشیہ
ختمِ نبوّت کی دلیل (تعارف آلِ عمران)		
مباہلہ حضورؐ کی رسالت کی کھُلی دلیل	۳	۶۱
(حضورؐ کی صاحبزادیاں اور خلافتِ بلافصل)	۳	۶۶، ۶۷ حاشیہ
حضورؐ کی رسالت احسانِ عظیم ہے	۳	۱۶۴
حضورؐ تمام انسانیت کے رسُول ہیں	۴	۱۲۳ حاشیہ
اَے لوگو! یہ رسُول حق کے ساتھ تمھاری طرف آیا	۴	۱۷۰
حضورؐ کی بشارت اناجیل میں	۵	۱۵
حضورؐ کو تبلیغِ قرآن کا حکم اور عصمت کا وعدہ	۵	۶۷
رسُول کا فرض تبلیغ احکام ہے	۵	۹۹
اہلِ کتاب کو حضورؐ کی صداقت کا یقین تھا	۶	۲۰
حضورؐ کی بعثت کے لیے دُعاءِ خلیل	۲	۱۲۹
بعثتِ نبی کے اغراض	۲	۱۵۳ حاشیہ

	سورت نمبر	آیت نمبر
ب۔ رحمت و خُلقِ عظیم		
حضورؐ کی تشریف آوری سے اوس و خزرج میں لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی	۳	۱۰۷ حاشیہ
حضورؐ کی بعثت سے اتفاق و محبّت	۳	۱۰۳
صحابہؓ کا کمالِ ایمان	۳	۱۰۳ حواشی
اُحد میں رُخِ انور کا زخمی ہونا اور حضور کا دُعا فرمانا	۳	۱۳۹ حاشیہ
حضورؐ نے غنیمت میں خیانت کرنے والوں کا جنازہ نہیں پڑھا	۳	۱۸۴
کفر میں جلد بازی کرنے والوں سے آپ غمگین نہ ہوں	۳	۱۷۶
حضورؐ کی رحمتِ واسعہ (فبما رحمۃ من اللہ لِنتَ لھم)	۳	۱۵۹
منافقین سے اعراض کرنے اور تنہائی میں انھیں نصیحت کرنے کی تعلیم	۴	۶۳
خائنوں کی طرف سے جھگڑا کرنے کی ممانعت	۴	۱۰۵
استغفار کا حکم	۴	۱۰۶
یہود کی سازش سے حضورؐ کو بچا لینا	۵	۱۱
ساری اُمت پر اللہ تعالیٰ کا احسان	۳	۱۶۴
ان کی خواہشات کے اتباع کی ممانعت	۵	۴۸

	سورت نمبر	آیت نمبر
حضورؐ کا اللّٰھم اُمّتی کہہ کر رونا اور جبرئیلؑ کا مژدۂ رحمت لانا	۵	۲۱۰ حاشیہ
کفّار کے اِیمان نہ لانے سے حضورؐ کا غمگین ہونا اور اللہ تعالیٰ کا تسلّی دینا	۶	۵۰ تا ۵۲
کفّار کی ہدایت یابی کے لیے حضورؐ کی شدّتِ حرص کا بیان	۶	۳۵ حاشیہ
ذِکر کرنے والوں کو دُور نہ ہٹانے کی تلقین	۶	۵۲
کسی اجر کی طلب نہیں	۶	۹۰
آپؐ تفرقہ اندازوں سے نہیں	۶	۱۵۹
شانِ مُصطفویؐ		
اذ قال ربك میں اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حضورؐ خلیفۂ اعظم ہیں	۲	۳۰ حاشیہ
اگر آپؐ نہ ہوتے تو آدم کو بھی پیدا نہ کیا جاتا	۲	۴۴ حاشیہ
حضورؐ کی شان کو مت چھپاؤ	۲	۶۰ حاشیہ
یہود حضورؐ کے وسیلہ سے فتح طلب کیا کرتے	۲	۸۹
حضورؐ اُمّت پر گواہ ہیں گواہی کی تشریح	۲	۱۴۳
اللہ تعالیٰ نے اسے قبلہ بنایا جو آپؐ کو پسند ہے	۲	۱۴۴
اہلِ کتاب حضورؐ کو خُوب پہچانتے ہیں	۲	۱۴۶
قد نرٰی تقلّب وجھك میں حضورؐ کی شان	۲	۱۴۴
حضورؐ کی بعثت کے مقاصد	۲	۱۵۱
یعلّمکم، تکرارِ فعل کی حکمت	۲	۱۵۱
حضورؐ کے بال کی برکت سے حضرت خالدؓ کو فتح نصیب ہوتی	۲	۳۲۴ حاشیہ
حضورؐ کے درجات کو بلند فرمایا	۲	۳۳۱ حاشیہ

	سورت نمبر	آیت نمبر
حضورؐ کی اطاعت خُدا کا محبُوب بنا دیتی ہے	۳	۳۱ مع حاشیہ
حضورؐ کا مرتبہ مقامِ اصطفٰی سے بلند تر ہے	۳	۳۳ مع حاشیہ
حضورؐ اور حضورؐ کے پیروکار حضرت خلیلؑ کے جائز وارث ہیں	۳	۶۸
تمام انبیاء سے حضورؐ پر ایمان لانے اور نُصرت کرنے کا وعدہ لیا گیا	۳	۸۱ مع حاشیہ
حضورؐ اور حضورؐ کی امت کا تمام کتب اور انبیاء پر اِیمان	۳	۸۴
شجاعت و اِستقامتِ نبویؐ	۳	۱۶۸ حاشیہ
اللہ تعالیٰ اپنے محبُوبؐ سے خطاکاروں کی سفارش فرماتا ہے	۳	۱۵۹ مع حاشیہ
نادانوں کے ساتھ آپؐ کا رویّہ	۳	۲۰
حضورؐ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا اِحسان	۳	۱۶۴
جو گنہ گار آپؐ کے پاس آئے گا بخشا جائے گا	۴	۶۴ مع حاشیہ
(ولو انھم اذ ظلموا) الآیۃ	۴	۲۴۹ حاشیہ
سب انبیاء حضورؐ سے فیضیاب ہیں	۴	۱۶۴ مع حاشیہ
حبیب کا مقام خلیل سے بلند	۴	۱۸۹ حاشیہ
حضورؐ اللہ تعالیٰ کی بُرہان ہیں	۴	۱۷۵
حضورؐ کی بشارت انجیلوں میں	۵	۱۵ مع حاشیہ
اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نُور آیا	۵	۱۵
قرآن سابقہ کتب کا مہیمن اور مصدّق ہے	۵	۴۸
حضورؐ سے بے فائدہ سوالات کرنے کی ممانعت	۵	۱۰۱ مع حاشیہ
اطاعت اور محبّت کے میدان میں رزالست	۶	۱۴، ۱۶۳
سب سے پہلے قدم رکھنے والے حضورؐ تھے		حواشی

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپ تخلیقاً پہلے ہیں کنت نبیاً و آدم الخ	۶	۱۶۳ مع حاشیہ
دیدارِ الٰہی	۶	۱۰۳
اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حضورؐ کو بھی حاصل ہوا۔	۴	۱۶۴ مع حاشیہ
حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علمِ مبارک		
حروفِ مقطعات کا علم	۲	۱ مع حاشیہ
علّم آدم الاسماء کلّھا سے حضورؐ کے علم کا اندازہ کرو	۲	۳۱ مع حاشیہ
یعلّمکم میں فعل کی تکرار کی حکمت	۲	۷۶ مع حاشیہ
حضورؐ کا اُمّت پر گواہ ہونا	۲	۱۴۳ مع حاشیہ
"چاند کے گھٹنے بڑھنے" کے متعلق سوال اور اس کا جواب	۲	۱۸۹ مع حاشیہ
متشابہات کا علم حضورؐ کو بذریعہ وحی دیا گیا	۳	۷، ۸ حاشیہ
غیب بذریعہ وحی بتایا جاتا ہے	۳	۴۴
حضورؐ کو مشورہ کرنے کا حکم اور اس کی حکمت	۳	۱۵۹ مع حاشیہ
علمِ خُداداد	۳	۸۴ حاشیہ
اس قوم کا کیا حال ہوگا جو میرے علم پر طعنہ زنی کرتی ہے	۳	۷۹ مع حاشیہ
حضورؐ کو احکامِ شرعیہ کا یقینی علم عطا فرمایا گیا	۴	۱۰۵ مع حاشیہ
طعمہ کی چوری کا واقعہ	۴	۱۵۸ حاشیہ
جس چیز کا علم حضورؐ کو پہلے نہیں تھا اس کا علم اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عطا کیا	۴	۱۱۳ مع حاشیہ
جن انبیاء و رُسل کا قرآن میں ذکر نہیں حضورؐ کو ان کا بھی علم تھا	۴	۱۶۴ مع حاشیہ
علماءِ یہود کا اِس خیال سے حضورؐ کو غلانا کہ آپ بشر ہی تو ہیں اور ناکام ہونا	۵	۹۴ مع حاشیہ
حضورؐ کی اطاعت		
حکمت سے مُراد سُنّتِ نبویؐ ہے	۲	۱۵۳ حاشیہ
تحویلِ قبلہ اور صحابہ کی شانِ اطاعت	۲	۱۴۴ مع حاشیہ
رسولؐ کا اِتّباع محبّتِ الٰہی کی نشانی اور مغفرت کا باعث ہے	۳	۳۱ مع حاشیہ
اطاعتِ رسولؐ کا حکم	۳	۳۲
اطاعتِ خُدا اور اطاعتِ رسولؐ	۳	۱۳۲
فتنہ اِنکارِ سُنّت کا ردّ	۴	۷۹ مع حاشیہ
جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا وُہ جنّت میں داخل ہوگا	۴	۱۳
جو نافرمانی کرے گا وُہ جہنم میں جائے گا	۴	۱۴
قیامت کے دن رسولؐ کے نافرمانوں کی حالت	۴	۴۲
رسول اِس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے	۴	۶۴ مع حاشیہ
تیرے رب کی قسم! وُہ مومن نہیں جب تک تیرا فیصلہ نہ مانیں (اطاعتِ رسولؐ)	۴	۶۵
اطاعتِ رسولؐ کی برکت سے ہدایت نصیب ہوگی	۴	۱۰۷ حاشیہ
اللہ اور رسولؐ کے مطیع ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اِنعام ہوا	۴	۶۹

	سورت نمبر	آیت نمبر
اطاعتِ رسولؐ	۴	۸۰
جو رسولؐ کا مطیع ہے وہی اللہ تعالےٰ کا مطیع ہے	۴	۸۰
حضورؐ کی نافرمانی کا نتیجہ توفیقِ الٰہی سے محرومی ہے	۴	۱۱۵ مع حاشیہ
اجماعِ اُمّت کی خلاف ورزی کا انجام	۴	۱۱۵
اطاعتِ رسولؐ کا حکم اور نافرمانی کی ممانعت	۵	۹۲
میری اطاعت کرو ورنہ راہِ حق سے بھٹک جاؤ گے	۶	۱۵۳ حاشیہ
جو دین میں تفرقہ ڈالتے ہیں آپ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں (کانوا شیعاً)	۶	۱۶۰

حضورؐ کی تعظیم و تکریم

حضورؐ کو "راعِنا" مت کہو بلکہ "اُنظُرنَا" عرض کرو	۲	۱۰۴
یہود کی طرح میرے حبیبؐ سے لایعنی سوالات مت پوچھو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے	۲	۱۰۸
بارگاہِ رسالت میں یہود کی بے ادبیاں	۴	۴۶
اِس گستاخی کے باعث وہ اِیمان سے محروم کر دیئے گئے	۴	۴۶
یہود کی دلآزاری اور اللہ تعالیٰ کی دِلجوئی	۵	۴۱
حضورؐ سے بے فائدہ سوالات کی ممانعت	۵	۱۰۱

اظہارِ عبودیّت

اگر آپ ان کی اھواء کی پیروی کریں گے تو...	۲	۱۴۵
حضورؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں کیا ان کے اِنتقال کے بعد تم دین چھوڑ دو گے	۳	۱۴۴
استغفار کا حکم	۴	۱۰۶
میں سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں	۶	۱۴، ۱۶۳
مجھے اپنے رب کی نافرمانی سے سخت ڈر لگتا ہے	۶	۱۵
میں جھوٹے خداؤں کی خدائی کی گواہی ہرگز نہیں دیتا	۶	۱۹
کفّار کی ہدایت پذیری پر حضورؐ کی شدتِ حرص	۶	۳۵
میں اِس بات کا دعوےٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں	۶	۵۰
مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں	۶	۵۶
آپ کہیئے اللہ! اور کافروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے	۶	۹۲
مجھے میرے رب نے ہدایت دی ہے	۶	۱۶۲
میری نماز، میری قربانی میری زندگی اور موت سب اللہ تعالےٰ کے لیے ہیں	۶	۱۶۳
اللہ تعالیٰ کے سوا میں کسی کو اپنا رب نہیں مانتا	۶	۱۶۵

اِسلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
اِسلام نے اِنسان کی تقسیم قومیّت و وطنیّت کی بُنیاد پر نہیں کی بلکہ نیکی و بدی کو اساس بنایا ہے	۲	۸۲،۸۱
جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیا اُسے نہ خوف نہ حُزن	۲	۱۱۲
شہیدوں کو مُردہ مت کہو وُہ زندۂ جاوید ہیں	۲	۱۵۴
طرح طرح کی تکلیفوں سے بندے کو آزمایا جاتا ہے صابر جیت جاتے ہیں	۲	۱۵۵
اِسلام کے نزدیک نیکی اَور صالحیّت کا معیار	۲	۱۷۷
اِسلام کو مکمّل طور پر قبول کرو	۲	۲۰۸
دِین میں اِکراہ نہیں	۲	۲۵۶
اِطمینانِ قلب کے لیے سوال کرنے کی اجازت	۲	۲۶۰
اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین فقط اِسلام ہے	۳	۱۹
مبلّغینِ اِسلام کی ایک جماعت	۳	۱۰۴
ہر حال میں سچّی گواہی دینے اَور اِنصاف کرنے کا حکم	۴	۱۳۵، ۶،
دین میں اِختلاف کا آغاز	۴	۹
〃 〃 〃 〃 〃	۲	۲۱۳
اِسلام خُدائی دین ہے	۳	۱۹
	۳	۱۹

	سورت نمبر	آیت نمبر
اِسلام سب انبیاء کا دین ہے	۳	۱۹
اِسلام قبول کرنے میں سب کا بھلا ہے	۳	۲۰
اِسلام کو چھوڑنا بڑی نادانی ہے	۳	۸۳
اِسلام کے بغیر کوئی دین قبول نہیں	۳	۸۵
اِنسانیت کو متحد کرنے والا دین	۳	۸۴
اِسلام کی اشاعت کے لیے مبلّغین کی تیاری	۳	۱۰۴
اِسلام دینِ محبّت ہے	۳	۱۱۹
توکّل کا اِسلامی مفہوم	۳	۱۲۲
وعدہ شکنی کی مذمت اَور اس کی سزا	۳	۷۷
ہر حال میں سچّی گواہی دو اَور اِنصاف کرو	۵	۸
دشمنوں پر زیادتی کی ممانعت	۵	۲
اِیفاءِ عہد کا حکم	۵	۱
شعائر اللہ کی عزّت کو ملحُوظ رکھنے کا حُکم	۵	۲
نیکی پر تعاون کا حُکم	۵	۲
تکمیلِ دین کی بشارت	۵	۳
اِسلام اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے	۶	۱۲۷
ان صلاتی ونسکی (الآیۃ)	۶	۱۶۳
اطاعت احکامِ الٰہی سے اَور تقویٰ سے	۵	۶۶
تنگ دستی نہیں بلکہ فراخی ہے		

انبیاء علیہم السلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
رسولوں کو رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی	۲	۲۵۳
انبیاء کرام کو سب عالمین سے چنا گیا ہے	۳	۳۳
انبیاء کسی کو اپنا بندہ نہیں بناتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بناتے ہیں	۳	۷۹
بعثتِ انبیاء کا مقصد	۴	۱۶۵
تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے	۴	۱۵۰، ۱۵۱
وحی کی حقیقت	۴	۱۶۳
بعثتِ انبیاء کا مقصد	۶	۴۸
قیامت کے دن انبیاء کا "لاعلم لنا" کہنا	۵	۱۰۹
ہر نبی کے دشمن جنوں اور انسانوں میں سے بنائے گئے ہیں	۶	۱۱۳
اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کس کو رسالت دی جائے۔	۶	۱۲۵
جن و انس کی طرف انبیاء مبعوث فرماتے گئے	۶	۱۳۱

آدم علیہ السلام

تخلیقِ آدمؑ کا واقعہ	۲	۳۰
فرشتوں کی گزارش	۲	۳۰
حضرت آدمؑ کے علوم	۲	۳۱
فرشتے بھی دم بخود	۲	۳۲، ۳۳
فرشتوں کو حکم کہ آدمؑ کو سجدہ کرو	۲	۳۴
آدمؑ کی رہائش جنت میں	۲	۳۵
درخت کے قریب جانے سے ممانعت	۲	۳۵
شیطان نے پھسلا دیا اور پھر آدمؑ کی توبہ	۲	۳۶، ۳۷
حضورؐ کے وسیلہ سے توبہ کی قبولیت	۲	۵۱ حاشیہ
ہابیل اور قابیل کا قصہ	۵	۲۷ تا ۳۱

ابراہیم علیہ السلام

آپ کی آزمائش، کامیابی اور مرتبۂ امامت	۲	۱۲۴
پر فائز المرامی		
آپ کے حالات	۲	۱۴۳ حاشیہ
نیک اولاد ہی اپنے اسلاف کی نیک نامی کی حقدار ہے	۲	۱۲۴
مقامِ ابراہیمؑ کو مصلّٰی بناؤ	۲	۱۲۵
میرے گھر کو صاف ستھرا رکھو	۲	۱۲۵
مکّہ کے لیے آپ کی دعا	۲	۱۲۶
تعمیرِ کعبہ کی تکمیل کے وقت آپ کی دعائیں	۲	۱۲۷ تا ۱۲۹
ہماری اس محنت کو قبول فرما۔ ہمیں اور ہماری اولاد کو مسلمان بنائے رکھ اور ایک رسولِ عظیم کے لیے دعا		
ملّتِ ابراہیمؑ کو صرف احمق لوگ قبول نہیں کرتے نظر انداز کرتے ہیں	۲	۱۳۰
حکمِ الٰہی اَسْلِمْ جواباً عرض کی اسلمت لرب العالمین	۲	۱۳۱

	سورت نمبر	آیت نمبر
اپنی اَولاد کو وصیّت	٢	١٣٢
اللہ تعالیٰ کے بارے میں آپ کا نمرود سے مکالمہ	٢	٢٥٨
آپ کا سوال، تُو کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے اَور اس کا جواب	٢	٢٦٠
آپ نہ یہُودی تھے نہ نصرانی بلکہ پکّے مُسلم	٣	٦٧
آپ کے صحیح جانشین	٣	٦٨
آلِ ابراہیمؑ کو کتاب، حِکمت اَور مُلکِ عظیم عطا فرمایا گیا	٤	٥٤
آپ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں	٤	١٢٥
آپ کی آذر کو نصیحت	٦	٧٥
کیا آذر آپ کے والد کا نام ہے	٦	٧٤ حاشیہ
ملکوت السموات والارض کا مشاہدہ	٦	٧٥
ستارے، چاند اَور سُورج کی الُوہیّت کا بطلان	٦	٧٦ تا ٧٧ مع حاشیہ
آپ کے شہر اُر کے سیاسی، تمدّنی اَور مذہبی حالات	٦	٧٩ حاشیہ
آپ کا اعلانِ توحید	٦	٧٩
قوم کے ساتھ آپ کا مناظرہ	٦	٨٠، ٨١
اِبراہیمی حُجّت	٦	٨٣
آپ کو نیک اولاد کا عطیہ	٦	٨٤
عِیسٰی علیہ السّلام		
حضرت عیسٰیؑ کو بیّنات عطا فرمائے اَور رُوح القدس سے مؤیّد فرمایا	٢	٢٥٣
آپ کی الُوہیّت کی نفی	٣	٥٩
حضرت مریمؑ کی والدہ کی نذر	٣	٣٦
مَریم کی شان	٣	٤٢
آپ صدّیقہ تھیں	٥	٧٥
آپ کو حضرت عیسٰیؑ کی بشارت	٣	٤٥
انھیں "کلمۃ منہ" کہنے کی وجہ	٣	٤٥ حاشیہ
عیسٰیؑ بن مریمؑ کہنے کی وجہ	٣	٤٥ حاشیہ
اِس بات پر مریمؑ کا تعجب اور اس کا ازالہ	٣	٤٧
مسیحؑ صرف بنی اِسرائیل کے رسُول تھے	٣	٤٩
اس کی تائید انجیل سے حاشیہ آیت مذکورہ		
آپ کے معجزات	٣	٤٩
معجزات کے اِنکار کی وجہ اور اس کا رد		حاشیہ آیت مذکورہ
اِظہارِ معجزات کے بعد اپنی بندگی اَور اللہ تعالیٰ کی ربُوبیّت کا اعلان	٣	٥١
عیسائیوں کو دعوتِ مباہلہ	٣	٦١
مسلّمہ اصولوں پر عیسائیوں کو ایمان لانے کی دعوت	٣	٦٤
کسی کو رب بنانے کا مقصد	٣	٧٠ حاشیہ
"اِنّی مُتوفّیک" کی وضاحت	٣	٥٥
حضرت مسیحؑ کی وفات پر اِستدلال اَور	٣	٥٥ حاشیہ
اس کا رد	٥	١١٧
قتل وصلب کی نفی اَور رفع سماء کا ثبُوت	٤	١٥٧، ١٥٨
حضرت مسیحؑ کی وفات سے پہلے تمام اہلِ کتاب آپ پر اِیمان لائیں گے	٤	١٥٩
اہلِ کتاب کو حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت	٤	١٧١
آپ "رسُول اللہ، کلمۃ اَور رُوح منہ" ہیں	٤	١٧١

	سورت نمبر	آیت نمبر
عقیدۂ تثلیث سے باز آنے کا حکم اور توحید کا واضح بیان	۴	۱۷۱ حاشیہ
عقیدۂ تثلیث کی وضاحت اس کا ماخذ اور اس کا بطلان	۴	۲۵۷ حاشیہ
انجیل کی آیت میں توحید خالص کا بیان	۴	۲۵۷ حاشیہ
اللہ تعالیٰ کا بندہ بننا مسیح کیلئے باعثِ عار نہیں	۴	۱۷۲
جو بندگی کو عار سمجھے اس کے لیے عذابِ الیم	۴	۱۷۳
مقامِ عبدیّت سب سے افضل مقام ہے	۴	۱۷۲
حضرت مریمؑ صدّیقہ تھیں	۵	۷۵
حضرت مسیحؑ کی وفات پر استدلال اور اس کا جواب	۵	۲۰۹ حاشیہ
عیسیٰ علیہ السّلام کی اُلوہیّت کا اعتقاد اور اس کا بطلان	۵	۱۷، ۷۲ تا ۷۶ حواشی
یہ عقیدہ کیونکر عیسائیت کا جزو بنا، نیقیا، کاسیڈن اور قسطنطنیہ کی کونسلوں کے اجلاس، اس عقیدہ پر مرتّب ہونے والے نتائج کا مفصّل بیان	۵	۱۴۳ حاشیہ
آپ پر اللہ تعالیٰ کے گوناگوں انعامات کا ذکر اور معجزات کا بیان	۵	۱۱۰
من وسلویٰ کا مطالبہ اور آپ کا جواب	۵	۱۱۲ تا ۱۱۴
آپ نے لوگوں کو یہ نہیں کہا تھا کہ انھیں اور اُن کی ماں کو خدا بنائیں	۵	۱۱۶، ۱۱۷
موسیٰ علیہ السّلام		
فرعون کی غرقابی، آپ کی نجات	۲	۵۰
حضرت موسیٰؑ کا طور پر جانا اور چالیس رات ٹھہرنا	۲	۵۱
آلِ فرعون کا بنی اسرائیل کو گوناگوں سزائیں دینا	۲	۴۹
آپ کی غیر موجودگی میں بنی اسرائیل کا بچھڑا بنانا اور اس کی پوجا کرنا	۲	۵۴
تیہ کے صحرا میں بارہ چشموں کا جاری ہونا	۲	۶۰ تا ۶۱
بیت المقدس میں داخل ہونے کا حکم، ان کا انکار اور اس کی سزا		
آپ کا بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم	۲	۶۷ تا ۷۳
بنی اسرائیل پر احسانات	۵	۲۰
جو کتاب آپ پر نازل ہوئی وہ نور اور ہدایت	۶	۹۱
داؤد و سلیمان علیہما السّلام		
آپ نے جالوت کو قتل کر دیا	۲	۲۵۱
اللہ تعالیٰ نے آپ کو ملک حکمت اور علم بخشا	۲	۲۵۱
سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطان لوگوں کو سحر سکھایا کرتے	۲	۱۰۲
سحر کی حقیقت		حاشیہ آیت مذکورہ
ہاروت ماروت کا واقعہ	۲	۱۰۲ حاشیہ
آپ پر بائیبل کا الزام اور اس کا رد	۲	۱۱۶ حاشیہ
زکریا علیہ السّلام		
حضرت زکریا کی دُعا، اس کی قبولیّت اور بشارت	۳	۳۸ تا ۴۱
حضرت یعقوب علیہ السلام		
آپ کی اپنے بیٹوں کو وصیّت	۲	۱۳۳
مختلف انبیاء		
متعدّد انبیاء کے اسماء گرامی اور اُن کی عزّت افزائیاں	۶	۸۴ تا ۹۰

اِنسان اَور اُس کی عظمت کا قرآنی تصوّر

	سورت نمبر	آیت نمبر
زمین کی ہر چیز تمھارے لیے پیدا فرمائی	۲	۲۹
اِنسان زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے	۲،۶	۳۰،۱۶۶
فرشتوں کو حکم کہ آدم کو سجدہ کرو	۲	۳۴
اِنسان کو منصبِ خلافت پر فائز کرنے کی وجہ	۲	۳۰
آدمؑ کے علوم کے سامنے فرشتوں نے بھی اِعترافِ عجز کیا	۲	۳۲
نجات کا انحصار نسب اَور قومیت پر نہیں بلکہ اِیمان اَور عملِ صالح پر ہے	۲	۶۲،۸۲
نیک اِنسان کی صفات	۲	۱۷۷
سارے اِنسان ایک اُمت تھے باہمی حسد کے باعث گروہوں میں بٹ گئے	۲	۲۱۳
آزمائش و تکلیف کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد	۲	۲۱۴
اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے عورتوں، بچّوں اَور مال و اسباب کی محبّت کو آراستہ کر دیا ہے	۳	۱۴
اِنسان کی حقیقی منزل رضاءِ اِلٰہی ہے	۳	۱۵
علماء کو توحید کا گواہ بنا کر اُن کی عزّت افزائی	۳	۱۸
ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے	۲	۱۳۹،۱۴۱
" " " " " " " "	۶	۱۶۴
سارے اِنسان ایک باپ کی اولاد ہیں	۴	۱
اِنسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔	۴	۲۸

اَوَامر

	سورت نمبر	آیت نمبر
اپنے رب کی عبادت کرو	۲	۲۱
تم میرا وعدہ پُورا کرو میں تمہارا وعدہ پُورا کرُوں گا	۲	۴۰
صرف مجھ سے ڈرو	۲	۴۰
صبر اَور نماز سے اِستعانت کا حکم	۲	۴۵، ۱۵۳
عفو و درگزر کا حُکم	۲	۱۰۹
نیکیوں میں سبقت لے جاؤ	۲، ۳	۱۴۸، ۱۳۳
" " " " "	۵	۴۸
لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو	۲	۱۵۰
تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا	۲	۱۵۲
پاکیزہ رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو	۲	۱۷۲
بھلائی کرو	۲	۱۹۵
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھو	۲	۲۳۱
اللہ تعالیٰ سے ڈرو	۲	۲۳۱، ۲۳۳
اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن جاؤ	۲	۲۳۸
نماز کی پابندی کرو	۲	۲۳۸
مصائب میں صبر اَور تقویٰ	۳	۱۲۰، ۱۲۵ مع حواشی
" " " " "		
تقویٰ اِختیار کرنے کا حکم	۳، ۴	۱۰۲، ۱۳۱
" " " " "	۵	۷، ۳۵
اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبُوط پکڑ لو اَور اِختلاف نہ کرو	۳	۱۰۳

	سورت نمبر	آیت نمبر
دعوت و ارشاد کے لیے تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیئے	۳	۱۰۴
اللہ تعالیٰ کی مغفرت اَور وسیع جنّت کی طرف جلدی کرو	۳	۱۳۳
صبر اَور تقویٰ بڑے حوصلے کا کام ہے	۳	۱۸۶
اِسلام میں پُورے کے پُورے داخل ہو جاؤ	۲	۲۰۸
اموالِ یتامیٰ میں گڑبڑ نہ کرو	۴	۲
عبادتِ الٰہی کا حکم	۴	۳۶ مع حاشیہ
حقُوق اللہ اَور حقُوق العباد کا مفصّل ذکر	۴	۳۶
عدل کرو	۴	۵۸، ۱۳۵
اچھی سفارش اَور بُری سفارش	۴	۸۵ مع حاشیہ
سلام دینے کا حکم اَور طریقہ	۴	۸۶
سرگوشی صرف مُفید باتوں میں ہونی چاہیئے	۴	۱۱۴
اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو اَور مجاہدہ کرو	۵	۳۵
پیر و مُرشد وسیلہ ہے	۵	۷۶ حاشیہ
سیاحت کا حکم اَور اس کا مقصد	۶	۱۱
بُری صحبت سے اِجتناب کا حکم	۶	۶۸
دین کو لہو و لعب سمجھنے والوں سے قطع تعلق کا حکم	۶	۷۰
ظاہری باطنی گناہ ترک کرنے کا حُکم	۶	۱۲۰

بنی اِسرائیل

	سورت نمبر	آیت نمبر
مجھ سے ہی ڈرو	۲	۴۰
اِسلام کا اِنکار مت کرو	۲	۴۱
آیاتِ الٰہی کو مت بیچو	۲	۴۱
حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ	۲	۴۲
جان بُوجھ کر حق کو مت چھپاؤ	۲	۴۲
نماز، زکوٰۃ کا حکم	۲	۴۳
لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اَور خود نیکی نہیں کرتے ہو	۲	۴۴
قیامت سے ڈرنے کا حُکم	۲	۴۸
من وسلویٰ کے بجائے ترکاری، گندم کا مطالبہ	۲	۶۱
ان پر ذلّت ومسکنت مسلّط کر دی گئی	۲	۶۱
انبیاء کو ناحق قتل کرتے	۲	۶۱
ان سے اِتباعِ تورات کا پختہ وعدہ طُور کا ان پر آویزاں کرنا، کتاب کو مضبُوطی سے پکڑنے کا حکم پھر وعدہ شکنی	۲	۶۳، ۶۴
اُن کے دل پتھر سے زیادہ سخت	۲	۷۴
اُن کا زعمِ باطل کہ انھیں آگ نہیں چھُوئے گی مگر چند دن	۲	۸۰
اُن کے اَن پڑھوں کی خوش فہمیاں	۲	۷۸
اللہ تعالیٰ کی عبادت، والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں سے اِحسان کا حکم	۲	۸۳
اچھی باتوں کا حکم، نماز، زکوٰۃ کا حکم اَور دیگر احکام	۲	۸۳
لیکن ان کی سرتابی	۲	۸۳
ان کے ہاں انبیاء کی آمد کا سلسلہ جاری رہا	۲	۸۷
پہلے مُوسیٰؑ پھر عیسیٰؑ تشریف لائے	۲	۸۷
وُہ کہتے ہمارے دِلوں پر غلاف چڑھا ہے	۲	۸۸

ان پر انعاماتِ خُداوندی

بنی اسرائیل کو انعاماتِ خداوندی یاد کرنے کا حکم	۲	۴۰، ۱۲۲
بنی اِسرائیل کو عالمین پر فضیلت	۲	۴۷، ۱۲۲
فرعون کا عذاب اَور اس سے نجات	۲	۴۹
وُہ کیوں ان کے بچوں کو قتل کرتا تھا	۲	۶۶ حاشیہ
سمندر کا پایاب ہونا	۲	۵۰
میدانِ تیہ میں بادل کا سائبان	۲	۵۷
من وسلویٰ کا نزول	۲	۵۷
پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہونا	۲	۶۰
ان کا بچھڑے کو خدا بنانا پھر ان کی توبہ کا قبول ہونا	۲	۵۱، ۵۲، ۵۴
اس معاہدہ کی تفصیل جو اللہ تعالےٰ نے اُن سے لیا	۲	۸۳
بنی اِسرائیل کا اپنے نبی سے بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ، طالوت کا قِصّہ بالتفصیل، طالوت کے تقرر پر بنی اسرائیل کا اعتراض	۲	۲۴۶

	سورت نمبر	آیت نمبر
بنی اسرائیل کا اِعتراض	۲	۲۴۷
تابُوتِ سکینہ کا عطیّہ	۲	۲۴۸
اس میں کیا کیا تھا	۲	۲۴۸ مع حاشیہ
تورات کی حفاظت کے ذمہ داران کے انبیاء وعلماء بنائے گئے	۵	۴۴
اگر یہ تورات وانجیل پر عمل کرتے تو خزانوں کے منہ ان کے لیے کھول دیئے جاتے	۵	۶۶
اطاعتِ الٰہی سے تنگ دستی نہیں بلکہ فراخی آتی ہے	۵	۱۳۱
ان کا دفترِ عمل		
لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اَور خود نیکی سے دُور بھاگتے	۲	۴۴
انبیاء کو ناحق قتل کرتے	۲	۶۱
" " " " کا مطالبہ	۲	۶۱ حاشیہ
من وسلویٰ کے بجائے ترکاری، گندم، پیاز	۲	۶۱
ان پر ذِلّت ومسکنت مسلّط کر دی گئی	۲	۶۱
ان کی وعدہ شکنی (یومِ سبت کی خلاف ورزی)	۲	۶۴
		۶۵
ان کے دِل پتھر سے زیادہ سخت	۲	۷۴
وُہ بعض کتاب کو مانتے اَور بعض کو نہیں مانتے	۲	۸۵
انھوں نے آخرت کو دُنیا کے عوض فروخت کر دیا	۲	۸۶
رسُول کی جو بات پسند نہ آئی رَدّ کر دی	۲	۸۷
بعض کو جھٹلایا بعض کو قتل کیا	۲	۸۷
وُہ کہتے ہم صرف اپنی کتاب پر ایمان لائیں گے دُوسری آسمانی کتابوں پر اِیمان نہیں لائیں گے	۲	۹۱
دیدارِ الٰہی کا مطالبہ اور اس کا انجام	۲	۵۵
ان کا یہ زعم کہ آخرت صرف ان کی ہے اَور اس کا رد	۲	۹۴، ۹۵، ۹۶
بعض اہلِ کتاب اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال دیتے	۲	۱۰۱
وُہ سحر کی پیروی کرتے ہیں	۲	۱۰۲
اگر وُہ اِیمان لاتے اَور تقویٰ اِختیار کرتے	۲	۱۰۳
تو بہتر ثواب پاتے		
اہلِ کتاب ازراہِ حسد تمھیں مُرتد کرنے کے خواہاں ہیں	۲	۱۰۹
ان کا زعم کہ یہُود ونصاریٰ کے بغیر جنّت میں کوئی داخل نہ ہوگا اس کی تردید	۲	۱۱۱
نصاریٰ اَور یہُود ایک دوسرے کو گمراہ کہتے	۲	۱۱۳
وُہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں	۲	۱۱۶
یہُود ونصاریٰ تم سے کبھی خوش نہ ہونگے	۲	۱۲۰
جو ان کی خواہشات کا اِتباع کرے گا	۲	۱۲۰
اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہیں کرے گا۔		
وُہ کہتے ابراہیم، اسماعیل اَور اسحاق علیہم السّلام سب یہُودی تھے یا نصاریٰ	۲	۱۴۰
آپ دلیلوں کے انبار لگا دیں یہ نہیں مانیں گے	۳	۶۵
	۲	۱۴۵

	سورت نمبر	آیت نمبر
جو اللہ کی آیات کو چھپاتے ہیں وُہ ملعُون ہیں	۲	۱۵۹
عمالقہ اَور بنی اِسرائیل کی جنگ کا مفصّل تذکرہ	۲	۲۴۶
بنی اسرائیل نے اللہ کی نعمت کو بدل دیا	۲	۲۱۱
طالوت کی تقرری پر ان کا اِعتراض اور اس کا ردّ	۲	۲۴۷
نہر سے ان کی آزمائش اور ان کی ناکامی	۲	۲۴۹
جالوت سے جنگ کرنے میں بُزدِلی کا مظاہرہ	۲	۲۴۹
یہُود کے اطوار کفر بالآیات، انبیاء و مبلّغین کا قتل، ان کی سزا۔ ان کو ان کے غلط مرعومات نے گمراہ کر دیا	۳	۲۱ تا ۲۵
	۴	۶۰، ۶۱
ان کے کرتوت اَور سزا، ہدایت سے محرومی	۵	۴۱ مع حاشیہ
غلو کرنے اَور اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کی ممانعت	۴	۱۵۵ تا ۱۵۷
طویل زندگی کے بڑے دلدادہ ہیں	۵	۷۷
یہ دانستہ حق کو باطل سے ملاتے ہیں	۲	۹۶
بعض اہلِ کتاب بد دیانت ہیں اَور بعض دیانت دار	۳	۷۱
	۳	۷۵، ۱۱۲، ۱۱۳
		۱۱۴، ۱۹۹
ان کی بدمعاملگی کی اصل وجہ ان کا یہ نظریہ ہے کہ ان امّیوں کے متعلق ان سے باز پرس نہیں ہوگی۔	۳	۷۵
آیاتِ الٰہی میں تحریف ان کا شیوہ ہے	۳	۸۳ حاشیہ
نہ خود ہدایت قبول کرتے ہیں اور نہ دُوسروں کو قبول کرنے دیتے ہیں	۳	۹۸، ۹۹
یہُود کی گستاخی "اللہ فقیر ہے اَور ہم غنی"	۳	۱۸۱
دُوسری گستاخی ید اللہ مغلولۃ	۵	۶۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
آیاتِ الٰہی کو پسِ پُشت ڈال دیا	۳	۱۸۷
جو صفات ان میں نہیں پائی جاتیں ان سے توصیف کو بہت پسند کرتے	۳	۱۸۸
ان کی بدعملی اَور بدفکری کا بیان	۴، ۵	۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴
ان کا دعویٰ پارسائی	۴	۴۹
ان پر لعنت کی وجہ	۴	۱۵۵
" " " " "	۵	۷۸، ۷۹، ۱۳
خُدا سے عہد شکنی کے باعث ان میں عداوت و بُغض پیدا ہو گیا	۵	۱۴، ۶۴
ابناء اللہ ہونے کا دعویٰ اَور اس کا ردّ (ابن کی تشریح)	۵	۱۸ مع حاشیہ
مُوسیٰ علیہ السّلام کا ان کو ارضِ مقدس میں داخل ہونے کا حکم دینا اور ان کا اِنکار	۵	۲۱ تا ۲۶ مع حواشی
یہُود کی دلآزاریوں اَور کرتوتوں کا تذکرہ	۵	۴۱، ۶۲
جب کوئی رسُول ان کی منشاء کے خلاف احکام لاتا تو اُسے قتل کر دیتے اَور اذیّت دیتے	۵	۷۰
اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وُہ بہرے اور اندھے ہو گئے	۵	۷۰
ذبح بقرہ کا حکم اَور ان کی حُجّت بازیاں	۲	۶۷ تا ۷۳
حضورؐ کی آمد سے پہلے حضورؐ کے وسیلہ سے فتح طلب کرتے جب آپؐ آئے تو اِنکار کرنے لگے	۲	۸۹
اِسرائیلی ریاست	۳	۱۲۴ حاشیہ
اُن کے عُلماء اَور اُن کا طریقۂ کار		
تحریفِ آیات ان کا معمُول تھا	۲	۷۵
" " " " "	۳	۷۸

	سورت نمبر	آیت نمبر
تحریف کرنے والوں کے لیے بربادی ہے	۲	۷۹
یہ حق کو چھپاتے ہیں	۲	۱۴۶
یہ دانستہ حق کو باطل سے ملاتے ہیں	۳	۷۱
ان کا مشرکین مکہ کو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ کہنا	۴	۵۱
حضورؐ اور حضرت موسیٰؑ سے بنی اسرائیل کا مطالبہ	۴	۱۵۳
ان کے علماء و مشائخ انھیں برائیوں اور حرام خوریوں سے کیوں نہیں روکتے	۵	۶۳
برائی سے نہیں روکتے تھے	۵	۷۹ مع حاشیہ
بعض نصاریٰ قرآن سن کر آبدیدہ ہو جاتے	۵	۸۳
اسلام کے خلاف اُن کی سازشیں اور اسلام کو قبول نہ کرنے کی وجوہات		
یہود حسد کے مارے اسلام کو قبول نہیں کرتے	۲	۹۰
		۱۰۹
یہود کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ صرف اپنی کتاب اور رسول پر ایمان لاتے ہیں	۲	۹۱
کیونکہ قرآن جبرئیل لے کر آتا ہے اس لیے ہم نہیں مانتے	۲	۹۷ مع حاشیہ
جب تک مسلمان اپنے دین کو نہ چھوڑیں یہود و نصاریٰ اُن پر خوش نہیں ہونگے	۲	۱۲۰
یہ مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں	۳	۶۹
یہ دانستہ اسلام کا انکار کرتے ہیں	۳	۷۰
مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی خطرناک سازش	۳	۷۲، ۷۳
مسلمانوں میں لڑائی کرانے کی کوشش اور ناکامی	۳	۱۰۰
ان کی بھلائی اسلام قبول کرنے میں ہی تھی	۳	۱۱۰
ان کا مسلمانوں سے حسد اور عناد	۳	۱۱۹، ۱۲۰
ان کے ایمان نہ لانے کا ایک اور عذر اور اس کا رد	۳	۱۸۳
ان کا ایک مطالبہ اور اس کا رد	۴	۱۵۳
مسلمانوں سے یہود کی ناراضگی کی کیا وجہ ہے	۵	۵۹
خدا کے نزدیک برا کون ہے	۵	۶۰
مسلمانوں کے سب سے کٹر دشمن یہودی اور مشرک ہیں	۵	۸۲
عیسائی مسلمانوں سے نسبتاً محبت کرتے ہیں	۵	۸۲

جبر و قدر

	سورت نمبر	آیت نمبر
جبر و قدر کی بحث	۲	۱۱ حاشیہ
کفار کے دِلوں پر مُہر، کانوں پر پردہ	۲	۷
" " " " " "	۴	۱۵۵
بنی اسرائیل کیوں مغضوب بنے	۲	۶۱
" " " " "	۳	۱۱۲
" " " " "	۴	۱۵۵
" " " " "	۵	۱۳ مع حاشیہ
قرآن سے کون گمراہ ہوتے ہیں	۲	۲۷
ہم ظلم نہیں کرتے وُہ اپنے اُوپر خود ظلم کرتے ہیں	۲	۵۷
اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وُہ باہم نہ جھگڑتے	۲	۲۵۳
دین میں اِکراہ نہیں	۲	۲۵۶
فرعونیوں کو ان کے گناہوں کے باعث سزا ملی	۳	۱۱

	سورت نمبر	آیت نمبر
جو نعمتِ خُداوندی کو بدل دیتا ہے وُہ عذاب میں گرفتار ہوتا ہے	۲	۲۱۱
اُحد کی ہزیمت اپنی فروگزاشت کا نتیجہ تھی	۳	۱۶۵
اِنسان کو اس کی طاقت کے مطابق تکلیف دی جاتی ہے	۲	۲۸۶
تم جہاں بھی ہو موت آئے گی	۴	۷۸
اچھائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور برائی اپنی طرف سے	۴	۷۸
اس نسبت کی وجہ	۴	۱۲۱ حاشیہ
اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وُہ شرک نہ کرتے	۶	۱۰۷، ۱۱۲،
" " " " " " " " "	۶	۱۴۸
اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وُہ یہ نہ کرتے	۶	۱۳۷
اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا	۶	۱۴۹

جہاد

	سورت نمبر	آیت نمبر
جہاد کا اِذن	۲	۱۹۰
زیادتی کی ممانعت	۲	۱۹۰
کفّار کے قتل کی اِجازت	۲	۱۹۱
فِتنہ بازی قتل سے بھی سخت ہے	۲	۱۹۱، ۲۱۷
مسجدِ حرام کے قریب لڑائی منع ہے	۲	۱۹۱
اگر وُہ ہتھیار ڈال دیں تو.....	۲	۱۹۲
جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فِتنہ کی آگ بُجھ جائے اَور دین محض اللہ کے لِیے ہو جائے	۲	۱۹۳
اِسلامی جہاد کی خصُوصیات	۲	۲۳۲ حاشیہ
اشہرِ حُرم میں جنگ کرنے یا نہ کرنے کا حکم	۲	۱۹۴
زیادتی کے مقابلہ میں زیادتی کی اجازت	۲	۱۹۴
ہر حالت میں اللہ سے ڈرتے رہو	۲	۱۹۴
مالی جہاد کا حکم	۲	۱۹۵، ۲۴۵
اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو	۲	۱۹۵
حضرت ابو ایوب انصاری کی تفسیر	۲	۲۳۸ حاشیہ
جہاد کے متعلق مستشرقین کا اِعتراض اَور اس کا جواب	۲	۲۷۲ حاشیہ
جہاد اگرچہ تمھیں ناپسند ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تعمیل کرو	۲	۲۱۶
اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرو	۲	۲۴۴
〃 〃 〃 〃 〃 〃	۴	۸۴
اللہ تعالیٰ کے اِذن سے چھوٹی جماعت کثیر پر غالب آتی ہے	۲	۲۴۹
طاقت کے توازن کی حکمت	۲	۲۵۱
نظریۂ جہاد	۲	۲۵۶ مع حاشیہ
مالی جہاد کی ترغیب اَور فضیلت	۲	۲۶۱
زراعت کی فضیلت	۲	۲۵۵ حاشیہ
اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا کردار نہ اِحسان جتلاتے ہیں نہ دُکھ پہنچاتے ہیں	۲	۲۶۲، ۲۶۳
ریا کے لِیے خرچ کرنے والوں کی مثال	۲	۲۶۴، ۲۶۶
رضاءِ اِلٰہی کے لِیے مال خرچ کرنے والوں کی مثال	۲	۲۶۵
مومن اَور کافر کی جنگ کا فرق	۳	۱۳
〃 〃 〃 〃 〃 〃	۴	۷۴ مع حاشیہ
جہاد وُہ کرے جو اس زندگی کو اُخروی زندگی سے بیچنے کے لِیے تیار ہو	۴	۷۴
مجاہد غالب آجائے یا قتل ہو جائے اُسے اجرِ عظیم ملے گا	۴	۷۴
مجاہدین کا درجہ	۴	۹۵، ۹۶
میدانِ جنگ میں بھی اگر کوئی کافر اِیمان کا اعلان کرے تو اسے ردّ نہ کرو	۴	۱۴۵ حاشیہ
دُشمن کے تعاقب میں سُستی نہ کرو	۴	۱۵۷ حاشیہ
جہاد کے لِیے مکمّل تیاری کا حکم	۴	۷۱

	سورت نمبر	آیت نمبر
مُسلمانوں کو جہاد پر برانگیختہ کرنے کا حکم	۴	۷۵
کِن کفّار سے جنگ کرنا منع ہے	۴	۹۱،۹۰
ہجرت کرنے والوں کے لِیے کشادہ روزی اَور اجرِ عظیم کا وعدہ	۴	۱۰۰
اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیاری چیز خرچ کرو	۳	۹۲
پاکیزہ چیزیں خرچ کرنے کا حکم	۲	۲۶۷
شہداء زندہ ہیں	۲	۱۵۴
〃 〃 〃	۳	۱۶۹
راہِ خُدا میں مرنے سے مغفرت و رحمت مِلتی ہے	۲	۱۵۷
اگر مُسلمان کفّار کے نرغے میں آجائیں تو کیا کریں اَور کیا نہ کریں	۳	۲۹ حاشیہ
بدر		
جنگِ بدر	۳	۱۳، ۱۲۳
تمہاری فریاد، ہماری اِمداد، فرشتوں کا نزُول	۳	۱۲۴، ۱۲۵
فرشتوں کی آمد محض بشارت تھی، فتح اللہ نے دی تھی	۳	۱۲۶، ۱۲۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
اُحد		
جنگِ اُحد	۳	۱۲۱
ہزیمت کی وجہ	۳	۱۳۲ حاشیہ
اُحد میں کفّار کی مرعُوبیّت	۳	۱۵۱ مع حاشیہ
پہلے فتح اَور پھر شکست	۳	۱۵۲
جنگِ اُحد کا چشم دید حال	۳	۱۵۲ مع حاشیہ
اُحد کا ایک اَور منظر	۳	۱۵۳
اُحد میں مُنافقین کا حال	۳	۱۵۴
یہ ہزیمت آزمائش تھی تاکہ مومن اَور کافر کی تمیز ہو سکے	۳	۱۴۰، ۱۴۱، ۱۶۶، ۱۶۷
مومنوں سے درگزر	۳	۱۵۲، ۱۵۵
غم و اندوہ کے بعد اطمینان و تسکین کی کیفیّت	۳	۱۵۴
کمزور ایمان والوں کے افکارِ پریشان	۳	۱۵۴
مومنین کا اِن حالات میں بھی ثبات و اِستقلال	۳	۱۷۲ تا ۱۷۵
خطاکاروں سے حضور کا مشفقانہ برتاؤ اَور عفو و درگزر	۳	۱۵۹

دُعائیں

	سورت نمبر	آیت نمبر		سورت نمبر	آیت نمبر
اھدنا الصراط المستقیم	۱	۵	اَے اللہ! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا	۳	۸
جسم میں درد ہو تو یہ پڑھے	۱	بسم اللہ	بخششِ گناہ کے لیے مومنوں کی دُعا	۳	۱۶
جب بندہ دُعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس	۲	۱۸۶ مع حاشیہ	ادائے قرض کی دُعا	۳	۲۷ حاشیہ
کے قریب ہوتا ہے اور اُس کی دُعا قبول			حضرتِ زکریاؑ کی دُعا فرزندِ صالح کے لیے	۳	۳۸
کرتا ہے			سابقہ انبیاء اور اُن کے صحابہ کی دُعا	۳	۱۴۷
قبولیتِ دُعا کے لیے شرائط	۲	۲۲۰ حاشیہ	منکرینِ اسلام کی دُعائیں ربنا ما خلقت هذا باطلاً	۳	۱۹۱ تا ۱۹۴
کافر کی دُعا فقط دُنیوی فوائد کے لیے	۲	۲۰۰	مکّہ کے مظلوم مُسلمانوں کی دُعا	۴	۷۵
مومن کی دُعا دُنیا و آخرت کے لیے	۲	۲۰۱	گواہوں میں شمولیت کی دُعا مانگنا	۵	۸۳
میدانِ جنگ میں طالوت کی دُعا	۲	۲۵۰	حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی دُعا نزولِ	۵	۱۱۴
پیاری پیاری جامع دُعائیں	۲	۲۸۶	مائدہ کے لیے		
حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی تعمیرِ کعبہ کے	۲	۱۲۷، ۱۲۸،	نزولِ نعمت کا دن عید کا دن	۵	۱۱۴
وقت دُعا		۱۲۹	میلاد شریف کا ثبوت	۵	۲۰۱ حاشیہ

سیاست

	سورت نمبر	آیت نمبر
خلیفہ کسے کہتے ہیں	۲	۴۶ حاشیہ
زوال پذیر قومیں جھوٹی آس لگائے رکھتی ہیں	۲	۷۸ مع حاشیہ
زوال پذیر قومیں سحر و منتر پر بھروسہ کرتی ہیں	۲	۱۰۲ مع حاشیہ
سربراہِ مملکت میں کیا صفات ہونی چاہئیں	۲	۱۲۴ کا حاشیہ
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۲	۲۴۷ کا حاشیہ
فاسق و فاجر اِس منصب کا اہل نہیں	۲	۱۲۴
بے دین لوگ جب برسرِ اقتدار آتے ہیں تو فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں	۲	۲۰۵
کیا اِسلام ملوکیت کا حامی ہے	۲	۳۲۲ حاشیہ
طاقت کا توازن ضروری ہے	۲	۲۵۱
غیر مُسلم اقوام کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیّت	۳	۲۸
جب کوئی مُسلمان کفّار کے نرغے میں آجائے تو کیا کرے	۳	۲۹ حاشیہ
حُدُود و قصاص کی تنفیذ حکومت کی ذمہ داری ہے نہ افراد کی	۲	۱۷۸
دُنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کا طریقہ اِتفاق و اِتحاد ہے اَور مسلمانوں کے اتحاد کی اساس حبل اللہ ہے	۳	۱۰۳ مع حاشیہ
مشورہ کا حکم اِسلام کا جمہُوری نظام ہے	۳	۱۵۹ مع حاشیہ
حکومت دینے اَور سلب کرنے کا خُدائی اصول	۳	۲۶
مُسلمانوں اَور غیر مُسلموں کے تعلقات کی نوعیّت	۳	۱۱۸ مع حاشیہ
اُولوالامر کی اطاعت	۴	۵۹
ہنگامی حالات میں تمام امور کو حاکمِ وقت کی طرف لوٹا دینا چاہیئے	۴	۸۳
افراتفری کی اَور افواہیں پھیلانے کی اِجازت نہیں	۴	۸۳
حکومت و اقتدار امانت ہے۔ اس کی ادائیگی میں خیانت، کُنبہ پروری اَور ظلم کی ممانعت	۴	۹۲ حاشیہ
ہر حالت میں ہر شخص کے ساتھ عدل	۴	۵۸
اچھی سفارش اَور بُری سفارش	۴	۹۵ حاشیہ
کافروں کو دوست نہ بناؤ	۴	۱۴۴
〃 〃 〃 〃 〃	۵	۵۱
طاغوت کو حَکَم مت بناؤ	۴	۶۰
ذمیوں کے تنازعات کا فیصلہ کون کرے	۵	۴۲ مع حاشیہ

شرک کا بُطلان

	سورت نمبر	آیت نمبر
وُہی ہر تعریف کا مستحق ہے	١	١
" " " " "	٦	١، ٤٥
اسی کی عبادت اسی سے اِستعانت	١	٤ مع حاشیہ
اس کا "ند" نہ بناؤ	٢	٢٢
اس کے سوا کوئی خدا نہیں	٢	١٦٣
بعض لوگ "ند" بناتے ہیں	٢	١٦٥
اس کا کوئی بیٹا نہیں	٢	١١٦
" " " "	٦	١٠٠، ١٠١
شرک کی مغفرت نہیں	٤	١١٦، ١٦٨
شرک کی حقیقت	٤	٧٧ احاشیہ
شرک افترائے عظیم ہے	٤	٤٨
شرک گمراہی ہے	٤	١١٦
اسی کی عبادت	٦	١٠٢
آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک اللہ تعالےٰ ہے	٦	١٢
دن رات میں ٹھہرنے والی ہر چیز اسی کی ہے	٦	١٣ مع حواشی
مُشرِک بننے کی ممانعت	٦	١٤
اگر وُہ تکلیف دے تو اس کے بغیر کوئی دُور نہیں کر سکتا	٦	١٧
شرک سے برأت	٦	١٩
بحر و بر کے اندھیروں میں نجات دینے والا	٦	٦٣، ٦٤
اس کے سوا کون ہے		
شرک کے بُطلان کا ابراہیمی انداز	٦	٧٤ تا ٧٩
" " " " "		٨٠، ٨١
مریمؑ کی اُلوہیّت کا بُطلان	٥	٧ امع حاشیہ
مسیح کا اعلان، جو شرک کرے گا اس پر جنّت حرام ہے	٥	٧٢
تثلیث کے قائل کافر ہیں	٥	٧٣
مسیح اللہ تعالیٰ کا رسُول ہے	٥	٧٥
کیا تم ان کی پُوجا کرتے ہو جو نفع و ضرر کا اِختیار نہیں رکھتے	٥	٧٦
قیامت کے دِن مشرکین کا اپنے شرک سے اِنکار	٦	٢٢ تا ٢٤
	٦	٩٤
اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں	٦	٥٦
مُشرکین کا فریبِ نفس، اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے	٦	١٤٨

شریعت

	سورت نمبر	آیت نمبر
ہر اُمّت کے لیے ایک شریعت مقرر کی گئی۔ اس کی وجہ	۵	۴۸
جو کتابِ الٰہی کے مُطابق فیصلہ نہ کرے وُہ کافر ہے	۵	۴۴
جو کتابِ الٰہی کے مُطابق فیصلہ نہ کرے وُہ ظالم ہے	۵	۴۵
جو کتابِ الٰہی کے مُطابق فیصلہ نہ کرے وُہ فاسق ہے	۵	۴۷
۱۔ شریعتِ اسلامیہ کی خصوصیات		
اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی کا اِرادہ فرماتا ہے تکلیف کا نہیں	۲	۱۸۵
قاضی کے فیصلہ سے حرام حلال نہیں ہو جاتا	۲	۱۸۸ حاشیہ
گھریلو معاملات میں فضل و اِحسان کی تلقین	۲	۲۳۷
اللہ تخفیف کا اِرادہ رکھتے ہیں	۴	۲۸
احکامِ شرعی میں حرج کی نفی	۵	۶
احکامِ شرعی سے مقصود اتمامِ نعمت ہے	۵	۶
کیا تم احکامِ الٰہی سے سرتابی کر کے جاہلیّت کے قوانین پر عمل کرنا چاہتے ہو	۵	۵۰ مع حاشیہ
شریعت کے مسلّمہ اصول (عدل و انصاف)	۵	۴۲
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶	۱۵۱، ۱۵۳
ذمیوں کے تنازعات کا فیصلہ کون کرے	۵	۴۲

	سورت نمبر	آیت نمبر
ب۔ عبادات		
عبادت سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے	۲	۲۱
نماز		
غیر خُدا کو سجدہ کرنے کا حکم	۲	۳۴
نماز ڈرنے والوں کے علاوہ سب پر بھاری ہے	۲	۴۵
اقامتِ نماز کا حکم	۲	۱۱۰
ساری نمازیں پابندی سے ادا کرو خصُوصاً صلوٰۃِ وسطیٰ	۲	۲۳۸
حالتِ خوف میں نماز ادا کرنے کا طریقہ	۲	۲۳۹
نماز میں قبلہ رُو ہونے کا حُکم	۲	۱۴۴
نماز اپنے اَوقات پر ادا کرو	۴	۱۰۳
نماز کے بعد ذِکرِ الٰہی کا حُکم	۴	۱۰۳
نمازِ قصر، سفر قصر کی مِقدار	۴	۱۰۱ مع حاشیہ
وضو		
وضو کے احکام	۵	۶
غسلِ جنابت	۴	۴۳
〃 〃	۵	۶
تیمّم		
احکامِ تیمّم	۵	۶ مع حاشیہ
〃 〃	۴	۴۳

	سورت نمبر	آیت نمبر
روزہ		
روزے کی فرضیّت کا حکم	۲	۱۸۳
اس کی حکمت	۲	۱۸۳
مریض اور مسافر کا حکم	۲	۱۸۴
ماہِ رمضان کی تخصیص میں حکمت	۲	۱۸۵
رمضان کی رات میں مقاربت جائز ہے	۲	۱۸۷
سحری کھانے کا وقت	۲	۱۸۷
حالتِ اعتکاف میں رات کو بھی مقاربت منع ہے	۲	۱۸۷
حج		
صفا اور مروہ کے درمیان سعی	۲	۱۵۸
حج و عمرہ پورا کرو اور ان کے احکام	۲	۱۹۶
حج تمتع	۲	۱۹۶
حج کے لیے زادِ راہ تیار کرنے کا حکم	۲	۱۹۷ مع حاشیہ
ایّامِ حج میں تجارت کی اجازت	۲	۱۹۸
کفّارِ قریش کو عرفات میں وقوف کا حکم	۲	۱۹۹
ایّامِ حج میں کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے کا حکم	۲	۱۹۸ تا
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۲	۲۰۳
محرم اگر محصور ہو جائے تو کیا کرے	۲	۱۹۶
میقات کی تفصیل	۲	۱۹۶ مع حاشیہ
حج کی فرضیّت	۳	۹۷
حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت	۵	۹۴،۱
شکاری جانوروں کو قتل کرنے کا کفّارہ	۵	۹۵
دریائی شکار کی اجازت	۵	۹۶

	سورت نمبر	آیت نمبر
زکوٰۃ و صدقات		
زکوٰۃ ادا کرو	۲	۱۱۰
خرچ کرنے کی ابتداء اپنے قریبی رشتہ داروں سے کرو	۲	۲۱۵
صدقاتِ فرضیہ اور نافلہ اور ان کے آداب	۲	۲۷۱،۲۷۰
اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب فضائل، شرائط اور آداب	۲	۲۶۱ تا ۲۷۲
ایسے لوگوں کی امداد جو دستِ سوال دراز نہیں کرتے	۲	۲۷۳
جو لوگ دن رات ظاہر و پوشیدہ مال خرچ کرتے ہیں	۲	۲۷۴
زکوٰۃ دینے والے متقی ہیں	۲	۱۷۷
پاکیزہ چیزیں راہِ خدا میں خرچ کرو	۲	۲۱۵
اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور اذیّت دے کر ضائع نہ کرو	۲	۲۶۴
کمال نیکی تب حاصل ہوگی جب پیاری چیزیں خرچ کرو گے	۳	۹۲
فراخی اور تنگی میں خرچ کرنے کی ترغیب	۳	۱۳۴
رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرنے کی ترغیب اور اس کا اجر	۲	۲۶۵، ۲۷۲
جو خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں	۲	۲۷۶
صدقات کو ظاہراً اور پوشیدہ دینا	۲	۲۷۰
موت سے پہلے راہِ خدا میں خرچ کرنے کی تلقین	۲	۲۷۱
	۲	۲۵۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
جرائم وعقوبات		
چوری		
چور کی سزا	۵	۳۸
قطعِ ید کی شرائط	۵	حاشیہ آیتِ بالا
قطعِ ید کی سزا مقرر کرنے کی وجہ	۵	۳۹
اگر چور گرفتار ہونے سے پہلے تائب ہو جائے تو کیا اس پر حد جاری کی جائے گی	۵	۳۹ مع حاشیہ
راہزنی		
راہزنوں اور قزاقوں کی عبرتناک سزائیں	۵	۳۳
اِن سزاؤں کی شدّت کی وجہ	۵	حاشیہ آیتِ بالا
اگر راہزن گرفتاری سے پہلے تائب ہو جائے تو اُسے معافی دی جائے گی	۵	۳۴ مع حاشیہ
قتل		
قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا	۲	۶۷ کا حاشیہ
ساحر کی سزا قتل ہے	۲	۱۰۲ مع حاشیہ
جریمۂ قتل کی سزا (قصاص اور دِیت)	۲	۱۷۸
اِسلام سے پہلے قصاص میں دھاندلیاں	۲	۲۰۳ حاشیہ
قصاص میں زندگی ہے	۲	۱۷۹
مومن کو مومن کا قتل جائز نہیں	۴	۹۲
قتلِ خطا کی مختلف صورتیں اور سزائیں اور دیت کا حکم	۴	حاشیہ آیتِ بالا
قتلِ عمد کی سزا	۴	۹۳
قتلِ ناحق کی اِبتداء اور قصاص کا آغاز	۵	۳۰
قصاص کا حکم	۵	۴۵
آیاتِ تورات سے اس کی تصدیق	۵	۴۵ مع حاشیہ
شراب		
شراب کی حُرمت کی اِبتدا	۲	۲۱۹
نماز کے اَوقات میں شراب کی ممانعت	۴	۴۳ مع حاشیہ
شراب اور جُوئے کی قطعی حُرمت کا حُکم	۵	۹۰
صحابہ کا جذبۂ اطاعت اور قرآن کی تاثیر	۵	۱۶۴ حاشیہ
شراب نوشی بند کرنے میں حکومتِ امریکہ کی ناکامی	۵	۱۶۴ حاشیہ
شراب کی حُرمت کی وجہ	۵	۹۰-۹۱
جُوا		
اس کی حُرمت کی اِبتدا	۲	۲۱۹
تیروں کے ساتھ جُوئے کی ممانعت	۵	۳
اس کی حکمت	۵	۳ کا حاشیہ
جُوئے کی ممانعت خواہ اس کی آمدنی کارِ خیر میں خرچ کی جائے		۳ کا حاشیہ
جُوئے کی قطعی ممانعت کا حکم	۵	۹۰
جُوئے کی حُرمت کی حکمت	۵	۹۱
تاش و شطرنج کا حُکم	۵	۹۱ کا حاشیہ
زنا		
زانیہ اور زانی کی سزا کے بارے میں پہلا حکم	۴	۱۶،۱۵
لونڈیوں کی سزا	۴	۲۵

معاملات

	سورت نمبر	آیت نمبر
نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، عِدّت، حیض وغیرہ زیرِ عنوان "عورت" ملاحظہ ہوں۔		
میراث اَور وصیّت کی تفصیلات "معاشیات" کے تحت ملاحظہ ہوں۔		
رضاعت		
رضاعت کِس کی ذمّہ داری ہے	۲	۲۳۳ مع حواشی
مدّتِ رضاعت		
مرضعہ کے اخراجات		
بچّہ کی وجہ سے ماں کو تنگ نہ کیا جائے		
نہ باپ کو		
کسی دایہ کو مرضعہ مقرر کرنے کا حُکم	۲	۲۳۳
گواہی		
گواہی کا نصاب اَور اُس کے دیگر احکام	۲	۲۸۲، ۲۸۳
گواہی چھپانا منع ہے	۲	۲۸۳
یتیموں کو اُن کے اموال واپس کرتے وقت گواہ بنا لیا کرو	۴	۶
گواہی عدل کے ساتھ دیا کرو خواہ اپنے اور اپنوں کے خلاف ہی ہو	۴	۱۳۵
اگر حالتِ سفر میں کسی کی موت آجائے تو وُہ کِسے گواہ بنائے اَور ان گواہوں کی سچّائی کیسے معلوم ہو	۵	۱۰۶ تا ۱۰۸
غیر مُسلِم کی گواہی	۵	۱۸۶ حاشیہ
قسمیں		
اپنی قسموں کو نیکی سے رُکاوٹ نہ بناؤ	۲	۲۲۴
لغو قسم کا اِعتبار نہیں	۲	۲۲۵
"صحیح" قسم کا اِعتبار ہوگا	۵	۸۹
"لیکن" قسم کا اِعتبار ہوگا	۵	۸۹
اچھے کام سے باز رہنے کے لیے اللہ کے نام کو آڑ نہ بناؤ	۲	۲۲۴
نذر	۲	۲۷۰
یمینِ لغو کا حکم	۵	۸۹
قسم توڑنے کا کفّارہ	۵	۸۹
اپنی قسموں کی حفاظت کرو	۵	۸۹
رہن		
اس کا حکم (معاشیات کے عنوان کے تحت)	۲	۲۸۳
حلال و حرام		
پاکیزہ رزق کھاؤ	۲	۱۷۲
حرام چیزوں کا بیان	۲	۱۷۳

	سورت نمبر	آیت نمبر
مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ	٢	١٧٣
〃 〃 〃 〃 〃	٥	٣
〃 〃 〃 〃 〃	٦	١٤٥
حالتِ اِضطرار کا حکم	٢	١٧٣
〃 〃 〃 〃	٥	٣
صرف طیّب اشیاء ہی حلال کی گئی ہیں	٥	٤
شکاری پرندوں کا حکم	٥	٤
حرام جانوروں کا تفصیلی بیان	٥	٣
〃 〃 〃 〃 〃	٦	١٤٥
ان کی لغوی اَور شرعی تشریح	٥	٨ حاشیہ
اہلِ کتاب کے ذبیحہ کا حکم	٥	٥
طیّبات کو حرام کرنے کی ممانعت	٥	٨٧
تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے	٥	١٥٨ حاشیہ
بحیرہ، سائبہ اَور وصیلہ اَور حام کا حکم	٥	١٠٣
جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اُن کو کھاؤ	٦	١١٨
شیطان (اِبلیس)		
شیطان کا آدمؑ کو سجدہ کرنے سے اِنکار	٢	٣٤
شیطان تمہارا دُشمن ہے	٢	١٦٨
وُہ تمہیں بُرائی، فسق و فجور اَور خُدا پر بُہتان لگانے کا حکم دیتا ہے	٢	١٦٩
اس کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا کھُلا دشمن ہے	٢	٢٠٨
شیطان فقر و افلاس کا وعدہ کرتا ہے اَور بُرائی کا حکم دیتا ہے	٢	٢٦٨
شیطان تم کو کفّار سے ڈراتا ہے تم صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرو	٣	١٧٥
شیطان تمہیں گمراہ کرنا چاہتا ہے	٤	٦٠
شیطان بدترین ساتھی ہے	٤	٣٨
شیطان جھُوٹے وعدے کرتا ہے اَور اُمیدوں کے ہوائی قلعے تعمیر کرتا ہے	٤	١٢٠ مع حاشیہ
تغییرِ خلق کا معنی	٤	١١٩ مع حاشیہ
شیطان جُوئے اَور شراب سے باہمی عداوت پیدا کرتا ہے اَور ذِکرِ الٰہی سے روکتا ہے۔	٥	٩١
شیطان اپنے دوستوں کو تم سے جھگڑنے پر اُکساتے ہیں۔	٦	١٢١

صحابۂ کرام اور اُمّتِ مُصطفٰے علیہ التّحیۃ والثّنا

	سورت نمبر	آیت نمبر
حضورؐ کی اُمّت، اُمّتِ وسط ہے اور سارے لوگوں پر گواہ ہے	۲	۱۴۳
آیت یُعلّمکم میں تکرارِ فعل سے علومِ لدنیہ کی طرف اِشارہ ہے	۲	۱۵۱
شہید زندہ ہیں	۲	۱۵۴
شہید کی زندگی کی حقیقت	۲	۱۵۴ مع حاشیہ
شہداء اپنے دوستوں کی اِمداد کرتے ہیں	۲	۱۵۴ مع حاشیہ
ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں	۲	۱۵۷
صحابہ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی جانیں بیچ دیں۔	۲	۲۰۷
جو اِیمان لائے، ہجرت کی، جہاد کیا وُہی رحمتِ الٰہی کے اُمیدوار ہیں	۲	۲۱۸
حضرت عثمانؓ کے لیے حضور کی دُعا	۲	۳۵۶ حاشیہ
صحابہؓ کا کمالِ ایمان	۳	۱۰۳ مع حاشیہ
صحابہ پر اعتراض کرنے والوں کی کوتاہ نظری	۳	۱۱۲ حاشیہ
یہ اُمت خیر الاُمم ہے	۳	۱۱۰
اس کے اوّلین مِصداق صحابہؓ ہیں	۳	۱۲۰ حاشیہ
یہ لقب کیوں مِلا۔ شانِ صحابہؓ	۳	۱۱۰، ۱۹۵
یہودی مسلمانوں کو صرف اذیّت پہنچا سکتے ہیں ضرر نہیں پہنچا سکتے	۳	۱۱۱
مومن کی صفاتِ طیّبہ	۳	۱۳۴ تا ۱۳۶
انتم الاعلون کا مژدہ	۳	۱۳۹
مسلمانوں کی آزمائش	۳	۱۴۰
غلامانِ مصطفٰے کو سرزنش اِس کے بعد مژدۂ عفو	۳	۱۵۲، ۱۵۵
اپنے حبیبؐ سے صحابہؓ کی سفارش	۳	۱۵۹ مع حاشیہ
صحابہ کے لیے اجر کی بشارت، ان کی توصیف اور ان کا کمالِ اِیمان	۳	۱۷۱
	۳	۱۷۲
نیکوکاروں کے لیے جنّت اور اللہ کے ہاں میزبانی	۳	۱۹۸
حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی صاحبزادیوں کے بارے میں ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ	۳	۶۶ حاشیہ
اللہ تعالیٰ نے ان کے دِلوں کو جوڑ دیا اور دوزخ میں گرنے سے بچا لیا کے اوّلین مِصداق صحابہؓ ہیں	۳	۱۰۳
حضرت عثمانؓ پر عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا اعتراض اور جواب	۳	۱۷۵ احاشیہ
زخموں سے چُور صحابہ کا ابُوسفیان کے تعاقب کے لیے نکلنا	۳	۱۹۸ احاشیہ
صحابہؓ کی قوّتِ ایمانی اور انعامِ خداوندی	۳	۱۷۳، ۱۷۴
صحابہؓ کے فضائل	۳	۱۹۵

	سورت نمبر	آیت نمبر
الفاروق کا لقب کب ملا	۴	۹۵ حاشیہ
حضرت ثوبان کا عشق اور اس کی پذیرائی	۴	۱۰۹ احاشیہ
(حسن اولئک رفیقاً)		
فتنۂ ارتداد میں صحابہ کی پامردی کی پیشین گوئی	۵	۱۱۴ احاشیہ
وھو راکعون سے حضرت شیرِ خدا کی فضیلت	۵	۵۵
شیرِ خدا کی خلافتِ بلافصل پر استدلال اور اس کا جواب	۵	۵۵ مع حاشیہ
مباہلہ کا واقعہ	۳	۶۱
صحابہ کرامؓ کو سلام دینے میں پہل کرنے کا حکم	۶	۵۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
عملِ صالح		
وُہ اعمالِ صالحہ جو اسلام کے نزدیک بہت اہم ہیں	۲	۱۷۷
پچھواڑے سے گھروں میں داخل ہونا کوئی نیکی نہیں لکن البر من اتّقی	۲	۱۸۹
عملِ صالح کے ساتھ ایمان کی شرط بھی ہے	۴	۱۲۴ مع حاشیہ
عملِ صالح والوں کو تین خوشخبریاں	۵	۱۲ مع حاشیہ
جسے اللہ تعالیٰ رُوحِ ہدایت سے زندہ کر دے کیا گمراہ اس کے برابر ہو سکتے ہیں	۶	۱۲۲

عورت

	سورت نمبر	آیت نمبر
عورت کے حقوق		
وُہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو	۲	۱۸۷
مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو، نہ مشرک مردوں کے ساتھ اگرچہ تمہیں وُہ بہت پسند ہوں	۲	۲۲۱
وُہ تمہاری کھیتیاں ہیں	۲	۲۲۳
اسلام کا فلسفۂ ازدواج	۲	۲۲۳ مع حاشیہ
جیسے تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں ویسے ہی ان کے حقوق تم پر ہیں	۲	۲۲۸

	سورت نمبر	آیت نمبر
مردوں کا درجہ عورت سے بلند ہے	۲	۲۲۸
" " " " " "	۴	۳۴
تعددِ ازواج کا فلسفہ	۴	۳ مع حاشیہ
وراثت میں عورت بھی مرد کی طرح حصّہ دار ہے	۴	۷
عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم	۴	۱۹ مع حاشیہ
ان کو مجبور نہ کرنے کی ہدایت	۴	۱۹ مع حاشیہ
زمانۂ جہالت کے ایک ظلم کا انسداد	۴	۳۴، ۳۵ حاشیہ
اگر بیوی معیار کے مطابق نہیں تب بھی صبر کرو اس کی حکمت	۴	۳۷ حاشیہ

	سورت نمبر	آیت نمبر
تلاشِ رِزق کے مُساوی حقوق	۴	۳۲
نیک عورتوں کی صفات	۴	۳۴
نکاح وطلاق وغیرہ		
نکاح		
مشرک مردوں عورتوں سے نکاح نہ کرو	۲	۲۲۱
جن عورتوں سے نکاح حرام ہے	۴	۲۳،۲۲
تعدّدِ ازواج	۴	۳
لونڈیوں کے ساتھ نکاح کس وقت جائز ہے	۴	۲۵
سب بیویوں سے حُسنِ سلوک کا حُکم	۴	۱۲۹
پاکدامن مومنات سے نکاح کا حُکم	۵	۵
کتابیات سے نکاح کا حُکم	۵	۵
مَہر		
غیر مدخولہ کے مہر کا حکم	۲	۲۳۷،۲۳۶
مہر کا وجُوب	۴	۴
طلاق دیتے وقت مہر واپس نہ لو	۴	۲۰_۲۱
مَہر کی ادائیگی	۴	۲۴
حیض		
اس حالت میں مقاربت ناجائز ہے	۲	۲۲۲
یہُود ونصاریٰ کی افراط وتفریط	۲	حاشیہ آیتِ بالا
طلاق		
طلاق کا اِسلامی طریقہ	۲	۲۲۹
تیسری طلاق کے بعد رجوع کا اِختیار ساقط	۲	۲۳۰
دیگر احکام	۲	۲۳۰ مع حاشیہ
مروّجہ حلالہ کا حکم	۲	۲۳۰ مع حاشیہ

	سورت نمبر	آیت نمبر
طلاقِ رجعی اَور اس میں عورت کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ہدایت	۲	۲۳۱
غیر مدخولہ کی طلاق کا حکم	۲	۲۳۷،۲۳۶
صورتِ حال کی اصلاح مرد کی ذمہ داری ہے	۲	۲۲۸
" " " " " " " " "	۴	۱۲۸ مع حاشیہ
طلاق کتنی بار دی جاسکتی ہے	۲	۲۳۰،۲۲۹
عرب میں طلاق کا رواج اَور اس کی اِصلاح	۲	حاشیہ آیاتِ بالا
طلاق دینے کا حق مرد کو کیوں تفوِیض کیا گیا	۲	۲۹۶ حاشیہ
تیسری بار طلاق دینے پر مرتب ہونے والے احکام	۲	۲۳۰ مع حاشیہ
خُلع		
اگر زوجین حدُود اللہ قائم کرنے سے قاصر ہوں تو پھر عورت خُلع کر سکتی ہے	۲	۲۲۹ مع حاشیہ
اِیلاء		
اِیلاء کے احکام	۲	۲۲۷،۲۲۶
عِدّت		
عدّت کی حِکمت اَور اس کے احکام	۲	۲۲۸ مع حاشیہ
مطلّقہ عِدّت گزارنے کے بعد نکاح کرنا چاہے تو اسے منع نہ کرو	۲	۲۳۲
بیوہ کی عِدّت	۲	۲۳۴
اثنائے عِدّت نِکاح کا پیغام دُرست نہیں	۲	۲۳۵ مع حاشیہ
اِس کی جائز صُورت	۲	۲۳۵ مع حاشیہ
عِدّت کا نفقہ	۲	۲۴۱
بیوہ کی عِدّت اَور دیگر احکامِ عِدّت	۲	۲۳۴ مع حاشیہ

	سورت نمبر	آیت نمبر
پہلے بیوہ کی عِدّت ایک سال تھی	۲	۲۴۰
عِدّت کے زمانہ کا خرچہ	۲	۲۴۱
عورت کو عدّت گزارنے کے بعد ایذا رسانی کے لیے روکنا ظلم ہے	۲	۲۳۱
فاسِقین		
فاسِقین کون ہیں	۲	۲۷
جس کو اس کی بُرائی گھیرے میں لے لیتی ہے وُہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے	۲	۸۱
فاسق ہی قرآن کے منکر ہیں	۲	۹۹
عہد شکنی ان کا شیوہ ہے	۲	۱۰۰
قبلہ		
جدھر رُخ کرو اُدھر اللہ تعالیٰ موجود ہے	۲	۱۱۵
کعبہ لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ ہے	۲	۱۲۵
مقامِ ابراہیمؑ کو مصلّٰی بناؤ	۲	۱۲۵
تحویلِ قبلہ پر بے جا اعتراض	۲	۱۴۲
کعبہ کو پھر قبلہ بنانے کی حکمت	۲	۱۴۳
کعبہ کو قبلہ بنانے کا فرمانِ الٰہی	۲	۱۴۴
ہر قوم کے لیے ایک سمت کو قبلہ مقرر کیا گیا	۲	۱۴۸
مسجدِ حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم	۲	۱۴۹، ۱۵۰
خانہ کعبہ سب سے پہلے تعمیر ہوا	۳	۹۶
یہ بابرکت اور ہدایت کا سرچشمہ ہے	۳	۹۶
اِس میں روشن نشانیاں ہیں (مقامِ ابراہیمؑ)	۳	۹۷
جو یہاں داخل ہوگا امن پالے گا	۳	۹۷
اس گھر کا حج فرض ہے	۳	۹۷
کعبہ "قیاماً للناس" ہے	۵	۹۷
اِس کی وجہ	۵	۹۷
قرآن مجید		
اِس کتاب میں ذرا شک نہیں	۲	۲
یہ متقین کے لیے ہدایت ہے	۲	۲
اس میں سب لوگوں کے لیے ہدایت اور فرقان ہے	۲	۱۸۵
قرآن کی مثل لانے کا چیلنج	۲	۲۳
یہ اعلان کہ تم ہرگز اس کی مثل نہیں لاسکو گے	۲	۲۴
قرآن سے کون لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور کیوں	۲	۲۶، ۲۷ حاشیہ آیاتِ بالا
فرشتوں کی حقیقت	۲	۴۵ حاشیہ
قرآن جبرئیلؑ لے کر نازل ہوئے	۲	۹۷
یہ ہدایت و بشارت ہے	۲	۹۷
قرآن کا نزول رمضان میں ہوا	۲	۱۸۵
نسخ آیات کی تفصیل (نسخ کی بحث)	۲	۱۰۶ مع حاشیہ
قرآن حق کے ساتھ نازل ہوا۔ حق کی تشریح	۳	۳ مع حاشیہ
قرآن کی کچھ آیات محکم اور کچھ متشابہ ہیں	۳	۷
متشابہات کا علم	۳	حاشیہ آیتِ بالا

	سورت نمبر	آیت نمبر
یہ متقین کے لیے بیان، ہدایت اور موعظت ہے	۳	۱۳۸
قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی دلیل	۴	۸۲
وحی کی حقیقت	۴	۲۴۷ حاشیہ
قرآن نور ہے	۴	۱۷۵
اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ یہ کتاب اس نے نازل فرمائی ہے	۴	۱۶۶
یہ کتاب مبارک ہے	۶	۹۲، ۱۵۵
یہ بیّنہ ہے یہ ہدایت و رحمت ہے	۶	۱۵۷
اس کے نزول کی وجہ	۶	۱۵۷، ۱۵۸
قرآن سابقہ کتب کی تصدیق کرنے والا اور ان کا نگہبان ہے	۵	۴۸
قرآن کا اندازِ موعظت	۶	۶، ۱۱
قرآن کا اسلوبِ دعوت	۶	۴۲ تا ۴۵ مع حواشی
" " " "	۲	۱۶۴
دلائلِ توحید جو قرآن نے پیش کیے	۶	۴۶، ۴۷ مع حواشی
" " " " " " " " " "	۶	۹۹
قرآن نے کائنات میں غور و فکر کی دعوت دی		
تمّت کلمة ربك صدقا وعدلا	۶	۱۱۵
آپ کے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ مکمل ہوئی		
سارے جہانوں کے لیے نصیحت (ذکری للعالمین)	۶	۹۰
وحی کی حقیقت کیا ہے	۴	۲۴۷ حاشیہ

تورات

	سورت نمبر	آیت نمبر
اس میں ہدایت و نور ہے	۵	۴۴
ان کتب کے نزول کی غرض و غایت	۵	۴۸ مع حاشیہ
اس میں ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت و رحمت ہے	۶	۱۵۴

انجیل

	سورت نمبر	آیت نمبر
اس میں بھی ہدایت و نور ہے	۵	۴۶
ان کتب کے نزول کی غرض و غایت	۵	۴۸ مع حاشیہ

قیامت

	سورت نمبر	آیت نمبر
قیامت سے ڈرو جب کوئی فدیہ اور سفارش قبول نہ ہوگی	۲	۴۸
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے درمیان فیصلہ کرے گا	۲	۱۱۳
وقوعِ قیامت کی دلیل	۲	۲۵۹
قیامت سے ڈرو جب تم اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ملے گی۔	۲	۲۸۱
قیامت کے دن بعض کے چہرے سفید اور بعض کے سیاہ ہوں گے۔	۳	۱۰۶، ۱۰۷
قیامت کے دن سب کو اجر پورے دیئے جائیں گے	۳	۱۸۵

	سورت نمبر	آیت نمبر
یومِ قیامت کی رُسوائی سے پناہ	۳	۱۹۴
قیامت کے دن سب کو جمع کیا جائے گا	۴	۸۷
اس میں ذرا شک نہیں	۶	۱۲
تمام مُردوں کو قیامت کے دِن زندہ کیا جائے گا	۶	۳۶
قیامت کے دن سب لوگ اللہ کے پاس لوٹیں گے اَور وُہ اُنھیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا	۶	۶۰

کُفّار و مُشرکین

ا۔		
انھیں ڈرانا بے سُود ہے	۲	۶
جبر و قدر کی بحث	۲	۱ا حاشیہ
کفّار کے دِلوں پر مُہر اَور آنکھوں پر پردے	۲	۷
کفّار اللہ اَور اس کے رسُولوں کے دُشمن	۲	۹۸
اُور اللہ تعالیٰ ان کا دُشمن		
کفّار پسند نہیں کرتے کہ تم پر بھلائی نازل ہو	۲	۱۰۵
کفّار کے لِیے عذابِ الیم	۲	۱۰۴
جو مسجدوں میں ذِکرِ الٰہی سے روکتے ہیں وُہ دُنیا میں بھی ذلیل اَور آخرت میں بھی جہنّم رسید	۲	۱۱۴
جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو چھپاتے ہیں وُہ ملعُون ہیں	۲	۱۵۹
وُہ بُتوں کو اللہ تعالیٰ کا مدِّ مقابل سمجھتے ہیں اَور اُن سے محبّت کرتے ہیں	۲	۱۶۵
وُہ کہتے ہیں اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے	۲	۱۷۰
کفّار کی مثال اندھے بہرے ڈنگر	۲	۱۷۱
جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو بیچتے ہیں ان کی سزا	۲	۱۷۴، ۱۷۵
ان کے لِیے دُنیوی زندگی مزیّن کر دی گئی ہے	۲	۲۱۲
ان کی خواہش ہے کہ تم مُرتد ہو جاؤ	۲	۲۱۷
کافروں کے معاون طاغوت ہیں انھیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں	۲	۲۵۷
رزق تو کفّار کو بھی دیا جاتا ہے	۲	۱۲۶
کیا کفّار کے پاس اُن کے کُفر کی کوئی دلیل ہے	۲	۲۸
کفّار کے لِیے عذابِ شدید	۳	۴
کفّار کو ان کے اموال اَور اولاد کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں گے	۳	۱۰
آیات کا اِنکار، انبیاء و دعوتِ حق دینے والوں کا قتل	۳	۲۱
ان کے دِلوں میں حسد کی آگ بھڑک رہی ہے۔ تمھاری تکلیف سے انھیں خوشی اَور تمھاری خوشی سے اُنھیں رنج ہوتا ہے۔	۳	۱۱۸ تا ۱۲۰
کفّار کے دِلوں پر رُعب	۳	۱۵۱
کفّار کی شر انگیزیاں، اِسلام کی ترقی نہیں روک سکتیں	۳	۱۷۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
ان کی ہلاکت کی وجہ یہ ہے کہ یہ رسُولوں کے ساتھ اِستہزاء کیا کرتے تھے	٦	١٠
قیامت کے دن ان کا شِرک سے اِنکار	٦	٢٤،٢٣
ان کے دلوں پر پردے اَور کانوں میں بہرا پن	٦	٢٥
اپنے اعمال کی وجہ سے انھیں ہلاک کیا جائے گا اَور کھولتا ہُوا پانی دیا جائے گا	٦	٧٠
کفّار کے اعمال شیطان بڑے آراستہ کر کے انھیں دکھاتا ہے	٦	١٢٢
قیامت کے روز کفّار کا کفِ افسوس ملنا کہ کاش اُنھیں دُنیا میں لَوٹا دیا جائے	٦	٢٨،٢٧
		٣١،٣٠
(ب) ان کا عقیدہ		
وُہ بتوں کو انداد (اللہ کا ہمسر) یقین کرتے	٢	٢٢
ان کی نظروں میں دُنیا بڑی حسین ہے	٢	٢١٢
مشرکین کس کی عبادت کرتے ہیں	٤	١١٧
خُدا اَور رسُولوں میں فرق کرنے والے پکّے کافر ہیں	٤	١٥٠
		١٥١
وُہ اپنے معبُودوں کو خُدا کے برابر تسلیم کرتے (یعدلون)	٦	١٥٠،١
یہ قرآن کو اساطیر کہتے ہیں	٦	٢٥ مع حاشیہ
قیامت کا اِنکار	٦	٢٩
یہ دُنیوی زندگی لہو و لعب کی زندگی ہے	٦	٣٢
شفاعت کے متعلق کفّار کا غلط عقیدہ	٦	٥١ مع حاشیہ
جِنّوں کو وُہ خُدا کا شریک بناتے ہیں	٦	١٠٠
خُدا کے بیٹے اَور بیٹیاں بناتے	٦	١٠٠
کفّار کے عقیدہ کا بطلان	٦	٤٠_٤١
جھُوٹے مدعیانِ نبوّت کی محشر میں رُسوائی	٦	٩٣
کفّار اپنے کفر کی خود شہادت دیں گے	٦	١٣٠
ان کی نجات نہیں		
کفّار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے	٢	٣٩
کفّار کے لِیے بخشش نہیں	٢	١٦١،١٦٢
〃 〃 〃 〃	٤	٤٨،١١٦
کفّار کے لِیے شفاعت نہیں	٢	٢٥٤
〃 〃 〃 〃	٦	٥١
ہم اُن کو جو مُہلت دے رہے ہیں وُہ ان کے لِیے عذابِ الیم کا سبب بنے گی	٣	١٧٨
کفّار کو مال اَور اولاد فائدہ نہیں دے گی	٣	١٠
شِرک کی تحقیق	٤	٤٨ مع حاشیہ
جو ہر وقت دین بدلتے رہتے ہیں ان کے لِیے نجات نہیں	٤	١٣٧
ان کے اطوار		
جنھوں نے کفر اَور ظلم کیا اُنھیں ہدایت نہیں مِلے گی	٤	١٦٨،١٦٩
ان کے لِیے نہ نجات ہے نہ فِدیہ	٣	٩٠،٩١
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	٥	٣٦،٣٧
مُرتد کا عمل برباد	٢	٢١٧
مساجد سے روکنا بڑا ظلم ہے	٢	١١٤

	سورت نمبر	آیت نمبر
کفّار اپنے جاہل باپ دادا کی پیروی کرتے تھے	۲	۱۷۰
	۵	۱۰۴
ان کی مثال	۲	۱۷۱
مومنوں کا مذاق اُڑانا اُن کا شیوہ ہے	۲	۲۱۲
کفّار و منافق اِسلامی عبادات کا مذاق اڑاتے ہیں	۵	۵۸
آیات سے اعراض	۶	۴ مع حاشیہ
حق کی تکذیب اَور اِستہزاء	۶	۵
ان کے کہنے کے مطابق اگر لکھی لکھائی کتاب نازل ہوتی تب بھی یہ اسے سحرِ مُبین کہہ کر اِنکار کرتے	۶	۷
فرشتہ کے نزول کا مطالبہ	۶	۸
یہ مطالبہ پورا نہ کرنے کی وجہ	۶	۹ مع حاشیہ
رسُولوں کے ساتھ استہزاء اَور یہی ان کی ہلاکت کا باعث	۶	۱۰
اللہ تعالیٰ پر افترا بازی بڑا ظلم ہے	۶	۲۱، ۱۴۴
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶	۹۳، ۱۵۷
غریب مسلمانوں کا مذاق	۶	۵۳
وُہ محض حجت بازی کے لیے معجزات طلب کرتے تھے	۶	۱۵۸
بے شمار معجزات دیکھنے کے باوجُود وُہ ایمان نہ لاتے۔	۶	۱۱۱
ان کی ایک اَور حجت بازی کہ ان پر بھی وحی اترے	۶	۱۲۴
ان کی مشرکانہ رسُوم :-		

	سورت نمبر	آیت نمبر
۱۔ کھیتی اَور مویشی میں بتوں کا حِصّہ	۶	۱۳۶
۲۔ قتلِ اولاد ان کے لیے مزیّن کیا گیا	۶	۱۳۷
۳۔ بعض چیزیں مردوں کے لیے مخصوص، بعض عورتوں کے لیے، ایسی حماقتوں کے باعث گمراہ ہُوتے	۶	۱۳۹
۴۔ جانوروں کی حِلّت و حُرمت کے متعلق لایعنی رواج	۶	۱۴۳، ۱۴۴
وُہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کے لیے مال خرچ کرتے	۳	۱۱۷
کفّار کی فارغ البالی اَور کثرتِ اولاد تمھیں دھوکہ میں نہ ڈالے (متاعِ قلیل)	۳	۱۹۶، ۱۹۷
ان کا ہولناک انجام، ظالموں کی موت کی کیفیّت	۴	۹۷
جہنّم میں ان کا عذاب ختم نہ ہوگا	۴	۵۶
کفّار ہلاکت کا اِنتظار کر رہے ہیں	۶	۱۵۸
قیامت کے روز ان کا بصد حسرت کفِ افسوس ملنا اَور ایک بار لوٹائے جانے کی آرزو کرنا	۶	۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۱
تباہی اَور پینے کے لیے کھولتا ہُوا پانی	۶	۷۰
کفر کی وجہ سے عذاب اَور باہمی انتشار کی سزا	۶	۶۵ مع حاشیہ
گُناہ		
اللہ تعالیٰ اَور اس کی مخلوق سے وعدہ شکنی	۳	۷۷
گناہِ کبیرہ	۳	حاشیہ آیتِ بالا

	سورت نمبر	آیت نمبر
کن لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور کن کی نہیں	۴	۱۷، ۱۸
اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو دوسری غلطیاں معاف کر دی جاتی ہیں	۴	۳۱
کبیرہ گناہ کیا ہے تکفیر سیّئات کا مطلب	۴	۳۱ مع حاشیہ
گناہ دراصل اپنے نفس سے خیانت ہے	۴	۱۰۷ مع حاشیہ
متقین و مومنین		
متقین کی صفات :-		
وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں	۲	۳
نماز قائم کرتے ہیں		
مال خرچ کرتے ہیں	۲	۳
آسمانی کتب پر ایمان، آخرت پر یقینِ محکم	۲	۴
انھیں ہدایت و فلاح کی بشارت	۲	۵
اہلِ ایمان کو جنّت اور دیگر انعامات کی بشارت	۲	۲۵
نہ انھیں خوف نہ حُزن	۲	۳۸
اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبّت کرتے ہیں۔ رسولؐ سے محبّت اللہ سے محبّت ہے	۲	۱۶۵ مع حاشیہ
شفاعتِ اولیاء	۲	۳۳۴ حاشیہ
اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا مددگار ہے۔ وہ انھیں اندھیروں سے نور کی طرف لاتا ہے	۲	۲۵۷
جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے انھیں نہ خوف نہ حزن	۲	۲۷۷
اہلِ ایمان سب رسولوں کو مانتے ہیں اور	۲	۲۸۵

	سورت نمبر	آیت نمبر
ان میں تفریق نہیں کرتے	۲	۱۵۲، ۱۵۳
اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لیے مومن کی تربیت		۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷
شہداء زندہ ہیں	۲	۱۵۴
ان کی زندگی کی کیفیّت اور ان کا اپنے دوستوں کی مدد کرنا	۲	۱۵۴ مع حاشیہ
مومن مصائب میں صبر کرتا ہے اور راضی برضا رہتا ہے	۲	۱۵۵، ۱۵۶ حواشی
رضائے الٰہی کے لیے جان تک بھی بیچ دیتے ہیں	۲	۲۰۷
مسلمانوں کو اسلام میں مکمّل طور پر داخل ہونے کا حکم	۲	۲۰۸
مومنین کی صفات، کراماتِ اولیاء	۳	۱۷
" " " " "	۳	۳۷ مع حاشیہ
اہلِ کتاب کی اطاعت کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے	۳	۱۰۰_۱۰۱
پوری طرح تقویٰ اختیار کرو اور مرنا ہے تو اسلام پر مرو۔	۳	۱۰۲
تقویٰ کی تعریف	۳	۱۰۲ مع حاشیہ
اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا اور ناراض کرنے والا برابر نہیں ہو سکتا	۳	۱۶۲
انتم الاعلون (تم ہی سربلند ہو اگر ایماندار ہو)	۳	۱۳۹
رب والے راہِ حق میں پیش آنے والے مصائب سے دل برداشتہ نہیں ہوتے	۳	۱۴۶
اللہ اہلِ ایمان کا بہترین مددگار ہے	۳	۱۵۰
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت مومنین پر احسان ہے	۳	۱۶۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
مومنوں کی آزمائش اور اس پر پورا اُترنا	۳	۱۸۶
مومنین کے لیے جنّت اور پاک بیبیاں	۴	۵۷
متّقی کے لیے آخرت بہت بہتر ہے	۴	۷۷
بہترین دین اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا ہے	۴	۱۲۵
سابقہ اُمم کو بھی تقویٰ کا حکم دیا گیا اور تمھیں بھی۔	۴	۱۳۱
جن اہلِ ایمان نے اللہ کی رسّی کو پکڑ لیا انھیں رحمت و فضل اور صراطِ مستقیم کی ہدایت	۴	۱۷۶
ایمان اور عملِ صالح پر اجرِ عظیم کی بشارت	۵	۹
رضاءِ الٰہی کے طالبوں کو قرآن سے سبل السّلام کی طرف راہنمائی ملتی ہے	۵	۱۶ حاشیہ
مومنین کے اوصاف	۵	۵۴
اہلِ ایمان کو اپنی اصلاح کا حکم	۵	۱۰۵
صادقین کی قیامت کے روز عزّت افزائی	۵	۱۱۹
وُہ خُدا سے راضی اور خدا اُن سے راضی	۵	۱۱۹

معاشیات

پاکیزہ رزق کھاؤ	۲	۱۷۲
کسبِ معاش میں حلال و حرام میں امتیاز	۲	۱۶۸ مع حاشیہ
وصیّت	۲	۱۸۰
وصیّت کو بدلنے والا گنہ گار ہوگا	۲	۱۸۱
وصیّت میں ظلم کی صُورت میں مصالحت	۲	۱۸۲
باطل ذرائع سے لوگوں کے مال نہ کھاؤ	۲	۱۸۸
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۴	۲۹
باطل ذرائع کون کون سے ہیں	۲	۱۸۸ کا حاشیہ
پاک مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اس کا آغاز اپنے قریبی رشتہ داروں سے کرو	۲	۲۱۵
پُوچھتے ہیں کیا خرچ کریں فرماؤ العفو	۲	۲۱۹
انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب	۲	۲۶۱ تا ۲۶۶
ریاکاری سے اجتناب	۲	۲۶۷
پاکیزہ مال خرچ کرو	۲	۲۶۸
بُخل کو فحشاء کہا گیا ہے	۳	۱۸۰
بخل کی مذمّت	۲	۲۶۱ تا ۲۷۴
انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب اور آداب اور اس کی برکات		
سُود کی حُرمت		
سُود خور کی مثال آسیب زدہ شخص کی سی ہے	۲	۲۷۵ حواشی
بیع حلال ہے سُود حرام ہے	۳	۱۳۰
سُود کی حُرمت کی وجہ		
اللہ تعالیٰ سُود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے	۲	۲۷۶
اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور بقیہ سُود چھوڑ دو	۲	۲۷۸
اگر ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور رسُولؐ کا تمھارے خلاف اعلانِ جنگ ہے	۲	۲۷۹
صدقات کا مستحق	۲	۲۷۳
زراعت کی فضیلت	۲	۲۶۱ کا حاشیہ

	سورت نمبر	آیت نمبر
بھیک مانگنے کی مذمّت	۲	۲۷۳ کا حاشیہ
غیر مُسلم فقراء کو صدقہ دینا	۲	۲۷۲
مقروض تنگ دست ہو تو مُہلت دو	۲	۲۸۰
یا اس پر صدقہ کر دو		
قرض لیتے وقت لِکھ لیا کرو	۲	۲۸۲
کاتب صحیح صحیح لِکھے اَور لِکھنے سے اِنکار نہ کرے۔	۲	۲۸۲
تحریر کِس کے ذمہ ہے	۲	۲۸۲
اگر مقروض سفیہہ یا ضعیف ہو تو.....	۲	۲۸۲
نصابِ شہادت وغیرہ اَور دیگر ہدایات	۲	۲۸۲
اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیاری چیزیں خرچ کرو	۳	۹۲
یتیموں کے اموال کی حفاظت	۴	۲، ۱۲۷
〃 〃 〃 〃 〃	۶	۱۵۲
سِنِّ رُشد سے پہلے یتیموں کو اُن کے مال نہ دو	۲	۲۲۰
	۴	۵، ۶
کورٹ آف وارڈ	۴	۱۳ احاشیہ
یتیموں کے سرپرستوں کو ہدایات	۴	۶، ۹، ۱۰
جاہلی عرب کا نظامِ وراثت	۴	۷ احاشیہ
احکامِ میراث	۴	۱۱ تا ۱۴
اِسلام کا حکیمانہ نظامِ وراثت		
اولاد کے وارث بننے کی مختلف صُورتیں	۴	۱۱، ۱۲
والدین کے 〃 〃 〃 〃		حواشی متعلّقہ
خاوند 〃 〃 〃 〃 〃		وصیّت پر
بیوی 〃 〃 〃 〃 〃		مفصّل بحث

	سورت نمبر	آیت نمبر
کلالہ کی تعریف		حاشیہ آیاتِ سابقہ
وراثت کی تقسیم		
قمار بازی کی ممانعت	۵	۳ مع حاشیہ
اسراف کی ممانعت	۶	۱۴۱
صحیح تولنے اَور ماپنے کا حُکم	۶	۱۵۲
عُشر پر تفصیلی بحث	۶	۱۷۸ احاشیہ

مُعجزات

حضرت کلیمؑ کے لیے سمندر کا پایاب ہونا	۲	۵۰ مع حاشیہ
نیوٹن کا قول	۲	حاشیہ آیاتِ بالا
حضرتِ مریمؑ کے پاس بے موسم کے پھل	۳	۳۷
حضرت عیسیٰؑ کے معجزات	۳	۴۹، ۵۰
〃 〃 〃 〃	۵	۱۱۰

مُنافقین

مُنافقین اِیمان کے دعویٰ کے باوجُود مومن نہیں	۲	۸
وُہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہے ہیں	۲	۹
ان کے دِلوں میں مرض ہے	۲	۱۰
وُہ فسادی ہیں اَور اپنے آپ کو مُصلح سمجھتے ہیں	۲	۱۱، ۱۲
اہلِ ایمان کو بے وقوف کہتے ہیں	۲	۱۳

	سورت نمبر	آیت نمبر
ان کے دیگر احوال	۲	۱۴، ۱۵، ۱۶
ان کی مثال	۲	۱۷، ۱۸
دُوسری مثال	۲	۱۹، ۲۰
مُسلمانوں سے مِلتے ہیں تو مومن بن کر، اپنوں سے مِلتے ہیں تو اَور قسم کی سرگوشی کرتے ہیں	۲	۷۶
مُنافقین بڑے شیریں گفتار ہوتے ہیں لیکن الدّ الخصام	۲	۲۰۴
انھیں اِقتدار مِل جائے تو فِتنہ و فساد برپا کرتے ہیں	۲	۲۰۵
خُدا کا خوف دلایا جائے تو وُہ اسے عزّتِ نفس کا سوال بنا لیتے ہیں۔	۲	۲۰۶
منافق کے مال خرچ کرنے کی مثال	۲	۲۶۴
مُسلمان شہداء کے متعلق ان کا رویّہ	۳	۱۵۶
اُحد میں مُنافقین کا طرزِ عمل یہ جنگ نہیں خودکشی ہے	۳	۱۶۷
دُوسروں کو موت سے بچانے کے بجائے اپنے آپ کو بچا دیکھو	۳	۱۶۸
مومن اَور مُنافق کو الگ الگ کر دینا حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہے	۳	۱۷۹
مُنافق مال کے مِلنے اَور جھُوٹی خوشامد پر بڑے خوش ہوتے ہیں	۳	۱۸۸
کتاب و سُنت کی پیروی کی دعوت دی جائے تو رُوگردانی کرتے ہیں۔	۴	۶۱
دعوتِ جہاد کے وقت ان کی حالت	۴	۷۲، ۷۳
منافقین پر جہاد بہت گراں ہے	۴	۷۷
ہر پسپائی اَور تنگی کو حضورؐ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کا ردّ	۴	۷۸
بظاہر دعوی اطاعت بباطن سازش اَور منصوبہ سازی	۴	۸۱
یہ مُسلمانوں کو بھی کافر بنانا چاہتے ہیں	۴	۸۹
یہ عزّت حاصل کرنے کے لیے کفّار سے یارانہ گانٹھتے ہیں	۴	۱۳۹
آیاتِ الٰہی کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کے ساتھ مت بیٹھو	۴	۱۴۰
فتح و شکست کے وقت مُنافقوں کا کردار	۴	۱۴۱
مُنافقین کا طریقۂ کار اللہ سے دھوکہ	۴	۱۴۱
نماز میں سُستی، ذِکرِ الٰہی سے بے رغبتی نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے	۴	۱۴۲، ۱۴۳ مع حاشیہ
مُنافقین درکِ اسفل میں ہیں مگر تائب ہونے والے نہیں	۴	۱۴۵، ۱۴۶
مُنافقین حوادثِ زمانہ سے بچنے کے لیے یہود سے دوستانہ تعلقات بناتے ہیں	۵	۱۱۱ حاشیہ
نفاق کی وجہ سے اعمال ضائع	۵	۵۳
مُنافقین جیسے خالی آتے ویسے خالی لَوٹتے ہیں	۵	۶۱

نواہی

کِسی کو اس کا مدِّ مقابل نہ بناؤ	۲	۲۲
آیاتِ الٰہی کو نہ بیچو	۲	۴۱
حق کو باطل سے نہ ملاؤ	۲	۴۲

	سورت نمبر	آیت نمبر
حق کو دانستہ نہ چھپاؤ	۲	۴۲، ۱۵۹
〃 〃 〃 〃		۱۷۴، ۱۷۵
احکامِ الٰہی میں تحریف کرنے والوں کو عبرتناک سزا	۲	۵۹
حق میں شک کرنا درست نہیں	۲	۱۴۷
اتباعِ شیطان کی ممانعت	۲	۱۶۸
زمین میں فساد برپا کرتے نہ پھرو	۲	۶۰
اللہ کی حدوں کے قریب مت جاؤ	۲	۱۸۷
لوگوں کے مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ	۲	۱۸۸
رشوت کی ممانعت	۲	۱۸۸
صدقہ دے کر احسان جتلانا اور اذیت پہنچانے کی ممانعت	۲	۲۶۴
وبازدہ علاقہ سے نکلنے اور داخل ہونے کا حکم	۲	۲۴۳ مع حاشیہ
باہمی لین دین میں فضل فراموش نہ کرو	۲	۲۳۷
افتراق واختلاف کی ممانعت	۳	۱۰۵
کافروں کی پیروی مت کرو	۳	۱۴۹
〃 〃 〃 〃	۶	۱۴۹
بخل نہ کرو	۳	۱۸۰
〃 〃 〃	۴	۳۷
خودکشی کی ممانعت	۴	۲۹ مع حاشیہ
اللہ تعالیٰ نے جو انعام کسی پر کیا اس کی تمنا نہ کرو	۴	۳۲
ریا سے مال خرچ کرنے کی ممانعت	۴	۳۸
شرک نہ کرو (حقیقتِ شرک پر تفصیلی بحث)	۴	۴۸ مع حاشیہ
تمہارے خیالی پلاؤ پکانے سے کچھ نہیں ہوگا	۴	۱۲۳ مع حاشیہ
اللہ تعالیٰ کھلی برائی کو پسند نہیں کرتا	۴	۱۴۸
اللہ کے دین کا مذاق اڑانے والوں سے دوستی کی ممانعت	۵	۵۷
معبودانِ باطل کو برا بھلا کہنے کی ممانعت	۶	۱۰۸
ہر ایک کی پیروی نہ کرنے لگو، گمراہ ہو جاؤ گے	۶	۱۱۶، ۱۵۳
کافر ظن وتخمین کے پیروکار ہیں	۶	۱۱۶
جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے وہ نہ کھاؤ	۶	۱۲۰

فرہنگ

نمبر شمار	لفظ	معنی و مفہوم	صفحہ	جلد	حاشیہ
1	گوناگوں	مختلف، طرح طرح کی	5	1	
2	رُستگاری	نجات، رہائی	5	1	
3	ادق	نہایت دقیق یعنی جس کے مطالب اور مفاہیم تک رسائی انتہائی مشکل ہو	7	1	
4	وحشت و بربریت	خلاف انسانیت کام	9	1	
5	اُجڈپن	جاہلیت، بیہودگی	9	1	
6	پراگندہ شیرازہ	منتشر انتظام	10	1	
7	چرکوں	زخموں	11	1	
8	خونچکاں	جس سے لہو ٹپک رہا ہو	11	1	
9	ہیچمداں	ناواقف، ناچیز	12	1	
10	قلمرو	ملک، سلطنت	13	1	
11	طوق	مجرموں کے گلے میں ڈالا جانے والا حلقہ	19	1	
12	زیب گلو	گلے کی زینت	19	1	
13	خوگر	عادی	21	1	1
14	بالیدگی	نشوونما	21	1	3
15	اکسیر	نہایت فائدہ مند چیز، نہایت موثر شے	21	1	3
16	کرشمہ سازی	ایسا کام کرنا جو انسان کو حیرت میں مبتلا کردے	22	1	4
17	بے ہمتا	بے مثل	22	1	4
18	رعنایاں	خوبصورتیاں	22	1	4

19	رو پزیر	ظاہر	22	1	4
20	مُنعم علیہ	جس پر انعام کیا گیا ہو	22	1	5
21	مَفَر	بچاؤ	23	1	8
22	سطوت و جبروت	رعب و دبدبہ	23	1	8
23	موہوم پیکر	فرضی صورتیں	23	1	8
24	تذلل و انکسار	عاجزی	23	1	9
25	حاشا و کلا	نہیں ہرگز نہیں	23	1	9
26	بارگاہ صمدیّت	بے نیاز بارگاہ	24	1	9
27	کُشود	حل	25	1	10
28	بسط	تفصیل	25	1	10
29	دام	پھندہ، جال	26	1	11
30	ثبات	ثابت قدمی	26	1	11
31	نقوش پا	نشانات قدم	26	1	12

سورۃ البقرہ

32	بُعدِ رُتبی	مرتبہ کی دوری	29	1	2
33	تذبذب	شک و شبہ	30	1	5
34	ورطۂ حیرت	انتہائی حیرت	32	1	9
35	بَلانوش	جو ملے کھا جانے والا	33	1	12
36	سلب ہو جانا	مٹ جانا، ختم ہو جانا	33	1	12
37	دیدہ و گوش	آنکھ اور کان	33	1	12
38	پاداش	نتیجہ، سزا	34	1	12
39	مُکدّر	آلودہ	34	1	12
40	تختۂ مشق بننا	ظلم و ستم کا بار بار محل بننا	34	1	13

41	چرب زبان	چکنی چپڑی باتیں کرنے والا	34	1	14
42	ندرت اوراوپراپن	انوکھاپن	37	1	24
43	سرافگندہ	سر جھکائے ہوئے	39	1	28
44	غوّاص	غوطہ لگانے والا، غوطہ خور	40	1	30
45	فنی موشگافیاں	فنی باریک بینیاں	40	1	30
46	بیک کرشمہ سہ کار	ایک تیر تین شکار	41	1	32
47	جاں گُسل	مشکل	41	1	32
48	خورسند	خوش	41	1	33
49	نقض میثاق۔۔۔۔۔در انتہا	وعدہ توڑنا اور توبہ کو توڑنا، آخر میں لعنت کا باعث ہوتا ہے	43	1	38
50	بے پایاں	بے انتہا	44	1	41
51	جادہ	راستہ	44	1	41
52	مطاع	جس کی اطاعت کی جائے	44	1	41
53	آفرینش	پیدائش	44	1	42
54	نیست سے ہست	عدم سے وجود	44	1	42
55	پایاں ناپزیر	ایسی انتہا جس تک رسائی حاصل نہ کی جاسکے	46	1	46
56	جہول	بہت زیادہ جاہل	46	1	46
57	عظموت وجبروت	عظمت وکبریائی	46	1	46
58	اسرارسربستہ	مخفی رازوں	48	1	48
59	سمند	گھوڑا	48	1	48
60	مہمیز کرنا	ایڑ لگانا	48	1	48
61	شورہ بختی	بدنصیبی	48	1	48
62	ملتجی	التجا کرنے والا	50	1	51
63	سودفراموش	نفع کو پس پشت ڈالنے والا	53	1	61

64	انضباط	روکنا، نظم پیدا کرنا	54	1	62
65	چشم زدن	لمحہ بھر	56	1	68
66	محورقص وخرام	موجزن	56	1	68
67	مبادا	ایسا نہ ہو	62	1	82
68	اچنبے	تعجب، حیرت	64	1	86
69	مورکھ	جاہل، نادان	67	1	92
70	معمہ	پہیلی	70	1	97
71	کندہ ناتراش	بے سلیقہ، بدتمیز	70	1	98
72	دارالمحن	دنیا، رنج وغم کا گھر	76	1	109
73	پنبہ درگوش	غافل، بے خبر	79	1	116
74	متداول	مروج، رائج	81	1	118
75	مَنِش	طبیعت، خو	84	1	123
76	برگشتہ کرنا	بہکانا، گمراہ کرنا	85	1	125
77	پورب پچھّم	مشرق، مغرب	88	1	132
78	بوالہوس	خواہش پرست	91	1	142
79	محرّف	جس میں تحریف کی گئی ہو	91	1	143
80	بے محابا	بے انتہا، بلارکاوٹ	107	1	177
81	خس وخاشاک	کوڑا کرکٹ	109	1	183
82	لاینحل	جو حل نہ ہو	112	1	188
83	کہ ومہ	چھوٹا بڑا، عام وخاص	112	1	188
84	بازیچہ طفلاں	بچوں کا کھیل	123	1	210
85	ابرنیساں	بہار کا بادل	126	1	219
86	بہی خواہوں	ہمدردوں	128	1	222
87	قطع وبرید	تراش خراش	128	1	222

88	ستم ظریفی کرنا، فرمانا	ایسا کام کرنا جو انسان کو تعجب میں ڈال دے	130	1	230
89	پژمردہ	مرجھایا ہوا	130	1	230
90	مشاطگی	بنانا، سنوارنا	130	1	230
91	پابجولاں کرنا	پاؤں میں زنجیر ڈالنا	130	1	230
92	نخوتیں	گھمنڈ	130	1	230
93	کج فہمی	ناسمجھی	131	1	230
94	ہتک	پامالی	138	1	249
95	سربگریباں	نادم وشرمندہ	143	1	263
96	ہوش ربا	ہوش اڑا دینے والا	145	1	270
97	تاخت وتاراج کرنا	لوٹ لینا، ستیاناس کرنا	147	1	272
98	قلابے ملانا	کڑیاں ملانا، حلقہ ملانا، تعلق جوڑنا، مراد مبالغہ آرائی کرنا	149	1	276
99	ہالہ	دائرہ	151	1	282
100	مخلوعہ	جس سے خلع کیا گیا	158	1	297
101	مکررسہ کرر	دوبار، تین بار، بار بار	159	1	298
102	تنقیحات	تحقیقات	167	1	316
103	خلجان	تردد، اندیشہ	168	1	319
104	آویزش	جنگ، چپقلش	176	1	333
105	دورافتادہ	دوردراز بنجر وبے آباد	179	1	343
106	مسحاۃ	بیلچہ، کدال	185	1	355
107	لرزہ براندام	کانپنے والی	196	1	378
108	گدائے بے نوا	خستہ حال فقیر	202	1	388
109	شیرازہ بندی	جمع کرنا	203	1	تعارف سورۂ آل عمران

110	سرپھٹول	لڑائی جھگڑا	204	1	ایضاً
111	خرمن	کھلیان	216	1	22
112	لاف زنیوں	شیخیوں، خودستائیوں	218	1	26
113	کرشمہ آفرینی	ایسا کام کرنا جو انسان کو تعجب میں ڈال دے	228	1	45
114	سرمو	بال برابر، ذرہ برابر	234	1	57
115	دام ہمرنگ زمین	زمین کے رنگ جیسا جال، زبردست مکر، چال	243	1	78
116	رزم گاہ	میدان جنگ	258	1	111
117	مہر نیمروز	نصف النہار کا سورج	263	1	116
118	زک اٹھانا	خفت اٹھانا	271	1	132
119	سراسیمہ	پریشان	283	1	163
120	شناور	تیراک	301	1	207
121	انگبین	شہد	305	1	217
122	تفحص	تلاش و جستجو	306	1	221
123	قماش	قسم، جنس، ڈھنگ	309	1	227
124	اندوختہ	جمع کیا ہوا، پونجی	323	1	20
125	فہمائش	ہدایت، نصیحت	342	1	65
126	درماندگی	بدحالی	347	1	77
127	تملّق	چاپلوسی	349	1	83
128	جوتش	علم نجوم	353	1	88
129	رمل	ایک علم کا نام جس میں لکیروں اور نقوش کے ذریعے کاموں کے نتائج کو معلوم کیا جاتا ہے	353	1	88
130	پرآشوب	فساد سے بھرا ہوا	371	1	129
131	بوقلموں	رنگا رنگ، متغیر	371	1	129
132	وقاحت	بے حیائی	388	1	164

133	آلائش	آلودگی، غلاظت	388	1	165
134	دوں فطرت	کمینہ، حقیر	389	1	168
135	زرتار جال	ایسا جال جو سونے کی تاروں سے بنایا گیا ہو	394	1	180
136	نخچیر	شکار	395	1	183
137	زبوں	عاجز، بے چارہ	395	1	183
138	مسکنت	بے چارگی، مفلسی	403	1	203
139	جادہ زیست	شاہراہ حیات	404	1	205
140	قشقہ لگایا	تلک لگایا، ماتھے پر نشان لگایا	406	1	210
141	پخ لگانا	واہیات بات کرنا	417	1	239
142	زشتیٔ اعمال	اعمال کی برائی	419	1	243
143	مثلث الاقانیم	تین اقانیم والا	427	1	257
144	فروکش ہونا	قیام کرنا	458	1	59
145	بے کم وکاست	کمی کے بغیر	460	1	60
146	گزند	تکلیف، دکھ	492	1	133
147	بپتسمہ	عیسائی بنانے کی مذہبی رسم	497	1	144
148	تعریب	دوسری زبان کے لفظ کو عربی زبان میں ڈھال لینا	503	1	154
149	صافہ	دوپٹہ	506	1	161
150	جام وسبو	پیالہ ومٹکا	507	1	164
151	بے درماں	جس کا کوئی چارہ کار نہ ہو	508	1	164
152	تعسف	تکلف، ایسا معنی کرنا جس پر دلالت نہ ہو	508	1	165
153	حداۃ	چیل	512	1	173
154	کبیدہ خاطر	رنجیدہ دل	514	1	179
155	جورو	بیوی	520	1	191

156	بادسموم	زہریلی ہوا	534	1	4
157	شئون حیات	امورزندگی، معاملات زندگی	535	1	7
158	ارم	شداد نے جو جنت بنائی تھی اس کا نام	536	1	10
159	رشک ارم	ایسے پر بہار جس پر ارم رشک کرے	536	1	10
160	طاؤس ورباب	سازوں کے نام، طاؤس مور کی شکل کا، سارنگی	537	1	11
161	تزک واحتشام	شان وشوکت	550	1	51
162	خشم گین	غضبناک	571	1	93
163	باردار	پھل دار	573	1	96
164	مجال دم زدن	سانس لینے کی گنجائش اور قدرت	576	1	100
165	نابکار	بدذات، شریر	593	1	142
166	ڈھکوسلا	اٹکل پچو، اندازہ	595	1	147
167	طاق نسیان پر رکھ دیا	بھلا دیا	600	1	161
168	ابریشم	کچا ریشم	606	1	177

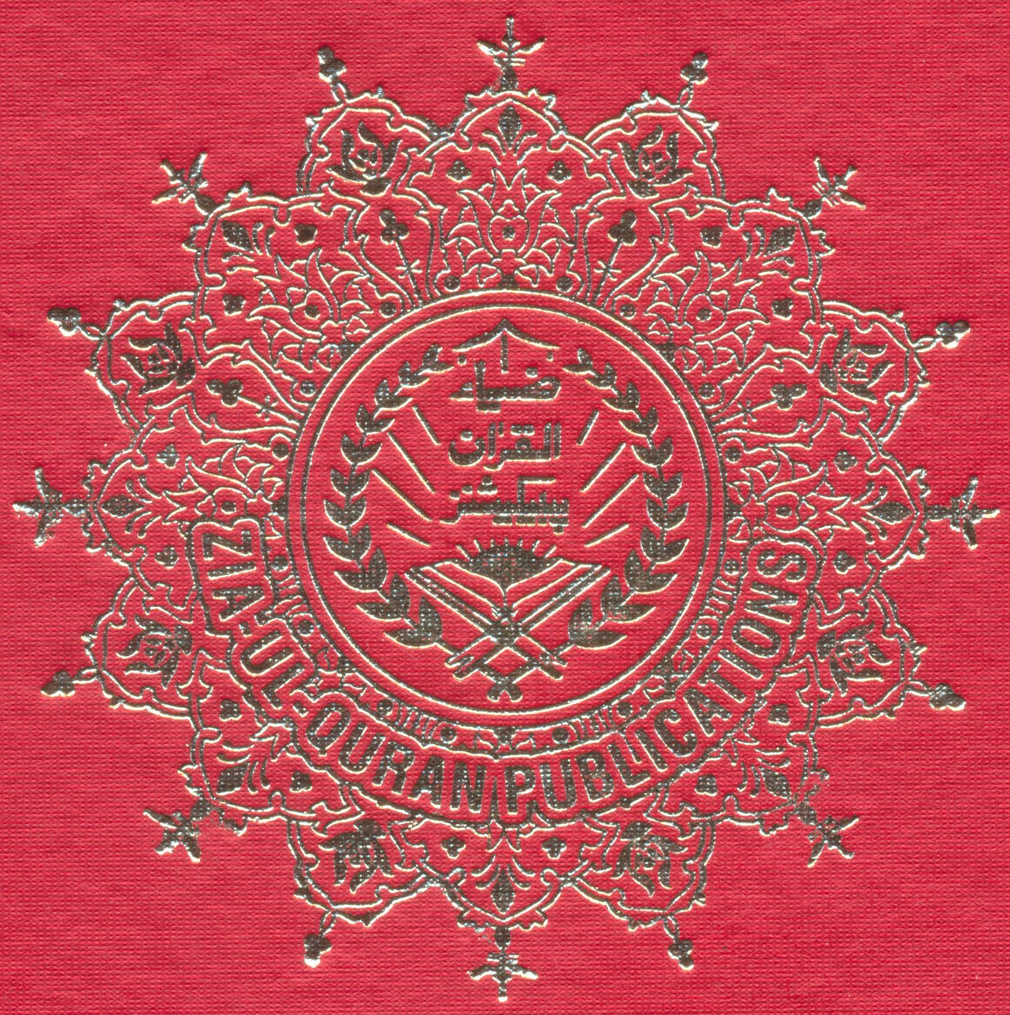
ضياء القرآن پبلشرز
ZIAUL QURAN PUBLICATIONS